

اسنہ ریاض

سلام مسافر

جلال الدین نے فائل بند کر کے میز پر کھسکادی اور دائیں ہاتھ سے آنکھیں مسلتا ٹانگیں پھیلا کر نیم دراز ہو گیا۔

آج کا سارا دن بے حد تھکا دینے والا تھا۔

نئی نئی ملازمت کم تنخواہ لیکن ترقی کے لالچ نے اسے دن رات کولہو کے بیل کی طرح جتے رہنے پر مجبور کر دیا تھا۔ پھر افسر چیمبر کے دھکے اور آخر میں پراپرٹی ڈیلر کے ساتھ مغزماری۔

ہر گزرتے دن کے ساتھ اسے اپنا وجود دیمک لگی لکڑی کی طرح بھربھرا ہوتا محسوس ہوتا تھا۔

کتنے دن گزرے وہ سکون سے سو بھی نہیں سکا تھا۔

اس وقت بھی ابھی نیند نے پوری طرح اس کے ذہن پر غلبہ نہیں پایا تھا کہ کوئی چیز اس کے ہاتھ سے ٹکرائی اور وہ ہڑبڑا کے سیدھا ہو بیٹھا۔ اس کا دل بے حد بے ہنگم طریقے سے دھڑک رہا تھا۔ آنکھیں پھاڑ کر اس نے اس چیز کو تلاش کرنا چاہا جو اس کے ہاتھ سے ٹکرائی تھی مگر ٹیبل لیمپ کی روشنی میں اسے کچھ بھی دکھائی نہیں دیا۔ کوئی

www.pkdigest.com

بھی ایسی چیز جو کسی غیر معمولی پن کی طرف اشارہ کرتی ہو' وہ کچھ دیر اسی طرح متلاشی اور خوف زدہ نظروں سے دیکھتا رہا پھر اس کے خوف میں تبدریج کمی واقع ہونے لگی اور بالآخر اس کے لبوں پر جھینپی ہوئی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

نیند میں ڈر جانا کچھ ایسی غیر معمولی بات بھی نہیں' خصوصاً" تب جب پچھلی سترہ راتوں میں آپ برائے نام سو پائے ہوں۔

اب بھی اسے نیند نہیں آرہی تھی یعنی بے آرام راتوں میں ایک اور بے آرام رات کا اضافہ۔

اس کی بیوی دوسری طرف منہ کیے سو رہی تھی۔

وہ اٹھ کر کھڑکی تک آگیا اور پردے ہٹا دیے پھر چونک سا گیا۔

شیشے پر بارش کی بوندیں جلترنگ بجا رہی تھیں اور تیز ہوا میں پوکلپٹس کے پتے پھڑپھڑا رہے تھے۔

اس کھڑکی سے حویلی کا باغ صاف دکھائی دیتا تھا جو اس وقت گھپ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ بڑے پھاٹک کے لیمپ پوسٹ روشن تھے اور جن کی روشنی بارش کی بوندوں کے ساتھ گھل مل کر ڈرائیوے کے کچھ حصے کو روشن کر رہی تھی۔

جلال الدین کو خیال آیا اگر اس سفیدے کے درختوں میں گھری ہوئی عمارت کو بالکل سامنے کھڑے ہو کر دیکھا جائے تو یہ عمارت اپنے پہلے تاثر میں بالکل آسیب زدہ سی لگے گی۔

بالکل چپ چاپ پُرشکوہ مگر پُرہیبت۔

اسے ایک اور خیال آیا کہ یہاں بسنے والے بھی تو نارمل نہیں ہیں۔ سب کے سب عجیب و غریب رویّوں کے مالک۔

وہ یہاں ہوتی۔۔۔ اس کی زندگی۔۔۔ یعنی اس کے رت جگے میں شریک ہوتی تو ضرور کہتی۔

"میں تو جس روز سے اس گھر میں آئی ہوں یہی کہہ رہی ہوں۔۔۔ مگر تم کو میری بات پر یقین ہی نہیں ہے۔"

یاد آئی تو بھولی بسری مسکراہٹ بھی لبوں کا احاطہ کرنے چلی آئی۔

"اب سو جانا چاہیے۔" صبح پھر کورٹ جانے کا خیال آرہا تھا سو اس نے پردہ برابر کیا اور لیٹ گیا اور آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا۔ کمرے میں نائٹ لیمپ آن تھا سو وہ بھی گل ہوا مگر دل روشن تھا یادوں سے۔ باتوں سے۔

"کیا خوب ہوتا اگر میں محبت نہ کرتا۔۔۔ یہ سارا فساد اسی محبت کا پھیلایا ہوا ہے۔"

آج پڑھ رہ خیالات کی رات تھی' سو ایک ادھورے کارساخیال چپکے سے چلا آیا۔ دل کو رات بھر فراغت ہی فراغت تھی۔ اس نے فوراً" دل کو ڈپٹا۔

"گدھے! محبت کی کہیں جاتی۔۔۔ ہو جاتی ہے۔"

"اونہہ۔۔۔" فرد کی پرمذمت چھا گئی۔

"بڑی پرانی بات ہے' دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔"

"لیکن میرے تو ابھی بھی چار ہی خانے ہیں اور میں تمہارے بائیں جانب رہتا ہوں۔" دل نے اٹھلا کر اطلاع دی۔

"میں تم سے باتوں میں کبھی نہیں جیت سکتا۔"

"میرے معاملات میں دماغ کی دخل اندازی ترک کر دو۔ جیت تمہارا ہی مقدر ہو گی۔"

"اونہہ۔۔۔ ایک ہی بار تمہاری بات مانی تھی۔ آج تک بھگت رہا ہوں۔"

بحث اور طول پکڑتی لیکن اسی وقت اس کے موبائل کی بیپ بجنے لگی۔ موبائل سائیڈ ٹیبل پر رکھا تھا۔ جلال الدین نے اپنی بیوی کی نیند خراب ہو جانے کے خیال سے جھپٹ کر فون اٹھایا اور نامعلوم نمبر دیکھے کان سے لگا لیا۔

"کیا آپ جلال الدین صاحب بات کر رہے ہیں؟" اجنبی مردانہ آواز تھی۔

جلال الدین چونکا۔ "جج۔۔۔ جی ہاں۔"

"دیکھیے۔۔۔ میں انسپکٹر خورشید نواز بات کر رہا ہوں۔ جنت بی بی سے آپ کا کیا تعلق ہے؟"

انسپکٹر کی آواز بے حد کرخت تھی۔

جلال الدین کی چھٹی حس نے کوئی سگنل دیا تھا۔

"جی۔۔۔ وہ میری۔۔۔" انسپکٹر نے بدتمیزی سے اس کی بات کاٹ دی۔

"وہ آپ کی کوئی بھی ہو۔ ہم نے صرف یہ بتانا تھا کہ جنت بی بی ہماری حراست میں ہے۔ تھوڑی دیر پہلے ہم نے اسے فتح شیر کالونی سے اس کے شوہر کے قتل کے الزام میں گرفتار کیا ہے۔ ہمیں خبر ملی تھی کہ آپ جنت بی بی کے رشتے دار ہیں۔۔۔ مہربانی فرما کر آپ تھانے تشریف لے آئیے تاکہ کچھ ضروری نوعیت کی کارروائی پوری کی جا سکے۔"

اعلان ختم۔ فون بند۔

جلال الدین کا دماغ ماؤف ہو رہا تھا' گویا یہ تھی وہ اطلاع جس کے قبل از وقت اندیشے نے اسے سونے نہیں دیا۔

اس نے اٹھنے کی کوشش کی مگر اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکا۔ صدمے نے اس کی ہمت چھین لی تھی پھر وہ اٹھا اور ڈریسنگ میں گھس گیا۔ چند منٹ بعد جب اپنی پریشانی پر کسی حد تک بڑی خاموشی کے ساتھ اس بھوت بنگلے سے نکل رہا تھا تو اس کا دل چیخ رہا تھا' خوب چیخ چیخ کر رونے کو تھا۔ آسمان پر امید کا ایک بھی ستارہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

جلال الدین نے مایوسی و بے بسی کے بوجھ سے اپنے کندھوں کو جھکتے محسوس کیا تھا۔ اچھی بھلی سکون سے گزر رہی تھی۔ کیا پتا تھا کبھی ایسی صورت حال کا سامنا بھی کرنا پڑ سکتا ہے۔

ایک تو رات گئے ملنے والی بری خبر نے یوں بھی اسے ذہنی طور پر ناتواں کر چھوڑا تھا' دوسرے مقامی پولیس اسٹیشن کے عملے کا رویہ انتہائی حوصلہ شکن۔

خدا جانے وہ کیوں بھول گیا کہ وہ ملزمہ کے رشتہ دار کی حیثیت سے یہاں آرہا ہے۔ ذہنی طور پر تیار ہو کر آتا تو یقیناً" اتنی کوفت کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔

"دیکھیے محترم۔۔۔!" بڑی منتوں کے بعد اس کی بات سن لینے پر راضی ہوئے ایس ایچ او نے اپنے اسٹاف ممبرز کی طرح بدتمیزی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کی بات کاٹ دی تھی۔

"ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں ہے کہ آپ کا ملزمہ سے کیا رشتہ ہے۔ آپ اس کے بھائی ہیں' باپ ہیں یا شوہر ہیں۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔۔۔ اہم بات یہ ہے کہ جنت بی بی نے اپنے شوہر کے قتل کا اعتراف کیا ہے اور آپ نے ملزمہ کو چھپا کر اس کے جرم میں اس کا ساتھ دیا ہے۔۔۔ اس حساب سے تو آپ کو بھی اس وقت سلاخوں کے پیچھے ہونا چاہیے تھا۔ شکر کریں کہ ہم نے آپ کو کرسی پر بٹھایا ہوا ہے۔"

"آپ کیسے کہہ سکتے ہیں میں نے جنت کو چھپا رکھا تھا۔" جلال الدین جھنجلا کر بولا۔

"آپ کا ملازم گواہ ہے۔" ایس ایچ او مسکرایا۔ جلال الدین کے دل و دماغ میں غصے کی شدید لہر اٹھی تھی مگر اس

www.pkdigest.com

سے پہلے کہ وہ کچھ بولتا اس کے وکیل نے سنجیدگی سے کہا۔
"آپ میرے کلائنٹ پر بے بنیاد الزامات لگا رہے ہیں۔" پھر اس نے ایک فائل ایس ایچ او کے سامنے رکھ دی۔
"یہ جنت کی رپورٹس ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جنت شیزوفرینک (دوہری شخصیت) ہے۔ اور آج سے نہیں بلکہ پچھلے چار سالوں سے زیر علاج ہے' وہ جو بھی بولتی ہے یا کرتی ہے۔ اس کی صداقت کو جانچنے کے لیے اس بیماری کو مدنظر رکھا جانا ضروری ہے۔"
وکیل صاحب تحمل سے وضاحت کر رہے تھے۔
ایس ایچ او نے چونک کر فائل پکڑلی۔ کچھ صفحات پلٹے پھر باری باری ان دونوں کو دیکھا۔
"یعنی لڑکی پاگل ہے؟"
جلال الدین نے شدت کرب سے آنکھیں بھینچ لیں۔
"کوئی عام انسان جو اس بیماری سے واقف نہیں ہے' اس کے لیے شیزوفرینک پاگل ہی ہوتا ہے لیکن دراصل یہ ایک نفسیاتی بیماری ہے جس کی علامات ہر مریض میں الگ ہوتی ہیں۔ جیسے جنت اسے چار سال پہلے یہ لگنا شروع ہوا تھا کہ اس نے اپنے شوہر کو قتل کیا ہے جب کہ وہ تو شادی شدہ ہی نہیں ہے۔"
جلال الدین کی رنگت خطرناک حد تک زرد ہو رہی تھی۔
"تم باہر جا کر بیٹھو۔ میں معاملات نمٹا کر آتا ہوں۔" اس نے جھک کر جلال الدین سے دھیمی آواز میں کہا۔
جلال الدین خاموشی سے اٹھا اور باہر آگیا۔ برآمدے کے آگے متوازی چھت سے پانی کی دھاریں بہہ رہی تھیں۔ بارش البتہ رک چکی تھی۔
وہ گرل پر مٹھیاں جما کر اندھیرے کو گھورنے لگا۔
کیسی تھی زندگی۔ اب تو تیز ہوا سے بکھرے پتوں کی مانند لگتی۔ جس روز اس نے رحمت اللہ اور اس کی بیوی کو جنت کی ذمہ داری سونپی' کس قدر مطمئن ہو گیا تھا کہ اب سب ٹھیک ہو جائے گا' وقت سے بڑا مرہم بھی بھلا کوئی ہے؟ گردش دوراں تو جانے کس کس چیز پر گرد جما دیتی ہے۔
اسے لگا جنت اب محفوظ ہے۔
لیکن آج کی رات۔۔۔ قیامت کی رات تھی۔ اس کی آنکھوں میں کرچیاں سی بھر رہی تھیں۔ تب ہی ایک ہاتھ کندھے پر آرکا۔ وہ پلٹا۔
"فکر مت کرو جلال الدین! سب ٹھیک ہو جائے گا۔" مسعود خفیف سا مسکرایا تھا۔
جلال الدین کو لگا اس کا دوست مسکراہٹ کے چھینٹے لگا کر امید تازہ کر رہا ہے۔ مگر وہ خود مسکرا بھی نہ سکا۔
"کیا کہتے ہیں؟" مبہم سا سوال تھا۔
"ضمانت کروانا پڑے گی اور ضمانت کے لیے صبح کا انتظار کرنا پڑے گا مسئلہ یہ ہے کہ جنت کا بیان ریکارڈ ہو چکا ہے۔ اس نے اقبال جرم نہ کیا ہوتا تو معاملہ نمٹانا آسان تھا۔ اب اس کیس پر محنت کرنا پڑے گی۔" مسعود نے کہا۔
"ہم صبح کا انتظار کر لیتے ہیں۔"
"پاگل مت بنو۔ باقی رات یہاں بیٹھ کر نہیں بتائی جا سکتی۔ ہمیں یہاں سے جانا ہی پڑے گا۔"
"جنت یہاں کیسے رہے گی؟" جلال الدین نے خائف ہو کر کہا۔ "نہیں مسعود! میں اسے یہاں اکیلا نہیں

چھوڑ سکتا۔۔۔ وہ مر جائے گی۔" وہ رو دینے کو تھا۔
مسعود نے مضبوطی سے اس کا کندھا تھام لیا۔
"مجبوری ہے جلال! یہاں بیٹھنے کی اجازت نہیں ملے گی اور جنت کی فکر نہ کرو' لیڈیز اسٹاف بھی ہے یہاں۔ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ صبح عدالت کھلتے ہی میں ضمانت کے کاغذات تیار کروالوں گا۔" جلال الدین گومگو کیفیت میں کھڑا رہا پھر اس نے دل پر پتھر رکھتے ہوئے پوچھا۔
"کیا میں اس سے مل سکتا ہوں؟"
"میں پہلے ہی پوچھ چکا ہوں مگر ایس ایچ او بڑا خرانٹ ہے۔ پرمیشن نہیں دے رہا۔ اس کے لیے بھی صبح کا انتظار کرنا پڑے گا۔"
"مسعود۔۔۔" بے بسی نے جیسے اسے پاگل ہی کر دیا تھا۔ مسعود نے ترحم سے اسے دیکھا۔
"میں نے پہلے ہی کہا تھا یوں چھپا کر رکھنا زیادہ بڑا رسک ہو گا' تمہیں اسے پہلے ہی فاؤنٹین ہاؤس بھجوا دینا چاہیے تھا۔" مسعود کی آواز بے حد دھیمی تھی۔
"جنت پاگل نہیں ہے مسعود!"
اللہ جانتا تھا یا جلال الدین۔۔۔ کہ اس لمحے اس نے خود پر کیسے ضبط کیا تھا۔ غم و غصے سے اس کی آواز پھٹ رہی تھی۔ تنفس تیز ہو گیا تھا اور آنکھیں لال انگارہ ہو کر دہک رہی تھیں۔
مسعود نے بغور اس کی حالت دیکھی اور کچھ بھی کہنے سے باز رہا کیونکہ وہ جانتا تھا' اسے کچھ بھی سمجھانا بے کار ہو گا۔
اس نے دوستانہ انداز میں اس کا شانہ تھپکا اور بولا۔
"شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔۔۔ آؤ گھر چلتے ہیں۔"
جلال الدین نے تھکے ہارے قدم باہر کی سمت بڑھا دیے۔
پھر جس وقت مسعود کے گھر کے باہر گاڑی روکی۔ مسعود کچھ سخت سوچتا رہا پھر حوصلہ دینے والے انداز میں اس کا کندھا تھپتھپا کر اتر گیا۔ ابھی دو قدم ہی چلا ہو گا کہ جلال الدین نے خوف زدہ ہو کر اسے پکار لیا۔
"تم جنت کو بچا لو گے نا مسعود؟" اس کی آواز کانپ رہی تھی۔
"میری کیا بساط ہے یار! اللہ بچائے گا۔" مسعود نے پلٹ کر اس کے کندھے کو بھرپور طریقے سے تھپکا۔ "اتنی جلدی حوصلہ ہار دو گے تو زندگی کا سامنا کیسے کرو گے۔ اللہ پہ بھروسہ رکھو۔ انسان کچھ نہیں کرتے۔ جو کرتا ہے خدا کرتا ہے۔"
جلال الدین کی آنکھیں جل رہی تھیں۔ اس نے بنا کچھ کہے گاڑی بڑھا دی اور بے مقصد بارش سے بھیگی سڑکوں پر گاڑی دوڑاتا رہا۔
اسے بار بار رحمت اللہ کا التجائی لہجہ یاد آرہا تھا۔
"میری زنانی کی غلطی ہے صاحب! بچوں کی لڑائی میں خود کود پڑی۔ پڑوسیوں نے غصے میں آکر پولیس کو اطلاع دے دی کہ فلیٹ نمبر بارہ میں کوئی عورت چیختی رہتی ہے۔ پولیس آئی تو بی بی صاحب نے انہیں سب سچ بتا دیا۔۔۔ معاف کر دو صاحب! ہم سے آپ کا نقصان ہوا مگر آپ تو مائی باپ ہو' آپ نے ہی سر سے ہاتھ اٹھا لیا تو کسی عورت کو گھر میں چھپا کر رکھنے کے الزام میں ہم غریب مرد لے جائیں گے۔" وہ روتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا۔
جلال الدین نے آنکھیں زور زور سے جھپک کر آنسوؤں کو دھکیلنا چاہا مگر سینے میں کرب کے جھکڑ سے چلنے لگے

www.pkdigest.com

تھے۔ حلق میں سسکیاں اودھم مچا رہی تھیں۔
آنکھوں میں کرچیوں کی چبھن بڑھنے لگی تھی۔
ہوا شدید تھی۔ ماضی کے اوراق خود بخود پلٹنے لگے۔
اور ماضی کا سفر ہر ایک کے لیے خوش کن بھی نہیں ہوتا۔ جلال الدین کا درد دوچند ہوا تھا' بڑی کوشش کے باوجود بھی وہ سینے میں دبی سسکیوں کو روک نہیں سکا۔
اور اس روز جب سڑکوں پر صبح کاذب کے آثار نمودار ہونا شروع ہوئے پژمردہ اور مایوس جلال الدین گاڑی کے اسٹیئرنگ پر سر ٹکا کر بچوں کی طرح رو دیا۔ ماضی کا سفر اسے آنسوؤں کی ہمراہی میں طے کرنا تھا۔

☼ ☼ ☼

گرمیوں کے طویل دن تھے۔ سورج دھوپ نہیں آگ اگلتا تھا۔ سارا سارا دن کھیتوں پر سنہری غبار چھایا رہتا جس سے بصارت گم ہوتی محسوس ہوتی تھی۔ چرند پرند بولائے بولائے پھرتے۔
لیکن کسانوں کو یہ موسم کچھ نہیں کہتا۔ انہوں نے سارا سال کٹائی کے اس موسم کی راہ دیکھی ہوئی ہے۔
اس موسم میں گائے جانے والے مخصوص گیت وہ سارا سال گنگناتے ہیں تاکہ ان کے بچے ان گیتوں کو یاد کر لیں اور جب کٹائی شروع ہو تو زور و شور سے ان گیتوں کو گائیں اور ان کی ہمت بڑھائیں۔ ڈھول کی تھاپ ان کے وجود میں بجلی بھر دیتی ہے۔
اور جب ڈھول اور گیت کے بول ایک ساتھ ان کی سماعت سے ٹکراتے ہیں تو وہ ایک عجب ولولہ انگیز جذبے کے تحت اپنی درانتیاں لے کر آگے بڑھتے ہیں اور کھیتوں کے کھیت صاف کر ڈالتے ہیں۔
جب ایک کسان کا کھیت مکمل ہو جاتا ہے تو وہ دوسرے کسان کے کھیت میں اس کا ہاتھ بٹانے پہنچ جاتا ہے اور یوں کٹائی کا موسم ختم ہونے سے قبل سب کے کھیت خالی ہو جاتے ہیں۔
دین محمد بھی ان ہی کسانوں میں سے ایک تھا۔
پنجاب کے مغربی علاقے میں دیپال پور سے تھوڑا آگے اس کا گاؤں تھا۔ چھ مربع زمین تھی جسے وہ بڑی چاہ سے کاشت کرتا تھا اس نے چند ملازم بھی رکھے تھے مگر بوائی اور کٹائی کے دنوں میں مالک اور نوکر کا فرق بھلا دیتا تھا۔
چھ مربع زمین اسے اپنی اولاد کی طرح عزیز تھی اور کہتا تھا۔
جب تک کھیت کو محبت نہ دوں گا تو یہ بھی پھل نہ دے گا۔
وہ اپنی زمین' اپنے کھیتوں سے محبت کرتا تھا۔
لیکن اس موسم میں اس کی عجب حالت تھی۔ وہ جو ڈھول کی پہلی تھاپ پر سر دھنتا اپنی درانتی لے کر سب سے پہلے کھیتوں میں اترتا تھا۔ آج دور کھڑا آنکھیں گاڑے اپنے بھرے ہوئے کھیتوں کو دیکھ رہا تھا۔ ایک ایک بالی سنہری اور دانوں سے بھری ہوئی تھی۔
ساتھ والے کھیت اکمل چوہدری کے تھے جن میں بس ایک دن کی کٹائی باقی رہ گئی تھی۔ پہلے کٹائی مکمل ہونے کا مطلب تھا گندم کا پہلے منڈی میں پہنچ جانا۔ اگر اس کی گندم آخر میں پہنچتی تو اونے پونے ہی بکتی۔
"ایک دو روز میں کٹائی ہو جانی چاہیے۔"
اکمل کی سپاٹ زمین کو دیکھتے ہوئے اس نے تشویش سے سوچا مگر یہ سوچ زیادہ دیر اس کے ذہن میں نہیں رہی۔
اس کی سوچوں کا رخ ایک بار پھر اپنی بیوی کی طرف مڑ گیا تھا۔
اس کی بیوی حاملہ تھی اور چند روز میں ایک بچے کو جنم دینے والی تھی۔
اپنی شادی کے آٹھ سالوں میں وہ اپنے چھ نومولود بچوں کو ان کی پیدائش کے اگلے ہی روز دفنا چکا تھا۔ بعض

اوقات وہ سوچتا اللہ اسے آزمائش میں کیوں ڈال رہا ہے۔ حالانکہ آج تک اس نے کسی کو نقصان نہیں پہنچایا تھا وہ صوم و صلوٰۃ کا پابند مسلمان تھا۔ حقوق العباد کے ساتھ ساتھ حقوق اللہ بھی حتی المقدور پورے کرتا تھا۔ صدقہ خیرات بھی کرتا۔ گاؤں کے کئی ایسے غریب گھرانے تھے جن کی کفالت پچھلے کئی سالوں سے بالکل خاموشی سے کر رہا تھا۔ ہر روز کئی لوگوں کے ہاتھ اس کے حق میں دعا کے لیے اٹھتے تھے۔
پھر بھی۔۔۔ پھر بھی اللہ نے اسے اولاد کی نعمت سے مرحوم رکھا تھا۔
وہ ہر بار اپنی بیوی کو ہتھیلی کا چھالہ بنا کر رکھتا تھا۔ نو ماہ وہ بالکل ٹھیک رہتی تھی لیکن جب بچہ پیدا ہوتا تو پتا چلتا وہ پیدائش سے چند روز پہلے ہی دم توڑ چکا تھا۔
اس نے بساط بھر علاج کروائے۔ دم درود سب آزمایا لیکن نتیجہ وہی صفر کا صفر۔
اور اب پھر اس کی بیوی امید سے تھی۔
دین محمد چاہ کر بھی اپنی توجہ کسی اور طرف مبذول نہیں کر پا رہا تھا۔ وہ اپنے بچے کی زندگی کے لیے تہہ دل سے دعا گو تھا مگر کہیں اندر سے دل کے کسی کونے میں وہ خوف چھپا بیٹھا تھا جس کی عمر چھ سال تھی۔
"میں کل ہی کٹائی کا کام شروع کروا دوں گا۔" اس نے پکا عہد کر لیا تھا۔

☼ ☼ ☼

جانے پہچانے راستوں پر رینگتی ہوئی ٹیکسی کا پہیہ کم و بیش پانچواں چکر تھا اور ثمینہ کا دل چاہ رہا تھا۔ اس بار تھوڑی سی ہمت کر کے ماموں کے سامنے اعتراف کر ہی لیں کہ ان کی یادداشت پر بھروسا کرتے ہوئے وہ دونوں ٹیکسی ڈرائیور سمیت بھٹک چکی ہیں۔
لیکن ماموں کے سامنے اعتراف۔۔۔ یعنی اگلے کئی روز تک اسے خود پر ہنسنے کا موقع فراہم کرنا۔ ثمینہ نے وہیں چپکے سے کانوں کو ہاتھ لگا لیا اور ٹیکسی کی کھڑکی میں سے گردن نکال کر زیادہ شدومد سے رہائش گاہوں کے بائیں نمبر پلیٹس دیکھنے لگیں۔
بنگلہ نمبر ستائیس نہیں مل رہا تھا سو اس چکر میں بھی دکھائی نہیں دیا۔
یہ اقبال ٹاؤن تھا اور جہاں زیب بلاک کا بنگلہ نمبر ستائیس ان کا مطلوبہ ایڈریس۔
اپنی یادداشت پر تو خیر انہیں ہمیشہ ہی بھروسا رہا تھا پھر فیض کے دوست توقیر صاحب نے ایڈریس سمجھایا بھی بڑے اچھے طریقے سے تھا۔
"مین روڈ سے بلاک میں داخل ہو کر جو پہلی گلی ہے۔۔۔ بائیں ہاتھ اس میں ٹرن لے لیجیے گا پھر سیدھے جا کر تیسری گلی میں دائیں ہاتھ۔۔۔ اس گلی میں جو دوسری گلی ہے اس میں پھر دائیں طرف۔۔۔ ستائیس نمبر بنگلہ آپ کو دور سے ہی دکھائی دے جائے گا۔ نیوی بلیو کلر کا گیٹ ہے اور لائٹ بلیو باؤنڈری وال۔۔۔ فرنٹ پر بڑا سا ماشاء اللہ لکھا ہوا ہے۔۔۔ سیاہ رنگ سے اور جلی حروف میں۔"
انہوں نے فون پر ایڈریس سمجھایا انہوں نے حفظ کر لیا۔
"میں نے اتنی نشانیاں بتا دی ہیں۔ بنگلہ نہ ملنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن پھر بھی کوئی مسئلہ ہو تو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ ایک تو یہ کہ میں گیٹ پر ہی آپ لوگوں کا منتظر رہوں گا دوسرے میرا سیل نمبر بھی آپ کے پاس موجود ہے۔"
ثمینہ نے نمبر لکھا نہ ایڈریس۔۔۔ بھروسا کیا تو وہ بھی اپنی یادداشت پر۔
لیکن آج کی تاریخ میں اتنی خواری مقدر میں پہلے ہی طے ہو چکی تھی۔ پہلی گلی میں تو کامیابی سے پہنچ گئے۔

www.pkdigest.com

اصل مسئلہ وہاں ہوا جہاں وہ سراڑن تھا' یہاں شامیانے لگا کر دیگیں پک رہی تھیں۔ ڈرائیور بولا۔
"باجی! فکر کا کوئی بات نہیں۔ ہم اگلی گلی سے گاڑی نکال لے گا۔"
باجی نے بچ بچ فکر چھوڑ دی لیکن اگلی گلی میں سیوریج کی پائپ لائن کے لیے کھدائی ہو رہی تھی۔ اس سے اگلی گلی سے گاڑی تو نکل گئی مگر رستہ کھو گیا اور اصل دقت یہیں سے شروع ہوئی۔
اب ڈیڑھ گھنٹے سے وہ لوگ ان ہی گلیوں میں گھوم رہے تھے مگر ستائیس نمبر بنگلہ مل کر نہ دے رہا تھا۔
چھٹے چکر میں ثمینہ کو یقین ہو گیا کہ اس بار تو ٹیکسی ڈرائیور ضرور ہی ان دونوں کو زبردستی اتار کر چلتا بنے گا۔
لیکن ان کا یقین غلط ثابت ہوا۔ ٹیکسی ڈرائیور سے پہلے مادی کی ہمت جواب دے گئی تھی۔
"میں نے آپ سے پہلے ہی کہا تھا۔ ممی! یا تو قیر انکل سے مجھے ایڈریس سمجھ لینے دیں یا ایڈریس کہیں لکھ ہی لیں۔ مگر مجال ہے جو آپ نے میری بات مانی ہو۔ آپ کبھی میری کوئی بات نہیں مانتیں۔"
ثمینہ نے ذرا سی ذرا گردن موڑ کر اپنی اکلوتی دختر نیک اختر کو دیکھا۔ بلیک جینز پر براؤن کرتا پہنے سن گلاسز کو اس نے ماتھے پر سجا رکھا تھا اور منہ خفگی سے پھولا ہوا تھا۔
"ہاں۔۔۔ کیونکہ میں تمہاری ماں ہوں تم میری نہیں۔۔۔ تم پر میری بات ماننا فرض ہے مجھ پر نہیں۔"
انہوں نے اطمینان سے کہتے ہوئے اپنی سابقہ دلچسپی جاری رکھی۔
"کمال ہے۔۔۔ ایک ایڈریس کے معاملے میں ماں بیٹی کے حقوق و فرائض کا کیا دخل؟" مادی نے اکتا کر کہا پھر بولی۔
"اونلی گاڈ نوز (صرف خدا جانتا ہے) یہ ستائیس نمبر بنگلہ ملے گا بھی یا نہیں۔ مجھے تو چانس نہیں لگ رہا۔ آپ کو یقین ہے ناں ممی! تو قیر انکل نے ستائیس کہا تھا۔۔۔ اچھا' آپ کو مالک مکان کا نام تو یاد ہو گا۔ ہم یہاں کسی سے ایڈریس پوچھ بھی تو سکتے ہیں۔۔۔ آپ میری بات کا جواب کیوں نہیں دے رہیں؟"
"کیا جواب دوں۔۔۔ تمہاری کوئی ایک بھی بات ایسی نہیں جس کا جواب دیا جا سکے۔"
"آپ مجھے ایڈیٹ سمجھ رہی ہیں؟" صدمہ بڑا شدید تھا۔
"مادی! چپ ہو کر بیٹھو۔" وہ جھنجلا گئی تھیں۔
"ممی۔۔۔!" اس نے احتجاج کیا۔ "میں بہت تھک چکی ہوں اور مجھے بہت بھوک بھی لگ رہی ہے۔ چپ ہو کر بیٹھتی ہوں تو تھکن اور بھوک سے دماغ پھٹنے لگتا ہے۔" اس کے لہجے میں بے چارگی تھی۔
"چلو بھوک تو سمجھ میں آتی ہے کہ سفر میں تم ٹھیک سے نہیں کھاتیں لیکن یہ کیا تھکن تھکن کی رٹ لگا رکھی ہے۔ جیسے آئی لینڈ سے جہاز میں بیٹھ کر نہیں بلکہ جہاز کو کندھوں پر بٹھا کر یہاں تک آئی ہو۔" انہوں نے اچھے خاصے [illegible]
"ممی!۔۔۔" وہ رو دینے کو تھی۔ "میں نے کہا تھا بلکہ اب بھی کہہ رہی ہوں' صرف آج کا دن کسی ریسٹ ہاؤس میں بھی تو رہا جا سکتا ہے پھر تو قیر انکل سے رابطہ کر کے۔۔۔"
"جو سکون گھر میں ملتا ہے' کہیں نہیں ملتا۔" ثمینہ نے بات ہی ختم کر دی۔
"بھیا! ذرا ٹیکسی روکیے۔" مادی نے حتمی انداز میں قدرے بلند آواز سے کہا۔ ٹیکسی رکنے سے قبل ہی ثمینہ اس کا ارادہ بھانپ چکی تھیں۔
"خبردار مادی! کسی سے ایڈریس پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اب ہمیں یہیں رہنا ہے تو کسی کو ہمارے انجان ہونے کا پتا نہیں چلنا چاہیے۔ میں اسی شہر کی رہنے والی ہوں' ایڈریس ڈھونڈ لوں گی۔ تمہیں پاکستان کے حالات نہیں پتا' اکیلی عورتوں کے لیے بڑا مسئلہ ہو جاتا ہے۔"

"آپ چودہ سال پہلے اس شہر کی رہائشی بنی تھیں' وہ بھی محض چند مہینوں کے لیے۔۔۔ چودہ سال میں بہت کچھ بدل جاتا ہے ممی!" اس نے ٹیکسی کے قریب سے گزرتے لڑکے کو بلا کر ایڈریس پوچھا۔ لڑکا چند لمحے حیرانی سے اسے دیکھتا رہا پھر بولا۔
"یہ جس گیٹ کے سامنے آپ کھڑی ہیں' یہی تو ہے۔"
دونوں ماں بیٹی کی آنکھیں بے یقینی سے پھیل گئیں۔ نیم پلیٹ تو خیر تھی ہی نہیں۔ دیواروں اور گیٹ کا رنگ بھی مختلف۔
"آر یو شیور کہ یہی ستائیس نمبر ہے؟"
"یہ ستائیس ہی ہے۔ یقیناً آپ کو ایڈریس سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے۔ میں آپ کا سامان اتروا دوں؟"
"جی نہیں شکریہ۔۔۔" مادی نے رکھائی سے کہا اور دونوں ماں بیٹیاں اپنی اپنی طرف کے دروازے کھول کر باہر نکل آئیں۔

☼ ☼ ☼

صبح کا وقت تھا اور گورنمنٹ کالج کے سامنے صبح کے وقت کی مخصوص افراتفری۔ پک اپ سے اترتی طالبات' اکا دکا رکشے' دو تین موٹر سائیکلیں۔
سفید براق یونیفارم' رنگ برنگے آنچل۔ زندگی سے بھرپور تر و تازہ چہرے' خوابوں سے سجی آنکھیں۔ کون سا رنگ ہے کائنات کا' جو یہاں دکھائی نہ دیتا ہو۔ کیا جانے جتنی رعنائی کالج گیٹ کے باہر دکھائی دیتی ہے اس سے کئی گنا زیادہ اندر ہوتی ہے۔
یہ اس رعنائی کی ہی تو کشش ہے جو کئی من چلوں کو گرلز کالج کے سامنے صبح سویرے آ کر کھڑے ہونے پر مجبور کر دیتی ہے۔
لیکن کچھ لوگوں کو کبھی خوب صورتی متاثر نہیں کرتی۔ وہ کبھی کسی رعنائی میں دلچسپی نہیں لیتے۔
ان کا اپنا ہی مخصوص سا' بے لچک مزاج ہوتا ہے۔ ایسا لگتا ہے پیدا ہوئے تھے تو سینے میں پتھر فٹ کروا کے آئے تھے۔ کھل کر ہنستے تھے' عید کا چاند دیکھ کر۔۔۔ یعنی سال میں دو بار۔ مسکراتے البتہ مہینے کے مہینے ہیں۔
آنکھیں خوب صورت ہوں تو زندگی کی چمک سے عاری۔
پیشانی روشن ہو تو ہمہ وقت سلوٹیں ڈال کر اس روشنی کو ماند کیے رکھتے ہیں۔ ایسے لوگ۔ جن کی قسمت میں ہوں عموماً" وہ اپنی قسمت سے شکوہ کناں ہی نظر آتے ہیں۔
ہمیشہ نہیں۔۔۔ کبھی کبھار یعنی سال میں ایک یا دو بار۔
شبیہہ العباس کو دیکھ کر اسے بھی اپنی قسمت سے ایسا ہی شکوہ محسوس ہونے لگتا تھا۔
اس روز جب کالج کے سامنے گاڑی رکی۔ فورتھ ایئر کی تین لڑکیاں لاپروائی سے آنچل سر پر رکھے زور زور سے ہنستی گیٹ سے اندر جا رہی تھیں۔
عباس نے ناپسندیدگی سے انہیں دیکھا۔
"قہقہے لگاتی ہوئی عورت کتنی بری لگتی ہے۔" اس نے سوچا پھر ساتھ بیٹھی لڑکی کو دیکھا۔ تہذیب سے چادر اوڑھے فائل سینے سے لگائے' بیگ کا فیتہ کمر میں دبوچے اپنی طرف کا دروازہ کھولنے کی کوشش کر رہی تھی۔
عباس نے آٹو مٹک طریقے سے دروازہ ان لاک کیا۔
"واپسی پر میں یک کرنے نہیں آؤں گا ڈرائیور آئے گا۔"

www.pkdigest.com

گاڑی زن سے اُس کے قریب سے نکل گئی۔ اس کا ملبوس بری طرح پھڑپھڑایا پھر شانت ہو گیا۔ دل کی البتہ الگ کہانی ہے۔

دوست روی سے اندر آئی۔ نمرو اور عبیر جانے کب سے اس کی منتظر تھیں۔ اُدھر اس نے گیٹ عبور کیا۔ اُدھر وہ اس پر چڑھ دوڑیں۔

"فنی' میسنی' چالاکوماسی۔" وہ جو اپنی ہی دھن میں تھی' بری طرح سٹپٹا گئی۔

"کیا مصیبت آگئی؟"

"مصیبت تو اب تم پر آئے گی۔" عبیر نے لڑاکا عورتوں کی طرح کمر پر ہاتھ ٹکائے۔ "غضب خدا کا ہماری سہیلی' جسے ہماری بیسٹ فرینڈ ہونے کا بڑا شدید دعویٰ ہے۔ ہماری ناک کے عین نیچے ایک بے تحاشا ہینڈسم لڑکے کے ساتھ ہر روز آرہی ہے اور جارہی ہے۔ اور ہمیں خبر ہی نہیں۔"

"بے تحاشا ہینڈسم لڑکا۔۔۔ بیسٹ فرینڈ۔" تنوی نے ہر لفظ پر حیرانی سے زور دیا پھر بولی۔

"تم لوگ کس کی بات کر رہے ہو؟"

"ماشاءاللہ۔۔۔ سبحان اللہ۔۔۔ کیا لاعلمی ہے بلکہ کیا ادائے بے نیازی ہے۔" عبیر نے جل کر کہا۔

"ہم آپ کی بات کر رہے ہیں محترمہ تنوی صاحبہ۔" اب نمرو بولی تھی۔

"وہ تو آج اتفاق سے ہم تمہارا انتظار کرنے یہاں گیٹ سے قریب کھڑے ہو گئے تب اکنامکس والی زارا نے بتایا کہ تم پچھلے ایک ہفتہ سے اسی لڑکے کے ساتھ کالج آرہی ہو جس کی گاڑی سے ہم نے تمہیں آج اترتے دیکھا ہے۔"

"اچھا۔ میں اب سمجھی۔" تنوی نے اطمینان سے کہا۔

"لیکن میں اب تک نہیں سمجھی کہ تم نے اتنی بڑی بات ہم لوگوں سے کیوں چھپائی۔" عبیر نے خفگی سے کہا۔

"جس وقت زارا ہمیں بتا رہی تھی' مجھے اتنا غصہ آرہا تھا کہ کیا بتاؤں غضب خدا کا سہیلی تم ہماری ہو اور تمہارے افیئر کے بارے میں ہمیں زارا سے پتا چل رہا ہے۔"

"کیا بک رہی ہو۔" تنوی کو پتنگے لگ گئے۔ دل چاہا' کھینچ کے ایک تھپڑ لگائے عبیر کو۔

"وہ شبیہہ العباس بھائی تھے' میرے بڑے ماموں جان کے بیٹے ہیں۔ ایک ہفتے سے وہ مستقل گھر پر ہیں تو آجاتے ہیں مجھے ڈراپ کرنے۔" اس نے تفصیل سے بتایا' مبادا اس کی ذہین و فطین سہیلیاں کچھ اور سوچنا شروع کر دیں۔

مگر عبیر کو یقین نہ آیا' بازو باندھتے ہوئے بولی۔

"لیکن تم نے تو ہمیں کبھی نہیں بتایا کہ تمہارا کزن اتنا خوب صورت ہے؟" انداز سوالیہ تھا۔

"لاحول ولا قوۃ۔ کس قدر زنانہ لفظ ہے خوب صورت۔" نمرو نے جھرجھری لی۔

تنوی نے گھور کر اپنی دونوں سہیلیوں کو دیکھا پھر بولی۔

"میں نے تم لوگوں کو یہ بھی تو نہیں بتایا کہ میرا کوئی کزن بد صورت ہے۔" اس کا انداز جھنجلایا ہوا تھا۔

عبیر نے ہاتھ پر ہاتھ مار کے زوردار قہقہہ لگایا۔

"تمہیں نہیں پتا یار کزن یا بھائی۔ اگر ہینڈسم ہو' برسرروزگار ہو اور شادی کی عمر کا ہو۔ تو کالج میں اس کے گریس مارکس ملتے ہیں۔ آپ کو صرف یہ کرنا ہوتا ہے کہ اپنے بھائی کی تصویریں صرف ایک بار لا کر کالج میں افواہ کی طرح پھیلا دینی ہوتی ہیں۔ اس کے بعد آدھے کالج کی لڑکیاں شرطیہ آپ کے بھائی کے ساتھ ساتھ آپ کی بھی گرویدہ ہو جاتی ہیں۔ پھر آپ کو رضاکارانہ طور پر نوٹس ملنے لگتے ہیں اور آپ چاہے پورا سال کلاس بنک کرتی

رہیں۔ آپ کی حاضری کبھی شارٹ نہیں ہوتی۔۔۔ میں تو کہتی ہوں تم بھی یہ گر آزما کر دیکھ لو۔ اگلے سال کے تیار شدہ نوٹس بھی نہ مل گئے تو میرا نام بدل دینا۔" اس نے کھٹکتے ہوئے لہجے میں آنکھ کا کونا دبا کر کہا تھا۔

"مجھے ایسی اوچھی حرکتیں کرنے کا کوئی شوق نہیں۔" اس نے رکھائی سے کہا اور قدم آگے بڑھایا' مگر نمرو نے سرعت سے اس کو پکڑ کر کھینچا۔

"سنو نا! میں کیا کہہ رہی تھی کہ۔۔۔" اس کا لہجہ بڑا خواب ناک سا تھا۔

"وہ شہزادہ تمہارا بھائی ہے اور میں تمہاری سہیلی' جب بھی اس کی شادی کا خیال آئے تو میرا نام ضرور ذہن میں رکھنا۔" اس نے شرمانے کی حد کر دی تھی۔

عبیر نے قہقہہ لگایا اپنے مخصوص انداز میں' ہاتھ پر تالی بجا کے۔

"لو جی' ایک نمونہ تو فوراً تیار ہے۔"

تنوی کا جھنجلاہٹ کے مارے برا حال تھا۔

"تم لوگ بالکل پاگل ہو' شبیہہ بھائی میرے۔۔۔ میرا مطلب ہے' وہ صرف میرے بھائی نہیں ہیں۔" اس نے تیزی سے کہا۔

"کیا مطلب؟" نمرو نے حیرانی سے پوچھا۔ "پوری کالونی کی لڑکیوں کے بھائی ہیں؟"

"اوہو۔" تنوی کی جھنجلاہٹ میں اضافہ ہوا۔

"اللہ نے دنیا بھر کی ناسمجھ اور مسخری سہیلیاں مجھے ہی کیوں دی ہیں۔" اس نے بے چارگی سے کہا۔

"شبیہہ بھائی میرے منگیتر ہیں۔" اس نے نظریں جھکا کر بے زاری سے کہا' ان دونوں کے لبوں سے چیخ نکل گئی۔ قریب سے گزرتی لڑکیاں حیران ہو کر انہیں دیکھنے لگیں۔

"تم ایک عدد منگیتر کی مالک ہو اور تم نے ہمیں بتایا بھی نہیں۔" عبیر نے صدمے سے کہا۔

"ہستر بوتو خدارا۔۔۔ کیا پورے کالج میں اعلان کرواتا ہے۔"

"تنوی!" نمرو کی تو آنکھوں میں آنسو بھی آگئے۔

"تمہیں میرے حق پہ ڈاکہ ڈالتے ذرا شرم نہیں آئی۔" تنوی نے جھنجلا کر اسے دھپ رسید کی۔

"میں تمہارے حق پر ڈاکہ کیوں ڈالوں گی' میری منگنی تو بچپن میں ہی ہو گئی تھی۔"

"کس کے بچپن میں؟ تمہارے بچپن میں یا ان کے بچپن میں؟"

"خیر' یہ تو اتفاق کی بات ہے' اب تم ہمیں بتاؤ' اتنی اہم بات ہم سے چھپا کر کیوں رکھی۔" عبیر نے سنجیدگی سے پوچھا۔

نمرو بھی سر ہلانے لگی۔ "جبکہ ہمیں اپنی فرینڈز بھی کہتی ہو۔"

"یار! یہ اتنی اہم بات نہیں تھی کہ میں بتاتی۔" اس نے سادگی سے کہا۔

"اچھا اب بنو مت۔" نمرو نے ٹوک دیا۔ "منگنی ہونا کوئی ایسی معمولی بات بھی نہیں ہے۔ دیکھا نہیں سینئرز میں سے کسی کی منگنی ہو جائے تو وہ کیسے مٹھائی بانٹ رہی ہوتی ہیں۔"

"لیکن کوئی اہم بات بھی نہیں ہے۔" وہ سابقہ انداز میں بولی۔ "پھر یہ تو اتنی پرانی بات ہے کہ مجھے بتانے کا خیال ہی نہیں آیا۔ ابھی بھی اگر تم لوگ الفو والی بات نہ کرتیں تو میں کبھی نہ بتاتی۔"

"عروش کون ہے؟" عبیر نے آنکھیں مٹکائیں۔ تنوی نے گہری سانس بھر کر اسے دیکھا' وہ جتنا زیادہ عروش کے ذکر سے گریز کرتی تھی' اس کی سہیلیاں اتنا ہی اس کا ذکر کرتی تھیں' محض اسے تنگ کرنے کے لیے۔

www.pkdigest.com

"اسے کیسے پتا ہوگا' جبکہ تم لوگ بھی نہیں جانتیں۔" اس نے تحمل سے کہا۔
"خدارا! آپ عروش کو تو کیا کسی کو بھی مت بتانا۔"
"ہم کیوں بتائیں گے' اس بے چاری کو پتا چلا تم منگنی شدہ ہو تو ایک بار تو ضرور ہی صدمے سے غش کھا کے گر پڑے گی' آج تو بالکل نہیں بتانا۔" عنبر اور نمو نے لپس میں طے کیا۔
"صرف آج نہیں' کبھی بھی نہیں بتانا۔" اس نے زور دے کر کہا۔
"لیکن آج تو خصوصیت سے نہیں بتانا۔ اس کی سالگرہ ہے' اتنا تیار ہو کر آئی ہے کہ لڑکی کم مسخری زیادہ لگ رہی ہے۔ کالج کی تو بھی لڑکیاں اسے وش کرنے کے لیے گلاب کے پھول لے کر آتی ہیں' جبکہ وہ خود صبح سے تمہاری منتظر ہے۔ میں نے خود اسے ایک بڑا سا بکے ہاسٹل کی مدثرہ کے پاس رکھواتے دیکھا تھا۔" نمو نے صاف مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔
"نمو! میں نے کتنی بار کہا ہے ایسی باتیں مت کیا کرو۔ مجھے بالکل اچھا نہیں لگتا۔"
"تو پھر تم ہمیں بتا دو' تمہیں کیسی باتیں پسند ہیں ہم وہی کر لیا کریں گے۔"
"چلو۔ کلاس روم میں چلیں۔"
"پہلے وعدہ کرو ہمیں اپنے اور اپنی منگیتر کی ساری باتیں بتاؤ گی۔"
"مثلاً" کون سی باتیں؟"
"ارے میڈم فرح کلاس روم کی طرف جا رہی ہیں' میں جا کر سیٹیں رکھتی ہوں' تم جلدی سے آجاؤ۔ مگر نیکسٹ پیریڈ میں سب بتانا پڑے گا۔"
"ویسے ایک بات ہے نمو! تم دونوں ساتھ ساتھ بہت اچھے لگ رہے تھے۔ تمہارا منگیتر سچ مچ بہت پیارا ہے۔" عنبر اور نمو تیز تیز قدم اٹھاتی کلاس روم کی طرف چل گئیں۔
"پیارے تو خیر پیارے بھی ہوتے ہیں' مگر ان کے ساتھ زندگی تو نہیں گزاری جا سکتی نا!"
بوجھل دل کے ساتھ اس نے قدم کلاس روم کے بجائے اسپورٹس گراؤنڈ کی طرف موڑ لیے تھے۔

☼ ☼ ☼

"بھئی' میری ایک بات سن لیں' سب لوگ۔" مسز آفتاب نے چائے کے مگ پر چمچہ بجا کر پہلے سب کو اپنی طرف متوجہ کیا' پھر مگ کو سر سے تھوڑا سا اوپر اٹھا کر اعلان کرنے والے انداز میں کہا تھا۔
"آپ تو پہلے ہی اتنا بولتی ہیں مسز آفتاب! کہ کسی اور کی بات سننے کی نوبت ہی نہیں آتی' اس پر سے ایسا اصرار۔ چہ خوب؟" بیگم نواز کی بات پر ایک زبردست قہقہہ لگا تھا اور ہنسنے والوں میں سب سے بلند مسز آفتاب کی اپنی آواز تھی۔
"لیکن جو بات میں اب کرنے جا رہی ہوں' وہ بہت اہم ہے' دل خوش ہو جائے گا سن کر۔"
"اچھا تو پھر کہہ ڈالیے۔" سب ہی ہمہ تن گوش ہو گئیں۔
"بات یہ ہے کہ۔ اگلی بار جب بھی سوسائٹی کی میٹنگ رکھی جائے گی' سارا انتظام مسز دانیال کے یہاں ہوگا۔" ان کا انداز بڑا حتمی سا تھا۔ حیران تو سب ہی ہوئیں' خود ثروت بھی چونک کر انہیں دیکھنے لگیں۔
"کیوں بھئی۔ ابھی پچھلے مہینے ہی تو ثروت نے اپنے یہاں انتظام کیا تھا۔" باجی نصرت نے سب سے پہلے سوال اٹھایا۔
"اگلی میٹنگ بھی اگر نور بانو کے گھر رکھی گئی تو میری طرف سے معذرت۔ میں اپنے معدے پر اتنا ظلم نہیں

کر سکتی۔ ثروت کے گھر جائیں گے تو یہ تو پتا ہوگا کہ چائے اچھی پینے کو ملے گی۔"
مسز آفتاب نے ہاتھ میں پکڑے مگ کو دیکھتے ہوئے اتنی بے چارگی سے کہا تھا کہ دبی دبی سی ہنسی سارے میں بکھر گئی۔
"یہ تو بالکل ٹھیک بات کہی ہے۔ چائے تو خیر نور بانو نے بھی بری نہیں بنائی' مگر ہو ذائقہ ثروت کے ہاتھ میں ہے' وہ اس بلاک کی کسی اور عورت کے ہاتھ میں نہیں۔" باجی نصرت نے پوری سچائی سے کہا تھا۔ بیگم نواز زور' زور سے اثبات میں سر ہلانے لگیں۔
"ابھی پچھلے ہفتے کی بات ہے' عشاء کے بعد مسجد سے واپسی پر نواز کو دانیال بھائی اپنی طرف لے گئے' واپس آکر نواز مجھ سے کہنے لگے' کسی روز جا کر ثروت بھابھی سے چائے بنوا کر پی آؤ۔ اپنے بنائے ہوئے خوشاندے اور چائے کا فرق سمجھ میں آجائے گا۔" اس بات پر ایک اور قہقہہ بلند ہوا۔
"تو بس پھر فائنل ہوا' اگلے مہینے کی اسی تاریخ کو ثروت کے گھر میٹنگ ہوگی۔" مسز آفتاب نے کہا' ساتھ ہی بولیں۔
"تم بھی تو کچھ کہو ثروت! تاکہ ہمیں یہ سوچ کر شرمندگی نہ ہو کہ ہم نے خود کو تمہارے گھر سیلف انوائیٹ کیا ہے۔" ان کا انداز بڑا دلچسپ تھا۔ ثروت اپنے مخصوص انداز میں مسکراتی رہیں۔
"اس میں شرمندگی والی تو کوئی بات ہی نہیں ہے' اگلی میٹنگ میرے ہی گھر ہوگی' بلکہ آپ لوگوں کا جب بھی دل چاہے' آپ لوگ بلا تکلف میرے گھر آسکتی ہیں۔" انہوں نے خوش دلی سے کہا تھا۔
"بھئی صرف چائے ہی کیوں۔ ثروت تو کھانا بھی بہت لذیذ بناتی ہیں۔" شہلا بھی بولیں۔
"لو بھئی۔ انہوں نے تو اب لنچ یا ڈنر کا بندوبست شروع کر دیا۔" باجی نصرت نے جملہ اچک لیا۔ سارے میں زندگی سے بھرپور ہنسی بکھر گئی۔
"کیوں نہیں۔ آپ لوگ میرے گھر آئیں گے' مجھے بہت خوشی ہوگی۔" گالوں پر پڑے ڈمپل اور بے تحاشا چمک دار آنکھیں اس وقت واقعی دلکش لگیں کہ نصرت باجی دیکھتی ہی رہ گئیں۔
"ایک بات سچ سچ بتانا ثروت۔ دانیال بھائی تمہاری اسی مسکراہٹ پر فدا ہوئے تھے یا نہیں۔" دانیال ان کے سگے خالہ زاد تھے اور یہ بات اس ٹولی کے ہر ممبر کو معلوم تھی۔
"صرف مسکراہٹ کیوں؟ دانیال بھائی پوری کی پوری ثروت پر فدا ہوئے ہوں گے۔" مسز آفتاب نے کہا۔
"میں نے اس کی شادی کے ابتدائی دنوں کی تصویریں دیکھی ہیں۔ یقین مانیے شادی کے اتنے سال بعد بھی اسے کچھ خاص فرق نہیں پڑا' فلمی کی وہی ہے۔" انہوں نے رشک سے ثروت کو دیکھا۔
"اب اتنی بھی غلط بیانی کریں مسز آفتاب!" ثروت نے بری طرح جھینپتے ہوئے کہا۔ "اچھی خاصی موٹی ہو چکی ہوں میں' بلکہ دانیال نے تو شادی کے شروع میں ہی کہنا شروع کر دیا تھا کہ زیادہ سے زیادہ واک کیا کرو۔ مگر اتنے سالوں کی واک کا نتیجہ بھی آپ کے سامنے ہے۔"
"اچھا حیرانی ہے' دانیال بھائی ایسا کہتے رہے ہیں۔" بیگم نواز نے کہا۔ "دراصل مرد بہت ناشکرے ہوتے ہیں۔ چاہتے ہیں' اپنے اندر کوئی خصوصیت ہو یا نہیں' بیوی ہر لحاظ سے پرفیکٹ نظر آئے۔"
"نہیں بھئی۔ دانیال تو بہت صابر انسان ہیں۔ شروع میں مجھے واک کے لیے کہتے تھے۔ اب کہتے ہیں' کیا ضرورت ہے خود کو تھکانے کی۔ تم ایسے ہی اچھی لگتی ہو۔" ثروت نے جلدی سے کہا۔
واقعی ایسا کہتے ہیں؟ بڑی اچھی بات ہے۔ ماشاء اللہ' تم لوگوں کا کپل یوں بھی پرفیکٹ لگتا ہے۔" باجی نصرت نے صدق دل سے تعریف کی تھی۔ سب ہی ہاں میں ہاں ملانے لگیں۔

www.pkdigest.com

"فاطمہ! آپ اپنے بیٹے کے لیے لڑکی ڈھونڈ رہی تھیں۔ کہاں تک پہنچی یہ مہم؟" ثروت نے موضوع بدل دیا۔ فائزہ کو اپنا دکھ سنانے کا موقع مل گیا۔

"وہیں کی وہیں ہے۔ لوگ کہتے ہیں اچھے لڑکے نہیں ملتے، ہمیں اچھی لڑکی کی تلاش میں جوتیاں گھسنا پڑ رہی ہیں۔"

"ارے مجھے یاد آیا۔" نوربانو کچن سے نکلی تھیں۔

"مسز دانیال۔! جس وقت میں مارکیٹ سے آرہی تھی آپ کے گھر کے باہر ٹیکسی رکی دیکھی تھی میں نے۔ شاید کوئی مہمان ہیں، بڑی پیاری سی لڑکی تھی۔ میں بتانا ہی بھول گئی۔"

"مہمان تو نہیں کرائے داروں نے آنا تھا آج۔ ممکن ہے وہی ہوں، اچھا میں چلتی ہوں، شازیہ کو کہہ کر بھی آئی تھی اگر کرائے دار پہنچ جائیں تو فون کردے۔" ثروت کھڑے ہوتے ہوئے بولیں۔

"ارے ثروت! تم اپنا بنگلہ کرائے پر چڑھا رہی ہو؟"

"پورا بنگلہ نہیں نصرت باجی! صرف انیکسی۔"

"اللہ خیر۔ آپ کو کیا ضرورت پڑ گئی کرائے وصول کرنے کی۔ دانیال بھائی کی ملازمت تو ٹھیک جا رہی ہے نا!" نوربانو نے فکرمندی ظاہر کرتے ہوئے پوچھا۔ سب ایک دوسرے کی شکل دیکھتی رہ گئیں۔ ہر گروپ، ہر کمپنی میں ایک نہ ایک ممبر ایسا ضرور ہوتا ہے، جس کی بات طنز کے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔

"جی ہاں۔ اللہ کا کرم ہے، دانیال کو تو خود بھی کرائے دار رکھنے کا شوق نہیں، لیکن ان کے بڑے قریبی دوست ہیں توقیر صاحب ان ہی کے ریفرنس سے کوئی فیملی آرہی ہے ہماری انیکسی میں۔ آئرلینڈ سے آرہے ہیں یہ لوگ۔ چند مہینوں کے لیے گھر چاہیے تھا۔ بلکہ شاید صرف خواتین ہی ہیں تو توقیر بھائی کہہ رہے تھے کوئی قابل اعتماد لوگ ہونا چاہیں۔ دانیال تو کرایہ لینے پر راضی ہی نہیں تھے مگر وہ لوگ راضی نہیں ہوئے، ناچار ہمیں ہی اپنا پرانا۔" ثروت نے محض نوربانو کی تشفی کے لیے اتنی لمبی بات کی، جتنی لمبی بات کی انہیں عادت نہیں تھی۔ مگر نوربانو بھی اپنی عادت سے مجبور تھیں۔

"ہم سب جانتے ہیں۔" والے انداز میں آنکھیں مٹکانا نہ بھولیں۔

"اچھا میں چلوں۔" ثروت نے دل ہی دل میں جھنجلاتے ہوئے کہا۔

"کیا بھی ثروت! اتنے دن کے بعد تو ملاقات ہو رہی ہے اور تم اس قدر جلدی جا رہی ہو۔ ابھی تو کتنی ساری باتیں کرنا تھیں۔" مسز آفتاب نے کہا۔

"پھر کبھی مسز آفتاب! ابھی میرا جانا ضروری ہے۔ ولی اور ولید تو ابھی گھر آئے نہیں ہوں گے اور اینیا بھی آج اپنے پریکٹیکل کی وجہ سے لیٹ آنے کا کہہ رہی تھی۔"

"اچھا ثروت! نوربانو کہہ رہی ہیں تمہاری کرائے دار بڑی پیاری لڑکی ہے۔ ذرا دیکھ بھال لینا۔ یاد ہے نا میں اپنے بیٹے کے لیے لڑکی ڈھونڈ رہی ہوں۔"

ایک زبردست قہقہہ اس بات پر بلند ہوا تھا۔ ثروت بھی مسکراتے ہوئے باہر کی طرف چل دیں۔

☆ ☆ ☆

جس وقت یہ وہاں پہنچے اینیا کو کالج سے واپس آئے چند منٹ ہی گزرے تھے۔

"اینیا بیٹے! میں کسی ایمرجنسی کی وجہ سے نہیں پہنچ سکا، ثمینہ آپا سے ابھی میری بات ہوئی ہے، وہ گیٹ کے باہر کھڑی ہوگی ہیں۔ آپ انہیں انیکسی دکھا دیں۔"

توقیر انکل نے فون پر کہا تھا، اینیا نے فون بند کیا، کتابیں ایک طرف رکھیں، شوز اتار کر سلیپر پہنے اور باہر آگئی۔ شازیہ ڈرائیو وے پر تیز تیز قدم اٹھاتی اسی طرف آرہی تھی۔

"باجی! باہر دو عورتیں۔"

"تم جا کر کھانا گرم کرو میں دیکھتی ہوں۔"

گیٹ کے باہر وہ دونوں متضاد تاثرات کے ساتھ کھڑی تھیں۔

ثمینہ منتظر، مادی بے زار۔

اس سے پہلے کہ ثمینہ کچھ کہتیں اینیا نے کہا۔

"میری ابھی توقیر انکل سے بات ہوئی ہے۔ مجھے پتا ہے آپ ثمینہ آنٹی ہیں اور یہ۔" اس نے سوالیہ نظروں سے مادی کی طرف دیکھا۔

"یہ مادی ہے میری بیٹی!"

"اوہ۔ پریٹی نیم۔ آئی ایم اینیا۔ یہ ہمارا گھر ہے۔" اس نے مسکرا کر کہا تھا۔

"ہوں۔ مالک مکان۔ نائس ٹو میٹ یو۔" مادی نے خوش دلی سے ہاتھ بڑھایا، جسے اینیا نے مسکرا کر تھام لیا۔

"مالک مکان نہیں۔ مالک مکان کی بیٹی۔ آیئے آنٹی! میں آپ لوگوں کو آپ کا پورشن دکھا دیتی ہوں۔"

اینیا نے چابی لگا کر انیکسی کا دروازہ کھولا، پھر ایک طرف ہو کر ان دونوں کو اندر آنے کا راستہ دیا۔

"سامان یہیں چھوڑ دیں میں ملازم سے کہہ کر اندر رکھوا دیتی ہوں۔" مادی کو سوٹ کیس اٹھاتا دیکھ کر اس نے کہا تھا۔

دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی پہلی نظر پلازما ٹی وی پر پڑی، جس کی اسکرین اتنی چمک دار تھی کہ گمان گزرا ابھی ابھی پینٹنگ کھولی گئی ہے۔ نرم نرم سبز اور گولڈن رنگ کا سینٹرل کارپٹ، دیواریں چمک دار، فرش صاف ستھرا۔ پہلی ہی نظر میں ثمینہ کافی خوش ہو گئیں۔

"آیئے آنٹی! میں آپ کو باقی رومز بھی دکھاتی ہوں۔" ان کی دلچسپی بھانپ کر اینیا نے جلدی سے کہا۔ اس وقت، ثروت یہاں موجود ہوتیں تو اس کا اس قدر منتظرانہ رویہ دیکھ کر ضرور ہی غش کھا جاتیں۔

"یہ دو بیڈ رومز ہیں، دو اٹیچ باتھ۔ یہ لاؤنج۔ اس طرف کچن ہے، اور کچن کے ساتھ ہی چھوٹا سا گارڈن بھی ہے جو سینٹرل لان سے اٹیچ ہے۔ ممی نے صبح ہی یہاں کی صفائی کروائی ہے، ہوپ یو لائیک اٹ۔" اس نے مسکرا کر پوچھا تھا۔

"گھر تو خیر بہت اچھا ہے، ہمیں دو، چار مہینے ہی یہاں رہنا ہے، اتنے عرصے کے لیے ایک سجا سجایا پورشن مل رہا ہے تو کیا برا ہے۔" گھوم پھر کر دیکھ لینے کے بعد مادی نے کہا۔

"ویسے میں یہ تو جانتی تھی پاکستان میں گھر بہت بڑے اور رویل ڈیکوریٹڈ ہوتے ہیں، مگر یہ نہیں پتا تھا کہ پاکستان کے لوگ اتنے خوب صورت ہوتے ہیں۔" اس نے اینیا کو دیکھتے ہوئے پوری صداقت سے کہا۔

اینیا ہنس دی۔

"پتا تو خیر مجھے بھی نہیں تھا کہ آئرلینڈ سے آئے ہوئے لوگ اتنے گڈ لکنگ اور گریس فل ہوتے ہیں۔" اس کا انداز شریر سا تھا، مادی سنجیدگی سے بولی۔

"نہیں خیر، سب تو نہیں ہوتے۔ کچھ کچھ ہوتے ہیں۔ جیسے کہ میں۔" پھر وہ خود ہی ہنسنے لگی۔

"بہرحال اس جوابی تعریف کا شکریہ۔ میں تمہیں دیکھتے ہی سمجھ گئی تھی کہ ہمارے درمیان بڑی اچھی دوستی ہو سکتی ہے بشرطیکہ تم مجھے گیا، باقی بتانے کی غلطی نہ کرو۔" اینیا ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گئی۔

www.paksociety.com

"وائے ناٹ۔۔۔ لیکن میں آپ کو آپا کیوں بناؤں گی' آپ تو اتنی چھوٹی سی لگتی ہیں۔"
"اب اس بہانے میری عمر نہ پوچھنا۔" اس نے شرارت سے کہا۔
"ٹھیک ہے' نہیں پوچھوں گی۔" پھر اسے کچھ یاد آیا تو کہنے لگی۔
"آپ لوگ فریش ہولیں' میں کھانا بھجواتی ہوں۔" ثمینہ منع کرنے کے لیے پر تول ہی رہی تھیں کہ ماوی بول پڑی۔
"صرف کھانا مت بھجوانا' کافی بھی بھجوا دینا۔"
"ماوی!" ثمینہ نے اسے بری طرح گھورا۔
"اچھا بابا! صرف کھانا ہی بھجوا دو۔"
"ماوی۔!" ثمینہ کا دل چاہا اپنا سر ہی پیٹ لیں۔ ایمنا نے ہنستے ہوئے ماں بیٹی کو دیکھا' پھر بولی۔
"میں دونوں چیزیں بھجوا رہی ہوں۔"
پھر اس نے واپس جا کر شازیہ کے ہاتھ کھانا اور کافی بھجوائی' ساتھ ہی یہ بھی کہلوا دیا۔ کسی اور چیز کی ضرورت ہو تو بتا دیں۔
جس وقت شازیہ برتن لے کر واپس آئی۔ ثروت اسی وقت گھر میں داخل ہوئی تھیں' کرائے داروں سے ملنے کا ارادہ' پھر کسی وقت کے لیے ٹال کر وہ اپنے پورشن کی طرف بڑھ گئیں۔

☼ ☼ ☼

"دین محمد! او بھائی دین محمد!"
دین محمد نے ہاتھ روک کر دیکھا۔ چلچلاتی دھوپ میں کھیتوں کے بیچ و بیچ پگڈنڈی پر اس کا پڑوسی حنیف دوڑا چلا آ رہا تھا اور اس کی آواز اتنی بلند تھی کہ چار کوس دور تک سنائی دیتی ہوگی۔
"کیا ہوا بھائی حنیف!" اس نے کھڑے ہوتے ہوئے پیشانی کا پسینہ پونچھا۔ حنیف پیٹ پہ ہاتھ رکھے کسی قدر آگے کو جھکا بری طرح ہانپ رہا تھا۔
"جلدی چلو دین محمد۔!" اس نے بس اتنا کہا تھا۔ دین محمد کی چھٹی حس نے اسے خبردار کیا تھا' اس کا دل سوکھے پتے کی طرح کانپنے لگا۔
"ہوا کیا ہے حنیف؟" اس نے سراسیمگی سے پوچھا۔
"مجھے فی الحال صرف اتنا پتا ہے کہ تمہاری بیوی کی حالت بہت خراب ہے۔ تھوڑی دیر پہلے میری بیوی نے دائی کو بلوایا ہے۔"
دین محمد کے ہاتھ سے درانتی چھوٹ کر نیچے گری۔ اس نے اسی پگڈنڈی پر دوڑنا شروع کر دیا جس پر سے ابھی حنیف آیا تھا۔ شاید اتنی پھرتی سے وہ اپنی زندگی میں پہلی بار دوڑا تھا' اس کا دل مستقل لرز رہا تھا۔
اپنے گھر میں داخل ہوتے ہی اسے اپنی ماں دکھائی دی جس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور آنکھوں میں آنسو تھے۔
دین محمد کے پیروں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔
اپنی ماں کا بوڑھا چہرہ دیکھ کر اسے اپنے بدترین خدشے کے یقین میں ڈھل جانے کی خبر ملی تھی۔
اس سے قبل کہ وہ صدمے سے بے حال ہو کر زمین پر گرتا' اس کی ماں لپک کر اس کے قریب آ گئی۔
"مبارک ہو دین محمد! اللہ نے تیری سن لی' بیٹی ہوئی ہے اور بالکل تندرست۔"

دین محمد دنگ رہ گیا۔
اس کی ماں کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے۔
معاً دین محمد کے سن ہوتے وجود میں بجلی سی دوڑ گئی' وہ گھٹنوں کے بل زمین پر گرا اور سجدے میں گر کر رونے لگا۔
وہ بڑی دیر تک تشکر کے احساس سے روتا رہا' پھر اس نے اپنی ماں سے پوچھا۔
"زہرہ کیسی ہے؟" اس کی ماں نے تسلی بخش انداز میں سر ہلایا تو وہ بولا۔
"میں شکرانے کے نفل پڑھنے کے لیے مسجد جانے سے پہلے اپنی بیٹی کو دیکھنا چاہتا ہوں۔"
اس کی ماں سر ہلا کر اندر کمرے میں چلی گئی' چند منٹ بعد جب وہ باہر نکلی تو بچی اس کی گود میں تھی اور خوب صورت سی چادر میں لپٹی ہوئی تھی۔
دین محمد نے لپک کر لیکن احتیاط اور محبت سے اسے اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ ننھا سا وجود آنکھیں میچے کسمسا رہا تھا۔ دین محمد کی آنکھوں میں پھر سے پانی بھرنے لگا۔ اس کا دل خوشی کے عظیم جذبے سے سرشار ہو رہا تھا۔
اس نے بچی کو احتیاط سے سینے سے لگا لیا' پھر نم آنکھوں' مگر مسکراتے لبوں کے ساتھ جھک کر اس کی نرم و نازک پیشانی کو چوم لیا۔ "میری بچی۔! میرے جگر کا ٹکڑا۔۔۔ میری جنت۔" بچی کسمسائی اس کے منے سے ہونٹ مسکرا رہے تھے۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لئے خوبصورت ناول

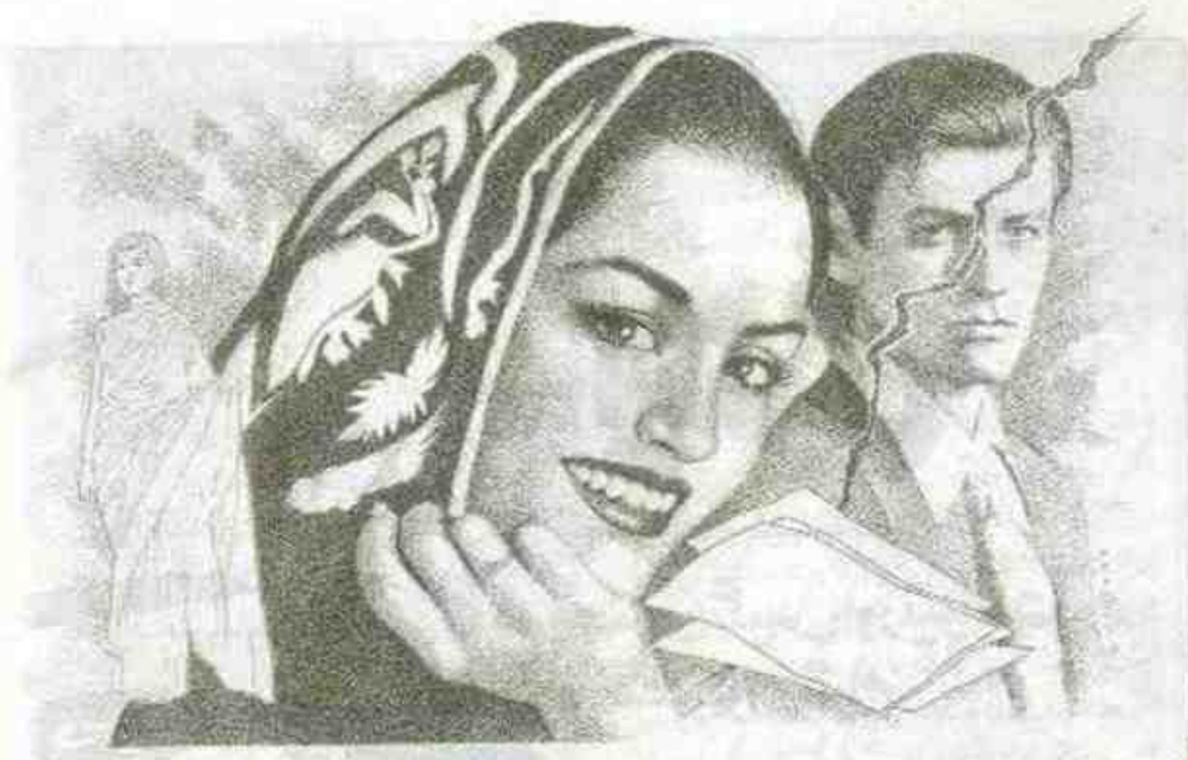
☆ ستاروں کا آنگن،	نسیم سحر قریشی	قیمت: 400 روپے	شائع ہو گئے ہیں
☆ درد کی منزل،	رضیہ جمیل	قیمت: 180 روپے	
☆ اے وقت گواہی دے،	راحت جبیں	قیمت: 350 روپے	
☆ تیرے نام کی شہرت،	شازیہ چودھری	قیمت: 200 روپے	
☆ امربیل،	عمیرہ احمد	قیمت: 450 روپے	

خوبصورت سرورق
خوبصورت پیرہن
معیاری طباعت
آفسٹ پیپر

منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37۔ اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

www.pkdigest.com





آمنہ ریاض

سسکتی سانسیں

www.pkdigest.com

دین محمد مٹی سے محبت کرنے والا جفاکش مرد ہے۔ دھرتی کو اپنے خون جگر سے سونا اگلنے کے قابل بنانا اس کا پیشہ ہے۔ اس کی پوری زندگی محنت سے عبارت ہے' جو وہ اپنے چھ مربع زمین پر صرف کرتا ہے۔ شادی کو آٹھ سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ اپنے چھوٹے سے گھر میں وہ بیوی زہرہ اور ماں کے ساتھ رہتا ہے۔ زہرہ چھ مردہ بچوں کو جنم دے کر ایک مرتبہ پھر امید سے ہے۔ دین محمد کا رواں رواں اولاد کی خوش خبری پانے کے لیے مجسم دعا بن چکا ہے۔ اس کی دعائیں مستجاب ٹھہرتی ہیں اور اس کے یہاں ایک خوب صورت بچی جنم لیتی ہے۔ اسے وہ اپنی "جنت" کے نام سے مخاطب کرتا ہے۔

جلال الدین کے روز و شب نوکری کی چکی میں پستے گزر رہا ہے۔ اس نوکری کے دوران اسے آرام کرنے کا موقع بھی کم ملتا ہے۔ بہتر مستقبل کا خواب اسے متحرک رکھتا ہے۔ تنہائی میں کسی کی محبت کا جگنو اس کی دنیا آباد رکھتا ہے۔ ہر دم "اس" کی یادیں اسے بے چین رکھتی ہیں۔ دن بھر کا تھکا ہارا وہ آرام کرنے لیٹتا ہے تو پولیس اسٹیشن سے اطلاع ملتی ہے کہ جنت بی بی حراست میں ہے' جس کا دعوا ہے کہ اس نے اپنے شوہر کا قتل کیا ہے۔ جلال الدین اپنے وکیل دوست مسعود کے ساتھ بھاگم بھاگ پولیس اسٹیشن پہنچتا ہے اور ثبوت دکھاتا ہے کہ جنت شیزوفرینیا کی مریض ہے۔ جس کی شادی ابھی ہوئی تک نہیں۔ جنت کی حالت جلال الدین کو اعصابی تشنج کا شکار کرنے لگتی ہے۔ جسے اس نے نوکروں کے سہارے علیحدہ گھر میں رکھ چھوڑا ہے۔

ثمینہ 14 سال بعد اپنی بیٹی مادی کے ساتھ آسٹریلیا سے پاکستان آئی ہیں تو انہیں توقیر صاحب کے بنائے گئے بنگلے کو تلاشنے میں بہت وقت لگتا ہے۔ وہ فیض کے دوست توقیر صاحب کے توسط سے دانیال کی انیکسی میں ٹھہرتی ہیں۔ ثروت دانیال ملنسار اور مجتبیٰ خاتون ہیں۔ ولی' ولید اور انیبا ان کے بچے ہیں۔ مادی کی پہلی ملاقات میں انیبا سے دوستی ہو جاتی ہے۔

شبیہہ العباس طبعتاً "سخت گیر اور غصہ ور نوجوان ہے' جسے صنف نازک کا غیر ضروری ہنسنا بھی ناگوار گزرتا ہے۔ وہ پھپھی زاد تنوی سے منسوب ہے۔ تنوی اس کی تند خو طبیعت سے نالاں ہے۔ شبیہہ' تنوی کو کالج چھوڑنے آتا ہے تو سہیلیاں عبیر اور نمو تنوی کے سر ہو جاتی ہیں۔ یہ جان کر کہ شبیہہ تنوی کا منگیتر ہے' وہ اس کی قسمت پر رشک کرتی ہیں۔ تنوی دونوں سے گزارش کرتی ہے کہ عروش کو اس بات کا علم نہ ہو۔

(اب آگے پڑھیے)

۲
دوسری قسط

صبح سویرے کا ہنگامہ عروج پر تھا۔

(یہ الگ بات کہ گھڑی کی سوئیاں ساڑھے گیارہ کا وقت بتا رہی تھیں) صرف سینٹرل لاؤنج پر ہی کیا موقوف پورا فلیٹ بھانت بھانت کی بولیوں سے گونج رہا تھا۔

سب سے بلند آواز پلازمہ ٹی وی پر نشر ہونے والے ڈرامہ کی تھی' جس کے بالکل سامنے وحید تجسس اور بے حد دلچسپی کے تاثرات چہرے پر سجائے نگاہیں اسکرین پر گاڑے بیٹھا تھا۔ وہاں موجود تمام لڑکوں میں واحد وہ تھا جو خاموش بیٹھا تھا۔

دوسرے کونے میں سعد نے میوزک سسٹم لگا رکھا تھا جس میں سے آنے والی موسیقی کون دھن تھی۔ اور سعد جو تالیاں بجاتے ہوئے بری طرح اس سے میل نہ کھانے والی موسیقی پر سر دھن رہا تھا اس کا سر اور ہونٹ ہی سطح پر برش رگڑتا ہاتھ یکساں رفتار سے حرکت کر رہے تھے۔

تیسری طرف ارسل' جنید کو لطیفے سنا رہا تھا اور وہ دونوں اونچے اونچے قہقہے لگا رہے تھے۔

سب سے دلچسپ چوتھا کونہ تھا جہاں نعمان کشنز سے ٹیک لگائے سیل فون کان سے چپکائے عشق بگھارنے میں مصروف تھا۔ یہ سمجھنا ناممکن تھا کہ اتنے شور میں وہ دوسری طرف کی بات کیسے سمجھ پا رہا ہے۔

اور اس سب کے پس منظر میں واثق کی آواز تھی جو مسلسل واش روم سے نشر ہو رہی تھی اور جو سب کی سماعت تک تو پہنچ رہی تھی مگر چونکہ سب کے سب بے حد مصروف تھے اس لیے کوئی بھی اس کی طرف متوجہ ہونے پر راضی نہیں تھا۔

جس وقت وہ کال اٹینڈ کرنے کے بعد موبائل فون مٹھی میں دبائے سیل پر ملنے والی خبر کے زیر اثر حواس باختہ سا کمرے میں داخل ہوا۔ پورا کمرہ میدان کارزار کا منظر پیش کر رہا تھا۔

میلے کپڑوں کا ڈھیر۔

گندے جھوٹے برتن۔

الٹے سیدھے جا گرز۔

بکھری ہوئی کتابیں' ادھر الٹے سیدھے نوٹس۔

اور اس سب پر مستزاد ہر کونے میں لڑھکے ہوئے اس کے دوست۔ وہ بے چارہ پہلے ہی بوکھلایا ہوا تھا یہ حالت دیکھ کر رہے سہے حواس بھی ساتھ چھوڑنے لگے۔

اس کے دوستوں نے اس بار بھی اپنے وعدے پورے نہیں کیے تھے اور وہ جانتا تھا وہ خود پورا دن لگا کر بھی یہاں صاف صفائی نہیں کر پائے گا کجا کہ اسے ایک گھنٹے میں اسے اپنی اصل حالت میں لانا۔ اسے پتا تھا اس کے دوست اتنی جلدی بوریا بستر سمیٹ کر یہاں سے جانے پر راضی نہیں ہوں گے راضی ہو بھی جاتے تو صفائی میں اس کا ہاتھ بٹانے پر بھی راضی نہ ہوتے۔ وہ چاہتا بھی نہیں تھا کہ یہ لوگ اس کی مدد کریں۔ بس وہ یہاں سے فی الحال چلے جائیں یہی کافی تھا مگر۔۔۔

"او میرا شہزادہ آگیا۔۔۔" ابھی وہ شش و پنج میں مبتلا تھا کہ کس طرح ان سب کو وہاں سے جانے کے لیے کہے تب ہی ارسل نے اسے دیکھ کر نعرہ بلند کیا پھر بولا۔

"جے ڈی! دروازے میں کیوں کھڑا ہے یار اپنا ہی گھر سمجھ۔۔۔ اندر آجا۔"

وہ یوں کہہ رہا تھا جیسے خود میزبان اور جے ڈی مہمان ہو۔

اس نے ابھی پہلا قدم اٹھایا ہی تھا کہ جنید نے اس کے ہاتھوں کی طرف دیکھا پھر صدمے کی کیفیت میں بولا۔

"ناشتہ کدھر ہے؟ تم تو ناشتہ لینے بازار گئے تھے ناں؟"

"میں ناشتہ لینے نہیں' کال اٹینڈ کرنے لابی میں گیا تھا۔"

"نہیں۔۔۔" جنید نے دونوں کانوں پر ہاتھ رکھ کر ایک دل خراش چیخ ماری کہ کیا کسی فلمی ہیروئن نے ماری ہوگی۔

"پچھلے آدھے گھنٹے سے میں اسی ناشتے کی آس پر زندہ تھا ورنہ میں نے تو آدھ گھنٹہ پہلے ہی بھوک کی شدت سے فوت ہو جانا تھا۔"

"جنید! تو ایک کام کر۔۔۔" سعد نے اپنی مسہری سے ٹانگ نکالی۔ "میری مان پہلی فرصت میں فوت ہو جا۔ ویسے بھی تیرے جیسے بندے نے زندہ رہ کر کرنا بھی کیا ہے۔ رنگ تیرا کالا ہے' قد تیرا چھوٹا ہے۔ آنکھیں بڑے غور و غوض کے بعد بھی سمجھ میں نہیں آتیں کہ بند ہیں یا کھلی۔۔۔ بال جتنی تیزی سے تجھے داغ مفارقت دے رہے ہیں امید واثق ہے عنقریب اس میدان میں بچے گلی ڈنڈا کھیلا کریں گے۔۔۔ کھاتا تو اتنا ہے کہ چار بندے بھی نہ کھاتے ہوں۔ مجھے ایک بات بتاؤ۔۔۔ تمہیں خود اپنا بھی کوئی فائدہ ہے۔۔۔ نہیں ناں۔۔۔ میری مان یار! تو عزت کے ساتھ فوت ہی ہو جا۔۔۔"

"بات دراصل یہ ہے۔" جنید نے آنکھیں نکال کر اسے گھورا۔

"کہ تم سب میری پرسنالٹی سے جلتے ہو۔۔۔ حسد کر کر کے اپنے رنگ کالے سیاہ کر لیے ہیں۔ بال اڑا لیے ہیں تم لوگوں سے میری شاندار شخصیت برداشت نہیں ہوتی اس لیے الٹی سیدھی باتیں کر کر کے میرا دل خراب کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہو۔۔۔ ہونہہ تم جیسے ناہنجاروں کو کیا پتا کتنی لڑکیاں میری پرسنالٹی پر مرتی ہیں کتنی ہیں جو مجھے رات کو خواب میں دیکھ کر خوش ہوتی ہیں۔"

اس نے نخوت سے ناک چڑھا کر کہا تھا۔

"خوش ہوتی ہیں۔۔۔ تعجب ہے ان بیچاریوں کو تو خوف سے لمبی نیند سو جانا چاہیے۔" ارسل نے بے ساختہ کہا تو سعد قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

اس سے پہلے کہ جنید کچھ کہتا جے ڈی نے جھنجلا کر کہا۔

"میں بھی کچھ کہہ رہا ہوں کوئی میری بھی سنو اپنی بک بک بند کرو گے۔"

www.pkdigest.com

"اچھا ہم بک بک بند کر دیتے ہیں تم شروع کرو۔" جنید کی بات پر ایک بار پھر ہنس ہنس کر تعریف کے ڈونگرے برسائے گئے تھے۔

"تم لوگوں نے یہاں کی حالت دیکھی ہے۔ ہر طرف کچرا ہر طرف بکھراوا۔ حالانکہ تم لوگوں نے وعدہ کیا تھا اس بار ایسا کچھ نہیں کرو گے۔"

"ہم اپنے وعدے پر قائم ہیں۔" جواب آیا۔

"یہ کپڑوں کا ڈھیر اور برتن یہ کیا ہے؟ اسے وعدہ خلافی نہیں کہتے تو کیا کہتے ہیں؟" وہ جل کر بولا۔

"اسے گھٹیا پن اور بدتہذیبی کہتے ہیں۔" ارسل نے آنکھیں گھمائیں۔

"کیسے میزبان ہو تم کپڑے برتن بھی ہم سے ہی دھلوانا چاہتے ہو۔"

"میں دھونے کے لیے کب کہہ رہا ہوں مگر یہ چیزیں سمیٹ کر بھی تو رکھی جا سکتی ہیں۔" وہ دھیما پڑ گیا پھر کچھ یاد آیا تو بولا۔

"اور یہاں ہینڈ پر میں اپنے کپڑے رکھ گیا تھا۔۔۔ استری کر کے۔۔۔ وہ کہاں گئے؟"

"بلیک جینز اور بلیو لائننگ والی شرٹ؟" جنید نے پوچھا۔

"ہاں۔" جے ڈی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"وہ تو تھوڑی دیر پہلے سعدی پہن کر نکلا ہے۔"

"کیا۔۔۔؟" صدمے کی شدت سے اس کی آواز پھٹ گئی۔

"سعدی کا بچہ۔۔۔ کمینہ۔۔۔ چور۔۔۔ وہ کپڑے پہن کر مجھے کیمپس جانا تھا اب میں کیا پہنوں گا۔" وہ رو دینے کو ہو رہا تھا۔

"حد ہو گئی یار جے ڈی! تو تو رئیس بندہ ہے۔ شاہوں کے منہ سے ایسی کنجوسی اور تھڑدلی کی باتیں اچھی نہیں لگتیں۔ کوئی اور کپڑے پہن لو۔ سعدی کا انٹرویو تھا اس لیے وہ جلدی میں تمہارے کپڑے پہن کر نکل گیا۔" سعد نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

جے ڈی نے جھنجھلا کر میوزک سسٹم کا بٹن نکالا۔

"مجھے سمجھ میں نہیں آتا تم لوگ میوزک ہلکی آواز میں کیوں نہیں سن سکتے۔" ابھی یہیں تک کہا تھا کہ ہاتھ روم کا دروازہ دھاڑ سے کھلا اور واثق کمر کے گرد تولیا باندھے تن فن کرتا نکلا۔

ارسل نے جھٹ دونوں آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر شور مچا دیا۔

"یہ بے ہودگی نہیں چلے گی۔ تمہیں پتا نہیں یہاں شریف لڑکے رہتے ہیں چلو واپس جاؤ تولیا کی جگہ ٹراؤزر پہن کر آؤ۔"

"ماشاءاللہ۔۔۔ سبحان اللہ۔" واثق کو تو آگ ہی لگ گئی۔

"مجھے بھی بتانا یہاں کون کون شریف ہے؟ جب سارے کے سارے خود ہاف پینٹ پہن کر گھوم رہے ہوتے ہو تب کوئی شرافت یاد نہیں رہتی۔" اچھے خاصے لتے لے ڈالے مگر وہ سب کہاں شرمندہ ہونے والے تھے۔ جنید بولا۔

"شرافت اگر کسی لڑکی کا نام ہے تو میں اسے صبح و شام یاد رکھنے کے لیے تیار ہوں۔"

"میں اتنی دیر سے آوازیں دے رہا ہوں اور تم سب گدھوں کی طرح ڈھینچوں ڈھینچوں کیے جا رہے ہو مجال ہے جو کسی نے میری بات سنی ہو۔" واثق نے غصے سے کہا۔

"حالانکہ تم ہم سب کے سردار ہو۔" ارسل نے آنکھیں پٹپٹائیں۔

"کسی نے میری شیونگ کٹ دیکھی ہے؟" اس نے پوچھا۔

"تمہاری شیونگ کٹ ہے یا ایشوریا کی تصویر۔۔۔ جسے ہم صبح و شام دیکھا کرتے ہیں۔" جنید بولا۔

واثق نے روئے سخن نعمان کی طرف موڑا۔

"نعمان۔۔۔ او بے او غبیث نعمان! تو نے میری کٹ لی تھی؟" نعمان نے جھنجلا کر فون بند کر دیا۔

"کیا تکلیف ہے؟"

"تم نے میری شیونگ کٹ لی تھی نا۔ اس میں اب شیونگ کریم نہیں ہے۔"

"ہاں تو میں کھا نہیں گیا ایک بار ہی لی تھی پھر اسی میں رکھ دی تھی۔۔۔ یہ تو وہی بات ہوئی سب سے بدنام برا ویڑھ ہفتہ پہلے کریم مانگی تھی تب سے تمہیں مجھ پر ہی شک رہتا ہے۔" وہ بھی بھڑک گیا۔

"میں نے کہا بھی تھا میرا اصل نام کوئی نہ پکارے۔ میں اپنی گرل فرینڈ سے نعمان کا دوست بن کر بات کر رہا تھا تم لوگوں نے بھانڈا ہی پھوڑ دیا۔ اب وہ مجھ پر یقین نہیں کرے گی۔"

"او کوئی بات نہیں میرے شیر! تجھے لڑکیوں کی کمی تھوڑا ہی ہے۔ واثق! تم جے ڈی کی کریم استعمال کر لو۔" سعد نے ایک ساتھ دو معاملے نمٹائے تھے۔

جے ڈی اور بھی جھنجھلا گیا اور سخت لہجے میں بولا۔

"سنو میری بات۔۔۔ ایک گھنٹے میں شبیہہ یہاں پہنچنے والا ہے۔ تم لوگ پلیز یہاں سے چلے جاؤ۔" اس کا انداز منت بھرا تھا۔

"ہاں تو آپ لینے دو شبیہ کو ہم نے کب منع کیا ہے ویسے بھی وہ شبیہہ ہے پرنس چارلس تو نہیں کہ ہم سب سینڈریلا کی طرح اپنی جوتیاں ہمراہ رکھ لیں۔" نعمان کے اس "اعلا درجے" کے مذاق پر زبردست قہقہے بلند ہوئے تھے۔

"پتا تو ہے تم لوگوں کو وہ تم لوگوں کا یہاں آ کر رہنا پسند نہیں کرتا۔" جے ڈی نے بے چارگی سے کہا وہ دوستوں کو بھی خفا نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"ہاں تو ہم کون سا اسے پسند کرتے ہیں۔" جنید نے ناک چڑھا کر کہا۔

"ایک تو روڈا اتنا ہے پھر مجھے تو تھوڑا کھسکا ہوا بھی لگتا ہے۔ یعنی کوئی تک ہے ہر روز تقریباً چار گھنٹوں کا سفر کر کے لاہور آتا ہے پھر چار گھنٹوں کا سفر کر کے واپس ساہیوال جاتا ہے کل کتنے گھنٹوں کا سفر؟" سب نے تائید میں زور و شور سے سر ہلایا۔

"خیر اب اتنا لمبا سفر بھی نہیں ہے۔ ذاتی کنوینس میں تو جلدی سفر کٹ جاتا ہے۔ میں نے بتایا تو تھا وہ حویلی سے زیادہ دور رہنا پسند نہیں کرتا۔" جے ڈی نے جلدی سے اس کا دفاع کیا۔

"عجیب منطق ہے۔ حویلی سے دور رہنا اسے پسند نہیں یہاں پر بھی نہیں رکتا اور ہمیں بھی نہیں رہنے دیتا۔ سچ جے ڈی! تیرا کزن تو وہ کسی اینگل سے نہیں لگتا۔"

"بالکل۔" سعد نے ارسل کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"تو تو اتنا مثمار! اتنا پیارا انسان ہے کہ اگلا خود بخود تمہاری طرف کھنچتا ہے۔ تمہیں پتا ہے ہم ہر دوسرے تیسرے دن ہاسٹل سے نکل کر تمہارے پاس کیوں آ جاتے ہیں۔ کیونکہ ہمیں پتا ہوتا ہے صرف جے ڈی ہے جو کھلی بانہوں سے ہمارا استقبال کرے گا۔۔۔ ماؤں کی طرح کھانے بنا بنا کر کھلائے گا کہ ماتھے پر بل نہیں آنے دے گا۔۔۔

www.pkdigest.com

سچ جے ڈی تو میرا جگر ہے۔" جے ڈی شرمندہ سا ہو گیا۔
"مجھے تو خود بہت اچھا لگتا ہے کہ تم لوگ آؤ مگر شبیہہ ۔۔۔" تب ہی دھاڑ سے باہر کا دروازہ کھلا اور سعدی گرتا پڑتا اندر داخل ہوا۔
"ایک زبردست خبر ہے۔"
"تم پہ ریاں بیچتے ہوئے پکڑے گئے ہو؟" واثق نے پوچھا۔
یہاں کسی بات کا سیدھا جواب دینا کفر سمجھا جاتا تھا۔
"دفع دور ۔۔۔ میں پڑیاں کیوں بیچوں گا جبکہ شکل سے تو یہ تمہارا آبائی پیشہ لگتا ہے۔" سعدی نے اطمینان سے کہا اور الماری کی طرف بڑھ گیا۔
"دیکھا تم بھی دھوکا کھا گئے۔ ہمارا آبائی پیشہ تو بچے اٹھانا ہے۔" واثق نے فخر سے کہا پھر بولا۔
"ڈھونڈ کیا رہے ہو؟"
"دوربین۔" جواب ملا۔
"اس کا کیا کرو گے؟" تجسس سے پوچھا۔
"ستائیس ڈی میں بڑی خوب صورت لڑکی آئی ہے اسے دیکھوں گا۔"
"ستائیس ڈی والے انکل کی تو بڑی لڑکی بھی خاصی خوب صورت ہے۔"
"اوہو ۔۔۔ ان کے گھر مہمان آئے ہیں مہمان لڑکی خوب صورت ہے۔"
"اچھا ۔۔۔" واثق نے کہا۔
"جو گھڑی تک پہلے پہنچے گا۔ پہلا موقع اسے دیا جائے گا۔" واثق نے دوڑ لگا دی۔
"خبردار۔" سعدی نے انگلی اٹھا کر تنبیہہ کی
"اس پر کوئی بری نظر نہیں ڈالے گا۔ میں نے اسے سب سے پہلے دیکھا ہے اس لیے وہ میری بھابھی ہے۔"
"یہ اچھی دھاندلی ہے۔" وحید سب سے پہلے بسورا۔
"پارک میں جو فیروزی دوپٹے والی نظر آئی تھی حالانکہ میں نے سب سے پہلے اسے دیکھا تھا پھر بھی تم نے اسے ہماری بھابھی بنا دیا تھا۔"
"ہاہاہا ۔۔۔ دو کی گنجائش تو پھر بھی پاتی ہے میرے بھائی۔" سعدی نے قہقہہ لگایا۔
"اس بار ہمیں موقع دو ورنہ ہم تھرڈ سمسٹر والے احتجاج کریں گے۔"
"پروا کسے ہے۔"
بالآخر دوربین مل گئی۔ سعدی نے ہی سیٹ کی پھر باری باری سب دیدار سے فیض یاب ہوئے۔
"ماشاءاللہ۔"
"خدا نظر بد سے بچائے۔"
"یار! یہ کرو واس کی دو چار بہنیں اور نہیں ہیں۔" جنید نے تو باقاعدہ تان لگائی۔
"تم آ گئے ہو ۔۔۔ نور آ گیا ہے۔"
سعدی نے پلٹ کر جے ڈی کو دیکھا وہ بیڈ پر بیٹھا ناپسندیدگی سے انہیں دیکھ رہا تھا۔
"وہاں کیوں بیٹھے ہو؟ ۔۔۔ تمہیں اپنی بھابھی دیکھنے سے کوئی دلچسپی نہیں؟"
"تم نے میرے کپڑے کیوں پہنے؟"



www.pkdigest.com

"میں نے اپنے کپڑے پہنے ہیں۔"
"جھوٹے ـــ یہ کپڑے میرے ہیں۔" وہ چلایا۔
"میں تمہیں بھی اپنا ہی سمجھتا ہوں۔" تجاہل عارفانہ سے کہا گیا۔
"اب میں کیا پہنوں؟" وہ جھنجلایا۔
"یہ بھوکے ننگے بن کے سوال نہ کرو۔ الماری بھری پڑی ہے کوئی بھی جوڑا پہن لو۔"
"تم لوگوں نے میرے کوئی کپڑے چھوڑے بھی ہیں آدھے ادھر مسلے پڑے ہیں باقی آدھے تم لوگوں نے پہن رکھے ہیں اور یہ جو شرٹ تم نے پہنی ہے اس کا کلر مجھے بالکل پسند نہیں لیکن چونکہ صرف یہی شرٹ تم لوگوں کے شر سے محفوظ رہ سکی تھی اسی لیے میں نے اسے ہی پہننے کا ارادہ کیا مگر تم ـــ"
"مجھے کوئی پکڑو۔" سعدی نے صدمے سے بے حال ہوتے ہوئے کہا۔
"اپنے اس دوست نواز اور مخلص یار کے منہ سے ایسی زہر والی باتیں سن کر میرا دل چور چور ہو چکا ہے اور مجھے اس دنیا میں کوئی دلچسپی محسوس نہیں ہو رہی۔ میں خودکشی کرنے لگا ہوں۔"
"پلیز یار! تو خودکشی کر لے۔ اس لڑکی سے میں شادی کر لوں گا۔" سعد نے منت سے کہا۔
سعدی فوراً "اس کے ہاتھ جھٹک کر نارمل ہو گیا۔
"اب اتنا بھی شدید صدمہ نہیں ہے فوراً خودکشی کر لوں۔" پھر اس نے کہا۔
"اور دوسری بات اس لڑکی کے بارے میں تو کوئی سوچ بھی نہیں وہ میری ہے اور میری ہی رہے گی۔ اگر تمہیں اسے حاصل کرنا ہے تو میری لاش پر سے گزرنا پڑے گا۔" وہ رتی بھر بھی سنجیدہ نہ تھا۔
"اوئے! تم لوگوں کو ذرہ برابر شرم نہیں آتی ایک انجان لڑکی کے بارے میں اس طرح کی باتیں کرتے ہوئے۔" جے ڈی نے کہا اور حسب توقع خوب خوشدلی کا مظاہرہ کیا۔
"چونکہ جے ڈی صاحب کی اپنی کوئی گرل فرینڈ نہیں ہے اس لیے ساری دنیا کی لڑکیوں سے بھائی بندھوائے یہ ان کے بھائی بن گئے ہیں۔" جے ڈی سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اس کے دوست جنہیں اس سے سچی دوستی کا دعوا تھا اس کی مدد کرنے کے لیے تیار نہیں تھے اس کی سادگی، دوست نوازی، غمخواری، خوش خلقی کے گن گانے والوں کے نزدیک اس کی پریشانی کوئی حیثیت نہ رکھتی تھی جبکہ جواب دہی کے خیال سے اس کا دماغ پھٹ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

"اب ہمارے پاس اگلا ایک گھنٹہ فری ہے۔ چلو یہاں بیٹھو اور ہمیں ساری تفصیلات بتاؤ لیکن اس سے پہلے اس پہلو پر روشنی ڈالنا مت بھولنا کہ تم نے اتنی اہم بات ہم سے کیوں چھپائی۔"
پہلی دو کلاسز اٹینڈ کرنے کے بعد وہ تینوں ایڈمن بلاک کے پچھلی طرف آ گئی تھیں جو عام گزرگاہ نہ ہونے کی بنا پر زیادہ تر سنسان رہتا تھا۔
ان تینوں کی دوستی کی مدت زیادہ نہیں تھی۔ نمرہ اور عبیر اسکول کے آخری سال سے ایک دوسرے کو جانتی تھیں جبکہ تنوی سے ان کی ملاقات کالج میں آ کر ہوئی تھی۔ پہلے سال میں ان کی دوستی خوب پروان چڑھی تھی۔ پڑھائی کے میدان میں تینوں کا ریکارڈ بہترین تھا اس کے ساتھ ساتھ وہ تینوں ہلے گلے کی بھی شوقین تھیں اور غیر نصابی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی تھیں۔ چونکہ تینوں کا بنیادی مضمون ایک ہی تھا اس لیے دوستی خوب گہری ہو رہی تھی۔ نمرہ اور عبیر ہر بات ایک دوسرے سے شیئر کرتی تھیں بظاہر تنوی بھی ایسا ہی کرتی تھی مگر اس کی زندگی کے کچھ نہ کچھ پہلو ایسے تھے جو اس نے اپنی بہترین سہیلیوں سے چھپا رکھے تھے۔ شبیہہ العباس سے

منگنی بھی ایسا ہی معاملہ تھا۔
"میں نے کون سی بات چھپائی ہے؟"
وہ بھول چکی تھی کچھ گھنٹہ پہلے اس نے کوئی انکشاف کر کے اپنی سہیلیوں کو حیران کیا ہے۔
"بھئی خوب۔" عبیر نے اس کا مذاق اڑایا۔
"میں اگر منگنی شدہ ہوں تو سوتے جاگتے کبھی اس حقیقت کو فراموش نہ کروں اور ایک یہ محترمہ ہیں ـــ"
"چھوڑو بہن! نعمت کی قدر ہر ایک کو نہیں ہوتی ـــ" نمرہ نے فلسفیانہ انداز میں کہا تھا تنوی ہنس دی۔
"تم دونوں معمولی سی بات کو اتنا بڑھا رہی ہو۔ جب میں پیدا ہوئی تھی تبھی نانو جان نے میرے ہاتھ میں ننھی سی انگوٹھی پہنا کر مجھے شبیہہ العباس بھائی سے منسوب کر دیا تھا۔ اس وقت بابا زندہ تھے اس لیے یہ رشتہ سب کی رضا سے ہوا تھا لیکن امی نے اپنی وفات سے چند روز پہلے وہ انگوٹھی میری انگلی سے اتار کر کہیں رکھ دی تھی اس لیے مجھے نہیں پتا وہ انگوٹھی اب کہاں ہے ـــ شاید نانو کے پاس ہو مجھے پوچھنے کا خیال نہیں آیا ـــ یار! یہ اب اتنی پرانی بات ہے کہ میں اسے چوبیس گھنٹے تو یاد نہیں رکھ سکتی۔ صبح بھی کچھ ایسی صورت حال بن گئی کہ مجھے بتانا پڑا ورنہ ہم لوگوں نے اپنی طرف سے افسانہ بنا لینا تھا۔"
"اچھا ـــ اتنی چھوٹی عمر میں زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ۔" عبیر نے کہا۔
"تنوی ـــ سچ سچ بتانا، تمہیں کبھی اپنی نانو کے اس فیصلے پر اعتراض نہیں ہوا؟"
تنوی نے بڑی دقت سے سچائی اپنے لبوں پر آنے سے روکی اور مسکرا کر بولی۔
"اس میں اعتراض والی کیا بات ہے۔ نانو نے مجھے پالا ہے وہ میری زندگی کے بارے میں ہر طرح کا فیصلہ کرنے کا حق رکھتی ہیں اور پھر اس فیصلے میں تو امی اور بابا کی مرضی بھی شامل تھی۔"
"اچھا اور بھی تو بتاؤ۔" نمرہ نے اشتیاق سے کہا۔
"مثلاً۔" وہ گہری سانس بھر کر پوچھنے لگی۔
"مثلاً "نام" کوالیفکیشن وغیرہ وغیرہ۔"
"ہوں۔" تھک ہار کر تنوی نے خود کو ان کے سوالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا یوں بھی وہ جانتی تھی گریز کا کچھ فائدہ نہ ہوگا۔
"نام شبیہ العباس، عمر چوبیس سال سات مہینے، ایم ای سی سے سول انجینئرنگ کر رہے ہیں۔ مستقیم ماموں کے بیٹے ہیں، قد چھ فٹ ایک انچ، رنگ صاف ـــ مزاج سخت، ہنستے کبھی کبھی ہیں عموماً غصے میں رہتے ہیں۔"
"تم دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہو؟" عبیر نے بے تکلفی پوچھا تنوی سوچ میں پڑ گئی پھر بولی۔
"پتا نہیں میں نے کبھی اس بارے میں سوچا نہیں۔" اس نے سادگی سے کہا۔
"دھت تیرے کی جو بات سب سے پہلے سوچنا چاہیے تھی اب تک نہ سوچی ـــ تم کسی کام کی نہیں ہو تنوی۔" پھر عبیر نے کہا۔
"اچھا ایک بات بتاؤ اس نے کبھی تمہیں آئی لو یو کہا ہے؟" تنوی بیوقوف بن گئی۔
"کیسے واہیات سوال کر رہی ہو۔"
"تم صرف جواب دو۔ آئی لو یو کہا ہے یا نہیں؟"
"نہیں۔"
"تمہیں دیکھ کر بلاوجہ مسکراتا ہے؟"
"نہیں۔"

www.pkdigest.com

"تمہیں دیکھ کر اس کی آنکھوں میں چمک تو ضرور آتی ہوگی؟" عبیر پُریقین تھی۔
"نہیں۔" تنوی اکتا کر بولی۔
"اچھا کبھی کوئی گفٹ دیا ہے؟"
"نہیں۔"
"کارڈ؟"
"نہیں۔"
"یار! تم لوگوں میں کوئی نارمل منگیتروں والی بات بھی ہے کہ نہیں۔" عبیر نے جھنجلا کر پوچھا۔
"کیونکہ یہ افسانوی منگیتر ہیں۔"
نمرہ نے گھاس کا تنکا چباتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے کہا تھا۔ وہ دونوں ہی حیران ہو کر اس کی شکل دیکھنے لگیں۔
"مطلب؟"
"بھئی۔ دیکھو ناں افسانوں میں بھی تو یہی ہوتا ہے۔ منگیتر لاتعلق لڑکی لاپروا لیکن دلوں میں محبت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر۔۔۔"
ایک زوردار دھپ اس کا مزاج پوچھ گئی تھی۔
"تم دونوں کیوں چاہتی ہو کہ میں تم دونوں کو کوئی بہت رومینٹک سا قصہ سناؤں۔۔۔ جب کہ ایسا کچھ نہیں ہے۔ شبیہہ بھائی نے آج تک مجھ سے ایسی کوئی بات نہیں کی جو رومینس کے زمرے میں آتی ہو بلکہ رومینٹک بات تو بڑی دور کی بات ہے وہ بات ہی بہت کم کرتے ہیں بس بہت زیادہ ضرورت ہو تب بولتے ہیں۔"
اس نے جیسے ان کی امیدوں پر پانی پھیر دیا تھا۔
"اوہو۔۔۔ میں تو سوچ رہی تھی اس بورنگ روٹین لائف میں کچھ رنگینی آئے گی یعنی مزے مزے کے قصے سننے کو ملا کریں گے۔" عبیر نے مایوسی سے کہا تھا۔
"تو ٹھیک ہے تم وعدہ کرو جب شبیہہ بھائی تم سے کوئی رومانٹک ڈائیلاگ بولیں گے تو تم سب سے پہلے آکر ہمیں بتاؤ گی۔"
"بکو مت۔"
"وعدہ۔۔۔ وعدہ۔" دونوں نے شور مچا دیا ناچار تنوی کو وعدہ کرنا پڑا پھر اس نے کہا۔
"اب یہ فضول گفتگو بند کرو اور کچھ دھیان پڑھائی کی طرف بھی دو۔ تم لوگوں کو پتا ہے مس تسنیم نے آج ایڈیشن ٹیسٹ کی ڈیٹ بھی بتا دی ہے۔"
"فضع کرو یار! ایڈیشن ٹیسٹ اور پڑھائی کو۔۔۔ ساری زندگی پڑھائیاں ہی کرنی ہیں۔" عبیر گھاس پر چت لیٹ گئی پھر پیر جھلاتے ہوئے بولی۔
"ڈرامیٹک سوسائٹی کا جو نیا نوٹس لگا ہے تم لوگوں نے پڑھا؟" پھر خود ہی بولی۔
"اس بار اینول ڈرامہ کے لیے قصہ "سسی پنوں" چنا گیا ہے۔ مس رابعہ نے جمعرات کے روز لڑکیوں کو آڈیشن کے لیے بلوایا ہے اور دلچسپ بات یہ ہے کہ "سسی پنوں" کے کرداروں کے لیے لڑکیاں پہلے ہی چنی جا چکی ہیں۔"
"تمہیں کس نے بتایا؟" تنوی نے پوچھا۔
"بھئی، یہ نہ پوچھو تم لوگوں کو نہیں پتا میری سی آئی ڈی کس قدر تیز ہے۔"
"واہ عبیر! اپنی طرف سے بڑی زوردار خبر سنائی ہے۔"
نمرہ نے چڑ کر کہا۔ "جبکہ میں پہلے ہی جانتی ہوں "سسی پنوں" کے کردار کون کر رہی ہیں۔"

"ایں۔۔۔ تمہیں کیسے پتا۔" دونوں چونکی۔
"یار! یہ تو بڑی عام فہم بات ہے۔ پنوں کا کردار عروش کرے گی اور تنوی سسی کا۔۔۔ پچھلے سال بھی تو ہیر رانجھا کے کردار ان دونوں نے کیے تھے اور کیا خوب کیے تھے۔"
"تمہیں شاید یہ نہیں پتا میں سسی کے رول کے لیے مس رابعہ کو منع کر چکی ہوں۔" تنوی نے اطمینان سے انکشاف کیا۔
"کیوں؟" دونوں کے منہ کھل گئے۔
"تم اتنی ٹیلنٹڈ ہو تنوی! تمہیں منع نہیں کرنا چاہیے تھا۔" عبیر نے کہا۔
"ہاں عبیر! میں بھی یہ رول کرنا چاہتی تھی مگر جب مجھے پتا چلا میل رول عروش کر رہی ہے تو میں نے انکار کر دیا۔"
"لیکن کیوں۔۔۔ عروش کے ساتھ کام کرنے میں کیا دقت ہے؟" نمرہ نے سٹک کر پوچھا وہ عروش کے مداحوں میں سے تھی۔
"میں پچھلے سال ہی اس کے ساتھ کام کر کے کافی پچھتا چکی ہوں۔ میرا دماغ خراب نہیں ہے کہ ایک بار پھر اس کے ساتھ ہیروئن کا رول کر کے لڑکیوں کو باتیں بنانے کا موقع دوں۔ پہلے ہی کس قدر اوٹ پٹانگ باتیں ہو رہی ہیں۔" اس کا صاف کھرا انداز تھا جو نمرہ کو برا لگا۔
"تم پاگل ہو تنوی! لڑکیوں کی بے سروپا باتوں میں آ رہی ہو۔" اس سے قبل کہ جھگڑا شروع ہوتا عبیر اٹھ کھڑی ہوئی۔
"مجھے آج جیکٹ منی ملی ہے اسی خوشی میں تم لوگوں کو ٹریٹ دیتی ہوں۔"
"یمیل لے آتے ہیں۔۔۔ چلو عبیر! میں تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔" نمرہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ عبیر نے انہیں جاتے دیکھا پھر سامنے کیاری کی طرف دیکھنے لگی جہاں ایک دھان چڑیا پھدکتی پھر رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔
فلیٹ کی مکمل صفائی سے پہلے ہی شبیہہ العباس پہنچ گیا تھا۔
"سعدی ڈائریکٹ آرسل۔" اس نے آنکھیوں پر گنتے ہوئے کہا۔
"کیا میں جان سکتا ہوں میری غیر موجودگی میں تمہارے اور کتنے دوستوں نے یہاں ڈیرہ ڈالے رکھا ہے؟"
"تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے یار! یہاں کوئی بھی نہیں آیا۔" بکھرے ہوئے برتن سمیٹتے ہوئے اس نے اپنے تئیں بڑی مہارت سے جھوٹ بولا تھا۔
"اچھا تو پھر یہ بکھراوا نوری مخلوق پھیلا گئی ہوگی۔" شبیہہ نے طنز سے کہا۔ جے ڈی ہنس دیا۔
"شبیہہ! مجھے بخار رہا اتنے دن! روز چونکہ صفائی نہیں ہو سکی۔ اس لیے اتنے روز کا کام اکٹھا ہو گیا ورنہ تمہیں پتا ہی ہے میں اتنا بکھراوا کبھی نہیں ہونے دیتا۔"
"یہی تو بات ہے تمہاری فطرت سے میں اچھی طرح واقف ہوں اسی لیے مجھے یقین نہیں آ رہا پورے فلیٹ کا یہ حشر تم نے کیا ہے۔ جے ڈی! اتنی عمر ہو گئی تیری۔ اپنی بے وقوفی کے ہاتھوں لوگوں سے دھوکہ تو تواب تک کھا رہا ہے۔ یعنی انسانوں کو پہچاننا تجھے اب تک نہیں آیا۔۔۔ میرے بھائی! اور کچھ نہیں تو کم سے کم جھوٹ ہی مہارت سے بولنا سیکھ لے۔" شبیہہ نے اس کی اچھی کلاس لے ڈالی۔

www.pkdigest.com

جے ڈی بالکل خاموشی سے اپنے کام میں لگا رہا۔ اسے شبیہہ سے ایسی ڈانٹ سننے کی عادت تھی۔
"مجھے پتا ہے جے ڈی! تیرا مسئلہ کیا ہے؟"
"ہاں پتا ہے۔" جے ڈی نے لاپروائی سے کہا پھر پوچھا۔
"وہاں حویلی میں سب کیسے ہیں؟"
"ٹھیک ہیں۔" اس نے جوتے اتار کر ایک طرف رکھے پھر بیڈ پر پیچھے کی طرف گر کر سر کے نیچے دونوں ہاتھوں کا تکیہ بنا لیا۔
"عباد' مانی' اسفر' تنوی' نوریہ' حرم ــــ اسفر سے بات ہوئی تھی میری' وہ تو کہہ رہا تھا اس بار آئے گا تمہارے ساتھ؟"
"سب ٹھیک ہیں بھی۔ اسفر کو کوئی کام تھا اسی لیے نہیں آیا۔" شبیہہ نے کہا۔
جے ڈی نے کچن سے نکلتے ہوئے اسے دیکھا۔ آنکھیں بند کر کے لیٹا وہ بہت تھکا ہوا لگ رہا تھا۔
"بہت تھکے ہوئے لگ رہے ہو چائے لاؤں؟" اس نے محبت سے پوچھا۔
"اجمل کہاں ہے؟" اس نے ملازم لڑکے کے بارے میں پوچھا۔
"اس کی ماں بیمار تھی' میں نے ایک ہفتے کی چھٹی دے دی بے چارہ بہت پریشان تھا۔"
"ایک تو تمہیں ہر ایک کی ماں بنے رہنے کا بہت شوق ہے۔ جس سے دیکھو ہمدردی جتائی جا رہی ہے۔" شبیہہ نے اکتا کر کہا۔
"مجھے یقین ہے اسے چھٹی دیتے ہوئے ایک بار بھی تم نے یہ نہیں سوچا ہو گا کہ کچن کون سنبھالے گا۔"
"شبیہہ! ہمیں ملازموں کی کمی تھوڑا ہی ہے۔ ایک چھوڑ دس ملتے ہیں میں گاؤں سے بھی ملازم منگوا سکتا تھا لیکن جب اللہ نے دو ہاتھ دیے ہیں تو انہیں استعمال بھی کرنا چاہیے ــــ میں نے سوچا کھانا تو میں اچھا ہی بناتا ہوں تھوڑی بہت صفائی بھی کر لوں گا بس کپڑوں کا مسئلہ تھا لیکن یہ بھی اتنا بڑا مسئلہ نہیں الحمدللہ کسی مرض کی دوا ہیں ــــ پھر میں نے سوچا آج ہم کسی کی مدد کریں گے تو کل کو کوئی ہماری مدد کرے گا ــــ سچ کہوں میں نے حقوق العباد کا خیال رکھنے کی کوشش کی تھی۔ اچھا چھوڑو اس بحث کو۔ میں چائے لاتا ہوں۔"
"میرا سوال اپنی جگہ موجود ہے۔ تمہیں پتا ہے تمہارا مسئلہ کیا ہے؟" شبیہہ نے پوچھا۔
"میں جو بھی کہوں گا تم اسے رد کر دو گے اس لیے تم ہی بتا دو۔" جے ڈی گہری سانس بھرتے ہوئے مسکرا کر کہا۔
"بے وقوفی۔" شبیہہ نے سرعت سے کہا۔
"تمہارا سب سے بڑا مسئلہ بے وقوفی ہے بعض اوقات تمہاری بے وقوفی پاگل پن کی حد تک بڑھ جاتی ہے۔ مجھے حیرانی ہے تم لوگوں کو پہچان کیوں نہیں پاتے تم اکثر کسی نئے دوست کو مجھ سے متعارف کرواتے ہو اور کہتے ہو یہ بہترین انسان ہے اور میں اس بہترین انسان کی شکل دیکھتے ہی بھانپ لیتا ہوں وہ کتنا شاطر اور مطلب پرست ہے ــــ تمہارے سارے دوست ایسے ہی ہیں وہ تمہارے پاس اپنا کوئی نہ کوئی مطلب' کوئی غرض پوری کرنے آتے ہیں۔ دلچسپ بات یہ کہ تم ہر بار ان کی باتوں میں آ جاتے ہو اور وہ اپنا مطلب پورا ہوتے ہی تمہیں پیچھے دھکیل دیتے ہیں۔ سنا تم نے تم بہت بڑے بیوقوف ہو۔"
"بڑی نئی بات بتائی ہے۔" جے ڈی نے منہ کا زاویہ بگاڑا۔
"میں چھوٹا سا تھا تب سے اپنی شخصیت کی اس خوبی سے آگاہ ہوں۔ تم سے پہلے ہی کئی لوگ مجھے جتا چکے ہیں۔" وہ سادگی سے کہہ رہا تھا۔
"تمہیں ذرہ بھر احساس نہیں ہے جے ڈی! تمہارے دوست تمہیں کیسے ڈاج (دھوکہ) دے جاتے ہیں۔

تمہیں اچھا لگتا ہے دوسروں کے ہاتھوں بیوقوف بننا؟" شبیہہ نے جھنجلا کر پوچھا۔
"یار!" جے ڈی نے سر کھجاتے ہوئے بے چارگی سے کہا۔
"مجھے کبھی لگا ہی نہیں کہ کوئی مجھے بیوقوف بنا رہا ہے۔ تم کہتے ہو میرے دوست اپنی کسی غرض کے لیے میرے پاس آتے ہیں ــــ میری رائے مختلف ہے مجھے لگتا ہے میرے دوست جانتے ہیں میں ان کی مدد کر سکتا ہوں تبھی وہ میرے پاس آتے ہیں۔ کسی کی تھوڑی سی مدد کرنے سے اگر اس کا مسئلہ حل ہو جاتا ہے تو میری ذات کو کیا فرق پڑ سکتا ہے۔"
"تمہیں تمہارے دوستوں کی وجہ سے نقصان اٹھانا پڑتے ہیں ــــ یہ تو مانتے ہو؟"
"وہ معمولی نقصان ہوتے ہیں۔" جے ڈی نے تحمل سے جواب دیا۔
"تم کسی بڑے نقصان کا انتظار کر رہے ہو۔" شبیہہ نے جل کر پوچھا۔ "تب سنبھلو گے؟ ــــ سنبھل جاؤ جے ڈی! مجھے ڈر ہے کسی روز تمہارے دوست اپنی باتوں میں الجھا کر تم سے قتل کروا دیں گے اور تم تب بھی ایسی ہی بودی لاجکس دیتے پھرو گے۔ تمہیں محتاط رہنا چاہیے۔ فی زمانہ دنیا میں کوئی اس قابل نہیں ہے کہ اس پہ بھروسہ کیا جائے ــــ تم گدھے' احمق' پاگل! راستہ چلتوں کو دوست بنا کر مدد کرنے کھڑے ہو جاتے ہو ــــ مجھے خدشہ ہے کسی روز کوئی برا نقصان نہ اٹھا بیٹھو۔"
"اگر میں حویلی جا کر کسی کو بتاؤں کہ شبیہہ اتنا بولتا ہے تو کوئی میری بات پر یقین نہیں کرے گا۔" جے ڈی نے اسے چڑایا اور وہ سچ مچ چڑ بھی گیا۔
"مرو تم ــــ جس روز بھگت رہے ہو گے تب میری یاد آئے گی۔"
"اب میں تمہارا مسئلہ بتاؤں؟" جے ڈی نے مسکرا کر پوچھا۔
"تمہارا مسئلہ یہ ہے تمہیں ساری دنیا اچھی لگتی ہے ــــ"
"اور تمہیں ساری دنیا اچھی لگتی ہے۔" وہ اپنے مخصوص اکتاہٹ بھرے انداز میں بولا۔
"دنیا اچھی ہے۔" وہ مستقل مسکرا رہا تھا۔
"میں نے کہا ناں جس دن بھگتو گے تب جانو گے۔" وہ بضد تھا۔
"تمہیں انسان برے کیوں لگتے ہیں شبیہہ!" جے ڈی نے یکدم پوچھا۔
"مجھے سب انسان برے نہیں لگتے صرف وہ برے لگتے ہیں جو برے ہوتے ہیں۔" دو ٹوک جواب آیا۔
"میرا خیال ہے ہم یہ فیصلہ وقت کو کرنے دیتے ہیں ممکن ہے کچھ عرصہ گزرنے کے بعد ہم دونوں کی اپروچ بدل جائے۔ تمہیں دنیا اور دنیا والے اچھے لگنے لگیں اور مجھے ــــ خدانہ کرے برے لگنے لگیں۔" جے ڈی نے مسکرا کر کہا۔
"یہ کبھی نہیں ہو گا۔" شبیہہ نے اپنے مخصوص دو ٹوک انداز میں کہا۔ "مجھے دنیا والے کبھی اچھے نہیں لگ سکتے۔"
"وجہ؟"
"بس کہہ جو دیا۔"
"ایک بات بتاؤ شبیہہ؟ تم ہر بات اس قدر دو ٹوک انداز میں کیوں کہتے ہو جیسے پتھر پر لکیر ــــ بلکہ پتھر پر لکیر بھی گزرتے وقت کے ساتھ مدھم پڑ جاتی ہے۔"
"پتا نہیں میں نے کبھی اس بات پر غور نہیں کیا۔ مجھے تمہاری بہت فکر ہے جے ڈی! کچھ مہینوں کی بات ہے

www.pkdigest.com

ہمیں بی ای کی ڈگری مل جائے گی۔ میں سوچتا ہوں جتنا تمہارے چہرے پر چندھیا پن ہے اسے دیکھتے ہوئے تمہیں نوکری کون دے گا۔ اکیڈیمک ریکارڈ اے پلس ہونا اور بات ہے پریکٹیکل فیلڈ میں آکر جاب حاصل کرنا بالکل ہی اور بات۔ تمہیں چاہیے تھا کسی عام سے سبجیکٹ میں پوسٹ گریجویٹ کرتے اور سرکاری اسکول میں ماسٹرجی لگ جاتے۔ تمہاری جیسی بائنوشکل کے کئی ماسٹرجی دیکھے ہیں میں نے۔"

"شبیہہ کا مسئلہ یہ تھا وہ بدتمیزی کی حد تک صاف گو تھا صاف گوئی بھی وہ جس میں سامنے والے کو زخمی کر دینے والی تلخی ہوتی تھی۔ جے ڈی ہرٹ ہونے کے باوجود مسکراتا رہا۔

"تم میری فکر نہ کرو مجھے جاب نہ ملی تو میں دادو کے آفس میں بیٹھوں گا فیملی بزنس کا کچھ فائدہ تو ہمیں بھی حاصل ہونا چاہیے۔"

"شاباش۔" شبیہہ نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔

"بی ای سول کر کے گنے سے چینی بنانا اور چاول چھاننا سیکھو گے۔ بھئی خوب۔"

"تو اس میں مذاق اڑانے والی کیا بات ہے۔ زرعی کاروبار کے اپنے مزے ہیں ہماری جو شوگر اور رائس ملز ہیں ہمیں ان سے فائدہ اٹھانا چاہیے..... پھر دادو بے چارے کب تک یہ سب کام تنہا سنبھالیں گی۔"

"او بھائی میاں! دادو کو اپنی غرض کے لیے انڈر اسٹیمیٹ نہ کرو۔ وہ ابھی بھی اتنی انرجیٹک ہیں کہ اگلے کئی سالوں تک تمہارے جیسے کسی چمچے کی مدد کے بغیر سارا کاروبار سنبھال سکتی ہیں۔ آخر پچھلے کئی سال یہ کام انہوں نے تنہا ہی کیا ہے۔"

"اس میں کیا شک ہے۔" وہ فوراً مان گیا۔

"اچھا شبیہہ! تمہارا آگے کیا کرنے کا پلان ہے؟"

"میں کچھ عرصہ یہاں کسی اچھی انجینئرنگ فرم میں کام کروں گا پھر ایم بی اے کوالیفکیشن کے لیے انگلینڈ جاؤں گا۔ تمہیں پتا ہے انگلینڈ جا کر پڑھنا میرا کتنا پرانا خواب ہے۔ ظاہر ہے جاب کروں گا اور اگلے دس سالوں میں اپنی ایک کنسلٹنسی بنالوں گا تم دیکھنا جے ڈی! میں بہت ترقی کروں گا۔"

"انشاءاللہ۔" جے ڈی نے صدق دل سے کہا پھر بولا۔

"ویسے میرا خیال ہے دادو ہم دونوں کو ہی جاب کرنے کی پرمیشن نہیں دیں گی۔ اپنے بارے میں تو میں پر یقین نہیں ہوں لیکن تمہارے بارے میں مجھے سو فیصد یقین ہے وہ تمہیں باہر جانے نہیں دیں گی وہ ہمیشہ چاہتی ہیں تم پڑھائی ختم کر کے بزنس کی طرف آجاؤ۔"

"تمہیں پتا ہے مجھے کسی کی پرمیشن کی ضرورت نہیں ہوتی میں وہی کرتا ہوں جو میرا دل چاہتا ہے۔"

اس نے اپنے مخصوص شاہانہ انداز میں کہا تھا۔ جے ڈی خاموشی سے اسے دیکھنے لگا۔

شبیہہ العباس اس کے چچا مستقیم بھٹی کا بیٹا تھا ان دونوں کی عمروں میں محض چند دن کا فرق تھا۔ ایک گھر میں رہنے اور تربیت کے لیے ایک سا ماحول میسر آنے کے باوجود ان دونوں میں زمین آسمان کا فرق تھا چونکہ شبیہہ کو ہمیشہ دادو کی سپورٹ حاصل رہی تھی وہ اپنے بچوں کی اولاد میں شبیہہ کو سب سے زیادہ قریب جانتی تھیں اس لیے وہ خاندان بھر میں شاہانہ مزاج نخریلا اور ضدی مشہور تھا دلچسپ بات یہ کہ پھر بھی پسندیدہ تھا۔ وجاہت اس کی ایکسٹرا کوالیفکیشن مانی جاتی تھی۔ ذہین وہ بچپن سے ہی بہت تھا۔

شاہانہ مزاج ہونے کے باوجود اس نے آج تک اپنے بزرگوں سے بدتمیزی نہیں کی تھی اس کے باوجود دادو کے بعد وہ تھا جس کی زبان سے نکلا ہوا لفظ آخری مانا جاتا تھا۔ حویلی میں بچوں سے لے کر بڑوں تک سب اس کی بات ماننے کے پابند تھے اور ظاہر ہے اتنے سارے اختیارات دادو نے ہی اسے دیے تھے۔

www.pkdigest.com

جے ڈی اور اس کے کزن اگر شبیہہ پر رشک کرتے تھے تو یہ کوئی غیر معمولی بات بھی نہیں۔

"ہاں صاحب! یہ تم نہ کہو گے تو کون کہے گا۔ آپ شہزادہ عالم جو ٹھہرے۔ بادشاہ اکبر کا سا ہے۔ ممکن ہے کسی نے ہوائی اڑائی ہو مگر سنا ہے شہزادہ سلیم کے آگے بڑی جلدی مجبور ہو جایا کرتا تھا وہ تو انارکلی کے معاملے میں باپ بیٹا میں تھوڑی ان بن ہو گئی اور فسانہ بن گیا۔۔۔ ہماری زوردار شخصیت والی دادو بادشاہ اکبر سے بھی زیادہ مجبور ہو جاتی ہیں تمہارے آگے۔۔۔ وہ تو شکر درمیان میں کوئی انارکلی نہیں۔"

"ہوتی تب بھی ہماری ان بن نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ میں دادو سے بہت محبت کرتا ہوں۔"

جے ڈی کچن کی طرف بڑھا۔ "میں چائے لاتا ہوں۔"

"ساتھ میں کچھ کھانے کے لیے بھی لانا۔"

جے ڈی نے کچن میں آکر جلدی جلدی آلو کاٹے اور نمک اور کالی مرچ لگا کر انہیں کڑائی میں ڈال دیا ساتھ ہی الیکٹرک کیٹل کا پلگ لگا کر انتظار کرنے لگا۔

اس کے کانوں میں شبیہ کی آواز گونج رہی تھی اور وہ شرمندہ ہو رہا تھا۔ اس نے جے ڈی کے لیے بالکل درست لفظ استعمال کیا تھا ممکن ہے کوئی اور لفظ اس سے بہتر ہوتا مگر خود اسے بھی کوئی "متبادل لفظ" بے وقوف سے زیادہ جامع اور بھرپور نہیں لگ رہا تھا اس کی امی یہاں موجود ہوتیں تو کہتیں۔

"دراصل میرا بیٹا بہت معصوم اور سادہ دل ہے۔ آج کل کے لڑکوں میں جو چالاکی و ہوشیاری ہوتی ہے وہ میرے بچے میں نام کو بھی نہیں۔"

درحقیقت معصومیت اور سادگی' بے وقوفی اور جنگلی پن کے مہذب نام ہیں جنہیں کبھی ہم خود اور کبھی ہم سے بے تحاشا محبت کرنے والے ہماری شخصیت سے جوڑ دیتے ہیں یہ حقیقت سے مستقل نظریں چراتے ہوئے دل دکھنے ہونے سے بچا رہے۔ اس کی امی بچپن سے یہی کرتی آرہی تھیں۔

جے ڈی کے لیے یہ باتیں نئی نہیں تھیں اسکول میں بھی لڑکے اسے بونگا تو اکثر و بیشتر بھولا بادشاہ کہہ کر چڑایا کرتے تھے۔ تب سے لے کر اب تک جے ڈی سمجھ نہیں سکا تھا اس میں بھولے بادشاہ والی کون سی خصوصیت ہے۔

اسکول میں وہ ایسی باتوں پر بددل ہو کر اسکول جانے سے انکار کر دیا کرتا تھا مگر بڑے ہونے پر اس نے اس حقیقت کو کسی حد تک تسلیم کر لیا تھا کہ انسانوں کو پہچاننے کی فطری صلاحیت اس کے اندر نہیں ہے۔ لیکن وہ یہ کہہ کر خود کو تسلی دیتا تھا کہ اکثر لوگ بونگے یا بھولے نہیں ہوتے پھر بھی انسانوں کو نہیں پہچان پاتے اور دھوکہ کھاتے ہیں۔ وہ یہ سوچ کر مطمئن رہتا تھا اور ہر بار اپنے دوستوں کے جھوٹ پر یقین کر کے ان کی مدد کرتا رہتا تھا۔

"مدد کرنے کی حیثیت خدا ہر ایک کو نہیں دیتا۔" وہ اکثر سوچتا لیکن اس بار اسے کچھ تشویش اور ہتک محسوس ہو رہی تھی۔ اس کے دوستوں نے باسل کے بارے میں جھوٹ بول کر تین روز یہاں قیام کیا تھا اور جے ڈی کی جیب بالکل خالی کروا دی تھی۔ انہوں نے کئی قیمتی ڈیکوریشن پیسز توڑ دیے تھے۔ واثق اس سے اجازت لیے بغیر اس کی بے حد من پسند Tissot کی گھڑی لے گیا تھا اور ارسل نے مقروض ہونے کے باوجود اس سے اس بار بھی سات ہزار ادھار نکلوائے تھے۔ اور وہ جانتا تھا یہ قرض بھی نہ چکایا جائے گا۔

آخر وہ ہر بار ان کی باتوں میں کیوں آجاتا ہے؟ اور خود سے کیے ہوئے عہد بھول جاتا ہے۔

"اب میں کسی پر اعتبار نہیں کروں گا خواہ میرے دوست ہی کیوں نہ ہوں۔ کوئی میرے سامنے ایڑیاں رگڑتے مر بھی رہا ہو گا تو میں اس کی مدد نہیں کروں گا۔۔۔ مجھے کیا پڑی ہے کہ ایرے غیروں کی مدد کروں اور بیوقوف بنوں۔" بھولے بادشاہ نے پکا عہد کر لیا۔

اور جس وقت وہ سگھڑ بیبیوں کی طرح ٹرے سجا کر اندر پہنچا شبیہہ گہری نیند سو چکا تھا۔

☼ ☼ ☼

"ایکسکیوزمی! کیا میں یہاں بیٹھ سکتی ہوں؟" ایڈمن بلاک کے قریب گھاس کے اس چھوٹے سے قطعے میں تنہا بیٹھے تنوی کو ابھی زیادہ دیر نہیں گزری تھی جب اپنے قریب ایک جانی پہچانی آواز سن کر اس نے سر اٹھایا اور دل ہی دل میں بیزار ہوئی۔

عروش خواجہ سرخ گلابوں کا ایک گلدستہ ہاتھوں میں پکڑے اس کے سامنے کھڑی مسکرا رہی تھی۔ عبیر نے صحیح کہا تھا آج عروش بہت تیار ہو کر آئی تھی۔ بمشکل گردن تک آتے اس کے گھنگھریالے بال جنہیں وہ رومین میں باندھے رکھتی تھی آج کھلے ہوئے تھے۔ سفید اور سیاہ چیک دار اسکارف 'جو پورے کالج میں اس کی شناختی علامت کی طرح مشہور تھا' کے دونوں سروں کو اس نے حسب معمول اپنے مخصوص مردانہ انداز میں آگے کی طرف ڈال رکھا تھا اس کی انگلیوں اور کلائیوں میں مردانہ انگوٹھیاں اور بینڈز تھے۔ دائیں کان میں سلور کی چھوٹی سی بالی تھی۔

یہ وہ لوازمات تھے جو ہر روز وہ کالج یونیفارم کے ساتھ استعمال کرتی تھی کوئی کلاس اٹینڈ کرنے کے لیے جاتے ہوئے وہ یہ سب اتار کر اپنی کلاس کے نمائندہ رنگ کا دوپٹہ اوڑھ لیتی تھی اور واپس آکر پھر پہن لیتی تھی آج کے دن کی خاص تیاری کا سب سے اہم عنصر وہ لپ گلوس تھا جس کی وافر مقدار اس نے اپنے ہونٹوں پر لگا رکھی تھی اور اس وقت بالکل عجوبہ دکھائی دے رہی تھی۔

"کیا میں یہاں بیٹھ جاؤں؟"

کیے خاموش دیکھ کر عروش نے پھر پوچھا۔ دو دن تک کوئی اسٹوڈنٹ دکھائی نہیں دی رہی تھی ناچار تنوی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ساتھ ہی اپنی نوٹ بک کھول کر جلدی جلدی قلم گھسیٹنے لگی۔

"آپ مصروف لگ رہی ہیں۔"

عروش نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔۔۔ میں نوٹس بنا رہی ہوں۔" تنوی نے بے تاثر لہجے میں کہا۔ عروش اور اپنے بارے میں ہونے والی چہ مگوئیاں اس نے بھی سنی تھیں اور وہ نہیں چاہتی تھی ان دونوں کو اکٹھا بیٹھے دیکھ کر لڑکیاں اور اوٹ پٹانگ باتیں کریں۔

"اوہ۔۔۔" عروش کے لہجے میں مایوسی کی جھلک تھی۔

"میں تو آپ سے کچھ باتیں کرنے آئی تھی۔" اس نے کہا۔

"آپ بات کریں میں سن رہی ہوں۔"

"آپ کو پتا ہی ہو گا آج میرا برتھ ڈے ہے۔" عروش نے یوں پوچھا جیسے خود کو بہت مشہور معروف ہستی سمجھتی ہو۔

"میں مدر ٹریسا کا برتھ ڈے یاد رکھتی ہوں یا اپنا۔" تنوی جی بھر کر رکھائی کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ عروش لاجواب ہو گئی۔

"دراصل کالج کی اکثر لڑکیوں کو پتا ہے تو میں نے سوچا آپ کو بھی پتا ہی ہو گا۔"

"میں ان اکثر لڑکیوں میں شامل نہیں ہوں۔"

"اچھا میں آپ کو بتا تو رہی ہوں۔" عروش اتنی جلدی ہار ماننے والوں میں سے نہیں تھی۔ "آپ مجھے وش

www.pkdigest.com

نہیں کریں گی؟"
"ابھی برتھ ڈے۔۔۔"
عروش نے اسے نظر بھر کر دیکھا چند لمحے سوچا پھر بولی۔
"آپ کا نام بہت خوب صورت ہے۔"
"شکریہ۔۔۔"
"کس نے رکھا تھا؟"
"میری نانو نے۔" تنوی نے کہا۔ "انہوں نے میرا نام اپنے نام پر رکھا تھا کیونکہ وہ چاہتی تھیں میں بالکل ان کے جیسی بنوں۔"
یہ پہلا طویل جملہ تھا جو اس نے ادا کیا۔ عروش کے لیے یہ بھی غنیمت تھا کم سے کم وہ بات کرنے پر تو راضی ہوئی۔

"کیا آپ کی نانو آپ کی طرح خوب صورت ہیں؟" اس نے اگلا سوال پوچھا۔
"میری نانو بہت خوب صورت ہیں۔ میں تو ان کے پاسنگ بھی نہیں ہوں۔" اس کے لہجے میں نانو کے لیے فخر ہی فخر تھا۔
عروش مسکرائی۔
"میں کبھی آپ کی نانو سے ضرور ملوں گی تاکہ پتا چل سکے وہ خاتون کتنی خوب صورت ہیں جن کے آپ پاسنگ بھی نہیں ہیں۔ حالانکہ آپ مجھے اتنی خوب صورت لگتی ہیں کہ میرا خیال ہے آپ کا مقابلہ کسی سے ہو ہی نہیں سکتا۔۔۔ آپ کو پتا ہے میں آپ کو کتنا پسند کرتی ہوں۔۔۔ شاید میں ٹھیک سے بتا بھی نہیں سکتی۔۔۔ آپ میری فرینڈ بنیں گی۔" اس نے پوچھا۔
"نہیں۔" تنوی نے سرعت سے مستحکم لہجے میں کہا۔
"کیوں؟" عروش نے پوچھا۔
"میں ہر کسی سے دوستی نہیں کرتی ویسے بھی مجھے زیادہ فرینڈز بنانا پسند نہیں ہے۔"
"آپ اتنی سختی سے جواب نہ دیں۔" عروش نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"اچھی طرح سوچ لیں پھر کوئی جواب دیں۔ میں اس کالج کی بہترین لڑکی ہوں چاروں ہاؤسز کی لڑکیاں مجھ سے دوستی میں فخر محسوس کرتی ہیں میں جس کے ساتھ چل رہی ہوتی ہوں اسے خود پر ناز ہوتا ہے۔ آپ خود سوچیں جس لڑکی پر اتنی لڑکیاں فدا ہیں اور اس سے دوستی کرنا چاہتی ہیں وہ خود چل کر آپ کے پاس آئی ہے تو اس کے پیچھے ضرور کوئی اسٹرونگ ریزن ہوگا۔"
"آج بہت سی لڑکیوں نے مجھے گفٹ دیے ہیں کئی پھول دے چکی ہیں مگر میں آپ کے لیے پھول لائی ہوں۔۔۔ ہماری دوستی کے لیے ہیں یہ پھول۔۔۔ مجھے یقین ہے یہ پھول لے کر آپ میری دوستی سے انکار نہیں کریں گی۔۔۔"
اس کے ہر لفظ سے زعم جھلک رہا تھا۔ تنوی کی ناپسندیدگی میں اور اضافہ ہوگیا۔
"آپ یہ پھول واپس لے جائیں عروش! میں بتا چکی ہوں مجھے آپ سے دوستی نہیں کرنی اور جب دوستی نہیں کرنی تو پھول کس خوشی میں لوں؟" تنوی نے پہلے سے زیادہ سختی سے کہا تھا۔
عروش مسکراتی رہی۔ تنوی کو اس کی آنکھوں سے اس کی مسکراہٹ سے گھن آرہی تھی اس کی آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں اور گندی معلوم ہوتی تھیں۔

تنوی کو یاد آیا پچھلے سال جب اس نے اس کالج میں ایڈمیشن لیا اس کی آنکھیں ایسی نہیں تھیں۔
"آپ کو پھول نہیں لینے تو انہیں ڈسٹ بن میں ڈال دیں میں انہیں لے کر نہیں جاؤں گی مجھے یقین ہے چند دن کے بعد آپ مجھ سے دوستی کرنے پر راضی ہو جائیں گی۔"
وہ اسی راستے پر پلٹ گئی جہاں سے آئی تھی۔
تنوی نے دیکھا۔ اس کے پہناوے اور بول چال میں ہی نہیں چلنے کے انداز میں بھی مردانہ پن نمایاں تھا۔ اس کی ناپسندیدگی ناگواری کئی گنا بڑھ گئی۔ اس نے پھولوں کو بے دردی سے پرے پھینک دیا۔
"اونہہ۔۔۔ قوم لوط کی بھٹکی ہوئی روح۔"
وہ اپنی کتابیں سمیٹنے لگی۔
نمرہ دوڑی چلی آرہی تھی۔
"عروش تم سے کیا بات کرنے آئی تھی؟" اس نے ہانپتے ہوئے پوچھا۔
"اس کا دماغ خراب ہے۔" تنوی نے بات پلٹ دی۔
"تم تو کینٹین گئی تھیں اور عبیر کہاں ہے؟"
"وہ! ثمامہ کے پاس بیٹھی ہے وہی فورتھ ایئر کی ثمامہ جو پامسٹ ہے ہم دونوں نے اسے بڑی مشکل سے راضی کیا ہے کہ آج وہ ہم تینوں کے ہاتھ دیکھے۔"
"میں چلتی ہوں لیکن ہاتھ نہیں دکھاؤں گی نانو کہتی ہیں اس طرح چالیس دن کی نماز قبول نہیں ہوتی۔" تنوی اٹھ کھڑی ہوئی۔
"اوہو۔۔۔ کچھ نہیں ہوتا تنوی۔" نمرہ نے جھنجلا کر کہا۔
"تمہیں اپنا مستقبل جاننے سے دلچسپی نہیں ہے؟"
"دلچسپی تو ہے مگر۔۔۔" وہ تذبذب میں گھر کر بولی۔
"کوئی اگر مگر نہیں۔۔۔ تم تو دن بہ دن مس نوبنتی جا رہی ہو کچھ پوچھو منہ سے نہ نکلتی ہے خدا نہ کرے ان دنوں تمہارا نکاح شبیہہ العباس کے ساتھ رکھا گیا تو بے چارے کا کباڑہ ہو جائے گا۔ ظاہر ہے تمہارے منہ سے تو نہ ہی نکلے گی۔"
نمرہ اسے ساتھ گھسیٹتے ہوئے تیز تیز بول رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

"جنت۔۔۔ او جنت۔"
دین محمد نے گھر میں داخل ہوتے ہی جنت کو آوازیں دینا شروع کر دی تھیں۔
آسمان کے چہرے پر شام کا سنگھار جاری تھا اور صحن میں لگے سکھ چین پر چڑیوں نے شور مچا رکھا تھا۔ ننھی جنت اپنے جھولے میں لگی چڑیوں کے شور سے لطف اندوز ہو رہی تھی باپ کی آواز سن کر وہ تیز تیز ہاتھ پیر چلانے لگی۔ دین محمد نے اپنا صافہ الگنی پر ڈال دیا اور آگے بڑھ اسے گود میں لے کر پیار کرنے لگا۔
اس کی بیوی زہرہ صحن کے ایک طرف دستی نلکے کے قریب بیٹھی کپڑے دھو رہی تھی باپ بیٹی کو لاڈ کرتے دیکھ کر مسکرانے لگی۔
یہ آج کی بات نہیں تھی جنت کی پیدائش سے لے کر اب تک۔۔۔ سال بھر کے اس عرصے میں اس کا یہ ہی معمول بن چکا تھا وہ جنت کو پکارتا ہوا گھر میں داخل ہوتا اور اسے گود میں اٹھا لیتا۔ پھر جب تک گھر پر رہتا اسے گود

www.pkdigest.com

سے اترنے نہ دیتا۔

اور صرف دین محمد پر ہی کیا موقوف خود زہرہ اور دین محمد کی ماں کے معمولات میں بھی بے حد تبدیلی آچکی تھی۔ جنت ان سب کے لیے کھلونا تھی جس نے ان کے گھر کو گھر نہیں رہنے دیا تھا جنت بنا دیا تھا' جنت دیوار پر بیٹھی ہوئی چڑیا کو پکڑنے کے لیے ہاتھ بڑھا رہی تھی دین محمد نے اسے دونوں ہاتھ سے پکڑ کر چڑیا کے قریب کیا چڑیا خطرہ بھانپتے ہی پھر سے اڑ گئی۔ جنت کھلکھلا کر باپ کے سینے میں منہ چھپانے لگی۔ تب ہی دین محمد کی نگاہ اس کے پیر پر پڑی وہاں معمولی سی خراش سرخ ہو کر سوکھ رہی تھی۔

"یہ اس کے پیر پر کیا ہوا ہے؟"

اپنے اندر اٹھی غصے کی شدید لہر کو دباتے ہوئے اس نے زہرہ کو مخاطب کیے بغیر پوچھا تھا۔

زہرہ اپنے آنچل سے ہاتھ پونچھتی قریب آگئی اور بغور جنت کے پیر کو دیکھا پھر اچانک یاد آنے پر بولی۔

"اچھا یہ۔۔۔ صبح چارپائی کے پائے سے خراش لگ گئی تھی۔ پاؤں پاؤں چلنے لگی ہے۔۔۔ آپ کو پتا تو ہے جی! اب یہ کہاں تھمتی ہے۔" اس نے پیار سے جنت کا گال گدگداتے ہوئے کہا۔ دین محمد نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"یہ پاؤں پاؤں چلتی ہے' ٹکتی نہیں ہے۔ تم کیا افیم کھا کے سو جاتی ہو۔ ذرا سی بچی کا خیال بھی نہیں رکھا جاتا۔" دین محمد نے مشتعل ہو کر کہا تھا۔ "ابھی خدا نے ایک دی ہے تو یہ حال ہے جو باقی چھ بھی زندہ ہوتے تو تو نے کیا کرنا تھا۔"

زہرہ شرمندہ سی ہو گئی۔

"کیا ہو گیا ہے جی آپ کو۔۔۔ بچے تو چوٹیں لگواتے ہی رہتے ہیں اور میں تو سارا سارا دن اسی کے ساتھ لگی رہتی ہوں یقین نہ آئے تو اماں سے پوچھ لیں۔"

"نظر آرہا ہے مجھے کتنا تو اس کے ساتھ لگی رہتی ہے۔" دین محمد کا غصہ کم نہ ہو رہا تھا۔

"اچھا میں اگلی بار خیال رکھوں گی۔" زہرہ نے مصلحت آمیزی سے کام لیا دین محمد سر جھٹک کر تخت پوش پر بیٹھ گیا اور جنت سے باتیں کرنے لگا۔

زہرہ نے گہری سانس بھر کر شوہر اور بیٹی کو دیکھا۔ اسے دونوں سے بے حد و حساب محبت تھی لیکن دین محمد کی طرح بیٹی کی محبت میں وہ اندھی نہیں ہو رہی تھی۔ دین محمد جنت کے معاملے میں حد درجہ جذباتی تھا۔ وہ زہرہ تو زہرہ' جنت کے معاملے میں اپنی ماں کی بھی معمولی سی کوتاہی برداشت نہیں کرتا تھا۔

بعض اوقات اس کی غیر معمولی محبت و انسیت اچھی لگتی بعض اوقات بری اور بعض اوقات ناگوار۔

دین محمد پہلا شخص نہیں تھا جسے خدا نے طویل انتظار کے بعد باپ کے منصب پر فائز کیا تھا۔ اکثر لوگوں کے ساتھ ایسا ہوتا ہے مگر کوئی بھی اولاد کو اس طرح ہتھیلی کا چھالہ نہیں بناتا جس طرح دین محمد' جنت کو بنا رہا تھا۔

بعض اوقات زہرہ کو پریشانی ہونے لگتی کہ اتنی محبت اور جذباتیت کا نتیجہ کیا نکلے گا پھر وہ سر جھٹک دیتی کہ اس کی پریشانی قبل از وقت تھی۔

دین محمد کا موڈ اتنی دیر میں خوشگوار ہو چکا تھا۔ اب وہ زہرہ کو پکار رہا تھا زہرہ سر جھٹک کر متوجہ ہوئی۔

"میں نے کہا تھا ناں ہماری لاڈو بڑی نصیبوں والی ہے۔ دیکھ لے جب سے دنیا میں آئی ہے ہماری زمینیں کتنا منافع دے رہی ہیں اور آج تو میرے پاس خوش خبری بھی ہے۔" وہ خوشی خوشی بتانے لگا۔

"چوہدری اکمل اپنی زمینیں بیچ رہا ہے اور وہ بھی بڑی مناسب قیمت میں۔۔۔ بلکہ مناسب کہنا بھی غلط ہے اونے پونے ہی سمجھ لے۔۔۔ میں نے فیصلہ کیا ہے وہ اراضی خرید کے میں جنت کے نام لگا دوں گا۔"

"ابھی تو یہ اتنی چھوٹی ہے۔۔۔ جو ہمارا ہے وہ اسی کا تو ہے لیکن ابھی سے زمین اس کے نام لگانے کی کیا ضرورت

ہے۔" زہرہ نے اعتراض کیا۔ "بڑی ہو گی تو نام لگا دینا۔ خوامخواہ بچہ نظر میں آتا ہے۔۔۔ گاؤں میں کتنے حاسد ہیں ہمارے۔"

"بات تو ٹھیک ہے تیری۔" دین محمد نے کہا۔

"لیکن میرا دل چاہتا ہے۔ ہماری جنت اس گاؤں کے تمام بچوں سے بہتر ہو۔ میری خواہش ہے زہرہ! اسے پورا ضرور کروں گا اس نے قطعیت سے کہا تھا۔

زہرہ گہری سانس بھر کر اس کے لیے کھانا لینے رسوئی کی طرف آگئی۔ اسے دین محمد کی منطق سمجھ نہ آئی تھی پھر بھی وہ مطمئن تھی کیونکہ اسے یقین تھا وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دین محمد کی جذباتیت کم ہو جائے گی۔

☼ ☼ ☼

ڈنر کے دوران بڑی محسوس کن سی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ کبھی کوئی گلاس یا چمچ ٹکراتا تو آواز پیدا ہوتی پھر ویسا ہی سکوت چھا جاتا۔ ثروت دیکھ رہی تھیں دانیال حسن رغبت سے نہیں کھا رہے یہاں تک کہ انہوں نے چند لقمے کھا کر پلیٹ پرے کھسکا دی اور پانی کا گلاس اٹھا لیا لیکن اس سے قبل کہ گلاس لبوں سے لگاتے ثروت نے سرعت سے ایک باؤل ان کے سامنے رکھ دیا۔

"آپ کو سبزی پسند نہیں آئی تو یہ مٹن گریوی لے لیں۔ ساتھ میں یہ وائٹ رائس۔۔۔ یہ کامبینیشن پسند ہے نا آپ کو۔۔۔ آج سارا کھانا میں نے آپ کی پسند کے مطابق بنایا ہے دانیال۔"

ثروت نے مسکراتے ہوئے اپنا کارنامہ بیان کیا تھا۔

"ایک کے بعد ایک چیز میرے سامنے رکھتے ہوئے یہ ثابت نہ کریں کہ آپ کو میری پسند ناپسند کی بہت پروا ہے۔"

بھرے بھرے لہجے میں سرد لہجہ۔۔۔ ثروت کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔

"آپ نے صبح سبزی کے لیے کہا تھا اسی لیے میں نے۔" انہوں نے وضاحت دینا چاہی دانیال صاحب نے فوراً ٹوک دیا۔

"میں نے کس سبزی پکانے کے لیے کہا تھا' صرف گاجر پکانے کے لیے نہیں۔"

"مجھے میٹنگ اٹینڈ کرنے جانا تھا۔ اس لیے جو سبزی تھی گھر میں وہی بنا دی۔۔۔ اچھا میں کل مکس سبزی بنا لوں گی پلیز آپ ابھی تو کھانا چھوڑ کر نہ جائیں۔ آپ کو رائتہ نہیں کھانے تو میں چپاتی بنا لاتی ہوں۔ فریزر میں کباب رکھے ہیں بچے کے آگر کہیں تو فرائی کر دیتی ہوں یا آملیٹ بنا لیتی ہوں۔" ثروت کو کسی بھی طرح انہیں قائل کرنا تھا سو جلدی جلدی بول رہی تھیں۔

دانیال صاحب نے ابرو اچکا کر تیکھی نظر ان پر ڈالی۔

"کل مکس سبزی بنانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ حسب خواہش کوئی چیز نہ ملے تو پھر اس کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے۔ عجب مجھے اس بات پر ہے اتنی اہم بات آپ کی اب تک سمجھ میں کیوں نہیں آسکی باقی بات رہی کباب' چپاتی اور آملیٹ کی۔۔۔ آپ کو میری اتنی فکر تھی تو ان سب چیزوں کو اس وقت ٹیبل پر موجود ہونا چاہیے تھا۔"

آواز دھیمی لہجہ تلخ۔

"ڈیمز ناٹ فیئر ڈیڈی!" ولید نے اچانک کہا۔

"ممی نے سب کچھ آپ کی پسند کے مطابق بنایا ہے صرف آج نہیں وہ ہر روز ایسا ہی کرتی ہیں پھر بھی آپ کہہ

www.pkdigest.com

رہے ہیں انہیں آپ کی فکر نہیں ہے۔"

"میری بات میں دخل مت دو ولید! خاموشی سے کھانا کھاؤ۔" دانیال صاحب نے اسے بری طرح جھڑک دیا تھا۔

ولید کو ہتک کا احساس ہوا اس نے انیا کی طرف دیکھا وہ سراسیمگی چہرے پر پھیلائے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے خاموشی سے بیٹھے رہنے کا کہہ رہی تھی۔ ولید دل مسوس کر بیٹھا رہا۔

ڈیڈی کا معمولی معمولی باتوں کے لیے ممی کو ڈانٹنا ولید کو کبھی اچھا نہیں لگتا تھا۔ ان کا رویہ سب کے ساتھ ایسا ہوتا تو اسے کبھی محسوس نہ ہوتا بحیثیت باپ ــــ وہ بہت اچھے تھے۔ ان کی پڑھائی کا خیال رکھتے تھے۔ ان کے مسائل ڈسکس کرتے تھے۔ لیکن بیوی کے ساتھ ان کا رویہ ہمیشہ عجیب سا ہوتا تھا۔ کم سے کم ولید نے اپنے ہوش میں انہیں کبھی ماں کے ساتھ تحمل سے بات کرتے نہیں سنا تھا۔ اول تو وہ دونوں آپس میں بہت کم بات کرتے تھے لیکن اگر بات کرتے تو ممی کا لہجہ تلخی میں ڈوبا ہوا ہوتا اور ڈیڈی کا طنز میں ڈوبا۔

ان کے پاس اکنامکس میں پوسٹ گریجویشن کی ڈگری تھی اور ایک مشہور سرکاری بینک میں وہ بطور منیجر کام کر رہے تھے۔ اپنی فیلڈ سے متعلقہ شارٹ کورسز کے سلسلے میں وہ اندرون و بیرون ملک سفر کرتے رہتے تھے۔

ولید کا اس معاشرے میں جو مقام تھا وہ اسے اس کے ڈیڈی کی وجہ سے ملا تھا لیکن ڈیڈی کو یہ مقام پیدا ہوتے ساتھ نہیں ملا تھا انہوں نے یہ مقام اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے حاصل کیا تھا وہ سیلف میڈ تھے اور ایسے سیلف میڈ تھے جنہیں لوگ قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

خود ولید اپنے ڈیڈی کو آئیڈیلائز کرتا تھا لیکن وہ جب بھی انہیں ممی سے بات کرتے سنتا وہ اسے جاہل لگتے تھے جن میں کامن سینس نام کی کوئی چیز نہیں تھی اور جو جاہل مردوں کی طرح اپنی بیوی کو دبا کر رکھنے کے لیے ہر روز اپنی زبان کی دھار تیز کرتے ہیں۔

وہ ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ اس نے ڈیڈی کو ممی سے کہتے سنا لیکن وہ چونکہ پوری طرح حاضر نہیں تھا اس لیے بات سمجھ نہ سکا۔ ممی کہہ رہی تھیں۔

"میں تو ان لوگوں سے ملنے نہیں جا سکی۔ جس وقت تو قیر بھائی کا فون آیا میں گھر پر نہیں تھی۔ انیا نے ان لوگوں کو پورشن دکھا دیا تھا۔ پھر جس وقت میں آئی ــــ تو میرا خیال تھا وہ لوگ آرام کر رہی ہوں گی اس لیے میں نے سوچا۔"

"اور اگر آپ سوچنا چھوڑ دیں تو ہماری زندگیوں کے آدھے مسائل تو یوں بھی حل ہو سکتے ہیں۔" وہی مخصوص تلوار کی کاٹ جیسا لہجہ۔

"اور کیا میں جان سکتا ہوں آپ گھر پر موجود کیوں نہیں تھیں۔"

"میں نے آپ کو بتایا تھا ــــ سوسائٹی کی میٹنگ تھی آج۔" ثروت منمنائیں۔

"اور کیا ہوتا ہے آپ کی اس میٹنگ میں؟" دانیال حسن نے پوچھا۔

"چغلیاں' بدخوئیاں' اس کو لڑوا دیا' اس کو ملوا دیا ــــ کپڑے جیولری کی بکواس ڈسکشن ــــ اتنی اہم میٹنگ کے دوران آپ کو تو یہ بھی پتا نہیں چلا ہوگا کہ آپ کی اکلوتی بیٹی اپنا ہاتھ جلا بیٹھی ہے ــــ"

"کیا ــــ" ثروت نے فکرمندی سے انیا کی طرف دیکھا۔

"ڈیڈی پلیز!" انیا نے جھنجلا کر کہا تھا۔

"ہاتھ میری اپنی غلطی کی وجہ سے جلا ہے آپ ممی کو تو ملزم نہ کریں۔"

دانیال حسن سفید کاٹن میز پر اچھالا اور ناکسی کی طرف دیکھے واشنگ روم سے نکل گئے۔

"اپنا ہاتھ دکھاؤ انما!" ثروت نے اس سے کہا۔

"رہنے دیں ممی!" انیا نے آنکر کہا تھا۔

"اتنا بھی نہیں جلا کہ میں بچوں کی طرح روتی پھروں۔ پتا نہیں ڈیڈی کی نظر کیسے پڑ گئی اور آپ کو بتا دیا' آپ پلیز کھانا کھائیں۔"

اس کے دو ٹوک کہنے پر ثروت خاموش ہو رہیں اور اپنی پلیٹ پر جھک گئیں۔ لیکن چونکہ دل اچاٹ ہو چکا تھا اس لیے جلد ہی ہاتھ کھینچ لیا۔

☼ ☼ ☼

ثروت نے جائے نماز تہہ کر کے ریک میں رکھی' ورد مکمل کر کے گھر کے چاروں کونوں میں پھونکیں ماریں پھر بیڈ روم میں جانے کا ارادہ موقوف کرتی دروازہ کھول کر باہر لان میں آ گئیں۔

ہوا بند تھی لیکن لان کی گھاس سے ایک فرحت بخش تازگی اور خوشبو ان تک آ رہی تھی۔

وہ وہیں برآمدے کی سیڑھیوں میں بیٹھ کر گھاس کو دیکھنے لگیں' جو رات کی تاریکی میں سیاہ دکھائی دے رہی تھی۔

"کیا نام ہے میرا؟" گہری سانس بھرتے ہوئے انہوں نے سیڑھیوں کے قریب لرزتے ہوئے 'چندنا' کے پودے سے پوچھا۔

"ثروت ــــ کس قدر نامکمل' بے وزن و بے رنگ نام لیکن اگر اس نام کو یوں پکارا جائے۔ مسز ثروت دانیال حسن ــــ تو کتنا مکمل' کتنا روشن لگتا ہے۔ جیسے مضبوط بنیادوں کی عمارت۔" ثروت کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ نماز پڑھتے ہوئے بھی یہ آنسو بار بار انہیں تنگ کرتے رہے تھے۔

"اور ہمارے احباب کہتے ہیں ہماری جوڑی بہترین ہے ــــ ہم دونوں ساتھ ساتھ کھڑے ہوئے "میڈ فار ایچ ادر" کی عملی تفسیر لگتے ہیں۔ لیکن کوئی جانے ہمارا رشتہ کس قدر کھوکھلا ہے۔"

ایک تکلیف دہ خیال پوری طرح ان کے ذہن پر سوار تھا۔

وہ کچھ دیر اسی طرح کی باتیں سوچتی رہیں پھر گہری سانس بھر کر آنکھیں پونچھیں اور اٹھ کھڑی ہوئیں۔

یہ تو ساری عمر کا رونا تھا ہر روز کہاں اہتمام سے وقت برباد کیا جاتا یوں بھی اب تو عادت سی ہو چلی تھی ان سب باتوں کی۔

دانیال حسن کی محبت تو شادی کے ابتدائی ایام میں ہی کہیں غائب ہو چکی تھی۔ اب اگر انہوں نے ثروت کی عزت نفس کو بھی زک پہنچانا شروع کر دی تھی۔

بس دکھ تھا تو اسی بات کا۔

لیکن یہ بھی شکر تھا کہ احباب کے سامنے وہ اپنا سوبر امیج برقرار رکھتے تھے۔ زندگی میں بہت کچھ مل رہا ہو تو کچھ باتوں کو نظر انداز بھی کرنا پڑ جاتا ہے۔

وہ دروازہ بند کرتی کچن میں آ گئیں۔ شازیہ کل وقتی ملازمہ تھی لیکن دانیال کی ہدایت پر کھانا بنانے کا کام وہیں کرتی تھیں۔

انیا سلیب پر چڑھی بیٹھی نوٹس ہاتھ میں پکڑے رٹا لگا رہی تھی۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" انہوں نے تعجب سے پوچھا کہ انیا جلدی سو جانے کی عادی تھی پھر اس کی کچن میں موجودگی بھی حیرانی کا باعث تھی۔

"ٹیسٹ ہے صبح ــــ تیاری کرنے کے لیے دیر تک جاگنا پڑے گا۔ اسی لیے چائے بنانے آئی تھی۔"

www.pkdigest.com

ثروت نے دیکھا بریز پر ساس پین رکھا ہوا تھا۔
"آپ کیوں جاگ رہی ہیں اب تک۔۔۔ چائے بناؤں آپ کے لیے؟"
"ارے میری توبہ! ایک بھی سپ میرے اندر گیا چائے کا۔۔۔ تو فجر تک جاگتی رہوں گی۔" ثروت نے جلدی سے کہا۔
"تمہارے ڈیڈی کے لیے دودھ گرم کرنے آئی تھی۔"
وہ اپنے کام میں لگ گئیں انیبا نے ساری توجہ نوٹس کی طرف لگادی پھر کچھ خیال آیا تو کن انکھیوں سے انہیں دیکھنے لگی۔
صاف شفاف آنکھیں شکوے سے عاری لب۔
اسے اپنی ماں پر ڈھیروں پیار آیا۔
"تمہارا ہاتھ تو بہت جل گیا کہ انیبا! کیسے جلا؟۔۔۔ اور تم نے مجھے بتایا بھی نہیں۔" ایک ٹک اس کے دائیں ہاتھ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔
"کیا کروں؟" اس نے گہری سانس بھرتے ہوئے کہا۔
"آپ کی بیٹی ہوں۔ تکلیفوں کو چھپا چھپا کر رکھنے کی عادت آپ سے ورثے میں ملی ہے مجھے۔"
یہ بات اس نے مسکراتے ہوئے کہی تھی ثروت کے دل میں لانی کی طرح گڑ گئی۔
"باتیں زیادہ ہی بنانی نہیں آگئی تمہیں؟ اپنی پڑھائی پر دھیان دو۔" انہوں نے اس کے سر پر ہلکی سی چپت لگاتے ہوئے کہا تھا۔
انیبا مسکرا کر کپ میں چائے انڈیلنے لگی۔
"ممی۔۔۔" چند لمحے کچھ سوچتے ہوئے وہ بولی۔
"ڈیڈی۔۔۔ کچھ عرصے سے زیادہ ہی روڈ نہیں ہوتے جارہے؟" اس کا انداز جھجک آمیز تھا ثروت نے ایک نظر اسے دیکھا پھر دوٹوک لہجے میں بولیں۔
"میں نے کہا اپنی پڑھائی پر دھیان دو۔ بلاوجہ اوٹ پٹانگ باتیں نہ سوچا کرو۔"
"یہ بلاوجہ کی بات نہیں ہے۔" انیبا وہیں کھڑی ہو کر چائے پینے لگی۔ "ڈیڈی نے آج جس طرح بات کی ہم تینوں کو بالکل اچھا نہیں لگا۔" اس نے بھائیوں کا بھی حوالہ دیا۔
"ولید بھی یہی کہہ رہا تھا ڈیڈی کے مزاج میں بہت تبدیلی آگئی ہے۔ بہت ہائپر رہنے لگے ہیں جلدی ٹیمپر لوز کرلیتے ہیں۔ آپ کو کتنا کچھ سنادیتے ہیں۔"
"تمہارے باپ کے مزاج میں یہ تبدیلی اب نہیں آئی میری جان! وہ پہلے بھی ایسے ہی تھے فرق صرف اتنا پڑا ہے کہ اب وہ تم لوگوں کے سامنے مجھے سناتے ہیں۔" ثروت نے تلخی سے سوچا لیکن جب بولیں تو اچھی بیوی کا فرض نبھا رہی تھیں۔
"آفس کا کوئی معاملہ ہوگا۔ میں پوچھوں گی ان سے انیبا بیٹے! آپ بڑی ہو بھائیوں کو سمجھایا کرو اتنی معمولی باتوں پر دھیان نہ دیا کریں۔"
"ممی! ایک بات بتائیں آپ بھائی سے ملنے گئی تھیں؟" انیبا نے ان کی بات قطع کرتے ہوئے پوچھا۔
ثروت مگ ہاتھ میں پکڑے دودھ ابلنے کی منتظر تھیں۔ ای کا سوال سن کر ان کا ہاتھ لرزا تھا۔
"نہیں۔"

"اچھا۔۔۔" انیبا کو مایوسی سی ہوئی۔
"مجھے لگا آپ بھائی سے ملنے گئی ہوں گی اسی لیے ڈیڈی آپ پر اتنا غصہ کررہے ہیں۔" اسے اپنے اندازے کی ناکامی کا افسوس تھا۔
"انیبا!" ثروت نے مگ سلیب پر پٹخا۔
"میں تم سے کیا کہہ رہی ہوں کہ بھائیوں کو سمجھایا کرو مجھے یہ نہیں پتا تھا تمہارا اپنا دماغ ہی یہاں وہاں بھٹکتا رہتا ہے۔ تمہارے ڈیڈی کتنے اچھے ہیں۔ کتنی محبت کرتے ہیں تم لوگوں سے۔۔۔ کبھی کسی چیز کی کمی ہونے دی۔"
"میں نے کب کہا ڈیڈی برے ہیں؟" انیبا نے پھر ان کی بات کاٹی تھی۔
"وہ بہت اچھے ہیں ممی اور ڈیڈی صرف اچھے فادر ہی نہیں ہیں۔ وہ اچھے بھائی اچھے بیٹے اچھے ماما اچھے چچا اچھے دوست بھی ہیں لیکن۔۔۔" وہ پل بھر کو رکی۔

"But he is not a good husband"

اس نے آہستگی سے پوچھا۔
ثروت ہکا بکا رہ گئیں۔
ان کی سترہ سالہ اکلوتی بیٹی۔۔۔ جسے وہ اپنے تئیں بہت چھوٹا سمجھتی تھیں ایسا گہرا تجزیہ کرسکتی ہے انہوں نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔
انیبا نے خاموشی سے چائے کا آخری گھونٹ حلق میں اتارا۔ مگ دھو کر اسٹینڈ میں رکھا پھر ثروت کی طرف دیکھا جو ابھی تک اسے دیکھ رہی تھیں۔
چین میں دودھ ابل ابل کر خشک ہورہا تھا۔
"ممی! میں سوری ممی میں آپ کو ہرٹ نہیں کرنا چاہتی مگر حقیقت تو وہی ہے جو میں نے کہی۔"
اس نے ناخن کھرچتے ہوئے کہا تھا۔
"انیبا۔۔۔" ثروت نے کہنا چاہا۔
"گڈ نائٹ ممی!" انیبا نے بریف کیس برابر کیا اور ثروت کی پیشانی پر بوسہ دیتی باہر نکل گئی۔
ثروت اس سے کہنا چاہتی تھیں سونے سے قبل ہاتھ پر برنال لگالے۔ لیکن صدمے نے ان کے الفاظ ہی گم کر دیے تھے۔

☆ ☆ ☆

"مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔"
دانیال حسن کو کتاب بند کرتے دیکھ کر ثروت نے سرعت سے کہا تھا وہ سونے سے قبل مطالعہ کے عادی تھے۔ پھر کتاب بند کرکے رکھتے تو کوئی بات سننے کے روادار نہ ہوتے ثروت اتنی دیر سے تمہید کا کوئی پہلو تلاش کررہی تھیں اسی دوران دانیال حسن نے دودھ کا مگ ختم کیا پھر کتاب بند کرنے لگے تو وہ جلدی سے بول اٹھیں۔
ہونا تو ہمیشہ یہی تھا۔ معمولی سے معمولی بات بھی دانیال حسن کے گوش گزار کرنے کے لیے انہیں کئی کئی دن پہلے سے سوچ کر مضمون تیار کرنا پڑتا تھا (پھر بھی لوگ کہتے تھے دانیال حسن اور ثروت دانیال میں ذہنی ہم آہنگی کمال کی ہے) اور اس وقت تو وہ بات کرنا چاہ رہی تھیں اس کے بارے میں انہیں سو فیصد یقین تھا دانیال حسن کی نازک مزاج اور حد درجہ انا پسند طبیعت پر گراں گزرے گی۔

www.pkdigest.com

نازک مزاج شوہر بھی کس قدر بڑی مصیبت ہے۔

محترم نازک مزاج نے کچھ چونک کر، کچھ حیران ہو کر اپنی نصف بہتر کو دیکھا۔ کیونکہ ان کے چہرے پر عجب متذبذب سے تاثرات تھے۔ گو کہ نیا پن کچھ بھی نہیں تھا پھر بھی انہیں کوئی بات محسوس ہوئی۔

"ساری زندگی آپ کی باتیں سنتے ہی گزری ہے..... جی فرمایئے۔" طنز کے بغیر تو عرصہ ہوا ان کی کسی بھی بات نے مکمل ہونا ترک کر دیا تھا سو اس بار بھی طنزیہ ٹون میں بولے اور کتاب از سر نو کھول لی ثروت کا دل چاہا پوچھیں۔

"باتیں سنتے گزری ہے یا سناتے؟"

لیکن وہ پوچھنے کا حوصلہ رکھنے والی ہوتیں تو آج ان کے سامنے کوئی بات کرتے ہوئے یوں نہ جھک رہی ہوتیں۔

"آپ کتاب تو بند کر دیں۔" گزارش۔

"میں کانوں سے سنتا ہوں۔" ٹکا سا جواب آیا۔

ثروت نے پہلو بدلا تھوک نگل کر حلق تر کیا اور محض چند لمحوں میں دانیال حسن کی شکل دیکھتے ہوئے از سر نو سوچا انہیں کچھ کہنا بھی چاہیے یا پچھلے کئی برسوں کی طرح اس بار بھی چپ سادھ کر زندگی کو اس کی اس مخصوص ڈگر پر چلتے رہنے دینا چاہیے۔ جس کا سفر ان کے لیے بذات خود بہت بڑی اذیت تھا۔

"اگر تمہیں خاموش رہ کر میری رات ہی برباد کرنا ہے تو بتا دو۔ میرا وقت تمہاری سوچ سے بھی زیادہ قیمتی ہے۔ نام نہاد سوسائٹیز کی احمقانہ میٹنگز نہیں اٹینڈ کرنا ہوتیں۔ کام کرنا ہوتا ہے۔ ہر روز جو ہزاروں روپے اپنے اللے تللوں پر اڑاتی ہو وہ مفت میں نہیں ملتے مجھے۔" کتاب پر نظریں جمائے وہ ہموار آواز میں مخاطب تھے۔ ثروت کے دل کو بری طرح ٹھیس پہنچی۔

اور کوئی پہلی بار تھوڑا ہی پہنچی تھی کہ وہ غم زدہ ہو کر بیٹھ جاتیں۔

"میں یہ کہنا چاہ رہی تھی۔ آپ کو مجھ سے جو بھی شکایت ہوتی ہے آپ نے جو بھی کہنا ہوتا ہے (جو بھی طعنے دینا ہوتے ہیں جتنی سخت سست سنانا ہوتی ہیں) یہیں کمرے میں کہہ لیا کریں۔ بچوں کے سامنے مجھ سے اس انداز میں بات نہ کیا کریں..... پلیز گزارش سمجھ لیں اسے میری۔"

ثروت نے حسب عادت ٹھہر ٹھہر کر گھگیائے ہوئے لہجے میں بات مکمل کی تھی۔

دانیال حسن نے گردن اٹھا کر انہیں دیکھا۔

"بچوں کے سامنے کس انداز میں بات نہ کیا کروں؟"

ثروت نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پاتے ہوئے خشک ہوتے لبوں پر زبان پھیری۔ شوہر کے سامنے آج بھی ان کی حیثیت ہالائق طالب علم سے زیادہ نہیں تھی جو استاد کے سامنے ڈھنگ سے بات بھی نہیں کر پاتا کجا کہ امتحانات میں اچھے گریڈ لاتا۔

"جس طرح آپ نے ڈائننگ ٹیبل پر بات کی۔" انہوں نے کہا۔

"بچے بڑے ہو چکے ہیں دانیال؟ بعض اوقات وہ باتیں جو ہمیں بہت معمولی محسوس ہو رہی ہوتی ہیں اسے وہ پوری شدت سے محسوس کرتے ہیں..... ہمارے معمولی اختلافات چھوٹی چھوٹی بحثیں ان کے لیے بہت بڑی بڑی ہوتی ہیں۔ اب یہی دیکھ لیں ابھی جو بات ڈائننگ ٹیبل پر ہوئی اسے انیبا اور ولید نے بہت محسوس کیا ہے ولی تو ان دونوں سے چھوٹا ہے۔ انیبا اور ولید تو آپس میں ڈسکس کر لیتے ہیں۔ اندازہ کریں ولی کے ذہن میں کتنے الجھاؤ پیدا ہو رہے ہوں گے۔"

"کہیں ایسا نہ ہو کل کو اس کی پرسنالٹی میں ان ہی باتوں کی وجہ سے کوئی منفی رخ پیدا ہو۔ ہم آج جس چیز کو نظر

انداز کریں گے کل کو یہ ہمارے لیے بہت بڑا مسئلہ بھی بن سکتی ہے۔"

"ولید نے انیبا سے آپ کے بارے میں اپنی فیلنگز شیئر کی ہیں اور انیبا نے مجھ سے کہا..... مجھے اس کی باتیں سن کر بہت عجیب لگا ہے دانیال....."

"ہوں۔" دانیال حسن نے پرسوچ انداز میں کہا۔

ثروت کو بے ساختہ خوشی محسوس ہوئی۔ ان کا خیال تھا وہ دانیال تک اپنا ما فی الضمیر پہنچانے میں کامیاب رہی ہیں۔

خوشی کے اس احساس سے وہ مسکرانے لگیں اور سر جھکا کر نیڈ شیٹ کے پرنٹ پر شہادت کی انگلی پھیرتی رہیں اس بات پر غور کیے بنا کہ دانیال حسن نے چند بار انہیں بغور دیکھا ہے۔

"میں حیران ہوں..... بہت زیادہ حیران اتنا وقت گزر گیا اور مجھے پتا ہی نہیں چلا ہمارے بچے اتنے بڑے ہو گئے کہ انہوں نے ان باتوں پر دھیان دینا شروع کر دیا جن کو ہم قابل اعتناء ہی نہیں سمجھتے۔"

"معاف کیجیے..... صرف آپ قابل اعتناء نہیں سمجھتے ہماری تو ذات ذرہ ذرہ ہو جاتی ہے۔" ثروت، دانیال حسن سے اتنا خائف تھیں کہ خیالات میں بھی معذرت کرنا نہ بھولیں۔

"لیکن اس سے بھی زیادہ حیرانی مجھے تم پر ہو رہی ہے ثروت! میرا اتنا سا سکون بھی اب تم سے برداشت نہیں ہوتا کہ میرے بچوں کے دلوں میں زہر بھرنا شروع کر دیا۔ ان کے کان بھرنے شروع کر دیے تاکہ وہ اپنے سگے باپ سے نفرت کرنے لگیں۔"

ثروت اس وقت سر جھکائے مبہم سا مسکرا رہی تھیں کہ انہوں نے دانیال حسن کے جملے سنے۔ ان کی مسکراہٹ ڈاؤن ٹو ہو گئی۔ ان کا چہرہ تاریک ہو گیا تھا۔ انہوں نے بے یقینی سے دانیال حسن کو دیکھا۔

"دانیال....." صدمے کی کیفیت میں ان کے لبوں سے بس یہی نکلا۔

"اٹھارہ سالہ رفاقت کا اچھا انعام دے رہی ہو۔" دانیال حسن نے تنفر سے کہا۔

"بس کریں دانیال!" ثروت کی برداشت آج بالکل جواب دے گئی تھی۔ آج تک دانیال حسن نے ان کے دل کو ٹھیس پہنچائی تھی۔ اب جو ضرب لگائی وہ کچھ زیادہ ہی شدید تھی۔ ثروت کا دل بالکل ہی بکھر گیا۔

"بدگمانی کی بھی بہرحال کوئی حد ہوتی ہے۔ مگر آپ کی بدگمانی لامحدود ہے میں بچوں کے کان کیوں بھروں گی آخر وہ میرے بھی بچے ہیں۔" وہ تڑپ ہی تو گئی تھیں اس الزام پر۔

"اسی لیے تو مجھے زیادہ حیرانی ہے۔" دانیال حسن نے سابقہ انداز میں کہا۔ "اپنے ہی بچوں کو ان کے سگے باپ سے متنفر کرتے تمہیں رتی بھر احساس نہیں ہوا تم کس قدر غلط کر رہی ہو۔"

"باپ سے متنفر ہونے کے لیے انہیں وہ باتیں کافی ہیں، جو ان کا باپ ان کے سامنے ان کی سگی ماں کو وقتاً فوقتاً سناتا ہے۔ بغیر کسی غلطی کے جھڑکتا ہے، طنز کے تیر چلاتا ہے۔ بے عزت کرتا ہے ذلیل کرتا ہے۔" آنکھوں میں تیزی سے امڈتے آنسوؤں نے آواز کو بوجھل کر دی تھی۔

دانیال حسن نے گردن گھما کر ثروت کو دیکھا ان کا خوب صورت چہرہ غم و غصے سے لال ہو رہا تھا۔

انہیں یاد آیا یہ چہرہ ان کا عشق تھا ان کی بے قراریوں کا سبب تھا۔ ان کی بے چینیوں کی وجہ تھا۔

ان کے جنون کا عنوان تھا۔

اور کبھی وہ چہرہ تھا جس نے آج تک انہیں سکون کا سانس نہیں لینے دیا۔

www.pkdigest.com

ثروت کی طرف دیکھتے ہوئے معاً ان کی آنکھوں میں چمک ابھری تھی۔
"تمہیں میری باتیں بری لگتی ہیں۔ تمہیں لگتا ہے میں تمہیں بے عزت کرتا ہوں۔۔۔ ٹھیک ہے میں ایسی باتیں کرنا چھوڑ دوں گا۔ میں بھول جاؤں گا تمہارا کوئی ماضی تھا۔"
"میرا ماضی اٹھارہ سال پرانا ہے دانیال! کسی بات کو بھولنے کے لیے اٹھارہ سال کافی ہوتے ہیں بشرطیکہ ہم بھولنا چاہیں۔" ثروت نے کہا۔
"ٹھیک ہے۔۔۔ ٹھیک ہے کہہ تو رہا ہوں بھول جاؤں گا بس میری ایک شرط ہے۔" دانیال حسن نے توقف کیا

"صرف اتنی شرط ہے تم عباس سے ملنا چھوڑ دو۔"
"دانیال!" ثروت جھنجلا گئیں۔ یہ شخص ہمیشہ ایسی بات کرتا تھا جس کی وہ توقع نہیں کر رہی ہوتی تھیں۔
"اٹھارہ سال بعد عباس سے تین ماہ پہلے میں نے دوبارہ دیکھا تھا' پھر صرف ایک بار ملی۔ یہ ملاقات چند منٹ سے زیادہ نہیں تھی' آپ اچھی طرح جانتے ہیں عباس میری شکل بھی دیکھنے کا روادار نہیں ہے۔۔۔ پھر بھی آپ اسے چھوڑنے کی شرط رکھ رہے ہیں۔ خدارا اپنی اٹھارہ سال کی تلخی اور کڑواہٹ کو ایک ملاقات سے مشروط نہ کریں۔"
"مسئلہ جانتی ہو ثروت! کیا ہے؟" دانیال حسن نے کہا۔
"تم نے کبھی مجھے دل سے قبول ہی نہیں کیا۔ پچھلوں کی یاد تمہیں اتنا ستاتی رہی کہ میرے تین بچوں کی ماں بننے کے باوجود تم نے ان کی یادوں کو تازہ رکھا۔ کبھی فراموش ہی نہیں کیا انہیں۔ اماں ٹھیک کہتی تھیں۔ مطلقہ۔ مطلقہ ہی ہوتی ہے۔"
دانیال حسن کا سرد بے رحم لہجہ۔
ثروت کا سارا وجود بھربھر جلنے لگا۔
"آپ نے اور آپ کی اماں نے کبھی کچھ غلط کہا ہی نہیں۔" ثروت نے زہر خند لہجے میں کہا۔
"آپ کے ساتھ گزارے ان اٹھارہ سالوں سے میں نے کچھ پایا یا نہیں ایک سبق ضرور سیکھا ہے۔ کم ظرف کا احسان نہیں لینا چاہیے۔" یہ ڈائریکٹ حملہ تھا دانیال حسن بلبلا اٹھے۔

"اتنا غم ہے تو اب بھی کوئی فیصلہ کر لو۔ اپنے بچوں کے لیے میں کافی ہوں اور علیحدگی میں تمہیں دقت بھی نہ ہو گی۔ عادت جو ہوئی۔"
دانیال حسن نے تیز چلائے لیمپ آف کیا اور لیٹ گئے۔
"رات بھر بیٹھ کر تمہیں آنسو بہانے ہوں تو کمرے سے چلی جاؤ۔ میری نیند برباد کرنے کی ضرورت نہیں۔"
ثروت نے بھری ہوئی آنکھوں سے اس پتھر کی پشت کو دیکھا۔ جس سے اٹھارہ سال سے سر پھوڑ رہی تھیں پھر کمرے سے باہر نکل گئیں۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)





آمنہ ریاض

عشق سا کوئی نشہ

دین محمد مٹی سے محبت کرنے والا جفاکش مرد ہے۔ دھرتی کو اپنے خونِ جگر سے سونا اگلنے کے قابل بنانا اس کا پیشہ ہے۔ اس کی پوری زندگی محنت سے عبارت ہے' جو وہ اپنے چھ مربع زمین پر صرف کرتا ہے۔ شادی کو آٹھ سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ اپنے چھوٹے سے گھر میں وہ بیوی زہرہ اور ماں کے ساتھ رہتا ہے۔ زہرہ چھ مردہ بچوں کو جنم دے کر ایک مرتبہ پھر امید سے ہے۔ دین محمد کا رواں رواں اولاد کی خوش خبری پانے کے لیے جسم و جان چکا ہے۔ اس کی دعائیں مستجاب ٹھہری ہیں اور اس کے ہاں ایک خوب صورت بچی جنم لیتی ہے۔ اسے وہ اپنی "جنت" کے نام سے مخاطب کرتا ہے۔

جلال الدین کے روز و شب نوکری کی چکی میں پستے گزر رہا ہے۔ اس نوکری کے دوران اسے آرام کرنے کا موقع بھی کم ملتا ہے۔ بہتر مستقبل کا خواب اسے متحرک رکھتا ہے۔ تنہائی میں کسی کی محبت کا جگنو اس کی دنیا تابدار رکھتا ہے۔ ہر دم "اس" کی یادیں اسے بے چین رکھتی ہیں۔ دن بھر کا تھکا ہارا وہ آرام کرنے لیٹتا ہے تو پولیس اسٹیشن سے اطلاع ملتی ہے کہ جنت بی بی حراست میں ہے' جس کا دعوا ہے کہ اس نے اپنے شوہر کا قتل کیا ہے۔ جلال الدین اپنے وکیل دوست مسعود کے ساتھ بھاگم بھاگ پولیس اسٹیشن پہنچتا ہے اور ثبوت دکھاتا ہے کہ جنت شیزوفرینیا کی مریض ہے۔ جس کی شادی ابھی ہوئی تک نہیں۔ جنت کی حالت جلال الدین کو اصغالی تحکن کا شکار کرنے لگتی ہے۔ جسے اس نے نوکروں کے سارے طبقہ کو میں رکھا ہوا ہے۔

ثمینہ 14 سال بعد اپنی بیٹی ماہی کے ساتھ ہالینڈ سے پاکستان آتی ہیں تاکہ ماہی اپنے ننھیال اور ددھیال سے ملنے کے بعد اپنا فیصلہ سنائے۔ ثمینہ ملائشیا میں بہت وقت گزارتا ہے۔ وہ فیض کے دوست توقیر صاحب کے توسط سے دانیال کی ایکسی میں تھرکی ہیں۔ ثروت دانیال منحنسار اور مجتبی خاتون ہیں۔ ولی' ولید اور انیہا ان کے بچے ہیں۔ ماہی کی پہلی ملاقات میں انیہا سے دوستی ہو جاتی ہے۔

شبیہ العباس طبعاً سخت گیر اور غصہ ور نوجوان ہے' جسے منفی مذاق کا غیر ضروری ہنسنا بھی ناگوار گزرتا ہے۔ وہ پھپھی زاد نحوی سے منسوب ہے۔ نحوی اس کی ضد خو طبیعت سے نالاں ہے۔ شبیہ' نحوی کو کالج چھوڑنے آتا ہے تو



www.emagestpk.blogspot.com

سہیلیاں صبر اور نمو تنوی کے سر ہو جاتی ہیں۔ یہ جان کر کہ شبیہ تنوی کا منگیتر ہے' وہ اس کی قسمت پر رشک کرتی ہیں۔ تنوی دونوں سے گزارش کرتی ہے کہ عوش کو اس بات کا علم نہ ہو۔

(اب آگے پڑھیے)

۳
تیسری قسط

"مادی! اٹھ جاؤ اب کب تک سوتی رہو گی؟ میں بتا رہی ہوں۔ اب بھی نہیں جاگو گی تو تمہیں جگانے کے لیے چھٹا چکر نہیں لگاؤں گی اس کمرے کا۔"

ثمینہ نے جھنجلاتے ہوئے کہا تھا ان کا خیال تھا' یہ دھمکی کارگر ثابت ہو گی مگر مادی کے کمل اوڑھے وجود میں ذرا سی بھی حرکت نہ ہوتے دیکھ کر ان کا غصہ اور جھنجلاہٹ اور بھی بڑھ گئی۔

"میں کیا کہہ رہی ہوں' تمہیں سنائی نہیں دے رہا۔" انہوں نے کمبل کھینچا۔ تب مادی نے تکیے سے سر اٹھا کر نیند سے بوجھل آنکھوں کی جھری سے انہیں دیکھا۔

"مجھے سنائی بھی دے رہا ہے اور دکھائی بھی دے رہا ہے مگر آپ کو کیوں دکھائی نہیں دے رہا کہ میں ابھی سونا چاہتی ہوں؟" اس نے بوجھل آواز میں احتجاج کیا تھا۔

"تم کب سونا نہیں چاہتیں' بارہ گھنٹوں کی نیند لے کر بھی اٹھو گی تو تمہارے حواسوں پر نیند ہی سوار ہو گی۔" ثمینہ نے کہا۔

"اچھا پلیز بتا۔ پندرہ منٹ اور۔" اس نے جلدی سے آنکھیں بند کیں۔

"مغضب خدا کا۔ لوگ صبح سویرے اٹھ کر خدا' رسول کا نام لیتے ہیں' ایک ہماری صمارانی ہیں جو آنکھ کھلتے ہی پندرہ منٹ اور کی تسبیح پڑھنا شروع کر دیتی ہیں۔"

"چلیں۔ اب ایک روز فجر نہ پڑھنے پر تو فرشتوں کی نہیں۔" وہ آنکھیں بند کیے بولی تھی۔

"فتویٰ نہیں لگاؤں گی۔ میں تو دعا کرتی ہوں۔ کوئی جادو کی چھڑی مل جائے مجھے۔ کم سے کم تمہاری اس نشیشوں جیسی نیند سے تو پیچھا چھڑواؤں۔"

"کس قدر ظالم ماں ہیں آپ۔ لوگ اپنے بچوں کو پُرسکون نیند سوتا دیکھ کر خوش ہوتے ہیں کہ تھک کر ہمارے بچے پُرسکون میٹھی نیند سو رہے ہیں اور ایک آپ ہیں کہ میری گھڑی بھر کی نیند آپ کو صدیوں کے برابر لگتی ہے۔" بند آنکھوں کے ساتھ اس کی زبان فرفر چل رہی تھی۔

"ہاں ہاں۔ اب کہہ دو ماں ظالم ہے' سنگ دل ہے' خوف ناک ہے۔"

"ایک کمی تو ہی ہے' میں نے صرف ظالم کہا تھا' باقی خصوصیات آپ خود بیان کر رہی ہیں۔"

"بکو مت۔ دنیا میں کوئی اور ہوں کی جنسیں اولاد کا پوستیوں کی طرح سوئے رہنا اچھا لگتا ہو گا۔ میں ان ہوں جیسی ناعاقبت اندیش نہیں ہوں' الحمدللہ عقل و شعور ہے میرے پاس۔"

"اُفف۔" مادی نے دایاں ہاتھ بے چارگی سے سر پر رکھا۔ "امی مشکل اردو۔ میں نے کتنی بار کہا ہے آپ سے' ایسی اردو نہ بولا کریں میرے ساتھ۔ سر پر سے گزر جاتی ہے۔"

"ہاں بھئی۔ تم انگلش ماں باپ کی بیٹی ہو۔ دادا پردادا بھی انگلش اسپیکنگ ہی تھے۔ تمہیں کہاں اردو سمجھ میں آئے گی۔" ثمینہ نے جل کر کہا مادی زور سے ہنس دی۔

"آپ کو اپنی تعریفیں کرنے کا کتنا شوق ہے ممی! دادا' پردادا اور ابا کا تو پتا نہیں لیکن خود آپ کسی اینگل سے انگلش اسپیکنگ نہیں لگتیں۔"

"حد ہو گئی مادی! ضد اور ہٹ دھرمی کی۔ اب مار کھاؤ گی مجھ سے۔"

"تو کون سی نئی بات ہو گی۔ آپ اپنا یہ ہنر بچپن سے ہی مجھ پر آزماتی آ رہی ہیں۔"

"جتنی دیر سے بحث کر رہی ہو۔ اتنی دیر میں قضا نماز بھی پڑھ چکی ہوتیں۔"

"جب قضا ہی پڑھنی ہے تو کسی بھی وقت پڑھ لوں گی۔"

"مادی! بہت ہوا۔ اب اٹھ چکو۔ تمہیں پتا ہے' تمہیں بستر میں دیر تک دیکھ کر مجھے وحشت ہوتی ہے۔"

"اوہ نو۔" مادی جھنجلا کر بولی۔ "میں سمجھ گئی یقیناً آپ ابا کی موت پر بار بار فوتی ہوں گی' اسی غم سے نکلنے کے بعد احساس ہوا' کس قدر غلط بات منہ سے نکل چکی ہے تو زبان دانتوں تلے داب لی اور پٹ سے آنکھیں کھول کر دیکھا۔

ثمینہ نے چہرے پر تاریک سا سایہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔

"آئی ایم سوری ممی! میرا کہنے کا وہ مطلب نہیں تھا۔" وہ اٹھ کر بیٹھتے ہوئے جلدی سے شرمسار لہجے میں بولی۔

ثمینہ کے آگے بڑھ کر کھڑکی پر پڑے بھاری پردے ہٹا دیے۔ ایک جھماکے سے نوخیز سورج کی تیز روشنی کمرے میں داخل ہو کر سارے میں بکھر گئی۔

"ممی! پلیز میری بات تو سنیں۔" مادی نے کہا۔ ثمینہ اسی خاموشی سے باہر نکل گئیں۔ مادی نے جھنجلا کر کمبل پر مکا مارا پھر کروٹ لینے کے انداز میں چت لیٹ گئی۔

اس کے ساتھ دقت یہ تھی کہ ایک بار آنکھ کھلنے کے بعد وہ دوبارہ سو نہیں پاتی تھی اور اس وقت تو غالباً دس یا گیارہ گھنٹوں کی بھرپور نیند لے کر بیدار ہوئی تھی' سو دوبارہ سونے کا سوال ہی نہیں تھا۔ اس پر ممی کی بلا آزاری کا خیال اس قدر شدید تھا کہ بس۔

اصل بات یہ تھی کہ ان دونوں میں ماں بیٹی سے زیادہ دوستوں جیسی بے تکلفی تھی۔ کسی نہ کسی معاملے پر ٹوک ٹاک چلتی ہی رہتی تھی۔ بہت بچپن میں ہی اسے ممی کی زندگی میں موجود خلا کا احساس ہو گیا تھا۔ ابا کی کمی پوری کرنے کے لیے ممکن نہ تھا لیکن ان کی تنہائی دور کرنے کا طریقہ اس نے یہ نکالا کہ ممی سے اپنی چھوٹی چھوٹی باتیں بھی شیئر کرنے لگی۔ عام سی بات پر بھی ان کی رائے لیتی۔ مشورے مانگتی۔ انہیں بولنے پر اکساتی۔ بچپن کی

www.paksociety.com

شعوری کوششیں اب عادت بن چکی تھیں۔ ممی کی خاموشی کا حصار ٹوٹ چکا تھا لیکن عادت پختہ ہو چکی تھی۔ اسکول اور اس کے بعد کالج سے واپس آکر وہ ہر اہم اور غیر اہم بات بھی انہیں بتاتی تھی۔ وہ دونوں بہنیں بھی تھیں' سہیلیاں بھی' اسی نوک جھونک کے درمیان وہ جھگڑ بھی لیتی تھیں پھر من بھی جاتیں لیکن اس سارے معمول کے دوران وہ ادب و احترام کو کبھی ہاتھ سے چھوٹنے نہ دیتی تھی اور ممی کی دل آزاری کا تو سوال ہی نہ پیدا ہوتا تھا کجا کہ ان کی خفگی مول لیتا۔ لیکن اس وقت ایک بہت ہی غیر مناسب بات نہایت بھونڈے انداز میں اس کے لبوں سے نکل کر ممی کے دل کو زخم لگا چکی تھی۔ جس کا اسے بے حد پچھتاوا محسوس ہو رہا تھا۔

"میں ممی سے ایکسکیوز کرلیتی ہوں۔" اس نے پُرسوچ انداز میں کھڑکی کی جانب دیکھا مشرق کے رخ پر بنی ہوئی کھڑکی کے شیشے سے سنہری کرنیں اور آخیر اکتوبر کا تپش سے عاری سورج آسمان پر ابھرتا دکھائی دے رہا تھا۔

"کیا ممی کبھی مجھے جگانا بھول بھی گئیں تو یہ سورج میری فرینڈ بن کر ضرور آئے گا۔" اس نے مسکرا کر سوچا پھر کمبل ہٹا کر اٹھی اور واش روم میں گھس گئی۔ چند منٹ بعد باہر آئی۔ موبائل اٹھا کر ٹائم چیک کیا پھر شال لپیٹ کر باہر آگئی۔ کمبل میں سے نکلنے کی بنا پر ہلکی سی ٹھنڈ محسوس ہو رہی تھی ورنہ درجہ حرارت نارمل تھا۔

ثمینہ صوفے پر بیٹھی موبائل کان سے لگائے باتوں میں مصروف تھیں اسے دیکھ کر رخ پھیر لیا۔ وہ جلدی سے آگے بڑھی اور ان کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گئی۔

"سوری ممی۔" آواز دبا کر بولی۔

ثمینہ چونکہ موبائل کان سے لگائے ہوئے تھیں اس لیے زبان سے کچھ نہیں کہہ سکتی تھیں۔ انہوں نے ہاتھ سے نرمی سے اسے ہٹانا چاہا اور ان کی گود میں گھس گئی۔

"جب تک معاف نہیں کریں گی اسی طرح لپٹی رہوں گی اور بات بھی نہیں کرنے دوں گی۔" اس نے ضدی بچے کی طرح مچل کر کہا۔ ثمینہ سمجھ گئیں۔

"ہاں ہاں۔ ہو گئی تمہاری لاڈو کی صبح۔ تو میری جان ہے کہ کچھ بھول گئی ہے۔ تم نے ہی سر چڑھا رکھا ہے۔ آپا! یہ کہیں۔ یوں نہ ڈانٹیں یہ اسی بے جا لاڈ پیار کا نتیجہ ہے کہ یہ من مانی کرنے لگی ہے۔ سچ کہہ رہی ہوں ہم سب مجبور نہ کرتے تو میں کبھی اسے پاکستان آنے کی اجازت نہ دیتی۔"

اندازہ ہو گیا تھا دوسری طرف فیض ماما ہیں۔ ساوی منہ موبائل کے قریب لا کر بولی۔

"پلیز ماما! اپنی بہن سے میری سفارش کردیں۔ صبح صبح مجھ سے ناراض ہو گئی ہیں اور اس وقت غصے میں بالکل "کالی ماتا" لگ رہی ہیں۔"

ثمینہ نے جھنجلا کر اسے پیچھے دھکیل دیا۔

"میرے کان کا پردہ کیوں پھاڑ رہی ہو۔ لو خود بات کرلو۔"

انہوں نے موبائل اسے پکڑایا اور خود اٹھنے لگیں لیکن گود میں تو ساوی سر رکھے لیٹی تھی' اٹھنے ہی نہیں دیا۔

"السلام علیکم ماموں جان!" وہ چہکی۔

"وعلیکم السلام ماموں کی جان سے بیٹے! تمہیں تمہاری ماں آج کالی ماتا لگ رہی ہے' مجھے تو بچپن سے لگتی ہے لڑائی کرتے ہوئے تو اس کے چار ہاتھ اور ایک لمبی سی سرخ زبان بھی نکل آتی تھی۔"

فیضان ماما کا بھی الگ ہی مزاح تھا اور ماموں بھانجی میں خوب بنتی تھی۔

"توبہ ہے ماما! آپ میری ممی کی کتنی خوف ناک تصویر بنا رہے ہیں حالانکہ میری ممی دنیا کی سب سے خوب صورت عورت ہیں۔"

پھر موبائل کان سے لگائے لگائے ثمینہ سے مخاطب ہوئی۔

"دیکھیں ممی! میں آپ کی کتنی تعریف کر رہی ہوں اب تو اپنا موڈ ٹھیک کرلیں اور یہ آپ کے بھائی صاحب کس قدر غلط تصویر بنا رہے ہیں آپ کی۔"

"تمہاری ماں تم سے بالکل صحیح جا رہے ساوی! اس قدر فسادی لڑکی ہو تم۔"

فیضی ماما کی بات سن کر اس نے قہقہہ لگایا۔ ممی اسے دھکیل کر بیڈ روم میں چلی گئیں۔ لبوں پر مسکراہٹ تھی گویا خفگی ختم۔ سفارتی تعلقات بحال۔

ساوی کے دل کی گہرائیوں میں سکون و اطمینان سرائیت کر گیا۔

"ممی کہتی ہیں میں بالکل آپ پر ہوں۔" سر کے نیچے کشن سیٹ کرتے ہوئے اس نے اپنا مورچہ سنبھالا۔

"آپا نے تو مبالغہ آرائی کی حد کردی۔ کہاں مجھ سا پُرامن پسند' صلح جو انسان اور کہاں تمہارے جیسی جھگڑالو' چھاچھا کھتی لڑکی' یہ تو وہی بات ہوئی کہ مشرق کو مغرب سے ملا دیا۔ ہاں شکل کے معاملے میں آپا کی بات پر کچھ اعتبار کیا جا سکتا ہے کہ بہرحال تھوڑی سی خوش شکل تم بھی ہو۔" بڑے پُرسوچ انداز میں فرمایا جا رہا تھا۔ ساوی سلگ گئی۔

"ہا۔ ہا! میں تھوڑی سی خوش شکل ہوں اور جناب خود کو کیا سمجھتے ہیں۔ نام کروز کا چھوٹا بھائی؟"

"نہیں نام کروز کا بڑا بھائی۔" فیضان نے سرعت سے کہا پھر ان دونوں نے بے ساختہ قہقہہ لگایا۔

"باقی سب کیسے ہیں؟ بڑے ماموں جان اور ممانی؟"

"ٹھیک ہی ہوں گے۔" فیضان نے کہا پھر خود ہی وضاحت کرنے لگا "میرا مطلب ہے۔ ٹھیک ہیں یعنی خیریت سے۔ دراصل میں دو روز سے ان کی طرف جا نہیں سکا۔ تمہیں اور آپا کو سی آف کرنے ایئرپورٹ آیا تھا تب ہی ملاقات ہوئی تھی۔"

"ایک تو میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی اگر آپ کو الگ اپارٹمنٹ میں ہی رہنا تھا تو ہم سب کو دبئی سے آتی ہیلپ بلوانے کی کیا ضرورت تھی۔ ہم وہاں بھی اچھے خاصے رہ رہے تھے۔"

"سب دیکھ بھال کر تم خود اپنی نا سمجھی کا اعتراف کر رہی ہو پھر میں کہوں گا تو جھگڑو گی۔" فیض اس کی کھینچائی کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا۔

"تنہائی میں آٹھ سال گزارنا معمولی بات نہیں ہے۔ یہ آٹھ سال میں نے اپنے بزنس کو دیے۔ میرا خیال تھا تم سب لوگ آجاؤ گے تو میری تنہائی دور ہو جائے گی لیکن جب تم لوگ یہاں آئے تو مجھے احساس ہوا میری کاروباری مصروفیات سب کو ڈسٹرب کرنے کا سبب بن سکتی ہیں۔ اس لیے میں نے اپنے لیے الگ اپارٹمنٹ کا بندوبست کرلیا۔"

"ممی ٹھیک کہتی ہیں' آپ کو اب شادی کرلینا چاہیے۔ ساری تنہائی دور ہو جائے گی۔" اس نے سنجیدگی سے کہا پھر اسی ٹون میں ٹوکتے ہوئے بولی۔

"ویسے تو آپ جیسے بڈھے سے شادی کرنے کے لیے کوئی ایسی لڑکی ہی تیار ہو سکتی ہے۔ جو عقل سے تھوڑی پیدل ہو فیضی ماما! آپ بالکل فکر نہ کریں۔ میں آپ کی پیاری بھانجی اس "درِ نایاب" کو ڈھونڈ نکالوں گی۔"

"مجھے فکر میں میری پیاری بھانجی کو دیا ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے پتا ہے "درِ نایاب" کے نام پر تم اپنی کسی اولڈ بوئی سہیلی کو لے آؤ گی اور اگر مجھے کسی اسٹوپڈ سلی یونیورسٹی گرل سے ہی شادی کرنا ہوتی تو بہت پہلے کر چکا ہوتا۔ اس لیے تم اپنے مشورے اور ہمدردیاں سنبھال کر رکھو۔ میں اپنا درِ نایاب خود ڈھونڈ لوں گا۔" فیضان نے کہا تو ساوی بولی۔

"میں تو نہ سہی۔ اور یہ بھی بھول جائیں کہ میری کوئی سہیلی آپ سے شادی پر راضی ہو گی۔ وہ سب آپ کو

www.freepdfpost.blogspot.com

اولاد میں کمی کر بلاتی ہیں۔"

"ڈونٹ فیل ہی۔" فیضان نے فکر مندی سے کہا۔

"یار شہوز! ذرا میری طرف غور سے دیکھو اور بتاؤ کیا میں اتنا ایجڈ لگنے لگا ہوں کہ یونیورسٹی کی لڑکیاں مجھے اولڈ مین کہیں؟" کرداروں کا سنجیدہ نہیں تھی تو فیضان بھی نہیں تھا۔

"یہ ہوائی کسی، تمہیں نے اڑائی ہے۔" عقب میں ابھرتی شہوز کی آواز وہ لاکھوں نہیں تو سینکڑوں میں تو پہچان ہی سکتی تھی۔

"شہوز آپ کی طرف تیا ہوا ہے۔" وہ صوفے پر اٹھ بیٹھی۔

"پچھلے دو ہفتوں سے یہیں ہے اور اس دوران اس نے مجھے تیرہ البیلے گیت سنائے ہیں۔ میرے کانوں کے پردے تو متاثر ہوئے ہیں سو ہوئے ہیں۔ تمہاری جدائی میں یہ اتنا دبلا ہو چکا ہے کہ مجھے باقاعدہ مائیکروسکوپ سے اسے تلاش کرنا پڑتا ہے۔"

"لاحول ولا۔ شہوز ہے یا جراثیم۔" ماوی نے مسکراہٹ دبا کر کہا۔

"تم آ کر شکل دیکھو اس کی۔ پھر کچھ ڈیڈیا دینا۔ میں تو خود سمجھ نہیں پا رہا۔" وہ سیریس تھی تو فیضان ماسوا سیریس کے کیا بولا۔

"چلیں۔ آپ اسے دبلا ہو لینے دیں۔ میری موجودگی میں نہیں تو شاید غیر موجودگی میں اسے میری اہمیت کا احساس ہو جائے۔"

"اتنی خبر ہے۔ میں سمجھتا تھا اہمیت کا احساس ہوئے بنا محبت کرنا ناممکن ہے۔" شہوز کی سنجیدہ سی آواز ماوی کے لبوں پر مسرور کن مسکراہٹ بکھر گئی۔

"فیض ماما کو فون دو مجھے تم سے بات نہیں کرنی۔"

"کیوں؟" وہ حیران ہوا۔

"میں دو ہفتے ذہنی مریض بنی رہی۔ تمہیں اتنی توفیق بھی نہیں ہوئی کہ ایک کال ہی کر لیتے کہ تمہیں کوئی محبت کا ہے۔"

"یار اس باس جاب نے مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا۔ اتنا ٹف شیڈول ہے کہ میں اکتا چکا ہوں۔ بار بار سوچتا ہوں میڈیسن کی فیلڈ میں آنے کا مشورہ کس نے دیا تھا۔ ہائے گاؤن چند مہینوں میں ذہن پپلا ہو چکا ہے۔"

"باس جاب کو چھوڑ دو۔ تمہارا دماغ پہلے ہی پپلا تھا۔" وہ جل کر بولی۔

"تعجب ہے اس حقیقت سے آگاہ ہونے کے باوجود تم مجھ سے محبت کرتی ہو اور اتنا چمکتا رنگ بھی پسند رکھی ہے۔ بھئی۔ میں تمہارے حوصلے سے بہت متاثر ہوا ہوں۔"

"وہ کیا کہتے ہیں۔ ہوس نے دانستہ توقف کیا پھر مزے سے بولی۔ "محبت اندھی ہوتی ہے۔"

"اندھی ہوتی ہے، بہری تو نہیں نا؟" فیض نے بالکل ٹھیک کہا ہے لیکن اس کی کنفیوژن غلط ہے۔ تمہاری جدائی میں میں نے تمہیں چودہ البیلے گیت اسے سنائے ہیں۔ تم ہمہ تن گوش ہو جاؤ۔ ایک گیت میں تمہیں بھی سنانے لگا ہوں۔"

"نہیں شہوز پلیز۔" ماوی نے سراسیمگی سے کہا۔ "تم سے میری محبت اپنی جگہ لیکن اس محبت کی خاطر میں اپنے کانوں پر ظلم نہیں کر سکتی۔"

شہوز کھسیانا ہو کر ہنس دیا۔

"کیسی مختصر ہو یار! تم ایک گانا نہیں سن سکتیں؟"

"دشمنی کی اتنی بڑی سزا تو نہیں ملنا چاہیے۔" ماوی نے حاضر جوابی کا مظاہرہ کیا پھر دونوں ہی ہنس دیے۔

"شادی کے بعد میں ہر روز تمہیں ایک گانا سناؤں گا۔" اس نے دھمکایا۔

"اچھا ہوا تم نے خبردار کر دیا۔ اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرنے کے لیے اب میرے پاس کافی وقت ہو گا۔" وہ ہنس دی۔

"جتنی مرضی اپنے فیصلے پر نظریں ڈالو مگر یہ بات یاد رکھنا اس دنیا میں مجھ سے زیادہ کوئی تم کو محبت نہیں دے سکتا۔"

اس کا لہجہ اتنا پر یقین تھا جتنا پر یقین ماوی کا دل تھا۔

"میں جانتی ہوں۔" ماوی نے جذب سے کہا تھا۔

☼ ☼ ☼

ماوی نے دروازہ کھول کر باہر جھانکا۔

بے حد خوب صورت، چمک دار اور روشن صبح اسے خوش آمدید کہہ رہی تھی۔ درختوں کے پتوں میں چڑیاں دلکش نغمات میں چہچہا رہی تھیں۔ اس نے واپس اندر جانے کا ارادہ ترک کیا اور دروازے سے کچھ قدم آگے برآمدے کی سیڑھیوں میں بیٹھ کر وہاں کا جائزہ لینے لگی۔

انیکسی ہینٹ ہاؤس کی طرز پر بنائی گئی تھی۔ اس کی چھت متوازی تھی اور تین اطراف میں اخروٹ کی لکڑی کی دیدہ زیب گرل لگی ہوئی تھی جس سے سامنے کا حصہ برآمدے کی شکل اختیار کر گیا تھا۔ ایک طرف دو کرسیاں اور چھوٹی سی میز پڑی تھی۔ دوسری طرف کین کا جھولا لٹک رہا تھا۔ برآمدے کی سیڑھیوں کے دونوں جانب آرائشی لیمپ لگے ہوئے تھے۔ انیکسی کے لیے ایک چھوٹا اور خوب صورت سا گیٹ اور پورچ بھی بنایا گیا تھا۔ دائیں طرف گھاس کا چھوٹا سا قطعہ تھا جسے سینٹرل لان سے الگ کرنے کے لیے درمیان میں باڑھ لگائی گئی تھی۔ اس قطعے کے کونے میں بھورے تنے کا ایک درخت تھا جس پر سفید اور روپہلی پھول کھلے ہوئے تھے گو اس کے پتے اخروٹ کی طرح تھے۔

ادھر کا جائزہ لیتے ہوئے اس کا ذہن ڈرائیو وے اور اپارٹمنٹ کی طرف مڑ گیا۔ اسے سڑک یاد آنے لگی جو مکان کے سامنے پرسکون ندی کی طرح بہتی تھی اور جس پر گرے ہوئے شاہ بلوط کے پتوں کو ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے وہ اور شہوز اپنے پیروں سے دور تک روندتے تھے۔

شہوز اسے بڑی جانفشانی سے اپنے کالج کے قصے سناتا۔ وہ ہر تک سنتی پھر اکتا جاتی۔

"اتنی اگر دے، مجھے دے دو اور ٹونچ شہوز! میں ڈاکٹر نہیں بن سکی مگر تمہاری باتیں سن کر تو میں ڈاکٹر تو بن ہی چکی۔ تمہارے پاس کوئی اور ٹاپک نہیں ہے مجھ سے بات کرنے کے لیے؟" وہ سر پکڑ کر کہتی۔

"اتنی جلدی مت اکتاؤ۔ ہمیں پوری زندگی ساتھ رہنا ہے ان شاء اللہ پوری ڈاکٹر بنا دوں گا۔" وہ متانت سے کہتا۔

"جی نہیں۔ بہت بہت شکریہ۔ میں مسز ڈاکٹر بن کر ہی خوش ہو لوں گی۔ تم پلیز اس وقت کوئی اور بات کرو۔"

مگر شہوز کبھی کوئی اور بات نہ کرتا۔ وہ صرف اپنی بات کرتا۔ ماوی سن سن کر تھک جاتی مگر پھر بھی سنتی رہتی کہ وہ کیوں اور کس کی یاد میں اپنی مشرقی ذہنیت کی لڑکی کہیں بھی جو اپنی زندگی میں آنے والے واحد مرد سے دب کر یا مرعوب ہو کر رہنا زندگی کا نصب العین سمجھتی ہو بلکہ وہ بے حد پر اعتماد، بولڈ، نڈر، کیریر اوریٹڈ تھی۔ زندگی کے کسی بھی معاملے میں اس کی بہت سیدھی اور مثبت رائے ہوتی تھی جس پر اختلاف وہ کم ہی برداشت کرتی تھی۔

اپنے خیال اور رائے رکھتا ہوتی تھی وہ بنا کسی جھجک اور خوف کے دے دیتی تھی۔ ورنا یا خوف زدہ ہونا اس نے

www.pdfbooksfree.pk.blogspot.com

سیکھا ہی نہیں تھا۔
اسے جو کہنا ہوتا تھا کسی کی خفگی کی پروا کیے بغیر کہہ دیتی تھی لیکن شہوز کا معاملہ مختلف تھا۔ بات دل کی اور دل کے تعلق کی ہو تو بہت سے معاملات "مختلف" ہو جاتے ہیں شہوز سے تعلق داری میں تو کئی گلے شکوے بھلائے جا سکتے تھے۔
نہ تو اس نے اور نہ ہی کبھی شہوز نے اس سے کوئی لمبا چوڑا اظہار عشق کیا تھا بس "ایگجسٹ" سے پہلے ہی وہ دونوں جانتے تھے کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں دراصل اکیسویں صدی کے ان عملی سوچ والے نوجوانوں کے لیے عشق ضروری تھا کہ دل کی بھی ضروریات ہوتی ہیں جبکہ اظہار عشق صرف وقت کا زیاں ہے۔
لیکن ان دنوں اسے کچھ باتیں بہت انوکھی بہت اچھی لگتی تھیں۔ یوں جیسے سر راہ چلتے چلتے انسان کی نگاہ کسی چیز پر پڑتی ہے اور لاشعوری طور پر وہ ٹھٹک کر رک جاتا ہے اور بے اختیار سوچتا ہے۔
"ارے یہی تو ہے وہ۔ جس کی مجھے اتنے عرصے سے تلاش تھی۔" تو اس کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا شہوز کے چند چھوٹے اور معمولی جملوں نے اسے تصویر کے ایک الگ رخ سے روشناس کروایا تھا اور اس کے شعور میں سرشاری کی مطر ہوائیں چلنے لگی تھیں۔
جیسے اس نے ابھی فون پر بڑی بے بسی سے کہا تھا۔
"مجھے اندازہ ہوتا میں تمہیں اتنا مس کروں گا تو ثمینہ پھپھو سے کبھی تمہیں پاکستان بھجوانے کے لیے اصرار نہیں کرتا۔"
وہ ہنس دی تھی اور اسے چڑانے کے لیے بولی تھی۔
"بہت خوب اتنی تمہیں اندازہ ہو جاتا تو تم میری خواہش کی بھی پروا نہیں کرتے؟"
"ہاں۔ میں مانا کرتا۔" شہوز نے ترنت کہا تھا۔
سچ تو یہ تھا کہ شہوز نے ہادی کو اپنی پڑھائی کے سلسلے میں پاکستان بھجوانے کے سلسلے میں ثمینہ سے صرف اصرار ہی نہیں کیا تھا بلکہ انہیں راضی کرنے والا بھی وہی تھا۔ گو کہ تمام وقت ہادی کے حق میں تھے۔ بڑے ماموں جان صمدانی جہاں خفیف ملامت "فوقتاً" ممی کو منانے کی کوشش کرتے رہے تھے مگر ممی کی "نہ" "ہاں" میں نہ بدلتی تھی۔
"لوگ پڑھائی کے لیے مغربی ممالک کا رخ کر رہے ہیں۔ اسے پاکستان جانے کا شوق چرا ہے۔" وہ ہر بار یہی کہتیں اور ہادی دل مسوس کر رہ جاتی مگر ہر بار اپنے عزم کا اظہار ضرور کرتی۔
"آپ دیکھ لیجیے گا ممی! میں پاکستان ضرور جاؤں گی اور انسٹی ٹیوٹ میں پڑھوں گی جہاں سے بابا جان نے پڑھا تھا۔"
اس ادارے سے تعلیم حاصل کرنا اس کے بابا جان نے تعلیم حاصل کی تھی اس کا دیرینہ خواب تھا یہ خواب اس کی عمر کے ساتھ پروان چڑھا تھا۔ سات سال کی تھی جب بابا جان کا انتقال ہوا گو کہ کسی بات کو یاد رکھنے کے لیے یہ بہت چھوٹی عمر ہے مگر بابا جان کی کئی باتیں اسے یاد رہ گئی تھیں جن میں سے ایک ان کی درس گاہ کا نام تھا۔ گورنمنٹ کالج لاہور' یہ وہ نام تھا جو پھر کبھی اس کے ذہن سے نہیں نکل سکا۔ ایک عجیب سی کشش عجیب سا فسوں اسے اس نام میں محسوس ہوتا تھا اس کا دل چاہتا تھا وہ ان کاریڈورز کو دیکھے جہاں اس کے بابا جان چلے ہوں گے ان آڈیٹوریمز میں جا کر بیٹھے جہاں کبھی اس کے بابا کی آواز گونجی ہوگی۔ اس لائبریری کو دیکھے جہاں بیٹھ کر بابا جان خاموشی سے کتابیں پڑھتے ہوں گے۔ رفتہ رفتہ یہ خواب اس کی زندگی کا حصہ بن گیا۔
اسے خوب اچھی طرح یاد تھا جب پہلی بار انٹرنیٹ پر اس نے جی سی کی مرکزی عمارت کی تصویر دیکھی تھی تو

دم بخود ہو کر وہ تصویر دیکھتی رہی تھی۔ اسے یوں محسوس ہوا تھا جیسے سرخ اینٹوں سے بنی عمارت اسے اپنی طرف بلا رہی ہو۔
تب پہلی بار اس نے ممی کے سامنے اپنی خواہش کا اظہار کیا کہ وہ پاکستان جا کر پڑھنا چاہتی ہے اس وقت وہ ٹرم میں اے لیولز کر رہی تھی اور اس کے اعلا تعلیم حاصل کرنے میں بہت وقت تھا۔
ممی نے اس کی بات سن کر سنجیدگی سے اسے ٹوک دیا تھا۔
"تمہارے بابا جان زندہ ہوتے تو مجھے تمہاری کسی خواہش پر اعتراض نہیں ہونا تھا۔ لیکن اب معاملہ دوسرا ہے۔ میں فیاض پر اور بوجھ نہیں ڈالنا چاہتی مجھے پتا ہے اگر پتا چلا تو وہ بخوشی تمہیں پاکستان بھجوا دے گا لیکن اس صورت میں اخراجات کا جو اضافی بوجھ اس پر آن پڑے گا وہ مجھے منظور نہیں ہے۔ اس لیے بہتر ہوگا تم اپنی خواہش کو یہیں ترک کر دو۔"
ہادی بے چاری کے جوش و خروش پر کھولتا ہوا پانی گر گیا اور خواہش جلتے ہوئے چھالے کی طرح ٹیس دینے لگی۔
اس نے کئی سال بڑے ذوق و شوق سے کالج کی عمارت کی تصویر اپنے کمپیوٹر کے ڈیسک ٹاپ پر لگائے رکھی۔ پھر پتا نہیں کیسے اس کی خواہش گھر کے ایک ایک فرد تک پہنچ گئی تب فیاض ماموں بھی سے خفا ہو گئے۔
"تم نے سوچا بھی کیسے کہ میں ہادی کی اتنی سی خواہش پوری نہیں کروں گا کیا آج تک میں نے اسے شہوز اور شہزا سے کم سمجھا ہے۔ اگر شہوز کو پڑھنے کے لیے پاکستان بھجوا سکتا ہوں تو کیا ہادی کو نہیں بھجوا سکتا؟" پھر ممی کے کچھ بھی بولنے کی گنجائش نہ رہی۔ شہوز ان دنوں علامہ اقبال میڈیکل کالج کے فرسٹ پروف میں تھا۔ ہادی کے انٹرنیشنل اسکول سے فارغ ہوتے ہی اس نے معلومات اکٹھی کرنا شروع کر دیں اور ایک روز فون کر کے ہادی کے [illegible]
[illegible] سے اپنا میٹرک سالوں سے خواب پال کر بیٹھی ہوئی ہو اتنی توفیق نہ ہوئی کہ خواب دیکھنے سے پہلے ساری معلومات ہی لے لو سنا ہے بی وائز کالج ہے گرلز نہیں۔ اب ایک آپ محترمہ کے شوق کی خاطر وہاں گرلز کے کلاسز شروع نہیں کروائی جا سکتیں۔"
اس وقت تک یہ لوگ فیض ماما کے اصرار پر آئرلینڈ آ چکے تھے۔ شہوز سے اتنی سخت سست سن کر ہادی نے اگلے ہی روز اوکل یونیورسٹی کے اکنامکس ڈپارٹمنٹ میں آنرز کی ڈگری لینے کے لیے ایڈمیشن لے لیا اور ممی نے بہانگ دل سکون کا سانس لیا۔
ہادی کے دل کو بری طرح ٹھیس پہنچی تھی مگر وہ مایوس پھر بھی نہ ہوئی بس اسے ایسا محسوس ہوا تھا کہ پاکستان جانے کے راستے میں اس کے سامنے ایک اور رکاوٹ آ گئی ہے۔
اصل معاملہ یہ تھا کہ وہ ممی سے اپنے دل کی بات شیئر نہیں کر سکتی تھی کہ اس کے لیے کشش کا اصل مرکز جی سی نہیں پاکستان رہا تھا شاید لاشعوری طور پر وہ پاکستان جانے کے لیے کالج اور تعلیم کا نام لے رہی تھی۔ اگلے چار سال کے دوران وہ اپنا تجزیہ کرتی رہی کہ اصل میں وہ چاہتی کیا ہے۔
گورنمنٹ کالج لاہور سے اعلا تعلیم حاصل کرنا یا محض پاکستان جانا؟" لیکن کوئی سراغ اس کے ہاتھ نہ لگا۔
[illegible] کے آخری سال میں جب [illegible] کرنے کا وقت آیا تو ہادی کو اپنی خواہش پوری ہونے کا ایک امکان [illegible] اس کے ہر اسٹوڈنٹ کو [illegible] کے لیے گروپس میں تقسیم کر دیا گیا تھا اور ہر گروپ کو الگ ٹاپک [illegible] ہادی کے گروپ کا ٹاپک۔
Alleviation of poverly in developing countries

www.ediges.pk.blogspot.com

(ترقی پذیر ممالک میں غربت کی تخفیف) تھا اپنا ٹاپک سنتے ہی ماوی کی آنکھیں چمکنے لگی تھیں اور اس نے جھوٹ اور سچ پر مبنی کہانی سنادی تھی۔

"پاکستان میں رہ کر میرے لیے اپنے ٹاپک پر ریسرچ ورک کمپلیٹ کرنا زیادہ آسان ہوگا۔ مجھے پاکستان کے علاوہ ایشیا کے دیگر ترقی پذیر ممالک جن میں غربت کی شرح بہت زیادہ ہے ان کے بارے میں انٹرنیٹ سے Facts and Figures (اعداد و شمار) اکٹھے کرنے میں سہولت مل جائے گی۔ کسی اور ملک میں جانا ممکن ہوتا تو وہاں چلی جاتی' پاکستان جانے کی بات نہ کرتی۔ پلیز ممی! کیا آپ نہیں چاہتیں میرا تھیسز اچھا ہو اور مجھے Distinction ملے۔ میری پیاری ممی! پرمیشن دے دیں نا! جینٹ اور وین ہان تو مجھ پر بھروسا کر کے بالکل ہی ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے ہوئے ہیں۔" اس نے اپنے گروپ ممبرز اور فرینڈز کے نام لیتے ہوئے کہا تھا۔

"مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش مت کرو۔" ممی نے ڈپٹ کر کہا تھا۔

"مجھے اچھی طرح خبر ہے یہ تھیسز کا تو نرا بہانہ ہے۔ تمہیں کیا لگتا ہے میں اس گھر سے زیادہ باہر نہیں نکلتی تو مجھے دنیا کی خبر نہیں ہے۔ آخر باقی کلاس فیلوز بھی تو تھیسز کمپلیٹ کر اور انٹرنیٹ سے معلومات اکٹھی کر رہی ہیں تو تمہیں کیا تکلیف ہے؟ اس جینٹ اور گاڑیوں والے (وین ہان کا تعلق جاپان سے تھا اور ممی اس کے نام کو پیش نظر رکھتے ہوئے گاڑیوں والا کہتی تھیں۔) سے کو تھماپن چھوڑیں اور کام کریں۔"

"واقعی ممی! آپ تو چالاکی اور ہوشیاری میں بھی میری ممی ہیں۔" وہ کھسیانی ہنسی ہنس دی تھی۔

لیکن پھر شہوز نے ہی پتا نہیں کون سی گیدڑ سنگھی سنگھا کر ممی کو قائل کر لیا تھا۔ ماوی کا بس نہ چلتا تھا اپنی زندگی کی سب سے بڑی خواہش پوری ہونے پر ہاتھ ہی اٹھا کر شکرانے کے نوافل ادا کرنے شروع کر دے۔

ممی راضی ہونے کے باوجود خفا خفا پھرتی رہیں۔ یہ خفگی ان کی ناپسندیدگی کا واضح اظہار تھی۔

"میں نے تمہاری بات مان لی ہے' اس کا مطلب یہ نہیں کہ تمہیں من مانی کرنے کا سرٹیفکیٹ مل گیا ہے۔ تم اکیلی پاکستان نہیں جاؤ گی۔ میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گی اور تین یا چار ماہ وہاں رہ کر تمہیں ریسرچ ورک میں لگے گا میں تمہارے ساتھ رہوں گی۔ صرف اسی شرط پر میں راضی ہوئی ہوں۔"

ماوی کو بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ لیکن اپنے آئندہ ارادوں سے اس نے ممی کو آگاہ نہیں کیا تھا۔ صرف فیض ماما اور شہوز اس کے ہم راز تھے۔

اس نے اسی وقت وین اور جینٹ کو کانفرنس کال ملا کر خوش خبری سنائی تھی۔

"میں اپنے بہترین تھیسز کے لیے فگر ڈکراس کر چکی ہوں۔" جینٹ نے مبارک دیتے ہوئے کہا تھا اور وین نے کہا تھا۔

"تم بہت لکی ہو ماوی! کیونکہ تمہیں امی کو آپریٹو اور ہیلپ فل ممی ملی ہیں۔"

☆ ☆ ☆

ایک گھڑی اس کے پیر سے ٹکرا کر گزری تھی۔

ماوی کی گہری سوچوں کا ارتکاز ٹوٹ گیا۔ گھڑی تیزی سے درخت پر چڑھ کر دیوار کی دوسری طرف غائب ہو چکی تھی اور سورج دیوار سے تین' چار فٹ اوپر دکھائی دے رہا تھا۔

ماوی گہری سانس بھر کر گھٹنوں پر ہاتھوں کا بوجھ ڈالتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ دروازے کی طرف پلٹ رہی تھی کہ انیہا لوگوں کے لان میں نظر چلی گئی۔ گیٹ کے قریب روش سے چند قدم ادھر گھاس کے قطعے پر نسب ماربل کے بینچ پر ایک باوقار سی خاتون بیٹھی دکھائی دے رہی تھیں۔ کاہی مائل سبز رنگ کی شلوار قمیص' ہلکے وائٹ کرم شال

اوڑھے وہ ماحول کا زیادہ دلکش حصہ معلوم ہو رہی تھیں۔ نقوش میں انیہا کی جھلک اس قدر واضح تھی کہ اسے انیہا سے ان کا رشتہ سمجھنے میں ذرا سی بھی دقت نہ ہوئی۔

اس وقت ماوی نے انہیں دیکھا' وہ بھی ادھر ہی دیکھ رہی تھیں۔ ماوی نے چاہا' ہاتھ ہلا کر ایس وش ہی کر دے۔ خیر سگالی مسکراہٹ لبوں پر سجائے ہوئے اس نے ابھی ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ ایک حیرت انگیز بات ہوئی۔ وہ خاتون اٹھیں اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اندر چلی گئیں۔

ماوی کو بری طرح خفت محسوس ہوئی۔

"بھئی۔ یہ تو سخت روڈ ہیں' انیہا جیسی خوش اخلاق لڑکی کی ممی تو نہیں ہو سکتیں۔" اس نے سوچا۔

سوئے اخلاق انیہا کی نظر بھی اس پر اسی وقت پڑی جب وہ خاتون کے سمجھ میں نہ آسکنے والے رویے پر غور کرتی نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

"ہیلو۔ گڈ مارننگ۔"

اس نے وہیں سے پکار کر کہا۔ ماوی اسے دیکھ کر مسکرادی اور اس کی طرف آگئی۔ درمیان میں مہندی کی باڑھ حائل تھی' وہ وہیں رک گئی' انیہا ایپرن باندھے چھوٹی سی کھرپی کے ساتھ تن دہی سے کیاری کی نلائی کر رہی تھی۔ دائیں ہاتھ میں پنجوں کی دو تھیلیاں اور پانی کا برتن رکھا تھا۔

"بہت جلدی اٹھ گئیں۔ میرا خیال تھا' دوپہر تک سوگی تم۔" انیہا نے بے تکلفی کی دیوار گراتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"کل شام میں ہی سو گئی تھی میں' پھر اور کتنا سوتی' دیر تک سونے کی عادت بھی نہیں ہے مجھے۔" ماوی نے کہا۔

"ممی نے بچپن سے ہی مجھے صبح جلدی اٹھنے کی عادت ڈال رکھی ہے۔ تم یقین کرو میں دنیا کے کسی بھی خطے میں چلی جاؤں اور چند گھنٹے پہلے ہی کیوں نہ سوئی ہوں۔ فجر کی نماز کے لیے میری آنکھ خود بخود کھل جاتی ہے اور کبھی نہ کھلے تو الارم کا کام دیتا ہے۔ مجھے بتایا جاتا ہے کہ الارم کا کام دے رہا ہے میری ممی کی شکل میں۔" اس نے خوش دلی سے بتایا' انیہا مسکراہٹ کنٹرول کیے ہوئی۔

"آج صبح صبح گارڈننگ ہو رہی ہے۔" ماوی نے کہا۔

صرف آج نہیں میری ہر روز کی روٹین ہی ہے' نماز پڑھ کر لان میں آجاتی ہوں اور کالج جانے تک اپنے پودوں سے باتیں کرتی ہوں۔" اس نے تفصیل سے بتایا تھا۔

ماوی جواب میں مسکرائی۔

"لگتا ہے تمہیں گارڈننگ کا بہت شوق ہے۔"

"شوق۔" بچوں کی تھیلی ہاتھ میں لیتے ہوئے اس نے پل بھر کو سوچا تھا' پھر نفی میں سر ہلا دیا۔ "نہیں یار! اسے شوق نہ کہو۔ شوق دراصل بہت سطحی سا لفظ ہے۔ یہ لان دیکھ رہی ہو۔ اس کے بیشتر پودے میں نے لگائے ہیں' تمہیں پتا ہے ماوی! ان ہرے پودوں کو اپنے سامنے بڑا ہوتے دیکھ کر مجھے کتنی خوشی محسوس ہوتی ہے۔ ایک انٹرسٹنگ بات بتاؤں ہوں' جب بھی میرا موڈ خراب ہوتا ہے تو میں لان میں آکر اپنے پودوں سے باتیں کرنے لگتی ہوں اور پندرہ بیس منٹ کے اندر میرا موڈ ٹھیک ہو جاتا ہے' مجھے پتا ہے' تمہیں میری باتیں فنی لگ رہی ہوں گی۔ میرے بھائیوں کو بھی لگتی ہیں' لیکن میں کیا کروں' مجھے یقین ہے' یہ پودے بول اور سن سکتے ہیں۔"

ماوی نے بچے کی معصومیت کے ساتھ وہ بتا رہی تھی اور جیسے خود بھی محظوظ ہو رہی تھی۔

"مجھے تمہاری باتیں فنی لگتیں' بشرطیکہ میں نے آج پہلی بار سنی ہوتیں۔" ماوی نے کہا۔ "مجھے تو ایسا لگ رہا ہے جیسے میرے سامنے فیضان ماما بول رہے ہوں' فیضی ماما جو تمہاری ممی کے بھائی ہیں۔ ان کا بھی کریز ہے

www.emagepk.blogspot.com

گارڈننگ۔ بٹ ٹوئی ویری آنسٹ (گستاخی معاف) تمہارا لان فیض ماما کے لان کے آگے کچھ بھی نہیں ہے۔ انہوں نے تو زمانے بھر کے پودے اکٹھے کر رکھے ہیں۔ پودوں کے ایسے ایسے نام اور کوالٹیز بتاتے ہیں جو مجھے تو آج تک سمجھ میں نہیں آسکیں۔ تم نے تو صرف اپنے پودوں کے بولنے اور سننے کا ذکر کیا ہے۔ فیض ماما تو اپنے پودوں کو چاند سورج تک سے ملا دیتے ہیں۔ ایسی ایسی تشبیہات اور استعارے انہوں نے اپنے پودوں کے لیے اکٹھے کر رکھے ہیں کہ کیا کوئی شاعر اپنی گرل فرینڈ کے لیے جمع کرتا ہوگا۔ باقاعدہ شاعری کرتے ہیں اپنے پودوں کے لیے۔ جو ان کے علاوہ آج تک کسی کی سمجھ میں نہیں آسکی۔ پاکستان آئیں گے تو ملواؤں گی تمہیں۔"

الیشا کا ہنس ہنس کر برا حال ہوگیا۔ ایک تو ماموں کی خصوصیات' دوسرے ماوی کا انداز بیان اتنا دلچسپ تھا کہ بس۔

"او شیور۔ میں تو خود اتنے دلچسپ ماموں سے ملنا چاہوں گی۔"

"انہیں بھی تم سے مل کر خوشی ہوگی۔ جانتی ہو' وہاں آئرلینڈ میں انہوں نے کئی ایسی سوسائٹیز اور کلب خواتین کر رکھے ہیں جو پودوں کی نگہداشت وغیرہ کے لیے کام کرتے ہیں۔ ماما کہتے ہیں عورتوں میں پودوں سے محبت کا جذبہ نہیں ہوتا اس لیے میں تمہیں ضرور ان سے ملواؤں گی' تاکہ ان کے خیالات بدل سکیں۔"

"کچھ ایسا ہی خیال میرا پاکستان کے مردوں کے بارے میں ہے۔ میری تو ممی کو بھی گارڈننگ کا شوق نہیں ہے۔"

"ابھی میں نے یہاں ایک خاتون کو بیٹھے دیکھا' کیا وہ تمہاری ممی ہیں؟"

"اچھا تم نے انہیں دیکھا؟ شاید ان کی نظر نہیں پڑی ہوگی' ورنہ ضرور تم سے ملتیں۔ بٹ اٹ از ویری سوئٹ آف ہم بھی تم لوگوں سے ملنا چاہ رہی تھیں' لیکن تب تک تم لوگ شاید سو چکے تھے۔"

"اچھا سنو۔ میں تمہاری ڈریس شارٹ کے ہاتھ ناشتا بھجوا رہی ہوں اور پلیز انہیں مت کرنا۔ ہاں' کسی سے بھجوا دینا مناسب تو نہیں لگتا' بس ذرا میرے ایگزامز ہو جائیں پھر تمہیں اور آنٹی کو انوائٹ کریں گی۔"

"کیا پڑھ رہی ہو تم؟"

"بی ایس سی کر رہی ہوں' بائنی میجر کیمسٹری ہے میرا۔"

"ہوں۔ اچھا سنو' ناشتا مت بھجوانا۔ اب تک ممی تیار کر چکی ہوں گی تو تیرا لگل نے کچن کا سارا سامان پہلے سے لاکر رکھ دیا تھا۔ تم ایگزامز سے فارغ ہو لو پھر ہم تمہیں اپنے یہاں انوائٹ کریں گے۔"

ماوی نے جیسے بات ہی ختم کر دی تھی۔

☼ ☼ ☼

سعدی ڈور بیل بجا کر انتظار کرنے لگا' پھر خیال آیا یہ انتظار تو بڑی صبر آزما چیز ہے' جتنی دیر جنیدی صاحب نے دروازہ کھولنے میں لگانی ہے اتنی دیر میں تو میں نے پشاور تک کا ایک چکر بھی لگا لینا ہے۔ اس خیال کا آنا تھا کہ اس نے گھنٹی پر انگلی رکھی اور بھول گیا۔

"دروازہ کھول دے میرے بھائی! تجھے نہیں پتا یار! تیرے فلیٹ پر آنے کے شوق میں پچھلی رات میں نے مشکل سے گزاری ہے۔"

اضطراری انداز میں گھنٹی بجاتے ہوئے وہ دہائیاں دے رہا تھا۔ تب ہی دروازہ کھل گیا اور جو چہرہ دکھائی دیا وہ شبیہہ الحباس کا تھا۔ سعدی کا گھنٹی بجاتا ہاتھ پہلو میں آگرا' دروازہ کھلتے دیکھ کر شکل پر جو "لڈی ہے جمالو" والے تاثرات نمودار ہوئے تھے شبیہہ پر نگاہ پڑتے ہی وہاں "چھن سے جو ٹوٹے کوئی سپنا" کی رقت چھا گئی۔ گڑبڑاہٹ

الگ کہ جنیدی کے سب ہی دوست سعدی سمیت شبیہہ کے خیالات سے واقف تھے۔

"وہ میں۔ جنیدی ہے گھر پر۔ ضروری کام تھا' بلا دو گے؟" گڑبڑاہٹ نے سب الٹ پلٹ کر دیا۔

شبیہہ سوفے سے اٹھ کر آیا تھا' بال بے ترتیب' آنکھوں میں نیند کی سرخی' بلیک بر موداٹراؤزر پر بلیک ہی ٹی شرٹ' جس کی آدھی آستینوں سے اس کے کسرتی بازو جھانک رہے تھے۔

سعدی کے دل میں اس کے مسلز دیکھ کر بے اختیار رشک پیدا ہوا' لیکن یہ رشک کرنے کا وقت نہیں تھا۔ یہ وقت سٹپٹانے کا تھا کہ جنیدی کی جگہ شبیہہ آگیا تھا' جس کی توقع بھی نہیں کر رہا تھا' سو وہ گڑبڑایا' سٹپٹایا' حتیٰ کہ شرمایا بھی۔

"معاف کرنا شبیہہ! میرے نوٹس رہ گئے تھے جنیدی کے پاس اور اپنے اتنی محنت سے بنائے نوٹس مجھے غیرت کی طرح عزیز ہیں۔ رات بھر نیند بھی نہیں آسکی' بس اسی لیے صبح صبح لینے چلا آیا۔ سخت شرمندہ ہوں' تمہاری نیند خراب ہوگئی۔"

متوقع بے عزتی سے بچنے کے لیے اس نے ٹھیک ٹھاک کہانی بنالی تھی۔

"ارے نہیں معذرت کی کیا ضرورت ہے اور شرمندہ تو بالکل مت ہو۔ تم جنیدی کے اتنے اچھے دوست ہو' کسی بھی وقت آسکتے ہو' آؤ اندر آجاؤ۔" شبیہہ نے خوش دلی سے کہا۔

سعدی ہکا بکا رہ گیا۔ شبیہہ جیسا شخص جو مسکرانا بھی سوچ سمجھ کر تھا' اور کھری کھوٹی سنانے میں تو ایک منٹ کا بھی لحاظ نہیں کرتا تھا' اس وقت نہ صرف مستقل مسکرائے جا رہا تھا' بلکہ اندر آنے کی دعوت بھی دے ڈالی تھی۔

سعدی کی تو ری سی ہمت بھی جواب دے گئی۔

"نہیں شبیہہ! تم آرام کرو۔ میں احمقوں کی طرح اتنی صبح ڈسٹرب کرنے آگیا' پھر آجاؤں گا۔" اپنی گڑبڑاہٹ چھپاتے ہوئے اس نے بُرا اعتماد انداز میں کہا۔

"اب تمہاری مرضی' ویسے میں نے ناشتا بنا لیا ہے' تم آجاؤ اندر۔ جنیدی جاگنگ کے لیے گیا ہوا ہے' آتا ہوگا۔ اسے پتا چلا کہ تم دروازے سے چلے گئے تو برا لگے گا اسے۔" شبیہہ زبردستی اسے اندر لے آیا۔

"تم سچی بات تو یہ ہی ہے کہ جنیدی کے سارے دوستوں میں نصبتاً قابل برداشت ہو' ورنہ باقی سارے تو ایک دم 'چول' ہیں۔" وہ مسکرا کر کہہ رہا تھا۔

"مجھے اس تعریف پر خوش ہونا چاہیے یا ناراض؟" سعدی نے خود سے سوال کیا۔

"جنیدی کے روم میں بیٹھ کر انتظار کرنا چاہو تو شوق سے بیٹھ جاؤ اور ہاں چائے پینا چاہو تو اس طرف کچن ہے۔ یہ مت سمجھنا' میں تمہاری بھی ماؤں کی طرح تمہاری خدمتیں کروں گا۔ میں سونے جا رہا ہوں۔ ڈسٹرب نہ کرنا اور ہاں۔" وہ پل بھر کو رکا۔

"میں منٹ میں سونپھو آگر بنل دے گا' کچن سے ڈسٹ بن نکال کر اسے دے دینا' جنیدی مجھے تاکید کر کے گیا تھا' لیکن اب تم آہی گئے ہو تو اتنا سا کام کر لینا۔"

وہ زیر لب مسکراتا کمرے میں غائب ہوگیا اور چند دروز سعدی کا منہ چڑانے لگا۔ اسے بات سمجھنے میں چند منٹ لگے تھے اور جب بات سمجھ میں آئی تو سنگ گیا۔

"کس قدر چالاک شخص ہے یہ شبیہہ۔ میں خوامخواہ حیران ہو رہا تھا کہ یہ اتنا خوش اخلاق اور مہمان نواز کیوں ہو رہا ہے' وہ بھی صبح صبح' کوئی بتائے اسے میں جلوہ محبوب کے شوق میں کشاں کشاں آیا ہوں یا جمعدار کو ڈسٹ بن دینے' اب یہ بات میں جا کر اس کے منہ پر بھی نہیں کہہ سکتا' کچھ پتا نہیں اس الٹی کھوپڑی کے تو می کا' مجھے کھڑے کھڑے باہر نکال دے۔ اور نہیں تو دو تین دھولی پٹکے بھی دے سکتا ہے۔ اتنے زبردست تو مسلز ہیں اس کے۔"

www.cottagestpk.blogspot.com

اپنے بازوؤں پر حسرت بھری نظر ڈالتے ہوئے وہ کمرے میں آگیا۔ جنیدی کا کمرہ حسب معمول صاف ستھرا اور باترتیب تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر پردے ہٹادیے۔ کمرہ ایک گن میں روشنی میں نہا گیا تھا۔ بلڈنگ کے کمپاؤنڈ کے آگے مین روڈ تھا پھر درختوں کی قطار آگے کالونی کی سڑک پھر جہاں زیبا بلاک کے خوب صورت سے بنگلے۔

سعدی کے دل کی کلی کھل اٹھی۔ داہنی طرف سے چوتھے بنگلے میں ایک آپٹیکل ٹیرانا دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے جلدی جلدی آنے ساتھ لائے چمڑے کے بیگ سے اسٹینڈ اور ٹیلی اسکوپ نکالا اور کھڑکی کے عین سامنے صحیح زاویے سے سیٹ کرنے لگا۔

اسی وقت جنیدی اندر داخل ہوا۔ ٹریک سوٹ میں ملبوس پھونے سے تولیے سے چہرہ پونچھتا سعدی کو دیکھ کر حیران ہوا پھر چونکا اور گہری سانس بھر کر بولا۔

"کیا کر رہے ہو سعدی؟"

"جنیدی میرے دوست۔" سعدی نے نعرہ بلند کیا تھا۔ جنیدی آگے کر بولا۔

"کر کیا رہے ہو؟ تمہیں اپنے ہاسٹل میں سکون نہیں ہے جو صبح صبح آگئے میرا دماغ کھانے۔"

"تمہارا دماغ کھانے کا کس بدبخت کو شوق ہے؟ میں تو اپنی غلط فہمی دور کرنے آیا ہوں۔" بڑا شاہانہ سا انداز تھا۔

"کیسی غلط فہمی؟"

"کل شک سا پڑا تھا کہ تمہاری نئی پڑوسن سے پہلی نظر کی محبت ہوگئی ہے میں نے سوچا شام ڈھلنے سے پہلے کنفرم کرلوں ایسا نہ ہو غلط فہمی میں مارا جاؤں اس لیے تمہاری ٹیلی اسکوپ سے زیادہ پاور فل ٹیلی اسکوپ لے کر آیا ہوں۔"

"اور اب یقیناً" تم اس دوربین سے اپنی کے گھر میں جھانکو گے؟" جنیدی نے دانت کچکچائے۔

"سبحان اللہ۔ اس قدر ہین قوی دوست۔"

"سعدی ایکو اس بند کرو اور سامان سمیٹ کر بیگ میں ڈالو۔ باہر سے کسی کو ذرا بھی شک پڑ گیا نا کہ یہاں دوربین لگا کر کسی لڑکی پر نظر رکھی جارہی ہے تو مشکل میں پھنس جائیں گے۔ تمہارا کیا ہے سامان سمیٹ کر گوجرانوالہ چلے جاؤ گے اپنے آبائی گاؤں۔ دوستوں کو مشکل گھڑی میں تنہا چھوڑ دینا یوں بھی تمہاری عادت ہے۔"

"واہ واہ۔ کیا بولے ہو۔ احساس شرمندگی سے میری آنکھوں میں آنسو آگئے ہیں اور ضمیر جاگ اٹھا ہے لیکن جاگتا ہوا ضمیر مجھے اچھا نہیں لگتا اس لیے دو تھپڑ لگا کر میں اسے دوبارہ سلانے لگا ہوں۔ تم اپنی انرجی ویسٹ نہ کرو مجھے اپنے سابقہ ریکارڈ پر فخر ہے اور اس پر میں ذرا بھی حرف نہیں آنے دوں گا۔" وہ بھی اپنے نام کا ایک ہی تھا مجال ہے جو شرمندہ ہوا ہو۔

"شبیہہ بالکل ٹھیک کہتا ہے۔" جنیدی نے سگ کر کہا۔

"کیا کہتا ہے؟" بڑے اشتیاق سے پوچھا گیا تھا۔

"یہی کہ مجھے ایک سے بڑھ کر ایک ڈھیٹ اور نابکار دوست ملا ہے۔"

"او بھائی راشبیہہ کا کہا کون سا آسمان سے اتری کتاب کا حصہ ہے۔ تم اس کی باتیں دل پر نہ لو۔ بہتری کی امید ہمیشہ رکھنی چاہیے۔" بڑا عالمانہ دوستانہ سا انداز تھا پھر پوچھنے لگا۔

"چائے پلاتے ہو؟"

"زہر پلاتا ہوں۔" جنیدی نے چڑ کر کہا تھا۔

"چل وہی پلا دے جگرا اپنی پہلی نظر کی پہلی پہلی محبت کی خوشی میں آج زہر بھی پی لیں گے۔"



"پہلی محبت؟" جنیدی کو یہ زرا لطیفہ لگا۔
"ستر برس کہتے تو میں یقین بھی کرتا۔ ویسے اس منگیتر کے بارے میں کیا خیال ہے جو اپنے پنڈ (گاؤں) میں بٹھا چھوڑی ہے۔"
"ارے وہ تو اللہ میاں کی گائے ہے۔" سعدی نے بڑی چاہ سے اس کا ذکر کیا۔ "جو میں کہتا ہوں آنکھیں اور کان بند کر کے اس پر ایمان لے آتی ہے۔ یقین کرو تمہاری جگہ وہ ہوتی اور اسے میں اپنی پہلی نظر کی محبت کا قصہ سنا رہا ہوتا تو پتا ہے اس نے کیا کہنا تھا؟"
"منگنی کی انگوٹھی تمہارے منہ پر مار کے تو نہیں جاتا تھا۔ اتنے عرصے میں میں بھابھی جان کی عادات خوب جان چکا ہوں 'محادرتاً' نہیں حقیقتاً" اللہ میاں کی گائے ہیں۔" سعدی نے بے ساختہ قہقہہ لگایا اور خوب داد دی۔
"بالکل ٹھیک پہچانے ہو۔ چلو شاباش 'اب اچھے بچوں کی طرح بڑھیا سی چائے بنا کر لاؤ۔" جنیدی سر جھٹکتا واش روم میں گھس گیا۔
سعدی نے آنکھیں دوربین سے لگائیں 'تھوڑا سا زاویہ درست کیا اور بل کی کلی 'ہو عوا' کھلی ہی رہتی تھی کچھ اور کھل گئی 'وہ حسینہ ماہ جبینہ سبزہ زار کے قریب کھڑی دکھائی دے رہی تھی' سعدی نے سرشار ہو کر گانا شروع کر دیا۔
"بڑی مشکل ہے بابا! بڑی مشکل۔
کورے کورے گاؤں پہ ہے کالا کالا تل۔"
باقاعدہ آہوں اور سسکیوں کے ساتھ گانا گایا جا رہا تھا۔ جس وقت شبیہہ کمرے میں داخل ہوا۔ سعدی آنکھیں دوربین سے لگائے کمر ایک ہاتھ رکھے باقاعدہ جھوم رہا تھا۔ ایک نظر اس کے انداز پر ڈالتے ہی شبیہہ کا موڈ خراب ہونے میں منٹ بھی نہ لگا۔
"سعدی! جیسے تم خود پھنیئر ہو ویسی ہی تمہاری چوائس ہے۔"
سعدی اپنی دھن میں تھا ذرا بھی دھیر لمایا ہو۔
"ارے واہ۔ میری چوائس کیسے پھنیئر ہو گئی ذرا ادھر آ کر دیکھو 'میری چوائس کتنی اعلا ہے۔"
"یہ دوربین تو کوئی خاص نہیں لگ رہی۔"
"او بھائی! دوربین کے عدسے سے آنکھیں چپکا کر دیکھو 'تمہیں وہ حسن کی دیوی نظر آ جائے گی جس کے عشق میں میں گوڈے گوڈے ڈوب چکا ہوں۔"
اسٹینڈ اس کے کندھے تک آ رہا تھا' شبیہہ نے جھکنے کے بجائے دوربین اسٹینڈ سے اتار کر آنکھوں سے لگائی اور اسی ڈائریکشن میں دیکھنے لگا جس طرف سعدی دیکھ رہا تھا۔
"باڑہ کے قریب جو بیری دکھائی دے رہی ہے 'میں اسی کی بات کر رہا ہوں۔" وہ خواب ناک لہجے میں بولا۔
شبیہہ نے دیکھا' باڑہ کے قریب والی کیاری کے پاس انیسا جھک کر پانی کا برتن اٹھا رہی تھی۔
شبیہہ کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔
"اس کی بات کر رہے ہو؟"
"وہاں پر کوئی اور ہے' جس کی بات کروں گا؟" سعدی نے پوچھا۔
"وہی ہے یار! جس کی مجھے اتنی مدتوں سے تلاش تھی۔ چاند کی طرح روشن چہرہ' صبح کی ہوا جیسی پاکیزہ 'میرا عشق' میری محبت اس ظالم دنیا کو میں ہمارے بیچ نہیں آنے دوں گا۔ جو درمیان میں آیا اسے خون میں نہلا دوں

گا۔ اس کا پتا ہے کون کہتا ہے' وہ جو شاعر کہتا ہے۔ اک لڑکی کو دیکھا تو ایسا لگا جیسے۔"
سعدی نے ابھی لقمے کا گمان ہی کیا تھا کہ شبیہہ نے غصے سے دوربین دور اچھال دی' ایک جھٹکے سے سعدی کا گریبان تھاما اور زوردار مکا اس کے چہرے پر جڑ دیا۔
جنیدی کی آواز میں سن کر یہ کھایا چلا آیا اور دیکھ کر حیران رہ گیا' شبیہہ کا چہرہ لال انگارہ بنا ہوا تھا اور سانس پھول رہی تھی' وہ غضب ناک نظروں سے سعدی کو گھور رہا تھا' جبکہ کارپٹ پر گرے سعدی کو اس کے دو تین گھونسوں نے ہی ادھ موا کر دیا تھا۔
جنیدی کے لیے صورت حال کو سمجھنا مشکل ہو رہا تھا' شبیہہ کو دیکھ کر لگتا تھا' وہ آتش فشاں کی طرح پھٹنے کے قریب ہے' جبکہ سعدی چوٹ کھائی چھپکلی کی طرح کارپٹ پر تڑپ رہا تھا۔
اس سے پہلے کہ وہ کچھ پوچھتا شبیہہ نے اس سے کہا۔
"جنیدی! اپنے دوست سے کہو یہاں سے دفع ہو جائے' آج اسے دو پیروں پر جانے دے رہا ہوں' اگلی بار یہاں دکھائی دیا تو چار لوگوں کو کندھوں پر اٹھا کر لے جانا پڑے گا۔"
اس نے تپائی کو ٹھوکر ماری اور غصے سے تن فن کرتا باہر نکل گیا۔ جنیدی نے جلدی سے بڑھ کر سعدی کو اٹھا کر صوفے پر بٹھایا۔ بے چارے کی بری حالت تھی' خون نہیں نکلا تھا' لیکن چوٹ کھایا چہرہ بری طرح لال ہو رہا تھا۔
جنیدی نے لا کر پانی پلایا تب کہیں جان میں جان آئی۔
"اب کیسا محسوس کر رہے ہو سعدی؟" جنیدی نے ہمدردی سے پوچھا۔
"میرا جبڑا ہل گیا ہے جنیدی! اب میں ساری زندگی کچھ کھا نہیں سکوں گا۔" سعدی نے رقت بھرے لہجے میں رقت کہا تھا۔
[redacted] فریج سے آئس کیوب نکالیں' کپڑے میں لپیٹ کر سعدی کے چہرے کی ٹکور کی۔ چند منٹ بعد ہی سعدی اس سے بات کرنے کے قابل ہوا تھا۔
"تم نے بھی بتایا ہی نہیں' شبیہہ کو دورے پڑتے ہیں؟" اس نے چہرے کو سہلاتے ہوئے پوچھا' اس کے لہجے میں کال پر اب سوجن دکھائی دینے لگی تھی۔
"شبیہہ کو۔ نہیں تو۔" جنیدی نے حیرانی سے تردید کی تھی۔
"پھر اس نے بلاوجہ مجھے کیوں مارا؟" سعدی جل کر بولا۔
"تم نے کچھ تو کہا ہوگا۔" جنیدی نے کسی قدر پریشانی سے کہا۔ اس کے لیے بات ہی ناقابل یقین تھی کہ شبیہہ [redacted] مارا ہے' وہ غصیل ضرور تھا' پاگل نہیں کہ بے سبب کسی کو مارنا ہی شروع کر دے۔
"میں نے کیا کہنا تھا' تمہیں تو پتا ہے میں کتنا معصوم اور سیدھا سادا انسان ہوں۔ یہاں کھڑا تمہاری پڑوسن کو دیکھ رہا تھا اور کسی للو نیت سے نہیں دیکھ رہا تھا' یہ تو تم بھی جانتے ہو تو شبیہہ نے آ کر پوچھا' کیا کر رہے ہو۔ میں نے بتا دیا' ساتھ ہی کہا تم بھی آ کر دیکھ لو' اس نے دیکھا' پھر مجھے مارنا شروع کر دیا۔ جنیدی! اپنے اس مرتے ہوئے [redacted] دوست کو' میرے کیس کے مدعی تم ہو گے اور اپنے اس عقل سے پیدل کزن کو پھانسی کے تختے تک پہنچا کے رہو گے۔"
سعدی کی ظلی ہیرو کی روح قفس گئی تھی۔ جنیدی الجھ سا گیا' سعدی کو دھکا دے کر پرے ہٹایا' خود کھڑکی کے پاس آیا' اتنی دور سے کچھ بھی دکھائی دینا مشکل تھا' اس نے یہاں وہاں دوربین تلاش کی' پھر چونک سا

www.pdfstpk.blogspot.com

انیسا لان کی روش پر چلتی اندر جا رہی تھی۔
جنیدی کو ایک پل میں ساری بات سمجھ میں آگئی تھی۔ "کتنے گہرے ہو تم شمیم؟"
اس نے گہری سانس بھر کر دوربین ایک طرف رکھ دی۔ والٹ اور موبائل فون جیب میں رکھا اور گاڑی کی چابی اٹھا کر سعدی کے پاس آگیا۔
"چلو سعدی! تمہیں ہاسٹل چھوڑ دیتا ہوں۔"

☆ ☆ ☆

ایک جگہ سے نقل مکانی کر کے کسی دوسری جگہ سکونت اختیار کرنے والوں کو جتنی مشکلات کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے' اتنی ہی دقتیں ثمینہ اور ماموں کو درپیش تھیں' یہ بھی شکر ہے کہ انہیں تو قیر صاحب اور ان کی بیگم کا تعاون حاصل تھا جس کی وجہ سے انہیں کافی سہولت ہو گئی تھی۔
سب سے زیادہ دقت انہیں موسم سے مطابقت پیدا کرنے میں درپیش آرہی تھی' گو کہ چودہ سال قبل ثمینہ نے اسی خطے سے ہجرت کی تھی' وہ یہاں کے موسموں اور ان کی سختی سے بخوبی آگاہ تھیں' پھر بھی وہ مشکلات کا شکار تھیں' جس کی سب سے بڑی وجہ پاکستان کی آب و ہوا میں آلودگی کا بڑھا ہوا تناسب تھا۔ ماموں آٹھ سال کی عمر میں پاکستان کو خیرباد کہہ چکے تھے' اسے بھی دقت کا سامنا تھا' لیکن یہ غالباً اس کی عمر اور شوق کا تقاضا تھا کہ وہ جلدی بیمار نہیں ہو رہی تھی۔
پہلے روز انہوں نے مارکیٹ میں گزارے کردہ تمام چیزیں خریدیں' جو ان کی ضروریات زندگی میں شمار ہوتی تھیں' اسی روز ماموں نے کسی شوروم پر ایک سیکنڈ ہینڈ آٹومیٹک گاڑی کا سودا کیا تھا اور اگلے ہی روز سے اس شہر کا سب سے بہترین ڈرائیونگ اسکول جوائن کر لیا تھا' ڈرائیونگ سے پہلے سے جانتی تھی' لیکن یہاں کی سڑکوں اور ٹریفک سے ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے یہ کیا گیا تھا۔
اگلے روز ماموں یہاں کے موسم کے مطابق کچھ کپڑے' فیو خریدنا چاہتی تھی' لیکن ثمینہ نے جانے سے انکار کر دیا۔ ان کی طبیعت صبح سے بوجھل تھی' ناشتا بھی برائے نام کیا تھا۔ ان کی طرف سے مایوس ہو کر ماموں نے اکیلے جانے کا فیصلہ کیا۔
اس کے جانے کے بعد ثمینہ کچھ دیر لیٹی رہیں' پھر انہیں بھوک محسوس ہونے لگی تو کچھ کھانے کے خیال سے کچن میں آگئیں' لیکن بھوک کے باوجود وہ خود کو کچھ کھانے پر تیار نہیں کر سکیں' پیٹ بھرنے کے خیال سے وہیں کھڑے کھڑے تین گلاس پانی تل سے بھر کر معدے میں انڈیلا۔ ذرا سکون محسوس ہوا تو آگر لائونج کے صوفے پر لیٹ گئیں' لیکن یہ سکون محض چند منٹوں کا تھا' یکایک انہیں بڑی شدید متلی محسوس ہونے لگی اور سر بری طرح چکرانے لگا تھا۔
پچھلے روز انہوں نے شازیہ سے کسی قابل اعتماد ملازمہ کے لیے کہا تھا' وہ انہیں اپنی خالہ زاد بہن کے بارے میں بتانے آئی تھی۔ جس وقت وہ ادھر آئی ثمینہ تین' چار بار الٹیاں کر کے بے حال ہوئی پڑی تھیں۔ اس کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ ثمینہ کو سیدھا کر کے لٹایا' پانی پلایا' وہ تین سوال پوچھے' لیکن ثمینہ میں ہمت ہوتی تو جواب دیتیں۔
شازیہ دوڑی دوڑی گئی اور ثروت کو بلا لائی۔
ثروت کہاں کی ڈاکٹر تھیں۔ ثمینہ کی حالت دیکھ کر خود بھی بوکھلا گئیں۔ لیکن اگلے ہی پل بوکھلاہٹ سے زیادہ چونکیں۔
"ارے یہ تو۔" چہ دانوس تھا۔

کل سال پہلے کا ایک لمحہ ان کے ذہن کے دریچے سے جھانکنے لگا تھا۔ اور یہ اتنی حیران کن بات تھی کہ چند لمحے [illegible] کچھ سنبھل گئیں' پھر پلٹ کر شازیہ سے بولیں۔
"گاڑی نکالو۔"
[illegible] ایک جنرل فزیشن کا کلینک تھا' وہ ثمینہ کو وہیں لے آئیں۔ ڈاکٹر نے چیک اپ کیا' ماحول کی تبدیلی اور [illegible] کی تبدیلی' ناسازیٔ طبع کی سب سے بڑی وجہ بتائی۔
"انجکشن کی ضرورت نہیں معمولی نوعیت کا ڈائریا ہے۔"
ڈاکٹر نے انجکشن لگایا' دوائیاں لکھ کر دیں' طبیعت نہ سنبھلنے کی صورت میں ڈرپ تجویز کی' کچھ پرہیز بتایا اور خاص طور پر تاکید کی کہ پانی ابال کر یا اچھی کوالٹی کا منرل واٹر استعمال کیا جائے۔ واپسی تک ثمینہ اچھی خاصی مشکور ہو چکی تھیں۔
"تھینک یو سو مچ مسز دانیال! آپ نے بڑی مدد کی۔"
"اس میں شکریہ کی تو کوئی بات نہیں' انسان ہی انسان کے کام آتا ہے۔" ثروت نے اپنی مخصوص سادہ مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا تھا۔
"بلکہ میں تو شرمندہ ہوں کہ آپ سے ملنے کے لیے پہلے نہیں آسکی۔ دراصل کچھ ایسی مصروفیات تھیں کہ چاہ کر بھی وقت نہیں نکال سکی۔"
ثروت نے کھلے دل سے معذرت بھی کر ڈالی کہ بہرحال اپنی اس بداخلاقی پر اچھی خاصی شرمندہ تھیں' دانیال سے ہونے والی تعزیت کے اثرات تو خیر اب تک برقرار تھے۔
"کوئی بات نہیں' میں سمجھ سکتی ہوں۔ گھرداری کی تو بہت ذمہ داری ہوتی ہے۔" ثمینہ بیڈ پر لیٹی نقاہت سے مسکرا دی تھیں۔
"[illegible] شاید میں [illegible] کی آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو بلا تکلف بتا دیجیے گا۔"
"آپ بہت مدد کر چکی ہیں' میں اتنی کے لیے بے حد مشکور ہوں مسز دانیال!"
"آپ مجھے ثروت کہہ سکتی ہیں اور پلیز تکلفات میں مت پڑیں۔ تھوڑے سے حق تو ہمسائیگی کے بھی ہوتے ہیں' آپ اپنی کسی ضرورت کے لیے ہمیں یاد رکھیں گی تو مجھے خوشی ہوگی۔"
"بہت شکریہ۔" ثمینہ مسکرائیں۔
"تھوڑا سو جیے۔ آپ مستر محسوس کریں گی۔"
ثروت نے باہر جاتے ہوئے کہا' دروازہ عبور کرنے سے قبل انہوں نے ایک نظر ثمینہ کو دیکھا' وہ آنکھیں بند کیے لیٹی تھیں۔ ثروت نے بغور انہیں دیکھا' یہ سوچ کر کہ شاید انہیں پہچاننے میں غلطی ہوئی ہو' لیکن یہ محض ان کی خام خیالی تھی۔
البتہ اس بات نے انہیں کافی اطمینان بخشا تھا کہ ثمینہ انہیں پہچان نہیں سکیں۔ جس وقت وہ اپنکسی سے اتر کر اپارٹمنٹ کی طرف جا رہی تھیں' بہرحال پُرسکون تھیں۔

☆ ☆ ☆

وہ [illegible] کی شام سے رسوئی میں آئی تھی' دودھ سے لبالب بھری بالٹی کو جوں کا توں پڑا دیکھ کر اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ اس نے غصے سے گھر کی کل وقتی ملازمہ کو آواز دی۔
"[illegible] سال ہو گئی ہے جن کی طرح حاضر ہوتی تھی۔

www.ediges.pk.blogspot.com

"کتنی کام چور ہے تو وسائی! میں نے کتنی تاکید کی تھی پڑوسن سے بڑا کڑھاؤ نکال کر دینے کے لیے رکھ دینا۔ لیکن وہ اب تک کڑھنا تو دور کی بات ہے یونہی بغیر ابالے رکھا ہے۔ زبیدہ باجی کو بھنک بھی پڑ گئی کہ اب تک کھیر پکنا شروع نہیں ہوئی تو اس نے منہ سجا کر بیٹھ جانا ہے۔"

زہرہ نے اپنی بڑی نند کا نام لیتے ہوئے کہا جو ساتھ والے گاؤں سے شوہر اور بچوں کے ساتھ دو دن گزارنے آج صبح ہی آئی تھی اور آتے ہی اس نے زہرہ سے کھیر کی فرمائش کر دی تھی۔

"ہائے بی بی! میں تو بھول ہی گئی۔" وسائی نے سر پر ہاتھ مارا۔

"میں ابھی کڑھاؤ نکال لاتی ہوں۔" وسائی باہر کی طرف دوڑی تھی۔ جتنی دیر میں وہ کڑھاؤ نکال کر لاتی زہرہ چولہے میں لکڑیاں ڈال کر آنچ حسب منشا کر چکی تھی۔

کڑھاؤ کو چولہے پر چڑھا کر انہوں نے سارا دودھ کڑھاؤ میں ڈال دیا' جب دودھ ابل چکا تو زہرہ نے لکڑیاں نکال کر آنچ کم کی اور خود کڑھاؤ میں چمچہ ہلانے بیٹھ گئی۔ وسائی کو اس نے چاول صاف کرنے کے لیے کہا تھا۔

چمچہ ہلاتے ہوئے اس کی نظر باہر آنگن تک چلی گئی۔ برآمدے میں کرسیاں بچھائے دین محمد اور زبیدہ باجی کے شوہر بیٹھے تھے۔ قریب ہی پلنگ پر اماں اور زبیدہ باجی بھی باتیں کر رہی تھیں۔ کچھ فاصلے پر زبیدہ باجی کے بچے اور جنت کھیل رہے تھے۔

زہرہ نے محبت پاش نظروں سے جنت کو دیکھا۔ وہ سب بچوں میں سب سے پیاری لگ رہی تھی۔

جنت چار سال کی ہو رہی تھی اور بے تحاشا پیاری بچی تھی' کچھ زہرہ اسے صاف ستھرا رکھنے کے ساتھ ساتھ بنا سنوار کے بھی بہت رکھتی تھی۔ ان کا گھرانہ گاؤں کے چند متمول گھرانوں میں سے تھا اور جنت کا لباس گاؤں کے دیگر بچوں کے مقابلے میں قیمتی اور بڑھیا ہوتا تھا۔ جنت کی پیدائش سے پہلے بھی دین محمد کے گھرانے کے مالی حالات بہت اچھے تھے۔ وہ ان کاشتکاروں میں سے تھے جو زمین سے سارا سال اناج اگاتے ہیں اور انہیں کبھی بھی اپنی ضروریات کے لیے دوسروں کے ہاتھوں کی طرف نہیں دیکھنا پڑتا۔ یہ جنت کے بعد تو جیسے سب کچھ ہی بدل گیا تھا' دین محمد نے یکے بعد دیگرے بہت سی زرعی اراضی خریدی تھی اور یہ اراضی فصلوں کی صورت جیسے سونا اگل رہی تھیں' مزارعوں اور مویشیوں کی تعداد پہلے سے تین گنا بڑھ چکی تھی۔ روپے کی فراوانی کے ساتھ ساتھ زہرہ کے سلیقے نے گھر کی حالت بھی بدل دی تھی۔ دین محمد نے گھریلو کام کاج کے لیے اسے کئی ملازمائیں رکھ کر دی تھیں لیکن وسائی کے سوا زہرہ نے سب کو فارغ کر دیا۔ اسے ہاتھ پیر توڑ کر پلنگ پر بیٹھے رہنا قطعاً گوارا نہ تھا۔

دین محمد اس ساری ترقی کو جنت کی خوش بختی قرار دیتا تھا اور ارد گرد رہنے والے بھی جنت پر رشک کرتے تھکتے تھے۔

باہر آنگن میں ایک شور بلند ہوا تھا' زہرہ نے چونک کر باہر دیکھا۔

"چھوٹی بی بی کا پیر پھسل گیا ہے بی بی!" وسائی دروازے میں کھڑی اطلاع دے رہی تھی۔ زہرہ چمچہ چھوڑ کر سرعت سے باہر لپکی۔ بچے بڑے سب جنت کے گرد جمع تھے۔ جنت کی ٹھوڑی سے جھر جھر خون رس رہا تھا۔

"ہائے میرے اللہ!" زہرہ نے تڑپ کر دل تھام لیا۔

"کیسے لگی چوٹ؟ کیا ہوا ہے میری بچی کو؟" دوڑتے ہوئے اس کی طرف بڑھی تھی' دین محمد نے جنت کو گود میں اٹھایا اور کمرے میں لے جا کر پلنگ پر لٹا دیا۔

زہرہ نے دوپٹے کا پلو روتی ہوئی جنت کی ٹھوڑی پر رکھ دیا۔ دین محمد باہر نکل گیا تھا۔

"وسائی! دوڑ کے جا' تھوڑی برف لے کر آ۔ جلدی کر۔" زہرہ نے اپنے اعصاب پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے وسائی کو مخاطب کیا تھا۔ ساتھ ساتھ وہ جنت کو خاموش کروانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کی



www.digestpk.blogspot.com

تھوڑی سے نکلنے والا خون زہرہ کو اپنے جسم سے نکلتا محسوس ہو رہا تھا۔
وسائی کنور ابھر برف لے آئی' زہرہ نے برف کا ٹکڑا زخم پر لگایا' پھر جھنجلا گئی۔
"میری بھی مت ہی ماری گئی ہے بھلا برف سے بھی خون رکتا ہے۔ وسائی! رسوئی میں ہلدی پیس کر رکھی تھی' جا جلدی سے لے کر آ۔" ہلدی کی واقر مقدار لگائی تب جا کر خون بہنا کم ہوا۔
"چھوٹی بی بی کو بڑے اسپتال لے جانا پڑے گا بی بی! زخم اتنا گہرا ہے مجھے لگتا ہے ٹانکے لگیں گے۔"
"یہ شور کیسا ہے وسائی؟"
وسائی نے دروازے سے جھانک کر دیکھا پھر سینے پر دو ہتھڑ مار کر بولی۔
"ہائے میں مرگئی۔ بڑی بی بی! چوہدری جی نے فاروق بیٹا کو مار مار کے ادھ موا کر دیا ہے۔"
"کیا؟" زہرہ بوکھلا کر کھڑی ہوئی۔
"میں نے خود دیکھا تھا بڑی بی بی! جب بی بی کا اپنا پیر پھسلا تھا۔ فاروق نے کچھ نہیں کہا۔"
زہرہ تیزی سے باہر بھاگی۔
فاروق سسکیاں بھرتا باپ کے پیچھے چھپ رہا تھا۔
"میں نے کہا نا دین محمد! فاروق کی کوئی غلطی نہیں ہے' جنت خود ہی گر گئی تھی' بچوں کو ایسی چھوٹی موٹی چوٹیں لگ جاتی ہیں۔" زبیدہ کا شوہر کہہ رہا تھا۔
"خوامخواہ غلطی نہیں ہے فاروق کا پیر درمیان میں نہ ہوتا تو جنت کبھی نہ گرتی۔ اس کی وجہ سے میری بچی کا اتنا خون بہا ہے میں اسے ضرور سزا دوں گا۔" دین محمد غصے سے آگ بگولا ہو رہا تھا۔
"اور کتنی سزا دو گے؟ پہلے ہی اتنی بری طرح مار چکے ہو میرے بچے کو' اب کیا جان لو گے اس کی۔" زبیدہ نے ناگواری سے بھائی کو دیکھا۔
"میری بیٹی کو چوٹ پہنچائی ہے اس نے' جان بھی لوں تو کم ہے۔"
"دین محمد! اپنی حد میں رہو۔ میں اپنے بچے کے زخموں کا حساب لینے لگوں تو عقل ٹھکانے آجائے۔" زبیدہ کے شوہر نے غضب ناک ہو کر کہا تھا۔
"اپنے بچے کے لیے کیسی ہڑک اٹھ رہی ہے اور میری بچی...."
"ماما جی! میری غلطی نہیں ہے۔" فاروق منمنایا۔
"تو چپ کر۔" دین محمد آپے سے باہر ہو رہا تھا۔
زبیدہ کے شوہر نے غصے سے بیوی کو دیکھا۔
"فاروق کی غلطی نہ ہونے کے باوجود میں نے معافی مانگی' لیکن تمہارا بھائی اب تک میرے بیٹے کو گالیاں دے رہا ہے' اب اس سے زیادہ میں برداشت نہیں کر سکتا' تجھے بھائی کے گھر رہنے کا شوق ہے تو رہ' میں اپنے بچوں کو لے کر جا رہا ہوں۔"
"نصو جی! میں بھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔ یہ پہلا موقع ہے' جس کی بیوی نے بیٹی جنمی ہے بلکہ بیٹی بھی کیا' ملکہ کہو۔ ذرا سی بات پر آسمان سر پر اٹھا لیا' ایسی بھی کیا ناز برداریاں۔ میں جا رہی ہوں اماں! جس گھر میں میرے شوہر اور بچوں کی عزت نہیں اس گھر میں رہ کر کیا کروں گی۔"
"ہاں ہاں جاؤ۔" دین محمد نے تنفر سے کہا۔ "اگلی بار آؤ تو اس سنپولیے کو لے کر آنے کی ضرورت نہیں میرے گھر کے دروازے اس پر ہمیشہ کے لیے بند ہیں۔"
دین محمد کی یہ آخری بات تابوت میں حتمی کیل ثابت ہوئی تھی۔ زبیدہ نے اپنا سامان کھینچ کھانچ کر نکالا۔ اماں

اور زہرہ "ہیں ہیں" ہی کرتی رہ گئیں اور زبیدہ اپنے بچوں اور شوہر کے ساتھ گھر کی دہلیز پار کر گئی۔
دین محمد نے بائس کا ٹکڑا دور اچھالا اور کمرے کی طرف بڑھ گیا' جس کے کھلے دروازے سے جنت کی خنجر معصوم آنکھیں جھانک رہی تھیں۔

☆ ☆ ☆

"الف۔" ولید نے دروازے پر دستک دے کر کمرے میں جھانکا' انیبا رائٹنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی کچھ لکھنے میں مصروف تھی۔ ولید کی آواز پر سر اٹھا کر دروازے کی طرف دیکھا۔
"اگر تم مصروف نہیں ہو تو کیا میں اندر آجاؤں۔ کچھ بات کرنی ہے۔" اسے دروازے کی طرف دیکھتا پا کر ولید نے پوچھا تھا۔
"نہیں پڑھ رہی ہوں ولید!" انیبا نے ایک نظر وال کلاک پر ڈالتے ہوئے کہا تھا۔
"میں زیادہ وقت نہیں لوں گا' زیادہ سے زیادہ بھی پندرہ منٹ۔" ولید نے اندر آکر دروازہ بند کر دیا تھا۔
"خیریت تو ہے نا ولید!" انیبا نے کسی قدر حیران ہو کر پوچھا تھا۔ ولید سر اثبات میں ہلاتے ہوئے بیڈ کی پائینتی پر بیٹھ گیا۔
"ہاں خیریت ہے۔"
"ولی کیا کر رہا ہے؟ باتیں کرنے کا موڈ تھا تو اسے بھی لے آتے۔" انیبا نے کرسی کا رخ اس کی طرف موڑتے ہوئے چھوٹے بھائی کے متعلق استفسار کیا تھا۔
"وہ سو رہا ہے۔ اسے بھی باتیں کرنے کا موڈ نہیں تھا' مجھے لگا تھا تم پڑھ رہی ہو گی' بزی ہو گی بس ایک آئیڈیا کلک کر رہا تھا سو چلا آیا۔"
"کیسا آئیڈیا؟" انیبا استفسامیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔
ولید چند لمحے پرسوچ نظروں سے اسے دیکھتا رہا' پھر پوچھنے لگا۔
"تم ایگزامز میں مصروف ہو۔ شاید نوٹس نہ کیا ہو لیکن میں محسوس کر رہا ہوں ممی ڈیڈی کے درمیان کچھ پرابلم چل رہی ہے۔"
"کیسی پرابلم۔" انیبا بری طرح چونکی' وہ واقعی کچھ روز سے بہت مصروف تھی کہ اپنا بھی ہوش نہ تھا۔
"اس بارے میں میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا' لیکن میں فیل کر رہا ہوں کوئی بات ضرور ہوئی ہے۔" وہ الجھا الجھا سا بول رہا تھا جیسے خود بھی سمجھ نہ پا رہا ہو۔
"اس روز ڈنر پر جو بات ہوئی اس کے بعد سے میں دیکھ رہا ہوں دونوں ایک دوسرے سے کھنچے کھنچے سے ہیں' آپس میں بات بھی نہیں کرتے۔"
"وہ پہلے بھی بات نہیں کرتے تھے' آئی مین میں نے ان دونوں کو زیادہ بات کرتے نہیں دیکھا۔" انیبا نے کہا تھا۔
"خیر یہ ایک الگ موضوع ہے۔ بس میں چاہتا ہوں مجھے میرے پیرنٹس عام پیرنٹس کی طرح نظر آئیں۔ ٹوٹل ان کنفیوژن' شاید تمہیں میری بات عجیب لگے انیبا! لیکن مجھے ہمیشہ لگتا ہے جیسے [illegible] کسی نے [illegible] کے ساتھ دھوکا کیا ہے' ممی ڈیڈی کے ساتھ اور ڈیڈی ممی کے ساتھ خوش نہیں ہیں۔"

www.edigestpk.blogspot.com

"ولید! وہ لوگ اٹھارہ سال سے ساتھ ہیں' خوش نہ ہوتے تو کب کے الگ ہو چکے ہوتے۔" انیبا نے کہا' گو کہ اس کے کچھ خیالات ولید سے میل کھاتے تھے مگر اس کی رائے سرِ حال مختلف تھی۔

"ہاں شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" ولید نے سابقہ الجھن سے کہا' پھر گہری سانس بھر کر بولا۔

"پرسوں ممی اور ڈیڈی کی ویڈنگ اینیورسری ہے' میں سوچ رہا ہوں ہم لوگ اس روز کوئی سرپرائز پلاننگ کیوں نہ ارینج کرلیں۔"

"پرسوں اٹھائیس ہے؟" انیبا کو یکدم یاد آیا تھا۔

"ہاں۔" ولید نے کہا۔

"آئیڈیا اچھا ہے ولید! لیکن ممی اور ڈیڈی جانے کے لیے راضی نہیں ہوں گے' ممی تو شاید ہمارا دل رکھیں' جبکہ ڈیڈی۔۔۔ تم جانتے ہو وہ کتنے خلاف ہیں' آج تک انہوں نے اپنی ایک بھی اینی ورسری سیلیبریٹ نہیں کی۔"

"ڈیڈی کو راضی کرنا میری ذمہ داری ہے' ممی کی ذمہ داری تم لے لو' ڈیڈی نے سلیبریشن نہیں رکھی تو اس بار وہ خوش ہوں گے۔ اگر واقعی میرا شک درست ہے کہ ان دونوں کے درمیان کوئی مس انڈراسٹینڈنگ چل رہی ہے تو وہ بھی ختم ہو جائے گی۔"

"ہوں۔۔۔ چلو ٹھیک ہے' بلکہ یہ بڑا اچھا آئیڈیا ہے۔" انیبا نے کہا' پھر اسے دیکھ کر شرارت سے بولی۔

"واہ میرے بھیا! تم تو بڑے ذہین ہو گئے ہو۔"

"ذہین تو خیر میں پہلے بھی تھا' لیکن تمہیں یہ بات کا اظہارات کرنے کا موقع نہیں ملا۔" وہ بے نیازی سے کہتا کمرے سے باہر نکل گیا۔

"میں سارے انتظامات مکمل کر کے تمہیں بتا دوں گا' میرا خیال ہے کل رات تو بہت دیر ہو جائے گی' ہم پرسوں ڈنر کریں اور پرسوں ہی پلاننگ بتائی جائے۔"

انیبا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"پرسوں میری چھٹی بھی ہے' تم نے ولی کو بتایا؟"

"توبہ کرو اس کے سامنے ذکر بھی مت کرنا' کل بارہ بجنے سے پہلے اسے بھی بتا دیں گے' ورنہ اس کے پیٹ میں کوئی بات رہتی ہے؟ ابھی جا کر سب کچھ ممی کو بتا دے گا۔ تم بڑھو میں نے تمہیں ڈسٹرب کیا' گڈ نائٹ۔"

ولید جاتے ہوئے دروازہ بند کر گیا تھا' انیبا بند دروازے کو دیکھتے ہوئے سوچنے لگی۔

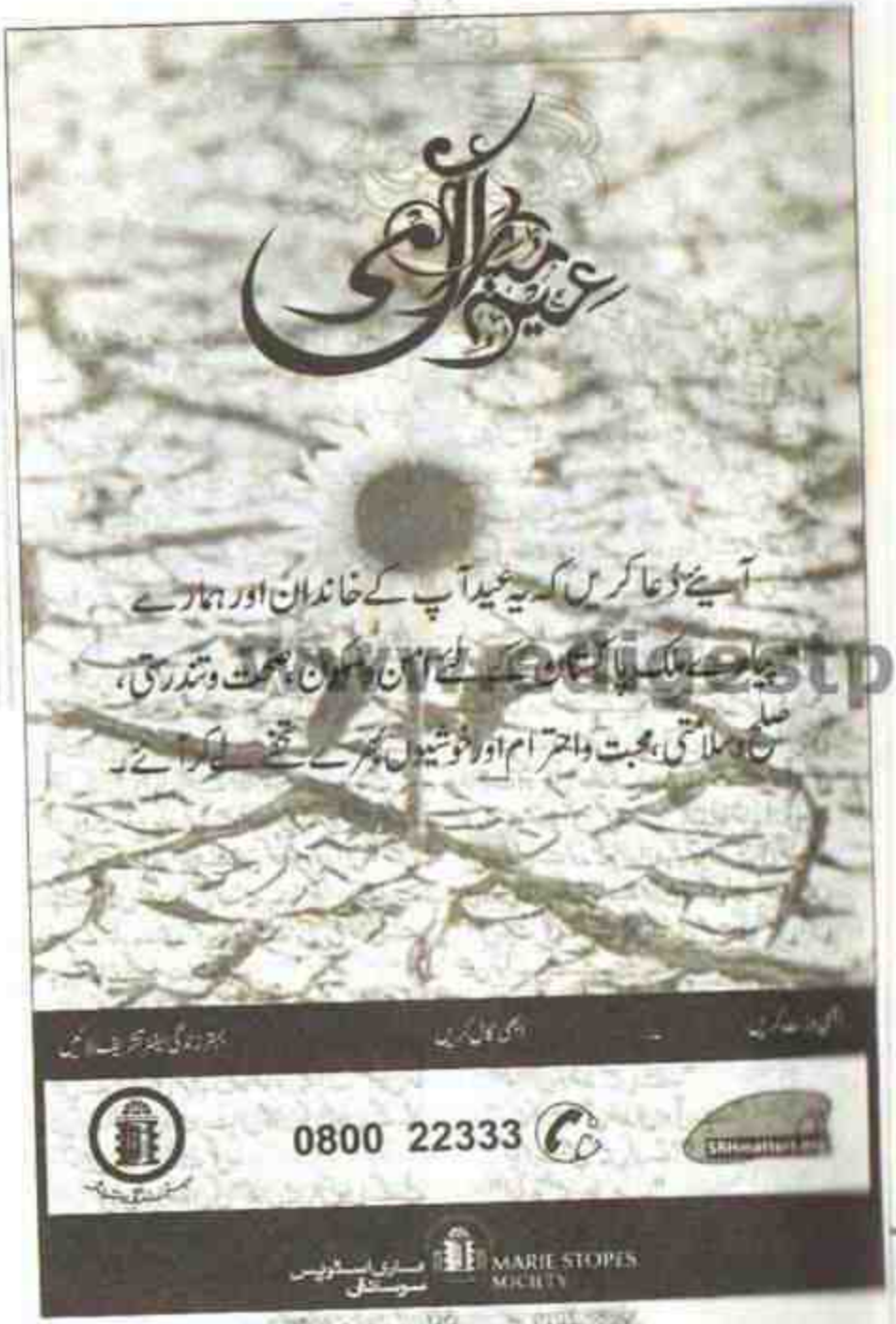
"ولید ماشاء اللہ کتنا سمجھ دار ہو گیا ہے۔ ممی اور ڈیڈی کے مابین جو نہ سمجھ میں آنے والی ٹینشن چل رہی ہے اسے کتنی جلدی بھانپ گیا ہے۔ خدا کرے اس کی کوشش کامیاب رہے' ورنہ میرے پیارے بھائی کو کس قدر مایوسی ہو گی۔ کیوں نہ ہم اس پلاننگ پہ عباس بھائی کو بھی انوائیٹ کریں۔"

معاً اسے خیال آیا تھا انگلیوں میں بال پوائنٹ گھماتے ہوئے وہ سوچنے لگی۔

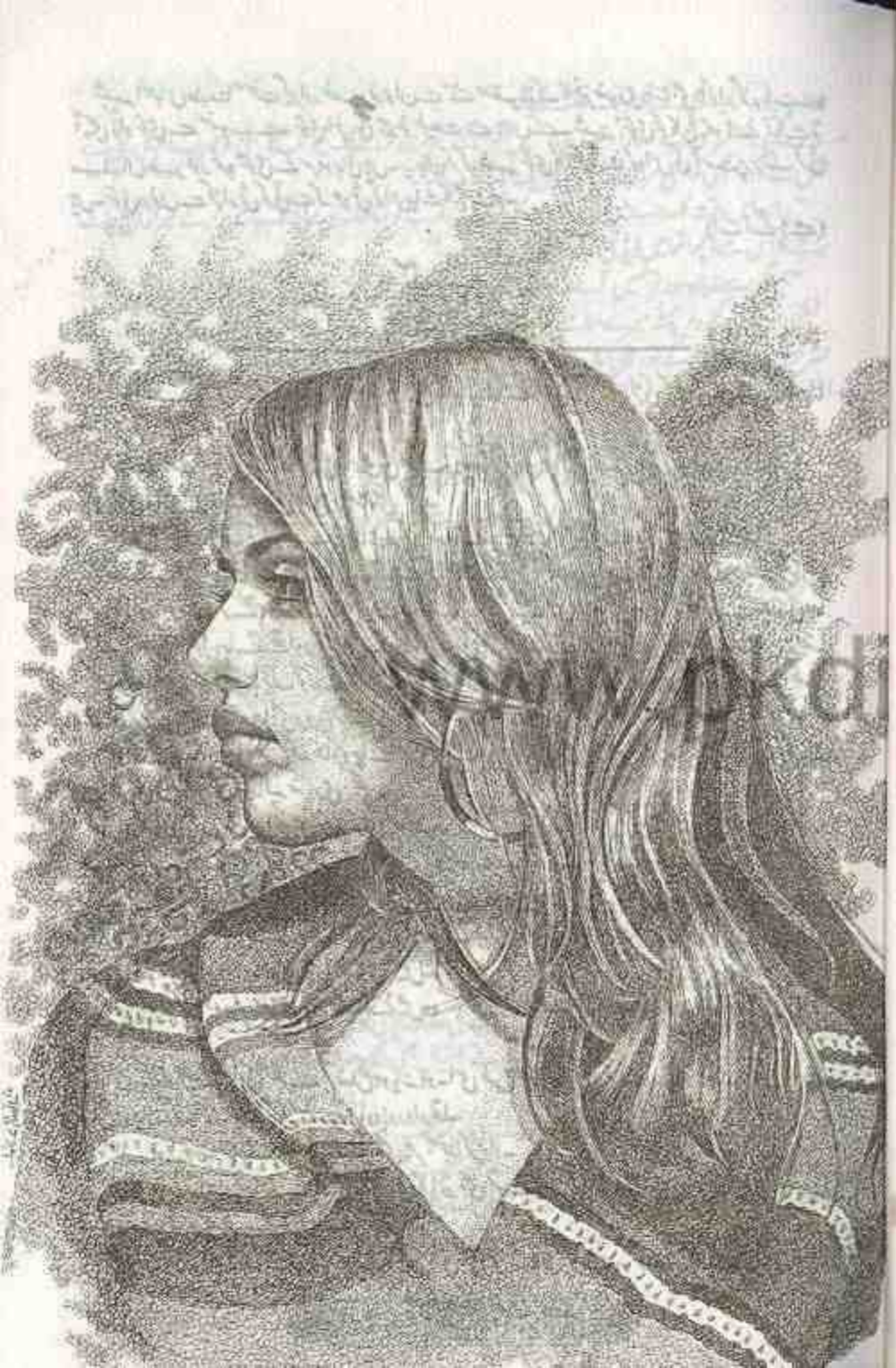
"آخر تال وہ بھی تو اس فیملی کا حصہ ہیں' ٹھیک ہے میں صبح ولید سے بات کروں گی۔"

کتاب کھولتے ہوئے وہ پکا تہیہ کر چکی تھی۔

باقی آئندہ شمارے میں



http://stpk.blogspot.com/



امنہ ریاض

ستارہ سرِ شام

دین محمد مٹی سے محبت کرنے والا جفاکش مرد ہے۔ دھرتی کو اپنے خونِ جگر سے سونا اگلنے کے قابل بنانا اس کا پیشہ ہے۔ اس کی پوری زندگی محنت سے عبارت ہے' جو وہ اپنے چھ مربع زمین پر صرف کرتا ہے۔ شادی کو آٹھ سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ اپنے چھوٹے سے گھر میں وہ بیوی زہرہ اور ماں کے ساتھ رہتا ہے۔ زہرہ چھ مردہ بچوں کو جنم دے کر ایک مرتبہ پھر امید سے ہے۔ دین محمد کا رواں رواں اولاد کی خوش خبری پانے کے لیے مجسم دعا بن چکا ہے۔ اس کی دعائیں مستجاب ٹھہرتی ہیں اور اس کے یہاں ایک خوب صورت بچی جنم لیتی ہے۔ اسے وہ اپنی "جنت" کے نام سے مخاطب کرتا ہے۔

جلال الدین کے روز و شب نوکری کی چکی میں پستے گزر رہا ہے۔ اس نوکری کے دوران اسے آرام کرنے کا موقع بھی کم ملتا ہے۔ بہتر مستقبل کا خواب اسے متحرک رکھتا ہے۔ تنہائی میں کسی کی محبت کا جگنو اس کی دنیا آباد رکھتا ہے۔ ہر دم "اس" کی یاد میں اسے بے چین رکھتی ہیں۔ دن بھر کا تھکا ہارا وہ آرام کرنے لیٹتا ہے تو پولیس اسٹیشن سے اطلاع ملتی ہے کہ جنت بی بی حراست میں ہے' جس کا دعوا ہے کہ اس نے اپنے شوہر کا قتل کیا ہے۔ جلال الدین اپنے وکیل دوست مسعود کے ساتھ بھاگم بھاگ پولیس اسٹیشن پہنچتا ہے اور ثبوت دیکھتا ہے کہ جنت ٹھیزو قریشہ کی مریض ہے۔ جس کی شادی ابھی ہوئی تک نہیں۔ جنت کی حالت جلال الدین کو اعصابی تھکن کا شکار کرنے لگتی ہے۔ جسے اس نے نوکروں کے سہارے علیحدہ گھر میں رکھ چھوڑا ہے۔

ثمینہ 14 سال بعد اپنی بیٹی ماہی کے ساتھ آسٹریلیا سے پاکستان آئی ہیں تو انہیں توقیر صاحب کے بتائے گئے پتے کو تلاشنے میں بہت وقت لگتا ہے۔ وہ فیض کے دوست توقیر صاحب کے توسط سے دانیال کی ایکسی میں ٹھہرتی ہیں۔ ثروت دانیال ملنسار اور مجتبیٰ خاتون ہیں۔ ولی' ولید اور انیسا ان کے بچے ہیں۔ ماہی کی پہلی ملاقات میں انیسا سے دوستی ہو جاتی ہے۔



www.pkdigest.com

شبیہہ العباس طبعتاً "سخت گیر اور غصہ ور نوجوان ہے' جسے صنفِ نازک کا غیر ضروری ہنسنا بھی ناگوار گزرتا ہے۔ وہ چھپی زاد خوی سے منسوب ہے۔ خوی اس کی تند خو طبیعت سے نالاں ہے۔ شبیہہ' خوی کو کالج چھوڑنے آتا ہے تو سہیلیاں عبیر اور نمرہ خوی کے سر ہو جاتی ہیں۔ یہ جان کر کہ شبیہہ خوی کا منگیتر ہے' وہ اس کی قسمت پر رشک کرتی ہیں۔ خوی دونوں سے گزارش کرتی ہے کہ عروش کو اس بات کا علم نہ ہو۔

(اب آگے پڑھیے)

چوتھی قسط

"یا اللہ..... اکس جرم کی پائی ہے سزا یاد نہیں۔ کیا یہ زمانے بھر کی کم عقل لڑکی کو میری ہی بہن بنایا جانا ضروری تھا۔"

ولید نے سخت لاچاری کے عالم میں آسمان کی طرف دیکھا پھر گردن موڑ کر انیسا کو گھورا جو خود کو زمانے بھر کی کم عقل لڑکی قرار دیے جانے پر بری طرح برا منا چکی تھی۔

"اب اپنی خوف ناک آنکھوں کے تیر چلانا بند کرو تمہارے یہ تیر مجھے حق گوئی سے باز نہیں رکھ سکتے۔"

ادائے بے نیازی سے کہتے ہوئے اس نے ماتھے پر اٹکائے گاگلز آنکھوں پر سیٹ کیے۔ کندھے پر لٹکتا تھیلا نما بیگ کا زاویہ درست کرتے ہوئے اپنے ہی گیٹ پر نصب آرائشی شیشے میں اپنا عکس دیکھ کر نظرِ بد سے بچاؤ کی دعا کی۔ محترم بھائی اسکول جاتے تھے اور آج کل کے دیگر بچوں کی طرح نک سک سے ہیرو بن کر اسکول جانا مذہبی فریضہ سمجھتے تھے۔ اپنی اسپورٹس بائیک کو کک لگا کر انیسا کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ انیسا اچک کر سوار ہوگئی اور خفگی کے اظہار کے طور پر بڑی زور سے کندھا بھی دبوچ لیا۔

"اونہہ۔ کیا جاہلوں کی طرح کندھا دبوچا ہے میری شرٹ پر سلوٹیں نہیں پڑنا چاہئیں۔" ہیرو صاحب کو اپنے امپریشن کی بڑی فکر تھی سو تاکید ضروری سمجھی۔

"یار انو! ذرا مجھ پر آیت الکرسی پڑھ کر ہی پھونک دو' بالکل شہزادہ لگ رہا ہوں آج۔ کہیں اپنی ہی نظر نہ لگ جائے اسی خدشے کے پیشِ نظر دیر تک مرر بھی نہیں دیکھا۔ جب تمہارے کالج کے سامنے بائیک روکوں گا تو نہ جانے کتنی حسینائیں اپنی انگلیاں چبا ڈالیں گی لیکن یہ کوئی پریشانی کی بات نہیں' یہ تو فخر کی بات ہے۔ مگر مجھے ڈر ہے کہیں کسی حاسد کی نظر ہی نہ لگ جائے اور میں صبح سویرے ضائع ہو جاؤں' پلیز آیت الکرسی اور چاروں قل پڑھ کر پھونک دو۔ کیسی بہن ہو تم۔ بھائی کا ذرا احساس نہیں۔"

کالونی کی سڑک عبور کر کے مین روڈ تک آنے میں وہ مسلسل بولتا رہا تھا۔ انیسا نے ایک زوردار گھونسا اس کی کمر پر جڑ دیا۔

"بہن کے چہیتے! کسی کی نظر سے تم ضائع ہو یا نہ ہو۔ اسی طرح فضول بکواس کرتے رہے تو میرے ہاتھوں ضرور ضائع ہو جاؤ گے۔" دوسرا گھونسا پہلے سے زیادہ زوردار تھا۔

"اوہ۔ ہو۔ ہو۔" بائیک بری طرح لہرائی تھی پھر جھنجلا کر بولا۔

"انو کی بچی! اتنا بھاری ہاتھ ہے تمہارا۔ لیلیٰ علی کا ہاتھ بھی تم سے تو نازک ہی ہوگا۔ میں بتا رہا ہوں دوبارہ مارو گی تو یہیں فٹ پاتھ پر پھینک کے کالج چلا جاؤں گا۔"

"اگلی بار مرر دیکھو تو غور سے دیکھنا تمہاری تو شکل بھی لیلیٰ علی سے ہی ملتی ہے۔" وہ کہاں چوکنے والی تھی فوراً

حساب برابر کر لیا۔ ولید نے بلا توقف قہقہہ لگایا۔

"مجھے بڑا افسوس ہے تمہارا مقصد پورا نہیں ہوا مجھے شرمندہ کرنے کا۔ کیونکہ لیلیٰ علی کا صرف نام ہی لیلیٰ ہے شکل سے تو وہ اچھی خاصی مردانہ ہے۔" پھر ایک اور قہقہہ لگایا۔

"برا ہو اس وقت کا۔ جب میں نے تم سے کالج ڈراپ کرنے کو کہا تھا۔ اوٹ پٹانگ باتیں کر کے میرا دماغ چاٹ رہے ہو اس سے اچھا تھا میں ڈیڈی کے ساتھ ہی چلی جاتی۔"

"ہم گھر سے زیادہ دور تو نہیں آئے۔ کہو تو واپس چھوڑ آتا ہوں' آرام سے ڈیڈی کی فورو ہیلر میں بیٹھ کر کالج جانا۔ لیکن جو خیال کچھ دیر پہلے میرے سامنے ظاہر کیا ہے پلیز اسے ڈیڈی کے سامنے ضرور دہرانا اور پھر ڈیڈی تمہارا جو حشر کریں گے نا! اس کے بعد نانی اماں نہ یاد آگئیں تو میرا نام بدل کر لیلیٰ علی یار الٰہی ساونت رکھ دینا۔" انیسا نے پھر اسے گھونسا جڑ دیا۔

"میں نے ایسا تو کچھ نہیں کہا کہ ڈیڈی خفا ہو جائیں۔"

"یہ تم مخبری کارروائیاں تو بند کرو۔" وہ جھنجلا کر بولا تھا پھر بولا۔

"یقین کرو انو! آج تک تمہاری دل آزاری کے خیال سے میں خود کو سچ بولنے سے روکتا رہا ہوں مگر۔ آج۔ مگر آج میں خود کو روک نہیں پاؤں گا پلیز مجھے کہنے دو تم جتنی شکل سے احمق لگتی ہو اس سے کہیں زیادہ بے وقوف ہو۔ تم صرف ڈیڈی کی خفگی کی بات کر رہی ہو تمہاری بات سن کر شبیہہ بھائی بھی ناراض ہو جائیں گے۔"

"لیکن کیوں؟"

"او میری عقل والی بہن! جو شخص ہماری شکل دیکھنے پر تیار نہیں ہے وہ ہماری خوشی میں کیوں شریک ہوگا؟ ہمارے ممی ڈیڈی کی اپنی دوسری ہمارے لیے اہم ہے ان کے لیے نہیں میں تم سے احمقانہ بات کی توقع ہی نہیں کر رہا تھا ممی ڈیڈی کی شادی۔ مجھے بہت افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے شبیہہ بھائی کی زندگی کا المیہ ہے کبھی کسی کو المیہ پہ خوشی مناتے دیکھا ہے۔"

ولید کا حقیقت پر مبنی تجزیہ۔ انیسا قائل ہو گئی لیکن مایوس بھی۔

"کہتے تو خیر تم ٹھیک ہو ولید لیکن مجھے ہمیشہ ایک احساس رہتا ہے جب تم میں اور ولی ممی اور ڈیڈی کے ساتھ ہوتے ہیں تو مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے ہماری فیملی نامکمل ہے۔ شبیہہ بھیا کی کمی بہت محسوس ہوتی ہے مجھے۔ پھر میں سوچتی ہوں مجھے تو کبھی ان کے ساتھ بیٹھ کر بات کرنے کا موقع بھی نہیں ملا۔ تب بھی اتنی کمی محسوس کرتی ہوں ان کی۔ ممی کیا محسوس کرتی ہوں گی؟ وہ تو بہت مس کرتی ہوں گی بھیا کو۔"

"ممی نے کبھی تم سے کہا ہے؟" ولید نے پوچھا۔

"وہ کہاں کچھ کہتی ہیں انہیں تو گھٹ گھٹ کے رہنے کی عادت پڑی ہوئی ہے لیکن میں محسوس کر سکتی ہوں ان کے دل کی کیفیت کو۔ سچ کہوں تو شبیہہ بھائی کو انوائٹ کرنے کا خیال بھی مجھے صرف ممی کی وجہ سے آیا۔ ممی کے لیے یہ ایک بہت بڑی خوشی ہوتی۔"

"اور ڈیڈی کے لیے بہت بڑی ناخوشی۔" ولید نے دو بدو کہا تھا۔

"پلیز ولید! کیا پتا ڈیڈی خفا نہ ہوں۔ میں نے بہت عرصے سے ممی کو بہت خوش نہیں دیکھا۔ ایسا لگتا ہے جیسے وہ بہت جبر کر کے مسکراتی ہوں۔ تم میرے ساتھ شبیہہ بھائی کے پاس چلو۔" وہ منت سے بولی۔

"میرا دماغ خراب نہیں ہے کہ جا کر بے عزتی کرواؤں جو بندہ ہماری شکل تک دیکھنے کا روادار نہیں اس کے گھر

www.pkdigest.com

جا کر ڈیل نہیں ہونا مجھے۔" ولید نے صاف کہا۔
"تم بات نہ کرنا میں کرلوں گی۔" انیبا نے ایک اور راہ دکھائی۔
"میں ان کے گھر جانے پر نہیں راضی۔ تم بات کی بات کرتی ہو۔"
"پلیز ولید! میرے پیارے بھائی نہیں ہو۔"
"بھائی ہوں۔ پیارا اچھی ہوں لیکن یہ بات نہیں مانوں گا۔"
"خیر خیر۔ تم تو میری کوئی بھی بات نہیں مانتے۔" وہ غصے سے بولی۔
"جھوٹی ایک نمبر کی پرسوں آئس کریم کس نے لا کر دی تھی؟ اور تمہاری اس بدصورت سہیلی کے گھر سے نوش کون لایا تھا؟"
"تو کوئی احسان نہیں کیا تھا میں بھی تمہاری کتنی باتیں مانتیں ہوں، کام بھی کتنے کر دیتی ہوں۔ پرسوں تم نے آئس کریم لا کر دی تھی تو بدلے میں شرٹ بھی تو دھلوائی تھی مجھ سے۔"
"اس میں کون سی بڑی بات ہے، شرٹ تو شازیہ بھی دھو سکتی تھی۔ تم نے کیا کمال کیا؟"

"ولید! تم انتہائی احسان فراموش ہو۔ اللہ کرے تمہاری شادی بھی کسی شازیہ جیسی لڑکی سے ہو جائے جس کے ناخن میل سے بھرے رہتے ہوں اور جو دس دس دن نہائی بھی نہ ہو۔"
"اور خدا کرے تمہاری شادی ببو برال سے ہو جس کے سر پر..."
ایسی بددعا پر انیبا نے اسے پھر مکا جڑ دیا۔ ولید نے پلٹ کر کوئی سخت بات کہنا چاہی۔ پل بھر کے لیے سڑک سے نظریں ہٹیں۔ دو طرفہ ٹریفک تھی ہوش اس وقت آیا جب سامنے سے آتی گاڑی سر پر پہنچ گئی۔
تقدیر کا فیصلہ۔ ایک زبردست تصادم۔
"ولید..." انیبا کے لبوں سے چیخ نکل گئی تھی۔
بائیک دور تک ٹوٹی ہوئی پتنگ کی طرح لہراتی فٹ پاتھ سے ٹکرائی۔ انیبا گھٹنوں کے بل فٹ پاتھ پر گری۔ ولید نے پاؤں کا سہارا لے کر بمشکل اپنی بائیک کو گرنے سے بچایا تھا مگر اس کوشش میں وہ خود ایک طرف کو لنگ سا گیا تھا۔
شیبہ نے اگر بروقت گاڑی کو بریک نہ لگائے ہوتے تو یقیناً "اس وقت خوف ناک تصادم ہونا تھا۔
"ارے یہ تو ولید اور انیبا ہیں۔" جے ڈی نے ونڈ اسکرین سے جھانکتے ہوئے کہا پھر وہ دونوں ہی بڑی تیزی سے کار سے نکل کر ان کے پاس پہنچے۔
"چوٹ تو نہیں لگی۔" انیبا پہلے ہی کھڑی ہو چکی تھی۔ جے ڈی نے ولید کو بائیک سیدھی کرنے میں مدد دی۔ انیبا نے خفت کے مارے جلدی سے نفی میں سر ہلا دیا ولید خاموش رہا۔
وہ تین راہ گیر صورت حال کا جائزہ لینے کھڑے ہو گئے تھے شیبہ نے پہلے انہیں بھگایا پھر ولید کو ڈپٹ کر بولا۔
"دکھائی نہیں دیتا تمہیں۔ جب بائیک چلانی نہیں آتی تو چلاتے کیوں ہو؟" اس کا لہجہ سخت اور اجنبی تھا جیسے ابھی تک کسی راہ گیر سے مخاطب ہو۔
"چلانی تو خیر آپ کو بھی کار نہیں آتی۔ پھر آپ کیوں کوشش کرتے ہیں۔" ولید نے خفگی سے دوبدو کہا تھا۔ شیبہ کا پارہ چڑھ گیا۔
"یو ایڈیٹ۔ ایک تو غلطی کرتے ہو پھر زبان چلاتے ہو۔ میں تمہیں..." وہ آگے بڑھا جے ڈی نے بے ساختہ اس کو شانے سے تھام کر روکا تھا۔

"پلیز شیبہ بھیا! غلطی میری تھی آپ ولید کو کچھ نہ کہیں۔" انیبا منمنائی۔ شیبہ نے غضبناک نظروں سے اسے گھورا۔
"شٹ اپ۔ ایٹ ڈونٹ کال می بھیا۔ بلاوجہ کی رشتہ داریاں جوڑنے سے سخت نفرت ہے مجھے۔"
اس نے سخت لہجے میں کہا اور پلٹ کر کار کا دروازہ زوردار آواز سے بند کر دیا۔ جے ڈی نے ہمدردی سے انیبا کے مرجھائے ہوئے چہرے کو دیکھا پھر ولید کو جس کا چہرہ خفت و غصے سے لال ہو رہا تھا۔ وہ بے چارہ نہ تین میں نہ تیرہ میں مخمصے میں پڑ گیا۔
"ولید! آؤ ہم تم لوگوں کو ڈراپ کر دیتے ہیں۔" ولید جھک کر بائیک کی چوٹوں کا جائزہ لے رہا تھا پل بھر کے لیے جے ڈی کی طرف دیکھ کر بولا۔
"وہ جن بیٹھنے دے گا اپنی گاڑی میں؟"
جن، جے ڈی کے انتظار میں ہارن پہ ہاتھ رکھ کر بھول چکا تھا۔
"ولید! بدتمیزی مت کرو۔" انیبا نے ڈانٹ دیا۔ جے ڈی نے لاچاری سے اپنے گرد موجود ان تین کرداروں کو دیکھا جن کے درمیان اسے اپنا وجود پنگ پانگ بال کی طرح محسوس ہو رہا تھا پھر اس نے ولید کا کندھا تھپتھپایا اور پلٹ کر کار میں جا بیٹھا۔
گاڑی زن سے ان کے قریب سے نکلی تھی۔
ولید نے پلٹ کر انیبا کو گھورا۔
"ان کو سمجھا تھا "بھیا" تم نے... تھا کا مطلب تو تمہیں آتا ہوگا۔"
اوکے سوری۔ مجھو اب چلیں کے شام کو ان کی طرف۔ تم پتنگ۔ آنے کی دعوت دے لینا۔ مجھے یقین ہے وہ بھی خوشی راضی ہو جائیں گے۔" انیبا کی لٹکی ہوئی شکل دیکھ کر بھی وہ طنز سے باز نہیں آ رہا تھا۔
وہ بجھے دل سے بائیک پر سوار ہوئی تو ولید نے بائیک آگے بڑھا دی۔

ولید نے کالج کے سامنے بائیک روک کر گردن گھما کر انیبا کو دیکھا بلکہ وہ دیکھا کیا موجودگی ہی کنفرم کی تھی۔
پندرہ منٹ کے سفر میں وہ پندرہ منٹ ہی خاموش رہی تھی۔ ولید کو پریشانی سی لاحق ہو گئی تھی اتنی دیر تک تو وہ سوتے ہوئے خاموش نہیں رہتی تھی کہ جاگتے میں چپ رہنا کہیں گرہ نہ لگ گئی ہو مگر انیبا کی مرجھائی ہوئی شکل دیکھ کر ہنسی آ گئی۔
"یار انو! میرے ہی جیسے کسی ذہین شاعر نے کہا ہے۔"

ذرا سی بات ہے اب بھولنا ہی بہتر ہے
دل تباہ کو اب خستہ حال کیا کرنا

انیبا چڑ کر بولی۔ "ایک تو تمہارے ان واہیات اشعار سے میں بڑی عاجز ہوں۔ موقع دیکھتے ہو نہ محل۔ بس شعر سنانے کی مصیبت پڑی ہوتی ہے۔"
"کس قدر بدذوق ہو تم لڑکی! اس قدر اعلا پائے کا شعر تمہیں واہیات لگ رہا ہے۔" اس نے انیبا کے ذوق پہ دل کھول کے تاسف کا اظہار کیا پھر بولا۔
"دراصل قصور تمہارا نہیں تمہاری کھوپڑی کا ہے۔ جس میں دماغ کی جگہ بھوسہ بھرا ہوا ہے۔ نہ تمہیں اچھے

www.pkdigest.com

اشعار سمجھ آتے ہیں نہ کامن سینس کی باتیں۔"

"اب کون سی کامن سینس کی بات میں نہیں سمجھی؟" انیہا نے جل کر پوچھا۔

"دیکھو انو! جو باتیں میں کہنے لگا ہوں یہ بڑی فہم و فراست کی باتیں ہیں اس لیے ایک ہی بار میں سمجھ لینا۔ میں بار بار نہیں دُہراؤں گا وہ جو تمہارے "بھیا" ہیں نا جن کا نقشہ میرا مطلب ہے جن کے مزاج کا نقشہ کچھ کچھ کسی "جن" سے ہی ملتا ہے' وہ ہماری ممی کو بھی ماں والی روسپیکٹ نہیں دیتے یعنی وہ ممی کو Nobody سمجھتے ہیں جو گی ماں کو Nobody سمجھتا ہے وہ سوتیلے بہن بھائیوں کو Some body کیسے سمجھ سکتے ہیں۔ اس لیے ان کو اہمیت دینا یا ان کی جھاڑ سن کر ہرٹ ہونا چھوڑ دو۔ تم جتنا ان کو اہمیت دو گی اتنا ہی ان کے رویے سے ہرٹ ہو گی۔ جب ان کے نزدیک ہماری کوئی اہمیت نہیں تو ہم انہیں اہمیت کیوں دیں ہم بھی انہیں Nobody سمجھیں گے۔ میں نے تمہیں کہا تھا نا! مجھ پر آیت الکرسی اور قل پڑھ کر پھونک دو۔ وہ دیکھو وہ حسینہ کب سے مجھے گھور رہی ہے لیکن اس کے دانت مجھے پسند نہیں آئے۔ اتنے لمبے ہیں کہ ٹھوڑی تک آ رہے ہیں۔ بھئی میں تو آج شہزادہ لگ رہا ہوں کہیں یہ بگز بنی (bugs bunny) کی سوتیلی بہن مجھے نظر ہی نہ لگا دے۔ اس لیے میں تو چلا۔"

وہ بائیک اڑا لے گیا انیہا مسکرا کر گیٹ عبور کر گئی۔ ولید کی باتیں اسے سمجھ میں آئی ہوں یا نہیں شہیہ العباس کی جھاڑ سن کر ذہن پر چھائی کثافت ضرور ختم ہو گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

رات کا دوسرا پہر تھا اور کھڑکی سے جھانکتے آسمان پر ستاروں کا جھرمٹ دکھائی دے رہا تھا۔ جھینگروں اور مینڈکوں کے ٹرانے کی آوازوں نے رات کے مخصوص تاثر کو بہت شدید کر رکھا تھا۔ کبھی کبھی کوئی کونج کرلاتی ہوئی گزرتی تو اس کی آواز رات کے منظر پر خراش سی ڈال دیتی تھی۔

زہرہ بڑی دیر سے کروٹ کے بل لیٹی کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی اس کا ایک ہاتھ نامحسوس انداز میں گہری نیند سوئی جنت کو تھپک رہا تھا پھر اس نے کروٹ بدلی اور چھت کی طرف دیکھنے لگی۔

ایک اضطراب ایک بے چینی سی تھی جو دوپہر سے اسے لاحق تھی اور جس نے اس کی نیند بھی اڑا رکھی تھی۔ کروٹیں بدلنے کے ساتھ ساتھ وہ وقتاً فوقتاً دین محمد پر بھی نظر ڈال لیتی تھی جو کچھ فاصلے پر حساب کتاب کے رجسٹر کھولے بیٹھا تھا۔ زہرہ نے ذرا سی گردن موڑ کر جنت کو دیکھا جنت گہری نیند سو رہی تھی۔ دوسائی کی پیش گوئی کے عین مطابق اس کی پیشانی پر تین ٹانکے لگے تھے پورے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ اور زعفران گھلی رنگت اس وقت کملائی ہوئی سی لگ رہی تھی۔

"کوئی اور وقت ہوتا تو یقیناً" بیٹی کی حالت دیکھ کر زہرہ از سر نو تڑپ جاتی مگر اس وقت اسے بڑی گہری سوچ لاحق تھی جس نے اسے فکر مند بھی نہ ہونے دیا۔

"کیا بات ہے زہرہ! نیند نہیں آ رہی؟" دین محمد کب سے اسے کروٹیں بدلتے دیکھ رہا تھا بالآخر پوچھ ہی لیا۔ اس کی آواز نے کمرے میں پھیلے سناٹے کو تحلیل کر دیا تھا۔

زہرہ نے بے اختیار گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھا دین محمد ابھی بھی رجسٹر پر جھکا ہوا تھا۔

"کچھ نہیں جی! بس ایسے ہی بے چینی سی محسوس ہو رہی ہے۔" اس نے آہستگی سے جواب دیا۔ "دل بڑا گھبرا رہا ہے اللہ خیر کرے۔"

"دل تو گھبرانا ہی ہے جنت کے اتنی چوٹ لگ گئی۔ ہسپتال لے کر جاتے ہوئے میرا ہاتھ خون و خون ہو گیا تھا اب جب تک زخم بھر نہ جائے بے چینی ہی رہے گی۔"

دین محمد نے جنت پر پیار بھری نظر ڈالتے ہوئے کہا تھا۔ زہرہ اس کی اس حد تک مبالغہ آرائی پر ذرا بھی نہ حیران ہوئی۔ جتنی دین محمد کو جنت سے محبت تھی اس میں خون کا ایک قطرہ بھی ندی محسوس ہونا فطری سی بات ہے۔ لیکن زہرہ کو پہلی بار بے زاری ضرور محسوس ہوئی تھی۔

وہ یہ بھی جانتی تھی جو بات دین محمد سے کہنے کے لیے پر تول رہی ہے اسے سن کر وہ خفا ہو گا۔ جنت سے اس کی غیر معمولی محبت ایسی ہی خفگی کی متقاضی تھی لیکن کہے بنا چارہ بھی کوئی نہ تھا۔

زہرہ کو پریشانی کی دلدل میں دھکیل دیا تھا جس سے نکلنے کے لیے ہاتھ پیر چلانا زہرہ کی مجبوری تھی۔

"ہوا چلنے لگی ہے۔ کھڑکی بند کر دیتی ہوں۔"

زہرہ نے کھڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے اٹھنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ دین محمد نے اسے ٹوک دیا۔

"اٹھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ چارپائی ہلنے سے جنت کی نیند خراب ہو گی کھڑکی میں بند کر دیتا ہوں۔"

زہرہ گہری سانس بھر کر رہ گئی۔

دین محمد نے کھڑکی بند کی اور احتیاط سے چارپائی کی پائنتی پر بیٹھ کر محبت پاش نظروں سے جنت کو دیکھنے لگا۔ چارپائی احتیاط کے باوجود ہلکا سا آواز بلند چرچرائی تھی اور اس چرچراہٹ نے جنت کی نیند میں خلل ڈال دیا تھا۔

"کیسی کملا گئی ہے میری بٹیا بھاوں رفیق درمیان میں نہ آیا ہوتا تو میں نے اس فاروق کی بچی (گردن) موڑ دینی تھی۔ دونوں میاں بیوی نے اولاد سے چرکے سہار رکھی ہے۔ اللہ قسم ایسے بال (بچے) میرے ہوں تو سیدھا کر کے رکھ دوں۔"

پھر اس نے اسی دھیمی اور تلخ آواز میں فاروق کو بے درد بے رحم دو تین گالیاں دیں۔ جنت نے آنکھیں کھول کر نیند بھری آنکھوں سے باپ کو اپنے قریب بیٹھا دیکھا۔ گلابی لب پھیلا کر مسکرائی اور کروٹ بدل کر آنکھیں موند لیں۔ دین محمد اسے چاہت سے تھپکتا رہا۔

زہرہ کو جب یقین ہو چکا کہ جنت سو چکی ہے تو اس نے بہت سوچ سمجھ کر بلکہ ناپ تول کر بات کا سرا پکڑا۔

"سنیں جی! میں ایک بات کہوں اگر آپ کو برا نہ لگے تو۔"

"ہے بھلی نہ ہو تو۔" دین محمد اس کی سادگی پر ہنسا۔

"آگے تیری کس بات کا برا مانا ہوں؟ اور اب تو مان بھی نہیں سکتا میری رانی کی ماں ہے تو۔ اتنا پیارا تحفہ دینے والی کی بات بری نہیں لگ سکتی مجھے۔" اس نے جھک کر جنت کے سر کا بوسہ لیا تھا۔

"دیکھیں جی! میری بات کو ٹھنڈے دماغ کے ساتھ سننا ہے آپ نے' سیانے کہتے ہیں بچہ جب تک چوٹ نہیں لگواتا بڑا نہیں ہوتا۔ جتنی بار چوٹ کھائے گا اتنی بار گر کر سنبھلنا سیکھے گا۔ جنت کے چوٹ لگنا مقدر میں تھا سو لگ گئی۔ ہم کب تک واویلا کرتے رہیں گے کہ ہماری بٹیا کے خون نکلا ہے۔ ہو سکتا ہے فاروق کی بھی کوئی غلطی ہو لیکن اتنی معمولی سی بات کے لیے رشتے ناتے تو نہیں توڑے جا سکتے نا! اور نہ ہی یہ سیانوں والی باتیں ہیں۔ ہم نے خاندان برادری سے منہ تو نہیں موڑنا نا! میری بات مانیں صبح جا کر زبیدہ باجی اور رفیق بھاء کو منالیں۔ اماں بھی خوش ہو جائیں گی اور خاندان ٹوٹنے سے بھی بچ جائے گا۔"

"دماغ تو ٹھیک ہے تیرا۔" دین محمد حسب توقع بھڑک کر بولا تھا۔

www.pkdigest.com

"جن کی وجہ سے میری بیٹی نے اتنی تکلیف سہی ہے انہیں منانے جاؤں؟ مرنہ جاؤں اس سے پہلے۔"

"ہائے ہائے! ایسی بھی کیا تکلیف اٹھالی ہے اس نے۔ ایسی چھوٹی موٹی چوٹیں تو بچے ہنسی خوشی سہہ جاتے ہیں۔ میں کہتی ہوں جنت کو اتنی سول جان (سہل پسند) نہ بنائیں کل کلاں کو رخصت بھی کرنا ہے ایسی نازک مزاجیاں لڑکیوں کو نہیں سجتیں پھر آپ کو صرف بیٹی کی فکر ہے۔ یہ بھی تو دیکھیں دوسری طرف بہن ہے۔"

"تو بہن نے بھی تو بیٹے اور شوہر کے لیے مجھے پیچھے دھکیلا ہے۔ جب اس نے بھائی بھانجی کی پروا نہیں کی تو میں کیوں کروں۔ اتنے سال بہنوں کے ناز بھی تو اٹھائے ہیں آج اسے سب بھول گیا۔ میں اپنی بیٹی کو تکلیف پہنچانے والے کو کبھی معاف نہیں کرسکتا۔ منانے جانا تو دور کی بات ہے۔" دین محمد نے دوٹوک انداز میں کہا۔

"باقی بات رہی جنت کو رخصت کرنے کی تو اس کی فکر میں نہ پڑو میں سوچ چکا ہوں اپنی لاڈو کے لیے ایسا لڑکا ڈھونڈوں گا جو اسی گھر میں رہے میری جنت مجھ سے دور نہ ہو۔" زہرہ دنگ رہ گئی۔

"کیا کہہ رہے ہو جی؟ گھر جوائی بناؤ گے؟"

"ہاں یہی سوچا ہے بس اس موضوع پر دوبارہ بات نہ کرنا۔ میری جنت ساری زندگی میرے پاس رہے گی۔ تم کیسی ماں ہو بیٹی کی۔ تکلیف یا دوری کی ذرا پروا نہیں۔ دیکھ جنت! تیرا باپ ہی تجھ سے محبت کرتا ہے ماں کو تو بالکل بھی محبت نہیں ہے۔"

دین محمد نے تلخی سے کہا اور کروٹ بدل لی جبکہ زہرہ نے سر پیٹ لیا تھا۔

"اس آدمی کو تو بیٹی کی محبت نے بالکل ہی سودائی کردیا ہے۔" یہ نہیں کہ اسے جنت سے محبت نہیں تھی لیکن چونکہ وہ عورت تھی اس لیے بچی کی پرورش میں ہونے والی کوتاہیوں کے نتائج خدشات بن کر اسے ڈرا رہے تھے۔

وگرنہ ماں کی محبت کا بھی کوئی مقابلہ ہے؟

وہ سوچ رہی تھی اور اس کی سوچ سے بے خبر قریب لیٹی ننھی جنت کا معصوم ذہن ماں باپ کی محبت کو اپنی سمجھ کے مطابق پسندیدگی کے ترازو میں تول رہا تھا۔

"ابا مجھ سے محبت کرتے ہیں اماں کو بالکل پیار نہیں۔"

ننھے ذہن کی پرواز بس یہاں تک ہی تھی لیکن یہ حقیقت بھی نظرانداز نہیں کی جاسکتی نیچی اڑان بھرنے والے اونچی پرواز ضرور کرتے ہیں۔ جلد یا بدیر یہ فیصلہ تقدیر کرتی ہے۔

☆ ☆ ☆

"آپ کی طبیعت اتنی خراب تھی تو آپ کو مجھے بتانا چاہیے تھا میں آج گھر سے نکلتی ہی نہیں۔"

سوپ کا باؤل ثمینہ کو پکڑاتے ہوئے ماوی نے یہ بات کوئی دسویں مرتبہ دہرائی تھی۔ اس روز واپسی میں خاصی دیر ہوگئی تھی اور گھر میں داخل ہوتے ہی شازیہ نے خوب نمک مرچ لگا کر اسے ثمینہ کی بیماری کا قصہ سنادیا تھا وہ کچھ نہ بھی بتاتی تو ثمینہ کی زرد رنگت اور نڈھال چہرا اسے ساری کہانی سنا دیتے۔

ماوی ایک دم بے حد پریشان ہوگئی تھی۔ اپنی حد درجہ پریکٹیکل اپروچ کے باوجود وہ ماں کے لیے بہت جذباتی تھی۔ ان کی معمولی سی تکلیف بھی اسے حواس باختہ کرکے رکھ دیتی تھی وہ بار بار پچھتاوے کا شکار ہوئی کہ آج گھر سے کیوں نکلی۔ ایک ہی جملہ کبھی وہ پریشانی اور کبھی خفت سے دوہراتی اس وقت بھی وہ واپس کچن میں جانے کے بجائے ان کے پاؤں کی جانب بیٹھ گئی تھی اور فکرمندی سے ثمینہ کا زرد رنگت والا چہرہ دیکھنے لگی تھی۔

ثمینہ کو بے ساختہ ماوی پر پیار آیا۔ ان کی بیٹی ان کے لیے ایسے فکرمند ہو رہی تھی جیسے کوئی ماں بچے کے لیے ہوتی ہے۔

"ماوی! یہ یخنی مجھ سے نہیں پی جائے گی۔ اب تو کچھ کھانے کے لیے دے دو۔" ثمینہ نے اس کا دھیان بٹانے کی غرض سے کہا تھا۔

"سادہ یخنی نہیں ہے میں نے اسے سوپ کی طرح بنایا ہے۔ پی کر تو دیکھیں ممی! آپ کو پسند آئے گی۔"

"دو گھنٹے پہلے بھی ایک پیالہ تم نے مجھے یہی کہہ کر پلایا تھا اسے تو میں نے خود پر جبر کرتے ہوئے پی لیا مگر دوسری مرتبہ ہمت نہیں کرسکتی تم پلیز مجھے تھوڑا سا لزانیہ ہی لادو۔"

ماوی ان کی بات سن کر ہنس دی۔

"یاد رہے کہ ایسے کئی بدذائقہ پیالے آپ نے بھی مجھے پلائے ہیں۔"

"شاباش ہے بیٹی! بڑے اچھے وقت پر بدلہ لے رہی ہو۔" ثمینہ مسکرائیں۔

"لیکن اپنے الفاظ فوراً واپس لوں میں اتنی بری کوکنگ ہرگز نہیں کرتی۔"

"آپ بیمار ہیں اب آپ سے کیا بحث کروں۔ کیا یاد کریں گی آپ بھی لے لیتی ہوں اپنے الفاظ واپس۔" وہ احسان کرتے ہوئے بولی۔

"اچھا جی شکریہ۔ اب اٹھو اور میرے لیے لزانیہ لے کر آؤ۔"

"جی نہیں ڈاکٹر نے ہلکی پھلکی غذا کھانے کا کہا ہے آپ کو۔ اس لیے آپ یہی سوپ پئیں۔"

"ڈاکٹر نے ہلکی پھلکی غذا کھانے کو کہا ہے۔ یہ نہیں کہا کہ خود کو سزا دو۔"

"اب افطار اسوپ بھی نہیں ہے۔" ماوی خفا ہو کر بولی۔

"ہاں میری چندا! افطار نہیں ہے مگر میرے منہ کا ذائقہ بہت خراب ہو رہا ہے۔ لزانیہ کے چند نوالے کھاؤں گی تو خاصا فرق پڑے گا۔"

"آپ تو بچوں کی طرح ضد کر رہی ہیں ممی!"

"تم بھی تو میری ممی بنی ہوئی ہو۔" وہ چڑ گئیں۔ ماوی اٹھ کر کچن میں گئی اور لزانیہ مائیکرو ویو میں گرم کرکے لے آئی جو گھر آتے ہوئے ایک مشہور فاسٹ فوڈ سے پیک کروایا تھا لیکن گھر آتے ہی ممی کو دیکھ کر ایسے ہاتھ پیر پھولے کہ سب بھول گئی۔

پلیٹ میں لزانیہ کے ایک بڑے ٹکڑے کے ساتھ چھری کانٹا اور ساس رکھی ہوئی تھی۔

"ایک پیالہ سوپ کے ساتھ صرف چند نوالے ملیں گے آپ کو۔ وہ بھی منہ کا ذائقہ بدلنے کے لیے۔ ضد نہیں چلے گی۔ ایک بار طبیعت ٹھیک ہوجائے پھر جو مرضی کھایئے گا۔ میں نہیں روکوں گی۔ سچ ممی! مجھے پتا ہوتا آپ کی طبیعت اتنی خراب ہے تو گھر سے کسی قیمت پر نہ نکلتی۔"

"بھئی اتنے اہم کام تھے تمہارے۔ تم خود بتاؤ کیا کوئی ایک بھی کام ایسا تھا جسے میری خاطر ملتوی کیا جاتا۔"

"مکمل کرتی ہیں آپ بھی بھلا آپ سے زیادہ امپورٹنٹ بھی کوئی کام ہوسکتا ہے۔" ماوی نے ناراضی سے کہا۔

"لیکن آپ نے مجھے بتایا کیوں نہیں۔" اسے یہی غم کھائے جا رہا تھا۔

"اچھا چھوڑو اس بات کو۔ میں نے ابھی صرف دو لقمے لیے ہیں دو اور لوں گی۔" ثمینہ نے تاکید کے ساتھ ہی پوچھا تھا ماوی مسکرا کر اسی کانٹے سے خود کھانے لگی۔

www.pkdigest.com

"مکمل تو خیر نہیں ہوئی لیکن کافی کچھ خرید لیا۔ حمیرہ آنٹی کی وجہ سے کافی سہولت ہوگئی۔ ممی! میں آپ کے لیے بہت پیارا موو کلر کا سوٹ لائی ہوں۔ اس کا دوپٹہ دکھاتی ہوں آپ کو۔ سوٹ تو سلائی کے لیے ٹیلر کو دے آئی ہوں۔"

"بہت اچھا کیا۔ بس ٹیلر کو تاکید کردینی تھی کہ گلا گہرا نہ بنائے۔ مجھے سخت الجھن ہوتی ہے ڈیپ نیک سے۔"

"جی کہہ دیا تھا۔ میں برقش کو نسل بھی گئی تھی۔ شکر ہے دو تین کتابیں میرے تھیسز سے متعلق ملی ہیں مجھے لیکن زیادہ نہیں آدھ گھنٹے میں تو میں ڈھنگ سے پوری لائبریری نہیں دیکھ سکی کتابیں کیا ڈھونڈتی۔ ویسے تو قیر انکل سے ڈسکس کیا تھا میں نے۔ وہ کہنے لگے ان کی کوئی کزن کسی کالج میں پروفیسر ہیں اور تو قیر انکل کا خیال ہے میرے ریسرچ ورک کے سلسلے میں وہی میری مدد کرسکتی ہیں۔ میں نے کہا انکل آپ سوچیے نہیں فوراً سے پیشتر ان سے میری میٹنگ ارینج کروادیں۔"

"تو قیر کا بیٹا اب کیسا ہے؟" ثمینہ نے پوچھا اسی بیٹے کے ایکسیڈنٹ کی وجہ سے پہلے روز تو قیر صاحب انہیں منزل تک پہنچانے نہ پہنچ سکے تھے۔

"پہلے سے کافی بہتر ہے۔ فریکچر ہوا ہے ٹھیک ہونے میں ٹائم تو لگے گا۔ آپ ٹھیک ہوجائیں پھر ہم عیادت کے لیے ان کے گھر چلیں گے۔"

"ہاں ٹھیک ہے مجھے بھی پہلے ہی خیال آرہا تھا تو قیر کیا سوچتا ہوگا۔ کتنی مدد کررہا ہے وہ ہماری اور ہمیں اتنی توفیق نہ ہوئی ایک بار گھر جاکر اس کے بیٹے کا حال ہی پوچھ لیں۔" ثمینہ نے کہا تو مادی نے فقط اثبات میں سر ہلادیا۔

"آج ثروت بھی آئی تھیں۔" معاً ثمینہ کو یاد آیا تو بتانے لگیں۔

"ثروت۔۔۔؟"

"مسز دانیال حسن۔" ثمینہ نے بتایا۔

"اوہ مالک مکان کی بیوی۔" مادی نے بس اتنا کہا پھر پوچھنے لگی۔

"انیہا بھی ان کے ساتھ آئی تھی؟"

"نہیں وہ تو نہیں تھی۔ مسز دانیال کو بھی شازیہ بلا لائی تھی وہی مجھے ڈاکٹر کے پاس لے کر گئی تھیں۔"

"اچھا اس کا مطلب ہمدرد روح ہے ان کے اندر۔ شکل سے تو بڑی روڈ لگتی ہیں۔" مادی نے اپنا تجزیہ بیان کیا۔

"ہائے روڈ کہاں؟ اتنی بولائٹ نیچر کی ہے وہ تو۔ مجھے تو بڑی اچھی لگی۔ ویسے تمہاری ملاقات کب ہوئی؟"

"ملاقات نہیں ہوئی ممی! میں چند روز پہلے لان میں بیٹھے دیکھا تھا تو میں ہیلو ہائے کرنے آگے بڑھی تو وہ منہ موڑ کر چلی گئیں۔"

"اچھا حیرت ہے۔ ایسا رویہ دکھانے والی تو نہیں لگی مجھے۔ ملنسار اور خوش اخلاق لگی تھی۔ ممکن ہے اس نے تمہیں دیکھا نہ ہو یا اپنی کسی پریشانی میں ہو۔" ثمینہ کے پاس ہر کسی کے ناپسندیدہ رویے کی کوئی نہ کوئی توجیہہ ضرور تیار ہوتی تھی جو اس کے گھنٹے بھر بعد سامنے آجاتی تھی۔

مادی نے کسی قسم کا اظہار نہ کیا خاموشی سے کھاتی رہی۔

چند منٹ کے بعد ثمینہ نے پُرسوچ انداز میں کہا۔

"ایک بات کہوں مادی! مجھے لگتا ہے میں نے مسز دانیال کو کہیں دیکھا ہے۔" مادی چونک کر انہیں دیکھنے لگی۔

"اچھا۔۔۔ لیکن کہاں؟"

"یہی تو یاد نہیں آرہا۔ میں تب سے یہی سوچ رہی ہوں کہ ثروت کا چہرہ مجھے اتنا جانا پہچانا سا کیوں لگا ہے۔ شاید اس کی شکل کسی ٹی وی آرٹسٹ سے ملتی ہے یا اس کے بولنے کا انداز ویسا ہے۔ تمہیں اس کا چہرہ دیکھ کر کسی کی یاد آئی؟"

مادی نے نفی میں سر ہلایا تو بولیں۔

"پھر مجھے اس کا چہرہ اتنا مانوس کیوں لگا ہے؟" انداز خود کلامی کا سا تھا۔

"ممی! میں سمجھ گئی کہ آپ کو مسز دانیال سے مانوسیت کا احساس کیوں ہورہا ہے۔" یکدم مادی نے کہا۔ ثمینہ پُراشتیاق انداز میں اس کی اگلی بات کا انتظار کرنے لگیں تو آنکھیں مٹکا کر بولی۔

"آپ انڈین موویز دیکھتی ہیں نا! ان میں ایسی ہی اسٹوریز ہوتی ہیں۔ دو جڑواں بہنیں۔ ایک قسم کے میلے میں گم ہوگئی دوسری آئرلینڈ پہنچ گئی۔ اوگاڈ۔ ممی! سیم ٹیپکل اولڈ اسٹوری۔ مبارک ہو آپ کو آپ کی جڑواں بہن۔ پوری قسم کے میلے میں گم ہوئی جڑواں بہن مل گئی۔"

وہ رتی بھر بھی سنجیدہ نہ تھی ثمینہ نے گھور کر اسے دیکھا اور خالی پیالہ ٹرے میں پٹخ دیا۔

"تم بہت ہی بدتمیز ہوتی جارہی ہو مادی!"

"ارے واہ۔ بہن ملی نہیں کہ بیٹی بری لگنے لگی۔" اس نے ہنستے ہوئے انہیں چڑایا تھا۔

"چلو اٹھ کر برتن سمیٹو۔ میں خود ہی سوچ لوں گی مسز دانیال کو کہاں دیکھا ہے۔"

"اوہ شیور۔ میرا کولڈ ڈرنک پینے کو دل چاہ رہا ہے۔ آپ پئیں گی؟" مادی نے اٹھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"نہیں میرا موڈ نہیں ہے۔ اور میرا خیال ہے فریج میں بھی کولڈ ڈرنک نہیں ہے۔ کل ہی ختم ہوگئی تھی۔" ثمینہ نے بتایا تو مادی بولی۔

"یہاں قریب ہی میں نے ایک شاپ دیکھی تھی شاید بیکری تھی۔ وہاں سے لے آتی ہوں۔"

"اس وقت؟ تمہارا دماغ ٹھیک ہے مادی!" ثمینہ نے وال کلاک کی طرف دیکھا سات بج رہے تھے۔ "یہ لاہور ہے ڈھلن نہیں کہ تم آدھی رات کو بھی گھر سے نکلو اور بخیریت واپس آجاؤ۔ دہشت گردوں اور ڈاکوؤں نے ہوش اڑایا ہوا ہے اس لیے تم چپ چاپ بیٹھ جاؤ۔ ایک دن کولڈ ڈرنک نہ پیو گی تو کچھ فرق نہ پڑے گا صحت کو۔"

"آپ ذرا باہر نکل کر دیکھیں پورا شہر روشنیوں میں ڈوبا ہوا ہے۔ پھر گلی کے کارنر پر واچ مین بھی بیٹھا ہوا ہے۔ میں یوں گئی اور یوں آئی آپ بے فکر رہیں میں بچی نہیں ہوں کہ کوئی نقصان پہنچادے۔"

ثمینہ کی آوازوں کی پروا کیے بغیر وہ تیر کی تیزی سے باہر نکل گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

شبیہ کے دوستوں کی آمد میں اس وقت ہوئی جب وہ کچھ دیر سونے کے خیال سے بیڈ پر لیٹ چکا تھا اس کی عادت تھی سرِشام سوجاتا پھر تہجد سے پہلے اٹھ کر طلوعِ آفتاب تک پڑھتا۔ چند منٹ وہ کروٹیں بدلتا باہر سے آنے والی آوازیں سنتا رہا۔ اخلاقیات کا مارا ضمیر گوارا نہیں کررہا تھا کہ گھر میں مہمان آکر بیٹھے ہیں اور وہ نیند نہ آنے کے باوجود سوتا بنا رہے۔

ناچار اٹھ کر باہر آگیا۔

سجاول اور عذیر واپسی کے ارادے سے کھڑے ہوچکے تھے۔ دوست تو خیر شبیہ کے تھے مگر اس سے بھی اچھے

www.pkdigest.com

روابط تھے تب ہی بڑی خوش خلقی سے حال احوال دریافت کیے گئے۔

"تم لوگ کھڑے کیوں ہو؟ بیٹھو۔ میں چائے بناتا ہوں۔"

اس نے حق میزبانی نبھانا شروع کیا۔

"اوں۔۔۔ چائے تم بناؤ گے وہ تمہارا" "اجمل" کیا ہوا؟" عذیر نے پوچھا۔

"اجمل چھٹی پر گاؤں گیا ہے۔ نیا ملازم آجانے تک سب کام خود کرنا پڑیں گے۔" جے ڈی نے جواب دیا تو سجاول جلدی سے بولا۔

"معاف کرنا یار! تمہارے تجربے کی نذر میں اپنی جان نہیں کر سکتا۔"

"یار! جے ڈی اچھی چائے بناتا ہے میں تو سوچ رہا ہوں اجمل کی مستقل چھٹی کروا دی جائے۔" شبیہہ نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

"اس کا مطلب۔ تمہارا معدہ پہلا تجربہ بڑی خوبی سے برداشت کر چکا ہے' چلو پھر ہم بھی ہمت کر لیتے ہیں۔" سجاول راضی ہوا تو عذیر ٹھٹک گیا۔

"جے ڈی! چائے ادھار کر لیتے ہیں پھر کبھی سہی۔ ہم تو شبیہہ کو اسائنمنٹ کی سوفٹ کاپی دینے آئے تھے۔ صبح اسائنمنٹ جمع کروانے کی آخری تاریخ ہے اور میرا تقریباً" سارا ہی کام نامکمل پڑا ہوا ہے۔ ابھی جا کر سرچنگ شروع کروں گا تب بھی صبح ہو جائے گی۔"

"اچھا یاد کروایا مجھے بھی احسن نے اپنی اسائنمنٹ میں مدد کے لیے کہا تھا۔" سجاول نے کہا پھر تیزی سے بولا۔

"عذیر! تمہیں یاد ہے نا! تم نے مجھے برگر کھلانے کا وعدہ کیا تھا۔"

"برگر رہنے دو سجاول! ہمارے بلاک میں ایک نئی بیکری کھلی ہے وہاں کی چاکلیٹ پیسٹریز بہت زبردست ہیں۔ آج وہ ٹرائی کر لو۔"

جے ڈی نے اس کی معلومات میں اضافے کے ساتھ ساتھ مشورہ بھی دیا تھا۔ سجاول اور عذیر کو بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا فوراً" راضی ہو گئے۔

"جے ڈی! ہم بھی ان کے ساتھ نہ چلیں؟ میرا بھی پیسٹری کھانے کا دل چاہ رہا ہے۔" شبیہہ کے کہنے پر وہ چاروں ہی باہر نکل آئے۔

"ویسے یہ برگر تھا کس خوشی میں؟"

عذیر اور سجاول ہنسنے لگے تھے پھر عذیر بولا۔

"تم لوگوں کو حیا اور شوال والے قصے کا تو پتا ہی ہو گا سجاول کا خیال تھا ان دونوں کا افیئر چل رہا ہے لیکن میرا خیال تھا یہ ممکن نہیں ہے کیونکہ تین مہینے پہلے حیا نے بڑی دھوم دھام سے منیب سے منگنی کروائی ہے۔ اسی بات پر ہم دونوں کی شرط لگی ہوئی تھی۔ آج صبح ہی خبر ملی ہے کہ حیا نے منیب سے منگنی توڑ کر شوال سے رشتہ پکا کروا لیا ہے۔ بس یہ برگر اسی رشتے کا ہرجانہ ہے۔" وہ اپنے کلاس فیلوز کا قصہ سنا رہا تھا۔

جے ڈی کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

"حیا نے پھر منگنی توڑ دی۔ بے چارہ منیب تو بہت ہرٹ ہوا ہو گا وہ تو بہت مخلص تھا حیا کے ساتھ۔ منگنی کی خوشی میں اس نے اپنے دوستوں کو میریٹ میں ڈنر بھی دیا تھا۔"

"اطلاع کے لیے عرض ہے منیب نے اس بار بھی اپنے دوستوں کو ڈنر دیا ہے۔ وہ بھی میریٹ میں نہیں بلکہ پی

ی میں۔" سجاول نے مزے سے کہا تھا۔

"بے چارہ صدمے سے پاگل ہو گیا ہو گا۔" جے ڈی کو اعتبار ہی نہیں آرہا تھا۔ "حیا کے ساتھ تو کتنا خوش تھا وہ۔"

لڑکے ہنسنے لگے۔

"اوہ خوخان! کس دنیا میں رہتا ہے تو۔" سجاول نے اس کے سر پر چپت لگائی تھی۔ "منیب تو ہر اس لڑکی کے ساتھ خوش رہتا ہے جو اس جیسے گھامڑ کو ہمہ وقت گھاس ڈال رہی ہو۔ باقی بات رہی حیا بی بی کی تو اس سال میں یہ اس کی چوتھی منگنی ہے جو بالآخر اپنے انجام کو پہنچی ہاں یہ ضرور ہے کہ اس منگنی کا دورانیہ پچھلی تین منگنیوں سے بہرحال زیادہ تھا۔ دیکھتے ہیں اب اس نئی منگنی کا کیا حشر ہوتا ہے۔"

"ایسا تو مت کہو۔ کیا پتا حیا اس بار شوال کے ساتھ ہی مخلص ہو۔" جے ڈی نے حسب عادت مثبت کی امید رکھی تھی۔

"میرے خیالات بھی کچھ کچھ تمہاری طرح ہی تھے جے ڈی! لیکن حیا جیسی لڑکی سے کسی اچھائی یا نیکی کی امید غلط ہے بلکہ وہ ہی کیا ہمارے کلاس کے اکثر لڑکے لڑکیاں ٹائم پاس کے لیے یہی سب کر رہے ہیں۔ بس حیا صاحبہ کی بہادری یہ ہے کہ وہ ہر افیئر ڈنکے کی چوٹ پر چلاتی ہے۔"

"نہیں عذیر! میرا دل نہیں مان رہا یہ ساری باتیں کوئی محض ٹائم پاس کے لیے کسی کے ساتھ جینے مرنے کی قسمیں کھا سکتا ہے یہ تو سراسر دھوکہ بازی ہے۔"

وہ بے چارہ سدا کا معصوم چونکہ خود کسی کو دھوکہ دینا گناہ سمجھتا تھا لہٰذا خیال یہی تھا ساری دنیا اسی کلیے پر کاربند ہے۔

"یہ باتیں تمہیں سمجھ میں آبھی نہیں سکتیں کیونکہ تم سرٹیفائیڈ (تصدیق شدہ) احمق ہو۔" شبیہہ نے اس کا مذاق اڑایا تھا۔

بیکری سے پیسٹریز خرید کر وہ سڑک کے کنارے کھڑے ہو کر کھانے لگے۔ عذیر نے ڈپارٹمنٹ میں گردش کرتے کسی نئے افیئر کا قصہ چھیڑ دیا تب ہی سجاول نے ان سب کو متوجہ کیا تھا۔

"اس لڑکی کو دیکھنا یہ جو بیکری کے باہر کھڑی ہے۔ یہ رابعہ مدثر نہیں لگ رہی؟" اس نے پرسوچ انداز میں کہا تھا۔

"کون رابعہ مدثر؟ وہ جو سیکنڈ سمسٹر میں یونیورسٹی چھوڑ گئی تھی؟" جے ڈی نے اس لڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"ہاں۔۔۔ وہی۔"

"نہیں سجاول! یہ وہ رابعہ نہیں ہو سکتی۔ رابعہ تو اتنی لمبی تھی اس لڑکی کی ہائیٹ تو بمشکل فائیو تھری لگ رہی ہے۔" عذیر نے فٹافٹ اندازہ لگایا تھا۔

"یار! ویسے رابعہ بھی بڑی دلچسپ لڑکی تھی یاد ہے شبیہہ کے کیسے آگے پیچھے پھرا کرتی تھی۔" سجاول کو یکدم یاد آیا تھا اور ان سب کا مشترکہ قہقہہ گونجا تھا۔

"اور یہ ہمارا اینگری ینگ مین۔۔۔ مجال ہے جو کبھی بے چاری کو ذرا سی بھی لفٹ کروائی ہو۔" جے ڈی نے کہا تھا۔

"ہاں۔۔۔ ابھی لفٹ نہ کروانے پر یہ حال تھا کہ شبیہہ پر نظر پڑتے ہی ٹن ہو جاتی تھی اور اسے ٹکٹکی باندھ کر

www.pkdigest.com

دیکھنے لگتی تھی، کبھی یہ لفٹ کروا دیتا تو اس کا کیا حال ہوتا تھا۔"

ایک اور قہقہہ بلند ہوا تھا شہیہ نے البتہ صرف مسکرانے پر اکتفا کیا تھا۔

"تم لوگ کھڑے ہو کر رابعہ گویا دکروں یہ کوک بدلوا کر لاتا ہوں۔ اس بوتل میں کچھ پڑا ہوا محسوس ہو رہا ہے۔"

وہ بیکری کی طرف آگیا۔ معاً اس کے پیر کے نیچے ایک پتھر آگیا جس سے وہ لڑکھڑا سا گیا محض چند لمحوں کے لیے اس کی نظریں سامنے سے ہٹیں اور انہی چند لمحوں میں وہ لڑکی اس سے ٹکرا گئی۔

☆ ☆ ☆

دو گلیاں عبور کر کے وہ بیکری تھی جس کے بارے میں ماوی نے ثمینہ کو بتایا تھا گیٹ سے باہر نکلتے ہی اس نے واچ مین کی موجودگی کا یقین کر لیا تھا۔ گلی میں اپنے علاوہ اسے دو کافی فربہی مائل عورتیں بھی دکھائی دی تھیں جو غالباً" وزن گھٹانے کی غرض سے بہت تیز تیز چل رہی تھیں۔ ماوی کو چونکہ ایسی کسی غرض کا سامنا نہیں تھا لہٰذا وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اردگرد کا جائزہ لیتی بیکری کی طرف چل دی۔

گو کہ ان چند دنوں میں اس علاقے کا حتی المقدور جائزہ وہ لے چکی تھی اور قریبی مارکیٹیں بھی دیکھ لی تھیں تاکہ بوقت ضرورت اسے اور ثمینہ کو کسی مشکل کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ چلتے چلتے ماوی ایک بنگلے کے سامنے ٹھٹک کر رک گئی۔ یہ متمول افراد کا رہائشی علاقہ تھا اور یہاں تقریباً" سارے ہی بنگلے کوٹھیاں بڑے بڑے رقبے پر پھیلے ہوئے تھے۔ ان بنگلوں کی بیرونی زیبائش و آرائش پر جتنی محنت صرف کی ہوئی دکھائی دیتی تھی اسے دیکھ کر بنگلوں کی اندرونی حالت کا اندازہ لگانا قطعاً" مشکل نہ تھا۔

جس بنگلے کے سامنے ماوی کے قدم ٹھٹکے اس کا وسیع و عریض گیٹ اور بالکونی کی گرل اتنی خوب صورت تھی کہ ماوی سراہے بنا نہیں رہ سکی۔ پاکستان اگر اس بات کا احساس اسے بڑی شدت سے ہوا تھا کہ بیرونی ممالک دکھانے جانے والے ٹی وی چینلز پاکستان کی بڑی حد تک غلط تصویر کشی کر رہے ہیں۔ بلاشبہ پاکستان میں گرد و غبار تھا، انتشار تھا، بدنظمی تھی، غربت اور دہشت گردی تھی مگر پاکستانیوں کے پاس پیسہ وافر مقدار میں تھا جو ان کے مکانات اور طرز رہائش میں صاف دکھائی دیتا تھا۔ وہاں آئرلینڈ میں اگر کوئی بہت رئیس ہوتا تو اپنا دو تین کمروں کا ذاتی فلیٹ یا اپارٹمنٹ افورڈ کر لیتا تھا لیکن یہ عیاشی بھی ان کے حصے میں آئی جو رئیس ابن رئیس مانے جاتے تھے۔ خود ماوی بھی جب کبھی ٹی وی دیکھتی۔ پاکستانی نیوز چینلز پاکستان کی غربت اور لامتناہی مسائل کا انبار بیان کرتے دکھائی دیتے تھے۔ یہ ان نیوز چینلز کی مہربانی ہی تھی کہ دوسرے ممالک میں بسنے والے افراد کی مجموعی رائے کے مطابق پاکستانی یا پاکستان میں بھوکے مر رہے ہیں۔

ماوی نے جب اپنے تھیسز کے سلسلے میں چھان بین شروع کی تو پاکستان کی اس درجہ غربت کو بھی مدنظر رکھا تھا۔ لیکن یہاں آتے ہی جو منظر اسے دکھائی دیا وہ اس تصویر سے قطعی مختلف تھا جو نیوز چینلز دکھا رہے تھے۔ یہاں

گھر تھے جن کو دیکھ کر محلوں کا گمان ہوتا تھا بڑی بڑی گاڑیاں تھیں، عالیشان شاپنگ مالز تھے اور نیشنل اور انٹرنیشنل بینکوں کی بہتات تھی۔

"یا شاید یہ صرف اسی علاقے کا منظر ہے، ضروری نہیں کہ سارے پاکستان کا یہی حال ہو مجھے ایسے ایریاز کو بھی وزٹ کرنا چاہیے جہاں غربت صحیح معنوں میں دکھائی دیتی ہو۔" وہ یہی سب سوچتے ہوئے بیکری تک پہنچ گئی۔

"ایک کولڈ ڈرنک دے دیں۔"

اس نے دکاندار سے کہا۔ دکاندار نے ایک طرف رکھے فریج کو کھول کر جائزہ لیا پھر اسے انتظار کرنے کا کہہ کر دکان سے منسلک ایک چھوٹے سے دروازے کے پیچھے غائب ہو گیا۔ ماوی کاؤنٹر پر ہاتھ رکھے لاپروائی سے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ پوری بیکری آرائشی روشنیوں سے جگمگ کر رہی تھی۔ جبکہ تاریک آسمان تلے پوری گلی اسٹریٹ لیمپس کے علاوہ بنگلوں کے باہر نصب الیکٹرک لیمپس کی روشنی میں نہائی ہوئی تھی۔ سناٹا ضرور تھا لیکن روشنی کی بہتات تھی۔

معاً" ماوی کو کچھ عجیب سا احساس ہوا لاشعوری طور پر اس نے گردن موڑ کر داہنی طرف دیکھا پھر چونک سی گئی۔ کچھ فاصلے پر الیکٹرک پول کے نیچے کچھ لڑکے کھڑے تھے اور انہوں نے ماوی کو ہی فوکس کیا ہوا تھا ان کے پاس دو بائیک تھیں اور وہ کچھ کھا رہے تھے۔ ماوی کو اپنی طرف دیکھتا پا کر ایک نے دھیمی آواز میں کچھ کہا تھا پھر وہ سب ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنسنے لگے تھے۔ ماوی کے چہرے پر ہلکی سی ناگواری چھا گئی۔ ان سب کو نظر انداز کرتے ہوئے اس نے کاؤنٹر کو زور سے بجانا شروع کر دیا۔

اسی وقت دکاندار باہر آیا اور اس نے کولڈ ڈرنک کی بوتل ماوی کو پکڑا دی۔ اسی وقت لڑکوں کے قہقہے کی آواز اسے پھر سنائی دی تھی۔ ان کی نظریں تو اب تک ماوی کو اپنے چہرے پر چپکی محسوس ہو رہی تھیں۔ اس نے جلدی جلدی پے منٹ کر کے وہاں سے ہٹ جانا مناسب سمجھا۔ یہ نہیں کہ وہ ڈر یا گھبرا گئی تھی، بس یہ اس کی احتیاط پسندی تھی جو اسے ایسا کرنے پر مجبور کر رہی تھی۔

پھر پتا نہیں کیا ہوا مگر سچ تو یہ ہے کہ جو ہوا برا ہوا۔ وہ جلدی میں ضرور تھی مگر اتنی عجلت بھی لاحق نہیں تھی کہ سامنے سے آتا لڑکا دکھائی نہ دیتا۔ ماوی رخ موڑ کر ایک طرف سے نکلنا چاہتی تھی مگر وہ لڑکا سیدھا چلتا اس سے ٹکرا گیا۔ ماوی ایسی حرکت کی توقع نہیں کر رہی تھی اس لیے بری طرح لڑکھڑا گئی کولڈ ڈرنک کی بوتل اچھل کر دور جا گری لیکن لڑکے کے ہاتھ میں پکڑی بوتل کانچ کی تھی۔ زمین پر گر کر کرچی کرچی ہو گئی کولڈ ڈرنک گری اس لڑکے کی شرٹ پر اور کانچ کا ایک بڑا سا ٹکڑا ماوی کی ایڑھی میں پیوست ہو گیا۔

ماوی کے منہ سے ہلکی سی چیخ نما کراہ نکلی تھی اور وہ پیر پکڑ کر نیچے بیٹھ گئی۔

"ریش۔۔۔ تمہیں دکھائی نہیں دیتا اندھی ہو گیا۔" وہ لڑکا جھنجلا کر بولا تھا۔ اس کے دوست بھاگے چلے آئے

"کیا ہوا ہے شہیہ؟"

ماوی نے سر اٹھا کر غضب ناک نظروں سے اس شیہہ نامی لڑکے کو گھورا جو شرٹ جھاڑتے ہوئے بار بار اسے کھا جانے والی نظروں سے گھور رہا تھا۔ ماوی اس کی اداکاری پر اش اش کر اٹھی۔ پوری پلاننگ سے اس سے ٹکرانے کے بعد وہ اس طرح ظاہر کر رہا تھا جیسے یہ ایک حادثہ ہو جس میں ساری غلطی بھی ماوی کی تھی۔

"اندھے ہو گے تم خود اور تمہارے ساتھی۔" ماوی نے بھی کسی لحاظ کے بغیر دوبدو کہا تھا۔

"پہلے تو آنکھیں بند کر کے چلتی ہو۔ میری ساری شرٹ خراب کر دی اوپر سے اتنی بدتمیزی کر رہی ہو؟" وہ غرایا۔ ماوی کو چپ لگ گئی۔

"تو تمہارا کیا خیال ہے اتنا گہرا زخم لگ جانے کے بعد مجھے تمہیں پھولوں کے ہار پہنانے چاہئیں۔"

"تمہیں مجھ سے ایکسکیوز کرنا چاہیے۔۔۔ حالانکہ میں تمہیں معاف تو پھر بھی نہیں کروں گا لیکن بہرحال

مینوز بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ شکل سے تو اچھی خاصی مہذب لگتی ہو۔" شبیہہ نے بدلحاظی کی حد کردی تھی۔

"مائنڈ یور لینگویج پلیز۔۔۔" ماوی نے سلگ کر کہا ساتھ ہی کانچ کا ٹکڑا ایک جھٹکے سے نکال کر دور اچھال دیا اور کھڑی ہوگئی۔ ایڑھی سے خون بھل بھل بہہ رہا تھا اور تکلیف کی لہر ایڑھی سے پنڈلی تک دوڑ گئی تھی۔

"پہلی بات تو یہ کہ تم مجھے معاف کردیانہ کرو مجھے اس سے فرق نہیں پڑتا۔ فرق تو تب پڑے گا جب میں معافی مانگوں گی۔ فار یور کائنڈ انفارمیشن۔۔۔ کسی کو اگر معافی مانگنا چاہیے تو وہ تم ہو کیونکہ جان بوجھ کر مجھ سے ٹکرانے کی غیر اخلاقی حرکت تم نے کی ہے میں نے نہیں۔ اور دوسری بات یہ کہ مینوز تمہیں سیکھنا چاہئیں کیونکہ تم تو شکل سے بھی مہذب نہیں لگتے۔"

یہ پورا جملہ اس نے انگلش میں ادا کیا تھا پھر اردو سے انگلش بولتے ہوئے وہ عربی پر آگئی تھی اور اس نے عربی میں شبیہہ کو سخت سست سنانا شروع کردی تھیں۔ انتہائی خوشی یا غصے کی حالت میں وہ ان تین زبانوں کا ملغوبہ بنانا شروع کردیتی تھی اور یہ اتنی غیر ارادی حرکت ہوتی تھی کہ اسے احساس تک نہیں ہوتا تھا کہ تینوں زبانوں میں سے کسی ایک زبان سے بھی نابلد شخص اس کی بات سمجھ نہیں پا رہا۔

اب بھی یہی ہوا تھا عربی کے بے کثرت استعمال کی وجہ سے کوئی بھی اس کی بات سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ ان سب کے لیے تو یہی بات اچنبھے کا باعث بن گئی تھی کہ اس گلابیاں گھلی چمکدار رنگت والی لڑکی نے کتنے آرام سے ان کے گروپ کے سب سے چنڈ سم اور ویل مینو ڈلڑکے کو غیر مہذب قرار دے دیا ہے۔

تب ہی ان میں سے ایک لڑکے نے بڑھ کر کولڈ ڈرنک کی بوتل اٹھائی اور ان دونوں کے درمیان آگیا۔

"دیکھیے غلطی کسی کی بھی سہی۔ میں آپ سے ایکسکیوز کر رہا ہوں پلیز آپ بات نہ بڑھائیں۔" اس نے ملتجی انداز میں کہا تھا۔ ماوی نے غضبناک نظروں سے اسے گھورا۔ جھپٹ کر اس کے ہاتھ سے بوتل لی اور کھا جانے والی نظروں سے شبیہہ کو دیکھا اور اپنا زخمی پیر گھسیٹتی گلی کے کونے پر غائب ہوگئی۔

☆ ☆ ☆

اس لڑکی کے منظر سے ہٹتے ہی عذیر نے گہری سانس بھرتے ہوئے آسمان کی طرف دیکھا جیسے مصیبت ٹل جانے پر شکر ادا کر رہا ہو۔

"یار! اس لڑکی کو دیکھ کر لگا تو نہیں تھا کہ اس کی آواز اتنی کرارہی ہوگی۔" جھینپی ہوئی ہنسی کے باوجود اس کا انداز صاف مذاق اڑانے والا تھا۔ سجاول اور جے ڈی ہنس دیے۔

"چلو یہ تو کنفرم ہوا کہ یہ رابعہ مدثر نہیں تھی۔ وہ بیچاری تو اتنی سوفٹ اسپوکن تھی پھر شبیہہ کو دیکھ کر اتنے روڈ لہجے میں بات کر ہی نہیں سکتی تھی۔" سجاول کی بات پر بھی شبیہہ نے اظہار رائے نہیں کیا اس کے چہرے پر ابھی تک تناؤ دکھائی دے رہا تھا۔

وہ تینوں ہی چونکہ شبیہہ کے غصے سے واقف تھے اس لیے ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر رہ گئے پھر سجاول نے ہی ہمت کرکے اسے مخاطب کیا۔

"اس رومال سے اپنی شرٹ صاف کرلو اور اس میں اتنا غصہ کرنے کی تو کوئی بات نہیں ہے شبیہہ! جو بھی ہوا وہ مس انڈر اسٹینڈنگ کا نتیجہ تھا۔"

شبیہہ نے اس کے ہاتھ سے رومال لے لیا اور اپنی شرٹ پونچھنے لگا۔ شرٹ کے اس گیلے حصے سے اسے سخت وحشت محسوس ہو رہی تھی۔ دماغ پھٹنے کے قریب تھا اور دل و دماغ میں جیسے گرم ہواؤں کے بھڑکے چلتے محسوس

ہو رہے تھے۔ کچھ دیر اسی طرح وہ غصے کی آگ میں سلگتا رہا یہاں تک اسے سجاول اور عذیر کے جانے کی بھی خبر نہ ہو سکی۔ پھر جے ڈی نے اس کی آنکھوں کے عین سامنے کوک کا ٹن کیا تو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"پی لو۔ غصہ ختم ہو یا نہ ہو کم ضرور ہو جائے گا۔" شبیہہ چند لمحے اسے دیکھتا رہا پھر ٹن لے کر کھولنے لگا۔

"سجاول اور عذیر؟"

"کب کے جا چکے۔" جے ڈی نے مختصراً جواب دیا اور کوک پینے لگا۔

شبیہہ نے وہیں کھڑے کھڑے تین چار بڑے بڑے گھونٹ حلق میں اتارے بھڑکتی ہوئی آگ پر چھینٹے سے پڑے تو دماغ سے لے کر پاؤں کے انگوٹھے تک ٹھنڈک کا احساس پھیلتا چلا گیا تب اس نے جے ڈی کی طرف دیکھا وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر کھڑا دوسری طرف دیکھ رہا تھا۔

"اچھا ہوا تم اس لڑکی اور میرے درمیان آگئے ورنہ اس نے میرے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچ جانا تھا۔" "تنفر" بے رحم لہجہ۔

جے ڈی نے بس ایک نظر ہی اسے دیکھا تھا اور اسے لگا شبیہہ کی آنکھوں سے آگ کی لپٹیں نکل رہی ہیں۔

"پر سوں اگر میں وقت پر نہ آتا تو سعدی نے تمہارے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچ جانا تھا۔ کل اگر میں نہ آتا تو ولید نے تمہارے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچ جانا تھا۔ آج تم اس لڑکی کے بارے میں یہی بات کہہ رہے ہو۔ مجھے بتاؤ شبیہہ! تم نے کتنے انسانوں کو ان کے انجام تک پہنچانے کا ارادہ کیا ہوا ہے۔۔۔ تاکہ میں بروقت ہر بار درمیان میں پہنچ کر معصوم بے قصور انسانوں کو تمہارے غصے سے محفوظ رکھ سکوں۔"

اس قدر غصے کے باوجود جے ڈی کے آخری الفاظ پر اسے ہنسی آگئی۔ اکل کھرا، بدمزاج، مغرور۔۔۔ وہ سب کچھ تھا اپنی غلطی ماننے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا مگر یہ بھی سچ ہے کہ جے ڈی دنیا کا وہ واحد شخص تھا جس کے سامنے اپنا آپ ظاہر کرتے شبیہہ کو کبھی جھجک محسوس نہیں ہوئی تھی۔

بچپن سے دونوں کی دوستی مثالی تھی۔ مانی اماں کہتی تھیں دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں ایک آگ تو دوسرا پانی۔ شاید یہی اب تک بھگتی چلی آرہی ہے۔ مبادا دونوں آگ کی سی فطرت والے ہوتے تو اب تک ایک دوسرے کو جلا کر بھسم کر چکے ہوتے۔

"ہاں تو ٹھیک ہے۔۔۔ میں اپنی غلطی مان رہا ہوں۔ مجھے تمہارے دوست پر ہاتھ نہیں اٹھانا چاہیے تھا۔" بڑا احسان کرنے والے انداز میں فرمایا گیا۔ جے ڈی کی جان جل کر خاک ہوگئی۔

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لئے خوبصورت ناول
شائع ہوگئے ہیں
☆ تتلیاں، پھول اور خوشبو راحت جبیں قیمت: 225 روپے
☆ بھول بھلیاں تیری گلیاں فائزہ افتخار قیمت: 500 روپے
☆ محبت بیاں نہیں لبنیٰ جدون قیمت: 250 روپے
منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37۔ اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

"بہت شکریہ۔۔۔ بڑا احسان کیا آپ نے اپنی غلطی مان کر۔" غصہ کرنے کی باری اب اس کی تھی۔ اس نے خالی ٹن سڑک کے کنارے رکھے ڈسٹ بن میں اچھالا اور شبیہہ کی طرف دیکھے گھر کی طرف چل دیا۔ شبیہہ نے اس کی تقلید کی تھی۔

"اب غبارے کی طرح منہ کیوں پھلا لیا ہے؟ میں اپنی غلطی مان تو رہا ہوں پھر یہ ناراضی کس خوشی میں؟ تم کیا چاہ رہے ہو ناراض محبوبہ کی طرح تمہارے قدموں میں بیٹھ کر تمہیں مناؤں؟ یہ نہیں ہو سکتا اپنی غلطی مان رہا ہوں اسی کو میرا احسان سمجھو۔۔۔ اوبھائی! منہ میں کیا گھوڑا ل لی ہے بولتے کیوں نہیں ہو؟"

"تم کچھ نہ کرو۔ بس ایک احسان کرو وہ بھی مجھ پر نہیں خود اپنی ذات پر یہ معمولی معمولی باتوں پر بھڑکنا چھوڑ دو۔ تم پاگل تو نہیں ہو نارمل انسان ہو الحمدللہ۔۔۔ پھر نارمل انسانوں کی طرح بی ہیو کیوں نہیں کرتے۔۔۔؟ ذرا ذرا سی بات پر بھڑکنا اور مرنے مارنے پر تل جانا۔۔۔ یہ تو پاگل پن کی نشانی ہے شبیہہ۔۔۔!"

تیز لہجے میں بولتے بولتے وہ جیسے تھک سا گیا تھا کیونکہ یہ باتیں جو وہ آج وہ شبیہہ کو سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا

کوئی نئی نہیں تھیں شبیہہ ایک گھر کے باہر بنے بینچ پر بیٹھ گیا۔ جیسے دیر تک اٹھنے کا ارادہ نہ ہو۔

"گھر نہیں جانا۔۔۔ بیٹھ کیوں گئے ہو۔۔۔ چلو۔" جے ڈی نے خفگی سے کہا تھا۔

"تم جاؤ۔۔۔ میں تھوڑی دیر میں آجاؤں گا۔" اس نے نروٹھے پن سے کہا اور دوسری سمت میں دیکھنے لگا۔

"ناممکن!" جے ڈی نے سرعت سے کہا۔ "تمہیں اکیلے یہاں چھوڑ کر جانے کا تو میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ پھر کسی سے جھگڑ پڑو گے اور میرے واپس آنے تک دو تین لاشیں تو ضرور ہی بچھا دو گے۔۔۔ نہ بھئی میں تو نہیں جاتا۔"

"پہلے کون سی لاشیں بچھائی ہیں میں نے؟" شبیہہ نے سلگ کر پوچھا۔

"ارادہ تو آپ کا ہمیشہ سے رہا ہے۔" جے ڈی نے اس کے ساتھ بیٹھتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا تھا۔ شبیہہ نے اسے غضب ناک ہو کر گھورا۔

"چلو اب بیٹھ گئے ہو میرے سرہانے تو کھول دو نصیحتوں کی پٹاری تم تو کبھی کبھی مجھے اپنی اماں لگتے ہو جے ڈی۔"

"جو سچ مچ تمہاری ماں ہیں انہیں تو اماں مانتے نہیں ہو۔" جے ڈی نے بے ساختگی میں کہہ تو دیا مگر بعد میں احساس ہوا نہیں کہنا چاہیے تھا۔ یہ تو خاموش معاہدہ تھا کہ اس موضوع پر بات نہیں کی جائے گی آج نہ کل کبھی بھی نہیں۔

بدقسمتی سے جے ڈی خلاف ورزی کر بیٹھا کوئی اور ہوتا تو اس جسارت پر جبڑا توڑ ضرور ہی تڑوا لیتا۔

"پلیز۔۔۔ میں اس ایشو پر بات نہیں کرنا چاہتا۔" شبیہہ نے کہا تو بس اتنا۔

"اچھا اپنے غصے پر کنٹرول تو کر سکتے ہو۔" جے ڈی نے سلسلہ وہیں سے جوڑا جہاں سے نادانستہ ٹوٹ گیا تھا۔

"یار! نہیں ہو تا کنٹرول۔۔۔ تمہیں کیا لگتا ہے میں نے کبھی کوشش نہیں کی۔" اس نے اکتا کر پوچھا تھا۔

"لیکن یہ بھی تو دیکھو مجھے کبھی ناحق بات پر غصہ نہیں آتا۔ اسی بات پر آتا ہے جس پر آنا بھی چاہیے۔" وہ بضد تھا۔

"سعدی کو تم نے بلاوجہ مارا۔۔۔ یہ تو مانتے ہو؟" جے ڈی نے پوچھا۔

"مجھے اسے مارنا نہیں چاہیے تھا۔ یہ میں مانتا ہوں لیکن سعدی کی حرکت بھی غلط تھی۔ باہر سے کسی کو معمولی

سا بھی شک پڑتا تو ہم دونوں کا نام خراب ہوتا یعنی ہمارے خاندان کے نام یہ حرف آتا تھا اور یہ بات مجھے کسی طرح منظور نہیں بس اسی لیے ایک دم میں بھڑک گیا۔ حالانکہ سعدی کو سمجھایا بھی جا سکتا تھا مگر۔۔۔ بس پتا نہیں کیسے میرا ہاتھ اٹھ گیا۔"

"یعنی مانتے ہو کہ سعدی کو نہیں مارنا چاہیے تھا؟" جے ڈی نے پھر پوچھا۔

"ہاں۔"

"تو پھر تم یہ بھی مان لو کہ کل تم نے ولید پر بے سبب اتنا غصہ کیا کیونکہ اس کی غلطی نہیں تھی۔"

"ہاں میں یہ بات مان لوں پھر تم کہو گے ابھی جو کچھ ہوا اس میں اس لڑکی کی بھی غلطی نہیں تھی۔۔۔ اور مجھے یہ بھی تسلیم کر لینا چاہیے۔" شبیہہ نے جل کر کہا تھا جے ڈی نے متانت سے سر ہلا دیا۔

"ایگزیکٹلی اس لڑکی کی غلطی نہیں تھی۔ میں نے دور سے دیکھا تھا وہ تو اپنے راستے پر ہی چل رہی تھی لیکن تمہارا دھیان کہیں اور تھا اس لیے تم اس سے ٹکرا گئے۔"

"اونہہ۔۔۔ تمہیں ہمیشہ میں ہی غلط لگتا ہوں۔۔۔ کبھی کبھی مجھے لگتا ہے جے ڈی! میرے سوا تم ساری دنیا کے دوست ہو۔" وہ پھر خفا ہو گیا۔ جے ڈی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر خلوص دل سے کہا۔

"میں ساری دنیا کا دوست ہو سکتا ہوں مگر تمہارا سب سے بڑا مخلص بھی میں ہی ہوں۔۔۔ اور اسی لیے چاہتا ہوں تم اس غصے پر قابو پا لو یہ جو غصے کی آگ بار بار تمہارے اندر بھڑکتی رہتی ہے یہ کسی دن خدانخواستہ تمہیں ہی جلا دے گی۔ شیطان آگ سے بنا ہے اور غصہ شیطان کی طرف سے آتا ہے اور شیطان انسان کو کہیں کا نہیں چھوڑتا۔"

"ویسے میں ایک بات کلیئر کر دوں اس روز سعدی نیلی اسکرٹ سے انیما کو نہیں دیکھ رہا تھا ان لوگوں کے گھر کوئی مہمان لڑکی آئی ہوئی ہے سعدی نے نیلی اسکرٹ اسی لڑکی کو دیکھنے کے لیے سیٹ کی تھی۔" جے ڈی کے انکشاف پر شبیہہ کو حیرت و بے یقینی کا جھٹکا لگا تھا یہ جھٹکا اتنا شدید تھا کہ وہ فوری طور پر اپنے تاثرات چھپا بھی نہیں سکا۔

"تو میں کیا کروں۔۔۔؟ مجھے کیوں بتا رہے ہو۔" چند لمحے بعد اس نے اپنے تاثرات چھپا کر لاتعلق نظر آنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا تھا۔

"تاکہ تم اپنی غلطی مان کر تھوڑا سا شرمندہ ہو لو اور اگلی بار اس غلطی کو نہ دہراؤ۔۔۔ اور یہ جو ایک جھگڑے کی جھنجھلاہٹ میں بار بار جھگڑے کرتے پھر رہے ہو اس سے باز آجاؤ۔"

"جے ڈی! میرا دماغ کھانا بند کرو۔ انیما میری کیا لگتی ہے جو میں اس کی خاطر سعدی کی پٹائی کرتا پھروں۔" حسب عادت اس نے بھڑک کر کہا تھا۔

"ہاں۔۔۔ اتنے ہی تو تم اچھے ہو کہ کسی بھی غیر لڑکی کو گھورنے پر کسی راہ چلتے لڑکے کی پٹائی کر دیتے ہو۔۔۔ اونہہ۔۔۔ ویسے میں تمہیں جانتا نہیں۔۔۔ شبیہہ العباس صاحب! یہ دھوکہ کسی اور کو دیجیے گا۔۔۔ آپ کے دل و دماغ میں کیا کھچڑی پک رہی ہے میں اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"اصل معاملہ کچھ یوں ہے کہ۔۔۔" اس کو خاموش پا کر جے ڈی نے دیوار سے ٹیک لگائی اور پرسوچ انداز میں بولنے لگا۔

"غصے میں آکر تم نے سعدی کی پٹائی تو کر دی لیکن بعد میں احساس ہوا کہ دراصل تمہیں سعدی کا انیما کو واچ

www.pkdigest.com

کرنا پڑا لگا ہے تو تمہیں خود پر غصہ آنے لگا۔ یہ غصہ بڑھا تو جھنجلاہٹ میں بدل گیا اسی جھنجلاہٹ کے زیر اثر تم نے کل ولید اور انیہار پر غصہ کیا شاید ایسا کر کے تم خود کو باور کروا رہے تھے کہ تمہیں سچ مچ انیہا کی پروا نہیں ہے۔ مجھے لگتا ہے ابھی بھی تم یہی سوچ رہے تھے تبھی اس لڑکی سے ٹکرا گئے پھر اس پر بھڑکنے لگے۔ حالانکہ تم خود جانتے ہو اس بے چاری کی غلطی نہیں تھی۔۔۔ یار! تم غصہ ور تو بیشک ہو لیکن ان مینرڈ تو کبھی نہیں تھے۔"

اس نے اتنا اچھا تجزیہ پیش کیا تھا کہ شبیہہ چند لمحوں کے لیے کچھ بول ہی نہیں سکا لیکن چونکہ اس کا اپنا الگ ہی مزاج تھا اس لیے فی الفور جے ڈی سے متاثر ہونے کا ارادہ ترک کر کے جھنجلاتے ہوئے بولا۔

"تم نے بکواس فرمانی ہو تو کیا ہم گھر جا سکتے ہیں؟"

"تمہارا چہرہ دیکھ کر صاف پتا چل رہا ہے میری کوئی بات تمہاری عقل میں نہیں سمائی اس کا مطلب میں نے جو بھی کہا وہ واقعی بکواس تھی۔" جے ڈی نے تاسف سے سر ہلایا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"چلو میرے بھائی! پھر گھر ہی چلتے ہیں۔"

شبیہہ اس کو کھا جانے والی نظروں سے گھورتا ہوا کھڑا ہوا۔ گھر تک کا راستہ ان دونوں نے خاموشی سے طے کیا تھا۔

"میں کل حویلی جا رہا ہوں۔" بلڈنگ کا کمپاؤنڈ عبور کرتے ہوئے شبیہہ نے نروٹھے پن سے آگاہ کیا۔

"اچھی بات۔۔۔" جے ڈی نے بس اتنا کہا۔

"چلتے ہو؟"

"نہیں۔۔۔ کل تو ممکن نہیں۔۔۔ مجھے یہاں کچھ کام ہے البتہ ویک اینڈ پر ضرور آؤں گا۔"

پہلی سیڑھی پر قدم رکھتے ہوئے شبیہہ نے کن انکھیوں سے اسے دیکھا ایک ہوشیار ضدی بچے کی طرح اسے بھی اپنی شخصیت کے کسی منفی پہلو کو مکمل طور پر تسلیم کرنے میں دقت محسوس ہو رہی تھی پھر وہ جھنجلا گیا اور خفگی سے بول اٹھا۔

"اچھا ٹھیک ہے میں مانتا ہوں مجھے غصہ زیادہ آتا ہے۔" اس نے بالآخر تسلیم کر ہی لیا۔

"زیادہ؟" جے ڈی نے فوراً تصحیح کروانا ضروری سمجھا۔ "تمہیں بہت زیادہ غصہ آتا ہے شبیہہ!" "سارا زور "بہت" پہ تھا۔

"اچھا اچھا! میں مان رہا ہوں مجھے زیادہ غصہ بلکہ بہت زیادہ غصہ آتا ہے۔" حسب عادت وہ فوراً بھڑک اٹھا۔

"اتنی بک بک کی تم نے۔۔۔ لیکن کیا فائدہ؟۔۔۔ غصے پر قابو پانے کا کوئی طریقہ بتایا ہوتا تو بات بھی تھی۔" اس نے ناراضی سے سر جھٹکا تھا۔

"غصے پر قابو پانے کا طریقہ۔۔۔" کی ہول میں چابی لگاتے ہوئے وہ سوچ میں پڑ گیا پھر بولا۔

"یار! مجھے ٹھیک سے تو نہیں یاد لیکن بہت پہلے میں نے کہیں پڑھا تھا غصے کی حالت میں پانی پینا چاہیے اور وضو کرنا چاہیے۔ غصہ چونکہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے اس لیے پانی شیطانی آگ کو بجھا کر غصہ ٹھنڈا کر دیتا ہے۔ تم یہ طریقہ ضرور ٹرائی کرو۔

دوسری بات۔۔۔ اپنا دماغ ٹھنڈا رکھا کرو۔

تیسری بات۔۔۔ انسانوں کی اچھائیوں پر نظر رکھو ان کی شخصیت کی برائیاں تلاش نہ کرو۔۔۔"

"تم نے تو پوری لسٹ ہی تھما دی۔" شبیہہ پہلی بار مسکرایا تھا۔

"ویسے شبیہہ! مجھے غصہ بھگانے کا ایک اور طریقہ بھی پتا ہے۔ ارسل بتایا کرتا تھا۔"

"انتظار کس بات کا؟ ارسل والا طریقہ بھی بتا دو۔"

"ذرا اپنا والٹ دینا۔"

شبیہہ نے بلا تامل والٹ جیب سے نکال کر اسے تھما دیا جے ڈی تیزی سے اپنے کمرے میں چلا گیا۔ چند منٹ بعد واپس آیا تو شبیہہ صوفے پر نیم دراز اس کا منتظر تھا۔

"یہ لو اپنا والٹ۔" شبیہہ نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تو بولا۔

"ایک دفعہ ارسل بتا رہا تھا جب بھی اسے غصہ آتا ہے وہ اپنی منگیتر کی تصویر دیکھ لیتا ہے تو اس کا غصہ غائب ہو جاتا ہے۔ میں نے تمہارے والٹ میں تمہاری منگیتر کی تصویر لگا دی ہے۔ تمہیں بھی جب غصہ آئے والٹ نکال کر تصویر دیکھ لینا امید ہے۔۔۔" ابھی اس کی بات پوری بھی نہ ہوئی تھی کہ شبیہہ نے غضب ناک نظروں سے اسے گھورتے ہوئے والٹ جھپٹا اور پیر پٹختا اپنے کمرے کی طرف پلٹ گیا۔

"شبیہہ! میں مذاق نہیں کر رہا۔۔۔ تم ٹرائی تو کرو۔" جے ڈی نے کھنکتی آواز میں کہا تھا۔ "اچھا یہ تو بتا دو صبح جاگنگ کے لیے بھی بھگاؤں یا نہیں۔۔۔ آج کل تو ثروت آنٹی بھی پارک میں نہیں آ رہیں۔"

شبیہہ نے زوردار آواز کے ساتھ دروازہ بند کر لیا۔ جے ڈی بے چارہ اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔

"لو جی۔۔۔ اتنا اچھا مشورہ دینے پر بھی ایسی ناراضی کوئی خراب مشورہ دیتا تو اس نے کیا کرنا تھا۔"

☼ ☼ ☼

مسز دانیال کا چہرہ ثمینہ کے ذہن سے چپک کے رہ گیا تھا۔

مادی کے جانے کے بعد وہ کچھ دیر اس کے لیے فکر مند ہوتی رہیں پھر خیالات کا دریا خود بخود مسز دانیال کی طرف بہنے لگا۔

"مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ میں اس کو پہلے کہیں دیکھ چکی ہوں۔" وہ سوچتی رہیں، الجھتی رہیں۔ لاشعور میں دبا ہوا ایک چہرہ گزرے وقت کی دھند کے پیچھے۔۔۔ نہ چھپتا تھا نہ واضح ہوتا تھا۔۔۔ فقط الجھتا تھا۔۔۔ تجسس میں ڈالتا تھا۔

شاید کوئی بچپن کی سہیلی۔۔۔ یا سہیلی کی سہیلی؟

اسکول کی کوئی لڑکی یا پرانے محلے کی کوئی پڑوسن؟

غیر ارادی طور پر وہ ایک ایک کر کے سبھی کو سوچتی چلی گئیں پر وہ چہرہ جو ان کی یادداشت میں باقی رہ گیا تھا ثمینہ نے مسز دانیال کے نقوش میں ان چیزوں کو تلاش کرنا چاہا لیکن۔۔۔

تب ہی دروازہ ایک جھٹکے سے کھول کر مادی اندر داخل ہوئی اس کی چال میں لنگڑاہٹ تھی اور پیر سے خون بہتا دیکھ کر وہ دھک سے رہ گئی تھیں۔

"یہ۔۔۔ یہ کیا ہوا ہے مادی؟" وہ بے ساختہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کی طرف لپکیں۔

مادی صوفے پر بیٹھ گئی۔ وہ سخت جھنجلائی ہوئی تھی۔

"کچھ نہیں ممی۔۔۔ بس تھوڑی سی چوٹ لگ گئی۔" اس نے پیر کو گھٹنے پر رکھا اور زخم کا جائزہ لینے لگی۔ ایڑھی کے قریب تقریباً آدھ انچ کا کٹ لگا ہوا تھا گو کہ زخم اتنا گہرا نہیں تھا مگر خون تیزی سے بہہ رہا تھا۔

"ممی! پلیز آپ مجھے تھوڑی سی کاٹن یا ٹشو پیپر لا دیں گی۔" ثمینہ جلدی سے ٹشو پیپر کا ڈبہ اٹھا لائیں۔ مادی نے

www.pkdigest.com

کئی ٹشوز زخم پر رکھ دیے۔
"زخم تو بہت گہرا ہے مامی! خون بھی کتنا بہہ رہا ہے میں ڈاکٹر۔۔۔"
"پریشان مت ہوں ممی! زخم اتنا گہرا نہیں ہے۔ ایڑھی پر لگے زخم سے تو خون زیادہ ہی نکلتا ہے۔ ڈاکٹر کی ضرورت نہیں ہے میں خود ہی مینیج کرلوں گی۔"
"مصدمت کرو مامی! خون رکے گا تو مینیج کرو گی اور خون خود بخود تو رکنے سے رہا۔" ثمینہ نے فکرمندی سے ٹوکا۔
"پانی ڈال کر دیکھتی ہوں۔" وہ اٹھ کر واش روم کی طرف بڑھی۔
"واش روم کے کیبنٹ میں ایک اینٹی سیپٹک لیکوئیڈ بھی دیکھا تھا میں نے۔ ابھی سب ہو جائے گا آپ فکرمند نہ ہوں۔" صرف ثمینہ کے خیال سے وہ خود کو لاپروا ظاہر کر رہی تھی جبکہ سچ تو یہ تھا کہ تکلیف سے جان نکل رہی تھی۔
"لیکن یہ چوٹ لگی کیسے؟"
"باہر کچھ کانچ کے ٹکڑے پڑے ہوئے تھے۔ میری نظر ہی نہیں پڑی بس لاپروائی میں ایک ٹکڑا پاؤں میں چبھ گیا۔"
اس نے مہارت سے جھوٹ بول دیا کیونکہ سچ اسے خاصا مہنگا پڑتا۔ ثمینہ کو تو پہلے ہی پاکستان کے حالات سے شکوہ تھا مامی کے جھگڑے کا سن کر انہوں نے اور بوکھلا جانا تھا۔
"ممی سے تو میں نے جھوٹ بول دیا لیکن وہ لڑکا دوبارہ میرے ہاتھ تو لگے۔ سر نہ پھاڑ دیا تو میرا نام مامی نہیں۔"
واش بیسن کا نل کھولتے ہوئے وہ دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

ولید گہری نیند سو رہا تھا۔
پھر کسی غیر مرئی طاقت کے زیر اثر اس کی نیند ٹوٹ گئی کسی خدشے کے پیش نظر اس نے سرہانے کے قریب رکھا سیل فون اٹھا کر وقت دیکھا اور جھٹکے سے اٹھ بیٹھا۔ وہ مقررہ وقت سے ساڑھے تین گھنٹے لیٹ ہو چکا تھا۔ اس کا دل چاہا اپنا سر پیٹ لے لیکن اپنا سر پیٹنے سے کیا فائدہ! بہتر ہے اس کا سر پیٹا جائے جس نے بارہ بجے سے پہلے جگانے کی ذمہ داری لی تھی۔
"انو کی بچی کی تو اب خیر نہیں۔"
وہ تن فن کرتا کمرے سے نکلا۔ انیسا کا کمرہ کون سا سات کوس پر تھا بالکل ساتھ ہی تو تھا۔ نائٹ بلب کی روشنی میں ڈوبی ہوئی لالی کے فرش پر انیسا کے دروازے کے نیچے سے نکلتی دودھیا روشنی کی لکیر سا کاٹ پڑی تھی۔
ولید نے دستک دینے کے لیے ہاتھ اٹھایا پھر ہینڈل گھما کر کمرے میں داخل ہو گیا اور یہ دیکھ کر اس کے تن بدن میں اور بھی آگ لگ گئی کہ وہ کمبل اوڑھے خواب خرگوش کا مزہ لے رہی تھی۔
ولید نے آگے بڑھ کر اس کی پونی ٹیل کھینچی کہ بے چاری ہلکی سی چیخ مار کر اٹھ بیٹھی۔
"کیا ہو گیا ولید؟" ایک تو سر میں بری طرح درد ہو اوپر سے کچی نیند میں اس بری طرح جگانے پر دل خوفناک انداز میں دھڑک رہا تھا۔
"قیامت آگئی ہے۔" وہ لڑکا عورتوں کی طرح کمر پر ہاتھ رکھ کر بولا انیسا کے حواس پوری طرح بیدار نہ ہوئے



www.pkdigest.com

تھے سوہری طرح گھبرا گئی۔
"کیا کہہ رہے ہو ولید!" ساتھ ہی ادھر اُدھر دیکھ کر اس کی بات کی تصدیق چاہی۔
"میرا دل چاہ رہا ہے تمہارا سر پھاڑ دوں کیا کہا تھا تم نے؟ ۔۔۔ تم سو جاؤ ولید! میں تو ساری رات جاگ کر پڑھ رہی ہوتی ہوں۔ تمہیں اور ولی کو بارہ بجنے سے پہلے جگا دوں گی پھر ہم ممی ڈیڈی کو اپنی ورسری وش کریں گے۔" اس نے انیبا کی نقل اتارتے ہوئے کہا تھا۔
"ذرا کلاک پر نظر ڈالیے محترمہ! آپ کی اس نیند کے چکر میں ہمارا سارا پلان چوپٹ ہو چکا ہے۔ صبح کے ساڑھے تین بج چکے ہیں۔" وہ دانت کچکچا رہا تھا۔
اس نے وال کلاک کی طرف دیکھا پھر تاسف و شرمندگی سے سر پر ہاتھ رکھا۔
"آئی ایم سوری ولید! میں نے تو صرف چند منٹ کے لیے آنکھیں بند کی تھیں کیا پتا تھا اتنا وقت گزر جائے گا۔ میں تو اسی لیے بیڈ کے بجائے صوفے پر بیٹھی تھی اور لائٹ بھی آف نہیں کی تھی کہ بارہ بجے سے پہلے اٹھنا ہے۔"
"میرا سارا پلان بگاڑ دیا تم نے۔" وہ سخت خفا ہو رہا تھا۔
"نیا دن تو شروع ہو چکا ہے لیکن ابھی رات ہے۔ چلو ہم لوگ ابھی ممی ڈیڈی کو وش کر دیتے ہیں۔" انیبا کو یکدم خیال آیا تھا۔
"نہیں ۔۔۔ جب نیا دن شروع ہونے پر وش نہیں کیا تو اب ان کی نیند خراب کرنے کا کیا فائدہ؟"
"پھر فجر کے لیے دونوں اٹھیں گے۔ اس ٹائم وش کر دیں؟" انیبا نے پوچھا لیکن اس کے اس آئیڈیے کو بھی ولید نے فوراً رد کر دیا۔
"میں اب جاگ گیا ہوں فجر کے وقت مجھ سے اب نہیں اٹھا جائے گا۔ جہاں اتنی دیر ہوئی وہاں کچھ اور سہی۔ اب تو ہو ہو گا بریک فاسٹ کے ٹائم پر ہو گا۔" پھر اس نے اسے گھورا۔
"اور میری توبہ ۔۔۔ جو تم کو دوبارہ کوئی ذمہ داری سونپوں۔ انسان خود مشکل برداشت کرے مگر تم سے توقع نہ لگائے۔"
"ارے بابا! سوری بول تو رہی ہوں۔"
"میں کیا کروں تمہارے سوری کو اوڑھنا سارا پروگرام بگاڑ دیا۔" اس کا غصہ کم ہونے میں نہ آ رہا تھا انیبا بھی بگڑ گئی۔
"تو تم بھی تو میرے بال اتنی زور سے کھینچ کر بدلہ لے چکے ہو۔ اب تک سر دکھ رہا ہے میرا۔"
"غلطی ہوئی بال کھینچنے کے بجائے گردن دبا دینا چاہیے تھی۔"
"نکلو میرے کمرے سے ۔۔۔ میں کوئی جان بوجھ کر تھوڑا سوئی تھی آنکھ لگنا تھی سو لگ گئی۔ تم کیا میرا دماغ چاٹ رہے ہو۔ تم میں ایسا احساس ذمہ داری تھا تو الارم لگا کر سو جاتے۔"
"اونہہ ۔۔۔ غضب کیا تیرے وعدے پہ اعتبار کیا۔" وہ پیر پٹختا چلا گیا۔ انیبا دروازے کو گھورتی رہی پھر سر تک کمبل تان کر سو گئی۔
اسی صبح دونوں اس جھگڑے کو بھول بھال کر شیر و شکر ہوئے بیٹھے تھے۔ پلان کے مطابق ان تینوں نے باقاعدہ گا کر ممی ڈیڈی کو وش کر کے صرف چونکایا نہیں تھا بلکہ وہ دونوں جیسے ہکا بکا رہ گئے تھے۔ ان کے بچے ان کے لیے خوش تھے۔ وہ کار رہے تھے انہوں نے ہنگامہ مچا رکھا تھا۔ انہوں نے پھولوں کے ساتھ کیک کا بھی انتظام کر رکھا تھا اور وہ مصر تھے کہ ممی ڈیڈی مل کر اپنی اینورسری کی خوشی میں کیک کاٹیں۔

ثروت اور دانیال نے بے ساختہ ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ پھر دانیال حسن نے نظریں چرا لیں۔
اٹھارہ سال گزر چکے ۔۔۔ اٹھارہ سال کم نہیں ہوتے کسی کو سمجھنے، کسی پر اعتبار کرنے کے لیے ۔۔۔ پھر بھی پھر بھی وہ دونوں ایک دوسرے سے کتنا دور تھے ۔۔۔ کتنا فاصلہ تھا ان دونوں کے درمیان۔
دانیال حسن کو یاد آیا۔ انہیں ثروت سے کتنی محبت تھی محبت ہے۔ دل کی خوشی چہرے پر جھلکنے لگی۔ لب اپنے آپ مسکرا دیے تو انہوں نے ولی کے ہاتھ سے چھری لے کر ثروت کو مخاطب کیا۔
"کیا ہوا جو آج سے پہلے ہم نے اپنی کوئی ویڈنگ اینی ورسری نہیں منائی۔ اب بچے اتنا اصرار کر رہے ہیں تو کیک کاٹنے میں کوئی برائی بھی نہیں۔"
ثروت کی شکل الگ دیکھنے والی ہو گئی۔ ذہن پر بڑا زور ڈالنے کے بعد بھی یاد نہیں آیا آخری بار "سرتاج" کو مسکراتے کب دیکھا تھا بہرحال خوش تھیں ۔۔۔ کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے۔ انہیں تو اول روز سے مصالحت کا دامن تھامے رہنے کی عادت پڑی ہوئی تھی۔ اس بار خوشی خوشی بڑھ کر ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔ دونوں نے مل کر کیک کاٹا۔ بچوں نے تالیاں بجائیں خوب شور مچایا۔
"تھینک یو سو مچ بچو! تم لوگوں نے صبح صبح بڑا زبردست سرپرائز دیا۔" دانیال حسن کا موڈ کچھ زیادہ ہی خوشگوار ہو چکا تھا۔
"یہ سارا پلان ولید کا تھا ڈیڈی!" انیبا نے چہکتے ہوئے کہا۔
"یعنی ہمیں ولید کا شکریہ ادا کرنا چاہیے؟" ثروت مسکرا کر بولیں۔
"میں نے تو آپ لوگوں کو رات بارہ بجے وش کرنے کا سوچا تھا لیکن برا ہو ان محترمہ کی نیند کا جس نے سارا پلان بگاڑ دیا۔"
"ڈیڈی! ان دونوں نے مجھے اس بارے میں کچھ بھی نہیں بتایا ابھی جب میں اسکول کے لیے تیار ہو رہا تھا تب بتایا کہ آپ دونوں کو وش کرنا ہے۔ یہ دونوں مجھے اپنے کسی پلان میں شامل نہیں کرتے۔" ولی کا الگ ہی شکوہ تھا۔
"میں چھوٹا ہوں نا! مجھے چھوٹا ہونے کی سزا ملتی ہے۔"
"کیوں مونے! پکنک کے بارے میں پہلے نہیں بتایا میں نے؟"
"پکنک رہنے دو ولید! آج رات کا ڈنر میری طرف سے ہو گا ۔۔۔ وہ بھی تم لوگوں کی پسند کے ریسٹورنٹ میں۔"
دانیال حسن کی بات پر تینوں نے پھر شور مچا دیا۔ ثروت نے خوشگوار حیرت سے دانیال حسن کو دیکھا آج تو بار بار وہ حیران کیے دے رہے تھے۔ اگلی بات پر تو وہ پچاری مارے تعجب کے بیہوش ہوتے بچیں۔
"ثروت! میں ٹاؤن شپ کی طرف ہی جا رہا ہوں۔ آپ کو اپنی کسی سہیلی سے ملنے جانا ہے تو میں ڈراپ کر دیتا ہوں۔"
"مجھے خدیجہ کی طرف اس کی ساس کی تعزیت کے لیے جانا ہے لیکن آپ کا راستہ تو مختلف ہے۔" وہ بولیں۔
"کوئی بات نہیں۔ آپ کے لیے تھوڑا سا آؤٹ آف وے ہو جائیں گے۔" بظاہر لاپروائی سے کہتے ہوئے انہوں نے پھر اخبار اٹھا لیا۔ ثروت تو اس بار اپنی حیرانی بھی نہیں چھپا سکیں البتہ انیبا اور ولید نے اپنی بے ساختہ امڈتی مسکراہٹوں کو چھپانے کے لیے سر جھکا لیے تھے اور اس سے بھی پہلے ولید انیبا کو کہنی کا اشارہ کرنا نہیں بھولا تھا۔ وہ دونوں اپنے ماں باپ کے درمیان محسوس ہوتی اس سرد جنگ کو ختم کرنے میں کامیاب رہے تھے جو واضح نہ ہونے کے باوجود بہرحال اپنا وجود رکھتی تھی۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں۔)

www.pkdigest.com



آسیہ ریاض

سلگتی شام

وین محمد مٹی سے محبت کرنے والا جفاکش مرد ہے۔ دھرتی کو اپنے خونِ جگر سے سونا اگلنے کے قابل بنانا اس کا پیشہ ہے۔ اس کی پوری زندگی محنت سے عبارت ہے "جو وہ اپنے چھ مربع زمین پر صرف کرتا ہے۔ شادی کو آٹھ سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ اپنے چھوٹے سے گھر میں وہ بیوی زہرہ اور ماں کے ساتھ رہتا ہے۔ زہرہ چھ مردہ بچوں کو جنم دے کر ایک مرتبہ پھر امید ہیں اور اس کے یہاں ایک خوب صورت بچی جنم لیتی ہے۔ اسے وہ اپنی "جنت" کے نام سے مخاطب کرتا ہے۔

جلال الدین کے روز و شب نوکری کی چکی میں پستے گزر رہا ہے۔ اس نوکری کے دوران اسے آرام کرنے کا موقع بھی کم ملتا ہے۔ بستر مستقبل کا خواب اسے متحرک رکھتا ہے۔ تنہائی میں کسی کی محبت کا جگنو اس کی دنیا تابدار رکھتا ہے۔ ہر دم "اس" کی یادیں اسے بے چین رکھتی ہیں۔ دن بھر کا تھکا ہارا وہ آرام کرنے لیٹتا ہے تو پولیس اسٹیشن سے اطلاع ملتی ہے کہ جنت بی بی حراست میں ہے "جس کا دعوا ہے کہ اس نے اپنے شوہر کا قتل کیا ہے۔ جلال الدین اپنے وکیل دوست مسعود کے ساتھ بھاگم بھاگ پولیس اسٹیشن پہنچتا ہے اور حیرت سے دیکھتا ہے کہ جنت بی بی فرینہ کی عمر کی ہے۔ جس کی شادی ابھی ہوئی تک نہیں۔ جنت کی حالت جلال الدین کو اعصابی تھکن کا شکار کرنے لگتی ہے۔ جسے اس نے فوکروں کے سہارے علیحدہ گھر میں رکھ چھوڑا ہے۔

ثمینہ 14 سال بعد اپنی بیٹی مادی کے ساتھ آسٹریلیا سے پاکستان آتی ہیں تو انہیں توقیر صاحب کے جائے گئے بنگلے کو تلاشنے میں بہت وقت لگتا ہے۔ وہ فیض کے دوست توقیر صاحب کے توسط سے دانیال کی انیکسی میں ٹھہرتی ہیں۔ ثروت دانیال ملنسار اور مجتبیٰ خاتون ہیں۔ دلی، ولید اور انیبا ان کے بچے ہیں۔ مادی کی پہلی ملاقات میں انیبا سے دوستی ہو جاتی ہے۔



www.pkdigest.com

شبیہہ العباس طبعتاً" سخت گیر اور غصہ ور نوجوان ہے' جسے صنف نازک کا غیر ضروری ہنسنا بھی ناگوار گزرتا ہے۔ وہ پھپھی زاد حنوی سے منسوب ہے۔ حنوی اس کی تند خو طبیعت سے نالاں ہے۔ شبیہہ' حنوی کو کالج چھوڑنے آتا ہے تو سہیلیاں عبیرہ اور نمرہ حنوی کے سر ہو جاتی ہیں۔ یہ جان کر کہ شبیہہ حنوی کا منگیتر ہے' وہ اس کی قسمت پر رشک کرتی ہیں۔ حنوی دونوں سے گزارش کرتی ہے کہ عروش کو اس بات کا علم نہ ہو۔

شبیہہ' بیگم ثروت دانیال کی اولاد ہے جسے انہیں دانیال حسن سے شادی سے پہلے چھوڑنا پڑا۔ بچپن کی محرومی نے اسے بدمزاج اور غصیلا بنا دیا ہے وہ انیبا اور ولید سے بہت ترشی سے پیش آتا ہے۔ وہ ان سے بحیثیت بمن بھائی قلبی تعلق محسوس نہیں کرتا۔ انیبا اس کی محرومی دل سے محسوس کرتی ہے۔ انیبا پر بری نظر ڈالنے پر وہ بے ذی کے دوست سعدی کو پیٹ ڈالتا ہے۔ صرف بے ذی اس کی کیفیات سمجھتا ہے' جو بچپن کا دوست اور کزن ہے۔

بیمار پڑنے پر بیگم دانیال' ثمینہ کی اچھی طرح دیکھ بھال کرتی ہیں تو ثمینہ ان کے اخلاق سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتیں۔ انہیں بیگم دانیال کو دیکھ کر لگتا ہے کہ وہ پہلے بھی ان سے مل چکی ہیں۔

بچوں کی لڑائی میں جنت کو چوٹ لگتی ہے تو دین محمد اپنی بہن زبیدہ کے بیٹے فاروق کا حلیہ بگاڑ دیتا ہے۔ ساتھ ہی زبیدہ بہن اور رفیق بھائی سے قطع تعلق کر لیتا ہے۔ زہرہ اس کی جنت سے طوفانی محبت سے خوف زدہ ہے۔ دین محمد' زہرہ کو باور کرواتا ہے کہ وہ جنت کو بیاہ کر دوسرے گھر نہیں بھیجے گا بلکہ اس کے شوہر کو گھر داماد بنائے گا۔

اتفاقاً" مادی کا ٹکراؤ شبیہہ سے ہوتا ہے۔ جس سے مادی کا پیر زخمی ہو جاتا ہے۔ اپنی غلطی کے باوجود جھنجلاہٹ میں شبیہہ مادی کو بُری طرح سے ڈانٹتا ہے تو مادی اس کی طبیعت صاف کر دیتی ہے۔ ثمینہ سے وہ اس واقعے کا ذکر نہیں کرتی

۵

پانچویں قسط

(اب آگے پڑھیے)

گراؤنڈ کے ایک طرف ہار سنگھار کے درخت کی چھاؤں میں وہ تینوں اہم ثمامہ کو گھیرے بیٹھی تھیں۔ بارہ سے ایک کے درمیانی وقت میں چونکہ کلاسز ہو رہی ہوتی تھیں اس لیے گراؤنڈ اور روش پر اگا دکا لڑکیاں ہی دکھائی دے رہی تھیں۔

اہم ثمامہ نے نوٹ بک کھول کر گود میں رکھی ہوئی تھی اور حنوی کی بائیں ہتھیلی پر نظریں گاڑے بیٹھی تھی' ہر چند منٹ کے بعد وہ حنوی سے کوئی سوال پوچھ کر نوٹ بک میں لکھ لیتی تھی' ساتھ ہی اس کی ہتھیلی پر مختلف اینگل سے چھوٹی سی لکیر لگا دیتی تھی۔ پامسٹری میں چونکہ ان تینوں کی معلومات بالکل صفر تھیں' اس لیے بالکل خاموشی سے وہ ثمامہ کو اس کا کام کرتے دیکھ رہی تھیں۔

"حنوی! تمہاری ڈیٹ آف برتھ کیا ہے؟"

اس وقت تک حنوی اکتا چکی تھی۔ نہ صرف وہ بلکہ نمرہ اور عبیرہ بھی بور ہو گئی تھیں۔

"لاحول ولا' کس قدر واہیات سوال ہے ثمامہ! تمہیں کسی نے بتایا نہیں لڑکیوں خصوصاً" خوب صورت لڑکیوں سے ان کی تاریخ پیدائش نہیں پوچھا کرتے؟"

"اسی لیے تو تم سے پوچھ رہی ہوں۔"

"کیا مطلب؟" حنوی کو سخت صدمہ پہنچا۔ "میں خوب صورت نہیں ہوں؟"

"ہاں صدقے' تمہارے ہاتھ کی لکیریں دیکھ کر ہی مجھے اندازہ ہو گیا تھا' تم کتنی حقیقت پسند ہو۔" انداز صاف مذاق اڑانے والا تھا۔

"میں نے بتایا نہیں پوچھا ہے۔" حنوی نے آنکھیں دکھائیں۔

"یار! میں سچ بول کے تمہارا دل نہیں توڑنا چاہتی۔" ثمامہ نے لاچاری سے کہا۔

"لیکن اس دروغ گوئی پر میں تمہارا سر ضرور توڑنا چاہتی ہوں۔" اس نے نوٹ بک ثمامہ کے سر پر دے ماری تھی۔

"اف۔۔۔ کس قدر بدتمیز ہو تم۔" ثمامہ نے سر پکڑ کر اسے گھورا۔

"اپنی سینئر پر تشدد کرنے پر میں تم لوگوں کی شکایت کروں گی۔" اس نے دھمکی دی' عبیرہ ترنت بولی۔

"اور ہم مسز خاکوانی کا لیکچر جنک کرنے پر تمہاری شکایت کریں گے۔" ہاتھ پہ ہاتھ مار کے وہ تینوں ہنسنے لگیں۔

"یاد ہے۔۔۔ لیکچر میں نے تم لوگوں کی وجہ سے بنک کیا ہے۔"

"یاد ہے بھئی۔۔۔ یاد ہے' مگر اب کوئی کام کی بات بتا بھی دو۔ آدھے گھنٹے سے بیٹھی حنوی کا ہاتھ دیکھ رہی ہو۔"

"تم لوگ اپنی بک بک بند کرو تو ہی میں کچھ بتاؤں۔ اس طرح تو میں کانسنٹریٹ ہی نہیں کر پا رہی۔" ثمامہ نے کہا۔

"ہاں تو تم اپنے الفاظ واپس لو نا!" عبیرہ نے کہا۔

"اگر حنوی خوب صورت نہیں ہے تو ہم جیسے تو پھر قبول صورت بھی نہ ہوئے۔"

"اوہو بھئی' یہ کوئی جھگڑے کا پوائنٹ ہے۔" حنوی نے جھینپ کر کہا تھا۔ "میں تو مذاق کر رہی تھی' اب ایسی حور پری بھی نہیں ہوں' کبھی اپنی امی اور نانو جان کی تصویریں لا کر دکھاؤں گی' تب پتا چلے گا' خوب صورتی کیا ہوتی ہے۔"

"خیر خوب صورت تو تم بھی بہت ہو۔" نمرہ نے کہا۔ "یقین نہ آئے تو جا کر عروش سے پوچھ لو' یونہی تو تمہاری دیوانی ہوئی نہیں پھر رہی۔"

"عروش کی رائے کو تو خیر تم لوگ رہنے ہی دو۔" اہم ثمامہ نے کہا۔

"میں یہ نہیں کہہ رہی کہ حنوی خوب صورت نہیں ہے' کالج میں سے چند خوب صورت لڑکیاں منتخب کی جائیں تو ان میں ایک حنوی بھی ہو گی' لیکن عروش کی رائے بطور تائید لینا بڑی حماقت ہے وہ جس ذہنی اور اخلاقی مرض میں مبتلا ہے' اس کی رائے قطعاً" صائب نہیں ہو سکتی۔"

نمرہ کا چہرہ لال ہو گیا' عبیرہ جانتی تھی عروش کے بارے میں' کوئی بھی ایسی بات جو ڈائریکٹ اس کی مخالفت کے زمرے میں آتی ہو' نمرہ کو ناگوار لگتی تھی کہ بہرحال وہ عروش کی فرینڈز میں سے تھی۔ تب ہی عبیرہ نے موضوع بدل دیا۔

"یار ثمامہ! عروش کا ذکر چھوڑو۔ تم ہمیں حنوی کے مستقبل کے بارے میں کچھ بتاؤ۔"

نمرہ نے بھی خود پر قابو پایا اور اثبات میں سر ہلانے لگی۔ ثمامہ نے از سر نو حنوی کا ہاتھ سامنے پھیلا لیا۔ چند منٹ خاموشی سے گزرے' ثمامہ نے کچھ اور لکیریں حنوی کے ہاتھ پر لگا دیں۔

حنوی کی ہتھیلی پر بال پوائنٹ کی آڑی ترچھی لکیروں کا جال سا بچھ گیا تھا۔

"میں سمجھ گئی ہوں' یہ ثمامہ ہمیں بے وقوف بنا رہی ہے۔" نمرہ نے اچانک کہا۔ ثمامہ تو ثمامہ باقی دونوں بھی تعجب سے اس کی شکل دیکھنے لگیں۔

"نہیں خیر۔۔۔ قدرت کے کاموں میں میں دخل نہیں دیتی۔ تم نے یہ اندازہ کیسے لگایا' اس کی وضاحت کرو۔"

"بھئی۔۔۔ سیدھی سی بات ہے' حنوی کے ہاتھ کا حشر دیکھو' تم نے اتنی لکیریں لگا دی ہیں کہ ہتھیلی کا اصل رنگ بھی دکھائی نہیں دے رہا۔ یقیناً" اب تم حنوی سے پوچھو گی کہ اسے صابن کون سا پسند ہے' جب یہ بتا دے گی تو تم

www.pkdigest.com

کہو گی 'جاؤ اب اس صابن سے ہاتھ دھولو' ہے نا' یہ ہی بات ہے ناں؟ شرم کرو ثمامہ! اتنی سینئر ہو تم ہم سے اور اتنا پرانا لطیفہ دُہرا رہی ہو۔"

"میں نے کہا تھا نا' میں قدرت کے کاموں میں دخل نہیں دیتی۔" ثمامہ نے شک آمیز نظروں سے نمرہ کو دیکھا تھا۔

"میں اتنی زیرک نگاہی سے تنوی کے ہاتھ کی لکیروں کو پڑھ رہی ہوں اور تم مجھے طعنے دے رہی ہو۔"

"لکیریں تو پڑھ رہی ہو' مگر کچھ ہمیں بھی تو بتاؤ۔ مجھے لگتا ہے کالج میں تمہاری شہرت بلاوجہ پھیل گئی ہے' تمہیں کوئی پامسٹری وامسٹری نہیں آتی۔"

"تم نے تو مجھے بالکل ہی انڈر اسٹیمیٹ کر دیا ہے۔ حالانکہ تنوی کا ہاتھ دیکھتے ہوئے مجھے پتا چلا ہے اسے ہاف بوائل انڈا بہت پسند ہے۔" ثمامہ نے کہا تھا۔ تینوں کے منہ اس قدر درست انداز سے پر کھلے کے کھلے رہ گئے۔

"یہ لکیروں میں لکھا ہوا ہے؟" تنوی نے حیرانی سے پوچھا۔

"نہیں۔۔۔ ناخنوں میں۔۔۔ کیونکہ تمہارے ناخنوں میں اب تک انڈے کی زردی لگی ہوئی ہے۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

نمرہ اور عبیر کا قہقہہ بے ساختہ تھا' تنوی نے شرمندہ ہو کر ہاتھ کھینچ لیا۔

"لطیفوں کی کتاب سے مستعار لینے کا شکریہ۔" اس نے جل کر کہا تھا' ثمامہ مسکراتی رہی۔

"تنوی! تم مجھ سے اپنے مستقبل کے بارے میں جو پوچھنا چاہتی ہو' ایک ایک کر کے پوچھو۔ میں جواب دینے کی کوشش کرتی ہوں۔ خود سے کچھ بتانا بہت مشکل ہے۔ دراصل یہ فن میں نے اپنے ابو سے سیکھا ہے' کوئی باقاعدہ تعلیم تو نہیں لی' اس لیے ہاتھ دیکھ کر معمولی معمولی باتیں تو میں بتا سکتی ہوں' لیکن مشکل ہاتھوں کو سمجھنا میرے لیے بڑا مشکل ہے۔ تنوی کے ہاتھوں کی لکیریں بہت پیچیدہ ہیں' اس لیے مجھے کچھ بھی بتانے میں دقت ہو رہی ہے۔ شاید میرے ابو اس کا ہاتھ دیکھتے تو اس کے مستقبل کے بارے میں صحیح رہنمائی کر سکتے تھے۔"

"تم تو ہم سے پیچھا چھڑا رہی ہو' اب ایسی بھی کیا لکیریں الجھی ہوئی ہیں کہ تم کچھ بتا ہی نہ سکو۔" نمرہ نے زور دے کر کہا' پھر عبیر اور تنوی بھی اصرار کرنے لگیں۔ تب ثمامہ نے گہری سانس بھر کر تنوی کو دیکھا اور تسکی آمیز لہجے میں بولی۔

"دیکھو تنوی! میری باتوں سے پریشان مت ہونا' میں نے کہا نا تمہارے ہاتھوں کی لکیریں الجھی ہوئی ہیں' ممکن ہے میرے اندازے غلط ہوں' لیکن جتنا میں تمہاری لکیروں کو پڑھ سکی ہوں ان کے مطابق تم کسی پریشانی کا شکار ہونے والی ہو' یہ پریشانی کس نوعیت کی ہوگی' اس بارے میں' میں کچھ نہیں بتا سکتی' لیکن یہ طے ہے کسی نہ کسی مسئلہ کا سامنا تمہیں کرنا پڑے گا' جس کے بڑے پریشان کن نتائج بھی سامنے آسکتے ہیں۔ ممکن ہے تمہاری پڑھائی کا سلسلہ بھی رک جائے۔"

"حد ہو گئی ثمامہ! تم تو تنوی کو پریشان کر رہی ہو۔" نمرہ نے کہا تھا۔

"نہیں۔۔۔ میں پریشان نہیں خبردار کر رہی ہوں۔" ثمامہ نے کہا۔ "میں اسی لیے نہیں بتا رہی تھی کہ یہ پریشان ہو جائے گی' حالانکہ میں کہہ چکی ہوں میرا اندازہ غلط بھی ہو سکتا ہے۔ خیر تنوی! تم پریشان مت ہو بس نماز باقاعدگی سے پڑھو اور اس مشکل گھڑی کے ٹل جانے کی دعا کرو جو تمہاری زندگی میں آنے والی ہے۔ خدا سب ٹھیک کر دے گا۔" وہ اس کا کندھا تھپتھپا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ثمامہ! ایک سوال کا جواب دو۔" معاً عبیر کو کچھ خیال آیا تھا۔

"کیا تنوی کو اس کا رائٹ مین مل چکا ہے؟"

ثمامہ نے پل بھر کو سوچا' پھر بولی۔ "نہیں۔" اور اپنے راستے چل دی۔

وہ تینوں دیر تک اپنی سوچوں میں الجھی رہیں' پھر تنوی نے ہی اس خاموشی کو توڑا۔

"ثمامہ کیا کہہ رہی تھی؟ کیا سچ مچ میری زندگی میں کوئی آنے والا ہے۔" اس کا انداز سراسر خود کلامی کا سا تھا۔

"جھوٹ بول رہی تھی ثمامہ! اس کی باتوں کو اتنا مت سوچو۔" عبیر نے قطعیت سے کہا تھا۔

"اس کے جھوٹ کا اندازہ اس کی آخری بات سے ہی لگا لو' جبکہ تمہاری منگنی بچپن میں ہی ہو گئی تھی' اصل معاملہ کچھ یوں ہے کہ ثمامہ اردگرد سے اکٹھی کی ہوئی معلومات فراہم کرتی ہے' لیکن چونکہ تمہاری منگنی کے بارے کالج میں کوئی نہیں جانتا' اس لیے اس نے کہہ دیا' نہیں۔"

"تم اپنے سوال پر بھی تو غور کرو۔ تم نے رائٹ مین کا پوچھا تھا' منگنی کا نہیں۔" نمرہ نے اختلاف کیا۔

"بات تو ایک ہی ہے۔" عبیر بولی۔

"پھر بھی یار! ثمامہ نے کچھ کہا ہے تو سچ ہی کہا ہوگا' یونہی تو وہ کالج میں اتنی مشہور نہیں ہے۔" نمرہ نے پھر کہا تھا۔

"ایسی شہرت تو میں بھی تمہیں حاصل کر کے دکھا سکتی ہوں۔" عبیر بولی۔

"میں سب سے کہوں گی' میں بھی پامسٹری جانتی ہوں اور جس جس لڑکی کا ہاتھ دیکھوں گی' اسے پسند کی شادی ہونے کی خوش خبری سنا دوں گی۔ دنیا میں دولت شہرت کی پرسیج خوب بڑھا چڑھا کر بتا دوں گی اور سب سے اہم بات کہ اس کا شریک حیات ان سے بہت محبت کرے گا۔ بس لڑکیاں اسی میں خوش ہو جاتی ہیں' تم دیکھنا کل تک میری دھوم بھی کالج کے ہر کونے میں ہوگی۔"

"شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" تنوی نے کہا۔

"میں یقیناً ٹھیک کہہ رہی ہوں۔" عبیر نے تحمل سے کہا۔

"تم اس کی باتوں پر زیادہ دھیان مت دو' کچھ لوگوں کی عادت ہوتی ہے بلاوجہ دوسروں کو پریشان کر کے خوش ہوتے ہیں' مجھے ثمامہ ایسی ہی لگی ہے۔"

وہ تنوی کو پریشانی کے حصار سے نکالنا چاہتی تھی' سو کامیاب رہی۔

★★★

آنگن میں ہار کی تیز چمکیلی دھوپ پگھلے ہوئے سونے کی طرح پھیلی ہوئی تھی۔ یہ دوپہر سے کچھ پہلے کا وقت تھا

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لئے خوبصورت ناول

☆ تتلیاں، پھول اور خوشبو — راحت جبیں — قیمت: 225 روپے
☆ بھول بھلیاں تیری گلیاں — فائزہ افتخار — قیمت: 500 روپے
☆ محبت بیاں نہیں — لبنیٰ جدون — قیمت: 250 روپے

منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37۔ اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

اور آسمان گہرا نیلا اور چمک دار دکھائی دیتا تھا۔ دیواروں پر کہیں کہیں بھوری چڑیاں پھدک رہی تھیں اور ایک بھدا سا کوا سکھ چین کی آخری پھننگ پر بیٹھا اپنی عیار آنکھوں سے سوکھنے کے لیے پھیلائی ہوئی کیریوں کو تاک رہا تھا۔

زہرہ نے چائی میں لسی بنانے کے لیے دہی ڈالا ہی تھا کہ اس کی نظر پڑ گئی۔

"وسائی! جلدی سے اٹھ اور ان امبیوں پہ مکمل کا دوپٹہ ڈال کر کناروں پر پتھر رکھ دے۔ اس منحوس کوّے نے ذرا سی بھی چونچ مار دی تو اچار بننے سے پہلے ہی خراب ہو جائے گا۔"

وسائی پیر کے انگوٹھے میں درانتی پیوست مشاقی سے ساگ کاٹ رہی تھی' بی بی کی ایک آواز پر سرعت سے اٹھی اور جھٹ پٹ حکم بجالائی۔

"بی بی! اگر کوا چونچ مار دیتا تو کیا ہونا تھا؟" واپس آکر اس نے پوچھا۔

"یہ بڑی نحوست کی بات ہوتی ہے۔ میری ماں کی ماں بتایا کرتی تھی۔" دین محمد کی ماں برآمدے میں بچھے تخت پر چرخہ رکھے سوت کات رہی تھی' یہ جواب اس نے دیا تھا۔

"کوا برا لعنتی پرندہ ہوتا ہے کمبخت نے بھائی بھائی کو لڑوا دیا۔ اس سے بری بات کیا ہو گی اور زیادہ دور کیوں جائیں میری آنکھوں دیکھی بات ہے۔ میری چچیری بہن نے ہانڈی بناتے ہوئے اورک دیوار پر رکھ دیا تھا ایک کوا اسے اچک کر لے گیا تو میری بہن نے اورک کا دوسرا ٹکڑا ہانڈی میں ڈال دیا۔ چاچی کو اس نے پتا نہ لگنے دیا۔ اور جو خبر ہو جاتی بزرگوں کو تو انہوں نے تو ہانڈی نہ پکنے دینی تھی اس دن خیر ہانڈی تو پک گئی لیکن جو جو سالن کھاتا جائے وہ وہ چکر کھا کے گرتا جائے۔ میرا چاچا دو ڈاکٹر حکیم کو بلانے' تب دادی بولی بات کچھ اور ہے' بڑی عقل والی عورت تھی میری دادی۔ سات گاؤں کی عورتیں آتی تھیں اس کے پاس مشورہ لینے تو جب دادی نے کہا بات کچھ اور ہے تو میری چچیری بہن لگی رونے اور بتانے لگی کہ آج اورک کا ٹکڑا کوا لے اڑا تھا۔ اس پہ پتا لگنے کی دیر تھی دادی نے اللہ بخشے چاچے کو روک دیا اور بولی کسی حکیم نے کچھ نہیں کرنا۔ اب کوے کی نحوست پڑ گئی ہے اس گھر پہ۔ سارے جی (افراد خانہ) مل کر اللہ اللہ کرو نحوست ملتے ہی ساروں نے بھلے چنگے ہو جانا ہے اور وہی بات ہوئی ادھر ہم نے یاسین کی دس سورتیں پوری کیں ساتھ میں چاروں قل پڑھے تو سب اٹھ کر بیٹھ گئے۔ بس اسی دن سے یہ بات ہمارے پنڈ میں مشہور ہو گئی کہ جس چیز کو کاگ (کوا) منہ مار دے اسے استعمال ہی نہ کرو۔ تھوڑے دن بھول جاؤ۔"

دین محمد کی ماں تفصیل سے بتا رہی تھی۔ زہرہ کا تو دھیان ہی نہ تھا' یوں بھی ایسی باتیں وہ اپنے بچپن سے سنتی آ رہی تھی۔ اس گاؤں میں چھوٹی چھوٹی باتوں اور چیزوں سے اچھے اور برے شگن لیے جاتے تھے تو ہم پرستی کا یہاں خوب چرچا تھا۔ وسائی سندھ کے کسی بے حد چھوٹے گوٹھ سے آئی تھی' وہاں تو ہم پرستی اور ضعیف الاعتقادی کا معیار کچھ اور تھا' تبھی دلچسپی سے سن رہی تھی۔

"ساگ کٹ گیا وسائی؟" دین محمد کی ماں کی بات ختم ہوتے ہی زہرہ نے پوچھا۔

"کٹ چکا ہے تو اسے اُبلنے کے لیے رکھ دے پھر آکر یہ چائی بھی لے جانا میں نے دہی ڈال دیا ہے۔ اسے گھڑونچی پر رکھ کر ریڑکنا (پھینٹنا) شروع کر اور سن' شروع میں پانی نہ ڈال دینا۔ ورنہ ساری لسی کا ناس ہو جاتا ہے۔"

وسائی چیزیں سمیٹ کر رسوئی میں چلی گئی' دین محمد کی ماں نے تیکھی نظروں سے بہو کو دیکھا' جس نے اس کے اتنے دلچسپ قصوں کی راہ میں حائل ہو کر اسے ناراض کر دیا تھا لیکن زہرہ کے چہرے پر کسی سوچ کا عکس اتنا گہرا تھا کہ وہ چونک سی گئی۔

"کیا بات ہے بہو! میں دیکھ رہی ہوں کام میں تیرا دھیان نہیں ہے؟" زہرہ پھیکی سی ہنسی ہنس دی۔

"کچھ نہیں اماں! بس یونہی ..." اس نے از سر نو سامنے رکھی سلائی مشین میں دھاگہ ڈالتے ہوئے کہا۔

"نہ' نہ کوئی بات تو ضرور ہے۔ میں کب سے دیکھ رہی ہوں اچھی بھلی مشین چلاتے کچھ سوچنے بیٹھ جاتی ہے۔ میں کیا اندھی ہوں مجھے نظر نہیں آتا؟" ساس ضعیف بھی تھی نازک مزاج بھی۔

"بس ایسے ہی اماں! جنت کے بارے میں سوچ رہی تھی۔" زہرہ نے بالآخر اصل بات بتا دی۔

"جنت کو کیا ہوا؟ ابھی تو یہاں کھیل رہی تھی۔"

"میں سوچ رہی تھی اماں! چھوٹے بچے تو چوٹیں لگواتے ہی رہتے ہیں۔ یہ فاروق پہ اتنا غصہ نہ کرتے تو بات نہ بڑھتی خوامخواہ بہن بھائی کے درمیان فاصلہ آ گیا۔" اس نے رنجیدگی سے کہا تھا۔

"ہاں۔" دین محمد کی ماں نے افسردگی سے گہری سانس بھری۔

"میری بیٹی کو سسرال میں جانے کیا کچھ سننا پڑا ہو گا۔ اس کے تو شوہر کا ہاتھ بھی عقل کی طرف سے ذرا تنگ ہے' کیا تھا جو بات کو وہیں ختم کر دیتا۔"

"معاف کرنا اماں! بھاوجی کی تو کوئی غلطی ہی نہیں تھی۔ وہ تو بات ختم ہی کر رہے تھے۔ لیکن "انہوں" نے کسی کی سنی ہی نہیں فاروق کو اتنا مارا پھر بھاوجی سے زبان چلائی اور تو اور زبیدہ باجی کو بھی برا بھلا کہا' مجھے لگتا ہے ان کی ناراضی جائز ہے۔ اگر آپ کے بیٹے نے ٹھنڈے دماغ سے کام لیا ہوتا تو بات اتنی بڑھتی ہی نہیں۔"

زہرہ ڈرتے اور کن انکھیوں سے ساس کا چہرہ جانچتے ہوئے بول رہی تھی۔ بھلے ہی زہرہ کے ساتھ اس کا رویہ بہت اچھا تھا لیکن بیٹے کے بارے میں دی گئی کوئی بھی رائے اسے خفا کرنے کا سبب بن سکتی تھی۔

"تو ٹھیک کہہ رہی ہے زہرہ! دین محمد ہی اپنے غصے پر قابو کر لیتا تو بات اتنی نہ بگڑتی بچوں کے جھگڑے میں میری بیٹی پھوٹ رہی ہے میں کس سے اپنا دکھ کہوں؟"

"اماں! آپ ہاں میں حکم بھی دے سکتی ہیں۔ میں کہہ رہی تھی آپ ان (دین محمد سے) سے بات تو کریں ابھی تو زیادہ دن بھی نہیں گزرے ہم جا کر زبیدہ باجی اور بھاوجی سے معافی مانگ لیتے ہیں' بچوں کے جھگڑے کے پیچھے رشتے تو نہیں توڑے جا سکتے نا۔"

"دین محمد کی ضد میں جانتی ہوں زہرہ! وہ کبھی بھی نہیں مانے گا۔" دین محمد کی ماں نے مایوسی سے کہا۔

"یہ کیا بات ہوئی اماں! آپ بات تو کریں میں نے بھی ان سے کہا تھا لیکن میری بات کی تو کوئی اہمیت ہی نہیں ہے' آپ کی بات تو سن لیں گے۔"

"لے بھلی نہ ہو تو۔" دین محمد کی ماں نے اپنے ماتھے پر ہاتھ مارا۔ "او سن لے گا' وہ میری بھی مگر کرے گا اپنے دل کی' ویسے بھی جب بات جنت کی ہو تو اسے کچھ نظر نہیں آتا۔ جنت سے مجھے بھی بڑی محبت ہے اکلوتی پوتی ہے میری۔ مگر بچ کھچوں کی اولاد کی محبت میں پاگل پن نہیں کرنا چاہیے۔ آج بیٹی کے پیچھے ایک رشتہ چھوڑا ہے کل کو پوری برادری چھوڑ دے گا۔ بیٹی کے باپ کو ایسی باتیں نہیں جچتیں' سیانے کہتے ہیں جس کی بیٹی پیدا ہو اسے وقت سے پہلے سیانا ہو جانا چاہیے۔ دین محمد اسی طرح سب سے ناراضیاں مول لیتا رہا تو کل کو بیٹی کا بر کہاں سے ڈھونڈے گا۔ بیٹی پیدا کرنی نہیں ہے کیا؟ ساری حیاتی گھر میں بٹھا کر رکھنی ہے کیا؟"

بیٹے کے مقابل بیٹی تھی۔ تب ہی دین محمد کی ماں اتنا بول رہی تھی' وگرنہ اپنی اولاد کے خلاف وہ ایک لفظ برداشت نہ کرتی تھی۔

"یہی بات ... بالکل یہی بات۔" زہرہ نے سرعت سے کہا تھا۔

"میں نے بھی آپ کے بیٹے کو سمجھانے کی کوشش کی تھی مگر وہ کچھ بھی سننے کو تیار ہی نہیں۔ کہنے لگے میں ایسا لڑکا ڈھونڈوں گا جو اسی گھر میں رہے ہماری جنت کو رخصت ہو کر کہیں اور نہ جانا پڑے گا۔"

www.pkdigest.com

"حق بات۔۔۔ اب دین محمد بیٹی کے پیچھے ساری برادری میں ناک کٹوائے گا۔" ماں نے سر دائیں ہاتھ میں گرالیا۔

"آپ سمجھاؤ ناں اماں!"

"تو میری کہاں سنتا ہے۔۔۔ ہزار مرتبہ سمجھا چکی ہوں لڑکی ذات ہے اتنے چاؤ لاڈ نہ کر کہ کل کو سنبھالے نہ جائیں۔ نمکدین محمد کی موٹی عقل کچھ نہیں سمجھتا۔" وہ خود جلی بیٹھی تھی آج خوب دل کی بھڑاس نکالی۔

"من زہرہ! ایک بات آج میری پلے سے باندھ لے۔ باپ کے ذمے اولاد کو کما کر کھلانا ہے جبکہ تربیت پوری کی پوری ماں کی ذمہ داری سمجھ رہی ہے نا میری بات۔ باپ اولاد کو کھلائے پلائے ناز نخرے اٹھائے اچھی بری سب مانے لیکن جوں ہی تربیت میں کوئی جھول دکھائی دے دنیا ماں کو کوستی ہے تو بھی سمجھ لے تجھے بھی پیار محبت کے ساتھ ساتھ جنت کی ایسی تربیت کرنی ہے کہ دنیا کو انگلی اٹھانے کا موقع نہ ملے۔ انشاء اللہ جو دیکھے وہ تعریف کرے کہ اکلوتی بیٹی کو ماں کی تربیت نے ہیرا بنا دیا ہے۔ سمجھ لے ہر اچھی بری تو نے ہی اسے سکھانی ہے۔ کبھی یہ نہ سوچنا جو بھول چوک تجھ سے رہ گئی اسے دین محمد سنبھال لے گا۔ مرد کبھی نہیں سمجھتا کہ میرے لاڈ پیار نے اولاد کو بگاڑ دیا الزام ہمیشہ عورت کے سر آتا ہے کوسا اسے جاتا ہے۔۔۔ تو بھی سمجھ لے اس معاملے میں کسی نے تیرا ساتھ نہیں دینا یہ کام تجھے اکیلے ہی کرنا پڑے گا۔ یہ سو آنے کی بات تھی جو میں نے تجھے مفت میں بتادی ہے۔ کبھی یاد کرے گی کہ ساس نے گرگی بات بتائی تھی۔"

دین محمد کی ماں نے سچ مچ گرگی بات بتادی تھی۔

"اماں نے بالکل صحیح کہا ہے۔ میں جنت کو ہیرا اچھی بات سمجھاؤں گی جہاں اس کے باپ کی محبت اسے بگاڑنے کا سبب بنے گی۔۔۔ وہاں میں اسے سنبھال لوں گی سنوار لوں گی ماں اور ہوتی کس لیے ہے۔"

اس نے مسکراتے ہوئے اپنی پرنم آنکھوں کے ساتھ آنگن کی طرف دیکھا جہاں ہاڑ کی تیز چمکیلی دھوپ پگھلے ہوئے سونے کی طرح پھیلی ہوئی تھی اسی وقت سکھ چین کی شاخ پر بیٹھے کوے نے پھیلا کر کیلوں کی طرف اڑان بھری تھی۔ زہرہ نے وہیں بیٹھے اسٹیل کی کٹوری اسے کھینچ ماری کٹوری دیوار سے ٹکرا کر فرش پر گری اور گول گول گھومتی ساکت ہو گئی بوکھلا کر حواس ہو کر اپنی بھدی آواز میں چیختا اور بھاری پر پھڑپھڑاتا آسمان پر غائب ہو گیا۔

"لو اماں نحوست تو دور کر دی ہے میں نے۔" زہرہ نے کھنکتے لہجے میں کہا اور مندی مندی آنکھوں سے آسمان کی طرف دیکھنے لگی۔

☼ ☼ ☼

"ماوی! میں نے فرائیڈے والے روز تو قیر اور اس کی فیملی کو ڈنر پر انوائٹ کر لیا ہے۔"

ثمینہ نے ریموٹ کنٹرول اٹھا کر ٹی وی کا والیوم کم کرتے ہوئے کہا۔ ماوی کچن میں تھی اور اس نے اونچی آواز میں کوئی میوزک چینل لگا رکھا تھا۔

"آپ کی تو قیر انکل سے بات ہوئی ہے؟" ماوی نے کچن سے پوچھا۔

"نہیں تو قیر سے بات نہیں ہوئی۔ منیزہ سے ہوئی ہے وہ تو اپنے یہاں آنے پر اصرار کر رہی تھی۔ تو قیر نے اپنی جس کزن کا ذکر کیا تھا وہی جو تمہارے کیریئر میں مدد کر سکتی ہے۔ منیزہ اسی کے بارے میں بتا رہی تھی کہ وہ جمعرات کو لاہور آ رہی ہے۔ اس لیے وہ ہمیں ڈنر پر انوائیٹ کر رہی تھی کہ اس طرح تمہاری اس سے ملاقات بھی ہو جائے گی۔ میں نے کہا منیزہ بہت کھالیا ہم نے تمہارا اب کچھ کرنے کا موقع ہمیں بھی دو۔"

"آپ نے انہیں تاکید کی کہ ان خاتون کو بھی ساتھ ضرور لے کر آئیں۔"

"ہاں بھئی کر دی تھی میں نے تاکید۔"

"چلیں یہ بھی اچھا ہی ہوا تو قیر انکل کی فیملی کو ہم نے انوائیٹ تو کرنا ہی تھا اب بہانا بھی بن گیا لیکن ممی یہ!" اسے یکدم خیال آیا۔

"ابھی تو آپ کی طبیعت بھی مکمل طور پر ٹھیک نہیں ہوئی اور مجھے بھی آج لازمی لائبریری جانا ہے۔ ڈنر کے سلسلے میں میں آپ کی کوئی ہیلپ نہیں کر سکوں گی۔"

"اوہو بھئی میں نے ان لوگوں کو آج نہیں فرائیڈے کو انوائٹ کیا ہے۔" ثمینہ نے جھنجھلا کر تصحیح کروائی۔

"اچھا میں سمجھی آج کا کہا ہے۔" اس نے سرسری انداز میں کہا۔

"تم ضرور جاؤ لائبریری ملو تو قیر کی کزن سے بھی جتنی جلدی ممکن ہو اپنا تھیسز کا میٹریل اکٹھا کرو تو ہم واپس چلیں میرا تو سچ بات یہاں دل ہی نہیں لگ رہا۔"

"ممی! ہمیں یہاں آئے محض دس دن گزرے ہیں اور آپ نے واپس جانے کی باتیں بھی شروع کر دیں کچھ بندوبست کریں اپنے دل کا!" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"یہ بھی خوب کہی تم نے۔ ذرا خود سوچو دل لگے بھی تو کیسے؟ سارا دن تو ان در و دیوار کو دیکھتے گزر جاتا ہے۔ کوئی مانوس شکل بھی دکھائی نہیں دیتی۔" وہ بہت ہی بے زار ہو چکی تھیں۔

"آپ بھی کمال ہیں ممی!" اس نے کچن کے دروازے تک آتے ہوئے کہا اس نے ایک ہاتھ میں کچن گلو (دستانہ) پہن رکھا تھا دوسرے ہاتھ میں چمٹا تھا۔

"پچھلے چودہ سال میں شاید ہی کوئی دن ایسا گزرا ہو جب میں نے آپ سے "پاکستان کی تو بات ہی کچھ اور ہے" "اپنا وطن اپنا ہوتا ہے" اور "وہاں تو اجنبی بھی اپنے محسوس ہوتے ہیں" جیسے جملے نہ سنے ہوں اور اب آپ کوئی مانوس شکل دکھائی نہ دینے کا گلہ کر رہی ہیں۔"

"چودہ سال پہلے کا دور کچھ اور تھا ماوی!" ثمینہ نے گہری سانس بھرتے ہوئے کہا۔ "یا شاید میری غلطی ہے کہ میں چودہ سال پہلے کے اس دور میں جی رہی ہوں۔۔۔ وہ دن بھی بڑے اچھے تھے۔ انسانوں میں اپنائیت 'خلوص' محبت ہوتی تھی لیکن اب یہ کتابی باتیں ہیں تمہیں شاید یقین نہ آئے ہمارے محلے میں یعنی جہاں میرا بچپن گزرا وہاں کسی ایک گھر میں مہمان آتا تھا تو وہ پورے گاؤں کا مہمان شمار ہوتا تھا' ہر شخص کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ مہمان کم سے کم ایک وقت کا کھانا اس کے گھر ضرور کھائے لیکن یہاں وقت بدل چکا ہے اپنائیت 'خلوص کی جگہ بے زاری اور اکتاہٹ نے لے لی ہے۔ اب یہی دیکھ لو ہمیں کتنے دن ہو گئے یہاں آئے لیکن ساتھ والے بنگلے میں کون رہتا ہے ابھی تک پتا نہیں چل سکا۔ شاید لاشعوری طور پر میں سمجھ رہی تھی کہ ہمارا یہاں ویسا ہی استقبال ہو گا جیسا مہمان کا استقبال ہمارے گاؤں میں ہوتا تھا۔"

ماوی ان کی بات سن کر ایسے مسکرائی جیسے کسی بچے کی سادگی بھری باتوں پر مسکرایا جاتا ہے پھر اسے کچھ خیال آیا تو کن انکھیوں سے انہیں دیکھتے ہوئے بولی۔

"آپ کی بوریت دور کرنے کے لیے میرے پاس ایک آئیڈیا ہے ممی!"

"اچھا وہ کیا؟" ثمینہ نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔

"میں سوچ رہی تھی ہم پاکستان تو آئے ہی ہیں تو کیوں نہ ایک بار بابا جان کے رشتہ داروں سے بھی مل لیں۔ میرا مطلب ہے ان کے سمن بھائی آپ کے پاس ایڈریس تو ہو گا نا!" اس نے بظاہر سرسری انداز میں کہا تھا۔

ثمینہ نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا۔

"مجھے لگتا ہے میں نے باہر کسی سائیکل کی آواز سنی ہے۔ دیکھوں ذرا اگر وہی ہے تو اس سے کہتی ہوں ہمیں بھی

www.pkdigest.com

نیوز پیپر اور کچھ میگزین دے جایا کرے۔ کچھ تو وقت بھگانے کا سامان ہو۔"

ثمینہ نے اس کی بات ان سنی کر کے باہر کی طرف قدم بڑھا دیے۔ مادی گہری سانس بھر کر رہ گئی کیونکہ وہ جانتی تھی ممی نے اس کی بات جان بوجھ کر نظر انداز کی ہے ہمیشہ ایسا ہی ہوتا تھا اول تو کبھی اس موضوع پر بات ہی نہیں ہوئی اور کبھی اتفاقاً" ہی سہی بابا جان کے رشتہ داروں کا ذکر آتا تو ممی بات بدل دیتیں۔ انہوں نے کبھی مادی کو ٹوکا نہیں تھا نہ ہی کبھی واضح الفاظ میں ان لوگوں سے لاتعلقی یا بیزاری جتائی تھی۔ ان کا کریڑ ہی سب کچھ سمجھا دینے کے لیے کافی ہوتا تھا۔

دلچسپ بات یہ کہ اس معاملے میں اتنا تجسس ہونے کے باوجود مادی کے دل میں کبھی کسی سوال نے جنم نہیں لیا۔ شاید وہ اس سارے معاملے کو جیسا ہے ویسا کی بنیاد پر قبول کر چکی تھی۔

"چلیں جی کوئی اور حق ہمسائیگی ادا کرے یا نہ کرے ہم ضرور کریں گے۔"

اپنی تازہ بیک کی ہوئی براؤنیز کو دیکھتے ہوئے اس نے سوچا۔ پھر گلوا تار کر ایک طرف رکھ دیا اور پلیٹ میں براؤنیز نکال کر کچن میں کھلنے والے دروازے سے ہوتی ہوئی انیہاء کے پورشن کی طرف چل دی۔

☼ ☼ ☼

دانیال حسن اور ثروت آگے پیچھے چلتے باہر آئے تھے۔ دانیال حسن نے چوکیدار کو گیٹ کھولنے کا اشارہ کرتے ہوئے گاڑی کے دروازے کو چابی لگائی پھر کچھ خیال آنے پر گھوم کر ثروت کی طرف آئے اور اپنے ہاتھوں سے ان کے لیے سیٹ کا دروازہ کھول دیا۔

ثروت جتنا بھی حیران ہوتیں کم تھا۔

کسی دور میں اس معمولی سی لڑکی کو بھی "محبوبانہ چونچلے" قرار دینے والے شخص کو آج کیا ہوا؟

شاید بچوں کی طرف سے صبح سویرے ملنے والے اس غیر متوقع سرپرائز کا نتیجہ ثروت کے لبوں پر خفیف سی مسکراہٹ کا عکس لہرا گیا' تبھی ان کی نظر ثمینہ پر پڑ گئی لکڑی کے اس چھوٹے سے پھاٹک کے قریب کھڑی' جو باہر کے رخ پر بنا ہوا تھا۔ ثروت کی مسکراہٹ اوجھل ہو گئی ان کا دل شدت سے چاہا ثمینہ کو نظر انداز کر دیں لیکن بعض اوقات بہت زیادہ با اخلاق ہونا بھی انسان کو مشکل میں ڈال دیتا ہے۔

اس لیے ثمینہ کو نظر انداز کرنے کی غیر اخلاقی حرکت کی اجازت ان کا ضمیر نہیں دے رہا تھا' دوسرے ثمینہ بھی انہیں دیکھ چکی تھیں' تیسرے دانیال حسن نے ان کی نظروں کا تعاقب کرتے ہوئے ثمینہ کو دیکھ لیا تھا۔

توقیر صاحب کے قرابت داروں کی حیثیت سے جو مقام ان لوگوں کا دانیال حسن کے نزدیک تھا' اس کے پیش نظر وہ ثمینہ کو نظر انداز کرنے کا رسک نہیں لے سکتی تھیں' تبھی معذرت خواہانہ نظروں سے انہیں دیکھ کر بولیں۔

"آپ پلیز گاڑی باہر نکالیں۔ میں ابھی آتی ہوں۔"

حسب توقع دانیال حسن نے فوراً" اثبات میں سر ہلا دیا' ثروت تیز تیز قدم اٹھاتیں ثمینہ کی طرف آ گئیں۔

"السلام علیکم مسز دانیال! کیسی ہیں آپ؟" ثمینہ باکر کو فارغ کر کے ان کی طرف آ گئیں۔

"میں الحمدللہ ٹھیک ہوں۔ آپ کی طبیعت اب کیسی ہے؟ دوبارہ ڈاکٹر کے پاس جانے کی ضرورت تو نہیں پڑی؟" ثروت نے پوچھا۔

"نہیں ڈاکٹر کی ضرورت تو نہیں پڑی کیونکہ طبیعت اب پہلے سے کافی بہتر ہے۔ ویسے بھی مجھے لگ رہا ہے میڈیسن سے زیادہ منرل واٹر سے افاقہ ہوا ہے۔ دراصل بنیاد تو ہماری یہاں ہی ہے۔ یہی غیر صحت مندانہ پانی پی کر

بڑے ہوئے ہیں لیکن اتنے عرصہ اپنے ملک سے دور رہنے کی وجہ سے عادت نہیں رہی ورنہ اور تو کوئی بات نہیں۔" ثمینہ نے خوشگواریت سے کہا۔

ثروت مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلانے لگیں' ان کے پاس کوئی بات بھی تو نہیں تھی کرنے کو پھر کچھ خیال آنے پر کہنے لگیں۔

"مجھے اندازہ ہے آپ کو یہاں سیٹلمنٹ میں کتنی دقت ہو رہی ہو گی۔ دیکھیے آپ کو کسی بھی معاملے میں میری مدد چاہیے ہو تو ضرور بتائیے گا۔"

"آپ تو پہلے ہی مجھے ڈاکٹر کے پاس لے جا کر ہمیں اپنا احسان مند کر چکی ہیں۔" ثمینہ نے مسکرا کر ثروت کو دیکھا' وہ جھینپ سی گئیں۔

"اب آپ مجھے شرمندہ کر رہی ہیں شازیہ بتا رہی تھی آپ کو ملازمہ کی ضرورت ہے؟" ثروت نے موضوع بدلا۔

"ضرورت تو بہت ہے اور میں نے شازیہ سے کہا بھی تھا' وہ اپنی کسی بہن یا کزن کو ہمارے یہاں لگوا دے میں اسے خاصا معاوضہ دینے کے لیے تیار ہوں۔"

"آج کل با اعتماد ملازمہ کا ملنا بھی کسی نعمت سے کم نہیں۔" ثروت نے کہا۔ "بہرحال جب تک آپ کے لیے الگ ملازمہ کا انتظام نہیں ہو جاتا۔ آپ کو جو بھی کام ہوں بلا تکلف شازیہ سے کروا لیں۔ میں اسے تاکید کر دوں گی۔"

ثمینہ نے بے حد مشکور ہو کر انہیں دیکھا۔ اسی وقت ثروت نے دوسری بار گردن موڑ کر مین گیٹ کی طرف دیکھا تھا' وہ جلد از جلد یہاں سے ہٹ جانا چاہتی تھیں۔

ثمینہ کی نظروں میں الجھن سمٹ آئی۔

"آپ شاید کہیں جا رہی تھیں؟"

ثروت گڑبڑا سی گئیں پھر تیزی سے بولیں۔

"جی ہاں۔۔۔ دراصل میرے ہزبینڈ باہر انتظار کر رہے ہیں ہمیں ذرا جلدی کہیں پہنچنا ہے' مجھے امید ہے آپ برا نہیں مانیں گی۔"

"ارے بالکل نہیں۔" ثمینہ نے جلدی سے کہا۔

"ان شاء اللہ آپ سے پھر ملاقات ہو گی۔" ثروت تیز تیز قدم اٹھاتیں گیٹ کی طرف چلی گئیں۔ ثمینہ کی الجھن سوا چند ہو گئی۔

"یہ جس طرح بولتی ہے' اس طرح کون بولتا ہے؟" ثمینہ کی نظروں نے گیٹ عبور کر جانے تک ثروت کا تعاقب کیا تھا مگر سراغ پھر بھی کوئی نہ مل سکا۔

ثروت کے بیٹھتے ہی دانیال حسن نے گاڑی اسٹارٹ کر لی۔

"ہو گئی ملاقات؟"

دانیال حسن نے گفتگو کا آغاز کیا۔

"جی ہو گئی۔" ثروت نے جواب دیا۔ "ان کی طبیعت خراب تھی' میں ہی ڈاکٹر سلطان کے کلینک لے گئی تھی۔ دوبارہ ٹائم نہیں ملا کہ جا کر خیریت معلوم کر لوں' ابھی نظر آئیں تو سوچا یہ کام بھی نمٹا لوں۔"

"بہت اچھا کیا' ممکن ہو تو دوبارہ بھی چکر لگا لینا۔ توقیر نے اتنی تاکید کی ہوئی ہے میں نہیں چاہتا اسے مایوسی ہو۔"

گاڑی مین روڈ پر آ چکی تھی ثروت محض اثبات میں سر ہلا کر باہر دیکھنے لگیں۔

www.pkdigest.com

خاموشی جب زیادہ طویل ہوگئی تو دانیال حسن نے ذرا کی ذرا گردن موڑ کر انہیں دیکھا' یہ عورت... کہنے کو ان کی شریکِ حیات تھی لیکن اتنے فاصلے تھے دونوں کے درمیان کہ دل کی بات لبوں تک لاتے جھجک آڑے آتی تھی۔

"اٹھارہ سال۔" بالآخر دانیال حسن نے لب کھولے۔

"پتا ہی نہیں چلا کب اور کیسے گزر گئے' ابھی کل کی ہی بات لگتی ہے' جب ہماری شادی ہوئی تھی۔" ہلکی سی مسکراہٹ لبوں پر سجائے وہ جیسے ماضی میں بھٹک رہے تھے۔

"بائی دا وے تمہیں آج کا دن یاد تھا؟" انہوں نے ثروت سے پوچھا۔

"میں کبھی اس دن کو نہیں بھولی' مجھے ہمیشہ یاد رہی ہے آج کی تاریخ۔" ثروت نے سادگی سے کہا تھا۔

"لیکن تمہیں پتا ہے میری یادداشت تاریخوں کے معاملے میں ہمیشہ کمزور رہی ہے۔" دانیال حسن نے ہنستے ہوئے کہا۔

"لیکن مجھے اتنا یاد ہے میں تم سے ملنے تمہارے کالج آیا کرتا تھا اور روز کئی کئی گھنٹے انتظار کیا کرتا تھا تمہیں یاد ہے؟" دانیال حسن کو جانے کیا کیا یاد آرہا تھا۔

"مجھے پتا ہے تاریخوں کے معاملے میں آپ کی یادداشت ہمیشہ کمزور رہی ہے لیکن آپ کو نہیں پتا میں کبھی کچھ نہیں بھولتی' میں ہمیشہ سب کچھ یاد رکھتی ہوں' خواہ وہ کئی سال پہلے کی ہی کوئی بات کیوں نہ ہو۔" ثروت نے سابقہ لہجے میں کہا تھا۔

"طعنے دینے کے لیے آج کی تاریخ کچھ غیر مناسب نہیں ہے؟" دانیال حسن نے بنا برا مانے پوچھا۔ "میرا خیال ہے یہ کام پھر کسی روز کے لیے اٹھا رکھیں' میں سوچ رہا تھا آج کی تاریخ اتنی اہم ہے پھر اتنے عرصے کے بعد ہم دونوں اکیلے کہیں جا رہے ہیں تو کچھ پرانی یادوں کو تازہ کیا جائے گا۔ کچھ پیار محبت کی باتیں ہوں گی۔" اس آخری بات پر ثروت کو اتنے زور کی ہنسی آئی کہ اپنی عادت کے برخلاف وہ ہنسی چھپا بھی نہیں سکیں۔

"پیار محبت کی باتیں؟ ایسی باتوں کی اب عمر نہیں رہ گئی دانیال صاحب!"

"عمر کو کیا ہوا ہے؟" دانیال حسن نے بدک کر کہا۔ "اول تو پیار محبت کے سلسلے میں عمر کی کوئی قید نہیں ہوتی' دوئم میں تو خود کو ابھی بالکل ینگ فیل کرتا ہوں اور پیار محبت کی باتیں زیادہ تر ینگ ایج میں ہی کی جاتی ہیں۔"

ثروت کی ہنسی تھمنے میں ہی نہیں آرہی تھی۔

"تم اپنی عمر کے بارے میں اتنی کونشس نہ ہو' کبھی میری نظر سے خود کو دیکھو تو پتا چلے تم آج بھی اتنی ہی خوب صورت ہو جتنی اٹھارہ سال کی عمر میں تھیں اور اسپیشلی تمہاری یہ ہنسی۔۔۔ تمہیں پتا نہیں' تمہیں اس طرح بے ساختہ ہنستے دیکھ کر میں تم پر کتنا عاشق ہوا تھا۔"

"بس کیجیے دانیال! آپ نے تو مبالغہ آرائی کی حد ہی کر دی۔" ثروت نے ہنستے ہوئے کہا تھا۔

"کس معاملے میں؟ عمر کے معاملے میں یا ہنسی کے معاملے میں؟" دانیال حسن نے متبسم لہجے میں پوچھا۔

"دونوں معاملات میں۔" ثروت بھی کھلکھلائیں۔

"نہیں' خیر ہنسی والی بات تو سو فیصد درست ہے۔" دانیال حسن نے گردن موڑ کر بڑی چاہ سے ان کے چہرے کو دیکھا' جہاں سچی خوشیوں کے رنگ بکھرے تھے۔

"تمہیں شاید خود بھی اندازہ نہیں ہم کتنے عرصے کے بعد اتنا بے ساختہ ہنسی ہو' مجھے خود بھی تمہیں ہنستا دیکھ کر پرانے دن یاد آگئے ہیں تمہاری ہنسی آج بھی اٹھارہ سال والی ثروت کی ہنسی جیسی ہی ہے وہی کھنک وہی ترنم۔"

ثروت چونک کر دانیال حسن کو دیکھنے لگیں۔ "واہ صاحب! لگتے کتنے لاتعلق ہیں' مگر کیا کچھ غور کیے رہتے ہیں۔" انہیں بڑی خوشگواریت محسوس ہوئی۔

"غلطی میری نہیں ہے۔ آپ کی ہے دانیال!" ثروت نے اسی خوشگواریت کے زیر اثر کہا۔ "اگر آپ ہر روز اتنی ہی مزاحیہ باتیں کریں گے تو میں ہر روز ایسے ہی ہنسوں گی' اب اگر آپ کو ہی اتنے عرصے بعد کچھ یاد آیا تو میرا کیا قصور؟" دونوں ہی ہنس دیے۔

"ویسے اگر آپ کی باتیں درست ہیں تو مجھے اتنا نہیں ہنسنا چاہیے' کہیں آپ کی طرح کوئی اور نہ عاشق ہو جائے۔" ثروت نے شرارتاً جسم کے ساتھ کہا۔

"نہیں اب کوئی عاشق نہیں ہوگا' کیونکہ تمہارے ساتھ تمہارا الکل باڈی گارڈ موجود ہے۔ کوئی ہمت کرے گا تو اپنے دانت تڑوائے گا مجھ سے۔" دانیال نے کہا۔

"ویسے کیا خیال ہے جیسے کالج بنک کیا کرتے تھے' آج اپنی ساری اپائنٹمنٹس بنک کریں۔۔۔ سارا دن گھومیں پھریں گے۔۔۔ کچھ بھی باہر کریں گے اور۔۔۔ اور تھ کورس پیار محبت کی باتیں کریں گے۔"

دانیال حسن کو جانے کیا کیا سوجھ رہا تھا' شریر سے انداز میں پوچھنے لگے' ثروت کو پھر زور سے ہنسی آگئی۔

"لیجیے انو بی بی! ہمارا پلان کامیاب رہا۔"

ثروت اور دانیال حسن کے باہر جاتے ہی ولید نے چہکتے ہوئے انیہا سے کہا تھا' ولی کے کان کھڑے ہو گئے۔

"کون سا پلان؟" اس نے مشکوک نظروں سے دونوں کو گھورا۔

"تم دونوں کس بارے میں بات کر رہے ہو؟"

"ممی ڈیڈی کو ایونگ سری وش کرنے کا جو پلان بنایا تھا' اسی بارے میں بات کر رہے ہیں۔" ولید نے محتاط انداز اختیار کرتے ہوئے کہا تھا لیکن ولی کو زرا بھی یقین نہیں آیا۔

"جھوٹ۔۔۔ تم لوگ کوئی اور ڈرامہ کرنے والے ہو۔۔۔ میں سمجھ گیا ہوں۔" ولید سے تو اس کی کبھی نہیں بنی' اینٹ کا جواب ہمیشہ پتھر سے آتا تھا' ایسے ممکن تھا کہ اب اس کی بات پر اعتبار کر لیتا۔

"سبحان اللہ' ماشاء اللہ۔" ولید اش اش کر اٹھا۔

"یار انو! یہ اپنا موٹو کچھ زیادہ ہی ذہین نہیں ہوتا جا رہا' جس بات کو چھپانے کے لیے ہم اتنی محنت کر رہے تھے اسے اس نے ایک منٹ میں بھانپ لیا۔ ولی! تم شکرانے کے نفل ابھی پڑھ لینا۔ موٹے جثے کے ساتھ ساتھ موٹی عقل سے بھی اللہ کسی کسی کو نوازتا ہے۔"

ولی کے سر پر لگی پیروں میں بجھی۔

"دیکھ لو انو! یہ پھر مجھے موٹا کہہ رہا ہے۔"

"موٹے کو موٹا نہ کہوں تو کیا کہوں؟ ہیرک شاہ؟" ولید نے معصومیت سے آنکھیں پٹپٹائیں۔

"اُف۔۔۔! ولی نے روہانسا ہو کر انیہا کو دیکھا۔

"کیا بدتمیزی ہے ولید! کیوں تنگ کر رہے ہو اسے۔" انیہا نے بڑے پن کا رعب جھاڑتے ہوئے اسے ڈپٹا لیکن ولید پر کہاں خاک اثر ہونا تھا سابقہ انداز میں کہنے لگا۔

"میں نے کیا کہا ہے؟ میں تو اس کی تعریف ہی کر رہا ہوں' تمہیں نہیں پتا انو میں اس کی ذہانت اور موٹاپے سے کتنا امپریس رہتا ہوں۔"

"ولی! تم غصہ مت کرو میں اس کی شکایت ڈیڈی سے کروں گی۔" جواب میں ولید نے ایک قہقہہ لگایا۔

دنیا سے ڈرنے والے اے آسماں نہیں ہم
سو بار لے چکا ہے تو امتحاں ہمارا

www.pkdigest.com

"اچھا ولی! تم نے وہ نظم سنی ہے؟ ایک تھا الو گول مٹول۔ کھاتا تھا روٹی گولم گول۔" ولید خوب لمک کر گا رہا تھا اور ولی غصے سے جیسے پاگل ہو رہا تھا، آنکھوں سے جیسے چنگاریاں نکل کر ولید کی طرف لپک رہی تھیں بس نہ چلتا تھا اس کی گردن ہی مروڑ دے۔

اس نے غیر محسوس انداز میں اپنی نشست چھوڑی' ولید بھی جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا لیکن زبان پھر بھی نہ رکی۔

"اچھا تم دونوں نے وہ جنگل (Jingle) سنا ہے' اک بلی موٹی تازی سی جو مزے سے ڈنگ ڈونگ کھاتی تھی۔ اک بلی موٹی تازی سی اک بلی موٹی تازی سی۔۔۔" ولی جتنی تیزی سے اسے مارنے کے لیے لپکا' اتنی ہی تیزی سے ولید گاتا ہوا سیڑھیوں کی طرف بھاگ گیا۔

ولی سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

"میں اس کا کیا کروں۔۔۔ مجھے بھی کوئی اونگا بونگا نام مل جائے تو میں بھی اسے خوب چڑاؤں۔"

انیبا نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ ولیدیوں بھی اسے چڑانا نہیں چھوڑتا تھا لیکن ابھی اس نے ولی کا دھیان بٹانے کے لیے کہا تھا۔

"تم غصہ کرنا چھوڑ دو۔ ولید تمہیں چڑانا چھوڑ دے گا۔" اس نے نرمی سے کہا تھا لیکن ولی کی خفگی پھر بھی کم نہ ہوئی۔

تب ہی شائستہ کے ساتھ ماوی آ گئی۔

"ہیلو ایوی باڈی۔۔۔ امید ہے میں نے ڈسٹرب نہیں کیا ہو گا۔"

"کیا فارمل باتیں کر رہی ہو' تو ہمارے ساتھ ناشتہ کرو۔" انیبا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"نہیں تھینکس' ناشتہ میں کر چکی ہوں۔" اس نے پلیٹ انیبا کی طرف بڑھا دی۔ "یہ میں تمہارے لیے لائی تھی۔"

"واؤ برا ؤنیز۔" ولی کے چہرے کی رونق لوٹ آئی۔ ماوی نے دلچسپی سے اس کیوٹ بچے کو دیکھا۔

"یہ کیوٹ۔۔۔ موٹو سا بچہ کون ہے؟" اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا انیبا کی ہنسی چھوٹ گئی اور ولی کا چہرہ پھر سے بجھ کر رہ گیا' اس نے ناراضی سے ماوی کو دیکھا ہاتھ میں پکڑا ٹکڑا واپس پلیٹ میں رکھا اور پیر پٹختا چلا گیا۔

"اسے کیا ہوا؟" ماوی نے ناسمجھی سے پوچھا۔

"ولید اسے موٹو' موٹو کہہ کر چڑاتا رہتا ہے ابھی بھی دونوں کا اسی بات پر جھگڑا ہو رہا تھا اب تم نے بھی موٹو کہہ دیا اس کا موڈ تو آف ہونا ہی ہے۔" انیبا نے ہنستے ہوئے بتایا۔

"اوہ۔" ماوی کو افسوس ہوا۔ "بے چارہ اب اس کا موڈ ٹھیک کیسے ہو گا؟"

"یہ براؤنیز جب اس کے پیٹ میں جائیں گی تو موڈ خود بخود ٹھیک ہو جائے گا۔" انیبا نے لاپروائی سے کہا۔

"تم بیٹھو نا کھڑی کیوں ہو؟"

"تمہارے پیپرز کیسے ہو رہے ہیں؟" ماوی نے کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

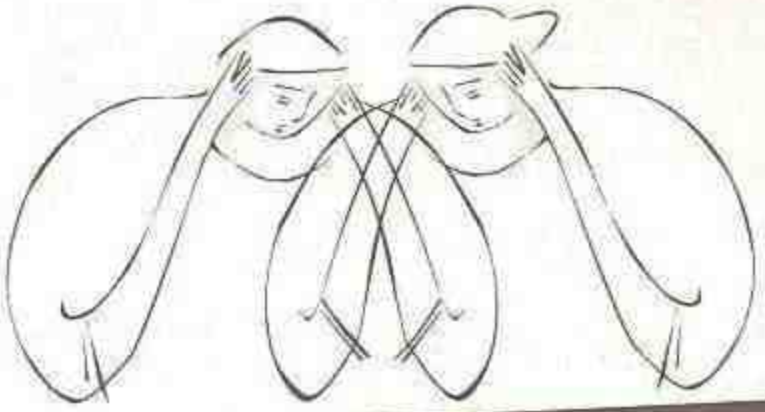
"اچھے ہوئے ہیں پیپرز کل شکر ہے آخری ہے۔"

"انیبا تمہاری ممی ہیں گھر پر؟" ماوی نے پوچھا ساتھ ہی متلاشی نظروں سے سارے میں نظر ڈالی۔

"نہیں ابھی کہیں باہر گئی ہیں کیوں خیریت؟ ممی سے کوئی کام تھا؟"

"میں ان کا شکریہ ادا کرنے آئی تھی۔"

"اوہاں' ممی نے مجھے ثمینہ آنٹی کے بارے میں بتایا تھا اب کیسی طبیعت ہے ان کی؟" انیبا نے پوچھا۔



صحت کے ایسے مسائل جن پر کسی سے بات کرنے میں آپ کو مشکلات پیش آتی ہیں

اور آپ اُن کے حل کے بارے میں فکر مند ہیں ؟

ان مسائل پر قابل اعتماد اور درست، حقائق پر مبنی معلومات اور ماں اور بچے کی صحت و تندرستی کی اعلیٰ اور معیاری مشاورت و خدمات کے لئے آج ہی "بہتر زندگی سینٹر" تشریف لائیں۔

اپنے قریبی "بہتر زندگی سینٹر" کا پتہ حاصل کرنے کے لئے یا مفید معلومات کے لئے 24 گھنٹے مفت کال کریں 0800 22333

ابھی وزٹ کریں www.srhmatters.org اور تربیت یافتہ، ماہر ڈاکٹر سے حاصل کریں

اپنے ہر سوال کا جواب مکمل رازداری کے ساتھ۔

بہتر زندگی سینٹر، بہتر زندگی میں پہلا قدم

0800 22333

SRHmatters.org

www.pkdigest.com

"شکر ہے اب طبیعت ٹھیک ہے۔" ماوی نے پُرسکون لہجے میں کہا پھر بولی۔ "میں چلتی ہوں انیہا! جب ثروت آنٹی موجود ہوں گی تب چکر لگاؤں گی۔ انہوں نے ممی کی بہت مدد کی آئی ایم ویری تھینک فل ٹو ہر۔"

"تم دوبارہ ضرور آنا مگر شکریہ وکریہ جیسی فارمیلٹیز میں مت پڑو۔ اب کوئی ایسی بات بھی نہیں کردی ممی نے۔۔۔ ممی کی جگہ کوئی بھی ہوتا تو وہ یہی کرتا۔"

ماوی نے مسکرا کر اس کی بات سنی پھر بولی۔

"تم آئیگزام دے لو پھر تفصیل سے بات کریں گے۔" تب ہی ولید "انیہا" کو پکارتا ہوا اندر داخل ہوا۔ ایک اجنبی چہرہ دیکھ کر ٹھٹکا اور بولا۔

اگ رہا ہے در و دیوار سے سبزہ غالبؔ
ہم بیاباں میں ہیں اور گھر میں بہار آئی

"یہ غالب ہے؟" ماوی نے انیہا سے پوچھا۔

"ارے نہیں میرا بھائی ہے ولید۔۔۔ مجھ سے بڑا اور مجھ سے چھوٹا ہے۔" انیہا نے تعارف کرواتے ہوئے بتایا۔

"اتنا بھی چھوٹا نہیں ہوں۔" ولید نے تڑپ کر تصحیح کروائی۔

"انیہا سے صرف سال بھر چھوٹا ہوں۔ تم سے تو بڑا ہی ہوں گا۔" بڑی بے تکلفی سے وہ ماوی کے ساتھ کھڑے ہو کر اپنا اور اس کا قد ناپنے لگا۔ لمبا وہ خاصا تھا کچھ خود کو بڑا ثابت کرنے کے شوق پنجوں پر کھڑے ہو کر ایڑیاں بھی اٹھائیں اور گردن بھی اکڑائی۔

"واقعی بڑے تو تم ہو۔" ماوی نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔

"میرا خیال ہے میں تمہیں بھیا جی کہا کروں۔" انداز سنجیدہ آنکھوں میں شرارت۔

"اونہہ۔" ولید کی ایڑیوں نے کرنے کے انداز میں زمین کو چھوا ساتھ ہی وہ چند قدم دور ہٹ گیا۔

"میں خوب صورت لڑکیوں کا "بھیا" نہیں بنتا۔۔۔ ویسے بھی۔۔۔ عارض گل دیکھ، روئے یار یاد آیا اسدؔ۔" اس نے مزے سے کہا۔

"عجیب ہو تم نام تمہارا ولید ہے، تھوڑی دیر پہلے کسی غالب کو یاد کر رہے تھے اب اسد یاد آگیا ہے۔" ماوی نے تعجب بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

"اس کی باتوں پر دھیان مت دو ماوی! یہ تو اچھے خاصے انسان کا دماغ خراب کردے چلو میں تمہیں باہر تک چھوڑ آتی ہوں۔" ماوی نے ہنس کر ولید کو دیکھا پھر انیہا کے ساتھ باہر نکل گئی۔

"یہ تو شاعری میں بالکل ہی کوری ہے میرا خیال ہے میری دال یہاں نہیں گلنے والی۔"

حسب عادت اس نے لاپروائی سے با آواز بلند اپنے خیالات کا اظہار کیا اور اطمینان سے ناشتہ کرنے بیٹھ گیا۔

☆ ☆ ☆

جے ڈی پچھلے دو گھنٹے سے ہاسٹل آیا ہوا تھا اور یہ دو گھنٹے اس نے سعدی کی منتیں کرنے میں صرف کیے تھے۔ مگر سعدی کا مزاج ایک ہی زاویے پر اٹکا ہوا تھا۔

"سعدی!۔۔۔ میرے پیارے دوست! میں نے معافی مانگ لی اگلی بار ایسا نہیں ہوگا اس بات کی یقین دہانی بھی کروا رہا ہوں مگر تمہارا ناراضی سے پھولا ہوا منہ اپنی اصلی حالت میں آنے کا نام ہی نہیں لے رہا۔ اب بتاؤ تمہیں منانے کے لیے میں اور کیا کروں؟"

"وہ سامنے بالکونی دیکھ رہے ہو اس کی گرل سے الٹے لٹک جاؤ جیسے ہی تمہیں وہاں لٹکے تیس منٹ گزر جائیں گے میں تمہیں معاف کردوں گا۔" سعدی نے ادائے بے نیازی سے کہا، جے ڈی نے بدک کر بالکونی کی طرف دیکھا، سعدی کا کمرہ بلڈنگ کی تیسری منزل پر تھا۔

"سعدی! ناراضی اپنی جگہ درست سہی لیکن بدلہ لینے کا یہ کون سا طریقہ ہے؟" ارسل نے سعدی کو یوں دیکھا جیسے اس کی ذہنی حالت پر شک ہو۔

"کس نے کہا میں بدلہ لے رہا ہوں؟" سعدی جلدی سے بولا۔

"میں الٹا لٹکنے کا اس لیے کہہ رہا ہوں کیونکہ لمبے قد کی وجہ سے جو عقل اس کے ٹخنوں میں چلی گئی ہے ممکن ہے الٹا لٹکنے سے وہ واپس دماغ میں آجائے اور اسے یہ بات سمجھ میں آجائے مجھ سے معافی اسے نہیں بلکہ شبیہہ کو مانگنی چاہیے۔"

"او میرے بھائی! شبیہہ العباس نے آج تک اپنے ابا سے کسی غلطی کی معافی نہیں مانگی۔ کیسے ممکن ہے وہ تم سے معافی مانگنے پر راضی ہو۔" جے ڈی نے تحمل سے اسے سمجھانا چاہا۔

"نہ مانگی ہو اپنے ابا سے معافی۔۔۔ مجھ سے مانگنی پڑے گی۔" سعدی نے اکڑ کر کہا۔ "اس نے میری بے عزتی کی ہے اور مجھ سے معافی مانگنے کے لیے اپنے اس گھامڑ کزن کو تم راضی کرو گے ورنہ یاد رکھنا میں تم سے بھی ساری زندگی کے لیے ناراض ہو جاؤں گا۔" سعدی نے سابقہ انداز میں دھمکایا۔

"سعدی۔۔۔!" جے ڈی سر دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر پلنگ پر پیچھے کی طرف گر گیا۔ اس جیسے دوست نواز شخص کے لیے یہ بڑی مشکل صورت حال تھی۔

"دیکھو سعدی! شبیہہ میرا کزن ہے لیکن میرا دوست بھی ہے۔ تم میرے دوست ہو لیکن مجھے شبیہہ کی طرح ہی عزیز ہو۔ میں تم سے معافی مانگ تو رہا ہوں تم سمجھ رہے شبیہہ کے الفاظ ہی ہیں۔ وہ اور طرح کے مزاج کا ہے یار! میں نے تمہیں پہلے ہی سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ دور بین نہ لگاؤ۔ اس کے سمجھانے کا انداز ذرا جارحانہ ہے۔ جو بات میں نے زبان سے سمجھائی اس نے ہاتھ سے سمجھا دی۔ میں مانتا ہوں اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا لیکن میں اسے تم سے ایکسکیوز کرنے پر راضی نہیں کر سکتا۔ تم پلیز ایسے ہی ناراضی ختم کردو۔"

"اور یار! یہ ناراض ہے تو اسے ناراض ہی رہنے دو مجھ پر ابھی ابھی آمد ہوئی ہے ذرا میرا تازہ کلام سن لو۔" ارسل نے مداخلت کرتے ہوئے کہا، فرض کیا ہے۔ ایک بچے نے اپنی ماں سے پوچھا۔

ماں! میں پیدا کیسے ہوا تھا۔ ماں بچے کا سوال سن کر گڑبڑا گئی اس نے سوچا اب بچے کو کیا بتاؤں، تبھی اس کے ذہن میں ایک خیال آیا اس نے بچے سے کہا۔ "بیٹا! میں نے ایک روز ایک گھڑے میں مٹی ڈال کر اس کا منہ بند کیا اور اس گھڑے کو زمین میں دبا دیا۔ اگلے روز صبح کو جب گھڑا نکالا تو اس گھڑے میں مجھے تم مل گئے۔"

بچے نے ماں کی باتیں بغور سنیں اور اسی رات گھڑے میں مٹی ڈال کر اسے زمین میں دبا دیا۔ اگلی صبح جب گھڑا نکالا تو اس میں سے ایک مینڈک نکلا بچے نے مینڈک کو دیکھ کر کہا۔

"دل تو چاہتا ہے تجھے جان سے مار دوں لیکن کیا کروں تو میری اولاد ہے۔" ارسل نے ایک زوردار قہقہہ لگایا لیکن جوں ہی سب پر نظر پڑی قہقہہ سمٹ گیا کیونکہ وہ سب خاموشی سے عجیب تاثر والی نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"کیا ہوا اچھا نہیں لگا؟" بڑی مایوسی سے پوچھا گیا۔

"میں تھرڈ ایا فورتھ اسٹینڈرڈ میں تھا، جب یہ لطیفہ پہلی بار سنا تھا اب یہ اتنا پرانا اور گھسا پٹا ہو چکا ہے کہ سن کر ہنسی تو کیا ہلکی سی مسکراہٹ بھی نہیں آتی اور تم اسے اپنا تازہ کلام کہہ رہے ہو۔" جنید نے اسے خشمگیں نظروں

www.pkdigest.com

سے گھورا ارسل دھٹائی سے ہنسنے لگا۔

"پوت کے پاؤں پالنے میں ہی نظر آجاتے ہیں یقیناً" تب بھی یہ لطیفہ میں نے ہی تمہیں سنایا ہوگا تمہیں پتا ہے اس معاملے میں بچپن سے ہی میرا ذہن بڑا زرخیز ہے۔"

"اچھا میرا نیا لطیفہ سن لو۔" ارسل نے پھر کہا سعدی پر سے سب کی توجہ ہٹ چکی تھی جل کر بولا۔

"کوئی ضرورت نہیں کچھ بھی سنانے کی ہمیں ہنسا ہوگا تو تمہاری شکل دیکھ لیں گے۔ خدا جھوٹ نہ بلوائے تو سرا لطیفہ ہو۔" اس رائے پر ایک زبردست جنگ چھڑ سکتی تھی، تبھی سعدی نے جلدی سے اپنا رخ جے ڈی کی طرف موڑ لیا۔

"شہیمہ معافی نہیں مانگتا نہ سہی۔ میں اسے ناسمجھ نالائق ناہنجار سمجھ کر معاف کرنے کے لیے تیار ہوں وہ بھی صرف اس لیے کیونکہ وہ تمہارا کزن ہے اور تم اس کی سفارش لے کر آئے۔ ہو یاد رکھنا میں اسے صرف اور صرف تمہاری خاطر معاف کر رہا ہوں۔" اس نے باور کروایا جے ڈی کے سر سے جیسے کوئی بوجھ کھسک گیا۔

"خوب" مسکرا کر بولا۔

"سو نائس آف یو سعدی! مجھے پتا تھا تم میرے بہترین دوست ہو میری بات سمجھ لوگے مجھے شہیمہ کے رویے کا افسوس ہے لیکن میں تمہارا بھی احسان مند ہوں کہ تم نے میری بات سمجھ کر اپنی ناراضی ختم کرلی۔" ابھی اس کی بات پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ سعدی نے ٹوک دیا۔

"زیادہ خوش ہونے کی ضرورت نہیں ہے بھلے ہی میں ناراضی ختم کرنے کے لیے تیار ہوں لیکن میری کچھ شرائط ہیں اگر تمہیں وہ شرائط منظور ہیں تو سمجھو میری ناراضی بھی ختم شد۔"

"ٹھیک ہے تم اپنی شرائط بتاؤ۔"

"ایک منٹ۔" جنید نے جلدی سے کہا۔ "اگر پہلی شرط ڈنر پارٹی کروانے کی ہے تو یاد رہے میں اور ارسل اس تصفیہ کے چشم دید گواہ ہیں اور رضاکارانہ طور پر بھی اس اجلاس میں شرکت کرنے کے لیے تیار ہیں۔"

"صرف تم دونوں ہی نہیں وحید اور حافق بھی ساتھ جائیں گے۔" سعدی نے حتمی انداز میں کہتے ہوئے جے ڈی کی طرف دیکھا اس نے فوراً اثبات میں سر ہلا دیا۔

"یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں۔۔۔ میں تم لوگوں کو ڈنر پر لے جاؤں گا۔" روٹھا دوست منانے کے لیے یہ اتنا مہنگا سودا نہیں تھا۔

"شرط نمبر دو۔۔۔ ڈنر کے بعد تم مجھے لبرٹی سے دو شرٹس دلواؤ گے؟"

"منظور۔۔۔ آگے بولو۔"

"شرط نمبر تین۔۔۔ پرسوں میں حبہ کو لنچ پر لے جا رہا ہوں اس کے لیے مجھے تمہاری گاڑی چاہیے ہوگی۔"

"گاڑی؟" جے ڈی سوچ میں پڑ گیا کیونکہ یہ تھوڑا سا مہنگا سودا تھا سعدی کی ڈرائیونگ پر اسے کچھ خاص بھروسہ نہیں تھا لیکن ...

"چلو ٹھیک ہے۔ گاڑی لے جانا کوئی اور شرط ہے تو وہ بھی بتا دو؟"

"جیو میرے دوست۔۔۔ مجھے تم سے یہی امید تھی یقین کرو آج تم نے دوستی کی جو تاریخ رقم کردی ہے مجھے فخر ہے تم پر۔۔۔ ہاں بس ایک آخری بات بھی کر مان جاؤ تو پھر ہماری ناراضی ایک سال کے لیے ختم ہو جائے گی لیکن یاد رہے سال بعد یہ کانٹریکٹ ری نیو کروانا پڑے گا تمہیں۔"

"فضول کی ہانکنا بند کرو شرط بتاؤ۔" ارسل اور جنید کو بھی اچھا خاصا تجسس ہو گیا تھا جے ڈی بھی بغور اسے دیکھ رہا تھا۔ خدا جانے اب کیا منوانے لگا تھا۔

"آخری شرط یہ ہے کہ۔۔۔" سعدی نے عیاری سے آنکھیں مٹکا کر جے ڈی کو دیکھا۔ "ہفتے میں دو بار تمہارے فلیٹ میں آکر میں دوربین سیٹ کیا کروں گا اور تم اعتراض بھی نہیں کرو گے۔"

"لیکن سعدی! وہ شہیمہ؟" اس نے کہنا چاہا۔

"ہاں یا ناں؟" سعدی نے پھر اکڑ کر پوچھا۔

"اچھا ٹھیک ہے مجھے تمہاری شرط منظور ہے۔" ناچار جے ڈی نے اثبات میں گردن ہلا دی تھی۔

☆ ☆ ☆

"مجھے یاد آیا تو قیر! تم نے تو کسی سرپرائز کا ذکر کیا تھا۔"

ڈنر کے بعد ثمینہ نے تو قیر صاحب سے پوچھا۔ اس سوال پر تو قیر نے بے ساختہ منیزہ کی طرف دیکھا پھر جلدی سے بات بدلنے کی کوشش کرنے لگے۔

"سرپرائز کو تو آپ رہنے دیں ثمینہ آپا! آپ کے بنائے ہوئے کھانوں کا تو میں ہمیشہ سے معترف رہا ہوں لیکن آج کا ڈنر تو بہترین تھا اسپیشلی چکن کڑاہی۔" لاجواب۔"

ثمینہ نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ تعریف وصول کی لیکن اس سے قبل کہ کوئی اگلی بات کرتیں مادی سبز قہوے لے آئی۔

"کیا بات ہے بھئی تمہارا منہ کیوں پھولا ہوا ہے؟" تو قیر صاحب نے جلدی سے پوچھ لیا مبادا ثمینہ پھر سے وہی قصہ چھیڑ دیں۔

"آپ سلطانہ آنٹی کو لے کر کیوں نہیں آئے؟ اب میرے تھیسز کا کیا ہوگا؟" وہ سخت پریشان تھی اور اسی پریشانی میں ان کی کزن کے متعلق پوچھ رہی تھی۔ تو قیر صاحب فیاض ماموں کے دوست اور فیضان ماما کے بزنس پارٹنر تھے کئی سال وہ لوگ دبئی میں اکٹھے رہے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ مادی تو قیر صاحب کے ساتھ ویسے ہی بے تکلف تھی جیسے اپنے ماموؤں کے ساتھ۔

"سلطانہ آپا کے کالج میں کوئی فنکشن یا سیمینار ہو رہا ہے۔ انہیں اسی سلسلے میں رکنا پڑا ورنہ لاہور آنے کا ارادہ تو ان کا پکا تھا اور تم پریشان نہ ہو۔ میں سلطانہ آپا سے فون پر تمہاری بات کروا دیتا ہوں۔ تمہارے جو بھی کنفیوژن ہیں ان سے ڈسکس کرلینا۔" تو قیر صاحب نے قہوے کی پیالی اٹھاتے ہوئے کہا۔

"پھر آپ مادی آپی کی بات ابھی کروا دیں کچھ تو ان کی پریشانی کم ہوگی۔" تو قیر صاحب کی بڑی بیٹی پری نور نے کہا۔

"ہاں میں بات کروا دیتا ہوں۔" تو قیر صاحب جیب سے موبائل نکال کر نمبر ملانے لگا۔ مادی نے پری نور کی طرف دیکھا۔ "تم ٹھیک کہہ رہی ہو پری! میں سچ مچ پریشان ہو گئی ہوں ڈپلن میں ہوتی تو اب تک آدھا نہ سہی لیکن ایک چوتھائی کام تو ضرور ہو چکا ہوتا۔ وہاں سپروائزر سے مدد بھی مل سکتی تھی بھی اب اتنی لائق فائق تو ہوں نہیں کہ کسی کی مدد کے بغیر تھیسز مکمل کرلوں۔" تو قیر صاحب نے موبائل اس کی طرف بڑھا دیا۔

"بات کرو۔"

مادی نے موبائل لے کر کان سے لگا لیا۔ رسمی علیک سلیک کے بعد انہیں اپنی پریشانی کے متعلق تفصیل سے بتایا تو وہ تسلی آمیز لہجے میں بولیں۔

"اس میں اتنا پریشان ہونے کی تو کوئی بات ہی نہیں۔ میں تمہاری خاصی مدد کر سکتی ہوں کیونکہ اپنے ایم فل کے لیے میں نے اسی ٹاپک پر مقالہ لکھا تھا وہ تمہاری کافی ہیلپ کردے گا اور کچھ نہ کچھ ریفرنس وائز میٹریل تم نے

بھی تو آخر کیا ہوگا؟" مادی انہیں اپنے میٹرک کی تفصیلات بتانے لگی۔

"اچھا بات کچھ ایسی ہے مادی بیٹے! کہ تمہاری مدد کرنے میں مجھے کوئی دقت نہیں لیکن اگلے دو ہفتوں تک میرا لاہور آنے کا کوئی پلان نہیں پھر اپنی کتابوں اور دیگر مٹیریل کے معاملے میں میں سخت کنجوس ہوں اپنے اسٹوڈنٹس کے ہاتھ میں بھی اتنے آرام سے چیزیں نہیں دیتی تمہاری مدد کے لیے بھی اگر توقیر نے نہ کہا ہوتا تو میں کبھی اپنا مقالہ دینے پر راضی نہ ہوتی۔ اب تم ایک کام کرو کل ہی ساہیوال آجاؤ اور میری لائبریری سے اپنی ضرورت کی کتابیں اور نوٹس لے کر ان کی فوٹو اسٹیٹ نکلوالو میں تمہارے لیے یہ کام خود بھی کر سکتی تھی مگر ایک تو سیمینار کی وجہ سے میرے پاس ٹائم نہیں ہے دوسرے ممکن ہے میرے ریسرچ ورک میں سے تمہیں کوئی ایسی چیز مل جائے جو تمہارے لیے بہت کار آمد ہو۔"

مادی نے فون بند کیا اور سر ہاتھوں میں گرا کر بیٹھ گئی۔

"میں نے یہاں آکر غلطی کی خوامخواہ ایک معمولی سی چیز کو اتنا complicated بنالیا۔ ڈبلن میں ہوتی تو فرینڈز اور سپروائزر کرتے تھوڑی سی محنت کے بعد ایک گریڈ تو مل ہی جاتا۔ Distinction کے خواب میں پاکستان آئی تھی لیکن اب تو لگ رہا ہے سی گریڈ بھی نہیں ملے گا۔" وہ رونے والی ہو رہی تھی۔ آواز اتنی دھیمی تھی کہ ثمینہ تک نہ پہنچی تاثرات پہنچ گئے۔

"کیا ہوا ہے مادی!" وہ بوکھلا ہی گئیں۔

"ممی! میری سلطانہ آنٹی سے بات ہوئی ہے وہ کہہ رہی ہیں اگر تھیسز کے سلسلے میں مجھے کوئی مدد چاہیے تو ان کے شہر ساہیوال آنا پڑے گا۔"

"بس پھر بھول جاؤ اس سارے سلسلے کو۔ کیونکہ اب کسی تیسرے شہر تو میں تمہیں جانے نہیں دوں گی۔" ثمینہ نے سخت لہجے میں کہا۔

"ممی پلیز!"

"اس میں مضائقہ بھی کیا ہے ثمینہ! میں خود لے جاؤں گا مادی کو آپ اور منیزہ بھی چلے گا۔" توقیر صاحب نے کہا۔

"رہنے بھی دو توقیر! ایک تھیسز کے لیے کہاں کہاں پھرنا پڑے گا اور لوگ بھی تو پڑھتے ہیں کون یوں ملکوں ملکوں اور شہروں شہروں پھرتا ہے؟" ثمینہ تو جیسے اس سارے سلسلے سے عاجز ہی آچکی تھیں۔

"سارے لائق اور محنتی اسٹوڈنٹس کوشش تو کرتے ہیں۔"

مادی نے کہنا چاہا لیکن ثمینہ کی ایک تیز نظر اسے خاموش کروا گئی تھی۔ وہ غالباً مہمانوں کی موجودگی میں اس موضوع پر بات کرنا نہیں چاہ رہی تھی۔ مادی دل مسوس کر خاموش ہو رہی لیکن اس موضوع کو اس نے مہمانوں کی واپسی تک کے لیے ٹال دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"ممی! ایک بات کہوں؟ لیکن وعدہ کریں آپ غصہ نہیں کریں گی۔" مادی نے کن انکھیوں سے ثمینہ کا موڈ بھانپتے ہوئے کہا۔

وہ دونوں اس وقت کچن میں تھیں مادی برتن دھو رہی تھی ثمینہ ان برتنوں کو خشک کر کے ریک میں لگا رہی تھیں۔

"ساہیوال جانے کی بات نہ کرنا غصہ نہیں کروں گی۔" ثمینہ نے سنجیدگی سے کہا وہ بھی جیسے مادی کا ذہن پڑھ رہی تھیں۔

"پلیز ممی!" مادی نے لجاجت سے کہا۔

"میں یہاں کیا کرنے آئی ہوں۔۔۔ اپنے تھیسز پر کام کرنے نا اگر آپ مجھے گھر میں قید کر کے رکھیں گی تو میرا کام کیسے مکمل ہوگا۔"

"میں نے تمہیں قید کر کے رکھا ہے۔" ثمینہ نے غصے سے اسے گھورا۔

"اگر تم اپنے تھیسز پر کام کرنے آئی ہو تو میں بھی صرف تمہارے لیے یہاں آئی ہوں ورنہ تمہیں پتا ہے میری مرضی قطعاً نہیں تھی۔ اب ایک ضد ماننے کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ میں تمہاری ساری ضدیں مانتی جاؤں۔ اسی شہر میں رہ کر تمہیں جو کرنا ہے وہ کرو منع نہیں کروں گی میں لیکن ساہیوال نہیں جانا تو بس نہیں جانا۔" ثمینہ نے دو ٹوک انداز میں کہا تھا۔

"آپ کو اعتراض کس بات پر ہے؟" مادی جھنجلا کر بولی۔

"اگر آپ نہیں جانا چاہتیں تو مت جائیں توقیر انکل کہہ تو رہے تھے وہ سارا انتظام کر دیں گے۔ میں ان کے ڈرائیور کے ساتھ چلی جاؤں گی۔"

"چلو بس۔" ثمینہ نے بے ساختہ سر پیٹ لیا۔

"تم ہمیشہ نرالی بات ہی کیا کرو مادی! مانتی ہوں زمانہ بہت بدل گیا۔۔۔ لیکن ابھی اتنا نہیں بدلا کہ ایک مشرقی ماں ساری ذمہ داریوں سے لاپروا ہو کر بیٹی کو ایک غیر مرد کے ساتھ سفر پر بھیج دے۔

اب میرا دماغ کھانا بند کرو پہلے ہی میرے سر میں درد ہے۔ صبح سے دل بھی گھبرا رہا ہے۔ خدا خیر کرے بس۔" ثمینہ نے خفگی بھرے انداز میں خود کلامی کی تھی۔

مادی نے خفگی سے انہیں دیکھا ہاتھ میں پکڑا کاس شیلف پر پٹخا ایپرن اتار کر ڈائننگ ٹیبل پر پھینکا اور دھپ دھپ کرتی کچن سے نکل گئی۔

ثمینہ نے اس کے انداز کو بری طرح محسوس کیا ڈپٹنے کا ارادہ کرتے ہوئے لب کھولے پھر جھنجلا کر رہ گئیں۔

"میں کیا کروں اس لڑکی کا دن بہ دن ضدی ہوتی جا رہی ہے' میری تو کوئی بات سمجھتی ہی نہیں' ایسے اجازت دے دوں اسے وہاں جانے کی میرا دل بھی اتنا گھبرا رہا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے چھٹی حس کوئی اشارہ دے رہی ہے جیسے کچھ ہونے والا ہو کچھ برا' کچھ ناپسندیدہ اور ناقابل قبول لیکن مادی ہے کہ سمجھتی ہی نہیں۔"

وہ پریشان بھی تھیں جھنجلاہٹ زدہ بھی۔ لیکن کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکی تھیں تبھی مادی کمرے سے ممی' ممی پکارتی نکلی۔ ثمینہ حسب عادت جلدی گھبرا گئیں۔

"کیا ہو گیا مادی!"

"ممی فیض ماما۔۔۔" اس نے تیزی سے کہا اس سے بھی تیزی سے ثمینہ نے اپنا دل تھاما۔

"کک۔۔۔ کیا ہو گیا میرے فیضان کو؟"

"ایں۔۔۔" مادی نے سر اٹھا کر ثمینہ کو دیکھا۔ زرد رنگت اندیشوں سے خائف چہرہ۔۔۔ وہ جیسے ہوش میں آئی۔

"اوہو فیض ماما کو ہوا کچھ نہیں ہے وہ پاکستان آئے ہیں اور باہر کھڑے ہیں انہوں نے ابھی فون پر مجھے بتایا ہے۔"

وہ مین ڈور اور باہر والے گیٹ کی چابیاں لے کر باہر کی طرف لپکی۔ ثمینہ کو پہلے تو یقین ہی نہیں آیا پھر جلدی سے مادی کے پیچھے گئیں۔ دروازہ کھلتے ہی انہیں گیٹ کے قریب کھڑے فیضان کی شکل دکھائی دی تو دل بھر آیا۔ ایسا لگا صدیوں بعد اپنے لاڈلے چھوٹے بھائی کو دیکھ رہی ہوں' آنکھوں کو پونچھتے ہوئے وہ فیضان سے گلے ملیں۔ یہ

www.pkdigest.com

ایک بے حد جذباتی منظر تھا جس پر ماوی اور فیضان دلچسپ جملے چست کرتے رہے تھے۔

☆ ☆ ☆

"تو یہ تھا وہ سرپرائز۔۔۔ جس کا ذکر تو قیر نے کیا تھا۔"

ثمینہ نے کشن گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے خوش دلی سے پوچھا۔ سارا دن دل کو لاحق رہنے والی بے چینی اور سمجھ میں نہ آنے والی گھبراہٹ کا خاتمہ ہو چکا تھا بلکہ بھائی کی موجودگی میں وہ بڑا اچھا محسوس کر رہی تھیں۔

"جی ہاں۔۔۔ یہی تھا وہ سرپرائز جس کا ذکر تو قیر بھائی کر رہے تھے۔ کہنے لگے تم کو اچانک آپا کے سامنے لے جا کر مزہ آئے گا اس لیے پہلے سے ذکر مت کرنا۔ لیکن برا ہو ایئر لائن کا۔۔۔ ایک نہ دو۔۔۔ پورے چار گھنٹے فلائیٹ لیٹ ہوئی ورنہ میں بہت پہلے ہی پہنچ چکا ہوتا۔" فیضان نے کہا۔

"اچھا یہ بتاؤ گھر میں سب کیسے ہیں؟"

"اچھے ہیں آپ کو سب ہی بہت مس کر رہے ہیں شہزا نے تو پیغام بھی بھیجا ہے کہ پھپھو جلدی گھر آجائیں ورنہ میں پاکستان آجاؤں گی۔" فیضان نے بالکل شہزا کے لہجے میں کہا۔ ثمینہ تو نہال ہی ہو گئیں' اسے تو ایک طرح سے پالا ہی ثمینہ نے تھا اس لیے شہروز سے زیادہ گہری وابستگی ان کی شہزا سے تھی۔

"تو تم اسے بھی لے آتے نا میں تو خود اتنی اداس ہو چکی ہوں پتا نہیں کب یہ ریسرچ ورک مکمل ہو گا اور ہم واپس جائیں گے۔"

ثمینہ نے ایک خفگی بھری نظر ماوی پر ڈالتے ہوئے کہا' وہ کچن میں برنر کے قریب کھڑی کافی پیسنٹ رہی تھی۔ جواب میں اس نے بھی خفگی سے ثمینہ کو دیکھا تھا۔

"مجھے تو خود آج بڑی مشکل سے سیٹ ملی ہے۔ وہ بھی چانس پر تھی۔ اگر چند روز پہلے آنے کا پلان بنتا تو ضرور شہزا کے لیے سوچتا۔" ان کا اسپورٹس گڈز کے امپورٹ ایکسپورٹ کا بزنس تھا اسی سلسلے میں پاکستان آنا جانا لگا ہی رہتا تھا۔

"ماوی! تمہارا ریسرچ ورک کہاں تک پہنچا؟"

"پہنچنا کہاں ہے وہیں رکھا کھڑا ہے بے چارہ۔" وہ منہ بگاڑ کر بولی اور مکھن ٹرے میں رکھ کر باہر آگئی۔

"کوئی مجھے کچھ کرنے ہی نہیں دے رہا۔ ریسرچ ورک کیا خاک مکمل ہو گا۔" اس نے ناراضی سے ثمینہ کو دیکھا اور حسب توقع ثمینہ اور بھی خفا ہو گئیں۔

"اب پھر سے وہی بحث شروع مت کر دینا ماوی!"

"ممی پلیز۔۔۔ ڈرائے تو اندر۔"

"بس ختم کرو اس بات کو کیا باقی دنیا نہیں پڑھتی' کتنے لوگ ہیں جنہیں ملکوں ملکوں اور شہروں شہروں گھوم پھر کر فیکٹ اینڈ فگر اکٹھے کرنے کا موقع ملتا ہو گا۔"

"آپ سمجھ نہیں رہیں۔ اپنی پوری کلاس میں سے واحد میں ہوں' جو تھیسز کے سلسلے میں کسی دوسرے ملک گئی ہے۔ وین اور جینٹ تو ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے ہیں کہ ماوی بسترین تھیسز تیار کر کے لائے گی۔ آپ خود سوچیں میرا ریسرچ ورک اور ڈزنری (معمولی) ہوا تو انسلٹ کتنی ہو گی میری۔" وہ ضدی پن سے بولی۔

"آپا! ماوی ٹھیک کہہ رہی ہے آپ اسے ساہیوال جانے دیں۔" فیضان نے کہا' ثمینہ نے گھور کر ماوی کو دیکھا۔

"تم اسے ساری بات بتا چکی ہو؟" ماوی نے مسکراہٹ بھینچ کر اثبات میں سر ہلا دیا۔

"آپ کو راضی کرنے کے لیے مجھے کسی نہ کسی کو تو اپنا وکیل بنانا تھا نا۔۔۔ سچی فیضان ماما! بڑے درست وقت پر

آتے ہیں آپ۔" اس نے شریر سے انداز میں کہا۔

"میں تمہارا کیا کروں ماوی! اس بے چارے کو آئے ہوئے دیر ہی کتنی ہوئی ہے جو تم اپنا قصہ سنانے بیٹھ گئیں۔" فیضان نے گہری نظروں سے ثمینہ کو دیکھا پھر ماوی سے بولا۔

"ماوی! جاؤ میرے ہینڈ کیری سے میرا لیپ ٹاپ اور موبائل فون نکال کر لاؤ۔" فیضان نے چالاکی سے ماوی کو کمرے میں بھیج دیا پھر دھیمی آواز میں ثمینہ سے مخاطب ہوا۔

"اب بتائیں مجھے کیا پریشانی ہے آپ کو؟ کیوں نہیں جانا چاہتیں ساہیوال۔"

"تمہیں پتا تو ہے فیضی!" ثمینہ نے گہری سانس بھر کر دکھی لہجے میں کہا۔ "اس شہر سے اتنی بری یادیں جڑی ہوئی ہیں کہ میں نام بھی سننا نہیں چاہتی۔ بلکہ صرف ساہیوال ہی کیوں۔ میں تو اسی لیے پاکستان بھی نہیں آنا چاہتی تھی۔۔۔ پھر دل کو عجیب سا دھڑکا لگا ہوا ہے' جیسے کچھ ہونے والا ہو۔ تم انوینا نہ مانو فیضی! میری چھٹی حس کوئی اشارہ کر رہی ہے' جسے میں سمجھ نہیں پا رہی۔" ثمینہ نے بے چارگی سے کہا۔

"آپ بھول کیوں نہیں جاتیں وہ سب۔" فیضان نے کہا۔

"بہت مشکل ہے۔" ثمینہ نے سابقہ انداز میں کہا۔

"میں بھول جائیں سب کچھ' جو گزر گیا سو گزر گیا۔ پرانی تلخیاں نئے دور میں بھی تلخ ہی رہتی ہیں' اس لیے انہیں یاد رکھنے کا کوئی فائدہ نہیں۔"

ثمینہ نے سر جھٹک کر گویا ان تلخیاں دل اور اذیتوں سے چھٹکارا حاصل کیا پھر بولیں۔

"تم سمجھاؤ ماوی کو۔۔۔ ساہیوال جانے کی ضد چھوڑ دے۔"

"آپ بے فکر رہیں۔ میں خود چلا جاتا ہوں ماوی کے ساتھ تب تو آپ کو کوئی پریشانی نہیں ہونا چاہیے۔۔۔ ویسے بھی مجھے اندازہ ہے کلاس فیلوز کے درمیان انسلٹ کا خیال ہی کتنا ہولناک ہوتا ہے۔" اس نے مسکرا کر کہا پھر کمرے سے نکلتی ماوی کو دیکھ کر بولا۔ اس نے ثمینہ کی خاموشی کو رضامندی سمجھ لیا تھا۔

"ماوی! تم کل کی تیاری رکھو میں تو قیر بھائی کے ڈرائیور کو بلوا لیتا ہوں۔ ان شاء اللہ کل ساہیوال جانے کا پلان پکا ہے۔"

"اس کا مطلب ممی مان گئیں۔" ماوی چہکی۔

"محترمہ! آپ نے اتنا قائل وکیل ہائر کیا تھا' مانتی کیسے نہیں۔" فیضان ہوا سیر تھا۔

"واؤ ماما۔۔۔ یو آر گریٹ تھینک یو ممی!" وہ لیپ ٹاپ جلدی سے کشن پر رکھ کر ثمینہ سے لپٹ گئی۔

☆ ☆ ☆

"تم بھی کمال ہو تنوی! ایک نہ دو۔۔۔ اکٹھی چار چھٹیاں۔۔۔ شکر کیا کرو میرے جیسی پُرخلوص اور بے غرض لڑکی تمہاری سہیلی ہے' ورنہ تمہارا نام تو اب تک stock off ہو چکا ہوتا۔"

فون پر تنوی کی آواز سنائی دیتے ہی عبیر حسب عادت شروع ہو گئی تھی۔

"اچھا وہ کیسے؟" تنوی بالکل بھی متاثر نہ ہوئی۔

"بھئی سیدھی سی بات ہے میں ہی تو ہوں وہ عظیم لڑکی۔۔۔ جس نے حق دوستی ادا کرنے کے لیے رضاکارانہ

www.paksociety.com

طور پر تمہاری Proxy لگوانے کی ذمہ داری اپنے کندھوں پر لی ہوئی ہے۔ احسان مانو میرا۔"

"واقعی تم نے مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔" اس نے بالکل عبیر کے انداز میں غیر سنجیدگی سے کہا۔ "میں تو یہ سوچ رہی ہوں عبیر! اتنے بڑے احسان کا بدلہ کیسے چکاؤں گی۔"

"فکر مند نہ ہونا تنوی! میں ہوں نہ تمہاری پیاری دوست جلد یا بدیر اس احسان کو اتارنے کا کوئی نہ کوئی طریقہ تمہیں ضرور بتا دوں گی۔" عبیر نے نہایت ہمدردی سے کہا پھر دونوں ہنس دیں۔

"اچھا۔۔۔ اپنی شان میں زمین آسمان کے قلابے ملانا بند کرو اور یہ بتاؤ کالج کی کیا خبریں ہیں۔" تنوی نے ریسیور ایک ہاتھ سے دوسرے میں منتقل کرتے ہوئے دلچسپی سے پوچھا۔

"فی الحال کالج کو چھوڑو اور مجھے یہ بتاؤ اتنے دن سے کالج کیوں نہیں آ رہیں گھر میں تو سب خیریت ہے نا!"

"ہاں خیریت ہے۔" تنوی نے سادگی سے کہا۔ اس کا دل چاہا عبیر کو اپنی پریشانی کے متعلق بتائے۔ اس روز اُمِ ثمامہ نے اس کے ہاتھ کی لکیریں دیکھ کر جو کچھ بھی کہا وہ ایسا نہیں تھا کہ اسے آسانی سے نظر انداز کر دیا جاتا۔

"مجھے بخار تھا دراصل اسی لیے نہیں آ سکی۔" اس نے بہانہ بنایا تو عبیر اس کی خیریت معلوم کرنے لگی پھر بولی۔

"کل تو کالج آؤ گی ناں؟"

"وعدہ نہیں کرتی عبیر! طبیعت ٹھیک ہوئی تو آ جاؤں گی۔" اس نے بے زاری سے کہا کہ کل بھی چھٹی کا ارادہ کیے بیٹھی تھی۔

"یار! کل تو ضرور آ جاؤ پتا ہے کالج میں بڑے مزے کی باتیں ہو رہی ہیں۔ مس رابعہ نے نوٹس لگایا تھا کہ اب اردو ڈرامہ کے بجائے شیکسپیئر کا کوئی ڈرامہ اسٹڈی کیا جائے گا۔ میڈم نے سوچا ہو گا اس طرح آڈیشن دینے والی لڑکیوں کی بھیڑ کچھ کم ہو جائے گی لیکن یہاں تو ذوق و شوق اور بڑھ گیا ہے۔ کالج کے ہر کونے میں فرسٹ ایئر فول اپنا انگلش تلفظ درست کرتی نظر آ رہی ہے اور تو اور اپنی نمرو بی بی بھی اسی بھیڑ میں شامل ہیں۔ مجھیں ملتا ہے ان سے بہتر شیکسپیئر کی ہیروئن کوئی ہو ہی نہیں سکتی۔" اس نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

"مجھے یقین ہے نمرو کو اس غلط فہمی میں عروش نے مبتلا کیا ہو گا یاد نہیں پچھلی بار کیدو کے کردار کے سلسلے میں بھی اس نے نمرو کا دماغ کتنا خراب کیا تھا۔"

"ہاں اور نمرو بی بی اس کردار میں حقیقت کے رنگ بھرنے کے لیے پورے تین ہفتے لنگڑا لنگڑا کر چلتی رہی تھی لیکن کیدو کا کردار اسے پھر بھی نہیں ملا تھا۔"

وہ دونوں نمرو کی حالت یاد کرتے ہنس ہنس کر بے حال ہو گئیں پھر عبیر بولی۔ "نمرو سے یاد آیا محترمہ کا نیا کارنامہ بھی سن لو۔"

"اب کیا کر دیا اس نے؟"

"com sat's میں سیمینار ہو رہا ہے اور موضوع ہے۔"

"Human Psychology and it's Different Aspects"

(انسانی نفسیات اور اس کے مختلف پہلو) فاؤنٹین ہاؤس سے ڈاکٹر عبداللہ ہارون بھی آ رہے ہیں اور ان کے علاوہ سنا ہے پورے ملک سے سائیکالوجسٹ اور اسکالرز شرکت کریں گے۔ ہمارے کالج کو بھی انویٹیشن ملا ہے تو میڈم فرحت نے کہا جو لڑکیاں شرکت کرنا چاہ رہی ہوں وہ اپنا نام ان کے پاس لکھوا دیں۔ نمرو بی بی کا تو مضمون ہے۔ سائیکالوجی۔۔۔ محترمہ نے کمال یہ کیا کہ سیمینار میں شرکت کرنے کے شوق میں اپنے ساتھ ساتھ ہم دونوں کے نام بھی لکھوا دیے۔"

"لیکن کیوں؟ مجھے تو کوئی شوق نہیں ہے سیمینار اٹینڈ کرنے کا نمرو سے کہنا تھا شوق اس کا مضمون اس کا خود ہی جائے۔"

"میں نے کہا تھا مگر وہ زیادہ ہی جذباتی ہو کر بولی "تم لوگ اپنی فرینڈ کے لیے اتنا نہیں کر سکتے تو کیا فائدہ ہے ایسی دوستی کا۔" وہ تو جذباتی ہوئی سو ہوئی میں نے اس سے زیادہ جذباتی ہو کر جانے کی ہامی بھر لی۔" عبیر نے بے چارگی سے بتایا تو تنوی جلدی سے بولی۔

"ٹھیک ہے تم دونوں چلی جانا میں نہیں جاؤں گی۔"

"تنوی! تم اپنی اس پیاری سہیلی کو بورنگ سیمینار اٹینڈ کرنے کے لیے اکیلی چھوڑنا چاہتی ہو؟" عبیر نے مسکین سی آواز نکالی پھر خود ہی ہنس کر بولی۔

"تم کل کالج آ جاؤ ہم مل کر نمرو کو کنوس کرنے کی کوشش کریں گے کہ ہمارا اس سیمینار میں کیا کام۔ وہ راضی نہ ہوئی تو ہم اس کی بات مان لیں گے؟"

"ہاں ٹھیک ہے۔" تنوی نے کہا پھر کچھ خیال آنے پر تیزی سے بولی۔

"عبیر! کیا ثمامہ ان چار دنوں میں کالج آئی رہی ہے۔"

اس نے حتی المقدور اپنے لہجے کو نارمل رکھنا چاہا تھا لیکن ثمامہ کا نام سنتے ہی عبیر کا دل بلیوں اچھلنے لگا۔

"ہاں۔۔۔ وہ تو آتی رہی ہے۔ کیوں؟ تمہیں کوئی کام تھا اس سے؟" عبیر نے بن کر پوچھا تو تنوی پُرسوچ انداز میں بولی۔

"تمہارا کیا خیال ہے عبیر! اس روز میرا ہاتھ دیکھ کر جو کچھ بھی ثمامہ نے کہا وہ درست ہو گا؟"

"سو فیصد۔" عبیر نے جلدی سے کہا۔ "میں ثمامہ کو بڑی اچھی طرح سے جانتی ہوں وہ کبھی جھوٹ نہیں بولتی اور پھر سوال یہ ہے کہ وہ جھوٹ بولے گی بھی کیوں؟"

"ہاں۔۔۔ وہ واقعی کیوں جھوٹ بولے گی؟" تنوی نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔ عبیر نے چند اِدھر اُدھر کی باتیں کیں جنہیں تنوی نے غائب دماغی سے سنا اور فون بند کر دیا۔ تنوی ٹیلی فون ریک کے پاس کھڑی رہی پھر باہر آ گئی۔

"کیا سچ مچ میری زندگی میں کوئی خوف ناک قسم کی پریشانی آنے والی ہے؟" وہ سوچ رہی تھی۔ باغ میں تاریکی چھائی ہوئی تھی خدا جانے آج لالٹینیں کیوں نہیں جلائی گئیں۔

پچھ فاصلے پر شبیہہ کھڑا تھا ایک ہاتھ میں مگ دوسرے ہاتھ کی بند مٹھی پر نظریں جمائے تنوی نے وہاں سے ہٹنا چاہا، تبھی شبیہہ نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور اشارے سے اسے قریب آنے کے لیے کہا۔ اس کی سخت طبیعت کے پیشِ نظر وہ محتاط انداز سے قدم اٹھاتی اس کے قریب چلی آئی۔

شبیہہ نے اسے ہاتھ بڑھانے کے لیے کہا اور اپنی مٹھی میں قید تھے سے جگنو کو احتیاط سے اس کی مٹھی میں منتقل کر دیا۔

تنوی کو بچپن کا کوئی بھولا بسرا لمحہ یاد آیا تھا۔

شبیہہ پلٹا اور اندر کی طرف بڑھ گیا۔ تنوی نے اسے جاتے دیکھا پھر چند لمحے اپنی مٹھی کو گھورتی ہتھیلی پر اس جگنو کے لمس کو محسوس کرتی رہی پھر اس نے بازو بڑھایا اور مٹھی کھول دی۔

"بچپن تو کب کا گزر چکا شبیہہ بھائی! پتا نہیں آپ مجھے بچوں کی طرح ٹریٹ کرنا کب چھوڑیں گے۔"

جگنو نے پر کھولے اور ایک ننھی سی چنگاری تاریکی کے پردے میں تحلیل ہو گئی۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں۔)

www.pkdigest.com



آمنہ ریاض

سلام

دین محمد مٹی سے محبت کرنے والا جفاکش مرد ہے۔ دھرتی کو اپنے خونِ جگر سے سونا اگلنے کے قابل بنانا اس کا پیشہ ہے۔ اس کی پوری زندگی محنت سے عبارت ہے' جو وہ اپنے چھ مربع زمین پر صرف کرتا ہے۔ شادی کو آٹھ سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ اپنے چھوٹے سے گھر میں وہ بیوی زہرہ اور ماں کے ساتھ رہتا ہے۔ زہرہ چھ مردہ بچوں کو جنم دے کر ایک مرتبہ پھر امید سے ہے۔ دین محمد کا رواں رواں اولاد کی خوش خبری پانے کے لیے مجسم دعا بن چکا ہے۔ اس کی دعائیں مستجاب ٹھہرتی ہیں اور اس کے یہاں ایک خوب صورت بچی جنم لیتی ہے۔ اسے وہ اپنی "جنت" کے نام سے مخاطب کرتا ہے۔

جلال الدین کے روز و شب نوکری کی چکی میں پستے گزر رہا ہے۔ اس نوکری کے دوران اسے آرام کرنے کا موقع بھی کم ملتا ہے۔ بہتر مستقبل کا خواب اسے متحرک رکھتا ہے۔ تنہائی میں کسی کی محبت کا جگنو اس کی دنیا آباد رکھتا ہے۔ ہر دم "اس" کی یادیں اسے بے چین رکھتی ہیں۔ دن بھر کا تھکا ہارا وہ آرام کرنے لیٹتا ہے تو پولیس اسٹیشن سے اطلاع ملتی ہے کہ جنت بی بی حراست میں ہے' جس کا دعوا ہے کہ اس نے اپنے شوہر کا قتل کیا ہے۔ جلال الدین اپنے وکیل دوست مسعود کے ساتھ بھاگم بھاگ پولیس اسٹیشن پہنچتا ہے اور ثروت دیکھتا ہے کہ جنت شیزوفرینیا کی مریض ہے۔ جس کی شادی ابھی ہوئی تک نہیں۔ جنت کی حالت جلال الدین کو اعصابی تھکن کا شکار کرنے لگتی ہے۔ جسے اس نے نوکروں کے سہارے علیحدہ گھر میں رکھ چھوڑا ہے۔

ثمینہ 14 سال بعد اپنی بیٹی مادی کے ساتھ آئرلینڈ سے پاکستان آئی ہیں تو انہیں توقیر صاحب کے بنائے گئے گھونسلے کو تلاشنے میں بہت وقت لگتا ہے۔ وہ فیض کے دوست توقیر صاحب کے توسط سے دانیال کی ایکسی میں ٹھہرتی ہیں۔ ثروت دانیال منسار اور مجتبیٰ خاتون ہیں۔ ولی' ولید اور انیسا ان کے بچے ہیں۔ مادی کی پہلی ملاقات میں انیسا سے دوستی ہو جاتی ہے۔



www.pkdigest.com

شبیہہ العباس طبعتاً "سخت گیر اور غصہ ور نوجوان ہے' جسے صنف نازک کا غیر ضروری ہنسنا بھی ناگوار گزرتا ہے۔ وہ پھپھی زاد خنوی سے منسوب ہے۔ خنوی اس کی تند خو طبیعت سے نالاں ہے۔ شبیہہ 'خنوی کو کالج چھوڑنے آتا ہے تو سہیلیاں عبیر اور نمرہ خنوی کے سر ہو جاتی ہیں۔ یہ جان کر کہ شبیہہ خنوی کا منگیتر ہے' وہ اس کی قسمت پر رشک کرتی ہیں۔ خنوی دونوں سے گزارش کرتی ہے کہ عروش کو اس بات کا علم نہ ہو۔

شبیہہ' بیگم ثروت دانیال کی اولاد ہے جسے انہیں دانیال حسن سے شادی سے پہلے چھوڑنا پڑا۔ بچپن کی محرومی نے اسے بدمزاج اور غصیلا بنا دیا ہے وہ ابیہا اور ولید سے بہت ترشی سے پیش آتا ہے۔ وہ ان سے بحیثیت بہن بھائی قلبی تعلق محسوس نہیں کرتا۔ ابیہا اس کی محرومی دل سے محسوس کرتی ہے۔ ابیہا پر بری نظر ڈالنے پر وہ جے ڈی کے دوست سعدی کو پیٹ ڈالتا ہے۔ صرف جے ڈی اس کی کیفیات سمجھتا ہے' جو بچپن کا دوست اور کزن ہے۔

پیار بڑنے پر بیگم دانیال ثمینہ کی اچھی طرح دیکھ بھال کرتی ہیں تو ثمینہ ان کے اخلاق سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتیں۔ انہیں بیگم دانیال کو دیکھ کر لگتا ہے کہ وہ پہلے بھی ان سے مل چکی ہیں۔

بچوں کی لڑائی میں بہت کو چوٹ لگتی ہے تو دین محمد اپنی بہن زبیدہ کے بیٹے فاروق کا حلیہ بگاڑ دیتا ہے۔ ساتھ ہی زبیدہ بہن اور رفیق بھائی سے قطع تعلق کر لیتا ہے۔ زہرہ اس کی بہت سے طوفانی محبت سے خوف زدہ ہے۔ دین محمد 'زہرہ کو باور کرواتا ہے کہ وہ بہت کو بیاہ کر دوسرے گھر نہیں بھیجے گا بلکہ اس کے شوہر کو گھر داماد بنائے گا۔

اتفاقاً "مادی کا ٹکراؤ شبیہہ سے ہوتا ہے۔ جس سے مادی کا پیر زخمی ہو جاتا ہے۔ اپنی غلطی کے باوجود جھنجلاہٹ میں شبیہہ مادی کو بُری طرح سے ڈانٹتا ہے تو مادی اس کی طبیعت صاف کر دیتی ہے۔ ثمینہ سے وہ اس واقعے کا ذکر نہیں کرتی

(اب آگے پڑھیے)

چھٹی حس ۶

"میں اسپورٹس گراؤنڈ میں تمہارا انتظار کروں گی' پہلی کلاس ختم ہونے کے بعد آجانا' مجھے تم سے کچھ ضروری بات کرنا ہے۔"

عروش چند لمحوں کے لیے اس کے قریب ٹھہری' پھر تیز تیز قدم اٹھاتی کوریڈور سے باہر نکل گئی۔ خنوی سر جھٹک کر کلاس میں داخل ہوئی تو عبیر سے ٹکرا گئی۔

"اف..." وہ بمشکل سنبھلی' عبیر اور نمرہ بیگ اٹھائے باہر نکل رہی تھیں۔ نمرہ چیخ مار کر اس سے لپٹ گئی۔

"خنوی! گندی بچی... کتنے دنوں بعد آئی ہو۔ تمہیں شرم نہیں آئی بغیر بتائے چھٹی کر لیتی ہو۔" اس کے شکوے شروع ہو گئے۔

"پہلے یہ بتاؤ تم دونوں بیگ اٹھائے کہاں جا رہی ہو؟ کلاس اٹینڈ نہیں کرنی؟" خنوی نے اپنا بیگ اور فائل قریبی کرسی پر رکھتے ہوئے پوچھا۔

"کلاس بنک کرتے ہیں یار! باہر اتنی اچھی دھوپ نکلی ہے' چلو چل کر وٹامن ڈی کے مزے لوٹتے ہیں... کینٹین میں سموسے بھی آگئے ہوں گے۔" عبیر نے چٹکارہ لیتے ہوئے کہا۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے۔ واپس جا کر بیٹھو' آج سے کوئی کلاس بنک نہیں ہوگی' ایگزام سر پر ہیں۔"

"او خنوی! کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ایک روز کلاس اٹینڈ کر کے ہمیں کون سا سقراط بقراط بن جانا ہے۔ ذرا تصور کرو گرما گرم سموسے اور گرما گرم دھوپ۔" نمرہ نے اس کے تصور میں ایک منظر روشن کرنا چاہا تھا' مگر خنوی راضی ہو کر نہ دی۔

"ارے یار! میڈم فوزیہ آج نہیں آئیں' ہم اسی لیے باہر جا رہے ہیں۔" تنگ آکر عبیر نے بتایا' خنوی کو مایوسی ہوئی۔

"میڈم؟ نہیں آرہیں تو پھر بھی ہم یہیں بیٹھیں گے۔ اگلا لیکچر بھی تو اسی کلاس روم میں ہے۔" وہ زبردستی ان دونوں کو پچھلی نشستوں کی طرف لے آئی۔

"تمہیں باہر جانے میں کیا مصیبت ہے خنوی! جب لیکچر کو ہی نہیں آنا تو چالیس منٹ ان احمق لڑکیوں کے درمیان بیٹھ کر کیا کریں۔ اوپر سے یہ فاطمہ بدتمیز مجھے آدھا وائٹ بورڈ بھی نہیں دے رہی کہ میں پانچ' چھ پھڑکتے ہوئے اشعار لکھ کر دل بہلا لوں۔ چڑیل مسلسل اپنی شکل والے کارٹونز بنائی جا رہی ہے۔"

عبیر نے دانت کچکچاتے ہوئے بہت حسرت سے وائٹ بورڈ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ جواباً "خنوی نے انہیں عروش کے بارے میں بتا دیا۔

"یار! میرا دل نہیں چاہ رہا اس کی بے وقوفانہ باتیں سننے کو۔ اب اگر کلاس روم سے باہر نظر آگئی تو سر پر سوار ہو جائے گی۔ اس لیے یہیں بیٹھ جاتے ہیں۔"

"عروش بے وقوفانہ باتیں نہیں کرتی۔ اچھی باتیں کرتی ہے۔" نمرہ نے کمزور سے لہجے میں عروش کا دفاع کرنا چاہا۔ جواباً "عبیر نے اسے بری طرح گھورا اور طنزیہ انداز میں بولی۔

"ہاں اتنی اچھی باتیں کرتی ہے کہ اس کی باتوں کو اقوال زریں کی طرح چھپوا دینا چاہیے۔"

"دیکھ لو خنوی! اپنی چاردن کی چھٹیوں کا نتیجہ... میں اکیلی ان محترمہ کو کب تک سنبھال سنبھال کر رکھتی' اب یہ اٹھتے بیٹھتے ہمیں عروش کے اقوال سنایا کرے گی۔"

"بکو مت عبیر!" نمرہ فوراً چڑ کر پھپھڑیاں پلٹنے کی غرض سے بولی۔

"تم نے اتنی چغلیاں کیوں کیں؟ اور چغلیاں کرنا ہی تھیں تو پہلے سے بتا نہیں سکتی تھیں۔" وہ خنوی پر چڑھ دوڑی۔

"میں اتنا پریشان تھی کہ انفارم کرنے کا خیال ہی نہیں آیا۔" خنوی بے چارگی سے بولی۔

"پریشان؟" وہ دونوں اس کے دائیں بائیں بیٹھ گئیں۔

"کیسی پریشانی؟"

"تم دونوں اتنی جلدی اہم ثمامہ کی باتیں کیسے بھول گئیں۔ میرے تو دماغ سے چپک گئی ہیں۔ پتا نہیں کیا مصیبت آنے والی ہے میری زندگی میں۔ جس کی طرف ثمامہ اشارہ کر رہی تھی۔ میں جتنے روز گھر پر رہی ہر وقت اسی بارے میں سوچتی رہی ہوں عبیر! نمرہ! مجھے لگتا ہے میرا دماغ ہی پھٹ جائے گا۔" خنوی نے جھنجلی بے چارگی سے کہا' اتنا ہی بے ساختہ ان دونوں کے قہقہے ابھرے تھے۔

خنوی حیرانی سے ان دونوں کو پاگلوں کی طرح ہنستے دیکھ رہی تھی۔

"میں نے کہا تھا نا عبیر! خنوی کو بے وقوف بنانا دنیا کا آسان ترین کام ہے۔" نمرہ نے پیٹ پر ہاتھ رکھ کر ہنسی سے بے حال ہوتے ہوئے کہا۔ خنوی کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

"اس کا مطلب... تت... تم دونوں... نے مجھے بے وقوف بنایا؟" اس کی آنکھیں حیرانی و بے یقینی سے تقریباً" پھٹنے والی ہو رہی تھیں۔

"ہمیں کیا ضرورت تھی اتنی محنت کرنے کی۔ تم تو بنی بنائی ہو یار!" وہ دونوں ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنسنے لگیں۔

www.pkdigest.com

"اب اگر تم دونوں نے ہنسنا بند کر کے مجھے پوری بات نہیں بتائی تو میں تم دونوں کو قتل کر دوں گی۔" عنوی نے پھاڑ کھانے والے انداز میں کہا۔

"اچھا بابا! غصہ کیوں کرتی ہو' بتاتی ہوں۔" عنبر کچھ سنجیدہ ہوئی' مگر محظوظ کن مسکراہٹ اب بھی اس کے لبوں پر تھی۔

"دیکھو عنوی! اس میں غصہ کرنے کی تو کوئی بات ہی نہیں۔ ہم نے تمہارے ساتھ ایک چھوٹا سا مذاق ہی کیا تھا اور اسی مقصد کے لیے ہم نے ثمامہ کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ اس روز تمہارا ہاتھ دیکھ کر ثمامہ نے جو کچھ بتایا وہ میرا اور نمرہ کا لکھا ہوا اسکرپٹ تھا۔ دراصل دو روز پہلے میرے اور نمرہ کے درمیان بحث ہو رہی تھی کہ تم دوسروں کی باتوں پر کتنی جلدی یقین کر لیتی ہو۔ کوئی اگر تمہیں کچھ بھی کہہ دے تم اپنی عقل استعمال کیے بنا اس پر اعتماد کر لیتی ہو۔ نمرہ نے کہا تھا میں عنوی بڑی میچور مائنڈ لڑکی ہے۔ وہ بنا تحقیق کسی کی بات نہیں مانتی۔ بس اسی بات پر ہماری بحث ہو گئی' تب ہم نے تمہیں آزمانے کا سوچا اور ثمامہ کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ تمہارے مستقبل سے متعلق اس نے جو بھی باتیں بتائی تھیں وہ سب جھوٹ پر مبنی تھیں۔ اب تم اپنی عقل ملاحظہ کرو۔ سب سے پہلے تو یہ غلطی کی کہ ہماری بات فوراً مان لی کہ ثمامہ پامسٹری جانتی ہے اور کالج میں اس حوالے سے اس کی بڑی شہرت ہے۔ جتنا عرصہ تمہیں یہ کالج جوائن کیے ہوا ہے اتنا ہی ہمیں ہوا ہے۔ تمہیں پہلے یہ تو دیکھ لینا چاہیے تھا کہ ثمامہ واقعی اس حوالے سے جانی بھی جاتی ہے یا نہیں۔ دوسری غلطی تم نے یہ کی کہ یہ تو بڑی کامن سی بات ہے کہ ہاتھوں کی لکیروں میں کوئی نقدیر و تدبیر نہیں ہوتی۔ یہ تو کچھ ضعیف الاعتقاد لوگوں کی پھیلائی ہوئی باتیں ہیں۔ جن میں تم جیسے کچھ ناسمجھ لوگ آجاتے ہیں اور سوچ سوچ کر اپنا دماغ خراب کرتے ہیں۔"

عنوی چند منٹ بے یقینی سے دونوں کے چہرے دیکھتی رہی' پھر اس نے کہا۔

"میں نے کل تمہیں بتایا تھا' میں ثمامہ کی باتوں کی وجہ سے پریشان ہوں۔ آج بھی یہ ہی کہا۔ تم جھوٹ میری پریشانی دور کرنے کے لیے جھوٹ بول رہی ہو نا؟"

"تم نے اس روز جو سنا وہ جھوٹ تھا۔ آج جو کہہ رہے ہیں سچ ہے۔" نمرہ نے ہر لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"میں نے تو پہلے ہی کہا تھا ہماری عنوی کا ہاتھ عقل کی طرف سے تنگ ہے۔ جس نے ایک بار جو کہا' اس نے آنکھیں بند کر کے یقین کر لینا ہے اور سوچ سوچ کر اپنا خون خشک کرتے رہنا ہے۔ حالانکہ یہ ایسا معاملہ تھا کوئی کچھ بھی کہتا تمہیں اعتبار نہیں کرنا چاہیے تھا۔ کئی احادیث ایسی مل جاتی ہیں جن میں کاہنوں' نجومیوں اور قیافہ شناسوں پر اعتبار نہ کرنے کی ممانعت کی گئی ہے' قرآن پاک کی سورۃ الصّٰفّٰت میں بھی اس کا ذکر ہے۔"

"عنبر! تمہیں وہ آیات یاد ہیں یا کوئی حدیث تو اسے سنا دو۔ ورنہ اس بار اسے ہماری بات کا یقین نہیں آئے گا۔" نمرہ نے کن انکھیوں سے عنوی کا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا۔ اسے یک دم احساس ہوا تھا۔ وہ عنوی کو بری طرح ہرٹ کر چکی ہیں اور اس کی خفگی جائز بھی تھی۔ اگر انہیں عنوی کو پرکھنا بھی تھا تب بھی ایسا مذاق نہیں کرنا چاہیے تھا۔

"آیات تو یاد نہیں آرہیں' البتہ اتنا یاد ہے سورۃ الصّٰفّٰت کی ابتدائی آیات میں ذکر ہے۔ ہاں ایک حدیث ہے جسے حضرت عائشہؓ نے روایت کیا ہے کہ کچھ لوگوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کاہنوں کے متعلق سوال کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "وہ (یعنی نجومی اور کاہن) کچھ نہیں ہیں اور ان کی باتوں کا اعتبار نہیں۔" لوگوں نے کہا۔ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! بعض دفعہ وہ ہمیں کسی چیز کی بابت بتاتے ہیں اور وہ بات سچ نکلتی ہے؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "یہ سچی بات اسے جن' فرشتوں سے اچک لیتے ہیں اور اپنے دوست کے کان میں ڈال دیتے ہیں' پھر وہ دوست اس کے ساتھ سو جھوٹ ملا لیتا ہے۔" ایک اور حدیث کا مفہوم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "فرشتے اللہ کے احکام لے کر بادلوں میں اترتے ہیں اور اس بات کا ذکر

کرتے ہیں جس کا فیصلہ آسمان میں کیا گیا ہوتا ہے' شیطان چوری چھپے اسے سنتا ہے اور کاہنوں کو پہنچا دیتا ہے تو وہ کاہن یا نجومی اس کے ساتھ اپنی طرف سے سو جھوٹ ملا کر بیان کرتے ہیں۔"

عنبر خاموش ہو گئی۔ عنوی بے تاثر چہرے کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھی۔ عنبر کے خاموش ہوتے ہی وہ اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی' جھپٹ کر اس نے اپنا بیگ اور فائل اٹھائی اور دوسری نظر ان پر ڈالے بغیر کلاس روم سے باہر نکل گئی۔

☆ ☆ ☆

ان دونوں کے لیے عنوی کا ردِعمل بالکل غیر متوقع تھا۔ اس کے کلاس روم سے نکل جانے کے چند منٹ بعد جیسے انہیں ہوش آیا تو حواس باختہ ہو کر اس کے پیچھے دوڑیں۔

"عنوی۔ عنوی" کوریڈور کے کونے پر انہوں نے اسے جا لیا۔

"ہٹو میرے راستے سے۔ مجھے تم دونوں سے بات نہیں کرنی۔" عنوی نے سختی سے کہا۔

"ارے واہ۔ کیوں بات نہیں کرنی۔" عنبر نے سختی سے اس کا ہاتھ پکڑا اور کھینچتے ہوئے ایک خالی کلاس روم میں لے آئی۔

"یہ تم مجھ سے نہیں خود سے پوچھو۔" عنوی نے جھنجلاتے ہوئے اپنا ہاتھ چھڑوایا' اس کا چہرہ غم و غصے سے لال ہو رہا تھا۔ تنفس تیز تھا اور جملہ پورا ہونے تک آنکھوں سے آنسو بھی نکل آئے تھے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئیں۔

"ہم نے تو مذاق کیا تھا عنوی!" نمرہ نے شرمندگی سے کہا۔

"مذاق ایسے ہوتے ہیں۔" وہ چیخ کر بولی۔ "پورا ایک ہفتہ میں سکون سے سو نہیں سکی۔ سونے کے لیے لیٹتی تھی تو یہ خیال ذہن میں یہ ہی آتا تھا کچھ برا ہونے والا ہے' رات کو جتنی مرتبہ آنکھ کھلی یہ ہی خیال آسیب کی طرح مجھے ڈرا لے گیا تھا اور تم لوگوں کے نزدیک یہ مذاق تھا۔ یہ ہی بات اگر ثمامہ مجھ سے کہتی تو میں کبھی یقین نہ کرتی۔ میں نے اس کی باتوں پر یقین کیا کیونکہ تم لوگوں پر مجھے اعتبار تھا۔ میں نے سوچا میری بیسٹ فرینڈز مجھ سے

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لئے خوبصورت ناول

☆ ستاروں کا آنگن، نسیم سحر قریشی قیمت: 400 روپے
☆ درد کی منزل، رضیہ جمیل قیمت: 180 روپے
☆ اے وقت گواہی دے، راحت جبیں قیمت: 350 روپے
☆ تیرے نام کی شہرت، شازیہ چودھری قیمت: 200 روپے
☆ امر بیل، عمیرہ احمد قیمت: 450 روپے

خوبصورت سرورق
خوبصورت پیشکش
شائع ہو گئے ہیں
مضبوط جلد
آفسٹ پیپر

منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37۔ اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

www.pkdigest.com

کیوں جھوٹ بولیں گی' وہ کیوں مجھے ڈرائیں گی۔"

"ایم سوری تنوی! ہمیں نہیں پتا تھا تم اتنا ہرٹ ہو گی!" عبیر نے اس کے قریب بیٹھ کر پیار سے اس کا ہاتھ سہلاتے ہوئے کہا۔

"سوری ٹو سے۔ لیکن ہم تو صرف یہ ہی دیکھنا چاہتے تھے تم کسی کی بات کا اعتبار کرنے سے پہلے اپنی عقل بھی استعمال کرتی ہو یا نہیں۔ سبھی تمہیں بے وقوف بنانے کے لیے ہم نے وہ طریقہ استعمال کیا' جو بہت کامن تھا' پھر ہاتھ کی لکیروں میں مستقبل کے اشارے تلاش کرنے سے متعلق مذہبی پوائنٹ آف ویو اتنا واضح ہے کہ کسی اور شے کی گنجائش ہی نہیں' ہم نے سوچا جیسے ہماری ماؤں نے بچپن میں ہی ہمیں اس کا مطلب سمجھایا ہوا ہے' ویسے ہی تمہاری امی نے بھی تمہیں بریف کیا ہوگا۔" نمرہ سادگی سے بولتی چلی گئی۔

"میں صرف چار سال کی تھی جب میری امی کا انتقال ہو گیا تھا۔ انہوں نے مجھے کبھی کسی معاملے میں بریف نہیں کیا۔" اس نے آنسوؤں سے بوجھل آواز میں کہا۔ "نہ ہی میرے کسی بزرگ نے مجھے بتایا کہ اگر کوئی قریبی دوست کوئی بات کہے تو اس پر یقین نہ کروں۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی میری بیسٹ فرینڈ۔ جن پر میں بے حد اعتبار کرتی ہوں وہ مجھے اس طرح بے وقوف بنائیں گی۔ ہم جن پر خود سے زیادہ اعتماد کرتے ہوں ان سے دھوکے کی توقع کبھی نہیں کر سکتے۔"

"اوکے آئی! ایم سوری۔ ہم تمہیں ہرٹ نہیں کرنا چاہتے تھے اور یہ بھی اندازہ نہیں تھا کہ تم اس قدر سنجیدگی سے ان تمام باتوں پر اعتبار کر لو گی۔" عبیر نے دونوں ہاتھوں سے اس کے گال پونچھتے ہوئے پیار سے کہا۔

"اب جلدی سے مسکرا کر دکھاؤ' تم روتی ہوئی بالکل اچھی نہیں لگتیں۔" نمرہ نے کہا' تنوی ہلکا سا مسکرائی' پھر تینوں ہنس دیں۔

"اور ایک بات میری ہمیشہ یاد رکھنا' کوئی آپ کا کتنا بھی قریبی عزیز دوست' رشتہ دار کیوں نہ ہو۔ اس کی بات پر تب تک اعتبار کر کے کوئی عمل نہ کرو' جب تک اپنی عقل سے اسے پرکھ نہ لو۔ بعض حالات ہمارے بہت اپنوں کو بھی ہمارا اپنا نہیں رہنے دیتے۔"

نمرہ نے تنوی کے کندھوں پر بازو پھیلاتے ہوئے محبت سے کہا تھا۔

"ہم خوامخواہ عروش سے متاثر ہو رہے تھے' میرا تو خیال ہے نمرہ! تمہارے اقوال زریں کی کتاب بھی مارکیٹ میں آجانا چاہیے۔"

عبیر نے اتنی سنجیدگی سے کہا تھا' نمرہ کو سمجھنے میں چند لمحے لگے' پھر وہ تینوں ہی زور سے ہنس دیں۔ بڑی سی کھڑکی سے اندر آتی صبح کی چمکیلی تر و تازہ دھوپ بھی انہیں دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

اس روز انیبا کا ارادہ دیر تک سونے کا تھا' لیکن ہر روز کی طرح آج بھی اس کی آنکھ مخصوص وقت پر کھل گئی۔ چہرے کو تکیے سے رگڑ کر اس نے دوبارہ سونے کی کوشش کی' مگر نیند مہربان ہو ہی نہیں رہی تھی۔ تب وہ تکیہ ایک طرف پھینکتی اٹھ کر بیٹھ گئی۔ گرم شال کو اپنے گرد لپیٹا اور کھڑکی کے پردے ہٹا دیے۔

پردے ہٹتے ہی تیز روشنی ایک جھماکے سے اندر داخل ہو کر سارے کمرے میں بکھر گئی۔

رات کے کہرے نے شیشے پر نم آلود دھواں سا پھیلا رکھا تھا' انیبا نے انگلیوں کی پوروں سے نمی ہٹا دی' یہاں تک کہ سطح پر ایک دھندلا سا دائرہ دکھائی دینے لگا اور وہ شیشے سے ناک چپکا کر باہر دیکھنے لگی۔ دن اپنی پوری تابناکی کے ساتھ کائنات کے کینوس پر دکھائی دیتا تھا اور صبح کے آسمان پر سرمئی بادلوں کے ٹکڑے تیر رہے تھے۔ سفید



بگلوں کی ایک قطار آسمان پر اڑی جاتی تھی' جبکہ ٹھنڈی یخ ہوا سست روی سے چلتی نیچے لان میں اس کے پیڑ پودوں سے چھیڑ چھاڑ کر رہی تھی۔ انیبا نے پیار سے اپنے پودوں کو دیکھا' پھر سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھنے لگی۔

کل اس کا آخری پیپر تھا' ممی' ڈیڈی کی ایبور سری والے روز کسی وجہ سے ملتوی ہونے والا ڈنر بھی ان لوگوں نے کل رات ہی کیا تھا۔ ولید' ولی اور خود اس نے بہت انجوائے کیا تھا اور ممی' ڈیڈی کے خوش و خرم چہرے دیکھ کر اسے بے حد اطمینان محسوس ہوا تھا۔ پہلی بار ہی وہ ولید کی سمجھ داری سے متاثر ہوئی تھی۔ اس کے چھوٹے سے پلان نے بڑی آسانی سے ممی' ڈیڈی کے درمیان حائل ہوئی اس غیر واضح دیوار کو گرا دیا تھا۔

وہ خوش تھی اور بے حد مطمئن' آپ کو اچھا لگتا ہے جب آپ کے قریب لوگ مل جل کر خوش باش زندگی گزاریں۔ تبھی اس کی نگاہ لان کی طرف جھکی اور وہ چونک سی گئی۔

برآمدے سے کچھ فاصلے پر کوئی سورج مکھی کے پودے سے چھیڑ چھاڑ کرنے میں مصروف تھا۔ اس کا چہرہ دوسری طرف ہونے کی وجہ سے انیبا اسے پہچان نہیں سکی' لیکن اپنے قد کاٹھ اور ڈیل ڈول سے وہ اجنبی دکھائی دیتا تھا۔

انیبا نے ذرا سا آگے جھک کر اور آنکھیں سکوڑ کر اس کا چہرہ دیکھنے کی کوشش کی' مگر یک دم اس کے تاثرات غصے میں ڈھل گئے۔ اجنبی جس رخ پر کھڑا تھا' یہاں سے اس کے ہاتھوں کی جھلک دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں چھوٹی سی قینچی تھی' جس کے ساتھ وہ تیزی سے پتے کاٹنے میں مصروف تھا۔ یہ دیکھ کر اسے بے حد غصہ آنے لگا۔ یہ لان اس کی راج دھانی کی طرح تھا' جس کی وہ بلا شرکت غیرے حکمران تھی۔ اس کی مرضی کے بغیر یہاں سے ایک پتہ بھی نہیں ہلایا جاتا تھا' حتیٰ کہ مالی بابا بھی اس کیا اجازت کے پابند تھے۔ ایسے میں یہ کون اجنبی تھا جس نے اس کی ریاست میں آکر اس کے پودوں سے چھیڑ چھاڑ کی ہمت کی تھی۔

ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی کہ دھاڑ سے دروازہ کھلا اور شازیہ کی حواس باختہ صورت دکھائی دی۔

"انوباجی... انوباجی!" وہ گرتی پڑتی اندر داخل ہوئی۔ انیبا غصے کے زیر اثر تھی' یوں بلا اجازت اور بد تہذیبی سے آنے پر اور جھنجلا گئی۔

"تمہیں تمیز نہیں سکھائی شازیہ! اچھا ہے کوئی کتا بھی دماغ کیوں نہ لڑائے تمہارے ساتھ' دروازہ ٹھکٹھکا کر تمیز سے نہیں آسکتیں اندر... ایسے گرتی پڑتی آرہی ہو جیسے پیچھے بھوت لگا ہو۔ کیا آفت آئی ہے؟" اس نے ڈپٹ کر پوچھا' لیکن بجائے شرمندہ ہونے کے شازیہ شرمانے لگی۔

"ہائے اللہ باجی! ایسے تو نہ کہیں' آفت آئے ہمارے شریکوں پہ... ہم پر کیوں آئے۔" اس نے دوپٹے کا آنچل دانتوں میں دبا کر کہا۔ "دراصل جی... وہ آئے ہیں' وہ..."

"وہ؟" انیبا نے گھور کر اسے دیکھا۔ "یہ کس مخلوق کا نام ہے؟"

"نام تو جی بڑا پیارا ہے ان کا... لیکن میں اپنے منہ سے کیسے لوں' مجھے شرم آتی ہے۔" جھکی لرزتی پلکیں' گہری گہری سانسیں۔

"اونہہ... شبنم کی جانشین۔" انیبا کا پارہ اور چڑھ گیا۔

"شازیہ! صبح صبح میرا دماغ خراب مت کرو' سیدھی طرح بتاؤ کون آیا ہے؟"

"وہی انو باجی! میرے خوابوں کا شہزادہ۔" شازیہ نے خواب ناک آواز میں کہا۔

"اڈیٹ... اتنی دیر سے اپنی پھپھی کے لڑکے کے لیے پہیلیاں بجھوا رہی تھیں۔ وہ بھی مجھ سے۔" انیبا نے جھنجلا کر کہا۔

"ہائے باجی! نعمان اعجاز میری پھپھی کا لڑکا کیوں ہونے لگا؟" شازیہ نے صدمے سے انیبا کو دیکھ کر پوچھا۔

"واقعی... نعمان اعجاز تمہاری پھپھی کا لڑکا کیوں ہونے لگا۔ میں تو تمہاری پھپھی کے لڑکے کی بات کر رہی ہوں۔

وہ ہنستے چلے تک تو وہی تمہارے خوابوں کا شہزادہ تھا نا؟" انیبا نے تصدیق چاہی' جس پر شازیہ ہاتھ لہرا کر لاپروائی سے بولی۔

"وہ تو اتنی پرانی بات ہو گئی' آپ کو اب تک یاد ہے انو باجی! میں تو پچھلے ہفتے ہی بھول گئی تھی۔ وہ چوڑا چمار کیوں ہونے لگا' میرے خوابوں کا شہزادہ؟ اونہہ... نرا فقیر۔ کبھی پچاس روپے کا مرانڈہ تو لے کر دیا نہیں۔ میں نے سوچا ایسے شودے بندے سے محبت کرنے سے بہتر ہے' بندہ محبت ہی نہ کرے' لیکن پچھلے اتوار کو وہ ڈرامہ لگا تھا نا' ٹی وی پر۔ جس میں نعمان اعجاز پگڑی باندھتا تھا تو بس اسی روز میں نے نعمان اعجاز کو اپنے خوابوں کا شہزادہ مان لیا تھا۔"

"تو نعمان اعجاز نے پچاس روپے کا مرانڈہ لے دیا؟"

"ہائے انو باجی! آپ تو بڑی مذاقیہ (مزاحیہ) ہیں۔" شازیہ شرما گئی۔ "میں سوچتی ہوں انو باجی! میرا رب کتنا کارساز ہے' اس نے میری لگن دیکھی ہوگی اور کہا ہوگا' چلو نعمان اعجاز نہ سہی تو اس جیسا کوئی بھیج دیتے ہیں۔ آپ چل کر دیکھو باجی! وہ ہو سو نعمان اعجاز لگتا ہے۔"

"اب تمہاری بات پر کون یقین کرے۔ دو ہفتے پہلے تمہیں اپنی پھپھی کا لڑکا معمر رانا لگ رہا تھا' اب نعمان اعجاز... اچھا سنو۔" اسے یک دم خیال آیا تو اسے قریب بلا کر پوچھنے لگی۔ "کہیں تم اس شخص کی بات تو نہیں کر رہیں؟"

وہ لب بھینچے کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"ہاں جی... یہ ہی ہے۔"

"لیکن یہ کون ہے اور ہمارے گھر میں کیا کر رہا ہے؟"

"یہ تو پتا نہیں۔" شازیہ نے لاعلمی ظاہر کی۔

"کون ہو سکتا ہے؟" اس نے سوچا' وضع قطع سے تو ملازم طبقے کا بھی دکھائی نہیں دیتا تھا۔

"شازیہ!" انیبا نے گہری سانس بھرتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔ "چلو پھر ذرا تمہارے اس نعمان اعجاز کے احوال پوچھ کر آتے ہیں' میرے پودوں کو ہاتھ لگانے کی ہمت کیسے کی اس نے؟" وہ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

☆ ☆ ☆

مادی نے باہر آکر فیضان ماما کی تلاش میں نظریں دوڑائیں' حسب توقع وہ لان کا جائزہ لینے میں مصروف تھے' مادی لمبے لمبے ڈگ بھرتی ان کے پاس آگئی۔

"میں انتظار کرتے تھک چکی ہوں ماما! پلیز آپ تو قیر انکل کو فون کر کے پوچھیں' ان کا ڈرائیور کتنی دیر میں پہنچے گا؟"

"میری بات ہوئی ہے تو قیر بھائی سے۔" فیضان نے ذرا کی ذرا نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔ "ڈرائیور پچیس منٹ میں پہنچ رہا ہے۔"

"پچیس منٹ۔" مادی نے بے زاری سے کہا۔ "میں سمجھ گئی سلطانہ آنٹی سے ملاقات میری قسمت میں ہی نہیں ہے۔ میں نے خوامخواہ ممی سے ضد کر کے انہیں خفا بھی کیا۔ پچیس منٹ میں ڈرائیور صاحب پہنچیں گے۔ پتا نہیں ڈرائیونگ کیسی ہوگی محترم کی۔ کب ہم یہاں سے نکلیں گے' کب سلامت پہنچیں گے۔"

"تم پریشان کیوں ہو رہی ہو؟" فیضان نے پوچھا۔ "ہم گیارہ بجے تک پہنچ جائیں گے تو قیر بھائی کا ڈرائیور اچھی

www.pkdigest.com

ڈرائیونگ کرتا ہے' دیر سے بھی آیا تو ہمیں صحیح وقت پر پہنچا دے گا۔" انہوں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔
ماوی کو ان کی باتوں پر اب اعتبار نہیں تھا' بڑی دیر ہوئی وہ اسے ایسی ہی تسلیاں دے رہے تھے۔ بمشکل تحمل کا مظاہرہ کرتی وہ ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ صبح سرمئی سی معلوم ہوتی تھی' جبکہ ہوا میں خنکی تھی۔ ہرے پتوں پر اوس کے قطرے لرز رہے تھے۔
یک بارگی اس نے انیہا کو دیکھا' وہ تیز تیز قدم اٹھاتی اس طرف آرہی تھی۔ ماوی اسے دیکھ کر وقتی طور پر اپنی پریشانی بھول گئی۔
"آپ نے لان دیکھ لیا؟" اس نے مسکراہٹ انیہا کی طرف اچھالی اور فیضان سے پوچھا۔
"ہاں۔" فیضان نے مختصراً کہا اور اس مختصر سے جواب سے ان کی پسندیدگی یا ناپسندیدگی کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔
"آپ کو کیسا لگا؟" انیہا سر پر پہنچ چکی تھی' جب ماوی نے اشتیاق بھرے لہجے میں پوچھا۔
"بے کار۔" فیضان نے جتنے آرام سے اپنی رائے کا اظہار کیا اتنے ہی آرام و سرعت سے ماوی کی مسکراہٹ غائب ہوئی تھی' اور اس نے خفت بھری نظروں سے انیہا کو دیکھا تھا' جو فیضان سے چند قدم پیچھے کھڑی اس کی پشت کو گھور رہی تھی۔ ماوی کا خیال تھا فیضان تعریف کریں گے کہ بہرحال اس کو تو لان پسند ہی آیا تھا۔
"مجھے لگتا ہے ان لوگوں نے کوئی بہت ہی بے کار مالی رکھا ہوا ہے' جسے باغبانی کی الف ب بھی نہیں آتی۔ اور لان کا ڈیزائن ...."
"آپ کو یہاں کیا برائی نظر آئی ہے؟" اب کی بار انیہا سے رہا نہیں گیا تو بول اٹھی۔ فیضان تیزی سے پلٹے اور اس لڑکی کو دیکھ کر حیران ہوئے۔ وہ اپنے اور ماوی کے علاوہ یہاں کسی کی توقع نہیں کر رہے تھے۔
"برائی کوئی نہیں ہے' یہاں کچھ خامیاں ہیں۔" فیضان نے ماوی کے خفت زدہ چہرے کو ایک نظر دیکھتے ہوئے اسی صاف گوئی سے کہا' جو ان کی شخصیت کا خاصا تھی۔
ماوی بات سنبھالنے کی کوشش کرتے ہوئے ان دونوں کا تعارف کروانے لگی۔
"یہ میرے ماموں ہیں فیضان مہدی اور یہ انیہا ہے۔ یہ ان ہی کا گھر ہے۔"
"خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔" فیضان تکلف سے مسکرا کر بولے' جواب میں انیہا یک ٹک انہیں دیکھتی رہی۔ اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔
ماوی کی شرمندگی میں اضافہ ہو گیا' اسے اندازہ ہو رہا تھا انیہا کو فیضان کے کمنٹس کتنے برے لگے ہوں گے' آپ اپنی کسی چیز کے لیے بہت پوزیسو ہوں اور کوئی دوسرا اس کی برائی کرے تو آپ کو اچھا تو نہیں لگ سکتا نا۔
"انیہا!" اس نے کہنا چاہا' جواب میں انیہا نے گردن موڑ کر ایک نظر اسے دیکھا' پھر سابقہ انداز میں بولی۔
"یہاں کیا خامیاں ہیں؟" اس نے فیضان کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔
"کوئی ایک نہیں بہت سی ہیں۔" فیضان نے کہا۔
"آپ مجھے بتائیں؟" اس کا لہجہ سپاٹ تھا' لیکن اب وہ فیضان کو نہیں دیکھ رہی تھی' اس کی نظریں یوکلپٹس کے اس پودے پر تھیں' جس کے پتوں کو فیضان نے قینچی سے کاٹ دیا تھا۔
"سب سے پہلے تو یہ گھاس ... اس کی تراش بہت ہی غیر مناسب ہے۔" فیضان نے کہا۔ ماوی کا دل چاہا یہاں سے بھاگ جائے۔ انیہا کو وہ خفا کرنا نہیں چاہتی تھی اور فیضان کی صاف گوئی سے بھی اچھی طرح واقف تھی۔ جب تک لان کی ایک ایک خامی نہ گنوا دیتے انہوں نے خاموش نہیں ہونا تھا۔
ناچار دل ہی دل میں ڈرائیور کے جلدی پہنچنے کی دعا کرتی' وہ ان کے فرمودات سننے لگی۔

"درخت یہاں اچھے ہیں' لیکن یہ جگہ Willow Tree کے لیے مناسب نہیں ہے۔ Willow واٹر گارڈن کا پودا ہے۔ آپ نے اسے یہاں لگایا ہوا ہے۔ شاید آپ نے غور کیا ہو اس پودے کی گروتھ بھی کم ہے' لیکن اگر اسے زیادہ پانی میں رہنے کا موقع ملتا تو یہ اب تک خوب بڑا ہو چکا ہوتا۔ پھر عکیک کو منی کی تین تہوں میں بویا جاتا ہے' جبکہ یہاں چار تہیں لگی ہیں' اسی لیے عکیک بھی متاثر ہوا ہے۔
یوکلپٹس کے زرد ہو جانے والے پتوں کو کاٹ دینا چاہیے۔ زرد پتے مٹی کے ساتھ مل کر اچھی کھاد بناتے ہیں لیکن اگر شاخوں کے ساتھ جڑے رہیں تو مردہ سیل ایک زہریلے مواد میں بدل جاتے ہیں' جن سے باقی پودے کو نقصان بھی پہنچ سکتا ہے' پھر سب حیران کن اور افسوس ناک چیز ... یہ Chinese Evergreen بھی یہ ان ڈور پلانٹ ہے' آپ لوگوں نے باہر رکھ کر اس کا ستیاناس کر دیا ہے۔ میں بتا نہیں سکتا' اس بے چارے پودے کو اس حال میں دیکھ کر کتنا دکھ ہوا ہے مجھے۔" فیضان نے خاصے بلامتی انداز میں کہا تھا۔ اسی وقت ڈرائیور گاڑی لے کر پہنچ گیا تو ماوی نے شکر ادا کیا۔
"اوکے لٹل لیڈی! آپ سے پھر ملاقات ہوگی۔"
فیضان نے انیہا سے کہا اور آگے بڑھ گئے۔ ماوی نے چاہا انیہا سے معذرت کر لے لیکن پھر خیال آیا' اگر اسے فیضان کی باتیں بری لگ چکی ہیں تب وہ کتنی بھی کوشش کر لے انیہا کا دل بدگمانی کی دھند سے نہیں چھٹے گا۔ اس نے نظر بھر کر انیہا کو دیکھا' جو جھک کر یوکلپٹس کے زرد پتے اٹھا رہی تھی اور بنا کچھ کہے فیضان کے پیچھے چل دی۔
انیہا مجروح نظروں سے ان پتوں کو دیکھتی رہی' جو بے جان ہو کر اس کے ہاتھوں میں دبے تھے۔

☆ ☆ ☆

"ابھی تو صرف ساڑھے آٹھ ہوئے ہیں۔ تم بارہ کا وقت کیوں بتا رہی ہو؟"
ماوی آئینے سے باہر دیکھ رہی تھی' جب اس نے فیضان ماما کو کہتے سنا۔ اس نے سرعت سے گردن موڑ کر انہیں دیکھا۔
"میں نے کب بتایا؟ میں تو خاموش بیٹھی ہوں۔" اس نے تعجب سے پوچھا تھا۔
"تم نے نہیں بتایا' تمہارا چہرہ بتا رہا ہے' اس پر بارہ بجے ہیں۔" فیضان نے بنا مسکراہٹ کہا' ان کی آنکھیں شرارت سے چمک رہی تھیں' ماوی کے چہرے پر ناراضی کے تاثرات پھیل گئے۔
"آپ کو انیہا کے سامنے اس طرح کے کمنٹ نہیں دینا چاہیے تھے۔"
"کیسے کمنٹ؟" فیضان نے پوچھا۔
"جیسے آپ نے دیے۔" وہ زور دے کر بولی۔
"تم نے مجھ سے پوچھا تھا مجھے لان کیسا لگا۔ میں نے بتا دیا۔"
"یہ تو نہیں کہا تھا آپ پوری تفصیلات بتائیں؟" وہ جرح کرنے لگی۔
"تفصیلات اس لڑکی کا کیا نام بتایا تھا اس کا؟" "ہاں انیہا ... انیہا نے تفصیلات پوچھی تھیں۔"
"آپ نے کیوں کہا تھا لان میں کچھ خامیاں ہیں۔ بات ٹال دینا چاہیے تھی۔"
"تمہیں پتا ہے میں جھوٹ نہیں بولتا۔" فیضان نے مسکراہٹ چھپا کر کہا۔
"ارے اتنی معمولی سی بات جھوٹ کے زمرے میں نہیں آتی۔"
"جھوٹ جھوٹ ہوتا ہے۔" فیضان کو اس کی تلملاہٹ مزہ دے رہی تھی۔ انہوں نے زور دے کر کہا' ماوی

www.pkdigest.com

خفگی کے اظہار کے طور پر رخ موڑ کر باہر دیکھنے لگی۔ اس کی اور فیضان کی عمر میں بمشکل کم فرق تھا' وہ اس سے محض تیرہ برس بڑے تھے۔ عموں کے اتنے کم فرق کی بنا پر ہی ان کی شہوز' شزا اور مادی سے خوب دوستی تھی۔ خصوصاً مادی کی شخصیت اور خیالات پر تو فیضان کی شخصیت کا گہرا اثر تھا' وہ ان ہی کی طرح بولڈ' پُراعتماد اور صاف گو تھی اور دلچسپ بات یہ کہ ان کی اسی صاف گوئی پر اسے اعتراض ہو رہا تھا۔

"کوئی آپ کے گارڈن پر تنقید کرے تو آپ کو کیسا لگے گا؟ اس بے چاری نے اپنے لان پر اتنی محنت کی ہوگی ہے آپ منٹوں میں اس کی محنت پر پانی پھیر کر آگئے ہیں۔ کتنا ہرٹ ہوئی ہوگی وہ۔ تھوڑی سی تعریف نہیں کر سکتے تھے آپ؟" اس نے نروٹھے پن سے کہا۔

"کہا تو تھا' درخت اچھے ہیں۔" فیضان نے جلدی سے کہا تھا' لیکن مادی کا دکھ کم ہی نہ ہوا۔

"میں نے اتنی تعریفیں کی ہوئی تھیں آپ کی' اور آپ پہلا امپریشن ہی خراب کر کے آگئے ہیں۔ انیبا میرے بارے میں کیا سوچتی ہوگی۔"

فیضان کو بڑے زور سے ہنسی آئی۔

"او خدا کی بندی! تعریفیں تم نے میری کی تھیں' امپریشن میں خراب ڈال کر آیا ہوں اور فکر تمہیں اپنی پڑی ہوئی ہے؟ یہ بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔"

"ظاہر ہے آپ میرے ماموں ہیں۔ تعریفیں میں نے ہی کی تھیں' لیکن آپ اتنا برا تاثر چھوڑ کر آئے ہیں' انیبا سمجھ رہی ہوگی میں اس سے جھوٹ بولتی رہی ہوں۔"

"شاباش۔ اپنے جھوٹ کی کتنی فکر ہے اور جو مجھے جھوٹ بولنے پر اکسا رہی ہو؟" فیضان نے ملامتی انداز میں کہا۔

"میں نے کب اکسایا؟"

"ابھی تو تم نے کہا' اگر ان اچھا نہیں لگا تو ٹال دینا چاہیے تھا۔"

"ماما...!" وہ چڑ گئی' فیضان ہنس دیے اور اس کے سر پر چپت لگا کر بولے۔

"بے فکر رہو میں جا کر تمہاری خاطر ان محترمہ سے ایکسکیوز کر لوں گا اور ان کی کارکردگی کو ایسے شان دار الفاظ میں سراہوں گا کہ خوشی سے اس کا خون دو' چار لیٹر تو ضرور بڑھ جائے گا۔"

"صرف دو چار لیٹر؟" مادی نے منہ بنا کر پوچھا۔

"اس سے زیادہ جھوٹ میں نہیں بول سکتا۔" فیضان نے فوراً ہاتھ اٹھا دیے' مادی ہنس دی۔

☆ ☆ ☆

"تمہارا ابھی جواب نہیں تو قیر!"

جس وقت ثروت کمرے میں داخل ہوئیں' دانیال حسن ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے فون پر بات کر رہے تھے۔ جبکہ ان کے دوسرے ہاتھ میں ٹائی تھی۔

"کم سے کم مجھے ایک بار انفارم تو کرتے کہ فیضان مہدی صاحب پاکستان آرہے ہیں' کیا مطلب؟ کیا کرتا؟ یار! ریڈ کارپٹ پروٹوکول نہ سہی' لیکن میں انہیں ریسیو کرنے تو جا ہی سکتا تھا' ہاں بزنس تھلے ہی نہ کیا ہو' لیکن بار اتیں تو بسر حال دیکھی ہیں ہم نے۔" (قہقہہ)۔

ثروت کو اپنی چیک بک نہیں مل رہی تھی' وہ پورا دراز الٹ کر بیٹھ گئیں۔

"خیر جیرائی کی بات تو یہ بھی ہے کہ جس کے ساتھ پارٹنر شپ کی بنیاد پر میں کاروبار کر رہا ہوں' اس سے ایک بار

بھی نہیں ملا۔ ہاہاہا... ہاں یہ ہی سمجھ لو۔ ایک سے رسکی معاملات ہیں... ہر طرح سے تسلی کر لینے کے باوجود سو طرح کے خدشات لاحق رہتے ہیں... میں نے تو پھر صرف تمہاری باتوں پر یقین کرتے ہوئے کسی تیسرے بندے پر اتنا بھروسا کیا ہے کہ اپنی ساری جمع پونجی لگا دی... ہوں... آمین... چلو ٹھیک رہے گا۔ ہاں تم میری طرف سے انوائیٹ کر لو۔ ہاں تمہاری بات بھی درست ہے... تم ایسا کرو' مجھے فیضان صاحب کا کانٹیکٹ نمبر Send کر دو' میں خود ہی بات کر لیتا ہوں۔ اچھا سنو تم بھی وقت پر پہنچ جانا۔ نہیں کوئی بہانہ نہیں چلے گا۔ بھابھی اور بچوں کو بھی ضرور لے کر آنا۔"

انہوں نے تاکید کر کے فون بند کر دیا' ساتھ ہی شیشے میں دکھائی دیتے ثروت کے عکس کو دیکھا۔ وہ بیڈ پر دراز الٹائے بیٹھی تھیں۔

"کیا ڈھونڈ رہی ہو؟"

"میری چیک بک نہیں مل رہی... پتا نہیں کہاں رکھ دی میں نے۔" ثروت نے جواب دیا۔

"سیف میں چیک کیا؟ مجھے لگتا ہے میں نے وہاں پڑی دیکھی۔"

"ارے ہاں... سیف میں تو دیکھا ہی نہیں۔" وہ سیف کی طرف بڑھیں۔

"اچھا ثروت! آج ڈنر پر اہتمام کر لینا۔ تو قیر کی پوری فیملی کے علاوہ کچھ لوگ اور بھی ہوں گے۔" دانیال حسن نے ٹائی کی ناٹ لگاتے ہوئے کہا۔

"کون آرہا ہے؟" ثروت رک کر انہیں دیکھنے لگیں۔

"میں نے تمہیں بتایا نہیں۔ دراصل میں نے ایک جگہ انوسٹمنٹ کی ہے' بلکہ انوسٹمنٹ بھی کیا۔ یوں سمجھو برابر کی پارٹنر شپ کی بنیاد پر کاروبار شروع کیا ہے۔ دبئی میں ایک آئرن فیکٹری پر پیسہ لگایا ہے۔ اب اس کاروبار میں میرے اور تو قیر کے علاوہ ایک تیسرا حصہ دار بھی ہے جو تو قیر کا دوست ہے۔ یہ خواتین جو ہماری انیکسی میں ٹھہری ہیں' اس بندے کی بہن اور بھانجی ہیں۔ اب پارٹنر شپ کی ہے تو اچھے مراسم بھی تو بنانا پڑیں گے۔"

دانیال حسن انہیں بتاتے چلے گئے۔ ثروت خاموشی سے سنتی رہیں' ان دونوں کے درمیان ہمیشہ جو ایک سرد مہری کی فضا قائم رہتی تھی' اس نے کبھی بھی کوئی بات تفصیل سے کرنے ہی نہ دی تھی۔ حتیٰ کہ انیکسی میں آئے لوگوں کے لیے بھی بس اتنی تاکید کی گئی تھی کہ "ان کا خیال رکھنا' نہیں کوئی دقت نہ ہو۔"

"دبئی میں آئرن فیکٹری..." ثروت نے کچھ "عجب' کچھ بے یقینی سے دہرایا۔

"اس کے لیے تو بہت سرمایہ چاہیے ہوگا دانیال!" ثروت نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"میں نے دیہال پور والی زمینیں بیچ دیں۔" دانیال حسن نے بالوں میں برش چلاتے ہوئے بے حد سرسری انداز میں بتایا' مگر ثروت وہ جیسے کا لگا تھا۔

"کیوں بیچ دیں زمینیں؟ ان سے تو آپ کو اتنا لگاؤ تھا' پھپھی جو ذکر خریدی تھی وہ اراضی۔"

"میں نے بزنس لون کے لیے اپلائی کیا تھا' مگر کچھ وجوہات کی بنا پر لون ریجیکٹ ہو گیا۔ میں نے سوچا یہ زمین کون سا فائدہ پہنچا رہی ہے' بے کار ہی پڑی ہوئی تھی۔ پھر قیمت بھی اچھی لگ رہی تھی' موٹروے کے قریب ہونے کی وجہ سے تو بس بیچ دی۔"

"پھر بھی تو قیر! آپ کو کسی انجان شخص پر اتنا بھروسہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ زمین بے کار بھی پڑی رہتی تو وقت گزرنے کے ساتھ اس کی قیمت میں اضافہ ہی ہونا تھا۔ سیانے کہتے ہیں سونا اور زمین..."

"بیگم صاحبہ! مجھے سیانوں کی ساری باتیں یاد ہیں۔" دانیال حسن نے پرفیوم اسپرے کرتے ہوئے ہنس کر کہا۔

"لیکن اگر ترقی کرنا ہے تو رسک لینا ہی پڑتا ہے' دوسری بات یہ کہ اس شخص کی گارنٹی تو قیر دے رہا ہے' کیا اس

www.pkdigest.com

کے بعد بھی کسی شک کی گنجائش رہ جاتی ہے۔ بس اب دعا کرو یہ جو نیا کام شروع کیا ہے خدا اس میں ترقی دے۔"

"آمین۔" پھر دانیال حسن رات کے ڈنر سے متعلق کچھ ہدایات دے کر چلے گئے۔ ثروت چیک بک بھول کر نئے تفکرات میں گھر گئیں۔ انہوں نے تو سوچا تھا دو تین مہینے کے قیام کے بعد بالآخر ثمینہ واپس چلی جائیں گی اور جو خدشات بار بار ان کے دل میں سر اٹھا رہے ہیں اپنی موت آپ مر جائیں گے لیکن اگر واقعی دانیال حسن ثمینہ کے بھائی کے ساتھ پارٹنر شپ کر چکے ہیں اور اس خاندان کے ساتھ لانگ ٹرم ریلیشن شپ قائم کرنا چاہتے ہیں تو اس کا مطلب خدشات کی ننگی تلوار کے نیچے ہمہ وقت کھڑے رہنا جس کے متعلق آپ کو پتا ہو کسی بھی وقت آپ پر گر سکتی ہے۔

اچھا مالک تو جو کرے گا بہتر کرے گا۔" جب وہ سوچ سوچ کر تھک گئیں تو سارا معاملہ اللہ کے سپرد کر کے خود پر سکون ہو گئیں۔

☆ ☆ ☆

سیمینار ہال کے اسپیکرز سے آواز ایک توازن سے ساعت تک پہنچ رہی تھی۔

"دنیائے فکر و نظر میں۔۔۔ چونکہ صبر کا تصور کوئی پیا نہیں ہے اس لیے اس کا مطالعہ کسی بھی صورت میں کیا جا سکتا ہے مثلاً" ہندوؤں کے کرم کی صورت میں "آگسٹائن کے پیدائشی گناہ کے تصور میں امیرانیوں کے زردان میں یونانیوں کی موئرا" رواقیین کے مقدر اور شوپن ہار کے اندھے ارادے کی صورت میں بھی۔۔۔ انسانی فطرت ناقابل تغیر ہے۔ یہ خیال فرائیڈ نے پیش کیا تھا اور وہ قوت ارادی کی فعالیت تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اپنے بیان کی تائید میں وہ کہتا ہے کہ ایک شخص کسی دوراہے پر کھڑا ہو کر یہ کہے کہ میں ان دو راستوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کر کے اس کا رخ کر سکتا ہوں تو وہ اپنے آپ کو فریب دے رہا ہے کیونکہ ان میں سے جو بھی راستہ وہ منتخب کرے گا وہ لازماً" کسی نہ کسی لاشعوری تقاضے کے ماتحت کرے گا جس کا ممکن ہے اسے علم بھی نہ ہو اس قسم کے موقع پر انسان سمجھتا ہے کہ میں قوت ارادی سے کام لے رہا ہوں فرائیڈ کے خیال میں یہ اس کی بھول ہے اس کی قوت ارادی لاشعور کے احکام کی تعمیل کے سوا کچھ نہیں کر سکتی۔ "میک ڈوگل" کے خیال میں انسانی فطرت چند جبلتوں کا مجموعہ ہے اس لحاظ سے انسان اور حیوان میں کچھ فرق نہیں ہے۔ وہ اور فرائیڈ انسان میں عقل و شعور کا وجود تسلیم کرتے ہیں لیکن۔"

پچھلی نشستوں میں سے ایک پر بیٹھی ماوی نے چوتھی مرتبہ منہ کھول کر جمائی لینے کی خواہش کو بمشکل دل میں دبایا اور علمی مناظر جیسے سنجیدہ ماحول میں اپنی نیند سے بند ہوتی آنکھوں کو زبردستی پورا کھول کر پورے دھیان سے اس شخص کی باتیں سننے کی کوشش کرنے لگی جسے اسٹیج پر آ کر اپنے خیالات کا اظہار کرتے اور فرائیڈ ایڈلر کامیو گوئٹے شوپنہار دہراتے بلا مبالغہ پچیس منٹ گزر چکے تھے اور خدا گواہ ہے کہ ایک بھی لفظ اس کی سمجھ میں آیا ہو ایک تو اس قدر بورنگ گفتگو پھر نفسیات کی ایسی ایسی اصطلاحات اور پھر اردو میں ان کا بیان۔۔۔ نیند کا غلبہ طاری ہونے سے پہلے بھی وہ منہ اور آنکھیں کھول کر بے وقوفوں کی طرح ان افراد کے چہرے دیکھتی رہی جن کے منہ سے یہ سب باتیں نکل رہی تھیں۔ گو کہ اس کے پاس دو پرنٹڈ صفحات بھی موجود تھے جن پر سیمینار کے موضوع کو ترتیب وار بیان کیا گیا تھا مگر دراصل غلطی اس کی نہیں تھی کسی کی بھی نہیں تھی۔ نفسیات اس کا مضمون تھا نہ اسے انسانی نفسیات جاننے پرکھنے کا شوق۔۔۔ وہ تو دیر سے پہنچنے پر سلطانہ آنٹی اسے داخلے کا پاس اور یہ پرنٹڈ میٹریل تھما کر اسے یہاں بٹھا گئی تھیں اور جاتے جاتے بجا ہدایت ملتے ہیں بریک کے بعد۔"

جیسا جملہ بھی بول گئی تھیں۔ وہ بے چاری ایڈمنسٹریشن کا حصہ تھیں مہمان داری سے زیادہ ضروری اسٹیج کے



بالکل سامنے والی کرسیوں پر ان کی میزبان تھی' سو وہ چلی گئیں اور یہ یہاں بیٹھی ان خشک خیالات کو سننے کی کوشش کررہی تھی' جن سے اسے رتی بھر بھی دلچسپی نہ تھی۔ فیضان ماما اسے چھوڑ کر ڈرائیور کے ساتھ اپنی منزل کو چلے گئے۔ اب انہوں نے اس کی ایک کال پر اسے لینے آنا تھا۔

معاً" منہ نیچا کرکے اس نے ایک چھوٹی سی جمائی لے ہی لی' پھر ذرا چوکنی ہو کر بیٹھ گئی۔

"کامیو نے اپنی کتاب میں ایک یونانی شخص "سی فس" کا ذکر کیا ہے جو۔"

ماوی نے کرسی پر ذرا سا اوپر اٹھ کر سلطانہ آنٹی کو تلاش کرنا چاہا۔ اگلی نشست پر ان کا گول جوڑے والا سر واضح طور پر پہچانا جارہا تھا' جبکہ داہنی دیوار میں نصب کھڑکی سے سرمئی بادلوں کے ٹکڑے بھی جھانک رہے تھے۔

"اوئے تنوی! دیکھو بادل۔۔۔ مانو نہ مانو آج بارش ہوگی۔" "معا" ماوی نے پچھلی نشست سے ایک دبی ہوئی' لیکن پرجوش آواز سنی۔

"اور اگر نہ ہوئی تو۔" ایک دوسری آواز سنائی دی۔

"تو۔۔۔ تو ہم نمرو کا نام بدل کر جھوٹی حسینہ رکھ دیں گے۔"

"نمرو کا نام کیوں بدلیں؟ تمہارا کیوں نہیں؟"

"کیونکہ عظیم لوگوں کے نام نہیں بدلے جاتے۔" شایانہ انداز میں جواب دیا گیا' ماوی کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اسے ان آوازوں میں دلچسپی محسوس ہورہی تھی' اس نے کرسی سے ٹیک لگائی اور ان کی آوازوں کی طرف سماعت لگا کر بیٹھ گئی۔

"لیکن تم نے عظیم کام کیا کیا ہے؟"

"نمرو جیسی سہیلی کی باتیں مان کر حق دوستی نبھانے کے لیے پچھلے ڈیڑھ گھنٹے سے بیٹھی اسکالرز کی بدمزہ باتیں سن رہی ہوں۔ اس سے عظیم کام کیا ہوگا؟"

"اچھا عبیر! میں نے سنا ہے اس فورم پر گفتگو کرنے کے لیے پورے ملک سے بڑے بڑے اسکالرز کو انوائیٹ کیا گیا ہے؟"

"ہاں تو بڑے تو لگ بھی رہے ہیں' تم خود بتاؤ ان میں سے کوئی ایک بھی تمہیں ساٹھ سے کم کا لگ رہا ہے؟" وہ دونوں کھی کھی کرکے ہنسنے لگیں۔

"ویسے یہ نمرو بلی! ہمیں پھنسا کر خود کہاں غائب ہوئی ہیں؟"

"اسے عروش نے بلوایا تھا' اسی کے حضور حاضری دینے گئی ہے۔"

"مجھے عروش اچھی نہیں لگتی عبیر! میں نہیں چاہتی کہ نمرو اس سے دوستی رکھے۔ کچھ ایسا نہیں ہوسکتا کیا کہ نمرو اس سے دوستی چھوڑ دے؟"

"عروش تمہیں پسند نہیں نمرو کو تو ہے۔ میرے یا تمہارے کہنے پر وہ دوستی کیوں چھوڑے گی؟"

"ہاں۔۔۔ کہتی تو تم ٹھیک ہو؟"

"ویسے بھی تنوی! عروش تمہیں کیا کہتی ہے جو تمہیں بری لگتی ہے۔ دوستی کرنا چاہتی ہے نا تم سے تو کرلو۔"

"کہتی تو کچھ نہیں' بس مجھے اس کی آنکھیں بہت بری لگتی ہیں۔"

"لو اور سنو۔ پورا کالج اس کی آنکھوں کی تعریفیں کرتا ہے۔"

"غلط۔۔۔ بالکل غلط۔۔۔ پورا کالج اس کی آنکھوں کی تعریفیں نہیں کرتا۔ جو لڑکیاں عروش کی ٹام بوائے لک سے متاثر رہتی ہیں' صرف وہ اس کی آنکھوں کی تعریف کرتی ہیں۔"

"اچھا۔۔۔ شاید میں نے غور نہ کیا ہو۔" اس عبیر نامی لڑکی نے کہا۔ ماوی کی گود میں رکھے صفحات پھسل کر نیچے

جا گرے۔ اس نے جھک کر اٹھائے اور سیدھی ہو بیٹھی۔ اسٹیج پر اب کسی اگلے محترم کو بلانے کی تیاری کی جارہی تھی۔

"میری تعریف کرنا بند کرو عبیر! مجھے پتا ہے میں کتنی خوب صورت ہوں اور مجھے یہ بھی پتا ہے تم کتنی بڑی جھوٹی ہو۔" یہ تنوی کی آواز تھی۔

"میں جھوٹ کیوں بولوں گی؟"

"پچھلی بار جھوٹ کیوں بولا تھا؟"

"ہی ہی ہی۔۔۔ تم بھولیں نہیں اب تک؟"

"کبھی نہیں بھولوں گی میری بیسٹ فرینڈز نے اتنے بہترین طریقے سے مجھے بے وقوف بنایا ہے کہ میں بھول ہی نہیں سکتی۔"

"یار! چھوٹا سا مذاق تھا وہ۔ اب تم بھول بھی چکو' اور کم سے کم میں اب جھوٹ نہیں بول رہی' تم سچ مچ بہت پیاری ہو' کوئی بھی میری بات کی تائید کرے گا' یہ جو ہمارے سامنے والی چیئر پر لڑکی بیٹھی ہے' کہو تو اس سے تائید کروادوں۔"

ماوی بے اختیار چونکی۔ ان کے عین سامنے والی کرسی پر وہی براجمان تھی۔

"پاگل مت بنو عبیر!" تنوی نے غصے سے کہا۔ "مجھے پتا ہے میں کتنی پیاری ہوں۔" اس کا لہجہ اکتایا ہوا تھا۔

"ورا صل تمہیں پتا نہیں ہے اصل خوب صورتی کیا ہوتی ہے۔ کبھی میری نانو جان کو دیکھو تو پتا چلے' وہ اتنی بیوٹی فل اور گریس فل ہیں کہ بس۔"

"ارے۔۔۔ یہ کس دور کی لڑکی ہے' جو اپنی تعریف کے جواب میں اپنی نانو کی خوب صورتی کو ترجیح دے رہی ہے۔" ماوی کا دل چاہا پلٹ کر اس لڑکی کو دیکھے۔

"تنوی ٹھیک کہہ رہی ہے' اس کی نانو سچ مچ بہت پریٹی ہیں۔" ایک اور مدھم لیکن شوخ سی آواز سنائی دی۔

"تم تنوی کی نانو سے ملی ہو؟" یہ عبیر نے پوچھا تھا۔

"نہیں ملی تو نہیں ہوں' لیکن ایک مرتبہ مارکیٹ میں انہیں تنوی کے ساتھ دیکھا تھا۔ یار! وہ تو ایک دم اسٹار پلس کے ڈراموں والی نانی لگتی ہیں بنگ بالکل۔"

"نمرو! تم کہاں غائب ہوگئی تھیں؟"

"یہاں سے نکلو۔۔۔ باہر جا کر بتاتی ہوں۔"

"بات کیا ہے؟"

"سہیلیو! بڑے مزے کی بات ہے' تم دونوں سنتے ہی پھڑک اٹھو گی۔"

"اچھا۔۔۔ چلو' لیکن ابھی فارم اوپن ہونے والا ہے' تم نے جو کونسوجن پوچھنے تھے وہ تو پوچھ لو۔"

"ہم دس منٹ میں واپس آجائیں گے۔ بس اب اٹھ چکو۔" چند سیکنڈ بعد ماوی نے گردن موڑ کر دیکھا' وہ تینوں ہال کے پچھلے دروازے سے باہر نکل رہی تھیں۔ ماوی کو از سر نو بوریت کا احساس ہونے لگا' اس نے گہری سانس بھر کر نظریں سامنے ٹکادیں۔

☼ ☼ ☼

"موسم کتنا اچھا ہورہا ہے نا؟" باہر آکر نمرو نے آسمان پر تیزی سے پھیلتے بادلوں کو دیکھ کر کہا۔ ٹھنڈی ہوا درختوں سے جھول رہی تھی اور موسم سرمئی سا معلوم ہوتا تھا۔ فضا میں خنکی تھی۔

www.pkdigest.com

"ہائے کس قدر نازاں رومانٹک لڑکی ہو۔ میرا تو دل چاہ رہا ہے' سنبل کے اس درخت پر جھولا ڈال لوں اور جھولا جھولتے ہوئے وہ گانا گاؤں۔۔۔ آسمان کو لگانے ہاتھ میں۔۔۔ لو چلی' چلی ہوا کے ساتھ میں۔" باقاعدہ ترنم سے گا کر خواہش کا اظہار کیا گیا تھا۔

"او زارا شیخ کی جانشین! تم کیا موسم پر تبصرہ کرنے کے لیے ہمیں اٹھا کر لائی ہو؟" نمرو نے پوچھا۔

"نہیں۔۔۔ میں تم دونوں کو بوریت سے بچانے کے لیے اٹھا کر لائی ہوں۔" نمرو نے طنزیہ انداز میں ان دونوں کو دیکھا۔

"ماں صدقے۔۔۔ تمہیں کتنا خیال ہے ہماری بوریت کا' پچھلے ڈیڑھ گھنٹے سے ہم اندر بیٹھے کسی قدر بوریت محسوس کر رہے ہیں' اس کا کتنی جلدی احساس ہو گیا تمہیں۔۔۔ ادھر آؤ نمرو ذرا بلائیں تو لے لوں تمہاری۔"

"تم تو پہلے ہی بلا ہو۔۔۔ میری بلائیں لے کر تو اور خونخوار ہو جاؤ گی' اس کیے رہنے دو۔" (قہقہہ)۔

"اچھا بکو مت۔" عبیر نے بے نیازی سے کہا۔

"نہیں بکتی۔"

"واللہ۔۔۔ کس قدر تابع دار ہو رہی ہو نمرو! میرا خیال ہے میں سچ مچ تمہاری بلائیں لے لوں۔" عبیر واقعی آگے بڑھی۔

"خبردار۔۔۔ دور۔۔۔ دور۔" نمرو سٹپٹا کر پیچھے ہٹی' تیزی میں اس کی نوٹ بک سے فیروزی رنگ کا لفافہ پھسل کر نیچے گر گیا۔ سوئے اتفاق سب سے پہلی نظر نتوی کی پڑی۔

"یہ کیا ہے نمرو؟" اس نے بڑھ کر لفافہ اٹھایا' الٹ پلٹ کر دیکھا' پھر چونک سی گئی۔ "اس پر تو میرا نام لکھا ہے۔"

عبیر متجسس سی قریب آ گئی اور نتوی کے ہاتھ میں پکڑا لفافہ دیکھنے لگی۔

"ارے یہ تو۔" اس نے بغور ان سنہری حروف کو دیکھا جو نتوی کا نام فخر سے ظاہر کرتے تھے۔ "یہ تو عروش مرزا کی رائٹنگ ہے نا؟" استعجابیہ انداز میں اس نے نمرو کی طرف دیکھا' نمرو نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"یہ مجھے عروش نے دیا ہے' تاکہ میں تمہیں دے دوں۔" نمرو نے نتوی سے کہا۔

"مجھے۔" نتوی حیران ہوئی' پھر لفافے کو سورج کے رخ پر کر کے بنا چاک کیے اندر جھانکنے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔ "لیکن اس میں ہے کیا؟"

"اس میں تمہارے لیے لیٹر ہے' میرا مطلب لو لیٹر۔" نمرو نے کہا۔

"کیا۔" نتوی تو نتوی' عبیر بھی اتنے زور سے چلائی کہ روش پر سیماں وہاں چونچیں مارتے کوے بھی ڈر کر اڑ گئے اور منظر پر ان کے پروں کی پھڑپھڑاہٹ باقی رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

اور بڑی تگ و دو کے بعد جب لیکچر میں تھوڑی سی دلچسپی محسوس ہونے لگی تو شولڈر بیگ میں رکھا موبائل فون وائبریٹ ہونے لگا۔ ماوی نے بیگ کی زپ کھول کر نمبر چیک کیا' ایک مدھم سی مسکراہٹ آن کی آن اس کے چہرے پر روشن ہو گئی۔ سر اٹھا کر اس نے صورت حال کا جائزہ لیا' پھر بیگ ہاتھ میں دبوچ کر چپکے سے باہر آ گئی۔ پورا پیسج آخری کونے تک ویران پڑا تھا' صرف ہال کے اسپیکرز سے نکلتی آواز تھی جو روشن دانوں سے ایک سرگوشی کی مانند باہر آ کر اس ویرانی کی پراسراریت کے حلقے کو توڑ رہی تھی۔

ماوی جلدی جلدی گراؤنڈ کی طرف چلی۔ اس کی ہیل کی ٹک ٹک سے پورا پیسج گونج اٹھا۔ جب تک وہ

دروازے تک پہنچی موبائل کی وائبریشن بند ہو گئی' ساتھ ہی ماوی کے قدم بھی سست پڑ گئے۔ اس نے مایوس ہو کر موبائل کی ایل سی ڈی کو دیکھا جو تاریک ہو چکی تھی۔ وہ بڑے سے لکڑی کے دروازے سے کندھا ٹکا کر باہر گراؤنڈ کی طرف دیکھنے لگی۔ ہوا پتے اڑائے پھر رہی تھی' جبکہ آسمان پر سرمئی' کالے اور سفید بادل آنکھ مچولی کھیلنے میں مصروف تھے۔

دروازے کے بالکل سامنے' لیکن کافی فاصلے پر اسے وہ تین لڑکیاں دکھائی دیں' جو کچھ دیر قبل اس کے پیچھے بیٹھی ہوئی تھیں۔ انہوں نے سفید یونیفارم پر رنگین دوپٹے اوڑھ رکھے تھے۔ اتنی دور سے ان کی آوازیں سنائی نہیں دے رہی تھیں' لیکن تاثرات سے پتا چلتا تھا کوئی گرما گرم بحث ہو رہی ہے۔

"یہ یقیناً "عبیر" ہے۔ یہ نمرو اور یہ جو سب سے کیوٹ ہے' ضرور یہ ہی نتوی ہو گی۔" اس نے خود ہی اندازہ لگا لیا' کیونکہ یہ تیسری لڑکی اسے بہت خوب صورت لگی تھی۔ بالکل باربی ڈول فیس تھا اس کا۔ ویسی ہی بڑی بڑی بے حد چمک دار آنکھیں' متناسب پیشانی' چھوٹی سی ناک اور ترشے ہوئے دلکش بناوٹ والے لب۔ بہت کم چہرے اتنے مکمل محسوس ہوتے ہیں' بلاشبہ وہ بہت خوب صورت تھی۔ ماوی کے موبائل میں زندگی کی رمق جاگی تو اس نے ایک بھی لمحہ ضائع کیے بنا بٹن دبا کر کان سے لگا لیا۔

"بالآخر تمہیں میری یاد آ ہی گئی۔" اس نے چھوٹتے ہی کہا۔

"تمہاری یاد کب نہیں آتی؟" شہوز کے کھنکتے لہجے میں اس کا جملہ پکڑ کر فوراً جتایا۔ "چوبیس گھنٹے میں سے تیئس گھنٹے میں تمہیں یاد کرتا ہوں۔"

"یہ کوئی کہنے کی بات ہے؟ میں اچھی طرح جانتی ہوں۔" وہ جل کر بولی' شہوز زور سے ہنس دیا۔

"کبھی آپ ہمیں طعنے دینے کے علاوہ یاد بھی کیا کیجیے۔"

"کس نے کہا میں تمہیں یاد نہیں کرتی؟" ماوی نے پوچھا۔ "میں ابھی ابھی تمہارے بارے میں سوچ رہی تھی۔"

"واقعی؟" وہ چونکا۔ "کیا سوچ رہی تھیں؟"

"میں نے ابھی ایک بہت پیاری لڑکی دیکھی ہے۔ میں سوچ رہی تھی اگر تم میرے بھائی ہوتے تو میں اس لڑکی کو تمہارے لیے پسند کر لیتی۔" ماوی نے نیم سنجیدگی سے کہا' جواباً وہ ترنت بولا۔

"میں تمہارا دل نہیں توڑ سکتا ماوی! وہ لڑکی اتنی اچھی لگی ہے تو ابھی بھی میرے رشتے کی بات کر لو' صرف تمہاری خاطر میں اس سے دوسری شادی کر لوں گا۔"

"دوسری شادی کا نام بھی مت لو' زندگی عذاب بنا دوں گی میں تمہاری۔" ماوی نے دھمکایا' جواب میں شہوز ہنس دیا۔

"وہ تو خیر تم سے پہلی شادی کر کے ہی میری زندگی عذاب بن جائے گی' دوسری کی گنجائش پھر کہاں رہے گی۔" پھر پوچھنے لگا۔

"پھپھو کیسی ہیں؟" وہ ثمینہ کے بارے میں بتا کر بڑے ماموں' ممانی اور شہزا کے بارے میں پوچھنے لگی' جواب میں شہوز اسے اپنے ایڈمیشن کے متعلق بتانے لگا' اسے اسکالرشپ ملا تھا اور وہ اسپیشلائزیشن کے لیے امریکہ جا رہا تھا۔ چند روز بعد اس کی فلائٹ تھی۔

"اس کا مطلب جب میں واپس آؤں گی تم دہلی میں نہیں ہو گے؟" ماوی نے دل ہی دل میں حساب لگاتے ہوئے پوچھا۔

"ظاہر ہے۔"

www.pkdigest.com

"میرا خیال ہے میں تمہیں مس کروں گی۔" بڑا احسان جتانے والا انداز تھا۔

"اوہ۔ آئی ایم آنرڈ مائی لیڈی!" شہروز نے تیزی سے کہا پھر وہ دونوں ہنس دیے۔

"ویسے اماں کا خیال ہے امریکہ جانے سے پہلے ہماری شادی ہو جانا چاہیے۔"

"پھر تم نے کیا جواب دیا؟" ماوی نے سرسری لہجے میں لیکن دلچسپی سے پوچھا۔

"میں نے کہا میری سیٹ کنفرم ہے اور اتنے شارٹ نوٹس پر ماوی کی واپسی بھی ممکن نہیں۔ اماں کہنے لگیں تم شادی کا نام تو لو ہم جیسے بھی ممکن ہو ماوی کو بلوا لیں گے۔ میں نے کہا اماں آپ کو جو کرنا ہے کریں میں تو شادی کا نام بھی نہیں لے سکتا۔ اگر لیا تو آپ کی کریر اور ہینڈسم بہو نیچے جھاڑو کر میرے پیچھے پڑ جائے گی۔"

"بہت ہی خراب آدمی ہو تم شہروز! ممانی کو یہ بھی تو بتانا تھا کہ تم خود اسٹیبلش ہونے سے پہلے شادی کے کتنے خلاف ہو۔ ساری بات مجھ پر ڈال دی۔"

"تو کیا میں نے غلط کہا؟" شہروز نے سرعت سے پوچھا۔ "یاد ہے نا تمہیں انگیجمنٹ کے وقت ہم نے فیصلہ کیا تھا' جب تک ہم دونوں اسٹیبلش نہیں ہو جاتے۔ کریر نہیں بنا لیتے دونوں میں سے کوئی شادی کی بات نہیں کرے گا۔"

"مجھے یاد مت کراؤ شہروز! میں بھولی نہیں ہوں' لیکن تمہیں ممانی کو بتانا چاہیے تھا' ابھی شادی نہ کرنے کا فیصلہ ہم دونوں کا ہے' وہ پہلے ہی مجھ سے اس بات پر خفا رہتی ہیں کہ میں شادی کے ایشو پر کیوں بولتی ہوں۔ شزا کی طرح خاموش کیوں نہیں رہتی۔ اب وہ اور خفا ہو جائیں گی۔" اس نے فکرمندی سے کہا تھا۔

"ماوی! تمہاری سینس آف ہیومر دن بہ دن خراب ہوتی جا رہی ہے۔" شہروز نے یک دم خفگی و بے زاری سے کہا تھا۔

"میں نے چھوٹا سا مذاق کیا تھا تم سے۔۔۔ اور تم۔۔۔ تمہیں لگتا ہے میں نے اماں سے تمہارا نام لے کر کچھ کہا ہو گا؟" وہ ناراض ہونے لگا' ماوی کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

"اچھا سوری نا۔۔۔ مجھے کیا پتا تم مذاق کر رہے ہو۔"

"ایک بات اور۔۔۔ اماں نے شادی کی بات نہیں کی تھی۔ یہ میرا آئیڈیا تھا کہ جانے سے پہلے نکاح کر لیا جائے۔ میں نے فیضان ماما سے بھی کہا تھا وہ اس بارے میں پھپھو سے بات کریں۔ اگر تم راضی ہو تو میں اپنی فلائٹ Extend کروا سکتا ہوں۔"

"شہروز!" ماوی نے بے چارگی سے کہا۔ "اب منع کروں گی تو تم خفا ہو جاؤ گے؟ حالانکہ تمہیں تو انگیجمنٹ والا فیصلہ یاد ہے۔"

"نہیں خفا نہیں ہوں گا۔" شہروز نے نارمل لہجے میں کہا۔

"بس مجھے یونہی خیال آیا' کیونکہ اسپیشلائزیشن کے لیے مجھے کم سے کم بھی تین سال کا عرصہ چاہیے ہو گا' ان تین سالوں میں ڈیلن بھی کتنی مرتبہ آیا جایا ہوں' کچھ کہہ نہیں سکتا' میں نے سوچا۔۔۔ یار! منگنی بہت بے اعتبار سا رشتہ ہوتا ہے۔"

"شہروز!" ماوی بری طرح متعجب ہوئی۔ "اتنے بے اعتبار کیوں ہو رہے ہو؟ تمہیں خود پر بھروسہ نہیں یا مجھ پر؟" اس نے الجھ کر پوچھا۔

"تم پر تو خیر خود سے زیادہ بھروسہ ہے' البتہ اپنی میں گارنٹی نہیں دے سکتا۔ امریکہ میں کسی سنہری زلفوں اور نیلی آنکھوں والی نے مجھے پھانس لیا تو شکوہ مت کرنا۔" شہروز نے شرارت سے کہا' جواباً وہ اطمینان سے بولی۔

"اور تم فکر ہی نہ کرو' شکوہ نہیں کروں گی میں' بس تمہاری اس سنہری زلفوں اور نیلی آنکھوں والی کا چہرہ تیزاب

REMAINE
صرف 15 دِنوں کے اندر اندر بال گرنا بند
100%
رمین ون میں دو بار بالوں کی جڑوں میں اس طرح اسپرے کریں کہ ساری جڑیں بھیگ جائیں اور پھر ہلکا سا مساج۔۔۔ بس!
رمین نہ تو آئیلی ہے اور نہ کوئی اور سا سمپلیکس ٹریٹمنٹ۔۔۔ ایکدم پیور ہربل
بال گرنے کی کوئی بھی وجہ ہو' رمین کا باقاعدہ استعمال
زیادہ سے زیادہ 15 دنوں میں بال گرنا بند کر دیتا ہے۔
REMAINE
STOPS HAIR FALL
100%
www.remaine.com.pk
یقین کیجیے، اب آپکا ایک بال بھی نہیں گرے گا۔۔۔
یہ ڈاکٹر محترم مشیر کا وعدہ ہے

ڈال کر جھلسا دوں گی اور تمہاری بوٹیاں کر کے چیل کوؤں کو کھلا دوں گی۔"

"تعجب ہے کس قدر وحشی خیالات ہیں تمہارے۔" شہوز نے ہنستے ہوئے کہا' پھر ان دونوں نے چند اِدھر اُدھر کی باتیں کیں اور فون بند کر دیا۔

"تمہیں خود پر بھروسہ نہ ہو شہوز! مجھے ضرور ہے۔ جب آرش بیوٹی تمہاری توجہ نہ کھینچ سکی تو وہ امریکن چھپکلیاں کیا کر لیں گی۔" اس نے موبائل فون کو دیکھتے ہوئے دل ہی دل میں سوچا' پھر سر اٹھا کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ بات کرتے ہوئے وہ سیمینار ہال سے بہت دور آ گئی تھی۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی واپس چل دی۔

☼ ☼ ☼

"ممی۔۔۔!" ولی نے لاڈ سے پکارا۔

"بولو میرے چاند!" ثروت نے اسی کے انداز میں کہا۔ ولید کے کان فوراً کھڑے ہو گئے' وہ قریبی صوفے پر نیم دراز بیوی دیکھ رہا تھا۔

"ابھی انٹرسٹنگ میچ چل رہا ہے' آپ چاہتی ہیں میں میچ دیکھنا چھوڑ کر آپ سے باتیں کروں۔" بظاہر معصومیت بھرے انداز میں کہا۔

"میں نے کب کہا؟" ثروت نے تعجب سے پوچھا۔

"ابھی تو آپ نے کہا بولو میرے چاند!" کمال کی معصومیت تھی۔

"ممی نے مجھے چاند کہا ہے۔" ولی نے زور دے کر کہا' جواباً ولید نے سرعت سے گردن موڑ کر اسے سر سے پیر تک گھورا اور بولا۔

"آلو کی شکل والا چاند پہلی بار دیکھا ہے۔"

ثروت نے غصے سے ولید کو گھورا' ولی روہانسا ہو کر کہہ رہا تھا۔

"ممی! یہ مجھے ہمیشہ آلو' آلو کہہ کر چڑاتا رہتا ہے۔"

"ولید! تم باز نہیں آؤ گے؟"

"تب مجھے آلو سے بہتر کوئی نام بتا دیں' میں اسے آلو کہنے سے باز آ جاؤں گا۔" اس نے پھر معصومیت سے کندھے اچکا دیے۔

"میں تمہارا کوئی الٹا نام لوں۔" ولی نے آنکھیں دکھائیں' اس سے پہلے کہ ولید کوئی اگلا جملہ کہتا ثروت نے ہاتھ اٹھا کر دونوں کو روک دیا۔

"بس کرو۔۔۔ اب کوئی جھگڑا نہیں کرے گا۔" پھر انہوں نے موضوع بدل دیا۔ "اب تم تینوں موجود ہو۔ رات کے ڈنر کے لیے اچھا سا مینیو سوچ کر بتاؤ۔"

"اچھا مینیو!" ولید نے دہرایا' پھر پرجوش انداز میں پوچھنے لگا۔

"آپ ہمیں ٹریٹ دے رہی ہیں؟"

"میں کس خوشی میں ٹریٹ دوں گی؟" ثروت نے حیرانی سے پوچھا۔

"اپنی اینورسری کی خوشی میں۔"

"تمہارے ڈیڈی نے ڈنر کروایا تو تھا۔"

"ایک ٹریٹ تو آپ کی طرف بھی بنتی ہے۔" ولید نے آنکھیں مٹکائیں۔ ثروت نے نا سمجھی سے اسے دیکھا۔ انیبا بھی شرارت سے مسکرا رہی تھی۔

"بھئی' سیدھی سی بات ہے' اتنے عرصے کے بعد آپ کے سر تاج کا موڈ خوش گوار ہوا ہے۔ وہ بات بے بات غصہ کرنے کے بجائے مسلسل مسکرا رہے ہیں۔ آپ کو خوشی نہیں ہوئی؟ بس اسی خوشی میں آپ کو ہمیں ٹریٹ دینا چاہیے۔"

"واقعی ممی! ڈیڈی کا موڈ تو آج کل بہت خوش گوار رہنے لگا ہے۔" انیبا نے بھی ولید کی ہاں میں ہاں ملائی تھی۔

"خدا اس موڈ کو خوش گوار ہی رکھے۔" ثروت نے دل ہی دل میں کہا' پھر بولی۔ "اس بارے میں ہم پھر بات کریں گے' فی الحال مینیو ڈیسائیڈ کرو۔ ڈنر پر کچھ مہمان آ رہے ہیں۔"

"کون آ رہا ہے ممی!" انیبا نے پوچھا۔

"تو قیر بھائی کی فیملی آ رہی ہے اور ماموں' مسز احسان اور ان کے بھائی آ رہے ہیں۔" انیبا نے چونک کر ثروت کو دیکھا۔

"اس۔۔۔ میں نے تو سنا تھا ہماری انیکسی میں مامو اور مسز احسان رہ رہی ہیں' اب ان کے بھائی بھی آ گئے۔" ولید نے کہا۔

"مسز احسان کے بھائی کے ساتھ مل کر تمہارے ڈیڈی نے کوئی بزنس شروع کیا ہے۔ یہ ڈنر اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔" ثروت نے بتایا تو تینوں بچے ایک دم بہت پرجوش نظر آنے لگے۔

"واؤ۔۔۔ ڈیڈی نے بزنس شروع کیا ہے' لیکن ہمیں کیوں نہیں بتایا؟"

"ڈیڈی سرپرائز دینا چاہ رہے ہوں گے۔"

"اچھی بات ہے نا' ایک اور ٹریٹ کا بندوبست ہو گیا۔"

"آج تو مسز آلو کی بہن کو بھی صرف گھانے کے خواب آ رہے ہیں۔" ولید نے پھر ولی کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا اور حسب توقع وہ بھڑک بھی گیا۔

"ولید! اب تم مجھ سے مار کھاؤ گے۔" ثروت نے اسے ڈپٹا' ولی بولا۔ "آپ ہمیشہ کہتی ہیں مارنے کا۔۔۔ کبھی مارتی نہیں ہیں۔ ایک بار اس کی پٹائی کریں' دوبارہ ایک لفظ نہیں نکالے گا آلو' آلو کہہ کر زندگی Spail کر دی ہے اس نے۔ اس کی وجہ سے اب تو میرے سارے کلاس فیلو بھی مجھے مسٹر آلو کہہ کر چڑاتے رہتے ہیں۔۔۔ اوگاڈ۔۔۔ میں کیا کروں۔۔۔ یہ ولید کا بچہ ہمیشہ مجھے تنگ کرتا رہتا ہے' مجھے پتا ہے فیوچر میں بھی یہ یہی کرے گا۔ یہ تو مجھے ڈیمیج بھی نہیں کرنے دے گا' سارے زمانے میں تو اس نے مجھے آلو مشہور کر دیا ہے' کوئی لڑکی آلو سے محبت کیوں کرے گی۔"

اس کی پریشانی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی اور فلفٹھ اسٹینڈرڈ کے بچے کے منہ سے لو میج کی بات سن کر وہ تینوں ہی ہکا بکا رہ گئے تھے۔ پھر سب سے پہلے ولید کی ہی ہنسی چھوٹ گئی' پھر کوشش کے باوجود ثروت اور انیبا بھی اپنی ہنسی چھپا نہیں سکیں۔ ان تینوں کو بے تحاشا ہنستا دیکھ کر ولی کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو جھینپی موئی سی مسکراہٹ اس کے چہرے پر پھیل گئی۔ اب ولید کو ولی کی کھنچائی کرنے کے لیے ایک اور موضوع مل چکا تھا۔ وہ چاروں ہنس رہے تھے اور پورے کمرے میں ایک خوش باش گھرانے کی تصویر روشن ہو رہی تھی۔

(باقی آئندہ ماہ)

www.pkdigest.com

اسمہ ریاض

سادہ سا

دین محمد مٹی سے محبت کرنے والا جفاکش مرد ہے۔ دھرتی کو اپنے خون جگر سے سونا اُگلنے کے قابل بنانا اس کا پیشہ ہے۔ اس کی پوری زندگی محنت سے عبارت ہے۔ جو وہ اپنے چھ مربعہ زمین پر صرف کرتا ہے۔ شادی کو آٹھ سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ اپنے چھوٹے سے گھر میں وہ بیوی زہرہ اور ماں کے ساتھ رہتا ہے۔ زہرہ چھ مُردہ بچوں کو جنم دے کر ایک مرتبہ پھر امید سے ہے۔ دین محمد کا دل رواں اولاد کی خوش خبری پانے کے لیے مجسم دعا بن چکا ہے۔ اس کی دعائیں مستجاب ٹھہرتی ہیں اور اس کے یہاں ایک خوبصورت بچی جنم لیتی ہے۔ اسے وہ اپنی جنت کے نام سے مخاطب کرتا ہے۔

جلال الدین کے روز و شب نوکری کی چکی میں پستے گزر رہے ہیں۔ اس نوکری کے دوران اسے آرام کرنے کا موقع بھی کم ملتا ہے۔ بہتر مستقبل کا خواب اسے متحرک رکھتا ہے۔ تنہائی میں کسی کی محبت کا جگنو اس کی دُنیا آباد رکھتا ہے۔ ہر دم اس کی یادیں اسے بے چین رکھتی ہیں۔ دن بھر کا تھکا ہارا وہ آرام کرنے لیٹتا ہے تو پولیس اسٹیشن سے اطلاع ملتی ہے جنت نبی کی حراست میں ہے۔ جس کا دعوا ہے کہ اس نے اپنے شوہر کا قتل کیا ہے۔ جلال الدین اپنے وکیل دوست مسعود کے ساتھ جائے وقوعہ پولیس اسٹیشن پہنچتا ہے اور ثبوت دیکھ کر اسے جنت بی بی سیریس فریب کی مریض ہے جس کی شادی ابھی ہوئی تک نہیں۔ جنت کی حالت جلال الدین کو اعصابی تھکن کا شکار کرنے لگتی ہے جسے اس نے نوکروں کے سہارے علیحدہ گھر میں رکھ چھوڑا ہے۔

تقریباً 14 سال بعد اپنی بیٹی ہادی کے ساتھ آئرلینڈ سے پاکستان آتی ہیں تو انہیں توقیر صاحب کے بتائے گئے پتے کو تلاشنے میں بہت وقت لگتا ہے۔ وہ فیض کے دوست توقیر صاحب کے توسط سے دانیال کی ایکسی میں ٹھہرتی ہیں۔ ثروت طنبل سلمٰی اور مجتبیٰ خاتون ہیں۔ ولی، ولید اور انیبا ان کے بچے ہیں۔ ہادی کی پہلی ملاقات میں انیبا سے دوستی ہو جاتی ہے۔



http://pakistanipoint.com

شبیہ الغباس طبیعتاً سخت گیر اور غصہ ور نوجوان تھے۔ جسے صنف نازک کا غیر ضروری ہنسنا بھی ناگوار گزرتا ہے۔ دوسری طرف نمو تنوی سے منسوب ہے۔ تنوی اس کی تند خو طبیعت سے نالاں ہے۔ شبیہ، تنوی کو کالج چھوڑنے آتا ہے تو سہیلیاں عبیرہ اور غزہ، تنوی کے سر ہو جاتی ہیں۔ یہ جان کر کہ شبیہ، تنوی کا منگیتر ہے۔ وہ اس کی قسمت پر رشک کرتی ہیں۔ تنوی دونوں سے گزارش کرتی ہے کہ عروج کو اس کی بات کا علم نہ ہو۔

شبیہ بیگ، ثروت دانیال کی اولاد ہے جسے انہیں دانیال حسن سے شادی سے پہلے چھوڑنا پڑا۔ بچپن کی محرومی نے اسے بدمزاج اور غصیلا بنا دیا۔ وہ انیا اور ولید سے بہت ترشی سے پیش آتا ہے۔ وہ ان سے بحیثیت بہن بھائی قلبی تعلقات محسوس نہیں کرتا۔ انیا اس کی محرومی دل سے محسوس کرتی ہے۔ انیا پر بری نظر ڈالنے پر وہ جے ڈی کے دوست سعدی کو پیٹ ڈالتا ہے۔ صرف جے ڈی اس کی کیفیات سمجھتا ہے۔

بیمار پڑنے پر بیگم دانیال، ثمینہ کی اچھی طرح دیکھ بھال کرتی ہے تو ثمینہ ان کے اخلاق سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتیں۔ انہیں بیگم دانیال کو دیکھ کر لگتا ہے کہ وہ پہلے ان سے مل چکی ہیں۔

بچوں کی لڑائی میں جنت کو چوٹ لگتی ہے تو دین محمد اپنی بہن زبیدہ کے بیٹے فاروق کا حلیہ بگاڑ دیتا ہے۔ ساتھ ہی زبیدہ بہن اور رفیق بھائی سے قطع تعلق کر لیتا ہے۔ زہرہ اس کی جنت سے طوفانی محبت سے خوف زدہ ہے۔ دین محمد، زہرہ کو باور کرواتا ہے کہ وہ جنت کو بیاہ کر دوسرے گھر نہیں بھیجے گا۔ بلکہ اس کے شوہر کو گھر داماد بنائے گا۔

اتفاقاً مادی کا ٹکراؤ شبیہ سے ہوتا ہے جس سے مادی کا پیر زخمی ہو جاتا ہے۔ اپنی غلطی کے باوجود بھلا ہٹ میں شبیہ مادی کو بری طرح سے ڈانٹتا ہے تو مادی اس کی طبیعت صاف کر دیتی ہے۔ ثمینہ سے وہ اس واقعے کا ذکر نہیں کرتی۔

(اب آگے پڑھیے)

ساتویں قسط

عروش مراد۔ ایک الجھا ہوا کردار۔ مردانہ حلیہ بنا کر اوٹ پٹانگ حرکتیں کرتے رہنے کی شوقین 'اخلاقی اقدار سے عاری کا شکار۔ اس کے بارے میں کئی افواہیں اڑتی پھرتی تھیں جو کالج میں ایڈمیشن لیتے کے ساتھ ہی ان تینوں کے کانوں تک بھی پہنچیں 'لیکن عموماً "ایسی باتوں کی تصدیق یا تردید نہیں ہوتی' یہ صرف افواہیں ہوتی ہیں۔ عروش جیسی لڑکیوں کے متعلق عموماً" تین لازمی ہوتی ہیں 'ایک تہائی لڑکیاں انہیں ناپسند کرتی ہیں 'ایک تہائی ان کی مدح سرا دکھائی دیتی ہیں 'جبکہ باقی مانندہ کو عروش جیسے لوگوں سے فرق نہیں پڑتا۔ سوئے اتفاق ان کے گروپ میں بھی عروش کے متعلق تین آرا موجود تھیں۔ نمو 'عروش کو بے حد پسند کرتی تھی 'تنوی کو وہ سخت بری لگتی تھی' جبکہ عبیر بالکل غیر جانبدار تھی 'وہ بہت کم اس بارے میں بات کرتی 'لیکن آج جو ہوا اس نے تنوی کے ساتھ ساتھ عبیر کو بھی دم بخود کر دیا تھا اور ان دونوں کے منہ سے "خط" کا نام سن کر چیخ نکل گئی تھی۔ نمو نے بے ساختہ کانوں پر ہاتھ رکھ لیے۔

"اوفو۔ میرے کانوں کے پردے کیوں پھاڑ رہی ہو۔ مجھے کیا پتا بند لفافے میں کیا ہے 'مجھے تو عروش نے کہا تھا' تم تک پہنچا دوں 'سو پہنچا دیا۔" ایک آن میں تیزی نے لفافہ چاک کیا 'اندر خوشبو سے مہکتا لیٹر پیڈ تھا' عبیر نے اس کے ساتھ ساتھ پڑھنا شروع کیا 'لیکن جوں جوں تنوی کی نظریں خط کی سطروں پر دوڑ رہی تھیں توں توں اس کا فشارِ خون بلند ہو رہا تھا اور یہ خون جیسے آنکھوں سے چھلکنے کو بے چین تھا۔

"مجھے آپ کا سب سے اچھا دوست بننا ہے اور مجھے یہ بھی پتا ہے 'مجھ سے دوستی کر کے آپ کو مایوسی نہیں ہوگی۔ پلیز میرے خط کا جواب ضرور دیں۔"

صرف اور صرف آپ کا۔ عروش۔

تنوی کی بے تحاشا ناراضی و غصے پر حیرانی کا دھواں سا پھیل گیا۔

"نمو! تم تو کہہ رہی تھیں یہ عروش نے بھجوایا ہے 'جبکہ اس پر تو کسی عروش کا نام لکھا ہے۔"

"غور سے دیکھو 'جلدی میں "ع" "س" بن گیا ہوگا۔" اس نے خود آگے ہو کر دیکھا اور حیران ہو کر بولی۔ "اس پر تو واقعی عروش لکھا ہے۔ لیکن تنوی! میں سچ کہہ رہی ہوں 'یہ مجھے عروش نے ہی دیا ہے۔"

"ممکن ہے عروش نے سوچا ہو 'کہیں تم غصے میں آکر پرنسپل سے شکایت نہ کر دو 'اس صورت میں تمہارے پاس کوئی ثبوت نہیں ہونا چاہیے 'تب ہی اس نے اپنا نام غلط لکھ دیا۔" عبیر نے خیال ظاہر کر دیا۔

"تو اس کا کیا خیال ہے 'وہ اپنا نام غلط لکھے گی تو میں شکایت نہیں لگاؤں گی۔" تنوی نے کاغذ مٹھی میں ایسے بھینچا جیسے وہ کاغذ نہیں عروش کی گردن ہو۔

"شکایت تو میں ضرور لگاؤں گی 'عروش نے مجھے سمجھا کیا ہے جو ایسا واہیات خط لکھا۔" وہ غصے سے کھول رہی تھی۔

"ایک منٹ۔ ایک منٹ۔ اگر ایسی بات ہوتی تب بھی عروش کو کم سے کم خط میں مونث کا صیغہ استعمال کرنا چاہیے تھا۔" عبیر کا انداز پُرسوچ تھا۔ "مجھے لگتا ہے میں نے عروش کا نام سن رکھا ہے۔ نمو! یہ عروش کاوہی کزن تو نہیں ہے 'جو پچھلے ہفتے صبح سے شام تک کالج کے باہر آکر کھڑا ہوتا رہا ہے؟"

"مجھے کیا پتا۔" نمو چڑ گئی 'پھر یکدم لجاجت سے بولی۔

"تنوی! تمہیں پتا تو ہے عروش تمہیں پسند کرتی ہے اور تم سے دوستی کرنا چاہتی ہے 'کل بھی یہ ہی کہنے کے لیے تمہیں بلوایا تھا۔ لیکن تم نہیں گئیں تو اس نے خط لکھ دیا۔ یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں ہے یار! کہ تم شکایت لگانے چلی جاؤ 'کالج 'اسکول میں اکثر لڑکیاں ایک دوسرے کو خط لکھتی ہی ہیں۔"

"لکھتی ہوں گی 'مگر مجھے یہ سب باتیں پسند نہیں ہیں۔" تنوی نے سنجیدگی و سختی سے کہا۔

"میں پہلے بھی کہہ چکی ہوں میں دوستی نہیں کرنا چاہتی پھر یہ اوٹ پٹانگ حرکتیں کرنے کی کیا ضرورت ہے؟"

اس بار نمو خاموش رہی 'لیکن اس کے تاثرات دیکھ کر صاف پتا چلتا تھا 'وہ متفق نہیں ہے۔

"ویسے میرا ابھی یہ ہی خیال ہے 'ایک بار پرنسپل تک بات پہنچا دینا چاہیے۔" عبیر کا دماغ ہنوز دور کی اڑان بھر رہا تھا۔

"عروش! جس مزاج کی لڑکی ہے 'اگر پہلی بار میں اسے ٹوکا نہ گیا تو وہ بار بار یہ حرکت کرے گی۔"

عبیر نے بھی سنجیدگی سے اپنی رائے دی۔

"یہ اتنی بڑی بات نہیں ہے 'جتنا تم لوگ اسے بڑھا رہے ہو۔"

"یہ بڑی بات ہی ہے۔" عبیر نے زور دے کر کہا۔ "عروش کے بارے میں جو باتیں کالج میں پھیلی ہوئی ہیں 'کیا تم نے کبھی نہیں سنیں؟ وہ کس ریپوٹیشن کی لڑکی ہے 'کیا ہم سب کو نہیں پتا؟ انسان اپنی صحبت سے پہچانا جاتا ہے۔ تنوی اگر اس سے دوستی کرتی ہے 'تب بھی بدنام ہوگی اور اگر دوستی نہیں کرتی تو بھی عروش اسے تنگ کرتی رہے گی۔ اس صورت حال سے بچنے کا واحد طریقہ یہ ہی ہے کہ پرنسپل تک معاملہ پہنچا دیا جائے۔"

نمو نے تحمل سے عبیر کی بات سنی۔ اگلے پل تنوی کے ہاتھ سے خط چھینا اور سرعت سے اس کو پرزوں میں تبدیل کر کے مٹھی بھر کاغذوں کو دور اچھال دیا۔ کاغذ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کو ہوا نے آن کی آن ان کی دسترس سے دور کر دیا تھا۔

http://pakistanipalace.blogspot.com

یہ سب اتنی تیزی سے ہوا کہ عبیو اور تنوی کو سنبھلنے کا موقع بھی نہ مل سکا' وہ دونوں حق دق سفیدے کے درختوں کے درمیان ہوا سے اڑتے پرزوں کو دیکھ رہی تھیں۔

نمرو نے ہاتھ جھاڑ کر ان دونوں کو دیکھا۔

"اب تم دونوں کو جو کرنا ہے کرو' ثبوت کے بغیر پرنسپل تم لوگوں کی کسی بات پر یقین نہیں کریں گی۔ مجھے گواہی کے لیے بلایا تو میں مکر جاؤں گی کہ عوش نے مجھے کوئی خط دیا تھا۔ تم دونوں بلاشبہ عوش سے زیادہ اچھی فرینڈز ہو میری۔ لیکن کسی ایک کے لیے میں اپنی دوسری فرینڈ کو مشکل میں نہیں ڈال سکتی۔" نمرو پلٹی اور تیز تیز قدم اٹھاتی بلڈنگ کے کونے پر غائب ہو گئی۔ وہ دونوں چند منٹ حیران پریشان اسے جاتا دیکھتی رہیں پھر عبیو نے کہا۔

"نمرو کا دماغ بالکل خراب ہو چکا ہے۔ عوش کی محبت میں رہتی ہے تو زبان بھی اسی کی بولنے لگی ہے' اسے یہ تک احساس نہیں کہ اس کے اور عوش کے بارے میں لڑکیاں کس قسم کی باتیں کر رہی ہیں۔" عبیو نے پریشانی سے کہا۔ تنوی کی طرح وہ اپنے آپ میں مگن رہنے والی لڑکی نہیں تھی' وہ بہت فعال تھی' ہر معاملے میں اپنی رائے کا اظہار بے تکلف نہ کرتی ہو مگر معلومات ہمیشہ سو فیصد رکھتی تھی۔

"کس قسم کی باتیں کر رہی ہیں؟" تنوی نے چونک کر پوچھا۔

"یار! اگر بزرگ کہتے ہیں انسان اپنی صحبت سے پہچانا جاتا ہے تو ٹھیک ہی کہتے ہیں' نمرو آج کل عوش کے ساتھ اتنا وقت گزار رہی ہے۔ اکثر لڑکیوں کا خیال ہے وہ بھی عوش کی طرح بیمار ذہنیت کی مالک بن چکی ہے۔" عبیو نے ناپسندیدگی کے انداز میں اور بے حد مدھم آواز میں بتایا۔ "اور تم پریشان مت ہو عوش کا خط دیکھ کر جو تمہارا ردعمل تھا' وہ یقیناً" نمرو اسے بتا دے گی' مجھے امید ہے وہ دوبارہ تمہیں خط نہیں لکھے گی' لیکن اگر دوبارہ ایسا کیا تو ہم نمرو کی ناراضی کی پروا کیے بغیر پرنسپل کے پاس چلے جائیں گے۔"

"کیسے پریشان نہ ہوں۔" تنوی نے پریشان ہو کر پوچھا۔

"مجھے لگ رہا ہے ثمامہ نے میرا ہاتھ دیکھ کر جو بھی بتایا تھا' وہ اسی بات کی طرف اشارہ تھا۔ لو ہو گیا شروع میری زندگی کا برا دور۔" اس نے فکرمندی سے سر ہاتھوں میں گرا لیا تھا' جبکہ عبیو نے سر پیٹ لیا' مگر اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی سیمینار ہال کی لابی سے باہر آتی نیچر سلطانہ کو دیکھ لیا' وہ ہاتھ کے اشارے سے اسے قریب بلا رہی تھیں۔

☆ ☆ ☆

"سنیے کیا آپ ماوی ہیں؟"

دونوں لڑکیوں کے قدم اس کے قریب ٹھٹک کر رکے تھے' ماوی نے چونک کر انہیں دیکھا' وہ تنوی اور عبیو تھیں۔ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"ہمیں میڈم سلطانہ نے بھیجا ہے' وہ کہہ رہی ہیں ہم آپ کو ان کے کیوبیکل تک پہنچا دیں۔" ماوی ایک بار پھر اثبات میں سر ہلا کر ان کے ساتھ ہو لی' کئی کلاس روم کے سامنے سے گزرنے کے بعد ایک وسیع و عریض گراؤنڈ عبور کر کے اور بائیں کے دوسرے کنارے پر ہاسٹل کی عمارت تھی۔

ماوی کو لگا جیسے رونق تو بس سیمینار ہال کے قریب ہی تھی' باقی تو پورا کیمپس سناٹے میں ڈوبا ہوا تھا۔ پتا چلا سیمینار کی وجہ سے دیگر طالبات کو چھٹی دی گئی ہے۔ سلطانہ آنٹی باہر ہی کھڑی اس کا انتظار کر رہی تھیں۔ تنوی اور عبیو اسے میڈم سلطانہ کے سپرد کر کے واپس چلی گئیں۔

"بھئی۔ میں بہت شرمندہ ہوں۔ تمہیں بہت انتظار کرنا پڑا۔" وہ اسے اپنے ساتھ اندر لے آئیں۔

"انتظار کا تو کوئی مسئلہ نہیں' بس ارتقائیت' توافلاطونیت' ماورا پسندی' جیسے الفاظ سن سن کر دماغ پک گیا

میرا۔" ماوی نے حسب عادت صاف گوئی سے اپنا مافی الضمیر بیان کر دیا۔

"لگتا ہے' سائیکالوجی سے بالکل دلچسپی نہیں ہے تمہیں؟"

"ایک فیصد بھی نہیں۔" ماوی نے سرعت سے کہا تھا۔

سلطانہ آنٹی کے کیوبیکل میں پہلے سے کچھ لڑکیاں موجود تھیں۔

"ارے۔ تم لوگ یہاں بیٹھی ہوئی ہو' مجھے پتا ہوتا تم لوگ ادھر ہو تو اس بچی کو پہلے ہی یہاں چھوڑ جاتی۔ خوامخواہ بے چاری کا اتنا وقت ضائع ہوا۔ میں نے سوچا انجان جگہ پر کیا اکیلی چھوڑ کر جاؤں۔" سلطانہ آنٹی نے کہا' پھر ان سب کو ماوی سے متعارف کروانے لگیں۔ وہ تینوں سلطانہ آنٹی کی کولیگز تھیں' لیکن ان کے ڈپارٹمنٹ مختلف تھے۔ عائشہ میتھس پڑھاتی تھیں' زرتاشیہ اسلامیات کی لیکچرار تھیں' جبکہ عمارہ اردو ڈپارٹمنٹ کی ہیڈ اور سلطانہ آنٹی کی روم میٹ بھی تھیں۔

"آپ بڑے صحیح وقت پر آئی ہیں میڈم! ایک زبردست بحث چھڑی ہوئی ہے' آپ بھی اپنا حصہ ڈال لیجیے۔ کچھ آپ کی رائے سے ہماری معلومات میں بھی اضافہ ہو جائے گا۔" عائشہ نے کہا۔

"بحث کا موضوع کیا ہے؟" سلطانہ آنٹی نے ماوی کو بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔ "فرینہ کا نظریہ کہ انسانی فطرت ناقابل تغیر ہے۔" عمارہ نے کہا۔

"ارے یہ تو بڑا لایعنی موضوع چھیڑ کر بیٹھی ہوئی ہو تم لوگ اس بحث میں تو بڑے بڑے اسکالر' مفکر کسی منطقی رائے تک نہ پہنچ سکے' ہم لوگ کیا پہنچیں گے۔"

"میڈم! ہم میں سے کوئی اسکالر ہے نہ مفکر۔ ہم تو بس یونہی اپنی اپنی رائے کا اظہار کر رہے ہیں' سوچا آپ سے بھی رائے لے لیں۔" زرتاشیہ نے کہا تھا۔

"اچھا میں ذرا ماوی کو بکس اور نوٹس دکھا دوں' پھر بات کرتے ہیں عمارہ بچے۔ ذرا اچھی سی چائے تو پلاؤ۔" وہ ماوی کو ساتھ والے کمرے میں لے آئیں' یہاں ایک دیوار گیر الماری اوپر سے نیچے تک کتابوں سے بھری ہوئی تھی۔

"تو بھئی۔ یہ دائیں طرف ساری کتابیں تمہارے ریسرچ ورک سے متعلق ہیں۔ جو تمہیں پسند ہوں وہ نکال لو۔ یہ کچھ نوٹس اور یہ میرا تھیسس۔" وہ اسے سب کچھ دکھا کر اور فری ہینڈ دے کر دوسری الماری سے اپنے کپڑے نکالنے لگیں' پھر واش روم میں گھس گئیں۔ ماوی کے ہاتھ تو جیسے خزانہ آ لگا تھا' ایک سے ایک بہترین کتاب موجود تھی یہاں۔ سلطانہ آنٹی واش روم سے باہر آ کر اس کے پاس بیٹھ گئیں اور اس کا ریسرچ ورک ڈسکس کرتی رہیں پھر عمارہ انہیں چائے کے لیے بلانے آ گئیں۔

"آجاؤ ماوی! پہلے چائے پی لیتے ہیں' پھر تم باقی چیزیں دیکھ لینا۔" سلطانہ آنٹی کے کہنے پر وہ ان کے ساتھ اسی کمرے میں آئی' جہاں باقی خواتین موجود تھیں۔ چائے کے ساتھ گرما گرم چکن پیٹیز اور چاکلیٹ پیسٹریز کا اہتمام تھا۔ ماوی کو بھوک تو پہلے ہی محسوس ہو رہی تھی' بلا تکلف بیٹھ کر ان چیزوں سے انصاف کرنے لگی۔ عائشہ نے پھر وہی موضوع چھیڑ دیا' جس پر سلطانہ ان کی رائے چاہ رہی تھیں۔

"آپ نے پروفیسر نقی کی باتیں سنیں؟"

"پروفیسر نقی کو تو تم رہنے ہی دو' وہ فرائیڈ کے اتنے بڑے معتقد ہیں کہ اس کی کہی سے ایک انچ بھی پیچھے نہیں ہٹیں گے' جن دنوں میں یونیورسٹی میں تھی میری اور میرے گروپ کی پروفیسر نقی سے اسی موضوع پر لمبی لمبی بحثیں ہوا کرتی تھیں۔ نقی صاحب کہتے تھے جو جناب فرائیڈ فرما گئے' وہی حرف آخر ہے اور ہمیں ان کی بات ماننے میں تامل ہوتا تھا۔" سلطانہ آنٹی نے کہا۔

http://pakfunplace.blogspot.com

"اچھا آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے؟" زرتاشیہ نے پوچھا۔

"کیا واقعی انسانی فطرت ناقابل تغیر ہے؟"

"بھئی یہ پرانی بحث ہے یعنی بچپنی پرانی یہ بات ہے کہ فطرت انسانی ناقابل تغیر ہے' ہم و پیش اتنے ہی پرانے دلائل ہیں' جو اس نظریے کی مخالفت میں دیے جارہی ہیں لیکن اگر تم صرف میری رائے پوچھ رہی ہو تو میں اس بات کو نہیں مانتی۔ انسانی فطرت کیوں تبدیل نہیں ہو سکتی؟"۔۔۔ بالکل ہو سکتی ہے اگر انسانی فطرت تبدیل نہ ہو سکتی تو آج بھی انسان پتھر کے زمانے میں ہی رہا ہوتا۔ غاروں میں رہتا' دانتوں سے کاٹ کاٹ کر کچا گوشت کھاتا۔ جہاں تک میری معلومات ہیں تمدنی زندگی کے آغاز کو صرف آٹھ یا دس ہزار برس ہوئے ہیں۔ ان دس ہزار برس کے آغاز کا انسان کیسی زندگی گزار رہا تھا' کیا تم لوگ اندازہ لگا سکتی ہو؟ وہ انسان وحشی تھا اور اس وحشت کو اپنی فطرت کا حصہ سمجھتا تھا' وہ فطرت جو بدلی نہیں جا سکتی لیکن ہم گواہ ہیں اس بات کے۔۔۔ کہ فطرت بدلی جا سکتی ہے' کیونکہ ہم دیکھ چکے ہیں' کس طرح انسان کے آباؤ اجداد کے شعور نے نشوونما پائی اور اسی کے ذریعے وہ حیوانات کی صف سے الگ ہوا۔ دراصل تبدیلی کا عمل اتنی سست روی سے وقوع پذیر ہوتا ہے کہ ہم محسوس بھی نہیں کر پاتے۔ احساس اس وقت ہوتا ہے' جب سرِ حال تبدیلی ایک واضح شکل میں ہمیں دکھائی دینے لگتی ہے۔ ایک وقت آئے گا کہ کئی ہزار برس آگے کا انسان آج کے دور کو پتھر کا زمانہ کہہ رہا ہوگا اور ایسا کیوں ہوگا صرف اس لیے کیونکہ ہر لمحہ تبدیلی آرہی ہے اور فطرت نئے سانچوں میں ڈھل رہی ہے۔"

"واقعی۔" زرتاشیہ نے متاثر ہوتے ہوئے کہا۔

"اگر ہم اس بات کو درست مان لیں کہ تبدیلی بہتری اور ترقی کا عمل ہی رک جائے گا۔ آخر کوئی نہ کوئی وجہ تو ہے نا کہ ہم تعلیم حاصل کرتے' اپنے بچوں کو اسکول' کالج بھجواتے ہیں۔ ماں' باپ' بچوں کی تربیت کی فکر کرنا ہی چھوڑ دیں۔ اگر اس نظریے کو درست مان لیں' بھئی انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے خدا نے' ورنہ جانور ہیں' بچے' بوڑھے ہیں' پہاڑ ہیں' خدا نے ان سب کو اشرف المخلوقات کا درجہ کیوں نہیں دیا؟ کوئی وجہ تو تھی جو خدا نے انسان کو اس درجہ پر فائز کیا اور یہ وجہ انسان کا عقل و شعور ہے۔ جو کسی اور مخلوق کو نہیں دیا گیا۔ اب اگر انسان اپنی فطرت پر ہی قابو نہیں پا سکتا تو کیا فائدہ ہے اس کے اشرف المخلوقات ہونے کا؟"

"واقعی زری آپ نے بڑی اچھی بات کی ہے۔" عمارہ نے فوراً سراہا۔

"فرائیڈ چاہے کچھ بھی کہتا رہے' ہمیں بحیثیت مسلمان یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ صرف تقدیر ہے جو بدلی نہیں جا سکتی۔ فطرت کی کیا حیثیت ہے تقدیر کے مقابلے میں؟"

"اور جہاں تقدیر کی بات آجائے وہاں تو ہر بحث ہی ختم ہو جاتی ہے۔" سلطانہ آنٹی نے کہا۔ "لیکن اگر کچھ دیر کے لیے تقدیر کی بحث کو ایک طرف رکھ دیں تو میں کہوں گی تعلیم و تربیت والا پوائنٹ بھی بہت خوب اٹھایا ہے تم لوگوں نے' روسی ماہر عضویات تھا پاف لوف۔۔۔ اس نے Conditioned refler کے نام سے ایک تھیوری دی تھی اور تھیوری کچھ یوں تھی کہ اگر کتے کو خوراک کھلاتے وقت گھنٹی بجائی جائے تو کتا گھنٹی کی آواز سے ایسا Condition ہو جاتا ہے کہ جب بھی گھنٹی بجائی جائے اور خوراک نہ بھی دی جائے تو بھی اس کے منہ سے رال ٹپکنے لگے گی۔ اس نظریے کی روشنی میں ایک اور مفکر نام اب مجھے یاد نہیں آرہا۔ شاید واٹسن کرو نے کہا تھا کہ اس تھیوری کی روشنی میں تعلیم و تربیت کے اصولوں کو مرتب کرنا چاہیے' جب حیوانات میں عادات راسخ کی جا سکتی ہیں تو انسان میں کیوں نہیں' جبکہ انسان عقل و شعور سے نوازا گیا ہے۔"

"اچھا میڈم ایک بات بتائیے۔" عائشہ نے کہا۔ سلطانہ آنٹی چونکہ سب میں سینئر تھیں' اس لیے سب ہی کو اپنے دلوں میں مچلتے سوالوں کے جواب ان ہی سے چاہیے تھے۔

"کیا انسان خود اپنی فطرت تبدیل کر سکتا ہے؟"

"میں عمارہ کی بات دہراؤں گی' صرف تقدیر نہیں بدلی جا سکتی' باقی سب کچھ بدلا جا سکتا ہے۔" سلطانہ آنٹی نے زور دے کر کہا۔

"یہ پوائنٹ میرے ذہن میں اٹک رہا ہے۔ پلیز ذرا وضاحت سے سمجھا دیجیے۔" عائشہ نے اصرار بھرے انداز میں کہا تھا۔

"میں سمجھ نہیں پا رہی کہ انسان خود کو کیسے تبدیل کر سکتا ہے؟"

"دیکھو بھئی۔۔۔ بڑی سیدھی سی بات ہے۔" سلطانہ آنٹی نے بولنا شروع کیا۔ "مشرقی معاشرے کی ایک بہت بڑی خصوصیت اس کا خاندانی نظام تھا جو بدقسمتی سے اب تہس نہس ہو چکا ہے۔ لیکن جب سب مل جل کر رہتے تھے تو گھر کے بچے کی تربیت کی ذمہ داری تمام بزرگوں کے سر تھی۔ ماں' باپ سے کوتاہی ہو بھی جاتی تو تربیت کی ذمہ دار دادی' دادی نائپ بزرگ سنبھال لیتے تھے۔ وہ اسلامی احکامات بچے کو سکھاتے۔ وہ تمام اچھی باتیں بھی سکھاتے' جو بچے کو معاشرے کا بہترین فرد بنا سکیں۔ جوں ہی بچے کی عادات میں کوئی ناپسندیدہ چیز دیکھتے' بچے کو سمجھا بجھا کر بہ احسن طریقے سے اس کی نفسیات میں کوئی گرہ پڑنے سے پہلے ہی اسے کھول لیا جاتا تھا۔ یوں برائی بڑھنے سے بھی رکتی تھی' لیکن جوں ہی خاندانی نظام درہم برہم ہوا سب کچھ الٹ پلٹ ہو گیا۔"

"بات تو پھر وہیں رہ گئی نا کہ انسان خود کو تبدیل نہیں کر سکتا۔ خاندانی نظام کی جن خصوصیات کا آپ نے ذکر کیا ہے وہ بیرونی عناصر ہو گئے۔ جو انسانی سوچ پر اثر انداز ہوتے ہیں۔" عائشہ نے پھر سوال اٹھایا۔

"تم عقل و شعور والی بات پھر فراموش کر رہی ہو۔" سلطانہ آنٹی نے کہا۔ "بات مختصر لفظوں میں کچھ یوں ہے عائشہ کہ عقل تو انسان کو پیدا ہوتے ہی خدا کی طرف سے مل جاتی ہے۔ یعنی جیسے ناک' کان' آنکھیں' ہاتھ وغیرہ ملتے ہیں' عقل بھی ویسے ہی مل جاتی ہے' لیکن شعور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ملتا ہے' عقل کی ریفائنڈ فارم کو ہم شعور کہہ سکتے ہیں' یوں سمجھو کہ عقل ہوتا ہے اور زندگی وہ بھٹی۔۔۔ جس میں پک کر عقل کا سونا شعور کے کندن میں ڈھلتا ہے۔ اسی دوران یعنی عقل کے شعور میں ڈھلنے کے دوران ایک ایسا وقت بھی آتا ہے' جب خدا ہماری

نفسیات کی ڈوریں ہمارے اپنے ہاتھوں میں دے دیتا ہے' کوئی میری بات سے اتفاق کرے یا نہ کرے' میرا اس بات پر پورا اعتقاد ہے کہ بیرونی عوامل کے ساتھ ساتھ بلکہ پچھتر فیصد انسان خود اپنی نفسیات کو ہینڈل کر رہا ہوتا ہے تو جب آدھے سے زیادہ کنٹرول ہمارے اپنے ہاتھ میں ہے تو ہم اپنا آپ کیسے تبدیل نہیں کر سکتے۔؟ ہم چاہیں تو خود کو سیدھے راستے پر ڈال لیں۔ چاہیں تو غلط راستے کا انتخاب کر لیں۔"

"اور یہ فیصلہ کون کرے گا کہ صحیح راستہ کون سا ہے اور غلط کون سا ہے؟" زرتاشیہ نے سوال اٹھایا۔

"یہ فیصلہ بھی انسان خود ہی کرتا ہے' عقل و شعور کے ساتھ ساتھ دل کی مشاورت سے۔ پھر کچھ راستے تو بڑے واضح ہوتے ہیں جن کے چناؤ کے لیے کسی مشورے کی ضرورت بھی نہیں پڑتی' مثلاً۔۔۔ میں جانتی ہوں آگ مجھے جھلسا سکتی ہے تو میں ڈر کے اس کے قریب نہیں جاتی' لیکن کسی اور کو اس آگ کے قریب جانے سے بھی نہیں روکتی' بلکہ جان بوجھ کر دھکیل دیتی ہوں' تو یہ میرا نفسیاتی الجھاؤ ہے جو مجھے نقصان نہیں پہنچائے گا' لیکن کسی دوسرے کو تباہ کر سکتا ہے' جب میں کالج میں پڑھتی تھی تو ہماری ایک ٹیچر کہا کرتی تھیں' نفسیاتی مریض کبھی اکیلا نہیں ہوتا' وہ اپنے اردگرد رہنے والے ہر فرد کو ایک مختلف نفسیاتی الجھاؤ منتقل کر رہا ہوتا ہے' یعنی ایک سے دس افراد متاثر ہوئے تو سمجھو معاشرے کے دس خاندان برباد ہوئے۔ اگر انسان کو احساس ہو جائے کہ اس کی معمولی عادات اتنی تباہی لا سکتی ہیں تو اس عادت کو بھی کیوں نہ بدل لیا جائے۔ اس لیے ہم میں سے ہر ایک کو چاہیے' کم سے کم مہینے میں ایک بار اپنی شخصیت کا جائزہ ضرور لیں۔ بالکل غیر جانبداری سے پھر اپنی غلطیاں

سدھارنے کی کوشش کریں۔ اس کوشش سے ہی دراصل فطرت کی تبدیلی کا عمل شروع ہوگا۔" سلطانہ آپی پوری گفتگو کو بالآخر ایک مشقی انجام تک لے ہی آئی تھیں۔

"زری! ہم بھی یہ طریقہ آزما کر دیکھتے ہیں' پھر ایک مہینے کے بعد ہی دیکھیں گے ہماری شخصیت میں کیا تبدیلی آئی ہے۔" عائشہ نے کہا۔

"بالکل میں راضی ہوں' ویسے بھی شوپنہار کہتا ہے ارادہ زندگی کا بنیادی اصول ہے۔ ارادہ آقا ہے اور عقل لونڈی ہے۔"

"یہ وہی شوپنہار ہے نا۔ جو کہتا تھا عقل اپنی فطرت میں عورت کی طرح ہے۔ یہ اسی وقت کچھ دیتی ہے جب یہ کچھ لے لیتی ہے' اپنی ذات میں یہ محض کھوکھلے چھلکے کی مانند ہے۔" عمارہ نے پوچھا۔ عادی جو بڑی دیر سے چائے کا خالی مگ ہاتھ میں پکڑے فکر فکر سب کو دیکھ رہی تھی یکدم بولی۔

"کتنا بدتمیز ہے یہ شوپنہار۔ کسی نے اسے عورت کے بارے میں بات کرنے کی تمیز نہیں سکھائی؟" اس کی بات پر ایک زبردست قہقہہ بلند ہوا تھا۔

"کیا میں نے کوئی غلط بات کہہ دی؟" عادی نے شرمندہ ہو کر پوچھا۔

"نہیں غلط بات تو نہیں کہی۔ شوپنہار کو واقعی کسی نے تمیز نہیں سکھائی تھی۔ تمہیں جو کتابیں چاہیے تھیں مل گئیں؟" عائشہ نے پوچھا۔

"نہیں۔۔۔ میں ابھی دیکھ رہی تھی۔" وہ مگ رکھ کر واپس اسی کمرے میں آگئی۔

"میڈم! آپ نے تھرڈ ایئر کی عروش مرزا کا قصہ سنا؟" زرتاشہ نے کوئی اگلا قصہ چھیڑ دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

اور یہ جنت کی زندگی کا آٹھواں سال تھا۔

اپنے ارادے کے مطابق زہرہ اس کی تربیت پر خاص توجہ دے رہی تھی۔ مذہبی احکامات کی تعلیم کے ساتھ ساتھ وہ اسے وہ تمام اصول بھی سکھانے کی کوشش کرتی جو معاشرے میں ایک اچھے انسان کی حیثیت سے زندگی گزارنے کے لیے ضروری اور مددگار ہو سکتے ہیں اتنی توجہ اور محبت کے مثبت اثرات دکھائی دینے لگے تھے۔ اتنی سی عمر میں بھی جنت کا سلیقہ' تمیز و تہذیب نے لوگوں کو متاثر کرنا شروع کر دیا تھا۔ وہ بے حد سلجھے ہوئے مزاج کی بچی کی طرح پروان چڑھ رہی تھی۔ وہ زہرہ اور دادی کی ہر بات مانتی تھی۔ اچھے مزاج کے ساتھ ساتھ وہ بہت خوبصورت بھی ہوگئی تھی۔ خالص ماحول' تر و تازہ خوراک اور بہترین تربیت نے اس کی شخصیت کو چار چاند لگا دیے تھے۔ اچھے قد کاٹھ کی بنا پر وہ اپنی ہم عمر لڑکیوں سے بڑی دکھائی دیتی تھی اور اس چیز نے اس کے انداز میں کچھ جھجک پیدا کر دی تھی۔ وہ بچوں کے ساتھ مل کر کھیلنے کودنے شرماتی اور زیادہ تر ماں کے آنچل میں چھپی رہتی۔

زہرہ اس صورتحال سے خوش تھی اور مطمئن بھی کیونکہ اس کے خیال میں شرمیلی جھجک لڑکیوں کا گہنا ہوتی ہے۔ جب باقی بچے کھیل رہے ہوتے اور جنت اس کے پہلو سے چپکی رہتی تب زہرہ خوشی سے پھولے نہ سماتی۔ زہرہ کو جنت کے معاملے میں صرف اس وقت وقت کا سامنا کرنا پڑتا' جب دین محمد گھر میں موجود ہوتا کیونکہ دین محمد کی موجودگی میں جنت اس کی باتوں پر کان دھرنا بند کر دیتی تھی نہ صرف یہ بلکہ اس کے سکھائے پڑھائے سارے اسباق بھول جاتی تھی۔

"باپ کی شہ پا کر وہ ماں اور دادی سے زبان درازی کرتی۔ ضد کر کے اپنی باتیں منواتی اور جب زہرہ اس سے سختی سے پیش آنے کی کوشش کرتی تو دین محمد کہتا۔

"جنت کو ٹالانہ کرو زہرہ! تجھے نہیں پتا مہارانیوں کی باتیں ٹالی نہیں جاتیں۔" اتنی سی بات سن کر جنت اور شیر ہو جاتی اور زہرہ کڑھتے بیٹھ جاتی۔ جنت ابھی بچی تھی اسے اچھائی برائی کی اونچ نیچ سمجھائی جا سکتی تھی مگر دین محمد کا کیا کرتی' جسے اولاد کی تربیت کے سنہری اصولوں سے کوئی غرض نہیں تھی بلکہ وہ سمجھتا تھا اولاد کی تربیت کا یہی بہترین طریقہ ہے جو اس نے اختیار کر رکھا ہے۔

تم کو زہرہ کبھی کبھار دین محمد کی اس روش پر کڑھتی تھی لیکن پہلے کی طرح اس نے فکرمند رہنا چھوڑ دیا تھا۔ ان کے مالی حالات پہلے سے کہیں زیادہ بہتر ہو گئے تھے۔ زمین' جائیداد میں اضافہ ہو چکا تھا اور مسلسل ہو رہا تھا۔ دین محمد ہنوز اسے جنت کی برکت قرار دیتا۔ گھر میں ملازمین کی تعداد بھی بڑھ گئی تھی' زہرہ جنت کو ملازمین سے بھی اونچی آواز میں بات کرنے سے ٹوکتی لیکن دین محمد کو اس کا ٹوکنا برا لگتا۔ "نوکر کو اس کی اوقات پتا ہونی چاہیے۔ میری بچی کو اپنی باتیں نہ سکھایا کر۔ آج ان کمینوں سے رعب کے ساتھ بات کرے گی تو آگے کی زندگی میں حکمرانی کرنا سیکھے گی۔" وہ جنت کو سامنے بٹھا کر زہرہ سے کہتا۔

"میری جنت حکمرانی کرنے کے لیے پیدا ہوئی ہے۔"

زہرہ کا دل چاہتا دین محمد کو سمجھائے مگر سخت مزاج شوہر کے سامنے زبان کھولنا اتنا بھی آسان نہ تھا۔

یہ ایک ایسا ہی دن تھا دین محمد کی کسی بات پر کڑھ کر گھر سے نکلی تھی اس کے ساتھ جنت اور دو ملازمائیں تھیں' وہ لوگ قریبی شہر کے بازار گئی تھیں تاکہ آنے والے موسم کے لیے کچھ کپڑے خریدے جا سکیں۔ خریداری کرتے ہوئے ایک دم اس کا سامنا زبیدہ باجی سے ہو گیا ان کے ساتھ فاروق تھا۔

جنت کی وجہ سے ہونے والے جھگڑے کے بعد یہ پہلی ملاقات تھی' چار سال بعد ایک ملاقات۔ اس جھگڑے کے بعد خاندان کے کچھ بزرگوں نے مصالحت کے لیے کچھ کوششیں بھی کیں' جو دین محمد کی تندئ طبع کی نذر ہو گئیں۔

طویل عرصے بعد دونوں عورتوں کا سامنا ہوا تھا۔ زبیدہ کا دل بھائی کی اکلوتی بیٹی کو دیکھ کر گداز ہو گیا۔ ایک معمولی سی بات کے پیچھے اس کے بھائی نے منہ موڑ لیا تھا۔ اس نے جنت کو خوب پیار کیا اور بھانج سے خیریت معلوم کرتی رہی۔ فاروق بھی کافی لمبا تڑنگا ہو گیا تھا اس کے چہرے پر ہلکی ہلکی سی داڑھی مونچھ دکھائی دے رہی تھی۔

"دین محمد چاہتا تو سب کچھ ٹھیک ہو سکتا تھا۔ جھگڑے کہاں نہیں ہوتے لیکن یوں بہن بھائیوں سے منہ تو نہیں موڑا جاتا۔ بس تھوڑی سی عقل مندی کی ضرورت تھی جو ہم میں سے کوئی بھی نہیں دکھا سکا۔ ورنہ بچوں کے جھگڑوں کی بھی کوئی اہمیت ہے۔ ان دونوں سے پوچھ کر دیکھو جس بات کو بنیاد بنا کر دین محمد مجھ سے منہ موڑے بیٹھا ہے' وہ ان بچوں کو یاد بھی نہیں ہوگی۔"

زبیدہ باجی نے دکھی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ زہرہ کو بھی ان کی باتوں سے دکھ پہنچا لیکن گھر آکر وہ بھول بھال گئی۔ جن باتوں کا کوئی حل ہی نہ نکلتا ہو انہیں سوچنے کا فائدہ؟ وہ یہی سوچتی ہوئی اٹھ کر کمرے سے باہر نکل آئی۔ صحن میں کہیں سے ایک موٹا سا چوہا آگیا تھا' وہ تیزی سے اس کے پیر کے قریب سے گزرا۔ زہرہ اپنی دھن میں کھوئی گھبرا کر پیچھے ہٹی اسی دوران اس کا پیر مڑ گیا۔ سنبھلنے کی کوشش کے باوجود وہ سر کے بل زمین پر گری۔ اس طرح کہ اس کے سر کا پچھلا حصہ پوری قوت سے دروازے کی دہلیز سے ٹکرایا تھا۔ اپنی بیٹی کے لیے بڑے بڑے خواب دیکھنے زہرہ اٹھنے کی کوشش کرتی بمشکل۔ زندگی نے اس کا ساتھ دیا ہوتا۔ محض چند لمحوں میں اس نے زندگی ہار دی تھی۔

☆ ☆ ☆

"اوہو بھئی۔ آج تو بہت ہی تھکن ہو گئی۔" عادی آتے ہی بیڈ پر گر گئی لیکن گرنے سے قبل اپنا دوپٹہ' قائل

http://pakistanipoint.blogspot.com

"جس کام کے لیے گئی تھی وہ بھی ہوا کہ نہیں۔" ثمینہ نے اپنی دختر نیک اختر کو ری طرح گھورا ساتھ ہی بکھرا دا بھی سمیٹنے لگیں۔

"سیمینٹی پرسنٹ تو ہو ہی گیا۔" ہادی نے کہا۔ "لیکن ابھی کچھ کام باقی ہیں۔ سیمینار کا جھنجٹ نہ ہوتا تو وہ بھی نمٹ جاتے۔"

"سیمینار کیسا؟" ثمینہ نے پوچھا تو ہادی انہیں بے زاری بھرے انداز میں تفصیلات بتانے لگی۔

"موضوع تو بہت دلچسپ تھا' یہ بتاؤ میری ذہین و فطین بیٹی! تم نے بھی کچھ سیکھا ہے کہ نہیں؟" ثمینہ اس کے قریب بیٹھ کر اس کا سر پیار سے سہلانے لگیں کہ وہ شکل سے ہی بہت تھکی ہوئی لگ رہی تھی۔

"آپ کو تو پتا ہے مجھے اس ٹاپک میں بالکل دلچسپی نہیں ہے۔ اوپر سے ساڑھے تین گھنٹے نان اسٹاپ ایسی ایسی سائیکالوجیکل ٹرمز کے بارے میں سن کر آ رہی ہوں کہ مجھے اپنے دماغ کی چٹنی بنی محسوس ہو رہی ہے۔ اوہ گاڈ! پتا نہیں لوگ اتنی مشکل باتیں کیسے کر لیتے ہیں۔ اوپر سے سلطانہ آنٹی اور ان کی کولیگز کی فلاسفی سن لیں۔ بقول ان کے۔ ہم میں سے ہر انسان تھوڑا بہت نفسیاتی مریض ہوتا ہے۔"

"کیا۔۔۔؟" ثمینہ نے بے یقینی سے کہا۔

"ہمارے روز مرہ کے معمولی رویے جیسے غصہ' حاکمیت پسندی' خود پسندی' غم' خوشی وغیرہ وغیرہ۔ یہ ہر انسان کے فطری رویے اور جذبے ہیں جو انسان اپنے رویوں اور جذبوں پر قابو رکھتا ہے وہ تو نارمل ہے لیکن جن کے یہ معمولی رویے اور جذبے آؤٹ آف کنٹرول ہو جائیں' وہ دراصل نفسیاتی مریض بن جاتے ہیں یہ نفسیاتی امراض بظاہر دکھائی نہیں دیتے لیکن اندر ہی اندر مریض کی پوری شخصیت کو کس نس کر کے دکھ دیتے ہیں۔ ایسا مریض تنہا نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنے اردگرد رہنے والے دس افراد کو نفسیاتی طور پر متاثر کر رہا ہوتا ہے یہ دس خاندان بناتے ہیں یوں ایک ایک نفسیاتی مریض کی بدولت دس خاندانوں کی بنیاد میں وہ نفسیاتی مرض پروان چڑھتا ہے۔ ایک معمولی نفسیاتی الجھاؤ کا شکار انسان اپنے اردگرد رہنے والوں میں سے کسی فرد کو بہت شدید نفسیاتی الجھاؤ بھی منتقل کر رہا ہو سکتا ہے۔ اس لیے ہم میں سے ہر انسان کو چاہیے اپنا کتھارسس ضرور کرتا رہے کہ کہیں ہمارا کوئی معمولی رویہ کسی دوسرے کی پوری زندگی تباہ کرنے کا سبب تو نہیں بن رہا۔ وہ جو کہتے ہیں دیے سے دیا جلتا۔ تو ایسا ہو نفسیاتی الجھاؤ کے ایک دیے سے دوسرا دیا جلتے جلتے کسی کی زندگی کا ہرا بھرا جنگل ہی جلا کر رکھ دے۔ پلیز ممی! ڈونٹ مائنڈ نوی۔ سچ سچ بتائیے کیا آپ کو ایک بھی بات سمجھ میں آئی؟"

تقریر کرنے کے انداز میں بولتے بولتے اس نے گردن موڑ کر ثمینہ کی جانب دیکھا۔ وہ سنجیدگی سے اس کی بات سن رہی تھیں۔

"کہیں آپ متاثر تو نہیں ہو گئیں؟" اس نے غیر سنجیدگی سے پوچھا۔

"بات میں وزن تو ہے ہادی!" ثمینہ نے پُرسوچ انداز میں کہا۔

"او کم آن۔" اسے اچھا خاصا اختلاف تھا۔ "انسان کی دل پاور (قوت ارادی) اتنی اسٹرونگ ہوتی تو آج دنیا میں اتنے ری ہیبز اور مینٹل اسائلم نہ ہوتے۔ ہر انسان اپنا علاج خود ہی کر رہا ہوتا۔"

"یہی تو بات ہے' مشترا انسان کوشش ہی نہیں کرتے ورنہ مرض کی تشخیص ابتدا میں ہی ہو جائے تو مرض بڑھنے سے روکا جا سکتا ہے۔" ثمینہ نے خیال ظاہر کیا پھر اس کی بے توجہی دیکھ کر بولیں۔

"اچھا خیر۔ اب لیٹنے کی ضرورت نہیں ہے اٹھ کر فریش ہو لو۔ ہمیں انیسا کی طرف ڈنر پہ جانا ہے۔ فیضی نے بتایا نہیں تھا تمہیں۔" انہیں فیضان فون پر مطلع کر چکے تھے۔

"بتایا تھا لیکن میں بہت تھک گئی ہوں ممی! اور پاؤں کے زخم میں بھی بہت درد ہے لگ رہا ہے پس پڑ گئی ہے۔"

"میں نے پہلے ہی کہا تھا زخم گہرا ہے' اس کا خیال رکھو مگر تم کسی کی سنتی کہاں ہو۔" ثمینہ نے فکرمندی سے کہا۔

"مجھے تھوڑا سا سو لینے دیں۔ آرام کروں گی تو ٹھیک ہو جاؤں گی۔" اس نے آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا۔

"کوئی ضرورت نہیں سونے کی' چلو ابھی ڈاکٹر سے ڈریسنگ کروا آتے ہیں پاؤں کی پھر انیسا کی طرف سے واپس آ کر سو لینا۔" اس نے آنکھوں پہ بازو رکھ لیا۔

"تم سے تو فیضان ہی نمٹے گا۔ لیکن وہ خود کہاں رہ گیا ابھی تک اندر کیوں نہیں آیا۔" ثمینہ جانتی تھیں جب تک فیضان سے ڈانٹ نہ سنے گی جانے پر آمادہ نہ ہو گی۔

"شاید ڈرائیور کو فارغ کر رہے ہوں گے۔" ہادی نے کہا ثمینہ سنی ان سنی کر کے باہر نکل گئیں۔ ہادی انہیں شہوز کی کال کے متعلق بتانا چاہتی تھیں لیکن انہیں باہر نکلتے دیکھ کر کسی اور وقت پر ٹال کر آنکھیں موند لیں وہ حقیقتاً بہت تھک گئی تھی اور جب تک فیضان نے آ کر کمرے میں جھانکا وہ گہری نیند سو چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

کھانا بے حد لذیذ تھا بے حد خوش گوار ماحول میں کھایا گیا لیکن جب توقیر صاحب ہاتھ دھونے کے لیے اٹھے تو دانیال حسن چپکے سے کھسکتے ان کے پاس آ گئے۔

"تم تو کہہ رہے تھے فیضان مبتدی بہت تجربہ کار آدمی ہے۔ دنوں میں ہمارے کاروبار کو کہیں سے کہیں پہنچا دے گا۔" آواز بے حد دھیمی لہجہ متذبذب۔۔۔ توقیر صاحب نے کسی قدر حیرانی سے انہیں دیکھا۔

"تمہیں فیضان پر شک ہے؟"

"مجھے فیضان پر نہیں اس کے تجربہ پر شک ہے۔ جب تم فیضان فیضان کرتے رہتے تھے میں نے سوچا کوئی ہماری عمر کا تو ہی ہو گا لیکن یہ تو اتنا ینگ لگ رہا ہے بہت زیادہ بھی اس کی عمر کا اندازہ لگاؤں تو تیئس یا چوبیس سال کا ہو گا۔ اتنی سی عمر میں کتنا تجربہ ہو سکتا ہے اس کے پاس۔"

"فیضان چوبیس سال کا ہے۔ لیکن جتنے تمہارے سر میں سفید بال ہیں کم و بیش اتنا ہی اس کا تجربہ ہے۔" توقیر صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا پھر ٹیبل پہ جھک کر کے تولیے سے ہاتھ پونچھتے ہوئے بولے۔

"فیضان کے بارے میں کسی قسم کے شک و شبے کا شکار مت ہو۔ میں گارنٹی دے رہا ہوں تو کچھ سوچ سمجھ کر۔ فیضان کو بہت چھوٹی عمر سے جانتا ہوں میں' ماشاء اللہ بہت ذہین اور قابل بچہ ہے بہت کم عمری میں پریکٹیکل فیلڈ میں آ گیا تھا' سو تجربہ کار تو ہے پھر سب سے بڑی بات یہ کہ قسمت کا بہت دھنی ہے۔ مٹی کا ہاتھ لگا کر سونا بنا دیتا ہے تم دیکھ لینا اس کی مینجمنٹ میں ہمارا کاروبار کتنی ترقی کرے گا۔ اپنا امپورٹ ایکسپورٹ کا بزنس بھی اس نے صفر سے شروع کیا تھا اگر کہو تو اب میں اس کے اعداد و شمار گنواؤں؟ تمہاری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی۔" توقیر صاحب فیضان کے کچھ زیادہ ہی مداح تھے۔

دانیال حسن چند لمحے سوچتے رہے پھر گہری سانس بھر کر بولے۔

"میں نے اپنی جمع پونجی صرف تم پر بھروسہ کر کے اس شخص کو سونپی ہے اگر نقصان ہوا تو یاد رکھنا' میں صدمے سے ہارٹ اٹیک کے ہاتھوں مرنے سے پہلے تمہیں قتل کر دوں گا۔" توقیر صاحب ان کی بات پر قہقہہ لگا کر ہنس دیے۔

"یہ مت بھولو کہ میرا بھی برابر کا پیسہ لگا ہے۔ خدانخواستہ ڈوبیں گے تو اکٹھے ڈوبیں گے لیکن ایسا ہو گا ہی نہیں

مجھے خدا اور فیضان پر بہت بھروسہ ہے۔"

"ہاں۔ انشاء اللہ۔ ویسے میرے خدشات ایک طرف۔ یہ لڑکا اپنی باتوں سے تو ہوا ہی لگ رہا ہے۔" انہوں نے سچائی سے کہا۔

"تو پھر۔" وہ دونوں ہنستے ہوئے ہال کی طرف آگئے۔ یہاں ایک دائرے میں رکھے صوفوں پر منیزہ' ثمینہ' ثروت براجمان تھیں۔ یہیں فیضان ولید سے باتیں کر رہے تھے۔ جبکہ کچھ فاصلے پر کشنز پر بیٹھی انیہا' پری نور' پری وش کسی زور دار بحث میں مصروف تھیں۔ توقیر اور دانیال حسن آئے تو ولید جا کر لڑکیوں کے ٹولے میں گھس گیا۔ دانیال حسن' فیضان سے خام لوہے کی بڑھتی اور گھٹتی ہوئی قیمت پر بات کرنے لگے۔ فیضان نے کئی بار لاشعوری طور پر انیہا کی طرف دیکھا۔ وہ اس سے معذرت کے لیے کسی موقع کی تلاش میں تھے' ورنہ کل پھر انہیں ہادی کی باتیں سننا پڑتیں۔

"آپ کسی روز میرے ساتھ چلیے گا۔ میں نے اور میری کچھ فرینڈز نے مل کر ایک چھوٹی سی سوسائٹی بنا رکھی ہے' تھوڑی بہت چیریٹی کر لیتے ہیں جیسے یتیم بچیوں کی شادیاں کروانا۔ باقی تو کچی بات ہے مل بیٹھنے کا بہانہ ہی ہے۔ میں آپ کو سب سے ملواؤں گی' اسی بہانے آپ کی بوریت بھی دور ہو جائے گی۔" ثروت ثمینہ سے کہہ رہی تھیں۔ منیزہ نے بھی ان کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"واقعی ثمینہ آپا! آپ ضرور ثروت کے ساتھ جائیے گا' اس کی سوسائٹی ممبرز سب کی سب بہت اچھی ہیں۔ میں ایک بار مل چکی ہوں۔ دوبارہ اس لیے نہیں مل سکی کہ ایسی کسی ایکٹویٹی کے لیے ٹائم ہی نہیں ملتا۔ ارے ثروت! تم نے کافی میں چینی نہیں ڈالی؟" منیزہ نے ایک سپ لے کر پوچھا۔

"اوہ۔ مجھے لگتا ہے ہمارے مگ بدل گئے ہیں۔ میں نے آپ کے لیے بغیر چینی کے کافی بنائی تھی۔ اصل میں مجھے بغیر چینی کے کافی پسند ہے۔ ایک دانہ بھی ڈل جائے میری کافی میں تو ایسا لگتا ہے ساز کی بو آ رہی ہے۔" ثروت کہہ رہی تھیں۔ ثمینہ کے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔ نیلی ساڑھی میں ملبوس ناک چڑھا کر بولتی ثروت۔ سارا منظر جیسے خلیش بیک میں چلا گیا تھا۔

"ارے تم ثروت ہو۔ ملتان والی ثروت۔ مستقیم بھٹی کی بیوی۔"

ثمینہ کے لیے یہ چند لمحے پہچان کا ایسا شدید انکشاف لے کر آئے تھے کہ وہ بے ساختہ کہہ بیٹھیں۔ ثروت کے ہاتھ سے مگ چھوٹ کر نیچے جا گرا' ان کا چہرہ تاریک پڑ گیا۔ منظر ایسا سناٹا چھا گیا جو دلوں کی کیفیت سے مشروط تھا۔ وسیع و عریض ہال میں بچیوں کی آوازیں مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح محسوس ہو رہی تھیں۔ جو کچھ فاصلے پر بیٹھی اس دائرے میں اچانک تن دھمکنے والے ماضی کے اس حوالے سے قطعی لاعلم تھیں۔

☆ ☆ ☆

"مجھے بیس ہزار روپے چاہئیں۔" وحید نے سر ہاتھوں میں گرا کر کہا تھا۔ نبیل چائے پی رہا تھا' اسے بری طرح اچھو لگ گیا۔

"کیا کہا ذرا دوبارہ کہنا۔" کھانسی رکتے ہی اس نے سانس بحال کرتے ہوئے پوچھا اور ایسے پوچھا جیسے وحید کی عقل پر شک گزرا ہو۔

"مجھے۔ بیس۔ ہزار۔ روپے چاہئیں۔ سنا تم نے' بیس ہزار۔" وحید نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"ہاہاہا۔ بڑا دلچسپ لطیفہ تھا۔"

"نبیل! میں تیرا سر پھاڑ دوں گا' اویار! میں سچ کہہ رہا ہوں' مجھے واقعی بیس ہزار کی اشد ضرورت ہے۔" وحید نے روہانسا ہو کر کہا۔

"اگر ضرورت ہے بھی تو میرے پاس کیوں آئے ہو؟ میں اے ٹی ایم مشین ہوں۔"

"نبیل! میں سخت مشکل میں ہوں۔ اس مشکل وقت میں تم میری مدد نہیں کرو گے؟" وحید نے بے حد مسکین سے پوچھا' یہاں تک کہ نبیل جیسے شخص کا دل بھی پگھل گیا۔

"مسئلہ کیا ہے؟ تم جیسا بندہ تو سو روپے سوچ سوچ کر خرچ کرتا ہے میں ہزار کی ضرورت کیسے پڑ گئی۔"

"یار! وہ عشناء نہیں ہے؟"

"کیا مطلب نہیں ہے؟"

"اوہو۔ خود سے کوئی بات نہ سمجھنا۔" وحید نے جھنجلا کر کہا تھا۔

"یار! وہ جو عشناء ہے نا' وہ جان کو آگئی ہے۔ غلطی میری ہے پہلے اسے پہچان ہی نہیں سکا۔ وہ۔ وہ نمبر' مجھے نمبر کہتی ہے اس سے' لیکن میں ہزار مانگ رہی ہے' رقم لیے بغیر جان بھی نہیں چھوڑے گی۔"

"میں نے پہلے ہی تجھے وارن کیا تھا ایسی لڑکیوں سے بچ کر رہنا چاہیے۔" نبیل نے اسے بری طرح لتاڑا۔

"اب ہو گئی غلطی' کیا کروں؟ خودکشی؟" وحید بھاڑ کھانے کو دوڑا۔

"کر ہی لو تو اچھا ہے' کیونکہ بیس ہزار کا انتظام تم سے ہو نہیں سکتا اور عشناء نامی رقم لیے بغیر تمہارا پیچھا چھوڑنے والی ہے نہیں' چند روز بعد بھی تو اس صورت حال سے تنگ آ کر تم نے خودکشی کرنا ہے' تو ابھی کیوں نہیں؟" نبیل نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔ وحید کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

"تو میری مدد نہیں کرے گا نبیل؟"

"اوہو۔ ایسا تو سوچنا بھی مت' مجھے میرے ابا مہینے کے پانچ ہزار دیتے ہیں' جنہیں اگر میں سونگھ سونگھ کر استعمال نہ کروں تو بندہ آدھ تک ہی ختم ہو جائیں' میں ہزار کے لیے تو میں سوچ بھی نہیں سکتا۔" اس نے صاف جھنڈی دکھا دی۔

"نبیل پلیز یار! تو میرا دوست نہیں ہے۔" وحید نے منت بھرے انداز میں کہا۔

"چھوڑو یار' دوست ہوں گا سالی ایم مشین نہیں۔"

"پھر میں کیا کروں؟ میرے ابا کو اس معاملے کی خبر ہو گئی تو وہ مجھے گھر سے نکال دیں گے۔ عشناء نے دھمکی دی ہے۔"

"میری مان' جلدی سے ہدیہ مانگ۔" نبیل نے راہ دکھائی۔

"کیا۔"

"ہاں۔ صرف جلدی ہے جو تیری مدد کر سکتا ہے' میں ہزار تو اس کے لیے کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے یار۔ بس تھوڑی ٹرک سے کام کرنا پڑے گا۔"

"جلدی عقل اور شکل دونوں سے پیدل ضرور ہے' لیکن جذبات اس میں ضرورت سے کچھ زیادہ ہیں۔" وحید نے جھنجلا کر کہا۔

باقی آئندہ شمارے میں

http://pakurdupage.blogspot.com

PDF
FIAZ AHMED
Friends Korner.com



امنہ ریاض

ستارہ سحر

دین محمد مٹی سے محبت کرنے والا جفاکش مرد ہے۔ دھرتی کو اپنے خونِ جگر سے سونا اُگلنے کے قابل بنانا اس کا پیشہ ہے۔ اس کی پوری زندگی محنت سے عبارت ہے جو وہ اپنے چھ مربعہ زمین پر صرف کرتا ہے۔ شادی کو آٹھ سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ اپنے چھوٹے سے گھر میں وہ بیوی زہرہ، اور ماں کے ساتھ رہتا ہے۔ زہرہ چھ مُردہ بچوں کو جنم دے کر ایک مرتبہ پھر امید سے ہے۔ دین محمد کا دواں دواں اولاد کی خوش خبری پانے کے لیے مجسم دُعا بن چکا ہے۔ اس کی دعائیں مستجاب ٹھہرتی ہیں اور اس کے یہاں ایک خوبصورت بچی جنم لیتی ہے۔ اسے وہ اپنی جنت کے نام سے مخاطب کرتا ہے۔

جلال الدین کے روز و شب نوکری کی چکی میں پستے گزر رہے ہیں۔ اس نوکری کے دوران اسے آرام کرنے کا موقع بھی کم ملتا ہے۔ بہتر مستقبل کا خواب اسے متحرک رکھتا ہے۔ تنہائی میں کسی کی محبت کا مجنوں اس کی دُنیا آباد رکھتا ہے۔ ہر دم اس کی یادیں اسے بے چین رکھتی ہیں۔ دن بھر کا تھکا ہارا وہ آرام کرنے لیٹتا ہے تو پولیس اسٹیشن سے اطلاع ملتی ہے جنت بی بی حراست میں ہے۔ جس کا دعوا ہے کہ اس نے اپنے شوہر کا قتل کیا ہے۔ جلال الدین اپنے وکیل دوست معروف کے ساتھ بھاگم بھاگ پولیس اسٹیشن پہنچتا ہے اور ثبوت دیکھتا ہے کہ جنت بی بی ٹیرو فرینکی مریض ہے جس کی شادی ابھی ہوئی تک نہیں۔ جنت کی حالت جلال الدین کو اعصابی تھکن کا شکار کرنے لگتی ہے جسے اس نے نوکروں کے سہارے علیحدہ گھر میں رکھ چھوڑا ہے۔

تقریباً 14 سال بعد اپنی بیٹی ماہی کے ساتھ آسٹریلیا سے پاکستان آئی ہیں تو انہیں توقیر صاحب کے بتائے گئے بنگلے کو تلاشنے میں بہت وقت لگتا ہے۔ وہ فیض کے دوست توقیر صاحب کے توسط سے دانیال کی انیکسی میں ٹھہرتی ہیں۔ ثروت دانیال ملنسار اور بھلی خاتون ہیں۔ ولی، ولید اور انیبا ان کے بچے ہیں۔ ماہی کی پہلی ملاقات میں انیبا سے دوستی ہو جاتی ہے۔



شبیہ الباس طبیعتاً سخت گیر اور غصہ ور نوجوان تھے۔ جسے صنف نازک کا عیر ضروری ہنسنا بھی ناگوار گزرتا ہے۔ وہ پھپھی زاد تنوی سے منسوب ہے۔ تنوی اس کی تند خو طبیعت سے نالاں ہے۔ شبیہ، تنوی کو کالج چھوڑنے آتا ہے تو ہیلیاں عمیرہ اور نمرہ، تنوی کے سر ہو جاتی ہیں۔ یہ جان کر کہ شبیہ، تنوی کا منگیتر ہے۔ وہ اس کی قسمت پر رشک کرتی ہیں۔ تنوی دونوں سے گزارش کرتی ہے کہ عروج گواس کی بات کا علم نہ ہو۔

شبیہ بیگ، ثروت دانیال کی اولاد ہے جسے انہیں دانیال جن سے شادی سے پہلے چھوڑنا پڑا۔ بچپن کی محرومی نے اسے بدمزاج اور خصیلا بنا دیا۔ وہ ابا اور ولید سے بہت ترشی سے پیش آتا ہے۔ وہ ان سے بحیثیت بہن بھائی قلبی تعلقات محسوس نہیں کرتا۔ انیبا اس کی محرومی دل سے محسوس کرتی ہے۔ انیبا پر بری نظر ڈالنے پر وہ جے ڈی کے دوست سعدی کو پیٹ ڈالتا ہے۔ صرف جے ڈی اس کی کیفیات سمجھتا ہے۔

بیمار پڑنے پر بیگم دانیال، ثمینہ کی اچھی طرح دیکھ بھال کرتی ہے تو ثمینہ ان کے اخلاق سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتیں۔ انہیں بیگم دانیال کو دیکھ کر لگتا ہے کہ وہ پہلے ان سے مل چکی ہیں۔

بچوں کی لڑائی میں جنت کو چوٹ لگتی ہے تو دین محمد اپنی بہن زبیدہ کے بیٹے فاروق کا طیہ لگا ڈالتا ہے۔ ساتھ ہی زبیدہ بہن اور رفیق بھائی سے قطع تعلق کر لیتا ہے۔ زہرہ اس کی جنت سے طوفانی محبت سے خوف زدہ ہے۔ دین محمد، زہرہ کو باور کرواتا ہے کہ وہ جنت کو بیاہ کر دوسرے گھر نہیں بھیجے گا۔ بلکہ اس کے شوہر کو گھر داماد بنائے گا۔

اتفاقاً ماوی کا ٹکراؤ شبیہ سے ہوتا ہے جس سے ماوی کا پیر زخمی ہو جاتا ہے۔ اپنی غلطی کے باوجود جھنجلاہٹ میں شبیہ ماوی کو بری طرح سے ڈانٹتا ہے تو ماوی اس کی طبیعت صاف کر دیتی ہے۔ ثمینہ سے وہ اس واقعے کا ذکر نہیں کرتی۔

(اب آگے پڑھیے)

۸
آٹھویں قسط

بھید بھری پراسرار رات دنیا پر جھک آئی تھی۔

سارے میں دور سے پہرے کی تاریکی اور سناٹے کا راج تھا۔ چوکیدار کے کیبن سے نکلتی ٹیلی ویژن کی آواز کھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح محسوس ہوتی تھی یا مین روڈ سے کبھی کبھار گزرتی ٹریفک کی آواز اس خاموشی کے تسلسل میں خلل ڈال دیتی تھی۔

بے تحاشا خنکی اور گل چین کی دل فریب مہک۔

انیکسی کے داخلی حصے پر آرائشی فانوس کی بے حد مدھم سی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ لیکن یہ روشنی برآمدے میں لگے جھولے تک پہنچنے میں ناکام ہو رہی تھی۔ اسی نیم تاریک جھولے پر ثمینہ بڑی دیر سے تنہا بیٹھی کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ انہوں نے گرے رنگ کی گرم شال اوڑھ رکھی تھی اس کے باوجود خنکی انہیں اپنی ہڈیوں میں گھستی محسوس ہو رہی تھی۔

ہر پندرہ بیس منٹ کے بعد ان کی سوچوں کا تسلسل ٹوٹتا۔ وہ بڑھتی ہوئی خنکی کا احساس کر کے اندر جانے کا ارادہ کرتیں پھر بیٹھ رہتیں۔ ہر بار شرمندگی و خفت بری طرح ان پر حاوی ہوتی اور وہ جھنجلاہٹ کے مارے وہیں بیٹھی رہ جاتیں۔

تب ہی انیکسی کا دروازہ ہلکی سی آواز کے ساتھ کھلا۔ ثمینہ نے گردن موڑ کر دیکھا۔ فیضان ہاتھوں میں مگ پکڑے کھڑے تھے پھر پیر سے دروازہ بند کر کے ان کے پاس آ گئے۔

"فیضی! اس وقت کافی پیئیں گے تو نیند کیسے آئے گی؟" فیضان نے ایک مگ ان کی طرف بڑھا دیا تھا اور ان کے ساتھ بیٹھ گئے تھے جب ثمینہ نے پوچھا۔

"نیند تو آپ کو ویسے بھی نہیں آ رہی۔ پھر کافی پینے میں کیا حرج ہے۔"

"تم کیوں اب تک جاگ رہے ہو؟" ثمینہ نے مگ لبوں سے لگاتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ کام کر رہا تھا کمپیوٹر پر جس اسی مصروفیت میں اتنا ٹائم ہو گیا اب نیند نہیں آ رہی تھی تو سوچا کافی پی لی جائے پھر آپ یہاں بیٹھی ہوئی نظر آ گئیں۔" فیضان نے آہستہ آواز میں لیکن تفصیل سے بتایا۔

"اب بتا میں۔۔۔ آپ کیوں جاگ رہی ہیں؟"

"اس قدر فضول حرکت سرزد ہوئی ہے مجھ سے کہ شرمندگی کے مارے نیند ہی اڑ گئی۔" ثمینہ نے خفت سے بوجھل آواز میں کہا تھا۔

"اللہ بخشے اماں جی کہا کرتی تھیں۔ ثمینہ تجھے بولنے کا سلیقہ کبھی نہیں آ سکتا۔ آج میں نے ان کی بات کو درست ثابت کر دیا۔ اتنی عمر گزارنے کے بعد بھی مجھے بولنے کا سلیقہ نہیں آ سکا' بتاؤ کیا ضرورت تھی یہ کہنے کی تم وہی ثروت ہو نا۔۔۔ مستقیم بھٹی کی بیوی۔ میری جگہ کوئی احمق بھی ہوتا تو سمجھ لیتا۔ وہ اب مستقیم بھٹی کی بیوی نہیں دانیال حسن کی بیوی ہے۔ میری زبان کیوں پھسل گئی۔"

ثمینہ نے دایاں ہاتھ سر پر مارتے ہوئے خفت و جھنجلاہٹ کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ کہا تھا۔

"بھول جائیں بجیا! جو ہونا تھا ہو گیا۔"

"اتنی دیر سے بھولنے کی کوشش ہی تو کر رہی ہوں لیکن۔" وہ ہانک سی گئیں۔ "مجھے کم سے کم دانیال صاحب کے سامنے یہ نہیں بولنا چاہیے تھا۔ مرد کتنا ہی اعلا ظرف کیوں نہ ہو بیوی کے ماضی کے حوالے کو کبھی درگزر نہیں کرتا۔ میں تو اتنے لوگوں کے درمیان بیٹھ کر بول آئی ہوں نہ جانے جس روز سے ثروت سے ملی تھی' یہی سوچ رہی تھی اس کو کہاں دیکھا ہے۔ جس دن تمہارے بھائی جان اور میں حویلی میں تھے ایک روز ثروت سے ملاقات ہوئی تھی' بس وہی ملاقات ذہن میں رہ گئی اور آج یاد آئی تو زبان پھسل گئی۔"

"آپا! جو ہونا تھا ہو چکا۔ اس طرح مستقل سوچ سوچ کر اور پریشان ہو کر آپ اس وقت کو واپس نہیں لا سکتیں کہ اپنے کہے جملوں کا اثر کم کر لیں۔" فیضان نے ان کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن میں مسز دانیال سے معذرت تو کر ہی سکتی ہوں۔"

ثمینہ پُرسوچ انداز میں سر ہلانے لگیں' چند منٹ خاموشی ان دونوں کے درمیان حائل رہی پھر فیضان نے ہی اس خاموشی کو توڑا تھا۔

"میں آپ سے شہوز کے بارے میں بات کرنا چاہ رہا تھا۔" ثمینہ چونک کر ان کی طرف دیکھنے لگیں۔

"شہوز اسپیشلائزیشن کے لیے جا رہا ہے۔ جانے سے پہلے وہ ماوی سے نکاح کرنا چاہ رہا ہے۔" فیضان نے مختصر لفظوں میں انہیں شہوز کا پیغام پہنچا دیا۔

"یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ لیکن فیاض بھائی نے تو مجھ سے ذکر نہیں کیا جبکہ مجھے تو شہوز کے جانے کی بھی کوئی خبر نہیں۔" ثمینہ نے پریشانی سے باہر آتے ہوئے کہا تھا۔

"بس اچانک ہی اس کے جانے کا پلان بنا ہے' جہاں تک نکاح والی بات ہے شہوز پہلے آپ کا اور ماوی کا رد جاننا چاہ رہا ہے پھر ہی بھائی جان سے بات کرے گا۔ اسی لیے اس نے مجھ سے کہا۔ آپ سے اس بارے میں پوچھوں کہ آپ کو تو کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

www.paksociety.com
PDF FIAZ AHMED Friends Korner.com

"لو۔۔۔ اس میں اعتراض والی کیا بات ہے۔ جب منگنی کی ہے تو نکاح بھی تو کرنا ہی ہے بلکہ سچ پوچھو تو مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے..... ورنہ منگنی کے بعد سے ان دونوں کی یہی رٹ تھی کہ شادی کے لیے تو ابھی سوچیے بھی مت۔"

"پھر میں شہوز سے کہہ دوں فیاض بھائی جان سے بات کرے؟"

"آں۔۔۔" ثمینہ کچھ سوچتے ہوئے بولیں۔ "میں ذرا ماوی سے بھی اس کی رائے معلوم کرلوں۔ ایسا نہ ہو شہوز نے صرف اپنی طرف سے بات کی ہو۔ تمہیں پتا نہیں ہے میری نازک مزاج بیٹی کا۔ معمولی سی بات بھی اس کی مرضی کے خلاف کی تو ساری زندگی ہی جتاتی رہے گی۔" ثمینہ نے کھنکتی ہوئی آواز میں بیٹی کا ذکر کیا تھا۔ سچ تو واقعی یہی تھا کہ ماوی کی شادی کا خیال ہی ان کے لیے بے حد خوش کن تھا۔

"آپ پوچھ لیں ماوی سے، مجھے بھی ابھی کچھ روز مزید یہاں رکنا پڑے گا بزنس کے سلسلے میں، وہ بھی تب اگر دانیال صاحب نے آج والی بات کا ایشو نہ بنایا تو۔ دوسری صورت میں ہم اکٹھے ہی واپس چلیں گے۔" فیضان نے ہلکے پھلکے انداز میں مطلع کیا۔ ثمینہ چونک سی گئیں۔

"واقعی فیضی! یہ تو مجھے خیال بھی نہیں آیا تھا کہ اس بات کا اثر تمہارے کاروبار پر بھی پڑ سکتا ہے۔"

"اگر تقدیر میں کوئی ایسی بات لکھی ہے تو وہ پوری ہو کر رہے گی۔ اس لیے آپ پریشان نہ ہوں۔" فیضان نے زور دیتے ہوئے کہا اس سے قبل کہ ثمینہ کچھ کہتیں۔ دروازہ کھول کر ماوی باہر نکلی۔ وہ نیند سے اٹھ کر آئی تھی اور ان دونوں کو تلاش کرتے ہوئے پریشان لگ رہی تھی۔

"آپ لوگ اتنی رات کو یہاں کیا کر رہے ہیں؟" اس نے نیند سے بوجھل آواز میں پوچھا۔

"بس اندر آ ہی رہے تھے اور ماوی اتنی ٹھنڈ میں تم بغیر کوئی گرم کپڑا اوڑھے باہر آگئی ہو۔ پاؤں میں سلیپر بھی نہیں ہیں۔ عقل کہاں ہے تمہاری۔" ثمینہ اسے ڈانٹتے ہوئے اندر چل دیں۔ فیضان پیچھے دروازے بند کرنے لگے۔

☆ ☆ ☆

"رات بھی آپ کو بار بار کھانسی آتی رہی۔ اگر آپ کہیں تو جوشاندہ بنالاؤں؟" ثروت نے کن انکھیوں سے دانیال حسن کے تاثرات کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا تھا۔

جب سے کمرے میں آئی تھیں دیکھ رہی تھیں انہوں نے مسلسل اٹھا پٹخ نگار کھی تھی۔ جو چیز رکھتے زوردار آواز کے ساتھ۔ الماری کا پٹ بند کیا اس انداز سے کہ ایک پل کو تو کمرے کی دیواریں بھی کانپ گئی ہوں گی۔ پیشانی پر اتنے بل کہ گننا مشکل۔ تاثرات میں کرختی و خفگی بلکہ لاتعلقی۔

ثروت میں زبان کھولنے کی ہمت ہی نہ ہوئی۔

ایک خدشہ ان کی توقع کے برعکس بے حد جلدی حقیقت کا روپ دھار کر سامنے آگیا تھا اور وہ جانتی تھیں وضاحت پیش کرنے کا کوئی موقع انہیں نہیں دیا جائے گا۔

کسی کی یادداشت کے غلط وقت پر چمک اٹھنے کا گناہ بھی ان ہی کی فردِ جرم میں لکھا جا رہا تھا۔

بڑی مشکل دانیال حسن کی گویائی پر لگا قفل تھا۔ جس انسان کو عناد دل میں رکھ کر اولاد کی طرح اس کی پرورش کرنے کا شوق ہو۔ وہ اپنی ہی نہیں اپنے اردگرد رہنے والوں کی زندگیاں بھی مشکل بنا دیتا ہے۔

"دانیال۔۔۔! میں کچھ پوچھ رہی ہوں۔" ثروت نے جھجکتے ہوئے دوبارہ پوچھا۔ اس بار ان کی آواز پہلے سے بلند تھی۔

"جی فرمائیے۔۔۔ اب کیا پوچھ رہی ہیں آپ؟"

لفظ کچھ کہیں یا نہ کہیں۔۔۔ لہجے کتنا کچھ کہہ جاتے ہیں۔ بتا دیتے ہیں ثروت نے گہری سانس بھرتے ہوئے سوچا پھر ہمت کر کے بولیں۔

"دانیال!۔۔۔ ثمینہ نے جو بھی کہا اس میں میرا تو کوئی قصور نہیں ہے۔ جب انہیں یاد آیا تو کیا میں ان کی زبان پکڑ لیتی۔" ثروت نے منت بھرے لہجے میں پوچھا تھا۔

"ثروت!" دانیال حسن نے ہاتھ اٹھا کر انہیں بولنے سے روک دیا۔ "میں اس بارے میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔"

"میں چاہتی ہوں، آپ بات کریں۔" ثروت نے سرعت سے کہا۔

"ثمینہ کے بھائی کے ساتھ پارٹنر شپ آپ نے کی اب اگر ان لوگوں کا مستقبل سے کوئی۔۔۔"

"میں نے کہا نا میں اس بارے میں بات نہیں کرنا چاہتا۔۔۔ نہیں کا مطلب ہوتا ہے نہیں۔" یکدم دانیال حسن نے دھاڑتے ہوئے کہا۔ ثروت دم بخود کسی قدر سہم سی گئیں۔

"ان لوگوں کا تمہارے پہلے شوہر سے تعلق تھا۔ مجھے یہ بھی نہیں جاننا میرا سر درد سے پھٹ رہا ہے۔ مجھ سے کوئی بات مت کرو۔۔۔ تمہیں اپنے ماضی سے جڑے رہنے کا شوق ہے خصوصاً جس ماضی میں تمہارے سابقہ شوہر کا حوالہ بھی آتا ہو..... مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ تم شوق سے ان لوگوں سے رابطہ رکھ کے مستقیم کی خبر گیری کر سکتی ہو۔" بظاہر ٹھنڈے لہجے میں بولتے دانیال حسن جیسے غصے سے پاگل ہو رہے تھے۔

"مجھے مستقیم کی خبر گیری کرنا ہوتی تو آپ سے شادی ہی نہیں کرتی۔" ثروت نے یک دم غصے میں آتے ہوئے کہا۔

"یہی تمہارا دوغلا پن ہے ثروت۔۔۔!"

اسی پل دروازہ ایک آواز کے ساتھ کھلا اور اپنی دھن میں دوڑتا ہوا ولی اندر داخل ہوا۔

"پاپا! دیکھیں میرے جوکرز۔۔۔"

"ولی! تمہیں کس نے تمیز نہیں سکھائی؟" دانیال حسن نے غضب ناک ہو کر کہا۔ ولی بری طرح سہم کر وہیں رک گیا اور نا سمجھی سے ماں باپ کا چہرہ دیکھنے لگا۔

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لئے خوبصورت ناول

☆ ستاروں کا آنگن، نسیم سحر قریشی — قیمت: 450 روپے
☆ درد کی منزل، رضیہ جمیل — قیمت: 500 روپے
☆ اے وقت گواہی دے، راحت جبیں — قیمت: 400 روپے
☆ تیرے نام کی شہرت، شازیہ چودھری — قیمت: 250 روپے
☆ امر بیل، عمیرہ احمد — قیمت: 550 روپے

خوبصورت سرورق
خوبصورت پیپر
شائع ہو گئے ہیں
مضبوط جلد
آفسٹ پیپر

منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37۔ اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

www.pkdigest.com

"دفع ہو جاؤ یہاں سے اور جب تک تمیز نہ سیکھ لو اس کمرے میں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔" دانیال حسن بری طرح دھاڑے تھے۔ ولی خوفزدہ ہو کر الٹے قدموں پلٹ گیا۔

ثروت کی برداشت ختم ہو چکی تھی۔ انہوں نے ولی کو واپس جاتے دیکھا۔

"بدگمانی کی جس آگ میں آپ جل رہے ہیں دانیال! برائے مہربانی اس کی تپش کو میرے بچوں تک منتقل نہ کریں۔"

ثروت نے سخت متنفر لہجے میں کہا اور کمرے سے باہر نکل گئیں۔ دانیال حسن نے ہاتھ میں پکڑا قلم میز پر پٹخ دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

کلاس روم میں لیکچر کے دوران کا سناٹا پھیلا ہوا تھا۔

صرف ٹیچر عائشہ کی آواز تھی جو وضاحت سے سنائی دیتی تھی۔ قد آدم کھڑکیوں سے چمک دار دھوپ کے بڑے بڑے ٹکڑے اندر تک بچھ رہے تھے۔ کبھی کبھی کسی کونے میں سرگوشیوں کی بھنبھناہٹ زور پکڑتی جسے ٹیچر کی ایک تیکھی نظر یا ڈائس پر پین کی ہلکی سی ٹک ٹک ساند کر دیتی۔

نمرو نے کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے چپکے سے ساری کلاس پر نظر ڈالی پھر نیچی نظروں سے تنوی اور عبیر کو دیکھا جو بالکل اس کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھی ہوئی تھیں اور سنجیدگی سے لیکچر سن رہی تھیں۔ معاً اسے ایک خیال آیا اس نے اپنی نوٹ بک پر لکھا۔

"یہ ناراضی کب تک چلے گی!" اور اسے عبیر کی طرح کھسکا دیا۔

عبیر نے پہلے چونک کر اسے اور پھر نوٹ بک کو دیکھا۔ نمرو چہرے پر زمانے بھر کی سنجیدگی اور پڑھائی سے عشق کی حد تک لگاؤ کے تاثرات سجائے لیکچر سن رہی تھی۔

عبیر نے کہنی مار کر تنوی کو متوجہ کیا اور آنکھوں سے نوٹ بک کی طرف اشارہ کیا۔

چند سیکنڈ بعد نوٹ بک پھر نمرو کے سامنے آن رکی۔ لکھا تھا۔

"جب تک فلسٹار انجمن دوبارہ سے سینما کی اسکرین کو چار چاند نہیں لگاتی۔"

نمرو نے پل بھر کے لیے سوچا پھر لکھا۔

"انجمن کا ہماری ناراضی سے کیا تعلق؟"

جواب آیا۔ "وہی جو تمہارا انجمن سے ہے۔"

"میرا انجمن سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"چل جھوٹی! سلطان راہی کس کے خوابوں کا شہزادہ تھا؟"

"شاید تم دونوں میں سے کسی کے خوابوں کا ہو۔ بڑی بدتمیز ہو آج تک مجھے تو بتایا ہی نہیں۔"

"ہم پر ایسا گھٹیا الزام نہ لگاؤ نمرو! ہم تو تمہارے حوالے سے ان کی بڑی عزت کرتے ہیں اور بھائی صاحب سلطان راہی کہہ کر پکارتے ہیں۔"

"دفع دور۔ وہ بے چارا تو شاید میری پیدائش سے بھی پہلے انتقال کر چکا تھا۔" نمرو نے خاصا برا مانا تھا۔

"ہاں اب بن جاؤ ننھی منی۔"

"میں ہوں ننھی منی اب تم جیسی عمر رسیدہ لڑکیوں کی کلاس فیلوز بن گئی ہوں تو یہ میری ذہانت کا کمال ہے۔"

"تمہاری شکل اور صحت انجمن سے ملتی ہے جبکہ عقل ببو برال سے۔"

"عبیر! میں تمہیں قتل کر دوں گی۔"

"اور عزائم پھولن دیوی سے۔" وہ سیر تھی تو عبیر سوا سیر اور اس وقت تو تنوی بھی اس کے ساتھ تھی۔ بے چاری نمرو نے جلدی ہی ہار مان لی۔

"صلح کرنی ہے کہ نہیں؟"

"ایک برگر، دو سموسے، ایک کوک اور۔۔۔ اور وڈنگ ڈونگ کھلاتی ہو تو میں راضی ہوں۔"

"شکل اور صحت میری انجمن سے ملتی ہے اور خوراک تمہاری۔"

نمرو نے بے ساختہ کہنی اس کی بازو میں ماری اور دانت پیس کر بولی۔ تنوی، عبیر کے دوسری طرف تھی اس صورت حال پر ہنس دی۔ عبیر نے بمشکل اپنی چیخ روکی اور بازو سہلاتے ہوئے بری طرح نمرو کو گھورا جواباً نمرو نے ہنسی دبا کر کانوں کو ہاتھ لگایا پھر تینوں کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ یوں اس بے سبب ناراضی کا اختتام ہوا جو عروش کی وجہ سے ان کے درمیان آ گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

دانیال حسن، توقیر صاحب کے آفس میں موجود تھے۔ چند منٹ قبل چپڑاسی چائے رکھ کر کے گیا تھا اور اب دانیال حسن اپنی بند آنکھوں کو انگلیوں کی پوروں سے سہلا رہے تھے۔

"میں نے بہت سوچنے کے بعد ہی فیصلہ کیا ہے توقیر! اس ذہنی حالت کے ساتھ میں کچھ نہیں کر پاؤں گا اس لیے میں نے پارٹنر شپ سے وڈڈرا ہونے کا فیصلہ کیا ہے۔ مجھے میرا سرمایہ واپس چاہیے۔" دانیال حسن نے کہا تھا۔

"تمہارے بجائے یہ باتیں کوئی بیس اکیس سال کا لڑکا کر رہا ہوتا تو اس کی جذباتیت سمجھ میں آتی۔ تمہارے جیسا میچیور آدمی ایسا احمقانہ اور جذباتی فیصلہ کر رہا ہے اس کی تک ہی سمجھ میں نہیں آ رہی۔" توقیر صاحب نے جھنجلاتے ہوئے کہا تھا۔

"میں کسی ایسے شخص کے ساتھ کوئی رابطہ نہیں رکھنا چاہتا جس کا تعلق ثروت کے ماضی سے ہو۔" دانیال حسن نے سابقہ انداز میں کہا۔

"دانیال! دانیال!" توقیر صاحب جیسے آتا ہی گئے۔ "تمہیں پتا ہے تم نے اپنی زندگی خود مشکل بنا رکھی ہے اور صرف اپنی ہی نہیں تم نے بھابھی کی زندگی بھی مشکل بنا رکھی ہے۔ لوگ تو اپنا ماضی بھول جاتے ہیں۔ تم بھابھی کا ماضی سر پر سوار کر کے خود کو اور انہیں اذیت دے رہے ہو۔" توقیر صاحب ان کے قریبی دوستوں میں سے تھے اور انہیں درپیش مسائل سے بھی آگاہ تھے۔

"یار توقیر! میرا دماغ پہلے ہی بہت خراب ہے۔ مہربانی فرما کے مجھے لیکچر مت دو۔" دانیال حسن نے یکدم درشتی سے کہا تھا۔

"لیکچر نہیں دے رہا تمہارے فائدے کی بات ہی کر رہا ہوں۔"

"میرا فائدہ صرف اسی میں ہے کہ میرا سرمایہ مجھے واپس کر دیا جائے۔" دانیال حسن کی ذہنی حالت ایسی ہو رہی تھی کہ وہ ہر طرح کا نفع نقصان بھول چکے تھے۔ توقیر صاحب کو بھی غصہ آ گیا۔

"تم حد سے زیادہ خود غرض انسان ہو دانیال! صرف اپنی پڑی ہوئی ہے۔ تمہارے اس فیصلے کا اثر کسی دوسرے پر کیا پڑے گا۔ تمہیں اس کی رتی بھر بھی پروا نہیں۔" جھنجلاہٹ میں وہ بری طرح برس پڑے۔

"تم نے ایک بار بھی سوچا ہے۔ تم اپنا سرمایہ نکال لو گے تو میرا کیا ہو گا؟ میں جو اپنی پائی پائی اس کاروبار پر لگا بیٹھا ہوں، ایک اور پارٹنر کہاں سے ڈھونڈوں گا۔ تمہارے لیے یہ کہنا بہت آسان ہے کہ میرا سرمایہ واپس کر دو میں تو یہ

www.pkdigest.com

ماری اسٹوپس سوسائٹی
MARIE STOPES SOCIETY

Enhancing Reproductive Health Choices

Introducing Femplant in Pakistan

Contraceptive Implant

Femplant II



- The implant is a set of two flexible, cylindrical rods made of milky white, medical-grade, silicone elastomer.
- Each rod contains 75 mg of levonorgestrel, the active ingredient, for total of 150 mg.
- The implant is inserted under the skin in the upper arm using a disposable trocar.
- It is safe, cost effective long term contraceptive method, effective for four years.

Ministry of Health
Government of Pakistan

Ministry of Population
Government of Pakistan

For more information
Call us on our 24/7 Help line

0800 22333

Visit our website: www.mariestopespk.org

Supported by
(Guidance)

CSO

بھی نہیں کہہ سکتا۔"

دانیال حسن نے چونک کر توقیر صاحب کو دیکھا۔ واقعی انہوں نے اس پہلو پر تو غور ہی نہیں کیا تھا۔

"ٹھیک ہے پھر۔۔۔ فیضان مہدی کو بیچ میں سے نکال دو۔ مجھے صرف اس کے ساتھ کام کرنے پر اعتراض ہے' جب وہ ہی نکل جائے گا تو میری پریشانی خود بخود ختم ہو جائے گی۔"

چند منٹ کے غور و خوض کے بعد دانیال حسن نے تجویز دی تھی جس پر توقیر صاحب اور جھنجلا گئے۔

"دانیال! ہم سے کم ایک بینکر کے منہ سے ایسی بے عقلی کی باتیں اچھی نہیں لگتیں۔ کیا تمہیں ساری ٹرمز اینڈ کنڈیشنز نہیں پتا۔۔۔ فیضان کا سرمایہ بھلے ہی ہم دونوں کے سرمائے سے کم ہو مگر بجز اسی کا ہو گا۔ اسے ہی نکال دیا تو ہم دونوں کا سرمایہ بھی برباد ہو جائے گا۔ سمجھنے کی کوشش کرو دانیال! فی الحال فیضان کو ہماری نہیں۔۔۔ ہمیں اس کی ضرورت ہے۔ وہ بے چارہ تو اس کام میں ہاتھ بھی نہیں ڈال رہا تھا میں نے ہی اسے مجبور کیا۔ اب میں ہی اسے الگ ہونے کا کہتا ہوں تو میری کیا عزت رہ جائے گی اس کی نظر میں۔" توقیر صاحب کی اپنی ہی پریشانی تھی۔

دانیال حسن خاموشی سے مگر ناپسندیدگی کے تاثرات چہرے پر سجائے چائے کے مگ سے اٹھتی بھاپ کو دیکھتے رہے۔ توقیر صاحب بغور ان کے تاثرات کا جائزہ لیتے رہے پھر بولے۔

"دیکھو دانیال! میں سمجھ سکتا ہوں تمہارا مسئلہ کیا ہے۔ لیکن میرے پاس کچھ پوائنٹس ہیں۔ تم ایک بار ان پر غور کر لو' مجھے یقین ہے تمہارے اعتراضات ختم ہو جائیں گے۔ پہلی بات تو یہ کہ فیضان بہت بہترین اور محنتی انسان ہے۔ تم دیکھ لینا وہ ہمارے کاروبار کو دنوں میں کہیں سے کہیں پہنچا دے گا۔ دوسری بات یہ کہ ثروت بھابھی کے ماضی سے ثمینہ آپا کے ماضی کی کڑی جڑتی ہے۔ فیضان کا اس سے کوئی لینا دینا نہیں ہے بلکہ میرا تو خیال ہے ثمینہ آپا کا بھی اس سے کوئی لینا دینا نہیں' وہ تو بس بات برائے بات ذکر آ گیا تھا جسے تم نے اپنے ذہن پر سوار کر لیا ہے۔"

دانیال حسن ابھی بھی مستقل خاموش تھے۔ وہ دیر تک اس صورت حال پر غور کرتے رہے پھر نا چار انہوں نے کہا۔

"ٹھیک ہے' مجھے فیضان مہدی کی شراکت منظور ہے لیکن ایسا میں صرف تمہارے لیے کر رہا ہوں ورنہ اب اس کاروبار میں میری کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"شکریہ۔۔۔ مہربانی۔ میں احسان یاد رکھوں گا۔" توقیر صاحب سکون سے مسکرائے پھر ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولے۔

"اب خود پر بھی ایک احسان کرو۔ نکل آؤ اس ماضی کے عذاب سے جو تمہارے لیے صرف اور صرف تکلیف و اذیت کا سبب بنتا ہے۔ ثروت بھابھی نے ساری دنیا سے منہ موڑ کر تم سے شادی نہیں کی تھی کہ پیچھے مڑ کر نہ دیکھیں یا کوئی انہیں نہ پہچان سکے۔ تم نے اپنے اردگرد اپنے ہی نظریات کی آگ جلا رکھی ہے دانیال! اس آگ کو خود نہیں بجھاؤ گے تو ساری زندگی سلگتے رہو گے۔" توقیر صاحب مستقل سمجھاتے رہے۔ کچھ باتیں دانیال حسن نے سمجھیں' کچھ نہیں۔ دل و دماغ تو اس تپش اور دھویں کی زد میں تھے جو اس آگ کی مرہون منت تھی جس کی نشاندہی توقیر صاحب نے کی تھی۔

☼ ☼ ☼

ثمینہ بری طرح کشمکش کا شکار تھیں۔

گو کہ ارادہ کر لیا تھا کہ ثروت سے معذرت کرنی ہے لیکن اس فیصلے کی راہ میں کوئی رکاوٹ تھی جو مستقل پھانس

کی طرح چبھ رہی تھی اور انہیں ان کے فیصلے پر عمل درآمد نہیں کرنے دے رہی تھی۔

ماوی اور فیضان کے گھر سے نکلنے کے بعد وہ کتنی ہی دیر تک بے مصرف بیٹھی رہیں۔ بہت کچھ یاد آرہا تھا جسے بالآخر ذہن سے جھٹک کر وہ اٹھ کھڑی ہوئیں اور انیکسی لاک کر کے باہر آگئیں۔

شازیہ انہیں باہر ہی مل گئی۔

"شازیہ! ذرا ثروت بی بی کو اطلاع دے دو کہ میں آئی ہوں۔"

"بڑی بی بی تو گھر پر نہیں ہیں جی' وٹی صاحب کے اسکول گئی ہیں۔"

"اوہ۔۔۔" ثمینہ کو مایوسی ہوئی۔ "اچھا ایسا کرو۔ تم یہ چابیاں رکھو۔۔۔ میں گروسری کے لیے مارکیٹ جارہی ہوں۔ ماوی یا فیضان صاحب آئیں تو چابیاں انہیں دے دینا اور۔۔۔" وہ کہتے کہتے رکیں۔

"اور ثروت بی بی کو بتا دینا کہ میں ان سے ملنے آئی تھی۔"

"ارے ثمینہ آنٹی!" انیہا نے انہیں ٹیرس سے دیکھا تھا۔ ثمینہ نے سر اٹھا کر دیکھا' وہ ٹیرس کی گرل پر جھکی ہوئی تھی۔

"اندر آئیے ناں۔۔۔ آپ یہاں سے ہی واپس کیوں جارہی ہیں؟"

"میں تمہاری ممی سے ملنے آئی تھی۔ اب وہ تو گھر پر موجود نہیں ہیں' میں پھر کسی وقت چکر لگاؤں گی۔"

انیہا نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔ ثمینہ گیٹ کی طرف پلٹ گئیں تب ہی انیہا کو کچھ خیال آیا تو اس نے زور سے آواز دے کر ثمینہ کو مخاطب کرلیا۔

"آنٹی! ماوی ہے گھر پر؟"

ثمینہ نے گردن نفی میں ہلا کر اسے جواب دیا اور باہر آگئیں۔ انہیں کئی طرح کے خیالات درپیش تھے۔

سرفہرست شہوز اور ماوی کی شادی پھر ثروت سے معذرت اور پھر ماضی کے قصے۔

جیسے کل کی بات ہو۔ وہ واحد ملاقات جو کئی سال پہلے ثروت سے ہوئی تھی۔ وہ حویلی اور نارنجوں کے درخت۔ کچی مٹی کا کھلا سا احاطہ' وہ طنز و نفرت کے زہر میں بجھے تیر۔ جو یار ہا انہوں نے اپنے وجود پر سہے' بھوک سے مرجانے کا خوف۔ شریکِ حیات سے دائمی جدائی کا غم۔

انہوں نے بڑی کوشش کی کہ کسی طرح ذہن بہل جائے مگر ذہن تھا کہ بار بار اسی ایک نقطے پر آکر الجھ جاتا۔

"میں ماوی سے بات کرتی ہوں۔ اسی سال اس کی اور شہوز کی شادی ہو جانا چاہیے۔"

ثروت سے شروع ہوئی یادوں کا سلسلہ کہاں جا پہنچا تھا۔ ثمینہ نے تکلیف کی ایک تیز لہر کو دل کی سرحد پر پھیلتے محسوس کیا تو بروقت سے اپنے ذہن و دل کو اس دوسرے موضوع کے ساتھ مصروف کرنا چاہا مگر اس کشمکش میں وہ اردگرد سے کٹ گئیں' یہاں تک کہ سامنے سے آتی بس بھی انہیں دکھائی نہ دے سکی۔ بس ڈرائیور کے بروقت بریک لگانے کے باوجود ثمینہ بری طرح ٹکرا گئیں اور ایک چھوٹی سی گڑیا کی طرح اڑتی ہوئی دور جا گریں۔ تکلیف کے بدترین احساس کے ساتھ ماؤف ہوتے ذہن نے جو آخری منظر دیکھا۔ وہ بازو سے فوارے کی طرح نکلتا ہوا خون اور اردگرد اکٹھا ہوتا مجمع تھا۔

☆ ☆ ☆

"کیا ہوا ہے ارسل! گاڑی کیوں روکی ہے؟"

پچھلی سیٹ پر نیم دراز جیڈی نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کوئی ایکسیڈنٹ ہوا ہے۔" ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے ارسل نے تھوڑا سا اچک کر سڑک کے کنارے جمع بھیڑ میں جھانکنے کی کوشش کرتے ہوئے خیال ظاہر کیا۔ جیڈی جھٹکے سے سیدھا ہوا اور شیشے سے باہر دیکھنے لگا۔

"یہاں تو ہر دوسرے روز یہ ہی سب ہو رہا ہوتا ہے۔" واثق نے کہا اور اپنی طرف کا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ پیچھے ہی ارسل اور سعد بھی اتر گئے۔

"بے چاری عورت بیس منٹ سے سڑک کے کنارے پڑی ہوئی ہے۔ لیکن کوئی مدد کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔" واپس آکر انہوں نے بتایا۔

"چلو ارسل! ہماری فلم نکل جائے گی۔" جنید نے تاسف سے گردن ہلاتے ہوئے ارسل سے کہا۔ وہ پانچوں فلم دیکھنے سینما جارہے تھے۔

"لیکن وہ عورت۔۔۔" جیڈی نے کہا۔

"ہمیں ان کی مدد کرنی چاہیے۔" ارسل نے جیڈی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کم آن۔۔۔" جنید جھنجلا کر بولا۔ "اب تم لوگ ہمدردی کرنے نہ کھڑے ہو جاؤ' یہاں اتنے لوگ موجود ہیں' کوئی نہ کوئی اسے اسپتال لے جائے گا۔"

"بیس منٹ سے سب کھڑے ایک دوسرے کی شکل دیکھ رہے ہیں' ہم بھی بے حس بن کر چل دیے تو بے چاری یہیں پڑی پڑی مر جائے گی۔"

"جیڈی ٹھیک کہہ رہا ہے۔" واثق نے کہا۔ "فلم تو پھر کبھی بھی دیکھی جاسکتی ہے یار! ایک انسانی جان فلم سے زیادہ اہم ہے۔"

"اب میں کچھ کہوں گا تو تم سب مجھے بے حس کا بت کہنے لگ جاؤ گے۔ جانتے بھی ہو میں کتنا نرم دل ہوں' ایسی ایموشنل باتیں مجھے ہرٹ کرتی ہیں۔" جنید نے مسمسی سی شکل بنا کر کہا۔

"تم یہاں کھڑے رہ کر اپنی شان میں قصیدہ پڑھو۔ میں اور ارسل اسے اسپتال لے جارہے ہیں۔" جیڈی نے انکار کیا تھا۔

"مرضی ہے تمہاری۔۔۔ میں تو تمہیں ہی پولیس کے چکروں سے بچانے کے لیے کہہ رہا تھا' ایسی سڑک کنارے کی جانے والی ہمدردی گلے پڑ جاتی ہے۔ یہاں کا سارا سسٹم ہی خراب ہے۔" جنید نے ناپسندیدگی سے کہا تھا۔

"واثق! تم لوگ ٹیکسی لے کر آجاؤ' میں اور ارسل اسپتال جارہے ہیں۔" جیڈی کوئی اٹل صرف اس زخمی عورت کی فکر تھی' تب ہی جنید کی بات نظر انداز کرتے ہوئے بولا اور فٹ پاتھ کی طرف پلٹ گیا۔

☆ ☆ ☆

جیڈی اور ارسل ان خاتون کو ایک پرائیویٹ اسپتال لے آئے تھے۔ یہاں ڈاکٹر مجتبیٰ انصار' جیڈی کے جاننے والے آدمی تھے۔ نہ بھی ہوتے تو ان کو کسی وقت کا سامنا نہ کرنا پڑتا' کیونکہ جیب نوٹوں سے بھری ہو تو ہر کام آسان ہو جاتا ہے۔

ڈاکٹر مجتبیٰ کی وجہ سے کسی قانونی کارروائی میں پڑے بغیر علاج شروع کر دیا گیا تھا۔

"میں علاج شروع کر رہا ہوں' لیکن بہتر ہو تا اگر ان کے گھر والے یہاں موجود ہوتے۔" ڈاکٹر مجتبیٰ نے جیڈی

www.pkdigest.com

سے کہا تھا۔

"اب گھر والوں کو کہاں سے تلاش کریں؟" ارسل نے خود کلامی کے انداز میں کہا' پھر یک بارگی اسے یاد آگیا۔

"سڑک پر سے میں نے ان آنٹی کا پرس بھی اٹھایا تھا' ممکن ہے اس میں سے کوئی سراغ مل جائے۔ گاڑی میں پڑا ہے' میں لے کر آتا ہوں۔" ارسل پھٹ پٹ آفس سے باہر نکل گیا۔ جبڈی وہیں بیٹھا صورت حال پر غور کرتا رہا۔ پریشانی بڑی فطری سی بات تھی۔

چند منٹ بعد ارسل واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک خوب صورت سا پرس تھا اور وہ کسی قدر مایوس لگ رہا تھا۔

"یہ تو بالکل خالی ہے۔"

"ممکن ہے' یہ ان خاتون کا نہ ہو۔" جبڈی نے خیال ظاہر کیا۔

"سڑک پر ان کے قریب پڑا ہوا تھا۔ میرا خیال ہے جو لوگ ان کے گرد گھیرا ڈالے کھڑے تھے۔ ان ہی میں سے کسی نے روپے اور قیمتی چیزیں نکال لی ہوں گی اور خالی پرس وہیں پھینک دیا۔ ورنہ سیل فون تو آج کل ہر ایک کے پاس ہی ہوتا ہے۔ دوسرے یہ خاتون بھی اپنے حلیے سے ایسی نہیں لگ رہیں کہ خالی پرس لے کر گھومیں۔"

جبڈی نے پرس لے کر یونہی اسے الٹا پلٹا پھر بولا۔

"اس حصے میں چیک کیا؟" وہ پرس کی اندرونی جیب کی بات کر رہا تھا۔ ارسل کا جواب سنے بغیر ہی وہ دیکھنے لگا۔ اس زپ کے اندر چند کاغذ رکھے تھے۔ ایک کسی شاپنگ مال کا بل تھا' جبکہ دوسرا کوئی نسخہ تھا۔ "مسز ثمینہ رجب!" جبڈی نے باآواز بلند پڑھا۔ "میرا خیال ہے اس پریسکرپشن کے ذریعے سراغ لگایا جاسکتا ہے۔" اس نے پرسوچ انداز میں کہا۔

"اوہو... جیمز بانڈ کے جانشین۔" ارسل نے چٹکی اڑائی۔

"جیمز بانڈ کا جانشین تو بننا ہی پڑے گا' ورنہ بڑی مشکل ہوجائے گی۔ پولیس آگئی تو نزلہ ہم پر گرے گا۔"

"ہاں بات تو ٹھیک ہے۔" ارسل نے فوراً کہا۔ "جبڈی! میرے ابو کا فون آیا تھا' انہیں کوئی کام ہے مجھ سے... اگر تم یہاں سنبھال لو تو میں گھر کا چکر لگا آؤں۔"

"کیا بات کر رہے ہو... میں اکیلا کیا کروں گا' اگر کوئی مسئلہ ہوا تو۔" جبڈی سٹپٹا کر بولا۔

"کچھ نہیں ہوتا یار! تم ایسے ہی گھبرا رہے ہو۔ میں تھوڑی دیر میں واپس آجاؤں گا۔" ارسل تسلی دے کر چلا گیا۔ کچھ دیر بعد ڈاکٹر مجتبیٰ آگئے۔

"جھوٹی تسلی نہیں دوں گا' خاتون کی حالت بہت سیریس ہے۔" انہوں نے آتے ہی کہا۔ "بظاہر صرف بازو فریکچر ہوا ہے اور تھوڑی اسکن ڈیمیج ہوئی ہے۔ لیکن اندرونی چوٹیں کس حد تک ہیں' اس کا اندازہ مریض کے ہوش میں آنے کے بعد ہی لگایا جاسکتا ہے۔ میرا اندازہ ہے ان کے سر پر بھی چوٹ لگی ہے۔ اگلے چوبیس گھنٹے بہت اہم ہیں۔ اگر ہوش آجاتا ہے تو ٹھیک' ورنہ تم سمجھ رہے ہو نا!"

"جج... جی۔" وہ بے چارہ فطرتاً معصوم اور حساس تھا' کسی کی خراب حالت کے خیال سے ہی بوکھلا رہا تھا۔

"کسی نہ کسی طرح تم ان کے گھر والوں کا پتا لگالو۔ کیونکہ کسی بھی غیر متوقع صورت حال میں ان کی مریض کے پاس موجودگی بہتر ہوگی۔"

جبڈی سر ہلا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

☆ ☆ ☆

"ماوی باجی! انیکسی کی چابیاں لے لیں۔"

ماوی تھکے تھکے انداز میں انیکسی کی طرف بڑھ رہی تھی' جب اس نے شازیہ کی آواز سنی' اس نے گردن موڑ کر دیکھا' شازیہ بھاگی چلی آرہی تھی۔

"یہ لیں۔" اس نے چابیاں ماوی کے ہاتھ پر رکھ دیں۔

"ثمینہ بی بی مارکیٹ جاتے ہوئے چابیاں دے گئی تھیں کہ آپ کو دے دوں۔" اس نے پھولی ہوئی سانس بحال کرتے ہوئے بتایا۔

"مارکیٹ گئی ہیں ممی!" ماوی نے دہراتے ہوئے اپنی ریسٹ واچ پر ٹائم چیک کیا۔ شام کے ساڑھے چار بج رہے تھے۔ اسے یاد آیا صبح ممی نے مارکیٹ جانے کا ذکر نہیں کیا تھا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔" اس نے شازیہ سے کہا اور شولڈر بیگ سے سیل فون نکال کر ممی کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔ تب ہی شازیہ نے اسے دوبارہ مخاطب کیا۔

"انوباجی کہہ رہی ہیں' آپ فریش ہوکر آجائیں' وہ چائے پر آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔"

"ہوں۔" ممی کا نمبر مل نہیں رہا تھا۔ سیل فون آف تھا۔ ماوی کو تشویش سی محسوس ہونے لگی' اس نے بے دھیانی میں شازیہ کی بات سنی تھی۔ پھر اس نے سر جھٹکتے ہوئے کہا۔

"انیبا سے کہو میں پندرہ منٹ میں آرہی ہوں۔ شازیہ! سنو' ممی کب سے مارکیٹ گئی ہوئی ہیں؟" اس نے مستقل ثمینہ کا نمبر ٹرائی کرتے ہوئے پوچھا۔

"شاید ساڑھے بارہ بجے گئی تھیں۔ انہوں نے کہا تھا' چابیاں آپ کو یا فیضان صاحب کو دے دوں۔"

"واٹ' ساڑھے بارہ۔" ماوی کو بری طرح جھٹکا لگا۔ "اتنی دیر ہوگئی ممی واپس نہیں آئیں۔ ایسی بھی کون سی شاپنگ کرنا تھی۔"

تشویش بھرے انداز میں سوچتی وہ لاک کھول کر اندر آگئی۔ لائٹس آن کرکے اس نے شولڈر بیگ اور وہ پیٹہ صوفے پر اچھال دیا۔ کچن میں جاکر پانی پیا' پھر کچھ سوچ کر دوبارہ ممی کا سیل نمبر ڈائل کیا۔ نتیجہ پہلے جیسا ہی رہا۔ ہر گزرتے منٹ کے ساتھ ماوی کی فکرمندی بڑھ رہی تھی۔ اس کی چھٹی حس جیسے کوئی اشارہ دے رہی تھی۔ اسے عجیب عجیب سے خیال آنا شروع ہوگئے تھے۔ اپنا دھیان بٹانے کی غرض سے اس نے اپنے لیے چائے بنائی اور ساتھ میں بسکٹ کا پیکٹ لے کر لاؤنج میں آگئی۔ اس نے ٹی وی بھی آن کرلیا تھا۔

ساڑھے پانچ بجے تک وہ مستقل ممی کا انتظار کرتی رہی اور ان کا سیل نمبر بھی ٹرائی کرتی رہی۔ لیکن جب ممی کا کچھ پتا نہ چل سکا تو اس نے فیضان ماما کو فون کیا۔

"آپ کہاں ہیں ماما! پلیز جلدی گھر آئیں۔"

"کیا بات ہے ماوی! خیریت تو ہے' تم پریشان کیوں ہو؟" فیضان نے پوچھا۔

"آپ گھر آئیں' میں بتاتی ہوں۔" اس نے اتنا کہہ کر فون بند کردیا اور فکرمندی سے ٹہلنے لگی' تب ہی انیبا آئی' پیچھے شازیہ تھی۔

"میں وہاں انتظار میں سوکھ رہی ہوں اور یہاں تم چائے پی بھی چکیں۔ بہت غلط بات ہے۔"

"سوری انیبا! میرے ذہن سے ہی نکل گیا کہ تم انتظار کر رہی ہو۔"

"کیا بات ہے ماوی! تم پریشان لگ رہی ہو؟" انیبا نے بغور اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ جواباً ماوی نے اسے ثمینہ کی غیر موجودگی کے متعلق بتایا اور یہ بھی کہ ان کا فون مستقل بند آرہا ہے۔ انیبا بھی فکرمند ہوگئی۔

"واقعی آنٹی کو گھر سے نکلے بہت دیر گزر چکی ہے۔ ممکن ہے کسی رشتہ دار کے یہاں چلی گئی ہوں۔" اس نے خیال ظاہر کیا۔

www.pkdigest.com

"یہاں ہمارے کوئی رشتہ دار نہیں ہیں۔" مادی نے سرعت سے کہا۔

"ان فیکٹ پاکستان میں ہم تو قیر انکل کی فیملی کے علاوہ کسی کو نہیں جانتے۔" پریشانی سے اس کے سر میں درد ہونے لگا تھا۔ انیہا کی فکرمندی بھی بڑھ گئی۔ لیکن مادی کی پریشانی کم کرنے کی غرض سے بولی۔

"اچھا تم پریشان مت ہو' آنٹی آجائیں گی' بچی تو نہیں ہیں۔" مادی نے فوراً اس کی بات قطع کی۔

"بچی نہیں ہیں' لیکن انہیں راستوں کی پہچان نہیں۔ پھر پاکستان اتنے عرصہ بعد آئی ہیں کہ۔۔۔" اس سے آگے بولا ہی نہیں گیا' ہر گزرتے پل کے ساتھ اس کی پریشانی بڑھ رہی تھی۔ برے برے خیالات ایک ایک کرکے ذہن و دل میں جگہ بنا رہے تھے۔

"واقعی باجی مادی! تسی ٹھیک کہہ رہے او۔ پاکستان کے تو حالات ہی بڑے خراب ہیں۔ تھوڑے دن پہلے' منظور صاحب نہیں ہیں انو باجی! وہی جن کی کوٹھی والی کوٹھی ہے۔ ان کے بڑے بیٹے کو کسی نے اغوا کرلیا' پھر تاوان۔۔۔"

"شازیہ۔۔۔!" انیہا نے شازیہ کو غضب ناک ہو کر شازیہ کو ڈپٹا۔ شازیہ کی تیز گام کی رفتار سے چلتی زبان کو فوراً بریک لگ گئی۔

"شازیہ! کبھی بولنے سے پہلے سوچا بھی کرو۔" انیہا نے دانت پیس کر کہا۔ "اب نکلو یہاں سے اور منظور حسین سے کہو' جاکر قریب والی مارکیٹ میں ثمینہ آنٹی کو تلاش کرے' مادی فکرمند نہ ہو' مجھے یقین ہے آنٹی راستہ بھول گئی ہوں گی' اتنی مشکل گلیاں ہیں' اچھے اچھے بھٹک جاتے ہیں۔"

مادی سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ انیہا کی تسلیاں ایک طرف اور دل کے اندیشے دوسری طرف۔ اس کا بس نہ چلتا تھا' ممی کو کہیں سے ڈھونڈ لائے۔ اپنے دل سے ہر اندیشے کو جھٹکتے ہوئے اس نے ممی کی خیریت کے لیے دعا میں مانگنا شروع کردی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"تنوی! تم نے عروش کے بارے میں کیا سوچا ہے؟" موقع ملتے ہی نمرہ نے جھجکتے ہوئے تنوی سے پوچھا۔ وہ دونوں کینٹین کے کارنر والے ٹیبل پر بیٹھی تھیں' جبکہ عبیر ابھی ابھی کوک لینے گئی تھی۔ تنوی نے چونک کر اسے دیکھا۔

"تم پھر عروش کا قصہ لے کر بیٹھ جاؤ۔" اس نے خفگی سے کہا۔ "ابھی تو ہم نے فیصلہ کیا تھا کہ عروش کا ذکر نہیں ہوگا' وہ اچھی لڑکی نہیں ہے' نہ اس سے تم دوستی رکھو گی' نہ ہم۔"

"ہم سے کیا مراد ہے؟" نمرہ نے کہا۔ "عروش صرف تم سے دوستی کرنا چاہتی ہے' عبیر سے نہیں' میں تو کہتی ہوں' ایک بار اس کی بات سن لو۔ تم نے آج تک اس سے تفصیل سے بات نہیں کی۔ جب اس سے بات کرو گی تو تمہیں وہ اچھی لگے گی تنوی!"

"وہ دیکھو' عروش سامنے کھڑی ہے۔ اگر تم کہو تو میں اسے بلا لاتی ہوں۔" تنوی نے اس طرف دیکھا جس طرف نمرہ نے اشارہ کیا تھا۔ پھر سرد مہری سے بولی۔

"تم اسے بلا لاؤ اور یہاں بیٹھ کر اس سے باتیں کرو' میں چلی جاتی ہوں۔" تنوی اٹھنے لگی' لیکن نمرہ نے ہاتھ پکڑ کر روک لیا۔

"اچھا ٹھیک ہے' خفا مت ہو' میری بیسٹ فرینڈز تم اور عبیر ہو' اب عروش کی خاطر تم دونوں کو تو خفا نہیں کرسکتی۔ اگر تم چاہو تو میں پرنسپل کے پاس جاکر عروش کی شکایت کرنے کے لیے بھی تیار ہوں۔" نمرہ نے بڑی



www.pkdigest.com

سہولت سے اسے حیران کر دیا تھا۔

"واقعی نمرہ! تم سچ کہہ رہی ہو؟" اس نے بے یقینی سے پوچھا۔

"سو فیصد۔" نمرہ جھٹ سے بولی۔

"میں نے اس بارے میں بہت سوچا ہے یار! اور مجھے لگا تم لوگوں کا پوائنٹ آف ویو غلط نہیں ہے' بے شک عروش اچھی ہے' لیکن اس کی حرکتیں اور ڈیمانڈز غلط ہیں۔" نمرہ پُرسوچ انداز میں کہہ رہی تھی۔

"اور وہ اپنے ساتھ ساتھ اکثر اسٹوڈنٹس کو بھی غلط راہ پر لگا رہی ہے۔ کچھ اچھی عادات کی وجہ سے کئی بری عادات کو تو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ہمیں اس کی کمپلین کرنی چاہیے۔" اس نے بڑی سہولت سے پینترا بدل لیا تھا۔

"اب کوئی فائدہ نہیں۔" عبیر نے ان دونوں کے سامنے کوک رکھتے ہوئے کہا تھا۔ "تم نے اپنی ذہانت کے ہاتھوں مجبور ہو کر ثبوت ہی مٹا دیا۔" وہ اپنی کوک لینے کے لیے چلی گئی۔

"تو ثبوت جمع کرنا کیا مشکل ہے۔" نمرہ نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا۔ "ذرا اپنا فولڈر دو۔" نمرہ نے تنوی سے کہا۔ پھر فولڈر کھول کے اس میں سے نوٹ بک نکالی اور لکھنے لگی۔

"کیا کر رہی ہو نمرہ؟" تنوی نے متجسس ہو کر پوچھا۔ جواباً نمرہ نے اسے ذرا صبر کرنے کے لیے کہا تھا۔ چند منٹ بعد وہ پین بند کرتے ہوئے اپنا تیار کیا مشن اسے سنانے لگی۔

"دیر عروش! مجھ سے دوستی کرنے کے لیے تمہیں عروش کے نام کا سہارا لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں بھی تمہیں پسند کرتی ہوں اور دوستی کرنا چاہتی ہوں۔ تم جو نہیں کہتیں تمہاری آنکھیں کہہ دیتی ہیں اور تمہاری آنکھیں صرف محبت کی زبان بولتی ہیں۔ میں تمہاری محبت اور اور دوستی کی قدر کرتی ہوں اور اس محبت میں ڈوب جانا چاہتی ہوں۔ پلیز اس خط کا جواب جلدی دینا۔ صرف اور صرف تمہاری۔"

تب ہی اس کے ہاتھ سے عبیر نے نوٹ بک جھپٹ لی اور بے حد غصے سے تنوی کے سامنے پٹخ دی۔

"یہ تھرڈ ریٹ فلموں کے گھٹیا عشقیہ خطوط لکھنا بند کرو اور تھوڑی عقل مندی کا مظاہرہ کرو۔" اس نے غضب ناک انداز میں کہا۔

"عروش کا تو دماغ خراب ہے نمرہ! کم سے کم تم تو عقل کا نام لو' مجھے پتا ہے اس خط کے ذریعے تم عروش سے ایک اور خط لکھوانا چاہ رہی ہو' تاکہ اس دوسرے خط کو عروش کے خلاف استعمال کر سکو۔ لیکن اتنا بھی سوچ لو اگر یہ خط عروش نے تنوی کے خلاف بطور ثبوت استعمال کر لیا تو گیا ہو گا' ہم عروش کو Yusticate (فارغ) کروانا چاہ رہے ہیں۔ اگر یہ خط کسی کے ہاتھ لگا تو تنوی کالج سے نکال دی جائے گی۔" وہ بلی آواز میں بول رہی تھی۔

"یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں۔" نمرہ نے کہا۔

"تم نے جتنا سوچا' وہ بھی بے کار ہی ہے' اس لیے پلیز تم کچھ نہ سوچا کرو۔ جب بھی سوچتی ہو۔ کوئی تماشا ہی کرتی ہو۔" عبیر نے اچھے خاصے لتے لے ڈالے۔

"ہاں نمرہ! عبیر بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے۔" تنوی نے گھبرا کر نوٹ بک فولڈر میں رکھ لی تھی۔

"تم تو بہت ذہین ہو عبیر! تھی دور کی بات سوچ لیتی ہو' میں تو بھئی متاثر ہو گئی ہوں۔ گرو جی! پلیز مجھے اپنی شاگردی میں لے لیجیے۔" نمرہ نے مسکین سی شکل بناتے ہوئے کہا تھا۔

"یہ ہی کرنا پڑے گا۔" عبیر نے غصے سے کہا۔ پھر وہ تینوں باتیں کرنے لگیں۔ وہ نمرہ کی برین واشنگ کرتی رہیں' اس بات سے بے خبر کہ تقدیر ان کے لیے کیا سوچ رہی ہے۔

☆ ☆ ☆

کوئی بخیستہ طویل سرنگ تھی جس میں اماوس کی رات پھیلی ہوئی تھی۔ تاریکی اور سناٹا ایسا کہ دل میں خواہ مخواہ وسوسے جنم لینے لگیں۔ کبھی کبھی کوئی آواز سماعت سے ٹکراتی اور اپنا مفہوم واضح کیے بنا سناٹے میں تحلیل ہو جاتی۔

پراسرار سی ہیبت فضا تھی۔

ثمینہ نے کسی منظر کی تلاش میں یہاں وہاں گردن گھمائی' دور ایک مرجھائی ہوئی سی کرن ریت کے ذرے کی مانند ان کی بصارت کی زد میں آگئی۔ انہوں نے اسی کرن کا تعاقب کرنے کا فیصلہ کیا اور سہمے ہوئے دل کے ساتھ ٹٹول ٹٹول کر قدم رکھتی آگے بڑھنے لگیں۔ مگر ہر بڑھتے قدم کے ساتھ وہ روشنی کا مدھم سا منبع ان سے دور ہو رہا تھا۔

یک دم ان کا پیر کسی بھاری سی چیز سے ٹکرایا اور سنبھلنے کی کوشش میں وہ گھٹنوں کے بل زمین پر آ رہیں۔ ایک بھی لمحہ ضائع کیے بنا انہوں نے چھو کر اس بھاری چیز کو پہچاننا چاہا' تب انہیں احساس ہوا' وہ بھاری چیز دراصل ایک بے حس و حرکت انسانی وجود تھا۔ آن واحد میں تاریکی ختم نہیں ہوئی' لیکن تاریکی کا احساس ضرور چھٹ گیا تھا۔ پھر اس اسپاٹ لائٹ جیسے احساس نے اس وجود کے چہرے کو فوکس کیا۔ زرد چہرہ' بند آنکھیں۔

"رجب۔" ثمینہ کا دل وحشت سے بھر گیا۔ ان کے لبوں سے ایک گھٹی گھٹی سی چیخ برآمد ہوئی۔

پرائیویٹ روم کے بیڈ پر لیٹے ثمینہ کے پٹھوں میں لپٹے وجود میں بے چینی کی لہر سی دوڑ گئی تھی اور سارا جسم جھٹکے کھانے لگا تھا۔

کرسی پر اونگھتا جیدی ہڑبڑا کر سیدھا ہوا۔

"ڈ... ڈاکٹر...!" وہ بوکھلا کر باہر بھاگا۔

ثمینہ تاریکی میں راستہ تلاش کرنے کے لیے ہاتھ پیر چلا رہی تھیں۔

"ممی!" ایک آواز ان کے قریب ابھری۔ ثمینہ کے بھاگتے وحشت زدہ قدم ٹھٹک کر رک گئے۔ تاریکی کے پردے پر ایک چہرہ ابھر آیا تھا' چمک دار چہرہ' وہ بے چین ہوئیں' یہ مسکراتے ہوئے نقوش جانے پہچانے تھے۔

"ممی! اگر میں آپ سے دور چلی جاؤں تو"

اس دلکش چہرے نے پوچھا۔ ثمینہ سن سی رہ گئیں۔ معاً ایک جھماکے سے تیز روشنی پھیل گئی۔ یہاں تک ثمینہ کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ بڑی مشکل سے اپنی دکھتی ہوئی آنکھوں کو انہوں نے اس روشنی میں دیکھنے کے قابل کیا۔ تب ہی اس تیز روشنی میں سے ایک سیاہ چغہ پوش ہاتھ میں خنجر لیے ماؤی کی طرف جھپٹا اور اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ ایک زوردار چیخ ان کے لبوں سے نکلی اور خوف کے ناقابل بیان احساس کے ساتھ ثمینہ ہوش میں آ گئیں۔

ان کے گرد تیز تیز آوازیں تھیں۔ ڈاکٹر نرس کو ہدایت دے رہا تھا۔ جیدی چپکے سے باہر آ گیا اور برآمدے کی ریلنگ سے نیچے لان میں جھانکنے لگا۔ آج پورے تین روز گزر چکے تھے اسے "مسز ثمینہ رجب" کی تیمارداری کرتے۔

ارسل کے خاندان میں کوئی فوتگی ہو گئی تھی۔ وہ اس روز کا گیا واپسی نہیں آیا۔ جیدی اس روز سے اسپتال میں بندھا بیٹھا تھا۔ وہ نسخہ جس پر سے اس نے خاتون کا نام پڑھا' بے دھیانی میں وہ گنوا بیٹھا تھا۔ اب اس کے پاس ایسا کوئی ذریعہ نہیں تھا جس سے خاتون کے گھر والوں کا پتا لگایا جا سکے۔ اگر نسخہ ہوتا تو کلینک سے معلومات حاصل کی جا سکتی تھیں۔

خاتون کو زیادہ تر مسکن ادویات کے زیر اثر رکھا جا رہا تھا۔ جتنا وقت وہ ہوش میں رہتیں' ڈاکٹر مجتبیٰ کی ہدایات

www.pkdigest.com

کے مطابق ان سے کوئی سوال پوچھنے سے احتراز کیا جاتا کیونکہ اس صورت میں وہ اپنے ذہن پر زور ڈالتیں جو ان کی صحت کے لیے اچھا نہیں تھا۔ جیلڈی وہیں کھڑا رہ کر ڈاکٹر کی اگلی ہدایات کا انتظار کرنے لگا۔

☆ ☆ ☆

چوہدری دین محمد کی بیوی زہرہ کے انتقال کی خبر جنگل کی آگ بن کر پھیل گئی' یہ کیسے ممکن تھا' باجی زبیدہ تک اطلاع نہ پہنچتی۔

ایسی بری خبر سن کر اس کا کلیجہ کیسے منہ میں دبوچ لیا۔ ابھی ایک روز پہلے تو بھاوج سے ملاقات ہوئی تھی' اس وقت تو وہ بھلی چنگی دکھائی دیتی تھی۔ پھر یکایک ایسا کیا ہوا کہ اس کے بھائی کی زندگی اتنے بڑے المیے سے دوچار ہوگئی۔

صدمے اور غم سے بے حال باجی زبیدہ روتی ہوئی اپنے میکے پہنچی' تاکہ غم زدہ بھائی کو دلاسا دے سکے۔

صحن کے بیچ و بیچ چارپائی بچھا کر میت رکھی گئی تھی۔ اردگرد گاؤں کی اور رشتہ دار خواتین بیٹھی بین ڈال رہی تھیں۔ اس نے دیکھا' جنت چارپائی کے قریب دوزانو بیٹھی ٹکر ٹکر ماں کا چہرہ دیکھ رہی تھی' اس کا چہرہ مرجھایا ہوا تھا اور بڑی بڑی آنکھوں میں آگہی اور غم ہلکورے لے رہا تھا۔

باجی زبیدہ کے دل پر آری سی چل گئی' اس کا دل چاہا دوڑ کر جائے اور بھتیجی کو بانہوں میں سمیٹ لے۔ لیکن اس سے قبل کہ وہ اپنی سوچ کو عملی جامہ پہناتی' رشتہ دار خواتین اکٹھ اس سے گلے ملتے ہوئے پرسہ دینے لگیں۔ باجی زبیدہ کا بس نہ چلتا تھا جلد از جلد بھاوج کا چہرہ دیکھ لے۔ لیکن ہر کوئی اس سے غم کا اظہار کرنے کے لیے بے چین تھا۔ اسی دوران اس نے دین محمد کو دیکھا۔ وہ مردانے سے نکل کر صحن کی طرف آرہا تھا۔ باجی زبیدہ پر نظر پڑتے ہی وہ ٹھٹک کر رک گیا۔

اس کی نم' غم زدہ آنکھوں سے یک لخت شرارے نکلنے لگے تھے۔ اس نے پل بھر کے لیے کچھ سوچا' پھر تیز تیز قدم اٹھاتا باجی زبیدہ کے سامنے آرکا۔

بھائی کو دیکھ کر باجی زبیدہ خود پر قابو نہیں رکھ سکی اور بازو پھیلا کر روتے ہوئے اس کی طرف بڑھی' لیکن دین محمد نے سختی سے اس کے ہاتھ جھٹک دیے۔

"تو ہلیز پار کر آئی' اسی کو بہت سمجھ۔ اب تو نکی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اپنی بیوی کو مارنے والے کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا' نہ ہی اپنی بیوی کی شکل اسے دیکھنے دوں گا۔" میت والے گھر میں یک لخت خاموشی چھا گئی۔ اس قدر نفرت بھرے انداز پر باجی زبیدہ کے آنسو بھی ٹھٹک سے گئے۔

"دین محمد! تو پاگل تو نہیں ہوگیا؟" صحن میں پھیلے سناٹے کو دین محمد کی ماں کی آواز نے توڑ ڈالا۔ آن کی آن سرگوشیاں اور قیاس آرائیاں سارے میں گردش کرنے لگیں۔

کسی نے کہا۔ "دین محمد کا دماغ صدمے نے الٹ دیا ہے۔"

"کچھ نہیں ہوا میرے دماغ کو۔" دین محمد بھڑک کر بولا۔ "باجی زبیدہ نے زہرہ کو قتل کیا ہے۔"

"دین محمد! ہوش کر۔" باجی زبیدہ نے پتا نہیں کیسے زبان کھولی۔

"ہوش کروں میں کس لیے؟ پہلے فاروق نے میری جنت کو قتل کرنے کی کوشش کی اور اب تو نے میری بیوی کو قتل کروادیا۔ میں پوچھتا ہوں باجی زبیدہ تو میری خوشیوں کی دشمن کیوں بنی ہوئی ہے۔"

"تجھے ضرور غلط فہمی ہوئی ہے۔" باجی زبیدہ نے کہنا چاہا۔

"مجھے غلط فہمی نہیں ہوئی' مجھے جنت نے سب کچھ بتادیا ہے۔"

"کک... کیا بتایا ہے جنت؟" باجی زبیدہ بے یقینی سے بولی۔

"نکل تم زہرہ سے بازار میں ملی تھیں' تم نے اسے گالیاں دیں' بددعائیں دیں اور تم نے کہا' دین محمد نے سارا خاندان توڑ دیا' ایسا جنت کی وجہ سے ہوا اور یہ کہ جنت مرجائے تو اچھا ہے۔ تیری بددعا جنت کے بجائے زہرہ کو لگ گئی۔"

باجی زبیدہ نے ٹھٹکی ہوئی آنکھوں سے جنت کو دیکھا۔

"میں نے ایسا کچھ نہیں کہا تھا دین محمد! فاروق بھی اس وقت ساتھ تھا تو اس سے پوچھ لے۔"

"مجھے اس پر بھروسا ہے' نہ تجھ پر۔" وہ نفرت سے پھنکارا۔

"تجھے غلط فہمی ہوئی ہوگی دین محمد' زبیدہ تیری بہن ہے' دشمن نہیں کہ بددعائیں دے' جنت نے ضرور جھوٹ بولا ہوگا۔" اہل برادری میں سے کسی نے کہنا چاہا لیکن دین محمد کی تیز آواز نے اسے خاموش کروادیا۔

"میری جنت جھوٹ نہیں بولتی۔" پھر اس نے جنت کو اپنے پاس بلایا۔ "ان سب کو بتا جنت! اس عورت نے یہ سب کہا تھا کہ نہیں؟"

سب کی نظروں نے جنت کا گھیراؤ کرلیا۔ وہ ماں کے غم سے بے حال تھی' کچھ باپ کے غصے اور لوگوں کی کھوجتی نظروں نے گھبراہٹ طاری کردی' تب ہی اثبات میں سر ہلادیا' ورنہ سچ تو یہ ہے کہ اسے یاد نہ تھا' پھوپھی زبیدہ نے اماں سے کیا کہا اور وہ یہ ساری داستان باپ کو کن الفاظ میں سنا چکی ہے۔

باجی زبیدہ ہکا بکا رہ گئی۔ یہ چھٹانک بھر کی لڑکی کس قدر صفائی سے جھوٹ بول گئی تھی۔

"دین محمد! جنت بچی ہے۔ کیا خبر اس نے کیا سوچ کر تجھ سے یہ سب کہہ دیا۔ میرا بھروسا کر' میں نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔ یہ جھوٹ بول رہی ہے۔" باجی نے تحمل سے سمجھانا چاہا' مگر بے سود' دین محمد کو بیوی کی ناگہانی موت اور بیٹی کی محبت نے پاگل کردیا تھا۔

"جنت کبھی جھوٹ نہیں بولتی' سنا تو نے۔" اس نے دھاڑ کر کہا' پھر اس نے ایک بار پھر باجی زبیدہ کو گھر سے نکال دیا اور زہرہ کا چہرہ بھی دیکھنے نہیں دیا۔

باجی زبیدہ روتی ہوئی اور دلگرفتہ اس گھر سے نکلی تھی۔

گاؤں کے ہر فرد نے اس قصہ کا اپنی اپنی سمجھ کے مطابق تجزیہ کیا۔ لیکن آٹھ سالہ جنت نے اپنی ماں کی وفات والے روز جو سبق سیکھا' وہ یہ تھا کہ جنت کبھی جھوٹ نہیں بولتی۔ وہ ہمیشہ جو کہتی ہے' وہی سچ ہوتا ہے۔

☆ ☆ ☆

دھند آلود شام دھیرے دھیرے دھرتی پر اترنے لگی تھی۔ عجیب سا سکوت تھا' جس کی مہین چادر آسمان سے زمین تک تنی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ کور یڈور کے ستون' پیڑ پودے' پام کے درخت' ہر چیز خاموش خاموش سی لگتی تھی' حتیٰ کہ اسپتال کی وہ لابی بھی جو عین ان کے کمرے کی کھڑکی کے سامنے سے گزر رہی تھی۔

تب ہی دروازہ آہستگی سے چرچرایا۔ ثمینہ نے احتیاط سے گردن موڑ کر دروازے کی طرف دیکھا۔ ان کی گردن پر کالر لگا ہوا تھا۔ جس سے گردن ہلانے میں دقت ہو رہی تھی۔

"میں نے آپ کی فیملی کو اطلاع بھجوادی ہے' وہ لوگ تھوڑی دیر میں پہنچ جائیں گے۔" یہ وہی تھا جس کے بارے میں نرس انہیں بتا چکی تھی کہ وہی انہیں اسپتال لایا تھا اور کسی فیملی ممبر کی طرح دن رات ان کی تیمارداری کر رہا ہے۔ ثمینہ قصداً مسکرائیں۔

"شکریہ بیٹے! نرس نے مجھے بتایا' آپ نے میرا بہت خیال کیا۔"

www.Bdigest.com

"شکریہ کہہ کر مجھے شرمندہ نہ کریں آنٹی! میری جگہ کوئی بھی ہوتا تو وہ یہ ہی کرتا۔" وہ کرسی گھسیٹ کر بیڈ کے قریب بیٹھ گیا۔

"نہیں خیر' ہر کوئی کسی کی مدد نہیں کرتا۔ صرف وہ لوگ دوسروں کی مدد کرتے ہیں جن کے دل بہت اچھے ہوتے ہیں۔ آپ کا دل بہت اچھا ہے بیٹے! ورنہ آج کے دور میں کون ہے جو بنا مطلب کسی کے لیے اتنا تردد کرے۔" وہ آہستہ آہستہ بول رہی تھیں اور بے حد شکر گزار تھیں۔

"جزاک اللہ۔۔۔ میں ہمیشہ یاد رکھوں گی ایک اچھے بچے نے اس وقت میری مدد کی' جب میں بالکل اکیلی تھی۔"

"بہت خوش قسمت ہیں آپ کے والدین۔ جنہیں خدا نے اتنی صالح اولاد دی۔" تب ہی جیڈی کا ملازم کھانا لے کر آگیا' اس نے دل ہی دل میں شکر ادا کیا کہ اپنی اتنی تعریفیں سن کر بڑی گھبراہٹ محسوس ہونے لگی تھی۔

"چھوڑیے ان باتوں کو' ہم کھانا کھاتے ہیں' لیٹ نائٹ تو نہیں ہے' لیکن خیر' کمال! میں نے تمہیں سوپ لانے کے لیے کہا تھا۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر خود ہی جائزہ لینے لگا۔ ثمینہ اس دوران اس کا جائزہ لیتی رہیں۔ جیڈی کے لیے ان کے دل میں سچ مچ بہت اچھے خیالات پیدا ہو رہے تھے۔ وہ شائستہ اطوار تھا بہترین تربیت میں پلا بڑھا تھا۔ اس کا اندازہ لگانا قطعاً "مشکل نہ تھا۔ ثمینہ کی مدد کر کے ان کی طرف سے شکر گزاری کی سند تو اسے حاصل ہو چکی تھی' لیکن ایسا نہ ہوتا تب بھی جیڈی کو پسند کرنے کی کچھ کم وجوہات نہ تھیں۔

اچھی شکل' اچھا لباس' بات کرنے کا بہترین انداز اور سب سے اہم اور نمایاں خصوصیت اس کے چہرے کی معصومیت تھی۔ بالکل بچوں جیسا بھولا پن' جو اسے بہت سارے لوگوں میں نمایاں کرتا تھا۔ ہو سکتا ہے صنف قوی میں یہ خصوصیت اچھی نہ لگتی ہو' مگر ثمینہ کو اس کے چہرے معصومیت نے اپیل کیا تھا' انہیں فیضان یاد آیا' شہوز یاد آیا تھا۔

جیڈی نے ان کے سامنے ٹیبل سیٹ کی' پھر چونکہ ثمینہ کا دایاں بازو یا ٹانگ زد میں تھا۔ اس لیے انہیں اپنے ہاتھ سے سوپ پلاتے ہوئے ادھر ادھر کی چھوٹی چھوٹی باتیں کرنے لگا۔ ثمینہ اسے اپنی فیملی کے بارے میں بتاتی رہیں' پھر انہوں نے کہا۔

"میں ہی بولتی رہوں گی' آپ بھی تو اپنے بارے میں کچھ بتاؤ بیٹا!"

"میں۔۔۔" جیڈی نے پل بھر کے لیے سوچا۔

"اپنے بارے میں کیا بتاؤں آنٹی! ایسی کوئی بات ہے ہی نہیں۔" وہ جھینپ کر ہنسا۔

"پھر بھی۔۔۔" ثمینہ نے اصرار کیا۔ "کچھ تو بتاؤ' کیا کرتے ہو؟ کہاں رہتے ہو؟ کتنے بہن بھائی ہو؟ والد صاحب کیا کرتے ہیں' وغیرہ۔"

ثمینہ کو بولنے کا شوق تو بہت تھا' تب ہی مستقل بولنے سے گردن میں اٹھتے ہلکے ہلکے درد کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھنے لگیں' پھر جیڈی کے بارے میں جاننا بھی چاہ رہی تھیں۔ (ظاہر ہے وہ ان کا محسن جو تھا۔) تب ہی سوال یہ سوال کرتی چلی گئیں۔

"کوئی نہ کوئی تعارف تو ہر کسی کا ہوتا ہے۔" انہوں نے کہا۔

"تعارف۔" جیڈی نے پل بھر کو سوچا۔ "آنٹی! کوئی بہت قابل فخر تعارف تو نہیں ہے میرا۔ عام سا انسان ہوں' لیکن آپ پوچھ رہی ہیں تو بتا دیتا ہوں۔" اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"میں آرکیٹیکچرنگ کا اسٹوڈنٹ ہوں' فائنل ایر چل رہا ہے' تعلیم کے سلسلے میں لاہور آیا ہوں' ویسے ہمارا آبائی گاؤں ساہیوال سے تھوڑا آگے ہے۔ زمین دار گھرانے سے تعلق ہے میرا۔ دلاور حسین بھٹی کا نام شاید آپ نے

کبھی سنا ہو' وہ میرے دادا جان تھے اور پنجاب کے چند نامور زمین داروں میں شمار ہوتے تھے۔ ساہیوال سے اوکاڑہ کے نواح کا اکثر زرعی علاقہ ہمارا ملکیت ہے۔ لیکن زمین داری کے علاوہ کچھ سائیڈ بزنس بھی ہیں' جو میرے بابا جان' چچا جان اور تاؤ جان کے ساتھ مل کر سنبھال رہے ہیں۔ ہم چار بھائی ہیں' بہن کوئی نہیں ہے' میرا نمبر دوسرا ہے۔"

وہ سرسری انداز میں بتا تا جا رہا تھا اور چونکہ وہ نظریں جھکا کر بات کر رہا تھا اور اس کا سارا دھیان بھی ثمینہ کو سوپ پلانے کی طرف تھا۔ اس لیے وہ ان کے چہرے پر پھیلے حیرانی اور کسی قدر بے یقینی کے تاثرات بھانپ ہی نہیں سکا۔ ثمینہ کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ اول جلول حلیے والا اور عاجز مزاج لڑکا کسی رئیس خاندان کا چشم و چراغ ہو سکتا ہے۔

"دادا کا کیا نام بتایا؟" انہوں نے اس کو بات کاٹتے ہوئے پوچھا۔

"جی۔۔۔ دلاور حسین بھٹی۔" جیڈی ان کے لہجے کی تیزی پر حیران ہوا۔

"کیا یہ وہی دلاور حسین بھٹی ہیں جنہیں سن پینسٹھ کی جنگ میں بہادری سے لڑنے پر فوجی اعزاز سے نوازا گیا تھا؟"

"جی ہاں۔۔۔ میرے دادا جان کو فوجی اعزاز تو ملا تھا۔" جیڈی کو خوش گوار سی حیرت ہوئی۔ "لیکن کیا آپ میرے دادا جان کو جانتی ہیں؟" اس نے استفہامیہ انداز میں ان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

ثمینہ اس سوال پر گڑبڑا گئیں۔

"میں نے اپنے فادر سے ان کا بہت ذکر سن رکھا ہے۔" ثمینہ نے فوراً "بات سنبھالی۔ "وہ ان کی بہادری کی بہت تعریف کرتے تھے۔ تمہاری فیملی میں اور بھی کوئی آرمی میں ہے؟" انہوں نے کمال خوب صورتی سے بات ٹال دی تھی۔

"جی نہیں' اور کوئی نہیں ہے۔ میرے بڑے بھائی کو شوق تھا کہ وہ آرمی جوائن کرے' مگر دادی جان کو یہ فیلڈ پسند نہیں ہے۔ انہوں نے اجازت نہیں دی تو بھائی نے خیال ہی دل سے نکال دیا۔"

وہ سرسری انداز میں مگر تفصیل سے بتانے لگا۔ تب ہی نیم وا دروازے کو دھکیل کر فیضان نے اندر جھانکا۔ ثمینہ کا چہرہ نظر آتے ہی انہوں نے سکون کی سانس بھرتے ہوئے دروازہ پورا کھول دیا۔ ان کے عقب میں ماہ وش تھی۔

"ممی!" وہ لپک کر آئی اور ان سے لپٹ کر رونے لگی۔ ثمینہ نے دوسرے بازو سے اسے خوب لپٹا کر پیار کیا۔ پریشان وہ بھی تھیں' مگر ماہ وش کی طرح حواس باختہ نہیں ہوئی تھیں۔

فیضان' جیڈی کی طرف متوجہ تھے۔

"آپ؟" انہوں نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"میں جیڈی' میرا مطلب ہے میں جلال الدین ہوں' میں نے ہی آپ کو فون کیا تھا۔"

جیڈی نے فیضان سے ہاتھ ملاتے ہوئے اپنا تعارف کروایا تھا۔

"سو نائس آف یو جلال صاحب! آپ نے بڑی مدد کی۔" ساری صورت حال معلوم ہونے کے بعد فیضان نے تشکر آمیز انداز میں کہا تھا۔

جیڈی سادگی سے مسکرا دیا۔

"شرمندہ نہ کریں' انسانیت کے ناتے اتنا تو میرا فرض بنتا تھا۔ بہرحال آپ میں آپ کو ڈاکٹر سے ملوا دیتا ہوں اور کچھ اسپتال کی فارملٹیز پوری کرنا ہوتی ہیں' وہ بھی کر لیتے ہیں۔" فیضان کے اثبات میں سر ہلانے پر اس نے ثمینہ کی طرف دیکھا۔ ماہ وش ابھی بھی ان سے لپٹی ہوئی تھی۔ لیکن اس کا چہرہ صاف دکھائی دے رہا تھا' جیڈی کے ذہن پر پہچان کی برق چمکی' اس کی نظریں تیزی سے ماہ وش کے پیروں کی طرف گئی تھیں۔

www.pkdigest.com

ساتھ ہی اسے ماوی کا جارحانہ انداز یاد آگیا۔ خدشہ گزرا کہیں وہ پھر سے جھگڑا شروع نہ کردے۔ یہی مناسب تھا کہ جلد از جلد یہاں سے کھسک لیا جائے۔

"اوکے آنٹی! ٹیک کیئر آف یور سیلف۔ میں چلتا ہوں۔" اس نے ثمینہ سے کہا۔ تب ثمینہ نے ماوی سے توجہ ہٹا کر اس کی طرف یوں دیکھا جیسے اسے بھول ہی گئی ہوں' پھر مسکرائیں۔

"ٹھیک ہے بیٹے! لیکن دوبارہ ضرور آیئے گا مجھے خوشی ہوگی۔" جبلی نے سعادت مندی سے سر ہلایا اور خدا حافظ کہہ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔ فیضان نے باہر جانے سے پہلے ماوی کو کندھوں سے پکڑ کر ثمینہ سے الگ کردیا اور ڈپٹنے والے انداز میں بولے۔

"آپا! کا ایک بازو پہلے ہی ٹوٹا ہوا ہے' دوسرے سے تم لنگ کرا سے بھی نہ توڑ دینا۔" وہ کمرے کا دروازہ بند کر کے چلے گئے۔

"بس بھی کرو ماوی! اور کتنا روؤ گی۔" ثمینہ نے ایک ہاتھ سے اس کے بال چہرے سے ہٹاتے ہوئے پیار سے کہا تھا۔

ماوی کے آنسو تھمتے تھمتے اور شدت سے بہنے لگے۔

"یہ کیا ہوگیا ممی! آپ کو کتنی چوٹیں آئی ہیں۔" اس نے سسکتے ہوئے کہا۔

"جو قسمت میں ہو' وہ مل کر رہتا ہے۔ چاہے کوئی زخم ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن تم بالکل بے فکر رہو' میں اب بالکل ٹھیک ہوں۔" ثمینہ نے رسان سے کہا۔ "اور تم نے اپنی حالت کیا بنائی ہوئی ہے۔ کپڑے لگتا ہے کئی دن سے نہیں بدلے۔ کس قدر سلوٹیں پڑی ہوئی ہیں اور بال' لگتا ہے ساری زندگی برش نہیں کیے اور آنکھوں کا حشر دیکھو۔"

"میری ممی تین دن سے لاپتا تھیں۔ آپ کے خیال میں ایسی پوزیشن میں مجھے سولہ سنگھار کر کے بیٹھنا چاہیے تھا؟" اس نے خفگی سے کہا۔

"ارے میری تو حسرت ہی رہے گی کہ میری بیٹی کبھی مجھے سولہ سنگھار کر کے دکھائے۔ تمہیں تو یہ ساری چیزیں آؤٹ ڈیٹڈ لگتی ہیں اور صرف تم ہی کیوں' آج کل کی ساری لڑکیاں ایسی ہی ہیں۔ سولہ سنگھار' تو بھئی ہمارے زمانے میں ہی ہوا کرتے تھے۔" ثمینہ نے کہا۔

"اب آپ اپنے زمانے کے قصے لے کر مت بیٹھ جایئے۔" ماوی چڑ کر بولی۔ "مجھے بتائیں ایکسیڈنٹ کیسے ہوا؟"

"کس قدر احمقانہ سوال ہے بیٹی! ایکسیڈنٹ ویسے ہی ہوا جیسے عموماً ایکسیڈنٹ ہوا کرتے ہیں۔" ثمینہ کی حس مزاح خوب چمک رہی تھی۔

"میں نے آپ سے کہا تھا نا! آپ اکیلے گھر سے باہر مت جایئے گا' میں خود آپ کو لے جاؤں گی۔" اس کی ناراضی عود کر آئی۔

"ایکسیڈنٹ تو تب بھی ہو سکتا تھا۔" ثمینہ زور دے کر بولیں۔

"لیکن۔۔۔" اس نے کچھ کہنا چاہا' مگر ثمینہ نے روک دیا۔

"بس۔۔۔ اب اور کوئی بات نہیں ہوگی۔ جو ہونا تھا ہوگیا۔ میں زندہ ہوں' یہ بھی اللہ کا کرم ہے۔" انہوں نے بات ہی ختم کردی۔

ماوی انہیں دیکھتی رہی' اس کی نم آنکھوں میں تیزی سے پانی جمع ہو رہا تھا۔ پھر وہ جذباتی پن سے ان سے لپٹ گئی۔

"آپ کو کچھ ہو جاتا تو میرا کیا ہونا تھا۔ ابو کے بعد آپ کو کھونے کا حوصلہ نہیں ہے مجھ میں ممی!" وہ دل میں کہہ رہی تھی۔

جس وقت فیضان واپس آئے' رونے دھونے کا سین ہنوز جاری تھا اور بقول ان کے ماوی' ثمینہ آپا کے کندھے سے لگی ہوئی تھی۔

"بس بھی کرو ماوی! کیوں رو دھو کر آپا کو پریشان کر رہی ہو اور آپا! آپ کا بھی جواب نہیں۔ کیا ضرورت تھی بس کو اتنی زور سے ٹکر مارنے کی۔ جلال صاحب بتا رہے تھے بے چاری بس کا سامنے والا حصہ تو بالکل ڈینج ہوگیا۔" فیضان کی سنجیدگی' ان دونوں کی آنکھوں میں نمی سمیت ہنسی آئی۔

☼ ☼ ☼

تین روز بعد ثمینہ کو ڈسچارج کردیا گیا۔ بازو کا پلاستر نہیں کھلا تھا۔ لیکن ڈاکٹر نے انہیں گھر جانے کی اجازت دے دی تھی۔ اس دوران انیبا اور ثروت دو بار ان کی عیادت کے لیے اسپتال آئیں' لیکن ثمینہ کو ثروت سے بات کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔

جلال کے دوبارہ نہ آنے پر بھی انہیں افسوس ہوا۔ رہ رہ کر یہی سوچتیں اس کا کانٹیکٹ نمبر یا ایڈریس ہی لے لیا ہوتا۔ جس روز وہ اسپتال سے گھر آئیں' اسی شام ثروت اور انیبا ان کی خیریت معلوم کرنے آگئیں۔ تب انہیں ثروت سے معذرت کرنے کا موقع مل گیا۔

"میں بہت شرمندہ ہوں ثروت! بھری محفل میں بیٹھ کر مجھے اس طرح سے بات نہیں کرنا چاہیے تھی۔" جب چوتھی مرتبہ انہوں نے یہی بات دہرائی تب ثروت جاوید سے ہنس دیں۔

"آپ کیوں شرمندہ ہو رہی ہیں' جو ہونا تھا ہو چکا۔"

"نہیں۔۔۔ مجھے سوچ سمجھ کر طریقے سے بات کرنا چاہیے تھی۔ لیکن دراصل آپ کا چہرہ مجھے اس قدر اچانک یاد آیا کہ میں صورت حال کی نزاکت کو بھانپ ہی نہیں سکی۔" انیبا اور ماوی کچن میں تھیں' جبکہ وہ دونوں آہستہ آہستہ باتیں کر رہی تھیں۔

"ثمینہ! آپ کی طبیعت پہلے ہی ٹھیک نہیں ہے۔ سوچ سوچ کر خود کو ہلکان نہ کریں۔ اس وقت جو ہونا تھا ہو چکا' آپ شرمندہ ہو کے یا معذرت کر کے اس وقت کو واپس نہیں لا سکتیں' اس لیے پلیز ریلیکس رہیں۔"

ثروت کا نرم اور دوستانہ لہجہ ایک مرہم دل پر اثر کرتا تھا' ثمینہ قدرے مطمئن ہوئیں۔

"آپ بہت اعلا ظرف ہیں ثروت! شاید آپ کی جگہ میں ہوتی تو خاصا برا مانتی' کیونکہ میرا نہیں خیال میرے شوہر' دانیال صاحب کی طرح بیوی کے سابقہ شوہر کا حوالہ برداشت کرتے۔ ماشاء اللہ۔۔۔ آپ خوش قسمت بھی بہت ہیں کہ آپ کو بہت کمپرومائزنگ اور انڈر اسٹینڈنگ ہزبینڈ ملے ہیں۔" ایک اندازہ ثمینہ نے خود بخود لگا لیا تھا۔

ثروت بے چاری اندر ہی اندر خود پر ہنس کر رہ گئیں۔ دل کے حلقے میں ایک سوئی تھی' جس کا کنارہ مستقل چبھتا تھا۔

"اگر آپ کو برا نہ لگے تو کیا میں ایک سوال پوچھ سکتی ہوں؟" معاً ثمینہ کو کچھ خیال آیا تو پوچھ لیا۔

"جی پوچھیے۔" ثروت ہمہ تن گوش ہوئیں۔

www.pkdigest.com

"جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے آپ اور مستقیم بھئی تو بہت خوش تھے' ایک دوسرے کے ساتھ' غالباً" پسند کی شادی ہوئی تھی آپ کی۔ حویلی میں کئی بار ذکر سنا تھا میں نے' تو پھر یہ سب' میرا مطلب ہے دانیال حسن کیسے آگئے آپ دونوں کے درمیان؟" ثمینہ جھجکتے ہوئے دل کے اندر اٹھتے ڈوبتے سوالوں کو زبان دے رہی تھیں۔

"پتا نہیں' کون آگیا تھا' کس کے درمیان؟" ثروت نے بوجھل دل کے ساتھ سوچا' پھر گہری سانس بھر کر ثمینہ کے سوالوں کا جواب دینے لگیں۔

"میرے اور مستقیم کے بیچ کچھ اختلافات تھے' جن کی وجہ سے اس نے مجھے طلاق دے دی تھی۔ دانیال میرے خالہ زاد تھے۔ طلاق کے بعد ان سے شادی ہوگئی۔ یہ ایسا راز ہے ہماری زندگی کا جس سے بہت کم لوگ واقف ہیں۔" ثروت بنا رُکے بتاتی چلی گئیں۔

"اوہ۔" ثمینہ کو پھر شرمساری نے گھیرا۔

"پھر تو توقیر اور منیزہ بھی لاعلم ہوں گے۔"

"پتا نہیں۔ ممکن ہے' میرے سامنے تو کبھی بات نہیں ہوئی۔ لیکن توقیر بھائی' دانیال کے بہت کلوز فرینڈ ہیں۔ شاید دانیال نے ذکر کر رکھا ہو۔" تب ہی مادی اور انیبا سرونگ ٹرالی گھسیٹتی اندر آگئیں۔

"کس کا ذکر خیر ہو رہا ہے بھئی۔" انیبا نے پوچھا۔

ثمینہ اور ثروت چونک سی گئیں۔

"کچھ خاص نہیں' میں ثروت کو بتا رہی تھی کہ جیسے ہی مادی کا ریسرچ ورک مکمل ہوگا' ہم واپس آسٹریلیا چلے جائیں گے۔" ثمینہ نے خجل سے جھوٹ بول دیا تھا۔

"ریسرچ ورک کو تو اب آپ رہنے ہی دیں۔" مادی نے چائے سرو کرتے ہوئے قطعیت سے کہا۔ "مجھے نہیں رہنا پاکستان میں۔ بس آپ کا پلاسٹر اتر جائے ہم واپس چلے جائیں گے۔"

"ارے۔ اتنی جلدی کیوں بھئی۔" ثروت نے پوچھا۔

"آپ کو نہیں پتا آنٹی! ممی تو پہلے ہی پاکستان نہیں آنا چاہتی تھیں' میں نے ہی ضد کر کے انہیں آنے پر مجبور کیا۔ لیکن اب مجھے لگ رہا ہے' انہیں نہیں آنا چاہیے تھا۔ یہ ملک' یہ شہر ہمیں راس نہیں آرہا۔ پہلے ممی کی طبیعت کتنی خراب رہی اور اب یہ اتنا شدید ایکسیڈنٹ۔ مزید یہاں رُکے تو اور پتا نہیں کیا ہوگا۔ اسی لیے میں نے سوچ لیا ہے جیسے ہی ممی کی طبیعت سنبھلے گی اور یہ سفر کر سکیں ہم واپس چلے جائیں گے۔"

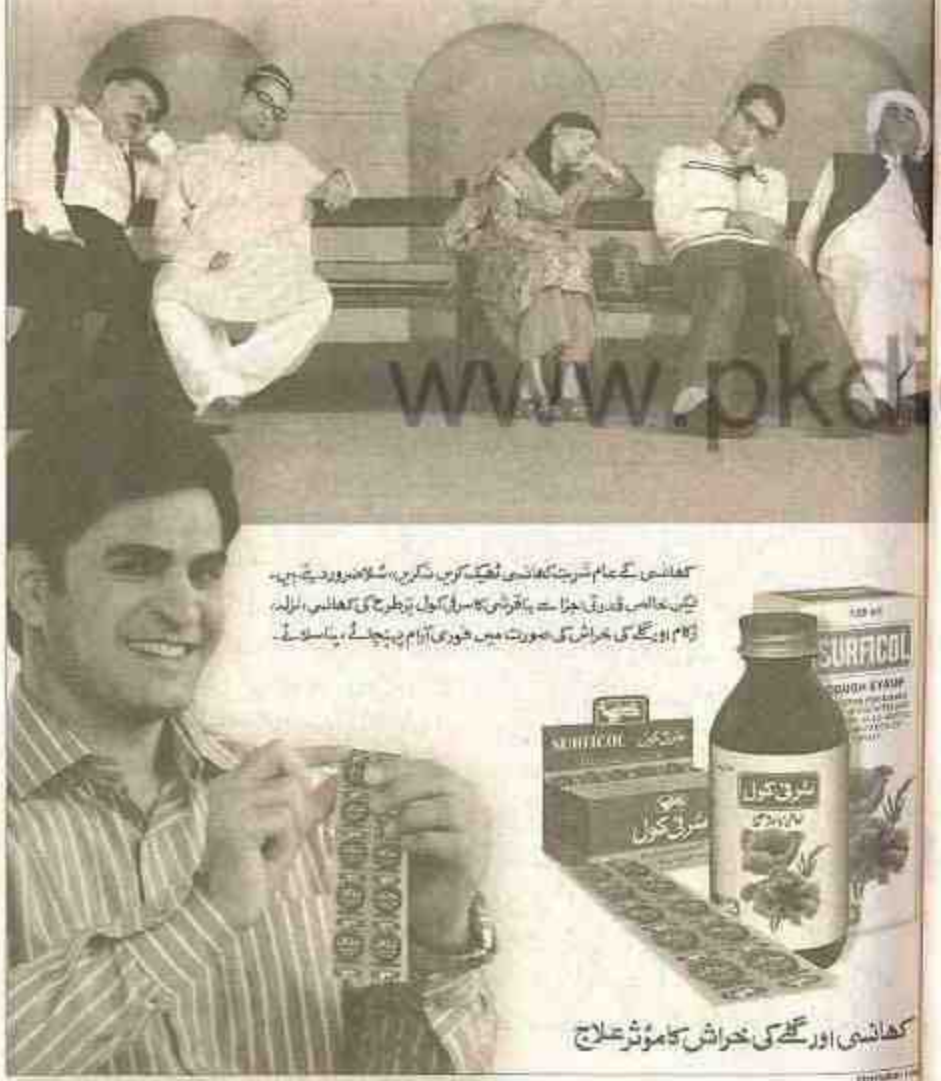
مادی نے کہا۔ اس کا چہرہ ابھی بھی مانند پڑا ہوا تھا اور ایسا لگتا تھا جیسے وہ کچھ تھکان چھپی ہو۔

ثمینہ نے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔

"ہاں۔ ہم چلے جائیں گے۔" انہوں نے آہستگی سے کہا اور کار نر ٹیبل پر رکھے گلدان کو دیکھنے لگیں۔ ان کے چہرے پر کسی سوچ کی گہری پرچھائیاں تھیں۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

www.pkdigest.com
PDF
FIAZ AHMED
Friends Korner.com

سُرفی کول
کھانسی بھگائے۔ بِناسُلائے


کھانسی کے عام شربت کھانسی ٹھیک کریں نہ کریں، سُلا ضرور دیتے ہیں۔ لیکن خالص قدرتی جڑی بوٹیوں سے بنا قرشی کا سرفی کول بڑی طرح کی کھانسی، نزلہ، زکام اور گلے کی خراش کی صورت میں فوری آرام پہنچائے، بناسلائے۔
کھانسی اور گلے کی خراش کا مؤثر علاج



digestpk.blogspot.com

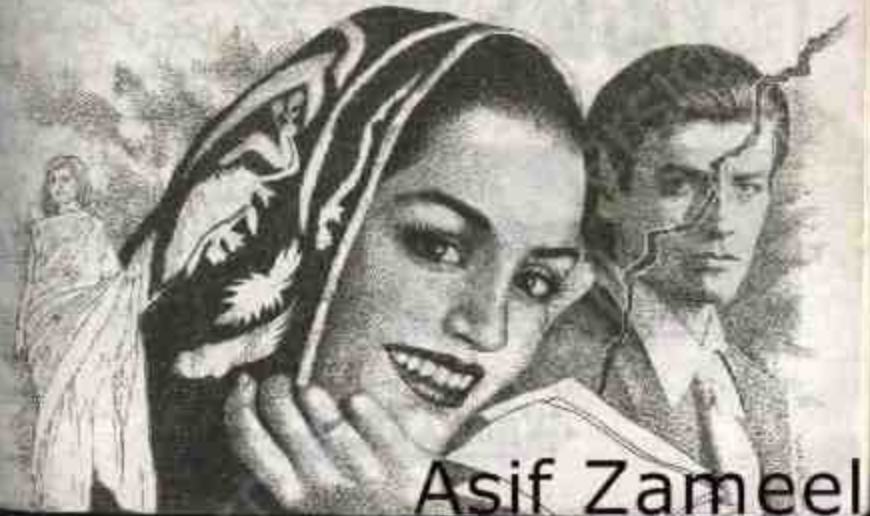
اصنم رگاپی

سلام محبت

دین محمد مٹی سے محبت کرنے والا جفاکش مرد ہے۔ دھرتی کو اپنے خون جگر سے سونا اُگلنے کے قابل بنانا اس کا پیشہ ہے اس کی پوری زندگی محنت سے عبارت ہے جو وہ اپنے چھ مربعہ زمین پر صرف کرتا ہے۔ شادی کو آٹھ سال کا عرصہ گزر چکا ہے اپنے چھوٹے سے گھر میں وہ بیوی زہرہ اور ماں کے ساتھ رہتا ہے۔ زہرہ چھ مُردہ بچوں کو جنم دے کر ایک مرتبہ پھر امید سے ہے۔ دین محمد کا رواں رواں اولاد کی خوشی خبری پانے کے لیے مجسم دعا بن چکا ہے۔ اس کی دعائیں مستجاب ٹھہرتی ہیں اور اس کے یہاں ایک خوبصورت بچی جنم لیتی ہے۔ اسے وہ اپنی جنت کے نام سے مخاطب کرتا ہے۔

جلال الدین کے روز و شب نوکری کی چکی میں پستے گزر رہے ہیں۔ اس نوکری کے دوران اسے آرام کرنے کا موقع بھی کم ملتا ہے۔ بہتر مستقبل کا خواب اسے متحرک رکھتا ہے۔ تنہائی میں کسی کی محبت کا جگنو اس کی دُنیا آباد رکھتا ہے۔ ہوم سک اس کی یادیں اسے بے چین رکھتی ہیں۔ دن بھر کا تھکا ہارا وہ آرام کرنے لیٹتا ہے تو پولیس اسٹیشن سے اطلاع ملتی ہے جنت نیلی حراست میں ہے۔ جس کا دعویٰ ہے کہ اس نے اپنے شوہر کا قتل کیا ہے۔ جلال الدین اپنے وکیل دوست مسعود کے ساتھ بھاگم بھاگ پولیس اسٹیشن پہنچتا ہے اور ثبوت دیکھتا ہے کہ جنت بی بی ٹیچرز ٹریننگ کی مریض ہے جس کی ٹرانسفر ابھی ہوئی تک نہیں۔ جنت کی حالت جلال الدین کو اعصابی تھکن کا شکار کرنے لگتی ہے جسے اس نے نوکر دل کے سہارے طیور آگم میں رکھ چھوڑا ہے۔

ثمینہ 14 سال بعد اپنی بیٹی ہادی کے ساتھ آئرلینڈ سے پاکستان آئی ہیں تو انہیں توقیر صاحب کے [illegible] تلاشنے میں بہت وقت لگتا ہے۔ وہ فیض کے دوست توقیر صاحب کے توسط سے [illegible] مسلمان اور مہذب خاتون ہیں۔ ولی، ولید اور ایمان ان کے بچے ہیں۔ [illegible] ثبیہ العباس طبیعتاً سخت گیر اور غصہ ور نوجوان [illegible] جبر ضروری سمجھتا ہے۔ وہ بھی زادِ تنوی سے منسوب ہے۔ تنوی اس کی تند خوئی سے نالاں ہے۔ ثبیہ، تنوی کو کالج چھوڑنے آتا ہے تو ہیلپ ما



Asif Zameel

علیزہ اور عنزہ، تنوی کے سر ہو جاتی ہیں۔ یہ جان کر کہ شہبہ، تنوی کا سسٹر ہے۔ وہ اس کی قسمت پر رشک کرتی ہیں۔ تنوی دونوں سے گزارش کرتی ہے کہ عروج کو اس کی بات کا علم نہ ہو۔

شہینہ بیگم، ثروت دانیال کی اولاد ہے جسے انہیں دانیال جن سے شادی سے پہلے چھوڑنا پڑا۔ بچپن کی محرومی نے اسے بدمزاج اور غصیلا بنا دیا۔ وہ انیا اور ولید سے بہت ترشی سے پیش آتا ہے۔ وہ ان سے بحیثیت بہن بھائی قلبی تعلقات محسوس نہیں کرتا۔ انیا اس کی محرومی دل سے محسوس کرتی ہے۔ انیا پر بری نظر ڈالنے پر وہ جے ڈی کے دوست سعدی کو پیٹ ڈالتا ہے۔ صرف جے ڈی اس کی کیفیات سمجھتا ہے۔

بیمار پڑنے پر بیگم دانیال، ثمینہ کی اچھی طرح دیکھ بھال کرتی ہے تو ثمینہ ان کے اخلاق سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتی۔ انہیں بیگم دانیال کو دیکھ کر لگتا ہے کہ وہ پہلے ان سے مل چکی ہیں۔

بچوں کی لڑائی میں جنت کو چوٹ لگتی ہے تو دین محمد اپنی بہن زبیدہ کے بیٹے فاروق کا طلیہ بگاڑ دیتا ہے۔ ساتھ ہی زبیدہ بہن اور رفیق بھائی سے قطع تعلق کر لیتا ہے۔ زہرہ اس کی جنت سے طوفانی محبت سے خوف زدہ ہے۔ دین محمد، زہرہ کو باور کرواتا ہے کہ وہ جنت کو بیاہ کر دوسرے گھر نہیں بھیجے گا بلکہ اس کے شوہر کو گھر داماد بنائے گا۔ اتفاقاً ماوی کا ٹکراؤ شہبہ سے ہوتا ہے جس سے ماوی کا ہیرو زخمی ہو جاتا ہے۔ اپنی غلطی کے باوجود جھنجلاہٹ میں شہبہ ماوی کو بری طرح سے ڈانٹتا ہے تو ماوی اس کی طبیعت صاف کر دیتی ہے۔ ثمینہ سے وہ اس واقعے کا ذکر نہیں کرتی۔

(اب آگے پڑھیے)

۹

نویں قسط

پھر پلان کے مطابق وحید نے جیدی کو فون کیا اور ایکسیڈنٹ کے باعث اپنی خراب حالت کی ایسی تصویر کشی کی کہ جیدی کی معصوم روح تڑپ اٹھی۔

"تم... تم کس اسپتال میں ہو وحید! مجھے بتاؤ میں رقم لے کر پہنچ جاتا ہوں۔" جیدی نے جذباتی ہو کر کہا۔ وحید اسپتال کے بیڈ پر اطمینان سے لیٹا پین بلا رہا تھا' بری طرح گھبرا گیا۔

"نہیں' جیدی' میرے بھائی' میرے دوست میں خطرے میں ہوں۔ میری حالت... میرے ہاتھ کلائی سے الگ ہو کر تقریباً لٹک رہا ہے' دائیں ٹانگ کی ہڈیاں... ٹوٹ کر... ہیں۔ جب تک پیسے جمع نہیں کرواؤ گے ٹریٹمنٹ شروع نہیں کیا جائے گا' جیدی میرے... اداکاری میں حقیقت کے رنگ بھرنے کے لیے روہانسا ہی پڑا۔

"رو مت وحید!" جیدی نے گلوگیر لہجے میں کہا تھا۔

"جیدی! میں نہیں چاہتا تم مجھے اس خراب حالت میں دیکھو' نبیل کو بھیج رہا ہوں' معافی کر کے میں ہزار روپے اسے دے دو' تمہارا احسان' زندہ رہا تو ساری زندگی یاد رکھوں گا۔"

پھر فون بند کر کے وہ دونوں خوب ہنسے۔

"تم نے ٹھیک کہا تھا نبیل! جیدی کو بے وقوف بنانا تو بہت ہی آسان ہے۔"

"جب تک رقم ہاتھ نہیں آجاتی' کچھ کہا نہیں جا سکتا۔" نبیل نے کہا۔ اور وہ اپنی پلاننگ کی کامیابی کے بارے میں بات کرنے لگے۔

دوسری طرف جیدی' وحید کے ایکسیڈنٹ کا سن کر پریشان بیٹھا تھا' اس کا بس نہ چلتا تھا اڑ کر وحید کے پاس پہنچ جائے۔ جس وقت نبیل پیسے لینے آیا اس نے نبیل سے بھی گزارش کی کہ اسے وحید کے پاس لے چلے۔ میں وحید کی بات سے انکار نہیں کر سکتا جیدی! تمہیں اس کی حالت کا اندازہ نہیں ہے۔ اس قدر زخمی ہو چکا ہے کہ

سمجھو آخری سانسیں ہی چل رہی ہیں۔" نبیل تو وحید سے بھی بڑا ایکٹر تھا اور چونکہ اس سارے ڈرامے کا ڈائریکٹر بھی وہی تھا' اس لیے اس کی اداکاری وحید سے بہتر تھی۔

"ایسے تو مت کہو۔" جیدی نے سراسیمگی سے کہا۔

"خدانخواستہ اسے کچھ ہو گیا تو آخری خواہش پوری نہ کرنے پر میں خود کو معاف نہیں کر سکوں گا جیدی! اس نے مجھے تاکید کی ہے جیدی کو اسپتال مت آنے دینا۔ اس کا دل بہت کمزور ہے' پھر اپنے دوستوں سے اسے محبت بھی بہت ہے' ایسا نہ ہو میری حالت دیکھ کر جیدی کو کچھ ہو جائے' تم واقعی وحید پر احسان کرو جیدی! میں ہزار اسے دو ہزار روپے لے کر جاؤں گا تو ہی ڈاکٹر ٹریٹمنٹ شروع کریں گے۔"

"کیا مطلب... وحید کی اتنی سیریس حالت کے باوجود ڈاکٹرز نے ٹریٹمنٹ شروع نہیں کیا؟"

"جب تک رقم جمع نہ کروائی جائے علاج کیوں شروع کریں گے؟ تمہیں نہیں پتا آج کل کے ڈاکٹرز کا۔"

"مجھے اسپتال کا نام پتا بتاؤ میں بات کرتا ہوں۔"

جیدی نے کہا' لیکن نبیل نے اسے قائل کر کے ہی چھوڑا۔

"مجھے فون پر وحید کی حالت کے بارے میں ضرور بتاتے رہنا۔"

رقم لے کر جیدی نے تاکید کے ساتھ نبیل کو رخصت کیا تھا۔

☆ ☆

"اب سیدھے عشناء کے در پر حاضری دینی ہے' کامیابی کی خوشی میں اچھا سا لنچ کروا دو۔" نبیل نے وحید کو مخاطب کیا۔

"لیکن ایک بات ہے وحید! بے شک یہ میرا ہی آئیڈیا تھا' لیکن یہ کچھ زیادہ ہو گیا۔" نبیل نے کسی قدر شرمندگی سے کہا تھا۔

"جیدی کی شکل دیکھنے والی ہو رہی تھی' بہت پریشان ہے تمہارے لیے۔"

"ذرا یہ عشناء منحوس پیچھا چھوڑے' پھر جیدی کو بھی سمجھا لیں گے۔ آخر ہم بھی تو یاروں کے یار ہیں۔" وحید نے فرضی کالر جھاڑتے ہوئے کہا۔ یکبارگی اس کی نظر سامنے پیٹرول پر پڑی جس سے شبیہ اتر رہا تھا۔

"مارے گئے۔" وحید نے سراسیمگی سے کہا' اس دوران نبیل بھی شبیہ کو دیکھ چکا تھا۔

"اگر اس کی نظر ہم پر پڑ گئی تو سمجھو بچ کے مارے گئے۔"

وحید نے بائیک کو کک لگائی۔ نبیل اچھل کر پیچھے سوار ہوا اور بائیک جیسے ہواؤں سے باتیں کرنے لگی۔

☆ ☆ ☆

"میں نے ابھی نبیل اور وحید کو یہاں سے جاتے ہوئے دیکھا' لیکن فلیٹ بالکل صاف ستھرا ہے' کچن میں بھی کسی فرمائشی پروگرام کی نشانیاں نہیں مل رہیں' اور تم بھی پریشان لگ رہے ہو' جیدی! خیریت تو ہے نا؟"

شبیہ اپنے کمرے میں جانے کا ارادہ موقوف کرتے ہوئے اس کے قریب رکا تھا۔ جیدی نے اپنی فکرمند نظریں اس پر ٹکائیں اور نفی میں سر ہلانے لگا۔

"خیریت نہیں ہے شبیہ! وحید' وحید مر رہا ہے۔"

"روتو ہر دوسرے تیسرے دن کسی نہ کسی پہ مر رہا ہوتا ہے' اس میں اتنی پریشانی کی کیا بات ہے' اب کس پہ مرا

digestpk.blogspot.com
Asif Zameel

ہے؟" جلدی نے جھنجلا کر اسے دیکھا۔

"مذاق کی بھی ایک حد ہوتی ہے شبیہ! وحید کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے اور۔" جلدی اسے تفصیلات بتانے لگا شبیہ جیسے جیسے سنتا جا رہا تھا اس کے چہرے کے عضلات تن رہے تھے۔

"ڈونٹ ٹیل می جلدی! کہ تم نے وحید کو بیس ہزار روپے بھجوائے ہیں؟"

"وحید مشکل میں ہے شبیہ! ایسے میں کیا میں دوست ہو کر تھوڑی سی مدد بھی نہیں کر سکتا تھا۔" جلدی نے ناراضی سے کہا۔

"پہلی بات تو یہ ہے کہ تھوڑی سی مدد" نہیں ہوتی دوسری بات یہ کہ تمہیں بہت بہت مبارک ہو کیونکہ اس بار بھی تمہارے دوست تمہیں بدھو بنا گئے ہیں' میں نے اپنی ان گناہ گار آنکھوں سے نیل اور وحید کو بائیک پر سوار ہو کے یہاں سے جاتے دیکھا ہے۔ اگر وحید واقعی اتنا زخمی ہوا ہے تو یہاں تک بائیک پر کیسے آیا؟" شبیہ نے کچا چبانے والے انداز میں کہا تھا۔

جلدی چند لمحے تذبذب کی کیفیت میں کچھ بول ہی نہیں سکا۔

"تمہیں غلط فہمی ہوئی ہوگی شبیہ!" اس نے کمزور سے لہجے میں کہا۔

"غلط فہمی کیسے ہو سکتی ہے؟ میں بتا تو رہا ہوں میں نے دیکھا ہے میری شکل دیکھ کر دونوں جس طرح ہمارے سمجھ تو مجھے پہلے ہی لینا چاہیے تھا کہ گڑبڑ ہے۔ حد ہو گئی جلدی! تمہیں عقل کب آئے گی ہمیشہ اپنے دوستوں پر بھروسہ کرتے ہو ہمیشہ دھوکہ کھاتے ہو اتنی مرتبہ تو کوئی بے وقوف بھی دھوکہ کھائے تو محتاط ہو جائے گا۔" شبیہ نے اچھی خاصی جھاڑ پلا دی۔ جلدی سر جھکائے بیٹھا تھا۔ اسے شبیہ کی باتیں درست بھی لگ رہی تھیں اور نہیں بھی۔ بظاہر وحید پر بھی تو شک کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں تھی سوائے اس کے سابقہ ریکارڈ کے۔

"مجھے ایک بات سمجھ نہیں آ رہی شبیہ!" اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔ "وحید مجھے دھوکہ کیوں دے گا؟"

"کیونکہ تمہارے سارے دوست دھوکہ باز اور فراڈ ہیں۔" شبیہ نے جل کر کہا۔

"ایسے مت کہو' کسی ایک کی خاطر سب کو قصوروار ٹھہرانا کہاں کا انصاف ہے۔"

"تم بیٹھ کر انصاف کرو' میں تو تمہارا یہ تازہ کارنامہ ماموں کو بتاؤں گا ہوں بے وقوفی بھائی ہے وہی تمہیں سمجھائیں گی۔" شبیہ نے دھمکانے والے انداز میں کہا تھا۔

"پلیز۔ پلیز شبیہ! داؤد کو مت بتاؤ۔ میں وعدہ کرتا ہوں اگلی بار کسی کی مدد نہیں کروں گا' چاہے کوئی میری آنکھوں کے سامنے تڑپ تڑپ کر مری کیوں نہ جائے۔" وہ بے چارا تو بری طرح گھبرا گیا تھا۔

"ویسے بھی شبیہ! خدا نے ہم پر اتنا کرم رکھا ہے۔ اگر تھوڑا سا پیسہ ہم کسی غریب کو دے بھی دیتے ہیں تو۔"

"پھر وہی بات۔ تم کس قدر الٹی کھوپڑی کے مالک ہو جلدی! انسان دھوکہ کھا کر سنبھلتا ہے' دھوکہ دینے والے کو اور اپنی غلطی کو جسٹی فائی نہیں کرتا۔"

"اچھا نا۔ ہو گئی غلطی' میں وعدہ کر رہا ہوں دوبارہ ایسا کچھ نہیں ہوگا' پلیز تم داؤد کو مت بتاؤ' اگر غصے میں آ کر انہوں نے میرا اکاؤنٹ فریز کروا دیا تو میرے اخراجات کیسے پورے ہوں گے۔"

"پھر وحید سے یہ ہی بیس ہزار واپس مانگ لیتا۔ اگر اس نے تمہارا خیال کر لیا' جس کے بارے میں مجھے یقین ہے وہ ہرگز نہیں کرے گا۔ تو تمہارے کچھ دن تو آرام سے گزر ہی جائیں گے۔" وہ طنز کرنے سے باز نہیں آیا تھا۔

"شبیہ!" جلدی نے منت بھرے انداز میں کہا اور تقریباً اس کے آگے ہاتھ ہی جوڑ دیے۔

"میں صرف اس بار تمہاری بات مان رہا ہوں۔" شبیہ نے اس پر ترس کھاتے ہوئے کہا۔ "بیس ہزار کی تو خیر

تم فکر ہی نہ کرو' وحید کے حلق سے نکلوا لوں گا میں اور تم۔ تمہیں تو میں وارن کر رہا ہوں دوبارہ مجھے پتا چلا کہ تم نے اپنے کسی سو کالڈ فرینڈ پر بھروسہ کر کے نقصان اٹھایا ہے تو پھر میں تم کو سمجھ لوں گا' داؤد جو تمہاری خیر لیں گی وہ الگ۔" شبیہ دھمکی دیتا اندر چلا گیا' جلدی نے اپنا سر ہاتھوں میں گرا لیا۔ اسے دکھ بھی ہو رہا تھا اور شرمندگی بھی۔

"اس کی نوبت ہی نہیں آئے گی' میں واقعی اب کسی کی مدد نہیں کروں گا' میں کسی کی بات کا بھروسہ نہیں کروں گا' چاہے کوئی میری منتیں ہی کیوں نہ کر لے' اور اگر کوئی میرے سامنے مر بھی رہا ہو گا تو مدد نہیں کروں گا۔" اس نے خود سے تہیہ کیا اور گرنے کے سے انداز میں صوفے پر لیٹ کر کشن چہرے پر رکھ لیا تھا۔

اور عین اس وقت جب جلال الدین کسی کی مدد کرنے کا تہیہ کر رہا تھا۔ اسے بے ساختہ ثمینہ یاد آئی تھیں' اس کا دل چاہا شبیہ کو ان کے بارے میں بتائے' لیکن اس صورت میں مزید جھاڑ پڑنے کا خدشہ تھا۔ اس لیے دل کی بات دل میں رکھ کر اپنے بے وقوف بنائے جانے کا غم مناتا رہا۔

☆ ☆ ☆

فیضان دروازے پر ہلکی سی دستک دے کر اندر داخل ہوئے تھے۔

"اب کیسی طبیعت ہے آپا؟"

انہوں نے کرسی بیڈ کے قریب رکھتے ہوئے پوچھا' ثمینہ لیٹی ہوئی تھیں۔ چہرے پر بھرپور نیند کا تاثر اور ہلکی سی نمی محسوس ہو رہی تھی' ابھی تک وہ سو رہی تھیں۔ ثمینہ نے نظروں ہی نظروں میں بھائی کی بلائیں لے ڈالیں۔

"اب تو بہت بہتر ہوں' بس گھٹنے میں کھنچاؤ بہت محسوس ہوتا ہے' آج چیک اپ کے لیے جائیں گے تو ڈاکٹر سے پتا چلے گا' ابھی یہ پلاسٹر اتروانے میں تھک گئی اتنی لمبی بیماری سے۔ اور تم اتنی دیر سے کیوں اٹھے ہو طبیعت تو ٹھیک ہے؟" انہوں نے فیضان کی پیشانی چھو کر گویا تصدیق کر لیا تھا۔

"رات کچھ کام کر رہا تھا' سونے میں دیر ہو گئی تھی۔" فیضان نے آنکھیں مسلتے ہوئے جواب دیا۔

"ماما! کافی پئیں گے یا بریک فاسٹ بنا دوں؟" ماوی کوئی کتاب پڑھ رہی تھی۔ اس نے فیضان کو ایک نظر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"نی الحال تو کافی۔" پھر اسے کتاب بند کرتا دیکھ کر بولے۔

"تم بیٹھو میں خود بنا لوں گا۔"

ماوی جانتی تھی' انہیں اپنے ہاتھ کی کافی زیادہ پسند تھی اس لیے اصرار نہیں کیا' بلکہ بولی۔

"پلیز میرے لیے بھی ہاف کپ۔"

"شرم کرو ماوی۔ یہ نہیں کہ خود اٹھ کر کافی بنا دو' اس سے کہہ رہی ہو۔" ثمینہ نے بری طرح اسے جھڑکا تھا' لیکن وہ کندھے اچکا کر بولی۔

"فیضان ماما کو میری بنائی کافی کبھی پسند نہیں آتی۔" اس کی ڈھٹائی پر ثمینہ کو اچھی خاصی تپ چڑھ گئی تھی۔

فیضان بنا کچھ بولے محض مسکراتے ہوئے باہر نکل گئے۔ چند منٹ بعد کافی کے دو مگ ہاتھ میں لیے واپس آئے تو ماوی بولی۔

"تھینک یو ماما! آپ بہت اچھی کافی بناتے ہیں۔ پلیز شہوز کو بھی بنانا سکھا دیں۔"

"ہاں' تاکہ شادی کے بعد یہ محترمہ آرام کریں اور شہوز بے چارہ اسے کافی بنا کر پلائے۔" ثمینہ جل کر

digestpk.blogspot.com
Asif Zameel

"تم تو میرے سکھوے پے کا بام خراب کردگی ماوی۔"
"اس میں میرا کیا قصور؟ میری اماں نے مجھے کچھ سکھایا ہی نہیں۔" وہ شرارت سے ہنسنے لگی۔
"تیور ہیپ کہاں ہے؟" ان دونوں کی بحث سے بے پروا فیضان نے پوچھا۔
"اوہ۔ میں تو باہر سے اٹھانا ہی بھول گئی گیٹ کے پاس ہی پڑا ہوگا۔"
"جاؤ' نامیں کو لا کر دو۔" ثمینہ نے فوراً کہا فیضان ہنس دیے۔
"میں لے لوں گا یا کیوں اس بے چاری کو اخبار دے رہی ہیں۔"
"بس اسی لاڈ نے اسے بگاڑا ہوا ہے۔" انہوں نے جھنجلا کر کہا تھا۔
"آپ کو تو بس مجھ میں خامیاں ہی نظر آتی ہیں۔" جس وقت فیضان دروازہ بند کر رہے تھے انہوں نے ماوی کو کہتے ہوئے سنا تھا۔
اخبار گیٹ کے قریب رکھے گملوں کے پیچھے پڑا تھا۔ فیضان نے احتیاط سے رول کیے ہوئے اخبار کا ربیمنڈ ہٹا کر اسے ایک ہاتھ سے جھاڑ کر سیدھا کیا اور وہیں کھڑے ہو کر شہ سرخیوں پر نظر دوڑانے لگے۔
انہیں وہاں کھڑے چند منٹ گزرے تھے کہ اچانک کچھ گرنے کی زوردار آواز سنائی دی' انہوں نے گردن موڑ کر دیکھا' شازیہ نے اسٹیل واٹر کین گرایا تھا اور اب انیمہ سے جھاڑ سن رہی تھی۔
فیضان کچھ سوچ کر اس طرف آگئے۔ انیمہ نے شازیہ کو اچھی طرح ڈانٹ پھٹکار کر کوئی حکم جاری کیا' وہ خیر مناتی بھاگی' پھر خود کیاری کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی' اور کمر پر دونوں ہاتھ ٹکا کر پودے کو دیکھنے لگی' اس کے جھکے ہوئے چہرے پر بیک وقت پریشانی اور صدمہ دکھائی دے رہا تھا۔
"گڈ مارننگ۔" فیضان نے بلا ارادہ اونچی آواز میں کہا۔ انیمہ اپنی ہی دھن میں تھی۔ اس نے چونک کر انہیں دیکھا۔
"مارننگ۔" وہ سادگی سے مسکرادی' لیکن اس مسکراہٹ میں بھی پریشانی جھلک رہی تھی۔
"خیریت؟ کوئی پریشانی ہے؟" انہوں نے پوچھا۔
"یہ ساری کیاری سوکھ گئی ہے' ایک بھی پودا سلامت نہیں' سارے مرجھا گئے ہیں۔" ہوا سے بکھرتے بالوں کو کان کے پیچھے اڑستے ہوئے اس نے روہانسی ہو کر بتایا تھا۔
فیضان کی نظریں بے ساختہ کیاری تک گئیں' لیکن درمیانی فاصلہ اتنا زیادہ تھا کہ کچھ بھی واضح طور پر دکھائی نہیں دیا' تب انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے انتظار کرنے کے لیے کہا' پھر باڑھ عبور کر کے اس کی طرف آگئے۔
"یہ پکڑو۔" انہوں نے کافی کا مگ اور اخبار انیمہ کو پکڑایا اور خود بچیوں کے مل بیٹھ کر مرجھائے ہوئے پودوں کا جائزہ لینے لگے' انیمہ دلچسپی و فکرمندی سے انہیں کام کرتا دیکھنے لگی۔
فیضان بڑی عرق ریزی سے پودوں کا معائنہ کر رہے تھے' کبھی پتے اٹھا کر دیکھتے' کبھی جڑوں میں جھانکتے۔ ان کے ہاتھ مشاقی سے کام کر رہے تھے' ایسا لگتا تھا جیسے وہ اس کام میں بہت ماہر ہوں۔ ان کے ہاتھ مضبوط اور گندمی تھے۔ وہ بلیک ٹراؤزر اور بلیو شرٹ میں ملبوس تھے' جس کی آستینیں کہنیوں سے کچھ اوپر تھیں۔
پیشانی روشن تھی۔ آنکھوں میں ذہانت و پختگی کی بڑی واضح چمک' انیمہ کو احساس تک نہ ہو سکا' وہ کب پودوں کو چھوڑ کر ان کا جائزہ لینے لگی۔
(سوئے اتفاق بعض واردا تیں انجانے میں بھی ہو جاتی ہیں۔ خصوصاً جن کا تعلق دل سے ہو۔)

"اچھی شکل تو سب ہی کو اچھی لگتی ہے۔
لیکن کسی کی شخصیت میں بڑی کشش ہوتی ہے۔
سنا ہے کوئی دیوتا تھا' اپالو نام تھا اس کا' بڑا حسین تھا' بے پناہ کشش تھی اس کی شخصیت میں۔
لیکن کیا ان سے بھی زیادہ پرکشش ہوگا؟ ان سے بھی زیادہ حسین؟ حسین؟ الاحول ولا۔ کس قدر زنانہ لفظ ہے۔
ان کے لیے تو کوئی اور لفظ ہونا چاہیے۔ جو ان کے شایان شان ہو' جیسے گریس فل۔ شان دار۔ سوبر۔ اور۔ اور اچھا بھی ہوگا کوئی اپالو' بڑا حسین' بے حد شان دار' ہمیں کیا۔ ہمیں تو یہ ہی پسند ہیں۔"
اپنی ہی سوچوں میں الجھی وہ اس بری طرح سے گزبڑائی کہ ہاتھ سے مگ ہی چھوٹ گیا۔ فیضان نے چونک کر اسے دیکھا۔ کافی ضائع ہو گئی' لیکن گھاس کی تنکوں سے بچاؤ ہونے کی وجہ سے مگ ٹوٹنے سے بچ گیا تھا۔
انیمہ اتنی بری طرح سے شرمندہ نظر آرہی تھی کہ حد نہیں۔
"آئی ایم سوری۔ میں آپ کے لیے اور کافی بنا دوں؟"
"اٹس اوکے' اپنے پلانٹس کے لیے اتنا بھی پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" فیضان نے دوستانہ مسکراہٹ سے اس کے گھبراہٹ زدہ چہرے کو دیکھا۔ وہ اس کی گھبراہٹ کو پریشانی پر محمول کر رہے تھے۔
"نہیں کیڑا لگ گیا ہے' گھر میں اگر نیلا تھوتھا تھا تو میں نے آپ کو بتایا تھا' وہ ڈھونڈ کر گئی اور نیلا تھوتھا لے آئی۔
"پانی۔ کدال۔" فیضان مسکرا دیے۔ انیمہ نے شازیہ کو بھاگ کر مطلوبہ چیزیں فراہم کرنا شروع کر دیں۔ جب فیضان اپنا کام سمیٹ چکے تو انیمہ نے ان سے ہدایات لیں۔
"کام میں ایک بار پھر سے ان پودوں پر اسپرے کرنا' کل تک پوری کیاری پھر سے ہری ہو جائے گی۔"
"تھینک یو گارڈننگ کے بارے میں سب کچھ پتا ہے۔" انیمہ نے رشک سے انہیں دیکھا۔
"سب کچھ تو نہیں' لیکن کافی کچھ پتا ہے۔" فیضان نے سرسری انداز میں کہا۔
"لیکن جب میں تمہارے جتنا تھا اور میرے پلانٹس کو کچھ ہوتا تھا تو میں بھی پریشان ہو جاتا تھا' کیونکہ اس وقت میری معلومات بہت کم تھیں۔ پھر میں نے گارڈننگ سے متعلق کلب جوائن کیے اور ایسی کتابیں اور میگزینز پڑھنے لگا جو میری معلومات میں اضافہ کریں۔"
"آپ یقیناً کیپری کارن (capricorn) ہوں گے سارے کیپری کارنز کو گارڈننگ میں انٹرسٹ ہوتا ہے۔" انیمہ نے جھٹ سے خیال ظاہر کیا تھا۔
"اچھا اور Leo (اسد) کے بارے میں کیا خیال ہے۔" فیضان نے مسکرا کر اس چھوٹی سی لڑکی کو دیکھا۔
"میرا مطلب ہے لیو افراد کو گارڈننگ میں انٹرسٹ ہوتا ہے یا نہیں؟" ان کے انداز میں ہلکی سی شرارت تھی۔
"اس کا مطلب آپ Leo ہیں۔" وہ فوراً" نتیجہ نکال کر بولی۔ "مجھے اس اسٹار کے بارے میں زیادہ نہیں پتا۔ میں خود Capricorn ہوں۔ اس لیے زیادہ تر اسی کے بارے میں پڑھتی ہوں۔ میرے پاس ایک بک ہے' جس میں سارے اسٹارز کے بارے میں لکھا ہوا ہے۔ میں اس میں دیکھوں گی کہ Leo کو گارڈننگ میں انٹرسٹ ہوتا ہے یا نہیں' پھر آپ کو بتاؤں گی۔" اس نے سادگی سے کہا' جواباً فیضان بولے۔
"بالکل ٹھیک' اور اگر اس بک میں لکھا ہوا کہ Leo کو گارڈننگ میں انٹرسٹ نہیں ہوتا تو میں فوراً" گارڈننگ چھوڑ دوں گا۔"
گو کہ ان کے انداز میں ایسی کوئی بات نہیں تھی کہ جھینپا جاتا' بلکہ ان کا انداز ایسا تھا جیسے کسی چھوٹے بچے کو بہلا رہے ہوں' لیکن انیمہ کھسیا سی گئی۔

digestpk.blogspot.com
Asif Zameel

"میرا وہ مطلب نہیں تھا۔"
فیضان نے اس کی شکل دیکھی اور بے ساختہ قہقہہ لگا کر ہنس دیے' انیمہ حق دق سے رہ گئی۔
(یا اللہ۔ کیا وہ ایسا ہونستا ہوا ان سے زیادہ اچھا لگتا ہوگا؟)
"مطلب و مطلب کچھ نہیں۔ میں انتظار کروں گا کہ تم مجھے میرے اسٹار کے متعلق بتاؤ' پھر میں تمہیں گارڈننگ سے متعلق میگزینز اور بکس لا کر دوں گا اور جب ہماری دوستی ہو جائے گی تو میں تمہیں Yellow goddes (دوستی کا پھول) دوں گا۔" فیضان لاپروائی سے کہہ رہے تھے۔
انیمہ خاموش رہی۔ وہ ان کی طرف دیکھنے سے لاشعوری طور پر احتراز برت رہی تھی اور اس کی نظریں ہاتھ میں پکڑے مگ پر تھیں۔
فیضان نے ذرا سا جھک کر بغور اس کا چہرہ جانچا' پھر ہتھیلی اس کے سر پر جما کر خفیف سا جھٹکا دیا۔
"کیوں؟ ٹھیک ہے نا؟" ان کے لہجے میں اصرار تھا' انیمہ نے یونہی نظریں جھکائے اثبات میں سر ہلا دیا۔
"ویٹس لائیک اے گڈ گرل۔" فیضان مسکرا دیے۔
"بائے دا وے' تھینک ایم سوری۔" انہوں نے مگ اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے کہا۔
انیمہ نے تعجب سے انہیں دیکھا۔
"کس لیے؟ کافی تو میرے ہاتھ سے ضائع ہوئی ہے؟" اس نے بے ساختگی سے پوچھا۔
"میں نے اس دن یو کلپٹس کے پتے کاٹ دیے تھے۔ مجھے تمہاری اجازت لینا چاہیے تھی۔"
"آپ نے تو جو بھی کیا اچھی نیت سے ہی کیا تھا۔ اب سوری بول کے مجھے شرمندہ نہ کریں۔"
"میں آپ کے لیے کافی بھجواتی ہوں۔" اس نے اخبار بھی فیضان کو پکڑایا اور بجلت اپنے پورشن کی طرف چلی گئی۔
فیضان اس کی عجلت پر حیران تو ہوئے' پھر کندھے اچکا کر انیکسی کی طرف چل دیے۔

"یہ تو نے کیا کر دیا دین محمد!"
دین محمد کی ماں سر پکڑے بیٹھی تھی۔ دین محمد نے نوالہ منہ میں رکھتے ہوئے تیکھی نظر اس کے مضمحل وجود پر ڈالی۔
"وہی کیا۔ جو کرنا چاہیے تھا۔ اگلی بار باجی زبیدہ نے ایسی ہمت کی اور ساں تائی میں تب بھی یہ ہی کروں گا۔"
دین محمد نے سوجھری سے کتے ہوئے جنت کا سر تھپتھپا کر اسے کھانا کھانے کو کہا تھا جو دادی کی بات پر ہاتھ روک کر اسے دیکھنے لگی تھی۔
زہرہ کے انتقال کو تقریباً چار مہینے گزر چکے تھے' لیکن موت کا صدمہ جیسے در و دیوار سے لپٹ کر رہ گیا تھا۔ ماں کی دوری سے جنت کملا کر رہ گئی تھی۔ دین محمد خود بھی بہت افسردہ رہتا' لیکن محض جنت کی خاطر اس نے اپنے غم کو پیچھے دھکیلنے کی کوشش کی تھی۔ وہ زیادہ وقت حویلی میں گزارتا' تاکہ جنت کو زندگی کی طرف واپس لا سکے۔ وہ ہر وقت اس سے باتیں کرتا' اسے اسکول جانے کی تاکید کرتا' اس کی سہیلیوں کو گھر بلواتا۔ مقصد محض یہ ہی تھا کہ جنت ماں کے صدمے سے نکل کر خوش رہ سکے۔ لیکن جنت زیادہ تر افسردہ ہی رہتی۔
اس عرصے میں دین محمد اپنی ماں کو بالکل فراموش کر بیٹھا تھا۔ جسے بہو کی دائمی جدائی نے صدمہ پہنچایا تھا تو دوسری طرف بیٹی کی دوری اور تذلیل نے نڈھال بھی کر دیا تھا۔ وہ ضرورت سے زیادہ خاموش رہنے لگی تھی۔

پورے دن میں بمشکل پانچ یا چھ ایسے جملے ہوتے جو اس کے لبوں سے ادا ہوتے۔ دین محمد کے حکم کے مطابق وہ ملازماؤں سے گفتگو سے احتراز برتتی۔ (یہ حکم وہ زہرہ کی زندگی میں ہی دے چکا تھا۔) صرف بوقت ضرورت بات کرتی' سارا دن وہ کمرہ اور دالان میں چکر کاٹتی رہتی۔
اس کی ایسی حالت دیکھ کر کبھی کبھار دین محمد شرمسار ہو کر ماں کی طرف متوجہ ہوتا اور بہتر طریقے سے اس کی دیکھ بھال کرنے لگتا۔ وہ زیادہ سے زیادہ باتیں کر کے اس کا دل بہلانے کی کوشش کرتا۔
لیکن پھر اچانک دین محمد کی ماں کو اس کی بیٹی یاد آجاتی اور وہ کوئی ایسا ہی سوال کر دیتی جو دین محمد کو بہن کے ساتھ ساتھ ماں سے بھی متنفر کر دیتا۔ وہ ماں سے خفگی کے اظہار کے طور پر چند روز قصداً خاموش رہتا اور پھر ماں سے لاتعلق ہو جاتا۔
ایک بار پھر اس کی توجہ کا مرکز صرف جنت بن جاتی اور ماں تنہائی کے آسیب میں جکڑی بوالائی بولائی پھرتی۔
آج پھر دین محمد کی ماں کو بیٹی کی یاد ستانے لگی تھی اور دین محمد کا سرد مہر سا لہجہ اس کی سماعت سے ٹکرایا تھا۔
"دین محمد! ایسا نہیں ہوتا پتر۔ کوئی سگی بہنوں کے ساتھ بھی ایسا کرتا ہے۔" ماں متاسف تھی۔
"اگر کوئی سگے بھائی کے ساتھ ایسا کر سکتا ہے' اس کی بیوی اور بیٹی کو بددعائیں دے سکتا ہے تو پھر کوئی سگی بہنوں کے ساتھ بھی ایسا کر سکتا ہے۔" اس نے رکھائی سے کہا تھا۔
"ہو سکتا ہے جنت نے جھوٹ بولا ہو۔" ماں نے ڈرتے ڈرتے کہا۔
"میں نے کہا تھا' میری جنت جھوٹ نہیں بولتی۔" دین محمد درشتی سے کہا۔ "اس معصوم کی طرف دیکھ کر ماں! مجھے لگتا ہے یہ نمانی ہمیشہ ہی [illegible] پر ہوتی ہے' کیا پتا پھوپھی نے کچھ کہا ہو' اس [illegible] پر۔"
"ہیں! [illegible] میں غلطی تو ہو سکتی ہے؟ بچی ہے' کیا پتا پھوپھی نے کچھ کہا ہو' اس [illegible]۔"
"یہ [illegible] کھا کر الزام میری بچی پر آتا ہے۔" دین محمد نے غصے سے نوالہ پلیٹ میں پٹخ دیا۔
"اماں! مجھے ایک بات بتا تو رہی میرے گھر میں ہے' روٹی میری دی ہوئی کھاتی ہے' کپڑا میرا دیا پہنتی ہے' پھر بھی تجھے اپنی بچی اور میری بچی جھوٹی لگتی ہے؟"
"اب بوڑھی ماں کو روٹی کا طعنہ دے گا دین محمد۔"
"نہ اماں! میری اتنی مجال کہاں کہ تجھے طعنے دوں۔ طعنے تو تو دے مجھے' چیریں مار میرے منہ پر' جس نے تیری بچی تجھ سے الگ کر دی' ہونا تو یہ چاہیے تھا' میں اسے سر آنکھوں پہ بٹھاتا اور کہتا' لے باجی! بھر جائی تو تیری بکواس سن کر اللہ کو پیاری ہو گئی' بھانجی کو اپنے ہاتھوں سے زندہ دفنا دے۔"
دین محمد کا دماغ بالکل الٹ چکا تھا۔
غم سے نڈھال ماں گرے گرے سانس بھرنے لگی۔
"میں یہ کب کہتی ہوں دین محمد! لیکن کوئی راستہ تو نکالا جا سکتا تھا۔ وہ بڑی بن کے' غصہ دبا کے آگئی تھی تو بھی دل بڑا کر لیتا' پر تو نے بڑا ظلم کیا' سچ کہتی ہوں دین محمد! تو نے بڑا ظلم کیا میری بچی پر' اس کا میکہ چھڑوا دیا۔ اب کون اس کے سر پر ہاتھ رکھے گا۔ نہ بڈھی ماں اس کے پاس کہ دل کے دکھ رو لے' نہ بھائی کہ اس کی چھاں (سایہ) میں لمحہ سستا لے' ہائے۔ بڑا ظلم کیا تو نے' کوئی سرد گرم آیا تو کس کے پاس جائے گی؟"
ماں سر پر ہاتھ رکھ کر جیتی جاگتی بیٹی کو رونے لگی۔
"بات سن اماں! ایک کام کر' مجھے بیٹی کا غم ستا رہا ہے تو اسی کے پاس جا کر رہ' ماں میں نے دیکھا ہوا ہے باجی زبیدہ کا گھر' چوہے کے مل جتنے گھر میں رہنے والے وہ غریب لوگ اتنی جگہ تو نکال لیں گے کہ تو وہاں رہ لے' جا کر اسی کو

digestpk.blogspot.com
Asif Zameel

بتانا کہ وہ سچی تھی اور میری بیٹی جھوٹی' مجھے تو اس بات سے دلچسپی نہیں' کیونکہ جانتا ہوں میری بیٹی سچی ہے' وہ کبھی جھوٹ نہیں بولتی' ایسی معصوم بھولی بھالی صورت کی سچائی پر کوئی شک کرے تو اس کی عقل پر شک کرنا چاہیے۔ مجھے تو آسمان سے اگر اللہ کے فرشتے بھی کہیں کہ جنت نے جھوٹ بولا تھا تو میں یقین نہ کروں۔ اتنا بھروسہ ہے مجھے اپنی بیٹی پر۔" غصے سے لال بھبوکا دین محمد دروازے سے باہر نکل گیا تھا۔

دین محمد کی ماں ہکا بکا رہ گئی۔

"گھر نہ بک دین محمد! تجھے اللہ کا واسطہ۔"

وہ زیر لب بڑبڑا کر رہ گئی۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ اس کا بیٹا۔ اتنی عقل والا بیٹا ایسی گناہ کی بات بھی کر سکتا ہے۔

گناہ اور خدا کے قہر کے خوف سے اس کی روح کانپنے لگی تھی اور سارے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا تھا۔

اپنے سوگھے ہوں پر زبان پھیرتے ہوئے اس نے جنت کی طرف دیکھا۔ جنت دادی کے رونے اور باپ کی اونچی آواز سے خائف ہو گئی تھی اور اب دادی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ دادی کو اپنی طرف دیکھتا پا کر وہ جلدی سے اپنی پلیٹ پر جھک گئی اور جلدی جلدی کھانے لگی۔ دین محمد کی ہاں اسے دیکھتی چلی گئی۔ اس کے دل میں کوئی وہم جڑ پکڑ رہا تھا۔ اور اس کی نظریں جنت پر سے ہٹ ہی نہیں رہی تھیں۔

ضروری نہیں کہ تباہی ہمیشہ شدید زلزلے کی کوکھ سے جنم لے' کبھی کبھار معمولی نوعیت کے مسلسل جھٹکے بھی عمارتوں کو مسمار کرنے کا سبب بن جاتے ہیں۔

☆ ☆ ☆

"لیو (Leo) افراد باوقار شخصیت کے مالک ہوتے ہیں' مضبوط قوت ارادی' پرعزم اور خود مختار۔ مسلسل جدوجہد کے قائل ہوتے ہیں' کسی لیو سے ایک بار مل لینے کے بعد یہ ممکن نہیں کہ آپ اس سے متاثر نہ ہوں' لوگ تنہائی پسند نہیں ہوتے' بلکہ مل بیٹھنے کے شوقین ہوتے ہیں' ان کی قوت برداشت اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ بری سے بری صورت حال میں دل کی ناپسندیدگی چہرے سے ظاہر نہیں ہونے دیتے۔ اور تو اور ایسی پرسنالٹیز کے مالک ہوتے ہیں یہ لوگ۔ پھر ان کے سیارے کی جگہ بھی اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ یہ بہت دور اندیش' ذہین' دانا اور مستقل مزاج ہوتے ہیں۔ خوش مزاج بھی بہت ہوتے ہیں اور ہر طرح کی صورت حال کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔"

"او بھائی! نہ تم لیو نہ میں' نہ ہی مجھے Zodiac Signs کے بارے میں جاننے کا شوق ہے' پھر آخر کیوں تم اپنا ریسرچ ورک میرے دماغ میں انڈیلنے کی کوشش کر رہی ہو؟" ماوی نے چائے کی کیتلی میں جھانکتے ہوئے اکتا کر پوچھا۔

وہ برنر کے قریب کھڑی تھی' جبکہ انیہہ کچن شیلف پر چڑھی بیٹھی نمکو کی پلیٹ میں سے چن چن کر مونگ پھلی کھاتے ہوئے اپنی تازہ ترین معلومات سے اسے زبردستی مستفید کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"تمہارا یا میرا اسٹار نہ سہی لیکن کسی کا تو ہوگا۔" انیہہ نے خیال ظاہر کیا۔

"اس "کسی" سے مجھے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟" ماوی نے لاپروائی سے پوچھا تھا۔

"کیا مطلب؟ تمہیں اپنے ماموں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے؟" انیہہ نے قدرے تعجب سے پوچھا۔

"تمہارا مطلب فیضان ماما کا اسٹار لیو ہے؟" ماوی حیران ہوئی۔ "بتاؤ۔ میرے ماموں ہیں اور مجھے ہی نہیں پتا' تمہیں کس نے بتایا؟"

"انہوں نے خود بتایا تھا۔"

"اس۔ کمال ہے۔ ہمارے ماموں نے ہمیں تو کبھی نہیں بتایا۔"

ماوی نے چونک کر اور غور انیہہ کو دیکھا۔ وہ اپنی ہی دھن میں تھی۔

"ویسے اتنی ساری خصوصیات کے ساتھ ان افراد میں ایک بری عادت بھی ہوتی ہے' ان کا مزاج آتشی ہوتا ہے۔ حیرانی کی بات ہے فیضان ماما تو غصہ ور نہیں لگتے۔" انیہہ کہہ رہی تھی۔

"ارے توبہ کرو' غصہ تو انہیں ایسا زوردار آتا ہے کہ بڑے بڑے جی دار کانپ جائیں' لیکن تسلی کی بات یہ ہے کہ غصہ سال میں ایک ہی بار آتا ہے' اسی لیے مجھے لگتا ہے ان کی بیوی بہت خوش رہے گی۔ بھئی ہر سال چند روز کی ناراضی اور غصہ جھیلنا پڑے گا اور بس۔ اس کے بعد سکون ہی سکون۔"

"ارے ہاں۔ بیوی سے یاد آیا۔ انہوں نے اب تک شادی کیوں نہیں کی۔ اتنے تو بڑے ہیں۔" اس نے سادگی سے پوچھا۔

"بوڑھے تو نہیں ہیں۔" ماوی تنک کر بولی۔ "مجھ سے کچھ سال ہی بڑے ہوں گے۔" اپنے ویٹ سم سے ماموں کو بوڑھا کہلوانا اسے بالکل منظور نہیں تھا۔

"ایک دفعہ میں نے پوچھا تھا' کہنے لگے ابھی تک کوئی اتنی اچھی ہی نہیں لگی کہ شادی کرتا۔ جس دن پسند کے مطابق لڑکی مل گئی شادی کر لوں گا۔"

"اور ان کی پسند کی لڑکی کیسی ہے؟" انیہہ خاصی مشتاق نظر آتی تھی۔

"یہ تو پتا نہیں۔" اس نے سر جھٹکا۔ "اس نے کبھی بتایا نہیں۔"

"ہاں۔ لیکن تم ان سے ان کی پسند کی لڑکی کیسی ہے۔" انیہہ نے کیتلی ٹرے میں رکھتے ہوئے نیم مخمور نظروں سے کہا۔

"خبردار' میرا نام مت لینا۔" انیہہ نے جلدی سے کہا۔

"اچھا۔ میں چلتی ہوں۔" وہ چھلانگ لگا کر شیلف سے اترتے ہوئے بولی۔

"مجھے پتا ہے' تمہیں چلنا آتا ہے' اب چپ چاپ اندر چلو' چائے پی کر چلی جانا۔" ماوی نے کہا۔

"نہیں ماوی! میں تو یوں ہی آگئی تھی۔ چائے پینے کا بالکل موڈ نہیں۔ باتیں کرنے کا موڈ تھا۔ لیکن اب تم اپنے مہمان نمٹاؤ۔ میں بھی جا کر دیکھوں 'ڈیڈی اگر جاگ گئے ہوں تو بتاتی ہوں کہ تو قیر انکل آئے ہوئے ہیں۔" وہ کچن کے مخالف دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولی' پھر کچھ خیال آنے پر دروازے کے قریب رک کر بولی۔

"سنو ماوی! اپنے ماموں کے سامنے میرا نام مت لینا' پلیز۔ میں نے تو یوں ہی پوچھ لیا تھا۔ وہ کیا سوچیں گے یہ لڑکی میری پسند کے بارے میں اتنی انکوائری کیوں کر رہی ہے۔" اس نے جھجکتے ہوئے کہا اور جلدی سے دروازہ کھول کر باہر نکل گئی' مبادا ماوی کچھ اور کہہ دے۔

"صرف وہی کیوں؟ میں تو خود یہی سوچ رہی ہوں۔"

ماوی نے آنکھیں سکوڑ کر دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے دل میں خود سے کہا' پھر اسی پرسوچ انداز میں سر دھنگ ٹرالی تھسیٹتی کچن سے باہر لے گئی۔

☆ ☆ ☆

"آپ کا بھی جواب نہیں ثمینہ آپا! کیا ضرورت تھی بس کو ٹکر مارنے کی' مجھے فیضان نے بتایا اور میں دیکھ کر آرہا ہوں۔ بس کا سامنے والا حصہ تو بالکل تباہ ہو گیا' ایسے زبردست ڈینٹ پڑے ہیں کہ کیا بتاؤں۔"

digestpk.blogspot.com
Asif Zameel

توقیر صاحب کی سنجیدگی سے کہی ہوئی بات کے جواب میں قہقہے بلند ہوئے تھے۔

"یہ فیضان اور مادی کم تھے' میری ٹانگ کھینچنے کے لیے کہ تم بھی آگئے۔" ثمینہ نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ شائستگی سے جواب دیا۔

"ابھی کل ہی مادی کہہ رہی تھی۔ ممی! جہاں آپ گری تھیں سنا ہے وہاں سڑک پر گہرا گڑھا پڑ چکا ہے۔ ٹریفک کی آمدورفت میں اچھا خاصا خلل پڑ رہا ہے۔ اس پر فیضان کہنے لگا۔"

"اب اس بات کا ذکر کسی اور سے مت کرنا۔ کسی کو بھنک بھی پڑ گئی کہ وہ گڑھا آپا کی وجہ سے پڑا ہے تو محکمہ متی املاک کو نقصان پہنچانے کے جرم میں آپا دھر لی جائیں گی۔ میں ایک ہفتہ بعد دبئی جا رہا ہوں تم کہاں آپا کو چھڑوانے کے لیے تھانے اور عدالتوں کے چکر لگاتی پھرو گی۔"

بتاؤ" آپا اتنا زخمی ہو گئی سات دن اسپتال میں رہ لیں۔ اب تک بازو پر پلاستر لگائے گھوم رہی ہے اور یہ ہیں کہ آپا سے زیادہ سڑک اور بس کی فکر میں ہلکان ہو رہے ہیں۔ ثمینہ نے آڑے ہاتھوں سب کو لیا۔

"فیضان تو لگتا ہے آج کسی اور ہی فکر میں ہلکان ہے۔" توقیر صاحب نے توپوں کا رخ فیضان کی طرف موڑا۔

"کیوں میاں! ہمیں بھی تو اس فکر کا نام بتاؤ۔" انہوں نے شرارت سے کہا۔ فیضان چائے کا کپ ہاتھ میں لیے واقعی کسی گہری سوچ میں تھے۔ توقیر صاحب کی بات سن کر اور ثمینہ آپا اور منیزہ بھابھی کی نظریں خود پر مرکوز دیکھ کر جھینپ سے گئے۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے توقیر بھائی! میں تو بس یوں ہی کچھ سوچ رہا تھا۔"

"یہی تو ہم جاننا چاہ رہے تھے" کسے "سوچ رہے ہو۔ بھئی اس سوچ کا کوئی اچھا سا نام بھی تو ہو گا۔" انہوں نے تو فیضان کا پیچھا ہی لے لیا۔ فیضان ان کی رگ رگ سے واقف تھے فوراً" مسکرا کر بولے۔

"اب میں کچھ بھی کہوں آپ مطمئن تو ہوں گے نہیں۔ ایسا کیجئے کوئی اچھا سا نام خود ہی بتا دیجئے۔ میں وہی لے لیتا ہوں محض آپ کی تسلی کے لیے۔" انہوں نے شانے اچکا کر کہا۔

"دیکھ رہی ہیں ثمینہ آپا! کس سہولت سے یہ دامن بچا رہا ہے۔ میں تو کہتا ہوں کوئی اچھی سی لڑکی [illegible] ہاتھ پیلے کر دیں ورنہ یہ تو جانے کون کون سی فکریں پال کر سوچوں میں ہی الجھا رہے گا۔"

"یقیناً" آپ کے بھی ہاتھ "پیلے" ہی ہوئے ہوں گے۔" فیضان نے بھولے سے ان کا جملہ پکڑا تھا۔

"ارے ایسے ویسے۔" توقیر صاحب [illegible]

"لیکن بھئی۔ خدا گواہ ہے' وہ جو ایک بار پیلے ہوئے تھے تو آج تک نیلے ہوتے ہیں۔ خوف سے؟ اس بات پر ایک اور قہقہہ بلند ہوا یہ الگ بات کہ جھینپنے کی باری اس بار منیزہ کی تھی۔

"توبہ ہے۔ پتا نہیں ان مردوں کو ہمہ وقت خود کو مظلوم ثابت کرنے کا شوق کیوں رہتا ہے۔ چاہے صبح سے شام بیوی کی دوڑ لگوائے رکھیں۔" منیزہ نے خفگی سے توقیر صاحب کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ذرا فیضان کی شادی ہو لینے دو پھر ہم دونوں خوب اچھی طرح سے اس سوال پر غور کرنے کے بعد اس اہم سوال کا جواب دیں گے۔"

"مجھے تو معاف رکھیں۔ آپ کا جواب تیار کروانے کے لیے میں اپنا سکون اور آزادی کی قربانی نہیں دے سکتا۔" فیضان نے جلدی سے کہا۔

"بھئی۔ حد ہے۔ تم سے کس نے کہہ دیا شادی' سکون اور آزادی کی بربادی ہے؟ یہ تو بڑا خوبصورت رشتہ ہوتا ہے یار! انسان خود کو مکمل محسوس کرنے لگتا ہے ورنہ بنا شادی کے بھی کوئی زندگی ہے جیسے بنا گھر کی گاڑی۔"

کم گو توقیر صاحب بہت دھیمی آواز میں بول رہے تھے مبادا بیوی کے کان میں آواز پڑ جائے اور بعد میں اترائی

پھر کہ بھئی بلاواسطہ ہمیں ہی سرا جا رہا تھا لیکن بات ایسی تھی کہ فیضان کی ہنسی چھوٹ گئی وہ دیر تک محظوظ ہوئے۔

"میں بتاتا ہوں بھابھی کو۔ آپ کے نیک خیالات سے وہ بھی تو شیف یاب ہوں۔"

"ہوں۔ یعنی پبلک میٹنگ۔" توقیر صاحب ذرا بھر بھی متاثر نہ ہوئے۔

"بتا دو یار! کیا فرق پڑتا ہے۔ اتنے سال ہو گئے ہماری شادی کو۔ تمہارا کیا خیال ہے تمہاری بھابھی اب تک ہمارے خیالات سے واقف نہیں ہوں گی۔" توقیر صاحب شگفتگی سے بولے تھے۔

منیزہ نے گلا کھنکار کر انہیں متوجہ کیا۔

"محفل میں بیٹھ کر دھیمی آواز میں گفتگو کرنا بد تہذیبی کے زمرے میں آتا ہے۔" انہوں نے بتایا۔

"میں ذرا بیویوں کے فوائد پر روشنی ڈال رہا تھا۔" توقیر صاحب نے کہا۔

"جی ہاں۔ آپ کو تو بڑا عبور ہے اس موضوع پر۔ ذرا ہمیں بھی تو بتائیں کتنی بھگتائے بیٹھے ہیں۔" منیزہ جل کر بولیں۔

"ایک کے بعد دوبارہ ہمت ہی نہیں ہوئی۔" انہوں نے مسکین سی شکل بنا کر جواب دیا۔ ثمینہ اور فیضان محض ہنسنے والوں میں شامل تھے۔

"اچھا بھئی مذاق بر طرف۔ فیضان کو ڈرائیں نہیں نے چار [illegible] کا بیوی بڑی مصیبت قسم کی چیز ہوتی ہے۔"

"مذاق؟" توقیر صاحب نے اچنبھے سے کہا۔ "[illegible] بیگم۔" وہ فیضان کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنس پڑے۔

"اور میرے [illegible] کس بیان پر یقین کیا جائے؟"

فیضان نے شرارت بھرے انداز میں پوچھا۔

"بات کچھ یوں ہے فیضان!" توقیر صاحب نے کشن کمرے کے پیچھے سیٹ کرتے ہوئے کہا۔ "کہ سارے شادی شدہ افراد کی سائیکالوجی بڑی عجیب ہوتی ہے۔ ان سے کوئی کنوارا خوش و خرم برداشت نہیں ہوتا۔ خواہ مخواہ کا حسد ہونے لگتا ہے کہ۔ ہمارے سر پر تو بیوی نام کی تلوار تو ہمہ وقت لٹکتی ہے یہ کنوارا کیوں خوش ہے۔ چلو اس کی بھی شادی کروا دو۔ لیکن جوں ہی وہ کنوارا شادی کرنے کے لیے راضی ہوتا ہے تو ہمیں اس پر ترس آنے لگتا ہے کہ اس کی زندگی سے خوشی اور سکون ختم ہونے والا ہے تب ہمدرد بن کے ہاتھوں مجبور ہو کر بے ساختہ تاریک پہلو دکھانا شروع کر دیتے ہیں شادی کے۔" دونوں ہنسنے لگے۔

"اوہو توقیر! بس کریں پلیز۔ فیضان تو پہلے ہی شادی کا نام نہیں لے رہا آپ اور ڈرا دیں۔"

"واقعی توقیر! تم ہی اسے سمجھاؤ۔ میں تو کہہ کہہ کر تھک گئی آخر کب کرے گا شادی؟" ثمینہ نے کہا۔

"تو آپ کس انتظار میں ہیں؟ میں تو پہلے ہی کہہ رہا ہوں کوئی اچھی لڑکی دیکھ کر اس کے ہاتھ پیلے کر دیں۔ نکاح کی تقریب میں اس کو لانے کی ذمہ داری میری ہوئی۔ ایک طرف سے بازو پکڑ کر میں بیٹھوں گا دوسری طرف فیاض کو بٹھا دیں گے پھر دیکھیے گا یہ محترم کیسے رسّہ تڑوا کر بھاگتے ہیں۔" توقیر صاحب نے دھمکی آمیز انداز میں فیضان کو دیکھا۔ وہ خفیف سے ہو کر بولے۔

"اب آپ مجھے بیل بکرے کی طرح حوّت نہ کریں تو توقیر بھائی! شادی نہ ہوئی سچ مچ قربانی ہو گئی۔"

"اور بعد کی ذمہ داری کون لے گا؟ میں کسی لڑکی کی زندگی کیوں خراب کروں زبردستی اس کے سر منڈھ کے۔ جبکہ اس سے اچھی طرح واقف بھی ہوں۔" ثمینہ کو فیضان سے کم سے کم اس معاملے میں کچھ اچھی امید نہ تھی۔

"ایسا لاپروا تو نہیں ہے' میرا خیال ہے ذمہ داری نبھا لے گا۔" توقیر نے جانچتی نظروں سے فیضان کو دیکھا جو سر

digestpk.blogspot.com
Asif Zameel

جھکائے جیسے ہر بات سے بے نیاز بیٹھے تھے۔

"ذمہ دار تو وہ ہے لیکن ساتھ ہی ضدی بھی بہت ہے اور اب سے نہیں بچپن سے۔ ایک مرتبہ سخت سردیوں میں تربوز کھانے کی فرمائش کردی۔ اب بتاؤ ایسی ٹھنڈ اور دینے والی سردی میں تربوز کہاں تلاش کیا جائے۔ فیاض بھائی پورے تین دن تک منڈی چھانتے پھرے کہ تربوز مل جائے گا تربوز کو نہ ملنا تھا سو نہ ملا اور نہ یہ ٹلا۔ چوتھے روز روح افزا گھول کر پلایا کہ یہ تربوز نہ سہی اس کا جوس ہی سہی تب اس نے ضد چھوڑی۔"

"خدا را ثمینہ آپا! میرا بچپن گزر چکا۔ اب بچپن کے قصوں کو بھول بھی جائیں۔" فیضان نے شرارت سے کہا تھا۔

"تم نے تو بچپن کی ضد اب تک نہ چھوڑی۔ ایک بار جس کا نام لیا تھا اسی کا غم سینے سے لگائے بیٹھے ہو۔" ثمینہ بے ساختگی سے بولیں۔

"میں اس بارے میں بات نہیں کرنا چاہتا۔" فیضان نے اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے تیزی سے کہا۔ "آئیں تو قیر بھائی! باہر چل کے بات کرتے ہیں۔"

"باہر جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ نہیں کرنی میں بات۔" ثمینہ نے خفگی سے کہا۔ فیضان نے ناراضی سے انہیں دیکھا پھر مصلحتاً بیٹھ رہے۔ توقیر صاحب نے ایک نظر دونوں بہن بھائی کو دیکھا۔

"تم تو یار! اخفا ہی ہو گئے۔"

"خفگی کی بات نہیں ہے تو قیر بھائی! بس میں اس بارے میں بات نہیں کرنا چاہتا۔" فیضان نے سادگی اور قطعیت سے کہا تھا۔

"میں دانیال حسن کے بارے میں سوچ رہا تھا۔"

"اچھا۔ پھر کس نتیجے پر پہنچے؟" توقیر صاحب نے مغموم اور ثمینہ آپا کو دیکھتے ہوئے کہا تھا سب ہی دانستہ گفتگو سے گریز کر چکے تھے۔

"توقیر بھائی! مجھے دانیال حسن کے بارے میں کوئی بات کھٹک رہی ہے۔" فیضان نے اپنے اندیشوں کا اظہار کیا۔

"اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ ایک بار انکار کرنے کے بعد وہ دوبارہ اصرار نہیں کریں گے۔ کچھ عرصہ بعد انہوں نے کوئی اعتراض کیا تو؟" انہوں نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"وہ ایسا کچھ نہیں کرے گا۔ میں جو کہہ رہا ہوں۔" توقیر صاحب نے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے کہا جو ماموں نے سرو کیا تھا۔

"میں نے اسی لیے کچھ روز بعد دبئی جانے کا فیصلہ کیا کہ پہلے دانیال حسن صاحب کا ارادہ معلوم کرلوں پھر دبئی جاکر فیکٹری کے انتظامات دیکھوں۔ بات یہ ہے توقیر بھائی! ثمینہ آپا ہمیشہ میری بہن رہیں گی اور ظاہر ہے ان کی یتیم بھی ان کے ساتھ رہیں گی۔ ایسا نہ ہو ان کا کوئی وہم ہمارے کاروباری مراسم پر اثر انداز ہو۔ گو کہ ہونا تو نہیں چاہیے۔"

"دانیال ایسا کچھ نہیں کرے گا فیض! میں اسے بڑی اچھی طرح جانتا ہوں تھوڑا سا جذباتی ضرور ہے لیکن بے عقل قطعاً نہیں۔ اسے دوبارہ انکار کرنا ہوتا تو اس بار حامی بھرتا ہی نہیں۔"

"دیکھ لیں توقیر بھائی! میں صرف آپ کی وجہ سے اس کام میں ہاتھ ڈال رہا ہوں ورنہ سچ تو یہ ہے کہ دانیال صاحب کی طرف سے میرا دل مطمئن نہیں ہے۔"

"اوہو بھئی۔ اب تم وہم نہ کرو۔ ابھی چلتے ہیں دانیال کی طرف میں اسی لیے آیا ہوں کہ آج فائنل ڈسکشن ہوجائے۔ اگر آپ تو ضرور شامل کرلیں ہم لوگ بیٹھ کر بات کریں گے تو بھی ایک کام ہوگا۔"

ان کے کہنے پر فیضان بنا کوئی اگلا اعتراض اٹھائے سر ہلانے لگے۔ یہ الگ بات کہ دل ہنوز اسی ایک نکتے پر اٹکا ہوا تھا لیکن تھوڑی دیر بعد جب دانیال حسن سے ملاقات ہوئی تو ان کے خدشات بہت حد تک ختم ہوگئے کیونکہ دانیال حسن بہت اچھے طریقے سے ملے اور فیضان کا بخوبی خیر مقدم کیا۔ بلکہ فیکٹری کے معاملات میں بھی بھرپور دلچسپی ظاہر کی تھی۔

فیضان واپس آئے تو بے حد مطمئن ہو چکے تھے۔

دوسری جانب دانیال حسن کہیں دل ہی دل میں یہ نکتہ سمجھ چکے تھے کہ ان کی ناراضی گن کی چپقلش یا ان کی منصفانہ بہت تقسیم کے لیے ہے پھر ساری دنیا سے منہ موڑنے کا فائدہ؟

کاروبار تو کرنا ہے۔ روپیہ تو کمانا ہے۔

دوغلا پن ہے تو چلو یونہی سہی۔

فیملی لائف تباہ ہو رہی ہے۔ ہو جانے دو۔

"بچوں پر برا اثر پڑے گا؟ بچے اب بچے بھی تو نہیں رہے بڑے ہو گئے ہیں۔ سمجھ سکتے ہیں غلطی کس کی تھی۔ ہم تو بھئی ناراضی بھی نبھائیں گے۔ دنیاداری بھی کرنا پڑے گی (اور۔ اور اپنا خون بھی جلائیں گے۔)

دانیال حسن سب کچھ سوچ چکے تھے۔

digestpk.blogspot.com

"جلال صاحب! جلدی سامان [illegible] ورکشاپ پہنچا کر ٹیکسی سے گھر آیا لیکن موسم اتنا اچھا ہو رہا تھا کہ ٹیکسی اس [illegible] ہوا کھاتی ہوئی اور چہل قدمی کرتے ہوئے اپنی منزل کی طرف چلا۔

یہ شام سے کچھ پہلے کا وقت تھا۔ بادل آسمان پر جھکے چلے آتے تھے۔ بنگلوں کی پرانی دیواروں سے لپٹی بیلوں سے ہوا لپٹتی تھی۔ اسے لگا بس ابھی آسمان سے انگلی چھڑوا کر پہلی بوند زمین کی پیشانی پر بوسہ دے گی اور پھر آن کی آن ہر سمت جل تھل ہو جائے گا۔ سرجھکائے جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ راستے میں آئے ایک پتھر کو ٹھوکر مارتا جب اچانک کسی نے اس کے نام کے نعرے لگانا شروع کردیے۔ جلال نے سر اٹھا کر متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھا۔ یہ کون محترمہ تھیں جو اس قدر دلکش موسم میں اس موسم سے کہیں زیادہ خوبصورت و سریلی آواز میں اس کا نام پکار پکار کے پورے ٹاؤن میں اسے "مشہور" کرنے کا ارادہ کیے بیٹھی تھیں۔

"جلال صاحب!"

اس بار تو اذاں اسے اپنے عقب سے ابھرتی محسوس ہوئی تھی۔ متجسس انداز میں اس نے گردن موڑی پھواری کو دیکھ کر سٹپٹا سا گیا اس کے ڈر سے ہی تو ہسپتال سے بھاگا تھا۔ "یہ یہاں بھی پہنچ گئی۔ "کچھل پری۔ اس نے تو شبیہہ جیسے بندے کو نہیں بخشا۔ میرا کیا حشر کرے گی۔ یا اللہ۔ بچالینا۔"

دوڑنے کے انداز میں لمبے لمبے ڈگ بھرتی اس کی طرف بڑھی چلی آرہی تھی۔ یہ جل تو جلال تو کا ورد کرنے لگا۔

ماڑی چند قدم پر آکر رک گئی۔ لبوں پر مسکراہٹ سانس پھولی ہوئی۔

"آپ تو کمال ہیں جلال صاحب! کب سے آوازیں دے رہی ہوں۔ لیکن آپ رکنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔ میں تو آپ کا تعاقب کرتے کرتے مر گئی۔ ہاہ۔"

بے ترتیب سانس بحال ہونے میں ہی نہیں آرہی تھی۔

Asif Zameel

"آپ تو ہسپتال سے ایسا گئے کہ مڑ کر آئے ہی نہیں۔ میری ممی نے تو آپ کا بہت انتظار کیا اور صرف ممی ہی کیوں؟ میں خود اسی دن سے آپ کا انتظار کر رہی ہوں۔ اس روز تو مجھے اتنا ہوش ہی نہیں تھا کہ آپ کا شکریہ ادا کرتی مگر بعد میں میں نے بہت سوچا کہ جس انسان نے میری ممی کی اتنی مدد کی اس کا شکریہ تو بڑے اچھے طریقے سے ادا کرنا چاہیے تھا لیکن شکریہ کس کا ادا کرتی آپ تو دوبارہ آئے ہی نہیں۔"

اس قدر سانس پھولی ہونے کے باوجود وہ خاموش ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ بس ٹان اسٹاپ بول رہی تھی۔

"ابھی میں نے آپ کو گھر کے میرس سے دیکھا تو بھاگی چلی آئی۔ سوچا کہیں اس بار بھی آپ ہاتھ سے نکل ہی نہ جائیں پھر میں کہاں آپ کو تلاش کرتی۔ پہلے ہی تو دعائیں کر کر کے دکھائی دیے ہیں۔"

"بچی۔ اتنی خوشی ہو رہی ہے آپ کو دیکھ کر۔ اتنا خوش تو میں بچپن میں اپنے فیورٹ کارٹون کریکٹر کی ماؤس کو دیکھ کر بھی نہیں ہوتی تھی جتنا آپ کو دیکھ کر ہو رہی ہوں۔"

بے ساختگی سی بے ساختگی تھی۔

"جی۔" جلالی نے بدک کر کہا کیونکہ وہ تو اسے دیکھ بھی اتنے اشتیاق سے رہی تھی جیسے وہ انسان نہیں کوئی ماؤس ہی ہو۔

"میرا مطلب ہے میں آپ کو دیکھ کر بہت خوش ہوں۔" ماوی نے جلدی سے کہا تھا۔ "تھینک یو جلال! آپ نے ممی کی مدد کر کے اتنا بڑا احسان کیا ہے کہ میں کبھی اس کا بدلہ نہیں اتار سکتی۔ اس کا اجر صرف آپ کو اللہ سے ملے گا لیکن میں ساری زندگی آپ کے لیے دعا کروں گی کہ آپ کو بہت ساری خوشیاں ملیں۔ تھینک یو جلال۔ تھینک یو سو مچ۔"

"آپ بار بار شکریہ کہہ کر مجھے شرمندہ کر رہی ہیں۔"

ماوی چند لمحوں کے لیے خاموش ہوئی تھی غالباً سانس لینے کا خیال آگیا تھا۔ اسی وقت [illegible] ہوئے جلال نے جلدی سے کہا۔

جھینپا ہوا انداز گھبرایا ہوا لہجہ۔

ماوی نے چونک کر اسے دیکھا بلکہ بغور دیکھا۔ [illegible] چوڑے ڈیل ڈول والے لڑکے میں ایسی کون سی بات تھی جو غیر معمولی سی محسوس ہوتی تھی۔

"کیوں؟" ماوی نے یکدم کہا۔ "احسان کیا ہے تم نے، شکریہ تو بنتا ہے اور اس میں شرمندگی کی کیا بات ہے کوئی شکریہ کہے تو اسے حق کی طرح وصول کرنا چاہیے نہ کہ شرمندہ ہونا چاہیے۔"

عجب بے تکلف لڑکی تھی۔ آپ سے "تم" پر آنے میں منٹ بھی نہیں لگایا۔ جلال نے سوچا پھر جھجکتے ہوئے بولا۔

"بس مجھے شرمندگی سی ہوتی ہے۔ جب کوئی بار بار شکریہ کہے۔ آپ بھی نہ کہیں۔ آپ کی مدد کی تو انسانیت کے ناتے کی ہے۔"

"خیر آج تو انسان انسانیت کے ناتے بھی کسی کی مدد نہیں کرتے۔"

"اچھا۔ ہو سکتا ہے۔ میں نے کبھی غور نہیں کیا۔" اس نے فوراً ہی ہار مان لی بلکہ حقیقتاً جان چھڑانے کی کوشش کی تھی۔ لیکن ماوی کو یقین نہیں آیا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ آج کل تو سب غور کرتے ہیں۔" وہ بضد ہوئی پھر جلدی سے بولی۔ "عمل کریں نہ کریں غور ضرور کرتے ہیں ویسے میں سمجھ گئی تم نے انسانیت کے ناتے کوئی مدد نہیں کی ایکچوئلی تمہارا دل بہت

"ہاں ہے تو سہی مگر اچھے لگتے ہیں تمہاری تعریف بھی ایسے ہی کر رہی ہوں گی مگر۔ تم تو واقعی بہت اچھے ہو۔ ٹوئلی ویری آنسٹ تم تو مجھے اس دن بھی بہت اچھے لگے تھے جس دن تمہارے اسٹوپڈ دوست نے بلا وجہ مجھ سے جھگڑا کیا تھا اور تم نے بہت سوٹلی جھگڑا ختم کروا دیا تھا لیکن مجھے تمہارا دوست بالکل اچھا نہیں لگا۔ سو رڈ۔" اس نے ناک چڑھا کر کہا۔

"ایک مشورہ دوں؟ تمہیں اس کے ساتھ دوستی نہیں رکھنی چاہیے۔ اچھے لوگوں کے دوست بھی اچھے ہونا چاہئیں۔" کھٹ سے مشورہ آیا۔ جلال بے چارہ ہنوز حواس باختہ۔

"جج۔ جی۔ میں چلتا ہوں۔"

تیز ہوا کے ساتھ پہلی بوند اس کی ناک کی پھننگ سے ٹکرائی تھی۔

"تم ہاسپٹل تو نہیں آئے لیکن گھر ضرور آنا۔ ممی تم سے ملنا چاہتی ہیں پلیز ضرور آنا۔ ہم دانیال حسن کی انیکسی میں رہتے ہیں۔ وہ۔ وہاں۔" اس نے اشارے سے بتایا۔

"جی۔ جی۔ ضرور آؤں گا۔" اس کا بس نہ چلتا تھا کسی طرح یہاں سے کھسک لے دوسری طرف ماوی بولنے کی شوقین بھی بہت تھی۔

"کیا پرامس؟" اس نے جلدی سے پوچھا۔

"میں انتظار کروں گی۔"

جلال تو اس لڑکی کے انداز پر حیران تھا۔ [illegible] ماوی کو اس کی عجلت دیکھ کر گدگدی ہونے لگی۔

[illegible] جلال کے قدم سست پڑ گئے۔

"[illegible] مصیبت ہے؟" اس نے بمشکل گردن موڑی۔

"تم سچ مچ بہت اچھے ہو جلال! آئی رئیلی لائیک یو۔"

جلال پر ہیبت طاری ہو گئی پہلی بار تو کسی لڑکی نے پسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔ وہ کمان سے نکلے تیر کی طرح بھاگا۔

ماوی کے لیے اپنے قہقہے کا گلا گھونٹنا مشکل ہو گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"پتا ہے ممی! میں کس سے مل کر آرہی ہوں؟" ماوی نے واپس آکر سنسنی پھیلانے کی کوشش کی۔

ثمینہ اس وقت بیڈ پر نیم دراز نظر کا چشمہ لگائے میگزین دیکھ رہی تھیں اس بات پر ابرو اچکا کر چشمے کے اوپر سے اسے دیکھا۔

"کس سے مل آئی ہو؟" وہ ذرا بھی متجسس نہ ہوئی تھیں۔ ماوی کو ان کے انداز میں سرسری پن دیکھ کر مایوسی ہوئی۔

"جلال سے۔" وہ اپنا ایب ٹاپ آن کرتے ہوئے بولی۔

"جلال سے؟" ثمینہ نے تھک کر اسے دیکھا۔ "جلال الدین سے؟" ماوی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"تمہیں وہ کہاں ملا؟ میرا مطلب ہے تمہاری ملاقات کہاں ہو گئی؟"

"ابھی ابھی گھر کے باہر ملاقات ہوئی ہے۔"

digestpk.blogspot.com
Asif Zameel

"اس کا ایڈریس ہی لے لیتا مادی! اندر ہی بلا لیتیں۔ میری بھی ملاقات ہو جاتی۔ پتا نہیں دوبارہ ایسا موقع ملے گا یا نہیں۔ میں اس لڑکے سے ملنا چاہ رہی تھی۔" ثمینہ کے انداز میں بے حد مایوسی تھی مادی نے کسی قدر حیرانی سے انہیں دیکھا اور بولی۔

"ایڈریس تو نہیں لیا لیکن وہ اسی بلاک میں رہتا ہے۔ میں نے اسے تاکید کی تھی کہ آپ ملنا چاہتی ہیں کسی وقت فرصت نکال کر گھر آئے۔ نہ بھی آیا تو مجھے یقین ہے دوبارہ راہ چلتے ملاقات ہو ہی جائے گی۔ بائے دا وے آپ کیوں اتنا کانفسیں ہو رہی ہیں اس کے بارے میں؟ میں نے نوٹس کیا ہے جب سے ہسپتال سے واپس آئی ہیں اسی کے بارے میں باتیں کر رہی ہیں۔"

ثمینہ پل بھر کے لیے گڑبڑا گئیں۔

"جان بچائی ہے اس نے میری۔ اتنا بڑا احسان کیا ہے۔ جب تک زندہ رہوں گی اسے یاد رکھوں گی۔ ممکن ہے اس کے بارے میں باتیں بھی کرتی رہوں۔ ویسے سچی بات ہے مادی! مجھے وہ بچہ اچھا بھی بہت لگا ہے۔ بیحد سیدھا سادا اور معصوم سا انسان۔"

"معصوم؟" مادی کو جلال کا چہرہ یاد آیا بلکہ چہرے سے زیادہ اس کے گھبرائے ہوئے انداز یاد آئے۔

"معصوم تو نہ کہیں ممی! بے وقوف کہیں۔ شکل سے تو بالکل بونگا سا لگتا ہے۔" وہ ہنسی۔

"کیا بونگا پن دیکھ لیا جلال میں؟ اتنا اچھا لڑکا ہے۔" ثمینہ نے تیز لہجے میں کہا انہیں جلال الدین کی برائی اچھی نہیں لگی تھی۔ "تمہاری جنریشن کا مسئلہ ہے جہاں معصومیت نظر آئی بونگے پن کا لیبل لگا دو گے۔"

"میں کسی نہیں لگاتے سوچ سمجھ کر لگاتے ہیں۔" مادی نے قطعیت سے کہا تھا۔ "مجھے اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اچھا لڑکا ہے لیکن معصومیت کا آج کل دور نہیں ہے۔ لی زمانہ تو لڑکیاں اتنی کانفیڈنٹ ہو گئی ہیں ایسے میں بات بات پر گھبرا جانے والے لڑکے کیا ترقی کر سکتے ہیں۔ آپ دیکھیں۔ میری باتیں سن کر وہ کیسے گھبرا رہا تھا۔"

"ضرور تم نے کوئی الٹی بات کی ہوگی۔ تمہاری زبان سے تو میں پہلے ہی تنگ ہوں اب اس بے چارے کو بھی آئی ہو؟"

"ارے میں نے کچھ نہیں کہا اس بھولے بادشاہ کو۔" وہ چڑ کر بولی۔ "صرف یہ کہا تھا کہ آنے کی دعوت دی تھی اور آپ کی باتوں کی روشنی میں تھوڑی سی حیرت ہوئی تھی۔ اور بس میں نے اسے یہ بھی بتایا کہ وہ مجھے اچھا لگا ہے۔ اب آپ مجھے بتائیں۔ اس میں ایسی کوئی سی بات تھی کہ وہ شرما کر بھاگ جاتا۔"

"تمہیں عقل نہیں آسکتی مادی! کبھی نہیں آسکتی۔"

اس کا کارنامہ سن کر ثمینہ نے اپنا سر ہی پیٹ لیا تھا۔

"گھر کی مرغی دال برابر اسی کو کہتے ہیں شاید۔ میرے سارے ٹیچرز اور کلاس فیلوز میری ذہانت کی تعریف کرتے ہیں لیکن آپ کو ہمیشہ یہی لگتا ہے مجھے عقل نہیں آسکتی۔" وہ خفا ہو کر بولی۔

"کیونکہ عقل اور ذہانت میں فرق ہوتا ہے۔ میری ذہین و فطین بیٹی!" ثمینہ نے اسے آڑے ہاتھوں لیا لیکن مادی نے خفگی کے اظہار کے طور پر رخ ہی موڑ لیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"میرے پاس ایک زبردست خبر ہے۔"

نمرہ اور تنوی ایگزیمنیشن ہال سے اکٹھی باہر نکلی ہی تھیں کہ خضر کھڑی عبیر تیزی سے ان کی طرف لپکی۔ آج انگلش کا پیپر تھا اور عبیر ان دونوں سے پہلے پرچہ مکمل کر کے نکل آئی تھی۔

"میرے پاس بھی ایک خبر ہے اور وہ یہ کہ میں اس پیپر میں فیل ہو رہی ہوں۔" نمرہ سنجیدگی سے بولی۔ "اتنا خراب پیپر ہوا ہے میرا کہ ذرا بھی پاس ہونے کی امید نہیں ہے۔ میں تو پیپر نصرت کو بھی معاف نہیں کروں گی جو چیزیں میں نے جانکس میں چھوڑی تھیں۔ وہ سب انہوں نے کوئسچن پیپر میں ڈال دیں۔" اس نے صدمے سے چور لہجے میں کہا تھا۔

"میرا پیپر تو اچھا ہوا۔ اتنا فٹ تو نہیں تھا۔" تنوی نے کہا "کیوں عبیر!"

"ہاں واقعی۔ میرا بھی اچھا ہوا۔" پھر اس نے نمرہ سے کہا۔

"اگر تم اوٹ پٹانگ لوگوں سے دوستیاں ترک کر کے پڑھائی پہ توجہ دو تو فیل ہونے کا خدشہ ہی نہ رہے۔"

"ہیں۔ تم خود کو اور تنوی کو اوٹ پٹانگ لوگوں میں شمار کر رہی ہو؟" نمرہ نے معصومیت سے پوچھا۔

"جی نہیں۔ میں عروش مرزا کی بات کر رہی ہوں۔ صرف اور صرف عروش کی۔ سمجھی؟" عبیر کے جل کر کہا۔

"اب عروش کہاں سے آگئی درمیان میں؟" نمرہ نے اس سے زیادہ سنگ کر کہا تھا۔

"کیونکہ میرے پاس جو خبر ہے وہ عروش سے متعلق ہی ہے۔" عبیر نے طنزیہ کہا۔

نمرہ اور تنوی نے بے ساختہ ایک دوسرے کو دیکھا۔

"کیا ہوا ہے عروش کو؟" نمرہ نے پوچھا۔

"اسے کچھ نہیں ہوا۔ دلچسپ بات یہ کہ اس بار اس نے کچھ کیا بھی نہیں۔ کارنامہ تو محترم سروش صاحب نے انجام دیا ہے۔"

دونوں کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"سروش؟ کون سروش؟"

"سروش نہیں جانتے تم جانتی ہی نہیں کہ سروش کون ہے۔" عبیر نے سابقہ انداز میں کہا تھا۔

"تمہیں یاد ہے تنوی! مجھے لگتا تھا سروش 'عروش کا کزن ہے" میرا شک درست تھا' سروش وہی لڑکا ہے جو عروش کا کزن ہے۔ اور اکثر کالج کے باہر کھڑا ہوتا ہے اور کالج کی بست سی لڑکیاں اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ وہ ان سے محبت کرتا ہے اور ان ہی کے لیے کالج کے باہر کھڑا رہتا ہے۔ بہرحال گیٹ کیپر نے کئی دن سے اس پر نظر رکھی ہوئی تھی۔ پرسوں اس نے کسی اسٹوڈنٹ پر وسلنگ کی تو گیٹ کیپر نے پکڑ کر پٹائی کر دی۔ اس پر سروش نے جیب سے چاقو نکال کر گیٹ کیپر کو زخمی کر دیا۔ کالج کے تینوں گارڈز بھی وہیں موجود تھے انہوں نے سروش کو پکڑ کر کلیریکل آفس میں بند کر دیا اور ہیڈ کلرک نے پولیس بلوالی۔ اس دوران سروش دروازہ توڑنے کی کوشش کرتے ہوئے عروش کا نام لینے لگا۔ جب پولیس آئی تو سروش نے بیان دیا کہ گیٹ کیپر اس پر الزام لگا رہا ہے کیونکہ چند روز پہلے اس کی گاڑی سے اس گیٹ کیپر کو ٹکر لگ گئی تھی۔ اور وہ اسی کا بدلہ لے رہا ہے۔ جبکہ وہ تو ہر روز سال اپنی خالہ زاد بہن عروش کو پک اینڈ ڈراپ کرنے آتا ہے جو تھرڈ ائیر کی اسٹوڈنٹ ہے۔ انسپکٹر نے کہا کہ عروش کو بلوائیں جب عروش وہاں پہنچی تو اس سے عروش کے بیان کی تصدیق مانگی گئی۔ تصدیق کی ضرورت ہی نہیں تھی کیونکہ عروش نے جاتے ہی سروش کو پہچان لیا تھا تب انسپکٹر نے عروش کو بتایا کہ سروش کی جیب سے ہیروئن برآمد ہوئی ہے اور انہیں شک ہے وہ کالج کے باہر ہیروئن کی خرید و فروخت کا کام کرتا ہے۔ سروش کو تو ظاہر ہے پولیس پکڑ کر لے گئی۔ بچی عروش تو اسے پرنسپل نے وارننگ دی ہے کہ اگر دوبارہ اس کا کزن نظر آیا تو اسے عروش کی غلطی شمار کیا جائے گا۔"

digestpk.blogspot.com
Asif Zameel

"تو... اس میں عوش کی کیا غلطی ہے؟" نمو نے جلدی سے کہا۔
"تمہیں آج تک عوش کی غلطی نظر آئی ہے؟" عبیر نے سنگ کر کہا۔
"مجھے ایک بات تو بتاؤ عبیر! جو خبر کسی کو نہیں پتا ہوتی، وہ تم کو کیسے پتا چل جاتی ہے؟" نمو نے بے حد فکر انداز میں پوچھا۔
"مطلب؟" عبیر نے چونک کر اسے دیکھا۔
"مطلب یہ کہ عوش کے کزن کے متعلق تم جو فرضی قصہ سنا رہی ہو اس کے بارے میں کسی اور کو تو نہیں پتا۔ کیا وجہ ہے کہ پورے کالج میں صرف تم کو ہی خبر ہو سکی؟" اس کا انداز ابھی بھی سابقہ تھا۔
"تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا نمو! میں کیوں فرضی قصہ سناؤں گی۔" عبیر نے جھنجلا کر کہا تھا "تمہیں پتا ہے میرے ابو کے کزن اس انسٹی ٹیوٹ کے ایگزیکٹو میں سے ہیں سوش کا قصہ میں نے ان ہی سے سنا ہے اور چونکہ ایسی باتیں کسی بھی ادارے کی ساکھ کو متاثر کر سکتی ہیں اسی لیے اسٹاف کے چند لوگوں کے درمیان سے یہ بات باہر نہیں نکلی۔ انکل نے مجھے بھی تاکید کی تھی کہ کسی سے ذکر نہ کروں لیکن چونکہ مجھے تمہاری فکر رہتی ہے اسی لیے تمہیں ساری بات بتا دی۔ سوچا ممکن ہے اسی طرح تمہارے سر سے اس کی دوستی و ہمدردی کا بھوت اتر جائے۔" عبیر ایک ہی سانس میں بولتی چلی گئی۔
نمو لال چہرہ لیے اسے گھورتی رہی۔ پھر تنوی سے بولی۔
"عوش پر سیل کی ڈانٹ سن کر ہرٹ ہوئی ہوگی۔ ہمیں تسلی دینے اس کے پاس جانا چاہیے۔"
"ڈانٹ ہی پڑی ہے قضائے الٰہی سے وفات نہیں پا گئیں عوش صاحبہ کہ تم تعزیت کرنے پہنچ جاؤ۔" "عبیر!" تنوی نے معاملہ سلجھانا چاہا کہ دونوں ہی بے حد غصے میں آ گئی تھیں۔
"تم چل رہی ہو تنوی؟" نمو نے عبیر کو نظر انداز کر کے پوچھا۔
تنوی مخمصے میں پڑ گئی۔ نمو کے ساتھ جاتی تو عبیر کو اعتراض ہوتا اور عبیر کی بات مانتی تو نمو نے خفا ہو جانا تھا۔
"ٹھیک ہے تمہاری مرضی۔" نمو نے اسے تذبذب میں دیکھ کر سرد مہری سے کہا۔
"تم نے تو کہا تھا تم نے عوش سے دوستی ختم کر دی ہے؟" عبیر نے طنز کیا۔ نمو نے گردن موڑ کر غضب ناک نظروں سے اسے دیکھا اور تن تن کرتی ہوئی چلی گئی۔
"کیا ضرورت تھی تمہیں فضول کا قصہ سنانے کی؟" نمو کے جاتے ہی تنوی نے خفگی و جھنجلاہٹ کے ساتھ کہا۔ "تمہیں پتا نہیں ہے وہ عوش کے متعلق کچھ نہیں سنتی۔"
"تو پھر جھوٹ کیوں بولتی ہے کہ عوش سے دوستی ختم کر چکی ہے۔" عبیر تنک کر بولی تھی۔
"مجھے پتا تھا اس نے جھوٹ بولا ہے کہ عوش سے دوستی ختم کر چکی ہے۔ تبھی میں نے سوش کے متعلق ساری بات بتائی کہ شاید اب وہ عبرت پکڑے اور عوش جیسی لڑکی سے منہ موڑ لے مگر نہ جی۔ وہ نمو صاحبہ ہی کیا جن کی عقل میں کوئی بات سما جائے۔"
"نمو کو اتنا تو سمجھا چکے۔ اب اسے اس کے حال پر چھوڑ دینا چاہیے۔" تنوی نے بیزاری سے کہا تھا۔ "ویسے بھی عبیر! کوئی غلط کام کرتے ہوئے سوش پکڑا گیا ہے۔ عوش تو نہیں۔"
"یا اللہ کس قدر احمق سہیلیاں ملی ہیں مجھے۔ تم لوگ ہیڈ لائن سن کر تفصیلات کیوں نہیں سمجھ لیتیں؟ سوش جس کا اصل نام کچھ اور ہے۔ کالج کے باہر کھڑا رہ کر جو کام کرتا تھا وہی کام عوش کالج کے اندر انجام دیتی ہے یعنی ایم اور ہیروئن کی سپلائی کا کام۔ اب آیا عقل شریف میں کچھ؟"

عبیر نے اطمینان سے اس کے سر پر دھماکہ کیا تھا۔ تنوی پہلے ہی ہونق تھی اس انکشاف پر بالکل ہی بوکھلا کر رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

"یار اکمل! ابھی تو دروازہ جلدی بھی کھول دیا کرو۔"
جلال جھنجلاتا ہوا اندر داخل ہوا تھا۔ اس کے کمرے میں ٹی وی فل والیوم میں چل رہا تھا۔ دروازہ نہ کھولنے کی وجہ سے آواز دروازے تک سنائی دے رہی تھی۔
"بھائی جان! میں چائے بنا رہا تھا۔" اکمل نے جلدی سے اپنی صفائی پیش کرنا چاہی "لیکن" "بھائی جان" کا موڈ خراب تھا اسی پر الٹ پڑے۔
"کس کتاب میں لکھا ہے چائے بناتے ہوئے دروازہ نہیں کھولنا چاہیے؟ اور جھوٹ ذرا کم بولا کرو۔ اتنی اونچی آواز میں ٹی وی سنو گے تو دور تک خاک سنائی دے گی۔" وہ دروازہ دھکیل کر کمرے میں داخل ہوا۔
"آیئے۔ آیئے جناب جلال الدین صاحب! آپ کے انتظار میں تو ہم کب سے دیدہ و دل فرش راہ کیے بیٹھے ہیں۔" اسے دیکھتے ہی صوفے پر نیم دراز وائق نے تعویذ کیا تھا۔ جلال ایک پل کے لیے چونکا صرف وائق ہی نہیں سعدی، جنید اور ارسل بھی موجود تھے۔ کھڑکی کی سلاخ ہٹی ہوئی تھی اور ریڈنگ اسٹینڈ پر لگی تھی۔ بیڈ پر ڈرائے فروٹ کی پلیٹ رکھی تھی [illegible]
"تم لوگ کب [illegible] والیوم کم [illegible] ہوئے پوچھا۔
[illegible] اسی ہوٹ [illegible] پہ کھڑے میرے حق پر ڈاکہ ڈال رہے تھے۔" سعدی نے جل کر کہا۔
جلال نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔ "میں تمہارے حق پر ڈاکہ کیوں ڈالوں گا خدا کا دیا سب کچھ ہے میرے پاس۔ کبھی ڈاکہ ڈالنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔"
"اللہ۔ اس معصومیت پر تو مر جانے کو دل چاہتا ہے۔" سعدی نے سابقہ انداز میں کہا۔
"میری مانو سعدی! اس بار تو دل کی مان ہی لو۔" ارسل نے فوراً مشورہ دے ڈالا جسے سعدی نے بڑی ناپسندیدگی سے رد کیا۔
"مجھ سے کوئی بات نہ کرے کیونکہ میرا موڈ سخت خراب ہو چکا ہے۔"
"لیکن کیوں؟" جلال نے پوچھا۔ "تمہارا موڈ کیوں خراب ہے۔ کچھ پتا تو چلے۔"
"جب عشق کی پینگیں بڑھا رہے تھے تب تو میرا خیال نہیں آیا۔" سعدی بری طرح سلگ رہا تھا۔
جلال کو بری طرح جھٹکا لگا تھا۔
"سعدی! تیرا دماغ تو ٹھیک ہے؟"
"سعدی ٹھیک کہہ رہا ہے جے ڈی! ہم نے تو آج تک تم سے کچھ نہیں چھپایا جیسے بچے اسکول کے سارے قصے ماں کو سناتے ہیں۔ ویسے ہی ہم سب اپنا ہر افیئر تمہارے سامنے ڈسکس کرتے رہے ہیں اور تم ایسے گھنے بنے ہو کہ کان و کان خبر نہیں ہونے دی۔"
ارسل نے اپنی طرف سے اسے اچھی خاصی شرم دلائی تھی۔ جلال کے سر پر سے گزر ا تھا سب کچھ۔
"میری نظروں کے سامنے سے دور ہو جاؤ۔ تم دوست نہیں آستین کا سانپ ہو۔ دوستی کے نام پر دھبہ ہو۔" سعدی نے غصے سے اور ایکٹنگ کی حد کر دی۔

digestpk.blogspot.com
Asif Zameel

Kiran Digest Feb-2011

Kiran Digest Feb-2011



Read more »

You might also like:


Kiran Digest January 2011




Shuaa Digest February 2011


Kwawateen Digest February 2011

ISO 9001 CERTIFIED
www.marheba.com.pk

"او بھائی الطعنے دینا بند کرو۔" جلال نے لجاجت سے کہا تھا۔

"اتنی باتیں سنانے کے بجائے اگر تم لوگ مجھے اصل بات بتادو تو مہربانی ہوگی۔ یہ پہیلیاں مجھ سے نہیں بوجھی جاتیں۔"

"میرا بھوک سے برا حال ہے پہلے کھانے کے لیے کچھ منگوادو کیونکہ خالی پیٹ تو تم کا اظہار بھی میں ٹھیک سے نہیں کرپاؤں گا۔" سعدی نے خفگی سے کہا۔ جلال نے گہرا سانس بھر کر اکمل کو آواز دی اور کھانا لانے کے لیے کہا۔

"جب تک کھانا نہیں آتا۔ تم مجھے اصل بات بتادو۔"

"اصل بات تو تم بتاؤ۔" سعدی نے کہا۔ "کون ہے وہ لڑکی جس سے باتیں کررہے تھے؟ حالانکہ میں نے پہلے ہی بتادیا تھا کہ اسے پہلے میں نے دیکھا تھا اس لیے وہ تم سب کی بھابھی ہوگی۔ ہونے والی بھابھی سے "سپکر" چلاتے تمہیں شرم نہیں آئی۔"

"لاحول ولا۔" جلال بری طرح جھنجھلایا۔ "سعدی! کبھی سوچ سمجھ کر بھی بولا کرو۔ استغفراللہ۔ میں کیوں اپنی ہونے والی بھابھی۔ توبہ توبہ۔ تم نے اتنی گھٹیا بات سوچی بھی کیسے۔" اسے غصہ ہی آگیا۔

"بس سوچ لی۔ تمہیں تو پتا ہے میں گھٹیا باتیں سوچنے میں کتنا بڑا چیمپئن ہوں۔" سعدی پر اس کے غصے کا ذرا بھی اثر نہیں ہوا تھا۔

"جے ڈی کی دھوکہ دہی نے سعدی کو پاگل کردیا ہے۔" ارسل نے اعلان کیا۔ سعدی غصے کی تصویر بنا بیٹھا تھا۔ جلال کو ترس سا آگیا۔ نظریں کھڑکی تک گئیں۔

"تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے سعدی! میں اس لڑکی سے کوئی ایسی بات نہیں کررہا تھا۔ جس پر تمہیں اعتراض ہو۔ تمہیں یاد ہے ارسل! ہم نے ایک خاتون کو سڑک سے اٹھا کر ہسپتال پہنچایا تھا۔ یہ لڑکی ان ہی کی [illegible] شکریہ ادا کررہی تھی کہ میں نے اس کی ماں کی مدد کی۔ بس اتنی سی بات تھی جس کو [illegible] شاباش۔ میں ابھی بیٹی کو کھڑکی سے دیکھ دیکھ کر خوش ہورہا ہوں [illegible] ہے۔"

"چلو کوئی تو بزرگوں تک پہنچے [illegible] کی کارستہ تم ہی لے کر جانا۔" جنید نے کہا۔

"اور جھڑکیاں کھا کر واپس آجانا۔ کیونکہ سعدی کو اپنی بیٹی کا رشتہ صرف وہ دے گا جس نے بیٹی کی زندگی خراب کرنی ہو۔" واثق نے تمسخر اڑایا۔ تائید میں زبردست قہقہہ بلند ہوا تھا۔

"مجھے پتا ہے میری محبت کا راستہ صاف ہوتا دیکھ کر تم سب جل بھن گئے ہو۔ بس جے ڈی! مجھے ایسے جل کٹوں کی ضرورت نہیں۔ آج سے صرف تم ہی میرے بہترین دوست ہو اور تب تک میرے بہترین دوست ہی رہو گے جب تک اپنی ہونے والی بھابھی سے میری دوستی نہیں کروادیتے۔"

پچھلی باتیں بھول کر وہ جلال کے کندھے پر سوار ہوگیا۔ جلال کا دل چاہا سعدی کو ابھی بتادے کہ وہ اس سلسلے میں اس کی کوئی مدد نہیں کرے گا مگر پھر اس بات کو کسی اور وقت پر ٹال کر واش روم میں گھس گیا۔ باہر سعدی دروازے سے چپکا اونچی اونچی تان لگا رہا تھا۔

"میرے سامنے والی کھڑکی میں۔"

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

digestpk.blogpost.com
Asif Zameel



اُمِ نہ ریاض

سلام آخر

دین محمد مٹی سے محبت کرنے والا جفاکش مرد ہے۔ دھرتی کو اپنے خونِ جگر سے سونا اُگلنے کے قابل بنانا اس کا پیشہ ہے اس کی پوری زندگی محنت سے عبارت ہے۔ جو وہ اپنے چھ مربعہ زمین پر صرف کرتا ہے۔ شادی کو آٹھ سال کا عرصہ گزر چکا ہے اپنے چھوٹے سے گھر میں وہ بیوی زہرہ اور ماں کے ساتھ رہتا ہے۔ زہرہ چھ مُردہ بچوں کو جنم دے کر ایک مرتبہ پھر امید سے ہے۔ دین محمد کو واں دواں اولاد کی خوش خبری پانے کے لیے مجسم دعا بن چکا ہے۔ اس کی دعائیں مستجاب ٹھہرتی ہیں اس کے یہاں ایک خوبصورت بچی جنم لیتی ہے۔ اسے وہ اپنی جنت کے نام سے مخاطب کرتا ہے۔

جلال الدین کے روز و شب نوکری کی چکی میں پستے گزر رہے ہیں۔ اس نوکری کے دوران اسے آرام کرنے کا موقع کم ملتا ہے۔ بہتر مستقبل کا خواب اسے متحرک رکھتا ہے۔ تنہائی میں کسی کی محبت کا جگنو اس کی دُنیا آباد رکھتا ہے۔ اس کی یادیں اسے بے چین رکھتی ہیں۔ دن بھر کا تھکا ہارا وہ آرام کرنے لیٹتا ہے تو پولیس اسٹیشن سے اطلاع ملتی ہے جنت بی بی حراست میں ہے۔ جس کا دعویٰ ہے کہ اس نے اپنے شوہر کا قتل کیا ہے۔ جلال الدین اپنے وکیل دوست مسعود کے ساتھ بھاگم بھاگ پولیس اسٹیشن پہنچتا ہے اور ثبوت دکھاتا ہے کہ جنت بی بی ٹیسٹو فرینیا کی مریض ہے جس کی شادی ہوئی تک نہیں۔ جنت کی حالت جلال الدین کو اعصابی تھکن کا شکار کرنے لگتی ہے جسے اس نے نوکر دل کے سہارے ملیر میں رکھ چھوڑا ہے۔

تقریباً 14 سال بعد اپنی بیٹی ماہی کے ساتھ آئرلینڈ سے پاکستان آئی ہیں تو انہیں توقیر صاحب کے بتلائے گئے پتے کو تلاشنے میں بہت دقت لگتا ہے۔ وہ نیٹس کے دوست توقیر صاحب کے توسط سے دانیال کی ایکسی میں ٹھہرتی ہیں۔ ثروت ملنسار اور مذہبی خاتون ہیں۔ دل، ولید اور انیبا ان کے بچے ہیں۔ ماہی کی پہلی ملاقات میں انیبا سے دوستی ہو جاتی ہے۔



شبیہ العباس طبعاً سخت گیر اور غصہ ور نوجوان تھے۔ جسے صنف نازک کا عزم ضروری ہنسنا بھی ناگوار گزرتا ہے۔ وہیں نرم خو تنوی سے منسوب ہے۔ تنوی اس کی تند خو طبیعت سے نالاں ہے۔ شبیہ، تنوی کو کانچ کا چھوڑنے آتا ہے تو سہیلیاں عبیرہ اور ثمرہ، تنوی کے سر ہو جاتی ہیں۔ یہ جان کر کہ شبیہ، تنوی کا مسنگیتر ہے۔ وہ اس کی قسمت پر رشک کرتی ہیں۔ دونوں سے گزارش کرتی ہے کہ عروج کو اس کی بات کا علم نہ ہو۔

شہیہ بیگ، ثروت دانیال کی اولاد ہے جسے انہیں دانیال حسن سے شادی سے پہلے چھوڑنا پڑا۔ بچپن کی محرومیوں نے اسے بدمزاج اور غصیلا بنا دیا۔ وہ انیا اور ولید سے بہت ترشی سے پیش آتا ہے۔ وہ ان سے بحیثیت بہن کوئی تعلقات محسوس نہیں کرتا۔ انیا اس کی محرومی دل سے محسوس کرتی ہے۔ انیا پر بری نظر ڈالنے پر وہ جے ڈی کے دوست سعدی کو پیٹ ڈالتا ہے۔ عرف جے ڈی اس کی کیفیات سمجھتا ہے۔

بیمار پڑنے پر بیگم دانیال، ثمینہ کی اچھی طرح دیکھ بھال کرتی ہے تو شبیہ ان کے اخلاق سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ انہیں بیگم دانیال کو دیکھ کر لگتا ہے کہ وہ پہلے ان سے مل چکی ہیں۔

بچوں کی لڑائی میں جنت کو چوٹ لگتی ہے تو دین محمد اپنی بہن زبیدہ کے بیٹے فاروق کا طیبہ بگاڑ دیتا ہے۔ ساتھ ہی زبیدہ بہن اور رفیق بھائی سے قطع تعلق کر لیتا ہے۔ زہرہ اس کی جنت سے طوفانی محبت سے خوف زدہ ہے۔ دین محمد، زہرہ کو باور کرواتا ہے کہ وہ جنت کو بیاہ کر دوسرے گھر نہیں بھیجے گا۔ بلکہ اس کے شوہر کو گھر داماد بنائے گا۔

اتفاقاً ماوی کا ٹکراؤ شبیہ سے ہوتا ہے جس سے ماوی کا ہیپر ٹمپر لوز ہو جاتا ہے۔ اپنی غلطی کے باوجود جھنجلاہٹ میں شبیہ ماوی کو بری طرح سے ڈانٹتا ہے تو ماوی اس کی طبیعت صاف کر دیتی ہے۔ ثمینہ سے وہ اس واقعے کا ذکر نہیں کرتی۔

(اب آگے پڑھیے)

۱۰

دگوں اقساط

ثمینہ کی حالت پہلے سے بہت بہتر تھی۔ پلاستر اتر چکا تھا لیکن بازو ہلانے جلانے میں ڈاکٹر نے خاصی احتیاط کی تاکید کی تھی جس کی وجہ سے انہیں خاصی دقت کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ دوسرے کمزوری بھی بہت ہو گئی تھی۔ مسلسل ادویات کے استعمال کی وجہ سے طبیعت مکدر سی رہتی۔

اس روز فجر کی نماز ادا کر کے ماوی زبردستی انہیں قریبی پارک میں لے آئی کہ "آپ فریش محسوس کریں گی خود کو۔" لیکن دوسرے ہی چکر میں ثمینہ ہانپ کر بیٹھ گئیں۔

"بس بھئی ماوی! میں تو تھک گئی اب اور نہیں چلا جائے گا مجھ سے۔" قریبی بینچ پر نشست سنبھالتے ہوئے انہوں نے کہا۔

"آپ بوڑھی ہو گئی ہیں ممی!"

"بوڑھے ہوں میرے دشمن! وہ تو ایکسیڈنٹ کی وجہ سے ویک نیس ہو گئی ہے ورنہ تم سے پہلے اس پارک کے دس راؤنڈ لگا سکتی ہوں۔" ثمینہ نے ناک پر سے مکھی اڑاتے ہوئے کہا۔ ماوی نے شرارت سے انہیں دیکھا۔

"یہ بات تو آپ نے ڈھلان میں بھی کئی بار کہی تھی لیکن خدا کے بعد میں گواہ ہوں دو کے بعد تیسرا چکر آپ نے کبھی مکمل نہیں کیا۔"

"تم جیسی پوستی لڑکی کو کیا پتا کبھی مارننگ واک کے لیے گھر سے نکلی بھی ہو۔" انہوں نے فوراً حساب بے باق کیا۔

"اچھا آپ یہاں بیٹھیں۔ میں دو راؤنڈ اور لگا لوں گی۔" وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ٹریک کی طرف چلی گئی۔ ثمینہ آرام دہ پوزیشن میں بیٹھ کر اردگرد کا جائزہ لینے لگیں۔

پارک میں اتنی صبح بھی تقریباً ہر عمر کے مرد و خواتین تھے کہ بچے بھی دکھائی دے رہے تھے۔ کچھ لوگ گھاس کے قطعات پر میٹ بچھائے یوگا اور مختلف ورزشیں کرنے میں مصروف تھے۔ ٹریک پر جاگنگ کرنے والوں سے زیادہ چہل قدمی کرنے والوں کی تعداد زیادہ تھی۔ اندھیرا تقریباً چھٹ چکا تھا۔ لیکن سورج آسمان کے کناروں پر کہیں کہر میں پنہاں رہا تھا اور دھوپ کا نام و نشان تک دکھائی نہ دیتا تھا۔ آسمان سے زمین تک صبح سویرے کی تازگی اور خنکی تنی ہوئی تھی۔ گھاس نم نم سی تھی۔ پودوں پر رات کا کہرا جمع تھا جبکہ درختوں کے پتوں سے رات بھر کی خفیہ بوندیں ٹپ ٹپ ٹپک رہی تھیں۔ آسمان پر صبح کے پرندے اڑان بھر رہے تھے اور ان کی دلکش آوازیں سارے میں بکھر جاتی تھیں۔

تب ہی ثروت اور انیہ آ گئیں۔ ثروت تو خیر واک کی عادی تھیں انیہ یوں ہی آ گئی تھی۔

"ثمینہ آنٹی! آپ اکیلی آئی ہیں؟" انیہ نے پوچھا۔

"نہیں ماوی بھی آئی ہے۔ میں تھک گئی تو یہاں بیٹھ گئی۔ ماوی اپنے دو راؤنڈ پورے کر لے پھر گھر جائیں گے۔"

"او بیٹے! میرا بھی موڈ نہیں ہے آج واک کرنے کا تم چاہو تو ماوی کے ساتھ واک کر لو میں یہاں ثمینہ کے پاس بیٹھتی ہوں۔" ثروت نے انیہ سے کہا تھا وہ سر ہلا کر ماوی کے پاس چلی گئی۔ ثروت ثمینہ کے پاس بیٹھ کر حال احوال دریافت کرنے لگیں لیکن ان کی متلاشی نظریں پارک میں جا بجا نگاہ تک گھوم رہی تھیں۔

"ایسے درخت حویلی میں بہت تھے۔ معاً" ثمینہ نے ایک قریبی درخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا جس کے پتے لمبے اور چپٹے تھے۔ ثروت نے چونک کر ثمینہ کو اور پھر درخت کو دیکھا۔

"سفیدے کے درخت تو پہچان تھے اس حویلی کی۔ ویسے حیرانی کی بات ہے اس حویلی میں چند روز گزارنے کے باوجود آپ کو یاد ہے۔" ثروت نے جیسے ثمینہ کی یادداشت سے متاثر ہوتے ہوئے کہا تھا۔

"چند روز میں پوری ایک زندگی..!" ثمینہ نے گہری سانس بھرتے ہوئے کہا۔ "میں نے اپنی زندگی کے بدترین دن اس حویلی میں گزارے تھے۔ کبھی کبھی تو مجھے لگتا تھا۔ کسی دن میرا دماغ ہی پھٹ جائے گا اور اب بھی حیرانی ہوتی ہے کہ وہاں سے نکلتے ہوئے میرا ذہنی توازن کیسے درست رہ گیا۔" وہ جیسے اسی دور میں پہنچ گئی تھیں جو ان کی زندگی کا کلیہ ترین دور تھا۔

"میں تو آپ پر بہت رشک کرتی تھی کہ بڑے مناسب وقت پر آپ کی جان چھوٹ گئی۔" ثروت نے قدرے تعجب سے کہا تھا۔

"جان تو چھوٹ گئی تھی مگر وقتی طور پر اللہ نے قسمت میں دوبارہ اسی عقوبت خانے میں جانا لکھا ہوا تھا اور دوسری بار رہائی کی بہت بڑی قیمت ادا کرنی پڑی مجھے کہ میری ساری زندگی ہی ویران ہو گئی۔ رہائی کی کچھ نہ کچھ قیمت تو ادا کرنا پڑتی ہے لیکن اتنی بڑی قیمت..."

"میں سمجھی نہیں۔" ثروت نے کچھ الجھ کر انہیں دیکھا۔ ثمینہ کے چہرے پر دکھ کا سایہ لہرا رہا تھا۔ دل میں جیسے کسک سی اٹھنے لگیں۔

"ثمینہ..." جب دیر تک خاموش رہیں اور اپنا غم چھپانے کو لبوں کو دانتوں سے کچلتی رہیں اور ان کی آنکھوں میں نمی سی دکھائی دینے لگی تو ثروت نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

ثمینہ نے گہری سانس بھرتے ہوئے آنسوؤں کو پیچھے دھکیلا۔
"حویلی میں ماوی کے بابا کو کسی نے قتل کردیا تھا۔ میں سہاگن بن کر اس حویلی میں گئی تھی، بیوہ بن کر نکلی۔ اس حویلی نے مجھے کچھ نہیں دیا۔ الٹا جو کچھ تھا، وہ بھی چھین لیا۔"
ثروت کے لیے یہ اتنا بڑا شاک تھا کہ وہ بڑی دیر تک کچھ بول ہی نہیں سکیں۔
"میرے خدایا! مجھے تو رجب بھائی کے بارے میں پتا ہی نہیں تھا۔ میں تو اب تک۔۔۔ میں سمجھی، وہ آئرلینڈ میں ہوں گے۔"
ثروت صرف اتنا ہی کہہ سکیں۔ ان کے لیے تو یہ ایسی غیر معمولی اطلاع تھی جس پر یقین ہی نہیں آرہا تھا۔
"میرے لیے یہ بہت ہی شاکنگ نیوز ہے۔ یقین مانیے ثمینہ! مجھے بہت دکھ ہوا ہے۔ رجب بھائی سے کو کہ میری زیادہ ملاقات نہیں ہوئی، لیکن میں جانتی ہوں وہ بہت اچھے انسان تھے۔ مستقیم سے بہت تعریف سنی تھی ان کی۔ ثروت نے جیسے مجبوراً "مستقیم" بھی کا نام لیا تھا۔
"اچھا۔ حیرانی ہے۔ اس حویلی میں کوئی رجب کی تعریف بھی کرتا تھا۔" ثمینہ کے لہجے میں دکھ بھی تھا، تلخی بھی۔
"کسی اور کا تو پتا نہیں، لیکن مستقیم اکثر ان کی تعریف کرتا تھا۔" ان دونوں کے درمیان چند لمحوں کی خاموشی حائل ہوئی، پھر ثروت نے ہی اس خاموشی کو توڑا۔
"مجھے احساس ہے ثمینہ! یہ ذکر آپ کو بہت دکھ پہنچا رہا ہوگا، لیکن مجھے تو یقین ہی نہیں آرہا، کیسے ہوا یہ سب؟"
"چھوڑو ثروت! بڑی لمبی کہانی ہے یہ۔ پھر جو بات صرف دکھ دے اس کا بار بار ذکر کرنے کا فائدہ؟"
"مگر آپ مجھے رجب بھائی کے انتقال کی خبر سناتیں تو مجھے اتنی حیرانی نہ ہوتی، لیکن قتل۔۔۔ وہ بھی حویلی کے اندر۔ ناقابل یقین۔"
"ناقابل یقین؟" ثمینہ نے کرب سے دوہرایا۔ "اس حویلی نے کس کو خوشیاں دی تھیں ثروت! کہ غم کی ناقابل یقین لگے۔ اپنی طرف دیکھو، میری زندگی دیکھو، وہ حویلی دکھوں کا برزخ تھی اور کچھ نہیں۔"
"آنکوائری تو ضرور ہوئی ہوگی۔ آپ کو کسی پر شک تھا؟"
"جب حویلی سے نکلی تو ذہنی حالت ایسی نہیں تھی کہ کسی پر شک کرسکتی۔"
"ماوی جانتی ہے؟"
"کیا؟"
"یہی۔۔۔ کہ اس کے والد کا قتل ہوا تھا۔"
ثمینہ نے آہستگی سے نفی میں سر ہلا دیا۔
"ماوی اس وقت بہت چھوٹی تھی، وہ یہی سمجھتی ہے اس کے بابا کا انتقال دل کا دورہ پڑنے سے ہوا تھا۔"
"جلال!" وہ سامنے سے جاگنگ کرتے ہوئے گزرا تھا، ثروت بے ساختہ پکار بیٹھیں۔ جلال نے گردن موڑ کر انہیں دیکھا، پھر الٹے قدموں ان کے قریب آگیا۔
"السلام علیکم۔"
"وعلیکم السلام، کیسے ہو جلال؟" ثروت نے پوچھا۔
"میں ٹھیک ہوں، آپ کیسی ہیں؟" وہ سدا کا باادب تھا۔
"جلال! شبیہہ آج جاگنگ کرنے نہیں آیا؟" اس کے سوال کا جواب سر ہلا کر دیتے ہوئے ثروت نے

دبے چینی بھرے لہجے میں پوچھا۔
"وہ تو مجھ سے بھی پہلے ہی پارک آگیا تھا۔" جلال نے ادھر ادھر شبیہہ کو تلاش کرتے ہوئے کہا۔ "وہ دیکھیں، اس طرف ایکسرسائز کررہا ہے۔" اس نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
ثروت کی آنکھوں میں نور سا اتر آیا تھا۔ شبیہہ بھی اسی طرف دیکھ رہا تھا۔ مگر نظر ملتے ہی اس نے ناگواری سے چہرہ موڑ لیا۔ ثروت کے دل کو دھکا سا لگا تھا۔
ثمینہ، جلال سے کہہ رہی تھیں۔
"تم سے تو بھئی میں سخت خفا ہوں، اچھی مدد کی، شکریہ کا موقع بھی نہیں دیا۔"
"آنٹی! آپ لوگ اتنا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ میں شرمندہ ہو جاتا ہوں، پہلے آپ کے بھائی نے شکریہ کہا پھر آپ کی بیٹی نے بھی یہی کہا، اب آپ بھی شکریہ کہہ رہی ہیں۔ پلیز، کوئی اتنا بڑا کام نہیں کیا میں نے کہ آپ لوگ شکریہ ہی کہتے رہیں۔" جلال نے بے چارگی سے کہا تھا، ثمینہ ہنس دیں۔
"اچھا دوبارہ کوئی شکریہ نہیں کہے گا لیکن ذرا یہ پلاسٹر اتر جائے پھر میں تمہیں کھانے پر انوائٹ کروں گی، دیکھو انکار مت کرنا۔ بھئی مجھے بھی تو لگنا چاہیے کہ میں نے اپنے محسن کا شکریہ اچھے طریقے سے ادا کیا ہے۔" ثمینہ نے بے حد اپنائیت سے کہا تھا۔ جلال انکار نہیں کرسکا۔ اثبات میں سر ہلایا اور خواتین کو خدا حافظ کہہ کر چلا گیا۔
ثروت خاموش بیٹھی اس طرف دیکھ رہی تھیں جہاں ہری باڑھ کے پیچھے شبیہہ کی جھلک دکھائی دے رہی تھی۔
"آپ جلال کو کیسے جانتی ہیں؟"
"جلال ہی مجھے ہاسپٹل لے کر گیا تھا، بڑی مدد کی اس نے میری۔"
"ویسے بڑا اچھا لڑکا ہے۔ مل کا تو بہت ہی اچھا ہے۔" ثروت نے کہا۔ "ورنہ مجھ سے کیا رشتہ ہے کہ اتنی تمیز تہذیب سے ملتا۔ ماشاء اللہ بہت نیک ہے، ماں باپ خوش قسمت ہیں جلال کے۔"
"اور تمہارا بیٹا!" ثمینہ نے پوچھا۔ "میرا مطلب ہے تمہارے بیٹے کے ماں باپ خوش قسمت نہیں ہیں؟"
"باپ خوش قسمت ہے اور ماں۔۔۔ جس کی شکل اس کا بیٹا دیکھنا ہی نہ چاہے وہ ماں کتنی خوش قسمت ہو سکتی ہے؟" ثروت کے لبوں پر مجروح سی مسکراہٹ تھی۔ ثمینہ نے ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر تسلی آمیز انداز میں تھپتھپایا۔
"کس نے کہا ماں ثروت! وہ حویلی دکھوں کا برزخ تھی جس سے کسی کو کوئی سکھ نہیں مل سکا۔"
"اینٹ گارے کی حویلیاں کسی کو دکھ نہیں دیتیں ثمینہ! حویلیوں میں بسنے والے پتھر انسان دکھ دیتے ہیں۔" ثروت کے لہجے سے آنچ آئی تھی۔
پھر دونوں خاموش ہو گئیں حتیٰ کہ سورج کی کرنیں درختوں سے اتر کر سب گھاس پر پھیل گئیں۔

☆ ☆ ☆

"میں کل سے یہاں نہیں آؤں گا، شہر میں اور بہت سے پارک ہیں جہاں جاگنگ کے لیے جایا جاسکتا ہے۔" شبیہہ نے جلال کے ساتھ ٹریک پر دوڑتے ہوئے تلخی بھری سنجیدگی سے کہا تھا۔
"اس پارک میں کیا برائی نظر آگئی؟" جلال نے لمحہ بھر کے لیے گردن موڑ کر اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔
"کس قدر بھیڑ رہتی ہے یہاں۔ پارک کم چڑیا گھر زیادہ لگتا ہے۔ ہر ایرا غیرا منہ اٹھا کر آنے لگا ہے۔" گو کہ یہ

digestpk.blogspot.com

برا ہی احمقانہ اعتراض تھا لیکن جلال نے تحمل سے برداشت کیا۔
"یہ پبلک پارک ہے محترمہ! آپ کا پرائیویٹ پارک نہیں کہ جو بھی آئے آپ کی اجازت لے کر آئے۔"
شہیبہ نے اس بات پر کڑی نظروں سے اسے گھورا تھا۔
"اسی لیے کہہ رہا ہوں کل سے کسی اور پارک میں جاؤں گا۔" اس نے سلگ کر کہا۔ "تم اطمینان سے یہاں اور آتی جاتی "آنٹیوں" کو سلام کرتے رہنا۔" اس نے جیسے دانتوں کے بیچ جلال کو پیس ڈالا۔
"اچھا۔ اب سمجھا۔ غصہ کس بات کا ہے" شہیبہ کی ناراضی کے ڈر کے باوجود وہ اپنی بے ساختہ ہنسی روک نہیں سکا۔
"تم بھی سلام کر لیتے۔" اس نے مشورہ دیا۔
"کس خوشی میں؟" وہ تاؤ کھا گیا۔
"نیکیاں ملتی ہیں۔" جلال نے معلومات میں اضافہ کیا۔
"تمہیں مبارک ہوں یہ نیکیاں۔ اور بہت سے طریقے ہیں نیکیاں جمع کرنے کے تم اس میں جل کر کہاں۔"
"یار شہیبہ! کیا ہو جاتا اگر تم سلام کر لیتے۔ چھوٹا سا سلام کرنے میں کتنا ٹائم لگتا ہے۔ وہ بے چاری اتنے میں ہی خوش ہو جاتیں۔"
"بے وی! میرا دماغ پہلے ہی گرم ہو چکا ہے۔ بے تکی نصیحت کا الٹا اثر ہوا تو نتائج کے ذمہ دار تم خود ہو گے رشتہ داریاں نبھانے کا شوق ہے نبھاؤ مجھے انوالو کرنے کی ضرورت نہیں۔"
"وہ میری نہیں تمہاری رشتہ دار ہیں۔ رشتہ بھی ایسا جو کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔ میری رشتہ داری تو اسی دن ختم ہو گئی تھی جس روز تایا جان نے انہیں طلاق دی تھی۔ میں ان سے ملتا ہوں یا ان کی رسپیکٹ کرتا ہوں تو صرف تمہاری وجہ سے۔"
ابھی اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ شہیبہ نے گردن موڑ کر ایک کڑی "چھلتی ہوئی نگاہ جلال پر ڈالی اور رفتار بڑھاتا آگے نکل گیا۔ جلال نے گہری سانس بھر کر اسے دیکھا۔
"یہ نہیں سدھر سکتا۔" اس نے تاسف سے سر ہلاتے ہوئے سوچا تھا۔

☆ ☆ ☆

"میں تو بھئی ایسی ہی ہوں۔ وہ جو کہتے ہیں کان کو سامنے سے پکڑا جائے یا سر کے پیچھے سے ہاتھ گھما کر۔ پکڑا تو حال کان ہی جائے گا اسی طرح مجھے ہٹ دھرم کہہ لو۔ ویٹ کہہ لو یا مستقل مزاج۔ بات تو ایک ہی ہے۔"
ماوی نے ایک چھوٹا سا قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ پارک سے واپس جاتے ہوئے وہ اپنی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر بڑی دل جمعی سے روشنی ڈال رہی تھی۔ یہ بھی اچھا تھا کہ ثمینہ "ثروت کے ساتھ کئی قدم آگے چل رہی تھیں۔ ورنہ ایک دلچسپ بحث تو ضرور ہی چھڑ جاتی۔
"مجھے اپنی فیملی سے بہت محبت ہے بڑے ماموں "ممانی جان" فیضان ماما" شہوز" شہزاب سے بہت محبت۔ لیکن سب سے زیادہ محبت ممی سے ہے۔ ممی دنیا کی واحد شخصیت ہیں جن کے لیے میں کچھ بھی کر سکتی ہوں اپنی زندگی کا ہر فیصلہ بدل سکتی ہوں۔"
"بچپن میں مجھے اسکول بنک کرنے میں بڑا مزہ آتا تھا۔ شہوز مجھ سے بڑا تھا شہزاب چھوٹی۔ میں دونوں کو ورغلا گھومنے پھرنے نکل جاتی تھی اور پھر ممی سے بڑے غضب کی ڈانٹ کھاتی تھی مگر آفرین ہے میری ڈھٹائی پر

مجال ہے جو کبھی اس ڈانٹ کا اثر لیا ہو۔ ہاں وقتی طور پر شرمندہ ضرور ہوتی تھی اور پکا فیصلہ کرتی تھی اب کوئی ایسا کام نہیں کروں گی کہ ممی کو ڈانٹنے کا موقع ملے۔ لیکن یہ ایک اور فیصلہ تھا جو ہر بار بدل جاتا۔"
اس کے کھلنڈرے لہجے کا تاثر ہنوز تھا جیسے خود ہی اپنی شرارتیں یاد کر کے محظوظ ہو رہی ہو۔
"ایک مرتبہ ڈیفنس کے سائیڈ ایریا میں سرکس لگی۔ میں حسب معمول اسکول بنک کر کے دیکھنے پہنچ گئی۔ وہاں ایک کرتب تھا کہ بازیگر گھرے سے کنویں میں موٹر بائیک اور کار چلاتے تھے۔ میں اتنی متاثر ہوئی کم خود بھی یہ کرتب کرنے کے لیے مچل اٹھی۔ اگلے ہی دن سے بائیک چلانا سیکھنے لگی اور ٹھیک تیسرے روز کنویں میں بائیک چلانے پہنچ گئی۔"
"پھر۔" ثمینہ ماوی نے خاموشی کا ایک ڈرامائی سا وقفہ لیا تھا انیہ تجسس سے پھڑک اٹھی۔
"پھر" اس نے بے چینی سے پوچھا ماوی گہری سانس بھر کر بولی۔
"پھر کیا۔ تین دن کی پریکٹس کے بعد بائیک تو مہارت سے نہیں چلائی جا سکتی تھی صرف فرفر چھوڑ ہی کروایا جا سکتا تھا سو میں نے بائیں ٹانگ تڑوائی ممی خوب روئیں۔ اور پورے آٹھ دن مجھ سے بول چال بند رکھی۔ نویں روز میں نے غصے میں آ کر بیس بال بیٹ سے پڑوسیوں کے لڑکے کا سر پھاڑ دیا اس کی ممی آئیں ہم سے خوب جھگڑا کیا۔ وہ لوگ ہالینڈ سے آئے تھے "ٹچ" ہو گئے تھے میں اس سے بالکل نابلد تھی۔ بعد میں فیضان ماما نے بتایا وہ گالیاں دے رہی تھی۔ بڑی مشکل سے اسے "ٹھنڈا" کر کے بھیجا ہے۔ گالیوں والی بات سن کر مجھے اور غصہ آیا۔ میں نے دوبارہ بیٹ اٹھایا تو ممی نے کہا اب گھر سے باہر نکلو گی تو دوسری ٹانگ بھی توڑ دوں گی۔ میں نے کہا ابھی صرف دائیں طرف والے پڑوسی کا سر توڑا ہے۔ آپ دسویں دن بول چال بند رکھیں گی تو بائیں طرف والے پڑوسی کا سر پھاڑوں گی گیارہویں دن بھی بات نہیں کریں گی تو سامنے والوں کے لڑکے کا سر بھی میرے ہاتھوں سے نہیں بچے گا۔ ابھی بات سامنے والوں تک ہی پہنچی تھی کہ ممی نے سفید جھنڈی لہرا کر سیز فائر کر دیا اور یوں ہماری صلح ہو گئی۔"
محاورتاً نہیں حقیقتاً مسکرا مسکرا کر انیہ کے پیٹ میں بل پڑ چکے تھے۔
"میرے اللہ! تم کس قدر لڑاکا ہوتی تھیں ماوی!"
"اس میں لڑاکا والی کیا بات ہے اور تم پلیز مجھے نہیں اس صلح کا بڑا بھاری جرمانہ بھرنا پڑا تھا مجھے۔" اس نے دکھی لہجے میں کہا۔
"اچھا؟ وہ کیا؟"
"ممی سے وعدہ کرنا پڑا کہ میں دوبارہ کبھی کنویں میں بائیک چلانے کی بات نہیں کروں گی نہ ہی کبھی اس بارے میں سوچوں گی۔ بات کرنا میں نے چھوڑ دیا لیکن سوچ پر پابندی نہیں لگا سکتی تھی۔ رچرڈ گیئر کی کسی فلم میں ڈائیلاگ سنا تھا "جو خواہشات پوری نہ ہوں وہ زندگی کا ناسور بن جاتی ہیں۔" مجھے لگتا ہے میری یہ خواہش بھی ناسور بن چکی ہے تم یقین کرو گی انیہ مجھے خواب میں اکثر نظر آتا ہے کہ میں کنویں میں بائیک چلا رہی ہوں۔"
اس کے بات کرنے کا انداز بے حد دلچسپ تھا۔ چہرہ بے حد سنجیدہ آنکھیں بے پناہ شرارت سے جگمگ جگمگ کرتی ہوئی انیہ کی ہنسی بند رکتی تھی۔
"اوہ۔ تم ہنستی جا رہی ہو جیسے میں لطیفے سنا رہی ہوں۔ لاحول ولا۔ میری اتنی بڑی خواہش..." اس نے دائیں دی پھر خود بھی مسکرانے لگی پھر ذرا سنجیدہ ہو کر بولی۔
"اچھا سنو۔ میری ممی کو مت بتانا کہ میں خواب میں بائیک چلاتی ہوں۔ انہیں گھبراہٹ ہونا شروع ہو جائے گی

پھر میرے خواب دیکھنے پر بھی پابندی لگادیں گی۔"

"ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔" انیمہ نے کہا۔ "ثمینہ آنٹی کا غصہ پڑوسیوں کے لڑکے پر کیوں نکالا تھا تم نے؟"

اس سوال پر ماوی نے پہلے قہقہہ لگایا پھر بولی۔

"ممی کا تو ایک چھوٹا سا بہانہ تھا۔ دراصل اس نے چار روز پہلے شہوز سے جھگڑا کیا تھا اور اس کے چہرے پر ناخن مار دیے تھے میں نے اسی بات کا بدلہ لیا تھا۔" وہ مزے سے آنکھیں مٹکا کر بولی تھی۔

"تاکہ مارنے کی اتنی بڑی سزا؟" انیمہ کو تعجب ہوا۔

"کوئی بڑی سزا نہیں تھی۔ میرا بس چلتا تو اس گدھے کی بوٹیاں کرکے اسی کے پالتو کتے کو کھلا دیتی۔ یار انیمہ تمہیں شاید عجیب لگے لیکن میں خود سے وابستہ لوگوں کے لیے بڑی پوزیسو ہوں۔ کوئی انہیں تکلیف پہنچائے مجھ سے برداشت نہیں ہوتا خون کھولنے لگتا ہے میرا جب تک بدلہ نہ لے لوں سکون ہی نہیں آتا۔"

"اور یہ شہوز صاحب کون ہیں؟"

"یہ لو۔ اتنے دن سے مجھے جانتی ہو۔ تمہیں ابھی تک یہی نہیں پتا کہ شہوز کون ہے؟" ماوی نے یوں کہا جیسے بڑے افسوس کی بات ہو۔

"کیا بہت ہی تاریخ ساز شخصیت ہیں۔" انیمہ نے اس کے انداز سے قیاس لگایا۔

"یہی سمجھ لو۔ منگنی کی تاریخ تو اسی نے طے کی تھی۔"

"مطلب؟" وہ خاک نہ سمجھی۔

"یار! شہوز فیاض ماموں کا بیٹا ہے یعنی میرا سابقہ کزن اور حالیہ منگیتر۔" ماوی کے لیے یہ اطلاع عام سی تھی انیمہ کے لیے نہیں۔

"تم انگیجڈ ہو۔ تم نے بتایا ہی نہیں؟"

"اچھا۔ نہیں بتایا؟ حیرانی ہے۔ میں تو سب کو بتا دیتی ہوں۔"

"ویسا ارینج؟" انیمہ نے دلچسپی سے پوچھا۔

"دونوں۔" ماوی نے کندھے اچکا دیے۔

"خود کی منگنی ہو چکی ہے اور ماموں... جو عمر میں تم سے بڑے ہیں۔ وہ یونہی گھوم رہے ہیں۔" انیمہ نے گفتگو کا رخ فیضان کی جانب موڑنا چاہا تھا۔

"فیضان ماما شادی کے لیے ہامی تو بھریں میں ان کی منگنی شادی سب ایک ہی دن میں کروا دوں گی۔" ماوی نے سے بولی۔

دونوں کچھ دیر خاموش رہیں انیمہ اگلے سوال کے لیے پر تول رہی تھی۔

"ماوی!"

"ہوں۔" وہ گردن گھما گھما کر عادتاً ارد گرد کا جائزہ لے رہی تھی۔

"فیضان ماما عمر میں تم سے کتنے بڑے ہوں گے۔" اس نے خود کو لاپروا ظاہر کرتے ہوئے پوچھا لیکن دل و جان سے جواب کی منتظر تھی۔

"پہلی بات تو یہ کہ فیضان ماما میرے ماموں ہیں۔ برائے مہربانی انہیں میرا ہی ماموں رہنے دو زبردستی ان کی بہن بننے کی کوشش نہ کرو۔ دوسری بات یہ کہ مجھے تمہارے اس جالا کیاں خوب اچھی طرح سے سمجھ آ رہی ہیں

چالاک ہو تو میں بھی کچھ کم نہیں ہوں الحمدللہ۔ یہ جو تم گھما پھرا کر میری عمر معلوم کرنے کی کوشش کر رہی ہو ناں تو اس سے باز آجاؤ۔ دنیا ادھر کی ادھر ہو جائے میں تمہیں اپنی اصل عمر کا پتا چلنے نہیں دوں گی اور تیسری اور آخری بات یہ کہ معصوم سی شکل بنا کر تم میرے ماما کے بارے میں کرید کرید کے سوال کیوں پوچھتی رہتی ہو؟ آخر چکر کیا ہے؟"

وہ ایک دم گھوم کر اس کے سامنے آئی اور گہری نظروں سے اس کا جائزہ لینے لگی۔ انیمہ کے ہاتھوں کے توتے سب اڑ گئے۔ وہ اتنی بری طرح سٹپٹائی کہ زندگی میں کبھی نہ سٹپٹائی ہوگی۔

"کیا۔ کیا کہہ رہی ہو ماوی؟"

"وہی۔ جو تم سمجھ رہی ہو اور چاہتی ہو کہ میں نہ سمجھوں۔" ماوی نے ترنت کہا۔

"میں نہیں کیا کہہ رہی ہو؟ عجیب ہو تم ماوی!" اس نے پیچھا چھڑانا چاہا لیکن وہ ماوی ہی کیا جو اتنے آرام سے جان بخش دے۔

"عجیب نہیں ہوں بے حد ذہین ہوں اور اتنی خوبصورت کہ دس جوب لائنس لے کر بھی ڈھونڈو گی تو مجھ سی حسین لڑکی نہیں ملے گی۔" ماوی نے اتر اکر کہا انیمہ کو ہنسی آگئی۔

"تمہارے حسن کا میں نے اچار نہیں ڈالنا خوبصورت لڑکی!"

"اب آگے سے ہٹو مجھے اندر جانا ہے بہت بھوک لگی ہے تمہاری..!"

"نہیں ہٹوں گی پہلے مجھے اصل بات بتاؤ۔" ماوی نے اڑیل پن سے کہا۔

"ارے کوئی بات ہے ہی نہیں۔ میں نے تو یونہی ایک بات پوچھی تھی۔ تم نے بریکا کو ابنا دیا۔"

"تو یہ کوئی معمولی کام ہے؟ صرف ٹیلنٹڈ لوگ ہی یہ کام کر سکتے ہیں۔ ورنہ میں تمہیں درجن بھر "پر" لا دوں گی۔ بنا کر دکھانا کوا۔" اس نے اطمینان سے بے پر کی ہانکی۔

"ماوی!" انیمہ کو تاؤ ہی آگیا۔ "تم انتہائی کمینی خسادن اور۔ اور..!"

"ذہین۔ عقل مند۔" ماوی نے جھٹ سے لقمہ دیا۔

"جی نہیں۔ کمینی خسادن اور مکار ہو۔ بات کا بتنگڑ بنا دیا۔ ہٹو مجھے تم سے بات ہی نہیں کرنی۔" وہ غصہ کرکے جیسے رستہ تڑوا کر بھاگی۔

"بات بے شک نہ کرو لیکن مدد کی ضرورت ہو تو بتا دینا۔ جو مجھ سے بات نہ کرے میں ان کی بھی مدد کر دیتی ہوں۔"

ماوی نے کھنکتے ہوئے لہجے میں آواز لگائی تھی۔ انیمہ نے مڑ کر بھی نہیں دیکھا۔ مبادا وہ اس کے چہرے سے ہی اس "راز" کا سراغ پالے جس کا اظہار وہ خود اپنے آپ سے بھی کرتے ڈرتی تھی۔

☆ ☆ ☆

"مجھے یقین نہیں آرہا عبیر!"

ٹھیک دو روز بعد تنوی نے کینٹین میں بیٹھ کر عبیر سے کہا تھا اس کے لہجے سے زمانے بھر کا تاسف اور بے یقینی چھلکتی تھی۔

تم ایک ابر آلود دن تھا کچھ دیر پہلے موسلا دھار بارش برس کر دھیمی ہوئی تھی اور اب کن من بوندوں کی صورت زمین کی گود سیراب کر رہی تھی۔ اب ایسے غضب موسم میں کلاس روم میں کون ٹکتا۔ نیچرز نے اسٹاف روم کی راہ

digestpklibrary.com

لی۔ اسٹوڈنٹس برآمدوں میں بکھر کر موسم کا لطف لینے لگیں جنہیں وہاں جگہ نہ ملی انہوں نے کینٹین پر قبضہ جما لیا۔ وہ دونوں حسب معمول کونے کی میز پر اور کھڑکی کے پہلو میں بیٹھی تھیں جب تنوی نے کھڑکی سے باہر لڑکیوں کی صورت میں برستی بوندوں کو دیکھتے ہوئے افسردگی سے کہا۔

"ظاہر ہے میری بات پر تمہیں یقین آئے گا بھی کیسے؟" عبیر نے تندہی سے پلیٹ میں رکھے سموسے کا کچومر نکالتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

"خود سموسہ کھا کر دیکھو پھر میری بات پر یقین آئے گا کہ آج سموسوں میں آلو تو ڈالے ہی نہیں ہیں شیم آنٹی نے۔ اس کینٹین کا معیار دن بدن گرتا جا رہا ہے۔" عبیر نے ناک چڑھا کر کہا تھا تنوی کی بے یقینی "تاسف سنجیدگی پر جیسے ٹھنڈا پانی گرا۔ اس نے غور کر عبیر کو دیکھا۔

"میں عروش کی بات کر رہی تھی۔"

"اچھا۔" اس نے قدرے تعجب کے ساتھ کہا پھر ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

"میں سمجھی سموسے کی بات کر رہی ہو۔" وہ پھر پلیٹ پر جھکی۔

"عبیر کی بچی! کس قدر پیٹو ہو تم۔" تنوی نے پلیٹ اٹھا کر اس کی پہنچ سے دور کی۔

"میری پلیٹ واپس کرو تنوی!" عبیر نے روہانسی ہو کر کہا۔

"خود تو تم چڑیا جتنا کھاتی ہو اور چاہتی ہو کوئی دوسرا بھی نہ کھائے۔"

"لیکن میں بتا دوں تم سے دوستی اپنی جگہ اور سموسے سے میرا عشق اپنی جگہ کوئی میرے اور سموسے کے درمیان آئے میں قطعاً برداشت نہیں کروں گی۔ تمہارے لیے یہی بہتر ہوگا کہ میری سموسے والی پلیٹ مجھے واپس کر دو ورنہ ابھی اس کینٹین میں لاشیں بچھ جائیں گی۔" اچانک اس نے دھمکاتے ہوئے کہا۔

تنوی نے اس کی غیر سنجیدگی پر غور کر دیکھا پھر پلیٹ اس کے سامنے رکھ دی۔

"ایک دن کھا کھا کر پھٹ جاؤ گی عبیر!"

"تمہارے منہ میں خاک۔" عبیر نے خوش دلی سے کہا' پلیٹ سامنے کی اور مزے سے کھانے لگی۔

"ایک سموسہ کھا کر کچھ حواس ٹھکانے آئے ہیں۔ ہاں اب بولو۔ کس بات پر یقین نہیں آرہا۔" اس نے خود کلامی کرتے ہوئے پوچھا۔

"عروش والی بات پر۔ یہی کہ وہ نشہ آور چیزیں فروخت کرتی ہے یار! اس سے خریدتا کون ہوگا؟" تنوی نے معصومیت سے پوچھا۔ ظاہر ہے اس بار قصہ کرنے کی باری عبیر کی تھی۔

"تنوی! اس قدر عقل مندانہ سوال تمہارے ذہن میں آتے کہاں سے ہیں؟ ظاہر ہے کالج کی لڑکیاں خریدتی ہوں گی۔" اس نے آواز دبا کر کہا۔

"سب؟" ایک اور سوال آیا۔

"سب کیوں خریدیں گی! صرف وہ خریدتی ہیں جو عقل سے پیدل' ناعاقبت اندیش' ناہنجار' نالائق لڑکیاں ہوتی ہیں۔ وہی ایسی چیزیں لیتی ہیں۔ اور وہاں جن کے پاس ضرورت سے زیادہ پیسہ ہوتا ہے وہ بھی خریدتی ہیں۔"

"عبیر!" تنوی نے تنفر سے کہا۔ تمہارے خیال میں نمرو بھی یہ سب لیتی ہوگی؟"

عبیر 'نمرو کے نام پر سنجیدہ ہو گئی۔ اس نے چند لمحے سوچا۔ "ابھی تک تو نہیں۔ میرا خیال ہے۔ دیکھو میں فیصد یقین نہیں ہوں۔ لیکن جس رفتار سے وہ عروش کے قریب ہو رہی ہے۔ وہ وقت دور نہیں جب وہ ڈرگز استعمال کرنے لگے گی۔" اس نے پیش گوئی کی۔

تنوی خوف زدہ ہو گئی کیونکہ عبیر کی پیش گوئیاں عموماً درست ثابت ہوتی تھیں۔

"ہمیں اس کے گھر والوں کو انفارم کرنا چاہیے۔" تنوی نے خیال ظاہر کیا۔

"ہمارے پاس ثبوت نہیں ہے تنوی!" عبیر نے رسان سے کہا۔

"اور ثبوت کے بغیر وہ لوگ ہماری بات کیوں سنیں گے۔ خوامخواہ ہماری بے عزتی ہو جائے گی۔"

"مجھے حیرانی ہے اگر یہ ساری باتیں تمہارے انکل کو معلوم ہیں تو وہ عروش کے خلاف ایکشن کیوں نہیں لیتے؟"

"میں نے انکل سے پوچھا تھا تو وہ کہنے لگے ہم بھی کسی ٹھوس ثبوت کی تلاش میں ہیں کیونکہ جو لوگ غلط کام کر رہے ہوتے ہیں وہ اتنی آسانی سے قابو نہیں آتے۔ عروش پر شک سب سے پہلے ٹیچر زرتاشیہ کو ہوا تھا جو ہاسٹل میں رہتی ہیں۔ عروش کا ہاسٹل میں بہت آنا جانا تھا تب سے ٹیچر زرتاشیہ اور کچھ اور ٹیچرز اس کی نگرانی کر رہی ہیں مگر مجال ہے جو عروش اپنے پیچھے کوئی ثبوت چھوڑے۔"

"مجھے تو نمرو کی فکر ہو رہی ہے۔ اگر وہ بھی عروش سے ڈرگز لینے لگی تو..." تنوی بے حد پریشانی میں زور سے بولی تھی لیکن جملہ پورا ہونے سے پہلے عبیر نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"خدارا! اپنا ولیوم ہلکا رکھو۔ سارے زمانے کو تاؤ کی کیا۔" اس نے جھنجلاتے ہوئے کہا تھا۔ تنوی شرمسار سی ہو کر خاموش ہو رہی۔

"انکل نے کہا تھا کسی اور کو ان باتوں کی بھنک بھی نہ پڑے لیکن میں نے جذباتیت میں تمہیں اور نمرو کو بتا دیا۔ مقصد صرف یہی تھا کہ وہ خوف زدہ ہو جائے اور عروش سے دور ہو جائے۔ لیکن اب مجھے لگ رہا ہے مجھ سے تھوڑی سی غلطی ہو گئی۔ اتنی جلدی نمرو کو ڈرگز والی بات نہیں بتانا چاہیے تھی۔ وہ جا کر عروش کو ضرور بتائے گی اور عروش محتاط ہو کر اپنی سرگرمیاں محدود کر دے گی۔ اس طرح تو اس کے خلاف ثبوت ملے گا نہ وہ کالج سے نکالی جائے گی۔ پچھلے چار سال سے مسلسل کالج میں ٹکی ہوئی ہے یقیناً اس کی بیک پر کوئی اسٹرونگ پارٹی ہے۔ عروش کے خلاف ثبوت جمع کرنے کے لیے کوئی اور چکر چلانا پڑے گا۔"

عبیر خود کلامی کے انداز میں بول رہی تھی اور تنوی ہونقوں کی طرح اسے بولتا سن رہی تھی۔ جب عبیر خاموش ہوئی تو اس نے رشک آمیز انداز میں کہا۔

"ماشاء اللہ عبیر! تمہارا دماغ تو کسی جاسوسی فلم کے ڈیٹیکٹو (جاسوس) سے بھی زیادہ تیز چلتا ہے۔"

"بس جی۔ اللہ کا کرم ہے ورنہ بندی کسی قابل کہاں۔"

عبیر نے عاجزی سے کہا اور ایک اور سموسے کا کچومر نکالنے لگی۔

☆ ☆ ☆

الیہ بڑی دیر سے کتابوں سے سر کھپا رہی تھی مگر مجال ہے جو ایک لفظ بھی سمجھ آرہا ہو۔

عجب بیزاری سی بیزاری تھی۔

تھک ہار کر اس نے ہاتھ میں پکڑی کتاب بیڈ پر پٹخی اور وہیں کتابوں پر سر رکھ کر آڑھی ترچھی ہو کر لیٹ گئی اور اسی بات پر غور کرنے لگی جس پر دل و دماغ کی مکمل آمادگی ظاہر ہوتی تھی۔

لیکن ہوتا یوں ہے کہ بعض اوقات دل و دماغ کی آمادگی بھی کسی نتیجہ پر پہنچنے میں معاون ثابت نہیں ہوتی۔ شاید اسی لیے وہ کشمکش کا شکار تھی بلکہ کشمکش بھی کیا تھی سوچ کا ایک نقطہ ہی تھا جو اس کے حواس پر چھایا ہوا تھا۔

digestpk.blogspot.com

دراصل ہر نظر کا ایک طلسم ہوتا ہے۔
اور ہر طلسم ایک نئی دنیا کی دریافت کی کنجی۔
کنجی دل کی بھی ہوتی ہے۔
لیکن دل کا دماغ نہیں ہوتا جو بیٹھ کر سود و زیاں کا فیصلہ کرے۔ دماغ ہوتا تو دل بہتا سوچے سمجھے اس وادی پرخطر میں قدم دھرنے کی حماقت نہ کرتا جس کی دہلیز توجہ کی کنکریوں سے مل کر بنتی ہے۔
"توجہ؟" وہ کھلکھلا کر سر پر ہاتھ مارتی اٹھ بیٹھی۔
"انہوں نے مجھ پر کب توجہ دی جو میں اتنا کچھ سوچ رہی ہوں۔"
یا اللہ وہ جھنجلا کر بیڈ سے اتری اور سر سے ہر سوچ جھٹکتی دوپٹہ کندھوں پر ڈال کر کمرے سے باہر آگئی۔
(وہ نہیں جانتی تھی توجہ کی حیثیت مضبوط سہی لیکن محبت ہمیشہ بے خبری میں نقب لگاتی ہے۔ انجانے میں وار کر دیتی ہے۔ محبت صحت سہی مگر ہے کمبخت)
اس کا رخ ولی اور ولید کے کمرے کی طرف تھا فی الحال وہ کسی ایسی چیز کی تلاش میں تھی جو اس کے ذہن سے بوجھ کی طرح چپکے ان عجیب و غریب خیالات کو نکال دے۔
لیبری سے گزرتے ہوئے اس نے سرسری سی نگاہ نیچے لاؤنج میں ڈالی دانیال حسن کے ساتھ فیضان حیدر لاؤنج کے صوفوں پر بیٹھے دکھائی دے رہے تھے۔ سینٹرل ٹیبل پر فائلز رکھی ہوئی تھیں ان کے گفتگو کی آواز ہلکی سی بھنبھناہٹ کی صورت میں اس کی سماعت سے ٹکرا رہی تھی اور لگتا تھا بڑی سنجیدہ گفتگو ہو رہی ہے۔ وہ ایک فائل اٹھاتے ایک رکھتے۔ گویا بری طرح غرق تھے۔
لیبہ بے ارادہ ہی گرل پر کہنیاں ٹکا کر انہیں دیکھنے لگی۔ دیکھتی رہی دیکھتی رہی دیکھتی رہی۔
"آخر ایسا کیا ہے ان میں کہ میں مستقل انہی کے بارے میں سوچ رہی ہوں۔ نہ صرف سوچ رہی ہوں بلکہ ہر ہی دل میں کہیں اس خدشے کا شکار بھی ہو گئی ہوں کہ جو میں محسوس کر رہی ہوں وہ محبت تو نہیں۔" پھر اس نے سر جھٹکا۔
"محبت ایسے ہوتی ہے۔ کسی کے لیے پسندیدگی کے جذبات ہونے کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ ان فیلنگز کو محبت کا نام دے دیا جائے۔" بالآخر وہ نتیجہ پر پہنچ ہی گئی اسی وقت فیضان نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا لیبہ بے دھیانی میں جانے کب سے انہیں دیکھ رہی تھی سٹپٹا کر وہاں سے ہٹ گئی۔
فیضان نے لاشعوری طور پر سر اٹھایا تھا لیکن اسے دیکھ کر مسکرانے کے لیے پر تول ہی رہے تھے کہ وہ ہٹ گئی۔ فیضان متعجب ہوئے اور وہ خفیف سے ہو کر فائلز پر جھک گئے۔
لیبہ بوکھلاہٹ میں دھاڑ سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔
"ولی! کیا کر رہے ہو؟" ولی اپنی جھونک میں تھا بری طرح چور گیا۔
"تمہیں کیا ہوا ہے انو؟"
"مجھے؟ کچھ نہیں۔"
"پھر اس طرح کمرے میں کیوں آئی ہو؟" وہ جھنجلایا۔
"آں۔" لیبہ نے پل بھر کو سوچا پھر دانت نکال کر بولی۔
"میں تمہیں سرپرائز دینا چاہ رہی تھی۔"
"دو۔" اس نے ہاتھ پھیلایا۔

"کیا؟" اس نے ناسمجھی سے پوچھا۔
"سرپرائز؟" ولی اور جھنجلایا۔
"میں نے ارادہ بدل دیا ہے۔" لیبہ نے جلدی سے کہا پھر پوچھنے لگی۔ "کیا کر رہے ہو ولی؟ چلو لان میں چل کر بیڈمنٹن کھیلتے ہیں۔"
"پھر کبھی سہی۔ ابھی میں بزی ہوں۔" ولی نے رخ پھیرتے ہوئے کہا۔
"کر کیا رہے ہو؟" وہ اندر آگئی۔ ولی پلے اسٹیشن سیٹ کیے بیٹھا تھا۔
"گیم کھیل رہا ہوں۔ پتا ہے انو! میں نے Highest اسکور بنایا ہے۔" اس نے بہت خوش ہو کر اطلاع دی۔
"میں بھی کھیلوں گی۔" وہ اس کے ساتھ آکر بیٹھ گئی اور دوسرا ریموٹ کنٹرول سیٹ کرنے لگی۔
"کیا کر رہی ہو۔ میری گیم بیچ میں خراب کراؤ گی۔" ولی نے غصے سے کہا۔ "بعد میں کھیل لینا ابھی مجھے کھیلنے دو۔"
"میں بہت بوریت محسوس کر رہی ہوں ولی! پلیز کھیلنے دو نا۔"
ناچار ولی کو اس کی بات ماننا پڑی۔ وہ کچھ دیر لیبہ کو گیم کے رولز سمجھاتا رہا پھر جب گیم شروع ہوا تو ولی نے گردن موڑ کر لیبہ کو دیکھا پھر جھکتے ہوئے کہنے لگا۔
"انو! ایک بات پوچھوں؟"
"ہوں۔" وہ بری طرح گیم میں غرق تھی۔
"تمہیں نہیں لگتا ڈیڈی بدل گئے ہیں؟" اس نے بڑے سوچنے انداز میں کہا تھا۔ "وہ پہلے ایسے غصہ نہیں کرتے تھے جیسے اب کرتے ہیں ہر وقت غصے میں رہنے لگے ہیں۔ مجھے کئی مرتبہ ڈانٹا بھی ہے۔ آئی تھنک ان کا کسی سے بھی جھگڑا ہوا ہے۔"
"ہاں۔" لیبہ بری طرح چونکی اس کے ہاتھ ریموٹ کنٹرول پر سست پڑ گئے۔
"تمہیں ایسا کیوں لگ رہا ہے ولی!"
"بتاتو رہا ہوں انہوں نے مجھے پورے پانچ بار بہت غصے سے ڈانٹا ہے پھر ممی اور ڈیڈی ایک دوسرے سے بات بھی نہیں کرتے۔ تم نے نوٹس نہیں کیا؟"
وہ الجھا الجھا سا بول رہا تھا۔ لیبہ کو بڑا عجیب سا احساس دامن گیر ہوا محسوس تو وہ بھی کر رہی تھی کہ ممی ڈیڈی ایک دوسرے سے کھنچے کھنچے سے رہنے لگے ہیں لیکن وہ تو اکثر ہی ان کے رویوں کی کھٹ پٹ محسوس کرتی رہتی تھی یہ کوئی نئی بات تو نہیں تھی۔ البتہ ولی کا اس سنجیدگی سے محسوس کر لینا ضرور نئی بات تھی۔
"ایسی تو کوئی بات نہیں ہے ولی! تمہیں یونہی محسوس ہوا ہوگا۔"
اس نے ولی کا ذہن بٹانے کی غرض سے لاپروائی سے کہا تھا۔
"تمہیں کیسے پتا؟ تم نے ممی ڈیڈی سے پوچھا ہے۔"
لیبہ اس سوال پر پل بھر کے لیے گڑبڑا گئی۔
"نہیں۔ پوچھا تو نہیں ہے۔" پھر فوراً بولی۔
"ولی! تمہیں غلط فہمی ہوئی ہوگی۔ ڈیڈی ضرور اپنے آفس کے کسی کام میں الجھے ہوں گے تبھی تمہیں ڈانٹ دیا۔ ویسے بھی وہ آج کل اپنے بزنس کے سلسلے میں اتنے الجھے ہوئے ہیں کہ کھانے پینے کا بھی انہیں ہوش نہیں ہے۔

digestPK.blogspot.com

بطورِ خاص غصہ کرنے کی فرصت کہاں سے نکال سکتے ہیں۔ پھر ممی اور ڈیڈی کا جھگڑا تو ہو ہی نہیں سکتا۔ وہ سب لوگ ہیں ولی! تم نے کبھی انہیں جھگڑا کرتے ہوئے دیکھا ہے۔"

"جھگڑا کرتے ہوئے نہیں دیکھا لیکن... کبھی پیار سے بات کرتے بھی نہیں دیکھا۔" وہ الجھا الجھا سا بول رہا تھا جیسے خود بھی کچھ سمجھ نہ پا رہا ہو کہ اس کے ذہن میں سمائی ہوئی گتھی کیا ہے۔

"او بھائی! تو ممی ڈیڈی پر غور کرنے کے ساتھ ساتھ ٹی وی دیکھنا بھی کم کر دے۔ ہاہاہا۔"

اچانک ولید نے واش روم سے نکلتے ہوئے کہا تھا وہ نہا کے نکلا تھا اور تولیے سے اپنا سر رگڑتے ہوئے ولی پر ہنس رہا تھا۔

"پیار سے بات کرتے نہیں دیکھا۔ یہ اتنی مزاحیہ بات ہے کہ مجھے لگ رہا ہے۔ ہنس ہنس کر میرا پیٹ پھٹ جائے گا۔ موئے آوبا تمہارا کیا خیال ہے ہمارے ممی ڈیڈی کو بھی فلمی ممی ڈیڈی کی طرح رومانس جھاڑتے نظر آنا چاہیے؟ ہاہاہا۔"

"میں نے یہ نہیں کہا۔" ولی نے سنجیدگی سے کہا۔

"پھر کیا فرمایا ہے آپ محترم آکو صاحب پلیز ری پیٹ اگین۔ ویسے دیکھ لو انہیں اس کو موٹی عقل کہتا ہوں تو غلط نہیں کہتا۔ شوق ملاحظہ فرماؤ جناب کے۔"

ولید ٹی ہیو پور سیلف۔" الیسہ نے جھنجلا کر کہا تھا۔ ولی نے ریموٹ کنٹرول کارپٹ پر پھینکا اور صوفے کے پاس جا کر سلیپر پہننے لگا۔

"تم لوگ مجھے بچہ سمجھتے ہو مگر میں نہ تو بچہ ہوں نہ ہی بیوقوف کہ تم لوگ مجھے ایسی باتوں سے ٹرخاؤ۔ میں تم لوگوں سے دوبارہ بات ہی نہیں کروں گا۔ کسی عقل مند کو ڈھونڈوں گا بات کرنے کے لیے۔" وہ غصے سے باہر نکل گیا۔ ولید اور الیسہ اسے آوازیں دیتے رہ گئے لیکن ولی نے پلٹ کر بھی نہیں دیکھا تھا۔

"ہنہ! اب اس کو کوہم عقل مند آدمی ہی نہیں لگتے۔ امیزنگ۔"

"تمہیں کیا ضرورت تھی ولی سے ایسی باتیں کرنے کی؟" الیسہ نے جھنجلاتے ہوئے کہا۔

"میں تو صرف اسے بہلانے کی کوشش کر رہا تھا۔" اس نے وارڈروب سے ایک شرٹ نکالتے ہوئے کہا۔

"اس طرح...؟"

"پھر کس طرح؟" ولید نے الٹا اسی سے پوچھا۔ الیسہ نے سر جھٹکا اور گہرا سانس بھرتے ہوئے اسکرین کی طرف متوجہ ہو گئی لیکن حقیقتاً اس کا دل گیم سے بری طرح اچاٹ ہو چکا تھا۔

☆ ☆ ☆

مادی اپنی ہی دھن میں مگن چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی برآمدے کی سیڑھیاں چڑھ رہی تھی کہ ولی غلیل سے چھوٹے پتھر کی طرح باہر نکلا۔ مادی نے بے ساختہ اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر حفیظاً "اس کے بریکس لگوائے تھے ورنہ زبردست ٹکر ہونا تھی۔

"مائی گاڈ! اس رفتار سے تو ان اسٹاپ ٹرین بھی نہیں چلتی ہوگی جس رفتار سے تم چل رہے ہو ذرا دھیان سے ولی! بے دھیانی میں کہیں کوئی نہ پہنچ جانا۔"

اس کے ہلکے پھلکے مذاق پر بھی ولی کے تاثرات نہ بدلے۔

"سامنے سے ہٹو میں جا رہا ہوں۔" اس نے ناراضی سے کہا تھا۔

"جا کہاں رہے ہو؟" اس نے تن کر کھڑے ہوتے ہوئے کہا تھا۔

"موٹر سائیکل کرنے جا رہا ہوں۔" اس نے جھنجلا کر کہا تھا۔

"اچھا۔ اچھا۔ میں کبھی گھر چھوڑ کر جا رہے ہو۔" مادی نے سر ہلاتے ہوئے کہا تھا جیسے گھر چھوڑنا خودکشی سے بڑی بات ہو۔

ولی کا غصہ اور بھی بڑھ گیا وہ ایک طرف سے ہو کر آگے بڑھنے لگا مادی پھر جلدی سے سامنے آگئی۔

"خودکشی کرنے کی ایسی بھی کیا جلدی ہے؟ پھر کبھی کر لینا ابھی میرے ساتھ چل کر گیم کھیلو۔"

"میرا موڈ نہیں ہے۔" وہ بے اختیاری سے بولا۔

"اچھا سائیکلنگ کے بارے میں کیا خیال ہے؟" اس نے ایک اور حربہ آزمایا۔

"او ہو بھئی۔ میں لڑکیوں کے ساتھ نہیں کھیلتا۔" ولی نے اکتا کر کہا تھا۔ مادی کو بڑے زور کی ہنسی آئی جسے اس نے بمشکل روکا۔

"کیوں؟"

"کیونکہ لڑکیاں رزیل ہوتی ہیں۔" ولی نے گرون اکڑا کر کہا تھا۔ "ہار کر رونے لگتی ہیں۔"

"میں نہیں روؤں گی۔" مادی نے جلدی سے کہا۔ "بلکہ شرط لگاتے ہیں اگر میں ہار گئی تو تمہیں ایک آئس کریم کھلاؤں گی اور جیت گئی تو تو کھلاؤں گی۔"

ولی سوچ میں پڑ گیا پھر اسی طرح پوچھنے لگا۔

"تمہارے پاس سائیکل ہے؟"

"یہ سائیکل پڑی تو ہیں۔" اس نے ڈرائیو وے کے ایک سائیڈ پر کھڑی اسپورٹس سائیکل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"ان میں سے ایک میری ہے لیکن دوسری ولید کی ہے۔ وہ اپنی سائیکل لینے پر بعد میں جھگڑا کرے گا۔" ولی نے اسے خبردار کرنا چاہا۔

"ارے ولید کی ایسی کی تیسی۔ اسے میں دیکھ لوں گی تم بس پوزیشن سنبھالو۔" مادی نے لاپروائی سے کہا لیکن اس سے قبل کہ سائیکل کی طرف جاتی ثمینہ کی آواز سنائی دینے لگی وہ انیکسی کے باہر کھڑی اسے پکار رہی تھیں۔ مادی ولی سے انتظار کرنے کا کہہ کر ان کی طرف آگئی۔

"شہوز کا فون ہے۔" وہ کارڈلیس پکڑے کھڑی تھیں۔ مادی نے فون جلدی سے کان سے لگا لیا۔

"ہیلو شہوز!"

"شکر ہے تمہاری آواز بھی سننے کو ملی۔" شہوز نے چھوٹتے ہی کسی قدر ناراضی سے کہا تھا۔

"تمہیں میری آواز سننے کا اتنا شوق ہے تو میں ہر روز تمہیں کال کر سکتی ہوں۔" مادی نے حسب عادت ہنس کر کہا تھا۔

"یہ بات تو تم ہر بار کہتی ہو مگر مجال ہے جو کبھی خود کال کی ہو میری کال ہی اٹینڈ کر لو تو یہی بات ہوتی ہے۔"

"اب اس بار کھٹکی۔ شہوز کچھ زیادہ ہی خفا لگ رہا تھا۔

"تمہیں ذرا بھی احساس ہے کل سارا دن میں تمہارے لیے کتنا فکر مند رہا ہوں۔ سیل فون پر کال کرو تو تم اٹینڈ کرنے کی زحمت نہیں کرتیں لینڈ لائن پر کرنے کا فائدہ ہی نہیں کیونکہ سارا دن تو تم گھر سے باہر رہتی ہو۔"

"ارے میں بتانا ہی بھول گئی میرا سیل فون کل لائبریری میں ہی رہ گیا تھا۔ اگر تم ممی کے سیل پر کال کرتے تو مجھ سے بات ہو سکتی تھی۔"

"تم سے سیل سنبھالا نہیں جاتا تو لیتی ہی کیوں ہو؟" شہوز نے گہری سانس بھر کر اسے لتاڑا۔ "اب نیامت

digestpk.blogspot.com

خریدنا' حد ہوتی ہے لاپروائی اور غیر ذمہ داری کی۔"

"تم فکر مت کرو شہوز! شادی کے بعد میں سیل فونز پر تمہارا خرچہ نہیں کروایا کروں گی۔" ماوی نے جلدی سے کہا تھا۔

"جانے دو' مجھے اچھے خواب نہ دکھاؤ! اچھی طرح اندازہ ہے شادی کے بعد تم میری جیب کتنی ہلکی رکھنے والی ہو۔"

"سو سویٹ آف یو شہوز! تم مجھے کتنی اچھی طرح سمجھتے ہو۔" وہ شرارتی انداز میں گویا ہوئی تھی۔

"کاش! میں بھی تمہارے بارے میں یہی کہہ سکتا۔"

"مطلب؟"

"مطلب یہ کہ میرا برتھ ڈے چھ روز پہلے گزر چکا اور اس سال بھی تم کو مجھے وش کرنا یاد نہیں رہا۔"

ماوی نے بے ساختہ دانتوں تلے زبان دباتے ہوئے سر پر ہاتھ مارا تھا۔ تاریخیں یاد رکھنے کے معاملے میں اس کی یادداشت بے حد کمزور تھی۔ وہ جتنا ایسے معاملات میں لاپروا تھی شہوز اتنا ہی ان باتوں کو اہم سمجھتا تھا۔ وہ ہر سال عہد کرتی کہ شہوز کو سب سے پہلے وش کرے گی اور ہر سال شہوز کو ہی اسے یاد کروانا پڑتا۔

"اب خاموش رہ کر کوئی اچھا سا بہانا ڈھونڈ رہی ہو؟"

"بالکل نہیں۔" ماوی نے ڈھٹائی سے کہا تھا۔ "میں تو سوچ رہی تھی چھ دن اتنے زیادہ تو نہیں ہیں کہ میں لیٹ وش نہ کر سکوں؟"

"کوئی ضرورت نہیں ہے۔" شہوز نے تڑخ کر کہا تھا۔

"جانے دو شہوز! اب بڑے ہو جاؤ۔"

اس نے ہنسی دباتے ہوئے کہا۔ "یہ ایسی بڑی بات نہیں ہے کہ تم بچوں کی طرح خفا ہو۔"

"تم لڑکیوں کو ایسا کیوں لگتا ہے کہ لڑکے کسی بات پر خفا ہوتے ہیں تو وہ بچوں جیسی بات ہوتی ہے؟ مجھے ایک بات بتاؤ میں تو آج تک تم سے متعلق کوئی بات نہیں بھولا' تم میرا برتھ ڈے یاد نہیں رکھ سکتیں؟ اگر کبھی میں بھول جاؤں تو؟"

"بھول کر بھی ایسی غلطی مت کرنا میں تمہارا سر پھاڑ دوں گی۔" اس نے نخرے سے کہا تھا۔

"دیکھا۔ میں نے تو تمہارا سر نہیں پھاڑا۔ یہاں تک کوئی لڑکا کسی لڑکی کا سر نہیں پھاڑتا' لیکن اگر یہ ہی غلطی لڑکے سے ہو تو لڑکی اسے کبھی نہیں بخشتی۔"

"ہاں تو ٹھیک ہے نا' لڑکیوں کا حق ہوتا ہے کہ تم لڑکے ان کے ناز اٹھاؤ۔"

"تم لڑکیاں کمال ہوتی ہو۔" اس نے سنگ کر کہا تھا۔ "حقوق و فرائض بھی خود ہی طے کر لیتی ہو۔ کسی سے سر کے مشورے کے بغیر۔"

"لگتا ہے لڑکیوں پر آج کل بڑی ریسرچ ہو رہی ہے۔" اس نے مزے سے چڑایا۔

"ابھی تو میں ایک مصیبت کو سمجھ نہیں پایا۔ بہت ساری لڑکیوں پر ریسرچ کرنے کی کوشش میں پاگل ہوا ہے۔"

وہ شہوز کو چڑانا چاہ رہی تھی' لیکن اس بات پر خود ہی چڑ گئی۔

"مجھے مصیبت کہہ رہے ہو؟"

"نہیں۔ تمہیں کیسے کہہ سکتا ہوں۔" شہوز نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

"تمہارے لیے تو مصیبت سے بڑا کوئی لفظ ہونا چاہیے۔"

"شہوز!" وہ جل کر خاک ہوئی۔ "تم بہت بدتمیز ہو میں فون بند کر رہی ہوں۔"

"کیوں؟"

"مجھے ولی کے ساتھ سائیکلنگ کے لیے جانا ہے۔"

شہوز خاموش رہا' یہاں تک کہ ماوی کو لگا لائن کٹ چکی ہے۔

"ٹھیک ہے تم جاؤ میں رات کو کال کروں گا۔"

"نہیں۔ تم مت کرنا۔ رات کو کال میں کروں گی۔ ورنہ تم تو ساری زندگی مجھے جتاتے ہی رہو گے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا تھا' شہوز نے غصے سے کر فون بند کر دیا۔

ماوی نے دیکھا' ولی سائیکل کی چین چڑھا رہا تھا' اس نے کار ویسے ہی پر کھڑے کے جھولے پر رکھ دیا اور ولی کی طرف چل دی۔ پھر اس تھوڑی سی تفریح کا اور کوئی فائدہ ہوا یا نہیں' البتہ یہ ضرور ہوا کہ ولی کے ذہن پر چھایا بوجھل پن ختم ہو گیا اور ولی سے چھوٹی چھوٹی باتیں کرتے ہوئے ماوی کی بوریت بھی دور ہو گئی۔

☆ ☆ ☆

دھول سے اٹی سڑک پر دین محمد کی ماں اور جنت آگے پیچھے چل رہی تھیں۔ دین محمد کی ماں جامو بھاتی عورتوں کی طرح کا عام سا لباس پہنے ہوئے تھی اور اسی مخصوص انداز میں اس نے چادر اوڑھی ہوئی تھی۔ فیضی کی وجہ سے اس کے کندھے جھکے ہوئے تھے' لیکن جھکے ہوئے کندھوں کے باوجود وہ زور آور بڑھیا معلوم ہوتی تھی۔ جنت اس سے چند قدم آگے چل رہی تھی' وہ سرخ رنگ کی شلوار کے ساتھ سبز قمیص اور سرخ دوپٹہ اوڑھے ہوئے تھی۔ سرخ رنگ میں اس کی رنگت چاندی کی طرح چمک رہی تھی۔

بہترین رنگ روپ' سلیقے' تمیز' تہذیب اور اچھی اٹھان اسے ماں' باپ سے وراثت میں ملی تھی۔ دین محمد کی ماں کو لگتا تھا جنت کا قد دنوں کے حساب سے بڑھ رہا ہے اور جوں جوں اس کا قد بڑھ رہا تھا توں توں دین محمد کی عقل بڑھنے کی بجائے گھٹتی جا رہی تھی۔

جنت کی عمر اس وقت ساڑھے نو برس تھی اور دین محمد نے اسے تقریباً ہتھیلی کا چھالا بنا رکھا تھا۔ دین محمد کی آنکھوں پر اس کی محبت نے گویا پٹی باندھ رکھی تھی اور عقل پر دھول جھونک دی تھی اور یہ صورت حال اس عورت کے لیے بڑی تشویش ناک تھی جو دین محمد کی ماں تھی اور جس کی زندگی ہر گزرتے دن کے ساتھ کم ہو رہی تھی۔

وہ جب بھی دین محمد کو بے جا طرف داری کرتے دیکھتی اسے بے ساختہ زہرہ یاد آ جاتی اور اس کی آنکھیں بھیگ جاتیں۔

اگرچہ دین محمد کے خوف سے وہ اپنی پریشانیوں کا ذکر کسی سے نہیں کرتی تھی' لیکن دین محمد کی جنت کے معاملے اختیار کی ہوئی غلط روش برادری میں کسی سے بھی ڈھکی چھپی نہیں رہی تھی۔ شاید اسی لیے دین محمد کی خالہ نے اسے مشورہ دیا تھا۔

"دین محمد کو ٹھیک کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے' اس کی شادی کر دے۔" اس کی بہن نے کہا تھا۔

"وہ مانتا ہی نہیں۔" دین محمد کی ماں نے پریشانی سے کہا تھا۔

"کہتا ہے جنت پہ سوتیلی ماں نہیں لاؤں گا۔"

"جنت کی محبت نے دین محمد کو بالکل ہی باؤلا کر دیا ہے' میری مان جا! جنت کو بڑے پیر جی کے دربار پر لے کر چل وہاں جا کر ساری منتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ مزار پہ منت کی چادر چڑھوانا جنت کے ہاتھوں اور دروازے سے اناج تبرک جنت کو کھلانا اور دین محمد کو بھی کھلانا۔ پیر جی کا ہاتھ جس کے سر پر پڑ جائے ان کے سائے میں جو بندہ آ جائے پھر مجال نہیں کہ عقل کے دروازے نہ کھلیں۔" بہن نے دین محمد کی ماں کو ایک نئی راہ دکھائی۔ درباروں اور مزاروں پر جانے کی وہ خود بھی شوقین تھی۔ بڑے پیر جی سے تو اسے بے حد عقیدت تھی' کیونکہ ان کا تعلق حضرت عبدالقادر جیلانیؒ سے ملتا تھا۔ پتا نہیں اس بات میں کتنی صداقت تھی' دین محمد کی ماں نے کبھی اس پہلو پر غور نہیں کیا تھا' کیونکہ اس کی عمر کے افراد کا ماننا تھا ایسی باتوں پر غور کرنا یا سوال اٹھانا گناہ کے زمرے میں آتا ہے اس لیے ان کو جوں کا توں تسلیم کر لینا چاہیے۔ لیکن دین محمد کو مزاروں پر جانا پسند نہیں تھا' اسی لیے وہ اس سے اجازت لے کر بنا جنت کو اپنے ساتھ لے گئی تھی۔ لیکن اب گھر کی طرف جاتے ہوئے یک دم دین محمد کی خفگی کا خیال ستانے لگا تھا۔

"سن جنت!" جنت چلتے چلتے گردن موڑ کر سوالیہ نظروں سے دادی کو دیکھنے لگی۔

"دین محمد سے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں کہ ہم مزار پر گئے تھے اور نہ ہی یہ بتانا کہ میں نے تجھے لنگر لے کر کھلایا تھا۔" اس کی تاکید پر جنت نے سعادت مندی سے سر ہلا دیا۔ گھر اب کچھ ہی دور رہ گیا تھا اور پھاٹکن کی ہواؤں کی گلیوں میں آزادانہ گھوم رہی تھی۔ وہ دونوں گھر میں داخل ہوئیں تو آنگن میں لگے درخت کے پتے ہوا سے یہاں وہاں اڑ رہے تھے۔ دین محمد کی ماں نے ملازمہ کو بری طرح جھڑکا' پھر پانی پلانے کے بعد آنگن صاف کرنے کا حکم دے کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ بڑے پیر جی کا دربار ساتھ والے گاؤں کے آخر میں تھا اور ساتھ والا گاؤں تین کوس دور تھا۔ دین محمد کی ماں نے مزار تک جانے کے لیے کبھی کوئی سواری استعمال نہیں کی تھی۔ وہ ہمیشہ پیدل آتی جاتی تھی۔ لیکن اب وہ بوڑھی ہو چکی تھی' پیدل آنے جانے کی مشقت نے اس کے بوڑھے بدن کو بری طرح تھکا دیا تھا۔ وہ رنگین پیڑوں والے پلنگ پر بیٹھ کر اپنے پیر سہلانے لگی' سارا جسم بری طرح تھک چکا تھا' وہ ذرا سستانے کی غرض سے لیٹ گئی۔ یہاں تک کہ اس کا بوڑھا وجود نیند میں ڈوب گیا۔ پتا نہیں پھر وہ کتنی دیر سوتی رہی' لیکن جب دوبارہ اس کی آنکھ کھلی تو آنگن سے شام کے رنگ کسی نے چرا کر وہاں سیاہی کی دوات الٹ دی تھی۔

"اٹھ اماں!" معاً اس نے دین محمد کی آواز سنی۔ وہ پلنگ کے دائیں جانب پائنتی کی طرف کھڑا کہہ رہا تھا۔ دین محمد کی ماں کو ایک دم احساس ہوا کہ اس کی آنکھ بھی دین محمد کی آواز سے ہی کھلی تھی۔

"کیا بات ہے دین محمد!"

"اماں! تو اٹھ کر اپنا سامان باندھ لے' میں تجھے باجی زبیدہ کے گھر چھوڑ دیتا ہوں۔"

"کیا کہہ رہا ہے دین محمد!" اس کی ماں نے ناسمجھی سے اس کی طرف دیکھا۔ دین محمد بے حد سنجیدہ دکھائی دے رہا تھا۔

"تو اپنا سامان سمیٹ لے اماں! اب سے تجھے باجی زبیدہ کے گھر ہی رہنا پڑے گا۔"

"کیا بول رہا ہے دین محمد! تو ہوش میں تو ہے؟ میں بیٹی کے گھر جا کر رہتی کیا اچھی لگوں گی۔" اسے دین محمد کی بات سن کر تعجب ہوا تھا۔ "لوگ کیا کہیں گے۔ لیکن اب تو میرے گھر میں نہیں رہ سکتی میری جنت کے دیکھے ہیں کیسے زخمی ہو گئے ہیں۔ تجھے کیا ضرورت تھی اسے مزار پر لے جانے کی۔" دین محمد نے تقریباً غراتے ہوئے کہا تھا۔ اس کی ماں ہکا بکا رہ گئی۔ بے ساختہ اس نے جنت کی طرف دیکھا جو دروازے کے قریب کھڑی ساری کارروائی دیکھ رہی تھی۔

"وہ میں نے تو..."

"تو نے اسے لنگر کھلایا' کیا میری بیٹی فقیر کی اولاد ہے' جو لوگوں کا بانٹا ہوا لنگر کھائے۔ میں اپنی بیٹی کو سونے کا نوالہ کھلاتا ہوں اور تو نے... آج یہ کیا ہے میری بیٹی کے ساتھ' کل کچھ اور کرے گی۔ بس اماں! بہت ہوا' اب تو اس گھر میں نہیں رہ سکتی' باقی زبیدہ کے گھر میں رہے گی تو شاید پیسے اور پوتی کی قدر آ جائے۔" اس نے سفاکی سے کہا تھا۔

"نہیں دین محمد! مجھے گھر سے نہ نکال۔ اس عمر میں بیٹی کے گھر جا کر رہوں۔ میرا بھلا خوار ہو جائے گا۔" دین محمد کی ماں نے روتے ہوئے کہا۔ دین محمد اس کے رونے اور منت پر یک دم خاموش ہو گیا تھا' لیکن اس کے چہرے سے غصہ ختم نہیں ہوا تھا۔

"جو میری شہزادیوں جیسی بیٹی کو تکلیف پہنچائے میں اسے کبھی معاف نہیں کر سکتا' اماں! جیسے یہ آخری موقع ہے اگلی بار تو نے جنت کو تکلیف پہنچائی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا یاد رکھنا۔" اس نے انگلی اٹھا کر کہا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ جنت نے دادی کو سر جھکائے دیکھا' پھر خود بھی باپ کے پیچھے لپکی۔ دین محمد کی ماں کی ٹھہری ہوئی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے اور چہرے کی جھریوں میں پھیل رہے تھے۔ اس کا بیٹا پہلے بھی اسے ڈانٹ لیتا تھا' وہ اکثر اسے کھری کھری سناتا رہتا تھا' لیکن آج تو اس نے سارا لحاظ ختم کر دیا تھا۔ اس کا بیٹا اپنی بیٹی کی خاطر اپنی ماں کو گھر سے نکالنے کی دھمکی دے گیا تھا۔ ماں کا جھکا ہوا سر اور بھی جھک گیا تھا' لیکن جنت کا سر بلند ہو گیا تھا۔ یا شاید نہیں' جنت کا صرف سر ہی بلند نہیں ہوا تھا وہ اپنے سارے وجود کے ساتھ بلند ہو گئی تھی۔ اس کے باپ نے اسے ٹشن پر نہیں رہنے دیا تھا' اپنے ہاتھ سے اٹھا کر آسمان پر بٹھایا تھا۔ آسمان... جو اتنا بلند ہے کہ جہاں سے دنیا کی ہر مخلوق بھونی بھونی دکھائی دینے لگتی ہے۔

☆ ☆ ☆

وسیم شام ڈھلے واپس آیا تو اس کا موڈ بہت خوش گوار ہو رہا تھا' وہ کسی اچھے سے گانے کی دھن گنگناتے ہوئے اندر داخل ہوا تھا۔ لیکن نئی نویلی دلہن میں انیمہ کو دیکھتے ہی اسے وہ گفتگو یاد آئی جو ان تینوں کے درمیان ہوئی تھی۔ ولید نے چند لمحے سوچا پھر اس طرف آ گیا جہاں وہ موجود تھی۔ اس نے دونوں پیر صوفے پر رکھے ہوئے تھے اور سر گٹنی کے سہارے کھڑے ہاتھ میں گرا رکھا تھا۔ اس کی نظریں ٹی وی اسکرین پر تھیں' لیکن دھیان کہیں اور تھا۔

ولید خاموشی سے جا کر اس کے ساتھ بیٹھ گیا اور ٹی وی دیکھنے لگا۔ انیمہ اس کے آنے پر چونکی' اس نے گردن موڑ کر ولید کو دیکھا' پھر نظریں ٹی وی پر جما دیں۔

ولید کچھ دیر بالکل خاموشی سے ٹی وی دیکھتا رہا' پھر اسے خلجان ہونے لگا۔ ٹی وی پر افریقہ کے جنگلات میں پائے جانے والی ایک نایاب چھپکلی کے بارے میں ڈاکیومنٹری دکھائی جا رہی تھی اور ولید کو چھپکلیوں سے صرف اتنی دلچسپی تھی کہ جب بھی اسے انیمہ کو تنگ کرنا ہوتا تھا وہ کہیں سے ایک مری ہوئی چھپکلی لے آتا تھا' اس کے بعد انیمہ آگے آگے اور ولید پیچھے پیچھے ہوتا تھا۔

اس نے کن انکھیوں سے انیمہ کو دیکھا' وہ بے توقی کی حد تک سنجیدہ دکھائی دے رہی تھی۔ ولید نے صوفے پر ان دونوں کے درمیان رکھا ریموٹ اٹھا کر چینل بدل دیا۔

"کیا ہے ولید! میں دیکھ رہی ہوں۔"

"تو کوئی ڈھنگ کی چیز دیکھ لو۔" اس نے اسپورٹس چینل سیٹ کرتے ہوئے کہا۔

"میں جو دیکھ رہی ہوں وہ ہی ڈھنگ کی چیز ہے۔" انیمہ نے ازلی پن سے کہا۔ حالانکہ جانتی تھی ولید کے

سامنے اس کی ایک نہیں چلے گی۔ پھر بھی...

"چھپکلیوں کی ڈاکیومنٹری دیکھ کر کیا کروگی؟ اچھا تم نے کبھی چھپکلیوں کی بریانی کھائی ہے؟" یک دم اس نے سنجیدگی سے پوچھا تھا تو انیہہ نے اسے بری طرح گھورا۔

"اس طرح گھورنے کا کیا مطلب ہوتا ہے؟ نہیں کھائی؟ اچھا کاکروچ کا ویریرٹ تو ضرور کھایا ہوگا۔ اور الو کے پائے کا سالن چکھا ہے؟"

انیہہ کا دل بری طرح متلا گیا۔ اس نے ناک چڑھا کر کشن اسے کھینچ مارا۔

"ایسی گندی چیزیں تم کھاؤ۔ گندے۔" ولید ہنسنے لگا۔

"نام سن کر اتنا برا لگ رہا ہے، کبھی کھالو گی تو کیا ہوگا؟"

"تم کھاؤ اپنی من پسند چیزیں۔" اس نے جل کر کہا۔

"اپنی معصوم شکل والی چھپکلیوں کو دیکھ تو بہت پیار سے دیکھ رہی تھی، کھانے کی بات پر کیا ہوا؟" ولید نے مزے سے کہا۔

"ولی سے ایسی باتیں کرنے کی کیا ضرورت تھی؟" اس نے غضب ناک نظروں سے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"میں نے تو اس سے کوئی ایسی بات نہیں کی، چھپکلی بریانی اور کاکروچ ویریرٹ کا مینو تو پہلی بار تمہیں سنا ہے۔" اس نے بن کر کہا۔

انیہہ غصے سے اٹھ کر جانے لگی تو اس نے فوراً ہاتھ پکڑ کر واپس بٹھالیا۔ پھر ذرا سنجیدہ ہو کر پوچھنے لگا۔

"ولی ہے کہاں؟"

"اپنے کمرے میں۔ موڈ آف کر کے بیٹھا ہے۔ تمہیں اس سے ایسی بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔" وہ پھر بولی۔

"یار تمہیں اس کا دھیان بٹانا چاہیے۔" ولید نے صفائی پیش کرنے والے انداز میں کہا تھا۔

"اس طرح دھیان بٹایا جاتا ہے؟" وہ جھنجلائی۔

"تو مجھے کیا پتا تھا وہ ہرٹ ہو جائے گا۔" ولید نے لاچاری اور کسی قدر ناراضی سے کہا۔ وہ کچھ دیر خاموش رہی پھر اس نے پُرسوچ انداز میں کہا۔

"اس طرح تو بہت مسئلہ ہوگا ولید! ہمیں کچھ کرنا چاہیے۔ ولی بہت چھوٹا ہے، ممی اور ڈیڈی کے درمیان کولڈ وار والی سچویشن ہے، اس کا بہت برا اثر ہو سکتا ہے ولی کے ذہن پر۔" اس کے لہجے سے پریشانی جھلک رہی تھی۔

"تم فکر نہ کرو ہمیں اسے اپنے طریقے سے سمجھانا ہوگا۔" ولید نے کہا۔ یہ بھی ایک دلچسپ پہلو تھا کہ بعض اوقات دونوں میں لڑائی ہوتی تھی تب میں بنتی بھی اتنی ہی تھی۔

"لیکن ممی۔۔۔ ڈیڈی؟"

"ان دونوں کو بس تم رہنے دو۔" ولید نے اکتائے ہوئے انداز میں کہا تھا۔ "میرا نہیں خیال کہ ہماری مزید کوشش سے ان کے ریلیشن شپ میں بہتری آسکتی ہے۔ وہ دونوں ہمیشہ سے ایسے ہی تھے اور ہمیشہ ایسے ہی رہیں گے۔ مجھے نہیں پتا دونوں میں سے غلطی کس کی ہے یا دونوں میں سے کون زیادہ کمپرومائزنگ ہے کہ ان کا اب تک نبھ رہا ہے، مجھے صرف اتنا پتا ہے کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ خوش نہیں ہیں۔ جب لوگ میں خوش نہیں ہوتے تو ایک دوسرے کو چھوڑ کیوں نہیں دیتے؟ شادی کے اٹھارہ سالوں نے ہمارے پیرنٹس کو ایسا کمپرومائزنگ بنا دیا ہے انوائرنمنٹ میں یا ولی اس کلیشیر کو پگھلا نہیں سکتے ہیں تو کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ ہم ان کی فکر چھوڑ دیں جب وہ ہماری خاطر خوش نہیں رہ سکتے یا خوش رہنے کی کوشش نہیں کر سکتے تو ہم ان کی فکر میں کیوں ہلکان ہوں۔" ولید نے تلخی سے کہا اور سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔

انیہہ اس کے خیالات سن کر ہکا بکا رہ گئی تھی، اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ولید اس قدر تلخ خیالات کا مالک ہو سکتا ہے، کیونکہ پہلے پہل اسی نے انیہہ کو ممی ڈیڈی کی طرف متوجہ کیا تھا اور اب وہی کہہ رہا تھا کہ ان لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دینا چاہیے۔ تب ہی اس نے سامنے دیکھا اور جیسے دنگ رہ گئی، ثروت اپنے بیڈ روم کے دروازے میں کھڑی تھیں اور جیسی نظروں سے وہ سیڑھیوں کی جانب دیکھ رہی تھیں، ان سے لگتا تھا وہ ولید کی ساری باتیں سن چکی ہیں۔ اس سے قبل کہ وہ کچھ کہتی ثروت نے کمرے کا دروازہ بند کر لیا۔ انیہہ ایک گہری سانس بھرتی اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

☼ ☼ ☼

رات گئے ہادی اور فیضان مینگ روم میں موجود تھے۔ ہادی صوفے پر نیم دراز ٹی وی پر کوئی ٹاک شو دیکھنے میں مصروف تھی۔ فیضان نے لیپ ٹاپ آن کیا تھا اور تین، چار فائلز قریب پڑی تھیں۔ سارے گھر میں ٹی وی کی آواز پھیلی ہوئی تھی۔ پھر پروگرام میں وقفہ کی اناؤنسمنٹ ہوئی اور کمرشلز دکھائے جانے لگے تو اس نے والیوم کم کر دیا اور چینل سے گردن موڑ کر ایک نظر فیضان کو دیکھا، گویا ان کا موڈ جانچنے کی کوشش کی۔

لیکن ایک نظر میں کیا اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔ محض ناک پہ رکھا چشمہ اور چہرے پر پھیلی سنجیدگی ہی دکھائی دی۔

"فیضی ماما!" ہادی نے آہستگی سے کہا، گویا بات کے آغاز کے لیے پر تولے۔

"ہوں۔" انہوں نے سنجیدگی بھرے "ہوں" پر اکتفا کیا۔

"میں کچھ سوچ رہی ہوں۔"

"خدا کی قدرت ہے۔ اب آپ بھی سوچا کریں گی۔" سنجیدگی میں شرارت کا تناسب خاصا کم محسوس ہوا تھا۔ ہادی نے شکوہ کناں نظروں سے انہیں دیکھا مگر وہ متوجہ ہی کہاں تھے، جو اس کے انداز دیکھ پاتے۔

"میں سوچ رہی تھی اب آپ کی شادی ہو جانا چاہیے۔"

"واٹ۔ کیا سوچا ہے۔"

"آپ میری بات دھیان سے نہیں سن رہے نا! پلیز فیضی ماما! میری طرف دیکھ کر سنیں۔" اس نے اصرار کیا۔

"او بھئی خدا میں کانوں سے سنتا ہوں آنکھوں سے نہیں۔" فیضان نے جھینپے سے مسکرا کر جواب دیا۔

"اچھا تو بتائیے میں نے کیا کہا؟" وہ اٹھ کر بیٹھتے ہوئے پوری طرح فیضان کی طرف متوجہ ہوئی۔

"کہنے کا۔ فیضی ماما! میری طرف دیکھ کر سنیں۔"

"دیکھا۔ مجھے پہلے ہی لگ رہا تھا آپ میری بات دھیان سے نہیں سن رہے، ورنہ آپ کو پتا ہوتا کہ میں نے اس سے پہلے بھی کچھ کہا تھا۔" اسے سخت صدمہ پہنچا۔

فیضان مسکرائے اور چشمے کے اوپر سے جھانکا۔

"تم نے کہا تھا کہ تم سوچ رہی ہو میری شادی ہو جانا چاہیے۔" انہوں نے رسانیت سے کہا تھا۔ ہادی خوش ہو گئی۔

"پھر آپ نے کیا سوچا؟" وہ پُرجوش ہوئی۔ "میرا مطلب ہے اس بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟"

"میری سمجھ میں نہیں آرہا آج سب لوگ میری شادی کے بارے میں ہی کیوں سوچ رہے ہیں؟"

"اچھا۔ اور کس نے سوچ لیا؟"

"تمہیں پھپھی بھی یہی کہہ رہے تھے۔"

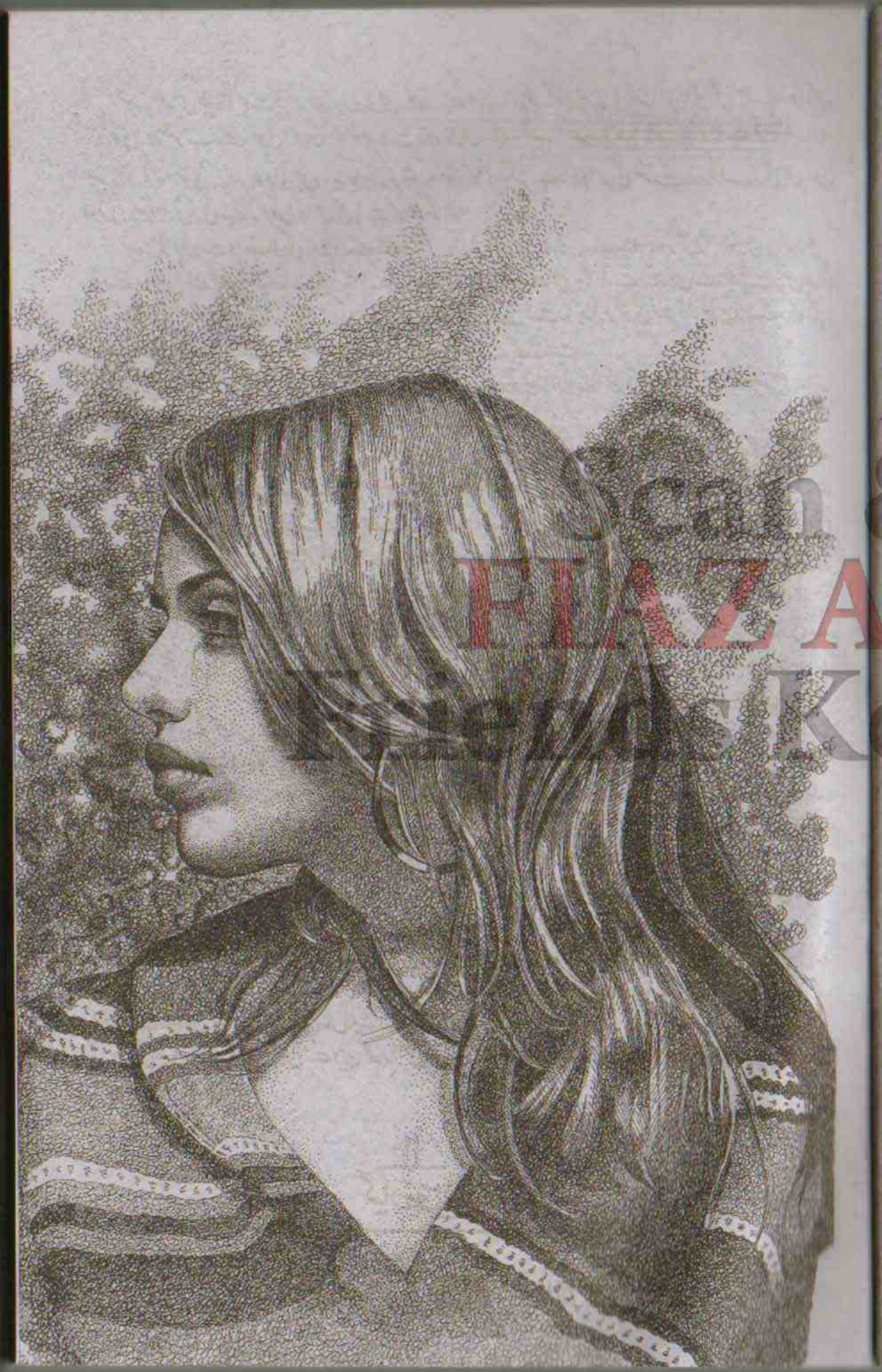
"درست کہہ رہے تھے۔ اب آپ کی شادی ہو جانا چاہیے۔ اتنے بوڑھے ہو گئے ہیں۔ اب بھی نہیں کریں

digestpk.blogspot.com

گے شادی تو کب کریں گے۔"
اس نے اپنی طرف سے انہیں جذباتی کرنے کی کوشش کی تھی مگر فیضان اطمینان سے بولے۔
"ہاں تو اب اتنی عمر میں بھی بوڑھا نہیں ہوں گا تو کب ہوں گا۔ اور ایک بات بتادوں بوڑھے۔ میرا مطلب ہے عقل مند بوڑھے شادی نہیں کرتے۔"
"بوڑھے ہوں آپ کے دشمن۔" ماوی نے تنک کر کہا۔
"میں کرواؤں گی آپ کی شادی۔" فیضان نے پہلے اس کی بات پر اطمینان سے قہقہہ لگایا پھر بولے۔
"تم نے "دو چولہوں" والے کام کب سے شروع کردیے؟"
"پلیز ماما! میری بات پر غور کریں۔" اس نے اصرار کیا۔
"اچھا بتائیں انیسہ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟" بالآخر اس نے بلی تھیلے سے باہر نکال ہی دی۔ فیضان نے بری طرح اسے گھورا۔
"مطلب؟"
"میں سوچ رہی تھی کیوں نہ آپ کی شادی انیسہ سے کروادی جائے؟" اس نے فیضان کے تاثرات سے خائف ہوتے جھجکتے ہوئے کہا تھا۔
"ماوی! تمہارے لیے میرا مخلصانہ مشورہ ہے کہ اپنی اس ننھی سی عقل پر زیادہ بوجھ نہ ڈالا کرو پہلے ہی تھوڑی سی ہے' یہ بھی ضائع ہوگئی تو کسی پاگل خانے میں جمع کروانا پڑے گا تمہیں۔" فیضان کا دماغ جیسے بھک سے اڑ گیا تھا۔
"یہ کیا بات ہوئی؟ میں نے تو یوں ہی ایک بات سوچی تھی۔"
"تمہیں سوچا کرو خدارا!" فیضان نے جھنجلا کر کہا۔ "انیسہ کتنی چھوٹی ہے' بالکل بچی ہے میرے آگے۔ تمہیں پتا نہیں کہاں سے ایسے نرالے خیال آتے رہتے ہیں۔"
"اب اتنی بھی چھوٹی نہیں ہے۔ آپ کے ساتھ سوٹ کرے گی۔" وہ زور دے کر بولی۔ "اور میرا خیال ہے آپ کو پسند بھی کرتی ہے۔"
"بس...!" فیضان نے ہاتھ اٹھا کر سختی سے روک دیا۔ "اب اس بارے میں ایک لفظ بھی نہیں سنوں گا۔ آئی مجھے شادی نہیں کرنی' کرنا بھی ہوئی تو اپنی عمر کی کسی میچور عورت سے کروں گا' نہ کہ کوئی بچی پسند کروں گا اور دوسری بات یہ کہ تمہیں یہ احمقانہ خیال کسی اور کے سامنے پیش کیا یا مجھے آپا سے بھی اس طرح کی کوئی بات سننے کو ملی ہے۔ میں بہت بری طرح پیش آؤں گا یاد رکھنا۔ اب جاؤ اور چپ چاپ سو جاؤ۔" فیضان نے جھڑک کر کہا' ماوی خفیف سی ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی۔
"اور سنو۔" فیضان نے پھر کہا' ماوی رک کر انہیں دیکھنے لگی۔
"سوچا کم کرو' دماغ اور صحت دونوں پر اچھا اثر پڑے گا۔" انہوں نے سابقہ لہجے میں کہا۔
"میری تو ہر بات فضول لگتی ہے۔" وہ پیر پٹخ کر بڑبڑاتی ہوئی بیڈ روم میں گھس گئی۔
کمرے میں نائٹ بلب آن تھا' نیلگوں روشنی سے آنکھیں مانوس ہونے میں چند منٹ لگے۔ ثمینہ بیڈ پر بازو رکھے چت لیٹی تھیں۔ ٹانگوں پر کمبل پھیلا رکھا تھا۔ دروازہ کھلنے کی آواز پر انہوں نے ہاتھ ہٹا کر دیکھا۔
"ممی! ابھی تک جاگ رہی ہیں؟"
"نیند نہیں آرہی۔" ثمینہ نے بازو پھر آنکھوں پر رکھ لیا۔
"ممی! آپ کے بھائی سچ مچ بوڑھے ہوگئے ہیں' بلکہ بڈھے کھوسٹ ہوگئے ہیں' سٹھیا گئے ہیں۔"

"آدھی رات کو کیا بڑبڑا رہی ہو؟"
"اس... کچھ نہیں۔" وہ ان سے لپٹ کر لیٹ گئی۔
"ممی! کیا سوچ رہی ہیں؟" اس نے پوچھا۔
"میں سوچ رہی ہوں تم کب بڑی ہوگئی' نیچے ہٹو' گیا بچوں کی طرح چپٹ رہی ہو۔"
"میں ایسے ہی سوؤں گی۔" وہ ہٹ دھرمی سے بولی۔ ثمینہ نے چند منٹ انتظار کیا' پھر بے بسی کے انداز میں مسکراتی اس کے بالوں میں انگلیاں چلانے لگیں۔
"میں سوچ رہی تھی فیضان کی اب شادی ہوجانا چاہیے۔" ثمینہ نے پُرسوچ انداز میں کہا تھا۔
"مت سوچیں۔ میں اسی قسم کی سوچ پر جھاڑن کر آرہی ہوں۔" ماوی آنکھیں بند کیے بولی۔
"اس لڑکے کا تو دماغ خراب ہوچکا ہے' بتاؤ شادی کا فرض بھی پورا نہیں کریں گے تو اللہ کو کیا منہ دکھائیں گے۔" وہ بے زاری و مایوسی سے بڑبڑائیں' پھر کچھ خیال آنے پر بولیں۔
"اچھا سنو ماوی! تم پاکستان میں رہ کر پڑھنا چاہو گی؟ ایسا کرو ایڈمیشن لے لو۔"
ماوی کی آنکھیں پٹ سے کھل گئیں۔ "کیا؟"
"لیکن آپ تو پاکستان میں رہنا نہیں چاہتی تھیں؟"
"تم تو رہنا چاہتی ہو نا!" ثمینہ نے رسان سے کہا۔ ماوی بے یقینی سے انہیں دیکھ رہی تھی۔
"جب تک میں پاکستان میں رہوں گی آپ بھی یہیں رہیں گی؟" اس نے پوچھا۔
"نہیں بھئی۔ سیٹل میں رہنا میں واپس آکر لینڈ چلی جاؤں گی۔"
ماوی خجل دبے یقینی کے مارے اٹھ کر بیٹھ گئی۔
"لیکن آپ تو کہتی تھیں پاکستان میں مجھے اکیلے نہیں رہنے دیں گی' آپ کو حالات سے ڈر لگتا ہے۔ زمانہ ٹھیک نہیں ہے وغیرہ وغیرہ۔"
"جب ہم لینڈ میں تھی تو حالات سے ڈر لگتا تھا' لیکن اب میری تسلی ہوگئی ہے' پھر سنا ہے یہاں پاسٹلو بھی سیکیور رہیں اور۔" انہوں نے ایک نظر ماوی کو دیکھا اور پیار سے بولیں۔
"پھر تمہاری خواہش بھی تو ہے یہاں رہ کر پڑھنے کی۔" ماوی مسکرائی اور ان سے لپٹ گئی۔

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لئے خوبصورت ناول
شائع ہوگئے ہیں
☆ تتلیاں، پھول اور خوشبو — راحت جبیں — قیمت: 225 روپے
☆ بھول بھلیاں تیری گلیاں — فائزہ افتخار — قیمت: 500 روپے
☆ محبت بیاں نہیں — لبنیٰ جدون — قیمت: 250 روپے
منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37۔ اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361



امنہ ریاض

سلام شام

دین محمد مٹی سے محبت کرنے والا بھلکش مرد ہے۔ دھرتی کو اپنے خون جگر سے سونا اُگلنے کے قابل بنانا اس کا پیشہ ہے۔ اس کی پوری زندگی محنت سے عبارت ہے جو وہ اپنے چھ مربعہ زمین پر صرف کرتا ہے۔ شادی کو آٹھ سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ اپنے چھوٹے سے گھر میں وہ بیوی زہرہ، اور ماں کے ساتھ رہتا ہے۔ زہرہ چھ مُردہ بچوں کو جنم دے کر ایک مرتبہ پھر امید سے ہے۔ دین محمد کا رواں رواں اولاد کی خوش خبری پانے کے لیے مجسم دُعا بن چکا ہے۔ اس کی دُعائیں مستجاب ٹھہرتی ہیں اور اس کے یہاں ایک خوبصورت بچی جنم لیتی ہے۔ اسے وہ اپنی جنت کے نام سے مخاطب کرتا ہے۔

جلال الدین کے روز و شب نوکری کی چکی میں پستے گزر رہے ہیں۔ اس نوکری کے دوران اسے آرام کرنے کا موقع بھی کم ملتا ہے۔ بہتر مستقبل کا خواب اسے متحرک رکھتا ہے۔ تنہائی میں کسی کی محبت کا بھگنوا اس کی دُنیا آباد رکھتا ہے۔ ہر دم اس کی یادیں اسے بے چین رکھتی ہیں۔ دن بھر کا تھکا ہارا وہ آرام کرنے لیٹتا ہے تو پولیس اسٹیشن سے اطلاع ملتی ہے جنت بی بی حراست میں ہے۔ جس کا دعوا ہے کہ اس نے اپنے شوہر کا قتل کیا ہے۔ جلال الدین اپنے وکیل دوست مسعود کے ساتھ بھاگم بھاگ پولیس اسٹیشن پہنچتا ہے اور ثبوت دیکھتا ہے کہ جنت بی بی شیزوفرینیا کی مریض ہے جس کی شادی ابھی ہوئی تک نہیں۔ جنت کی حالت جلال الدین کو اعصابی تھکن کا شکار کرنے لگتی ہے جسے اس نے نوکروں کے سہارے علیحدہ گھر میں رکھ چھوڑا ہے۔

ثمینہ 14 سال بعد اپنی بیٹی ماوی کے ساتھ آئرلینڈ سے پاکستان آئی ہیں تو انہیں توقیر صاحب کے بتائے گئے بنگلے کو تلاشنے میں بہت وقت لگتا ہے۔ وہ فیض کے دوست توقیر صاحب کے توسط سے دانیال کی انیکسی میں ٹھہرتی ہیں۔ ثروت دانیال ملنسار اور مجتبیٰ خاتون ہیں۔ ولی، ولید اور انیبا ان کے بچے ہیں۔ ماوی کی پہلی ملاقات میں انیبا سے دوستی ہو جاتی ہے۔



شبیہہ العباس طبیعتاً سخت گیر اور غصہ ور نوجوان تھے۔ جسے صنف نازک کا غیر ضروری ہنسنا بھی ناگوار گزرتا ہے۔ وہ پھپھی زاد تنوی سے منسوب ہے۔ تنوی اس کی تند خو طبیعت سے نالاں ہے۔ شبیہہ، تنوی کو کالج چھوڑتے آتا ہے تو سہیلیاں عبیرہ اور نمرہ، تنوی کے سر ہو جاتی ہیں۔ یہ جان کر کہ شبیہہ، تنوی کا منگیتر ہے۔ وہ اس کی قسمت پر رشک کرتی ہیں۔ تنوی دونوں سے گزارش کرتی ہے کہ عروج کو اس کی بات کا علم نہ ہو۔

شبیہہ بیگم، ثروت دانیال کی اولاد ہے جسے انہیں دانیال حسن سے شادی سے پہلے چھوڑنا پڑا۔ بچپن کی محرومی نے اسے بدمزاج اور غصیلا بنا دیا۔ وہ انیبا اور ولید سے بہت ترشی سے پیش آتا ہے۔ وہ ان سے بحیثیت بہن بھائی قلبی تعلقات محسوس نہیں کرتا۔ انیبا اس کی محرومی دل سے محسوس کرتی ہے۔ انیبا پر بری نظر ڈالنے پر وہ جے ڈی کے دوست سعدی کو پیٹ ڈالتا ہے۔ صرف جے ڈی اس کی کیفیات سمجھتا ہے۔

بیمار پڑنے پر بیگم دانیال، ثمینہ کی اچھی طرح دیکھ بھال کرتی ہے تو ثمینہ ان کے اخلاق سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتیں۔ انہیں بیگم دانیال کو دیکھ کر لگتا ہے کہ وہ پہلے ان سے مل چکی ہیں۔

بچوں کی لڑائی میں جنت کو چوٹ لگتی ہے تو دین محمد اپنی بہن زبیدہ کے بیٹے فاروق کا حلیہ بگاڑ دیتا ہے۔ ساتھ ہی زبیدہ بہن اور رفیق بھائی سے قطع تعلق کر لیتا ہے۔ زہرہ اس کی جنت سے طوفانی محبت سے خوف زدہ ہے۔ دین محمد، زہرہ کو باور کرواتا ہے کہ وہ جنت کو بیاہ کر دوسرے گھر نہیں بھیجے گا۔ بلکہ اس کے شوہر کو گھر داماد بنائے گا۔

اتفاقاً ماوی کا ٹکراؤ شبیہہ سے ہوتا ہے جس سے ماوی کا پیر زخمی ہو جاتا ہے۔ اپنی غلطی کے باوجود جھنجلاہٹ میں شبیہہ ماوی کو بری طرح سے ڈانٹتا ہے تو ماوی اس کی طبیعت صاف کر دیتی ہے۔ ثمینہ سے وہ اس واقعے کا ذکر نہیں کرتی۔

ثمینہ کا روڈ ایکسیڈنٹ ہوتا ہے تو جے ڈی عین موقع پر ان کی بہت مدد کرتا ہے۔ ماوی اور فیضان اس پر جے ڈی کے مشکور ہیں، لیکن وہ اپنا پتا دیے بغیر چلا جاتا ہے۔ جس پر ثمینہ کو بہت افسوس ہوتا ہے۔ اتفاقاً ان کی جے ڈی سے دوبارہ ملاقات ہوتی ہے۔ ثمینہ اسے گھر بلاتی ہیں۔ ثمینہ، ثروت کو بتاتی ہیں کہ ان کے شوہر رجب کا بے دردی سے قتل ہوا تھا۔ اور یہ بات ماوی کے علم میں نہیں ہے۔ یہ جان کر انہیں رنج ہوتا ہے۔ شبیہہ کو جے ڈی کا اپنی ماں اور ثمینہ سے گفتگو کرنا پسند نہیں، جس پر وہ جے ڈی کو تنبیہہ بھی کرتا ہے۔

انیبہ دل ہی دل میں فیضان کو چاہتی ہے۔ ثروت کے پہلے شوہر سے نسبت کے باعث دانیال صاحب ثمینہ کی فیملی کو پسند نہیں کرتے۔ ماوی، انیبہ کی دلچسپی بھانپ لیتی ہے اور فیضان ماما سے رائے لینے کی کوشش کرتی ہے تو فیضان اسے جھڑک دیتے ہیں۔ بھائیوں پر بار نہ پڑے اس لیے ثمینہ ماوی کو پاکستان میں مزید پڑھنے کی اجازت دے دیتی ہیں۔

عبیر، نمرہ اور تنوی کو عروش کی غیر اخلاقی اور جرائم پیشہ سرگرمیوں کے متعلق بتاتی ہے تو نمرہ ناراض ہو جاتی ہے۔ عبیر کو اپنی جلد بازی پر افسوس ہوتا ہے۔ وہ عروش کے متعلق ثبوت اکٹھا کرنا چاہتی ہے۔

زہرہ کی اچانک موت کو محض جنت کے کہنے پر دین محمد، بہن زبیدہ کے سر ڈالتا ہے تو سب برادری والے بھی حق دق رہ جاتے ہیں۔ دین محمد کی ماں پڑوسن کے کہنے پر جنت کو پیر صاحب کے پاس لے کر جاتی ہے تو یہ بات جنت بڑھا چڑھا کر دین محمد کو بتاتی ہے۔ وہ ماں کو بہن زبیدہ کے یہاں ہمیشہ کے لیے بھیجنے کا فیصلہ سناتا ہے تو ماں رو، رو کر اسے اس فیصلے سے باز رکھنے کی کوشش کرتی ہے۔ بہت مشکل سے دین محمد راضی ہوپاتا ہے۔ دین محمد کے رویے سے جنت کے اندر پنپنے والی منفی شخصیت قد آور ہو رہی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

11
گیارہویں قسط

چھٹی سے کچھ دیر پہلے ہی عبیر اور تنوی گیٹ کے قریب نصب فوارے کے پاس آکر گیٹ کھلنے کا انتظار کرنے لگیں۔ ان کے ہاتھوں میں کوک کے ٹن اور چپس کے پیکٹ تھے۔ آج کا سارا دن ہی بے حد تھکا دینے والا ثابت ہوا تھا۔ لگاتار کلاسز اٹینڈ کر کے اس وقت تک ایسا لگنے لگا تھا جیسے سر پھٹ رہا ہو لیکن آفرین تھی عبیر پر جس کی حس مزاح اتنی تکان میں بھی ماند نہ پڑی تھی۔

"کبھی کبھی میں سوچتی ہوں۔ کسی انسان کو کیا حق ہے کہ وہ اتنا خوبصورت لگے۔"

فوارے کی دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑی وہ پُرسوچ انداز میں کہہ رہی تھی۔ تنوی دیوار پر چڑھی بیٹھی تھی، اس نے کسی قدر چونک کر عبیر کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا۔ وہ ٹکٹکی باندھے گیٹ کیپر جلیل کو دیکھ رہی تھی جس کی رنگت اتنی کالی تھی کہ کبھی سیاہ لباس پہنتا تو چہرہ تلاش کرنا مشکل ہو جاتا۔

"بھائی کالو کی بات کر رہی ہو؟" تنوی کو عبیر کے ذوق پر اچھا خاصا تعجب ہوا تھا۔

"مجھے کیا پاگل سمجھ لیا ہے۔" عبیر بری طرح جز بز ہوئی۔ "میں اپنی بات کر رہی ہوں۔"

"اچھا اچھا۔" تنوی نے فوراً سمجھ داری سے سر ہلایا۔ "میں آج تک سمجھتی تھی تمہاری دور کی نظر کمزور ہے آج پتا چلا تمہاری تو قریب کی نظر بھی کمزور ہے۔"

"تو خوامخواہ" عبیر برا مان گئی۔ "دراصل میرے حسن سے جل کر تم ایسی فضول باتیں کر رہی ہو۔ توبہ کس قدر جل ککڑی سہیلی ملی ہے مجھے۔ بات اصل میں کچھ یوں ہے کہ تمہاری اپنی قریب کی نظر کمزور ہے۔"

"پروف پیش کیا جائے۔" تنوی نے شاہانہ انداز میں کہا تھا۔

"اس سے بڑا پروف اور کیا ہو سکتا ہے کہ تمہیں اپنے منگیتر میں انٹرسٹ فیل (دلچسپی محسوس) نہیں ہوتا۔"

"عجیب منطق ہے۔ اور تمہیں کس نے کہہ دیا مجھے اپنے منگیتر میں انٹرسٹ فیل نہیں ہوتا۔"

"تو کیا ہوتا ہے؟" عبیر نے ابرو اچکا کر پوچھا۔

تنوی نے چند لمحے سوچا پھر کندھے اچکا دیے۔ "پتا نہیں۔"

"ایک تو تمہارے اس "پتا نہیں" سے میں بہت عاجز ہوں بھئی انٹرسٹ ہوتا ہے یا نہیں ہوتا ہے۔ کوئی باہر سے آکر تھوڑا ہی بتائے گا تمہیں اس میں دلچسپی ہے یا نہیں۔" عبیر نے اسے آڑے ہاتھوں لیا پھر اسے خاموش دیکھ کر بولی۔

"میری بات مانو، اپنے گھر والوں سے کہو، یہ منگنی ختم کر دیں۔ اگر اب ایک دوسرے میں دلچسپی نہیں ہے تو شادی کے بعد کیا خاک دلچسپی لیں گے۔ منگنی میں تو اچھے اچھوں کو رومینس سوجھنے لگتا ہے۔"

"شادی بہت دور کی بات ہے عبیر! جب وقت آئے گا تو دیکھا جائے گا۔"

"نہیں تنوی، مجھے نہیں لگتا تم اس منگنی سے خوش ہو۔" عبیر نے پُریقین لہجے میں کہا تھا۔

"اس میں خوشی کی کیا بات ہے؟ بھئی ہماری بچپن کی منگنی ہے اب بندہ کب تک خوشی مناتا رہے؟" تنوی نے بیزار ہو کر کہا۔

"کب تک نہ سہی لیکن کبھی کبھی تو منائے۔ لڑکیوں کے اونگے بونگے منگیتر ہوتے ہیں پر اٹھتے بیٹھے ان ہی کا ذکر کرتی رہتی ہیں۔ تمہارے پاس تو ایسا شان دار منگیتر ہے کہ کوئی لڑکی بڑے آرام سے تم سے حسد میں مبتلا ہو سکتی ہے۔ تم نے تو کبھی بھولے سے بھی شبیہہ کا ذکر نہیں کیا۔" "پتا ہے تمہاری جگہ میں ہوتی تو سارا وقت اپنے منگیتر کی باتیں کرتی رہتی۔"

"اچھا ناں۔ چھوڑو کوئی اور بات کرو۔" تنوی نے قدرے بے زاری سے کہا عبیر نے ایک نظر اسے دیکھا۔ وہ تنوی سے بہت کچھ کہنا چاہ رہی تھی لیکن فی الوقت اس بحث کو کسی اور وقت پر ٹال دیا۔

Friends Korner .com

"آڈیٹوریم میں اینول ڈرامہ کے سلسلے میں آڈیشن ہو رہے ہیں۔"
اس نے جوق در جوق لڑکیوں کو آڈیٹوریم کی طرف جاتے دیکھ کر کہا۔
"سنا ہے مس عائشہ نے پھر اپنا ارادہ بدل دیا ہے اب شیکسپیئر کے کسی ڈرامے کے بجائے کسی ہندی افسانے کو اسٹیج کرنا چاہ رہی ہیں۔"
"بس پھر اس بار تو اینول فیسٹیول میں ڈرامے کا خیال ہی ذہن سے نکال دینا چاہیے۔" وہ دونوں ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنس پڑیں۔
"تمہارا آڈیشن دینے کا ارادہ نہیں ہے؟ میں تو ماڈلنگ کے لیے ٹرائی کروں گی گھر میں تین چار بار کیٹ واک کی پریکٹس بھی کر کے دیکھی تھی۔ میرا خیال ہے میں اتنی پرفیکٹ ہوں کہ ایرج منصور اور عفت رحیم جیسی ٹاپ ماڈلز بھی میرے آگے پانی بھرتی ہیں۔ تمہارا کیا خیال ہے تنوی؟"
"سچ بولوں گی تو تم برا مان جاؤ گی۔ اس لیے میرا خیال نہ پوچھو۔" تنوی نے ہنس کر کہا۔ اس سے پہلے کہ عبیر کوئی جواب دیتی عروش نے تیز قدموں سے اس کی طرف آ کر جارحانہ انداز میں اس کا رخ اپنی طرف موڑا۔
عبیر اپنی جھونک میں تھی اس طرح بازو کھینچے جانے پر بری طرح ہل گئی اور کوک ٹن اس کے ہاتھ سے دور جا گرا۔
کیا بدتمیزی ہے عروش؟ کسی نے بات کرنے کی تمیز نہیں سکھائی تمہیں۔ اگلی بار دس قدم دور رہ کر بات کرنا مجھ سے۔" عبیر نے غصے سے کہا۔ عروش ایک بار پھر ہنسی۔
"میں یہی سمجھانے آئی تھی اگلی بار تم کوئی ایسی حرکت نہ کرنا کہ مجھے تم سے بات کرنے کی ضرورت پڑے۔ شوق تو مجھے بھی نہیں ہے تم سے بات کرنے کا۔"
"پھر میرا دماغ کیوں چاٹ رہی ہو؟" عبیر نے ناگواری سے کہا۔
"یہ جو دماغ ہے ناں۔ تمہارے پاس ضرورت سے کچھ زیادہ ہے۔ اس کا استعمال ذرا کم کیا کرو ورنہ نتائج کی ذمہ دار تم خود ہو گی۔"
عبیر کا تو پتا نہیں البتہ یونیفارم میں ملبوس عروش نے تنوی کو ضرور ہراساں کر دیا تھا۔ اس نے بے اختیار عبیر کا بازو دبوچا۔ ایک تو یہ کہ وہ فطرتاً" بزدل سی لڑکی تھی دوسرے عروش سے دل ہی دل میں خائف بھی رہتی تھی۔ سٹپٹاتی نہیں تو کیا کرتی؟
"عروش! مائنڈ یور لینگویج۔"
"تمہیں بولنے کی اجازت نہیں ہے فی الحال صرف میری سنو۔ اگلی بار تم نے نمرہ کے یا کسی اور کے کان میرے خلاف بھرنے کی کوشش کی تو میں تمہیں دیکھ لوں گی۔" عروش نے انگلی اٹھا کر خاصے خطرناک انداز سے کہا تھا۔
"مجھے دھمکا رہی ہو؟" عبیر کی تیوری چڑھ گئی۔
"جو بھی سمجھ لو۔" عروش نے بے نیازی سے کہا۔ "اور ہاں نمرہ کے سامنے جو بکواس تم نے کرنا تھی کر لی لیکن کالج کی کسی اور لڑکی تک اس قصے کی بھنک بھی پہنچی تو میں تمہارا وہ حشر کروں گی کہ ساری زندگی یاد رکھو گی۔"
"اپنی اوقات میں رہو عروش! ابھی جا کر پرنسپل سے تمہاری شکایت کروں گی تو پتا چل جائے گا تمہیں۔"
"بھول کر بھی ایسی غلطی مت کرنا عبیر! بلند حوصلہ ہونا اچھی بات ہے لیکن اپروچ فل بندوں سے پنگا نہیں لینا چاہیے۔ میرا کام تھا تمہیں وارن کرنا۔ آگے تم اپنے اچھے برے کی خود ذمہ دار ہو گی۔ اب تک میں نے تمہیں نمرہ اور تنوی کی وجہ سے ڈھیل دی ہوئی تھی لیکن اگلی بار تم نے میرے خلاف کچھ بھی کہا تو میں بہت بری طرح سے

پیش آؤں گی۔"
وہ جس طرح آئی تھی اسی طرح اچانک چلی بھی گئی۔ عبیر غصے سے لال پیلی ہو رہی تھی۔
"اس کا تو کچھ کرنا ہی پڑے گا۔ کچھ زیادہ ہی دماغ خراب ہو چکا ہے اس کا۔" اس نے غصے سے دانت کچکچائے اور مٹھیاں بھینچیں۔
"مم۔ مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے عبیر! تم نے عروش کی شکل نہیں دیکھی وہ جو کہہ رہی تھی ضرور کرے گی۔" اس نے خوفزدہ سا سیمگی سے کہا تھا۔ عبیر کا پارہ اور بھی چڑھ گیا تھا۔
"تمہارا دماغ تو درست ہے تنوی! دھمکا کر وہ مجھے گئی ہے۔ مرنے والی تم ہو گئی ہو۔ میں نے کہا ناں وہ کچھ بھی نہیں کرے گی بس ہمیں ڈرانا چاہ رہی تھی۔ یہ جو عروش جیسے لوگ ہوتے ہیں ناں۔ ان کا زیادہ تر کام دھمکیوں کے سہارے ہی چلتا ہے۔ یعنی گیدڑ بھبکیوں کے سہارے۔ مگر کرتے کراتے یہ کچھ نہیں ہیں۔ مجھ سے لکھوا لو اس عروش میں بھی ہمت نہیں ہے۔ پوز زیادہ کرتی ہے اوپر سے نمرہ جیسی لڑکیوں نے اس کا دماغ ساتویں آسمان تک پہنچایا ہوا ہے۔ دفع کرو اسے۔ بیچاری کے تھوڑے سے دن رہ گئے ہیں کالج میں۔ سکون سے نکال لینے دیتی ہوں۔ ورنہ تمہیں تو پتا ہے۔ میں خود بڑی خطرناک ہوں۔"
وہ اپنی جون میں واپس آ چکی تھی اترا کر بولی۔
"گیٹ کھلنے میں پانچ منٹ باقی ہیں۔ چلو تم بھی فٹافٹ آڈیشن دے لو۔"
اس پر تو جیسے عروش کی باتوں کا کوئی بھی اثر نہیں ہوا تھا۔
"میں نہیں دے رہی آڈیشن، پچھلی بار بھی مجھے "جنی" بنا کے اسٹیج پر چڑھا دیا تھا۔ اب پتا نہیں کیا لطیفہ سنائیں گی۔ میں نہیں جاتی۔" تنوی نے ہاتھ جھٹک کر کہا اسے سچ مچ عبیر کی حوصلہ مندی و بہادری پر رشک آ رہا تھا۔ ورنہ خود اس کا اپنا دل تو اب تک تیز تیز دھڑک رہا تھا۔
"تم کتنی بہادر ہو عبیر! مجھے تو عروش سے بہت ڈر لگ رہا ہے۔"
"تم تو پاگل ہو ساری زندگی اسی طرح دوسروں سے ڈر ڈر کے گزارتی رہنا۔ کبھی عروش جیسے بے کار لوگوں سے تو کبھی شبیہہ العباس سے۔" عبیر نے ناک کے وار کیا تھا۔ تنوی اس نام پر چپ سی ہو گئی پھر بولی۔
"میں شبیہہ بھائی سے نہیں ڈرتی۔" کمزور سے لہجے میں اس نے کہا۔ "البتہ عروش سے واقعی ڈر لگ رہا ہے۔"
عبیر نے ایسے مکھی اڑائی جیسے تنوی کی بات اڑا رہی ہو۔
"گیٹ کھل گیا ہے۔ تم بھی دیکھو اگر وین آ گئی ہے تو چلو ورنہ جتنی دیر کالج میں انتظار کرنا پڑے عروش سے پلیز جھگڑا نہ کرنا۔ میں بھی دیکھتی ہوں۔ شبیہہ بھائی مجھے لینے آ گئے ہوں گے۔"
"عروش سے ڈرو۔ شبیہہ سے بھی ڈرتی رہو چاہو تو آس پاس کے دس اور لوگوں سے خائف رہو لیکن خدارا۔ اپنے منگیتر کو بھائی کہنا چھوڑ دو۔ کس قدر نان رومینٹک لڑکی ہو تم۔ تمہارا منگیتر بھی تمہیں بھائی کہنے سے منع نہیں کرتا؟"
عبیر اس کے ساتھ گیٹ کی طرف بڑھتے ہوئے اپنی ہی ہانکے جا رہی تھی جبکہ تنوی کی جان عروش کی دھمکیوں میں ہی اٹکی ہوئی تھی۔

☆ ☆ ☆

"ایک عربی کہاوت ہے۔ "بہت زیادہ خاموشی کے پردے میں انسان اپنی عقل مندی چھپا رہا ہوتا ہے یا بے

Scan & PDF FIAZ AHMED FreeUrduKorner.com

وقوفی۔" میرا سوال ہے کہ تمہاری اس آدھ گھنٹے کی مستقل خاموشی کو کیا سمجھا جائے۔ عقل مندی کو چھپانے کی کوشش یا بے وقوفی کی پردہ پوشی۔"

ماوی نے ہاتھ میں پکڑی کتاب کو واپس بک ریک میں رکھتے ہوئے بہت دھیمی آواز میں انیبہ سے پوچھا۔ وہ دونوں جناح لائبریری آئی ہوئی تھیں۔ ماوی اسے اصرار کرکے ساتھ لائی تھی اور انیبہ سارا راستہ یہ دیکھ کر حیران ہوتی رہی کہ ماوی بہت بہترین ڈرائیونگ کر رہی تھی۔ اس نے ایک بار بھی پاکستان کی ہنگامی ٹریفک کو نہیں کوسا تھا نہ ہی لوگوں کی افراتفری پر اظہار رائے کیا تھی۔ مختلف لوکیشنز اور روٹس حیرت انگیز طور پر اسے ازبر ہو چکے تھے اور ایسا لگتا تھا جیسے وہ ہمیشہ سے اسی شہر میں رہتی آئی ہو۔

ماوی نے جب اس سے ساتھ چلنے کے لیے کہا تو انیبہ کو زیادہ تامل نہیں ہوا۔ صبح سے وہ عجیب سی کیفیت کا شکار تھی۔ ممی اور ڈیڈی کی سرد جنگ" اس کے لیے اکتاہٹ و بیزاری کا سبب تھی تو دوسری جانب ولید کی سرد مہری اور ولی کی حساسیت بھی پریشانی کی وجہ بنی ہوئی تھی اور تیسری طرف اس کا دل تھا جو ہر معاملہ کو توڑ مروڑ کر ایک ہی نقطے پر لا کر ٹھہرا دیتا تھا۔

کالج کی چھٹیاں تھیں۔ کوئی تفریح اسے میسر نہ تھی یہی سوچ کر اپنی بوریت کا تدارک کرنے ماوی کے ساتھ چلی آئی ویسے بھی ماوی بڑی دلچسپ شخصیت کی مالک تھی ہر دم ہنسنے ہنسانے والی اور چھوٹی چھوٹی باتوں میں خوشی کا پہلو تلاش کر لینے والی۔ انیبہ کو ایسا لگتا تھا کہ ماوی کے ساتھ زیادہ دیر تک کوئی اداس یا پریشان نہیں رہ سکتا اور یہ سچ بھی تھا۔ ابھی راستہ بھر وہ اسے دلچسپ قصے سناسنا کر ہنساتی رہی تھی پھر اس نے انیبہ کو ٹھیلے سے گول گپے بھی کھلائے تھے۔ آئرلینڈ سے آئی ہوئی اس لڑکی کے لیے سڑک کنارے کھڑے ہو کر ٹھیلے سے کول گپے کھانا ایک زبردست ایڈونچر تھا انیبہ کو البتہ شرم آتی رہی۔

"کوئی دیکھے گا تو کیا کہے گا۔ ڈیڈی نے دیکھ لیا تو بہت ڈانٹ پڑے گی تمہیں گول گپے کھانے کا اتنا ہی شوق ہے تو یہیں گاڑی میں بیٹھ کر کھالو۔" اس نے بہت پس و پیش سے کام لیا لیکن ماوی بھی ایک نمبر کی ڈھیٹ تھی اسے باہر نکال کر ہی دم لیا۔

"اوہو۔ کچھ نہیں ہوگا بھئی۔ دانیال انکل نے کچھ کہا تو میں سنبھال لوں گی۔" اور اب وہ دونوں یہاں تھیں اور ماوی نے اس کی چند منٹ کی خاموشی کو آدھ گھنٹے پر محیط کر دیا تھا۔

"میں کچھ سوچ رہی تھی۔" انیبہ نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔ ماوی کتاب کے صفحے پلٹتے ہوئے ہنسنے لگی۔

"اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟"

"کچھ روز پہلے میں نے فیضان ماما سے یہی بات کہی کہ میں کچھ سوچ رہی ہوں تو وہ کہنے لگے۔ "اللہ کی شان ہے' اب آپ بھی سوچا کریں گی۔ میرا دل چاہ رہا ہے' تمہاری بات پر میں بھی فیضان ماما کا ہی جملہ بولوں۔ ہنسی مجھے اس بات پر آرہی ہے کہ یہ سن کر تمہاری ری ایکشن کیا ہوگا۔"

"دوسروں کے جملے چرا کر بولتے تمہیں شرم نہیں آتی۔" انیبہ نے مسکرا کر اسے دیکھا' وہ دونوں بے حد دھیمی آواز میں بات کر رہی تھیں۔

"اسے جملہ چرانا نہیں جملہ مستعار لینا کہتے ہیں ویسے بھی فیضان ماما کوئی غیر تو نہیں ہیں' میرے اپنے ہیں' اُدھار لینے میں کیسی شرم؟" ماوی نے ڈھٹائی سے کہا۔

"اگر میں ماما سے کہتی۔ تو وہ ویسے ہی مجھے دے دیتے۔ آئی تھنک وہ دنیا کے بیسٹ ماموں ہیں۔ تم ان سے کبھی کچھ مانگو گی تو تمہیں بھی انکار نہیں کریں گے۔

"میں ان سے کچھ کیوں مانگوں گی۔" انیبہ نے چڑ کر کہا۔ "ویسے بھی وہ تمہارے ماموں ہیں میرے نہیں۔"

"بتاؤ۔ میں تو بھول ہی گئی تھی۔" ماوی نے معصومیت سے سر پر ہاتھ مارا۔ "تم کبھی ادھار مت مانگنا۔ میں نے کسی ٹرک پر پڑھا تھا۔ اُدھار محبت کی قینچی ہے۔"

اس نے جتنی سادگی سے کہا تھا' اتنی ہی بری طرح انیبہ نے سٹپٹا کر اسے دیکھا تھا۔ ماوی شریر سے انداز میں مسکراتی دوسرے ریک کی طرف چلی گئی۔

"یہ ماوی تو بھئی بہت خطرناک لڑکی ہے۔ جس بات کا اعتراف میں خود سے بھی نہیں کر پا رہی' وہ اس کو کیسے پتا چل گئی۔" انیبہ نے دل ہی دل میں سوچا پھر یوں بن گئی جیسے ماوی کی بات سنی ہی نہ ہو۔

"میرا نہیں' خیال تمہاری ضرورت کی کتابیں تمہیں یہاں ملیں گی' چلو برٹش کونسل میں دیکھ لیتے ہیں وہاں بھی نہ ملیں تو فیروز سنز پر آرڈر بک کروا دیں گے۔"

"ہاں۔ وہیں چلتے ہیں۔" ماوی نے سابقہ انداز میں کہا تھا اس کے پاس جناح لائبریری اور برٹش کونسل کے علاوہ امریکن سینٹر کی ممبر شپ بھی موجود تھی۔

☆ ☆ ☆

"آگے ویگن خراب ہوئی ہے روڈ کلیئر ہونے اور ٹریفک جام کھلنے میں اچھا خاصا ٹائم لگ جائے گا۔"

شبیہہ نے واپس گاڑی میں آکر بیٹھتے ہوئے بیزاری سے کہا۔ تنوی کو اس سے بھی زیادہ بیزاری محسوس ہوئی۔ ایک تو گاڑی کی دن بھر کی تھکن اوپر سے یہ ٹریفک جام اور اس سے بھی بڑی مصیبت کہ شبیہہ کے سامنے زبان بھی نہیں کھولی جا سکتی تھی۔ اتنی خوف ناک سنجیدگی چہرے پر سجا کر رکھتا تھا ڈانٹنے میں تو ایک منٹ بھی نہ لگاتا۔

تنوی دل مسوس کر رہ گئی اور گاڑی سے باہر کوئی دلچسپی تلاش کرنے لگی۔

تب ہی اس کی نظر عروش پر پڑی اور وہ چونک سی گئی کچھ آگے فٹ پاتھ کے قریب عروش کھڑی تھی اور اپنے ساتھ کھڑے ہوئے لڑکے کو تنوی کی طرف اشارہ کر کے کچھ کہہ رہی تھی۔ ہاں تنوی نے واضح طور پر دیکھا۔ عروش نے اس کی طرف اشارہ کیا تھا۔ خوف کی تیز سی لہر اس کے سارے جسم میں دوڑ گئی۔

"شبیہہ بھائی' پلیز گاڑی چلائیں۔" اس نے سٹپٹاتے ہوتے شبیہہ سے کہا۔ شبیہہ اپنے موبائل کے ساتھ الجھا تھا۔ اس نے گردن موڑ کر سرسری سا اسے دیکھا۔

"راستہ تو کھلنے دو۔"

"مم۔ مجھے گھر جانا ہے۔" تنوی نے اپنے خوف اور گھبراہٹ پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"ہوں۔" شبیہہ نے کال ملا کر موبائل فون کان سے لگا لیا۔

تنوی کا دل جیسے کانوں میں دھڑکنے لگا تھا عروش اور وہ لڑکا اگلی گاڑیوں کے درمیان سے رستہ بناتے اسی طرف آرہے تھے۔

تنوی کے ہاتھ پیر ٹھنڈے پڑنے لگے۔ رنگت زرد پڑ گئی رونگٹے کھڑے۔

درمیان میں محض ایک گاڑی کا فاصلہ رہ گیا تھا۔

تنوی نے بے ساختہ شبیہہ کا بازو دبوچا۔

"پلیز شبیہہ بھائی گاڑی جلدی چلائیں۔ مم۔ مجھے گھر۔ جانا ہے۔"

"اتنی لمبی ٹریفک کی لائن لگی ہوئی ہے میں کیا کندھوں پر گاڑی اٹھا کر چلنا شروع کر دوں؟" شبیہہ نے جھنجلا کر کہا۔ تنوی نے اتنے وحشیانہ انداز میں اس کا بازو دبوچا تھا کہ ناخنوں سے بری طرح خراشیں لگی تھیں۔

Scan & PDF HAMED Literature Korner.com

"ناخن دیکھے ہیں اپنے؟ پتا نہیں لڑکیوں کو اوٹ پٹانگ فیشن کرنے کا شوق کیوں ہوتا ہے۔" وہ اس کی طرف دھیان دیے بنا بول رہا تھا جبکہ تنوی کے اوسان خطا ہو رہے تھے۔ عروش اور اس لڑکے کا ہر اٹھتا قدم جیسے اس کے دل پر پڑ رہا تھا۔

"آج ہی جا کر ناخن نہ کاٹے تو میں تمہارے ہاتھ ہی کاٹ دوں گا۔" شبیہہ حسب عادت پتھر پھوڑ رہا تھا۔

تنوی کی خوف و سراسیمگی سے حالت بری تھی۔ اس وقت تو اور بھی مصیبت ہوئی جب عروش بالکل اس کے دروازے کے قریب آکر رک گئی۔ اسے لگ رہا تھا' ابھی وہ ہاتھ اٹھا کر شیشے پر دستک دے گی اور شبیہ سے اس کی شکایت لگا دے گی۔ یہ حماقت کی حد تھی کہ یہ خیال آتے ہی اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"تم لڑکیاں اتنے الٹے دماغ کی کیوں ہوتی ہو۔ اب ناخن کاٹنا ایسی بات ہے کہ اس پر رویا جائے۔" اس نے غصے کے ساتھ جھنجلا کر کہا تھا پھر اس پر نظر پڑتے ہی کھٹکا۔ وہ صرف رو نہیں رہی تھی اس کی رنگت بھی خطرناک حد تک زرد ہو رہی تھی۔

شبیہہ اپنے آپ میں گم رہنے والا انسان تھا۔ اس نے آج تک نہ کسی مزاج کے رنگ سے آشنائی حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔ نہ چہرے کی رنگت سے دل کا کوئی تار جوڑا تھا۔

وہ نہیں جانتا تھا' یہ لڑکی جو اس سے منسوب ہے جب اداس ہوتی ہے تو اس کا چہرہ کیسا لگتا ہے۔ خوش ہوتی ہے تو کتنی کلیاں چپکے سے اس کی رنگت میں کھل جاتی ہیں۔ آنکھوں کی جھکی ہوئی جھالر تلے کتنے ستارے چمکتے ہیں۔ ان آنکھوں میں آنسو چھلکتے ہیں تو دل کے کس گوشے پر ٹھیس پہنچتی ہے۔ اس کے خواب کیا ہیں۔ خواہشیں کیسی ہیں۔ وہ کیا سوچتی ہے۔ وہ کیا چاہتی ہے۔ اس نے کبھی کوئی خواب دیکھا یا نہیں۔ ہاں وہ اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا تھا کبھی جاننے کی کوشش ہی نہیں کی البتہ وہ یہ ضرور جانتا تھا جب بی پی لو ہوتا ہے تو اچھے اچھوں کی رنگت زرد ہو جاتی ہے۔

"طبیعت ٹھیک ہے تمہاری؟" اس نے پوچھا تنوی چپکوں بہکوں روتی رہی۔ شبیہہ نے دوسری بار قدرے نرمی سے یہی سوال پوچھا لیکن تیسری بار یہ خود ساختہ نرمی جواب دے گئی۔

"سنائی نہیں دیتا تمہیں؟" تنوی نے ڈر کر جھٹ اثبات میں گردن ہلا دی۔

"پھر بتاتی کیوں نہیں ہو۔ یا سیکریٹری آکر بتائے گا۔" انداز ہنوز۔ اس نے پھر سر ہلا دیا۔

"سیکریٹری آکر بتائے گا؟" اس کا غصہ بڑھا۔ سر مشرق مغرب گھوما۔

"او خدا کی بندی! منہ میں جو ایک عدد زبان ہے' اس کو تھوڑی زحمت دے لو۔ یہ اشاروں کی زبان مجھ کم فہم کی سمجھ میں نہیں آتی۔" بیزاری سی بیزاری تھی۔

"طبیعت ٹھیک ہے۔" جواب تو دے دیا۔ حسیات البتہ بند شیشے کے باہر ہی لگی ہوئی تھیں۔

"فرینڈ سے جھگڑا ہوا ہے؟"

"بھوک لگی ہے؟"

"ٹیچر نے ڈانٹا ہے؟"

عموماً لڑکیاں ایسی ہی احمقانہ باتوں پر رویا کرتی ہیں تب ہی وہ پوچھتا چلا گیا۔

"تو پھر رو کس خوشی میں رہی ہو؟" مسلسل نفی میں ہلتے سر کو دیکھ کر وہ اور بھی چڑ گیا۔ تنوی کیا بتاتی اسے کون سی خوشی لاحق ہے عروش کسی عفریت کی طرح اس کے سر پر کھڑی تھی اور کسی بھی لمحہ ہاتھ اٹھا کر اس کی طرف کا شیشہ بجانے ہی والی تھی۔

لیکن اسے یہ دیکھ کر سخت حیرانی ہوئی کہ ایسا کچھ بھی نہ ہوا' جیسا وہ سوچ رہی تھی۔ عروش چند لمحے ان کی کار کے

پاس رکنے کے بعد دوسری طرف نکل گئی تھی۔ تنوی کے سارے وجود میں سکون و اطمینان کی لہر اتر گئی۔

"تم پاگل ہو گیا؟ ابھی رو رہی تھیں۔ ابھی ہنس رہی ہو' وہ بھی بلاوجہ۔" اسے مسکراتا دیکھ کر شبیہہ کو جیسے پتنگے ہی لگ گئے تھے۔

"دراصل مجھے لمبے لمبے ناخن پسند ہیں شبیہہ بھائی۔" اسے بروقت بہانا سوجھ گیا اور شبیہہ کا دل چاہا اس کو اٹھا کر باہر ہی پھینک دے۔

"اتنی دیر سے تم اس لیے رو رہی تھیں کہ میں نے ناخن کاٹنے کو کہہ دیا۔"

ایک چیز ہوتی ہے جسے عقل کہتے ہیں۔ اگر تم لڑکیاں کبھی کبھار اس چیز کا استعمال کر لیا کرو تو سامنے والا بیزار ہونے سے بچ جائے۔"

"کس قدر احمقانہ باتوں پر تم لڑکیاں ری ایکٹ کرتی ہو..... بتاؤ ناخن ایسی چیز ہے کہ اس کا غم منایا جائے۔ کل کو کوئی منہ دھونے کا کہہ دے تو اس پر بھی رونے بیٹھ جانا..... ناخن پسند ہیں..... تم کوئی ڈھنگ کی چیز نہیں پسند کر سکتیں۔" وہ دیر تک اسے لتاڑتا رہا۔ تنوی نے سب کچھ سر جھکا کر سنا۔

"آپ کو لڑکیوں کے بارے میں اتنی ساری باتیں کیسے پتا ہیں شبیہہ بھائی؟" بڑی دیر سے زبان پر رکا سوال اس نے سادگی سے پوچھا۔

جواباً" شبیہہ نے اسے اتنی کڑی نظروں سے گھورا کہ تنوی نے گھبرا کر سر اتنا جھکا لیا جیسے سجدہ ریز ہونے والی ہو۔

"جنگل میں نہیں بستا میں۔ کوئی سوشل سرکل ہے میرا۔ بہت سی فرینڈز ہیں میری۔ بہنیں بھی ہیں' پھر لڑکیوں کو سمجھنا کون سا مشکل کام ہے۔ انیس بیس کے فرق سے ساری ایک سے مزاج کی ہوتی ہیں۔ تم ہرگز اس خوش فہمی میں مبتلا نہ ہو کہ تم جیسا کارٹون میں نے پہلی بار دیکھا ہے۔" ٹریفک بحال ہو گئی تھی۔ شبیہہ نے اتنی اچانک گاڑی آگے بڑھائی کہ تنوی کا سر ڈیش بورڈ سے ٹکراتے ٹکراتے بچا۔

مگر وہ چپکی بیٹھی رہی۔ کہنے کے لیے کچھ تھا ہی نہیں' البتہ ہلکی سی اداسی اس کے دل پر چھانے لگی تھی۔

"نہ میں آپ کی بہن..... نہ فرینڈ..... پھر آپ کی زندگی میں میری جگہ کہاں ہے؟" اس نے کڑھتے ہوئے سوچا۔

"آپ نے ٹھیک کہا' مجھے کوئی ڈھنگ کی چیز پسند نہیں آتی۔ آپ پسند ہیں' میری بدذوقی کی اس سے بڑی نشانی اور کیا ہو سکتی ہے۔"

اسے پھر سے رونا آنے لگا۔ لیکن ان آنسوؤں کو اس نے فوراً" روک لیا۔ مزید کسی سوال جواب کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔

☆ ☆ ☆

جلال کی ماوی سے اگلی ملاقات برٹش کونسل کی پارکنگ میں ہوئی۔ وہ اپنے دوستوں کے ساتھ وہاں آیا تھا۔ ماوی اور انیسہ اس وقت واپس جا رہی تھیں۔ ماوی کو اپنی ضرورت کی کتابیں مل گئی تھیں۔ کار کا لاک کھولتے ہوئے اس کی نظر جلال پر پڑی اور حسب عادت مسکرا کر اور پُرجوش طریقے سے ہاتھ ہلا کر اس نے جلال کو وش کیا۔ جلال بھی حسب عادت دل ہی دل میں سٹپٹایا اور چہرے پر مسکراہٹ سجا کر اس کی طرف آگیا۔ ممکن ہے وہ اسے نظر انداز کر کے آگے بڑھ جاتا۔ (جس کی توقع اس کی مروّت کی ماری ہوئی فطرت سے تقریباً" ناممکن ہی تھا۔) اگر انیسہ کو اس کے ساتھ نہ دیکھ چکا ہوتا۔

رسمی علیک سلیک کر کے بے حد اصرار کے باوجود گھر نہ آنے پر اچھی طرح لتاڑ لینے کے بعد ماوی یکایک اس کی

Scan & PDF FIAZ AHMED Famous Kornet.com

بڑی اماں بن گئی۔ "تمہارے یہ دوست تو شکل سے اچھے بچے لگ رہے ہیں۔ اچھی بات ہے کہ تمہیں اچھے دوست مل گئے۔ آئی ایم ہیپی فار یو... لیکن اس روز پارک میں، میں نے دیکھا تھا اپنے اسی سڑیل دوست کے ساتھ تھے۔ بڑے افسوس کی بات ہے، تمہیں اپنے فائدے کی بات بھی سمجھ میں نہیں آرہی... کتنا سمجھایا تھا میں نے تمہیں۔ اچھے لوگوں کے دوست بھی اچھے ہونے چاہئیں۔ اس لڑکے جیسے مغرور اور سڑیل... اور... بدتمیز نہیں۔"

جوشِ جذبات میں وہ کچھ زیادہ ہی بول گئی۔ شبیہہ العباس کی شکل اور بدتمیز لہجہ یاد آتے ہی اسے غصہ آنے لگتا تھا۔

"وہ میرا دوست نہیں ہے... بھائی ہے۔"

جلال کو اس کی نصیحتوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کی ایک ہی راہ دکھائی دی تھی، سو بتا دیا، لیکن ماوی کو اتنا صدمہ پہنچا کہ حد نہیں۔

"اوہو... اس کا مطلب یہ ظلم تمہارے ساتھ تقدیر نے کیا ہے... چہ چہ۔ بڑا افسوس ہوا، لیکن خیر اب کیا ہو سکتا ہے انسان دوست کو چھوڑ سکتا ہے بھائی کو تو نہیں... چاہے بھائی کتنا ہی سڑیل، بدتمیز، مغرور کیوں نا ہو، مجھے تم سے ہمدردی ہے جلال! گلے پڑے ڈھول کو تو بجانا ہی پڑے گا۔" اس نے گہری، متاسف و ہمدردی میں ڈوبی سانس بھرتے ہوئے کہا۔

"نہیں... آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ شبیہہ ہرگز بھی ایسا نہیں ہے جیسا آپ سمجھتی ہیں، وہ تو بہت اچھا ہے۔" اس نے شبیہہ کا دفاع کیا۔

"دیکھا۔" ماوی نے فوراً چہک کر کہا۔ "اچھے انسان کی ایک نشانی یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ کسی دوسرے کی برائی برداشت ہی نہیں کر سکتا۔ وہ تو پھر تمہارا بھائی ہے اسے Defend (دفاع) نہیں کرو گے تو کیا مجھے کرو گے۔"

جلال سے کوئی جواب نہ بن پڑا، ویسے بھی لگتا نہیں تھا کہ ماوی قائل ہوگی۔

"میرے دوست انتظار کر رہے ہیں... میں چلتا ہوں۔" وہ انہیں خدا حافظ کہتا اپنے دوستوں کی طرف چلا گیا۔

ماوی ہونٹوں کے کنارے کانوں تک پھیلائے اسے جاتا دیکھتی رہی۔ یہاں تک کہ انیبہ نے ٹوک ہی دیا۔

"اتنا کیوں مسکرا رہی ہو۔" ماوی نے چونک اسے دیکھا، پھر متبسم لہجے میں بولی۔

"جلال کو دیکھ کر پتا نہیں مجھے اتنی خوشی کیوں ہوتی ہے؟"

"ایں...!" انیبہ نے ٹھٹک کر مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔

"یہ تو کسی اور ہی بات کی علامت لگ رہی ہے۔" اس پر ماوی نے خوش دلی سے قہقہہ لگایا اور اسے چڑاتے ہوئے بولی۔

"تمہاری غلطی نہیں ہے۔ سیانے کہتے ہیں، جو اپنے دل کی حالت ہو انسان کو ویسی ہی علامات دوسروں میں نظر آتی ہیں۔" اور حسبِ توقع انیبہ چڑ بھی گئی۔

"ماوی کی بچی! بخشو مجھے۔"

"اچھا بابا! چھوڑ دیا، کیا یاد کرو گی۔" اس نے چند لمحے سوچا، پھر احسان کرنے والے انداز میں بولی۔

"تم نے ابھی تک شہوز کو دیکھا نہیں ہے۔ دیکھا ہوتا تو جلال کے بارے میں کبھی شک کا شکار نہ ہوتیں۔ جلال ایسا ہرگز نہیں ہے کہ اسے شہوز پر ترجیح دی جائے۔" اس نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔ "ویسے تم جلال کو کیسے جانتی ہو؟" اس نے کچھ خیال آنے پر پوچھا۔ انیبہ گڑبڑا سی گئی۔

"ہم ایک ہی ٹاؤن میں تو رہتے ہیں، ولید سے اچھی سلام دعا ہے ان کی۔" اس نے فوراً بات سنبھالی۔ جلال

سے اپنی تعلق داری واضح کرنے کے لیے اسے شبیہہ کا تعارف بھی کروانا پڑتا اور یہ ایک لمبی چوڑی بلکہ الجھی ہوئی داستان تھی۔ جسے وہ ماوی کو سنانا نہیں چاہ رہی تھی۔

"ایک بات ہے ماوی! اگر جلال بھائی کو شہوز پر فوقیت نہیں دی جا سکتی تو پھر تمہیں ان کو دیکھ کر خوشی کیوں نہیں ہوتی؟" اس نے بڑی سہولت سے خود پر سے توجہ ہٹا ہی دی تھی۔

"بڑا اچھا سوال پوچھا ہے تم نے۔" گاڑی کو مین روڈ پر لاتے ہوئے اس نے سنجیدگی سے سراہا۔ "اس سوال کا ایک جواب تو یہ ہے کہ جلال نے میری ممی کی مدد کی تھی۔ محسن ہے وہ ہمارا۔ اس لیے میں اسے بہت Appreciate (قدر کرتی ہوں۔) کرتی ہوں اور دوسرا جواب یہ ہے کہ مکی ماؤس اور پنک پنتھر کو دیکھ کر میں ہمیشہ خوش ہوتی ہوں۔"

"بہت ہی بدتمیز ہو تم تو ماوی۔" انیبہ جو توجہ سے اس کی بات سن رہی تھی۔ پنک پنتھر اور مکی ماؤس کے نام سن کر بولی، جبکہ ماوی وہ خوش دلی سے قہقہہ لگا کر ہنسنے لگی تھی۔

☆ ☆ ☆

ارسل اور واثق سینے پر بازو باندھے بالکل خاموشی و سنجیدگی کے ساتھ بے حد کڑی نظروں سے اسے گھور رہے تھے۔

جلال نے فوراً "دفاعی انداز میں ہاتھ اٹھا دیے۔

"اتفاقاً" مل گئی تھی۔ اب کیا اگنور کر کے تم لوگوں کے ساتھ آجاتا؟ یہ تو بڑی بدتہذیبی کی بات ہوتی۔"

"لائبریری جانا ہے، لائبریری جانا ہے، صبح سے شور مچا رکھا تھا جناب نے۔ پتا چل گیا ہمیں اتنی بے چینی کیوں تھی لائبریری آنے کی۔"

"اور کیا... پڑھائی کا بہانہ کر کے ملاقاتوں کا اہتمام کرنا کہاں کی تہذیب ہے؟" واثق نے بھی ناراضی سے کہا۔

"اور اگر ملاقات ہی کرنا تھی تو ہمیں ساتھ لانے کی کیا ضرورت تھی میرے بھائی! ڈیٹ کے بھی کچھ اصول و ضوابط ہوتے ہیں، لیکن خیر تیرا پہلا پہلا چانس ہے۔ لیکن ہم ہیں نا، یاروں کے یار، سب سکھا دیں گے تمہیں۔" ارسل نے جلدی سے احسان کرنے والے انداز میں کہا۔

"خدا کو مانو ارسل!" جلال نے بدک کر دہائی دی۔ "وہ کوئی میری ڈیٹ ویٹ نہیں ہے۔ اپنے کسی کام سے آئی ہوگی یہاں... بتا تو رہا ہوں اتفاقاً" ملاقات ہوئی ہے ہماری۔"

"پکی بات ہے؟" ارسل نے آنکھیں سکوڑ کر پوچھا۔

"میں جھوٹ کیوں بولوں گا ارسل!" جلدی نے بیزاری سے کہا۔

"اچھی بات ہے، جب تم سیریس ہی نہیں ہو تو فکرمندی کیسی؟ میں تو صرف یہ کہنا چاہ رہا تھا اس لڑکی کی بے تکلفی سے متاثر نہ ہو جانا۔ یہ جو باہر سے آئی ہوئی لڑکیاں ہوتی ہیں نا، ان کی اخلاقیات کا معیار کچھ اور طرح کا ہوتا ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ وہ لوز کریکٹر یا کرپٹ ہوتی ہیں، لیکن ہماری دیسی بچیوں کے لیے جو بے تکلفی کی انتہا ہوتی ہے، یہ وہاں سے اسٹارٹ پکڑتی ہیں۔ آیا کچھ عقل شریف میں؟"

"مجھے سمجھا رہے ہو یہ ساری باتیں؟ بچہ ہوں میں، نہ ہی ناسمجھ ہوں اور میں نے کون سا اس سے رشتے داری نبھانی ہے کہ ان باتوں کا خیال کروں۔ راہ چلتے کبھی ملاقات ہو گئی تو ٹھیک، ورنہ... نہ سہی۔" جلال نے شانے اچکا کر کہا۔

"ہوں۔" دونوں سر ہلانے لگے۔ "یہاں سعدی ہوتا تو صحیح لطف آتا۔ وہ اس لڑکی کے لیے بہت سنجیدہ ہے۔"

Scan & PDF FIAZ AHMED Urdu Khorner.com

واثق نے کہا۔
"اوخدارا... اب سعدی کو نہ بتا دینا۔ میں لائبریری میں ماوی سے ملا تھا۔ جان کو آجائے گا وہ میری۔" جلال نے منت بھرے انداز میں کہا۔
"تو کیا ہوا۔" واثق شریر انداز میں بولا "یہ ساری EX planation (وضاحت) اسے بھی دے دینا۔"
"اگر کسی لڑکی سے میں سرراہ ملتا تو مجھے یقین ہے اتنی وضاحتیں اپنی بیوی کو بھی نہ دینا پڑتیں۔ جتنی تم دوستوں کو مطمئن کرنے کے لیے دینا پڑتی ہیں۔" جلال نے جل کر کہا تھا واثق اور ارسل قہقہہ لگا کر ہنس دیے۔

☆ ☆ ☆

انیبہ کالج سے واپس آئی تو بے حد بیزار تھی۔ لیکن برآمدے کی سیڑھیوں کے قریب سفید پتھر کے بے حد خوب صورت گملے رکھے دیکھ کر اس کی ساری بے زاری اڑ چھو ہو گئی۔
"بونسائی۔" دبے دبے سے جوش کے ساتھ وہ گملوں کی طرف لپکی' وہ ہمیشہ سے یہ پلانٹ خریدنا چاہتی تھی' لیکن ہر بار ہی کسی نہ کسی وجہ سے اس کا شوق پورا ہونے سے رہ جاتا تھا۔ پھر کچھ یہ وجہ بھی تھی کہ باغبانی سے اچھی خاصی دلچسپی ہونے کے باوجود اس کا شوق ابھی بہت ابتدائی مراحل میں تھا۔ اس بات کا اندازہ اسے فیضان سے مل کر ہوا تھا۔ وہ جو چار پودے لگا کر یہ سمجھتی تھی کہ باغبانی پر عبور حاصل کر چکی ہے اور اسے کوئی مات نہیں دے سکتا فیضان سے دو چار بار کی تفصیلی گفتگو کے بعد اپنا سا منہ لے کر رہ گئی تھی۔
اس نے اپنا شولڈر بیگ اور فولڈر سیڑھیوں پر رکھ دیا اور اشتیاق سے پودوں کا جائزہ لینے لگی۔
"انو باجی! آج آپ جلدی نہیں آگئیں۔" شازیہ انیکسی کی طرف سے لپکتی ہوئی چلی آرہی تھی۔
"تم کہو تو واپس چلی جاتی ہوں۔" انو نے مصروفیت سے جواب دیا۔
"ہائے نا باجی! واپس کیوں جانا ہے۔" شازیہ نے ہنس کر ایسے جواب دیا جیسے انیبہ اپنے نہیں اس کے گھر آئی بیٹھی ہو۔
"ایک بات تو بتائیں انو باجی! ان پودوں کی خدمتیں کر کے آپ کو ملتا کیا ہے' نرے سبز پتے ہی پتے۔ پھول لگیں تو وہ بھی کبھار' کوئی پھل لگتا ہو تو بندہ وہی کھا کر خوش ہو لے۔ ہک ہا' ہمارے گاؤں میں تو ایک سے ایک پھل ملتا تھا۔ کبھی لنگڑا تو کبھی چونسا آم کھانے کو ملتا تھا' پھر ایسا ایسا کینو' موسمی۔ شہتوت اتنے میٹھے۔"
شازیہ جھومتی جا رہی تھی اور چٹخارے لیتی جا رہی تھی ایسا لگتا تھا' جیسے آنکھیں بند کیے تصور ہی تصور میں اپنے گاؤں پہنچی ہوئی ہو' ذرا دیر کو آنکھیں کھولیں تو پتا چلا انیبہ گملوں کے قریب پنجوں کے بل بیٹھی بری طرح اسے گھور رہی ہے۔
"تمہاری لن ترانی ختم ہو گئی ہو تو یہ بیگ اندر لے جاؤ اور میرے لیے جوس لے آؤ۔"
"کیا ختم ہو گئی؟" شازیہ نے الجھ کر پوچھا' انیبہ نے سر پیٹ لیا' پھر گہری سانس بھر کر بولی۔
"کچھ نہیں' تم اپنے ننھے دماغ پر زور نہ ڈالو۔ بیگ اٹھاؤ اور جوس لے کر آؤ۔"
شازیہ ننھے دماغ والی بات پر خفا ہو گئی اور چپ چاپ بیگ اور فولڈر اٹھا کر اندر جانے لگی۔
"ارے ہاں... سنو شازیہ! یہ پودے کون لے کر آیا ہے؟"
"آپ کے کالج جانے کے بعد فیضان صاحب لے کر آئے تھے۔ کہہ رہے تھے' انیبہ سے کہنا اپنی مرضی سے رکھوالیں اور تین کتابیں بھی دے کر گئے ہیں آپ کے لیے۔" شازیہ نے اسی خفگی بھرے انداز میں بتایا اور اندر چلی گئی۔ انیبہ کا دل یک بیک مسرت اور صدمے سے دھڑکا اور پھر ذہن ہر سوچ سے خالی ہو گیا۔ یوں جیسے کچھ دیر

پہلے تک وہ کچھ بھی نہ سوچ رہی ہو۔"
پتا نہیں فیضان کا یہ عمل اسے اچھا لگا تھا یا برا؟
"انہوں نے تو مجھے Yellow goddes دینے کا وعدہ کیا تھا۔" جس وقت وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اندر کی طرف جا رہی تھی اسے خیال آیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"مجھے اتنی سی مدد چاہیے تمہاری۔ دوست کی اتنی سی مدد نہیں کر سکتے۔"
سعدی نے جذبات سے چور آواز میں کہا۔ جلال اس وقت اپنے آئس کریم کپ پر جھکا ہوا تھا اور ہمہ تن گوش اسے سن رہا تھا۔ لیکن جملہ مکمل ہونے تک حیرانی و بے یقینی کا ایسا زبردست جھٹکا لگا کہ منہ کی طرف چمچہ لے جاتا' ہاتھ ٹھٹک کر راستے میں ہی رک گیا۔ چند لمحے سر جھکائے اس بات پر غور کرنے کے بعد اس نے اسی انداز میں سعدی کو دیکھا جو بہت سنجیدہ لگ رہا تھا اور جواب طلب نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔
"آر یو ان یور سینسز!" (تم ہوش میں تو ہو؟) اس کے لبوں سے بس اتنا نکلا۔
"اس میں آؤٹ آف سینس ہونے والی کیا بات ہے؟" سعدی نے کندھے اچکا کر پوچھا۔
"اچھی لگتی ہے وہ مجھے' اگر میں اس سے شادی کرنے کا سوچ رہا ہوں تو اس میں غلط بات کیا ہے۔" اس کا اطمینان قابل دید تھا۔ جلال کا دل چاہا اپنا سر پیٹ لے۔ سعدی درست کہہ رہا تھا' کسی لڑکی سے شادی کا سوچنا غلط نہیں تھا۔ غلط وہ مطالبہ تھا جو سعدی اس سے کر رہا تھا۔
وہ اس سے ملنے اسپتال آیا تھا' اس وقت سعدی کسی بات پر جلا بیٹھا تھا' اس نے اپنے ساتھ جلال کو باہر چلنے کے لیے کہا۔
"مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔"
سعدی لاء پڑھ رہا تھا اور ایک پرائیویٹ اسپتال میں مقیم تھا۔ جلال کو کہیں باہر جا کر بیٹھنے میں کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ وہ دونوں اسپتال سے نکل کر ایک آئس کریم پارلر پر آکر بیٹھ گئے۔
"ارسل بتا رہا تھا' تم لائبریری گئے تھے' ماوی سے ملنے؟" جلال کا دماغ بھک سے اڑا۔ ارسل نے بالآخر اپنا کام دکھا دیا تھا' اس قدر تاکید کے باوجود۔
"میں نے اسے بتایا تھا' اتفاقاً" ملاقات ہو گئی تھی' لیکن پتا نہیں اس میں یہ عورتوں کی طرح لگائی بجھائی کی عادت کہاں سے آگئی ہے۔" جلال نے جھنجلاتے ہوئے مگر وضاحتی لہجے میں کہا تھا۔
"یار جیڈی! تمہاری تھوڑی سی فیور چاہیے۔ میں چاہتا ہوں تم ماوی کی ممی کے پاس جاؤ اور ان سے میری اور ماوی کی شادی کی بات کرو۔" اس نے جتنے اطمینان و سکون سے کہا تھا' اتنا ہی جلال ہکا بکا رہ گیا اور اس کے تاثرات دیکھ کر سعدی نے کہا۔
"اچھی لگتی ہے وہ مجھے۔ اگر میں اس سے شادی کرنے کا سوچ رہا ہوں تو اس میں غلط بات کیا ہے۔"
"غلط بات کیا ہوتی ہے' میری طرف سے تم ماوی کو چھوڑ جس سے مرضی شادی کا سوچو' لیکن مجھ سے یہ کیوں چاہتے ہو کہ ان کی بیٹی کی قربانی کے لیے چھری میرے ہاتھوں ثمینہ آنٹی کے گھر تک پہنچے۔" جلال نے جھنجلا کر کہا۔
"کیا مطلب؟" سعدی برا مان گیا۔ "ان کی بیٹی مجھ سے شادی کر کے قربان ہو گی؟ یار! حد ہے کیسے سنگ دل واقع ہوئے ہو تم جو میری فیلنگز ہی نہیں سمجھ رہے؟" سعدی نے نروٹھے پن سے کہا۔

FIAZ AHMED
Friends Korner.com

"میرے کہنے کا مطلب تھا شادی ہی کرنی ہے تو گھر کے کسی بزرگ کو بھیجو' میں اچھا لگوں گا تمہارا رشتہ لے کر جاتا۔ دوست ہوں تمہارا' ابا تو نہیں۔" جلال نے سمجھانے کی کوشش کی۔

"پہلے تم جا کر میرے لیے راہ تو ہموار کرو' تب ہی تو ابا سے بات کروں گا۔ ان کو کیا خبر سعدی کون ہے؟ کیا کرتا ہے؟ کس خاندان کا ہے۔" سعدی نے کہا۔

"کسی کے لیے راہ کیسے ہموار کرتے ہیں؟" جلال کی معلومات اس معاملے میں صفر تھیں۔

"اوہو... اب پورا اسکرپٹ لکھ کر دوں کیا؟" سعدی سلگا۔

"جا کر ان کو میرے بارے میں بتانا۔ میری تعریفیں کرنا اور یہ کہ میں ان کی بیٹی کے عشق میں پہلی نظر میں مبتلا ہو گیا تھا۔ وہ اس کی شادی مجھ سے کروا دیں' ان کی بیٹی ساری زندگی خوش رہے گی۔ میں اس کے لیے آسمان سے ستارے بھی توڑ کر لا سکتا ہوں۔ اگر وہ کہے گی' کے۔ ٹو کی چوٹی پر جمی ہوئی برف کا گولا گنڈا بنا کر کھانا ہے تو میں اسے کے۔ ٹو سے برف بھی لا دوں گا' حتیٰ کہ اگر وہ کہے گی' افریقہ کے جنگلات سے وہ نایاب جڑی بوٹی ڈھونڈ کر لا دو جسے کھا کر عورتیں زیادہ سے زیادہ عرصہ حسین اور خوب صورت رہ سکتی ہیں تو یقین مانو' میں وہ جڑی بوٹی تلاش کرنے بھی..."

"بس۔" جلال نے یک دم ہاتھ اٹھا کر اسے ٹوک دیا۔ "اس سے آگے ایک لفظ بھی مت کہو' تمہارا خیال ہے اتنی illogical (غیر منطقی) باتیں سن کر وہ اپنی بیٹی کی شادی تم سے کرنے پر راضی ہو جائیں گی؟ ہرگز نہیں۔"

"یہ ہی تو تمہارا اصل کام ہے۔" سعدی نے مسکرا کر کہا۔ "تمہیں ان کو قائل کرنا ہو گا' میں بتا رہا ہوں جیڈی! وہ مجھے نہ ملی تو میں... میں مر جاؤں گا۔" سعدی نے قطعیت سے کہا تھا۔

جلال سر پکڑ کر بیٹھ گیا' اس کے دوست ہر بار اسے مشکل میں ڈال دیتے تھے۔

"اور وہ تمہاری منگیتر؟" اس کو اچانک یاد آیا۔ "مجھے یاد آیا تمہاری منگنی تو بچپن میں ہو چکی تھی۔"

"پہلی نظر کی محبت کے مقابلے میں بچپن کی منگنی کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔" سعدی نے کہا۔ "اگر ایک بار مجھے تم ان سے ملوا دو تو میں اس منگنی کا پتا ہی صاف کر دوں گا۔" میرے ماں' باپ نے بچپن میں منگنی کر کے ظلم کیا تھا' میں اس ظلم کے خلاف بغاوت کروں گا۔" اس نے ہاتھ لہراتے ہوئے انقلابی انداز میں کہا تھا۔

"مجھے نہیں لگتا سعدی! ثمینہ آنٹی مانیں گی۔ دیکھو' میں تمہیں ہرٹ کرنا نہیں چاہتا' لیکن اس پہلو کو بھی تمہیں مدنظر رکھنا چاہیے کہ ان میں اور تم میں بہت فرق لگتا ہے' ان کا وے آف لیونگ (زندگی گزارنے کا طریقہ) تمہارے خاندان سے بہت مختلف ہے' پھر تم لوگ گاؤں کے رہنے والے ہو' وہ مغربی آزادانہ ماحول کی پلی بڑھی ہے۔" جلال نے عقل مندی کے ساتھ اسے آئینہ دکھانا مناسب سمجھا تھا۔

"میں اسے پاکستان سے باہر لے جاؤں گا۔" سعدی نے تیزی سے کہا تھا۔ "وہ جیسا لائف اسٹائل چاہے گی میں اسے فراہم کروں گا۔ بس مجھے وہ مل جائے جیڈی! مجھے لگتا ہے اس کے بغیر زندگی بہت مشکل ہو گی' پلیز میری مدد کرو۔"

اس نے منت بھرے انداز میں کہا تھا' جلال سخت مشکل میں پھنس گیا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔" بالآخر جلال نے اس کے سامنے ہار مانتے ہوئے کہا۔ "میں صرف ان سے بات کر کے دیکھوں گا' وہ راضی ہو گئیں تو ٹھیک' ورنہ دوسری بار میں ان سے کچھ نہیں کہوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔" سعدی خوش ہو گیا۔ "وہ انکار کریں گی ہی نہیں۔ تم خود بتاؤ' کیا میں ایسا ہوں کہ کوئی لڑکی میرے لیے انکار کر سکے۔" سعدی نے گردن اکڑا کر اور اترا کر کہا تھا۔

جلال نے بغور اسے دیکھا۔ سچ بول کر وہ سعدی کا دل دکھانا نہیں چاہتا تھا' اس لیے خاموشی سے اپنے کپ پر

جھک گیا۔

☆ ☆ ☆

"میں پلانٹس کے لیے آپ کو تھینکس بولنا چاہ رہی تھی۔" انیبہ نے فیضان سے جھجکتے ہوئے کہا تھا۔

"ٹھیک ہے میں یہاں کھڑا ہوں' آپ کو جو بولنا ہے اطمینان سے بول لیجیے۔" فیضان نے کلائی میں ریسٹ واچ باندھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا اور اپنی نرم مسکراہٹ سمیت اس کی طرف دیکھنے لگے۔ انیبہ بری طرح پچھتائی' وہ نک سک سے تیار کہیں جانے کے اہتمام میں تھے' لگ بھی اچھے رہے تھے۔ (برے کبھی لگے ہی نہیں) اس پر سے شریر سی چمک آنکھوں میں سموئے اس پر نظریں ٹکائے کھڑے تھے۔

مرد شان دار ہو اس پر سے خوش مزاج و خوش اخلاق بھی ہو تو کم عمری کے لیے بڑا مہلک ثابت ہو سکتا ہے۔

انیبہ کے اعتماد کے پردے میں سلوٹیں پڑنے لگیں۔

"آپ نے بہت خرچا کر دیا۔ اتنا نہیں کرنا چاہیے تھا۔" اپنے بکھرتے ہوئے اعتماد کو جمع کرنے کی کوشش میں اس کے لبوں سے یہی جملہ نکلا۔

"یہ شکریہ تو نہیں ہے' میرا خیال ہے اسے جملۂ اعتراض کہنا زیادہ مناسب رہے گا۔" فیضان نے پُرسوچ انداز میں کہا۔

"آپ بہت مشکل اردو بولتے ہیں۔" انیبہ نے بے ساختہ کہا' فیضان ہنس دیے۔

"کوئی اردو دان سنے تو اس بات پر ہنسے۔"

"کاش! میں بھی ہنس سکتی۔" انیبہ نے روہانسی ہو کر دل ہی دل میں سوچا۔

فیضان نے اس کے جھکے سر کو بغور دیکھا' پھر مزید ستانے کا ارادہ ترک کرتے ہوئے پوچھنے لگے۔

"تمہیں بونسائی پسند نہیں ہے کیا؟"

"پسند ہے' لیکن آپ نے تو کہا تھا مجھے Yellow goddes دیں گے؟"

فیضان پل بھر کے لیے خاموش ہو گئے' پھر بات پلٹتے ہوئے کہنے لگے۔

"ہاں Yellow goddes بھی دوں گا' گملے ابھی تک وہیں پڑے ہیں جہاں میں نے رکھوائے تھے۔ مجھے لگا تمہیں پسند نہیں آئے۔"

"نہیں۔ ایسی بات نہیں ہے' پسند تو بہت آئے ہیں' اب ہی تو شکریہ کہنے آئی ہوں۔" اس نے جلدی سے کہا۔

"مجھے بونسائی کے بارے میں زیادہ نہیں پتا' یہ بھی نہیں کہ اسے زیادہ دھوپ میں رکھتے ہیں یا کم۔ اسی لیے میں نے انہیں وہیں پڑا رہنے دیا کہ آپ خود ہی ٹھیک جگہ پر رکھوا دیں۔"

"ہاں ضرور۔ یہ تو میں کروں گا۔" فیضان نے مسکرا کر دوستانہ انداز میں کہا تھا۔ "اور تمہیں شکریہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے' دوستوں میں شکریہ جیسی کوئی فارمیلیٹی نہیں ہوتی۔"

"میں آپ کی دوست تو نہیں ہوں۔" اس نے بے ساختگی سے کہا۔ فیضان ٹھٹک سے گئے' عام سا جملہ' لیکن لہجہ خاص' یا شاید انہیں ہی لگا' یہ چھوٹی سی لڑکی انہیں کیوں بار بار چونکا دیتی تھی؟

انہوں نے فوراً "سر جھٹک کر اس خیال کو جھٹکا جو فوراً" سے پیشتر ان کے ذہن میں جگہ بنا رہا تھا۔

"ہاں... تم دوست تو نہیں ہو' تم تو سہیلی ہو' لڑکیوں کے لیے یہ ہی لفظ استعمال کرتے ہیں نا۔" انہوں نے یوں کہا جیسے بچوں کو بہلاتے ہیں۔

Scan & PDF FIAZ AHMED Friends Korner.com

"مجھے تمہارے لان میں بونسائی کی کمی لگی تو لے آیا۔ کچھ بلب اور ٹیوبز بھی آرڈر کیے ہیں میں نے تمہارے لیے' کیا وہ بھی لے کر تم شکریہ کہو گی؟ ایسی فارملیٹیز میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے' مجھے اچھا لگے گا اگلی بار تم شکریہ نہ کہو' ویسے بھی میری دانیال صاحب سے بات ہوئی تھی' انہوں نے ہی مجھے کہا تھا' اگر میں کچھ پلانٹس یہاں لگوانا چاہوں تو لگوا دوں۔ میں پودوں سے دور نہیں رہ سکتا۔ اچھا ہے جب تک پاکستان میں ہوں' میری دلچسپی کا سامان بھی رہے گا۔"

انہوں نے اوک بھرپانی اس کے دل کی خوشی پر ڈالا اور اسی طرح مسکراتے ہوئے یہ جا وہ جا۔

انیبہ اپنا سامنہ لے کر رہ گئی' اتنی سی دیر میں خدا جانے کیا کیا سوچ چکی تھی۔ "اونہہ... دل خوش فہم' تیرا سچ مچ بیڑا غرق۔" وہ گہری سانس بھرتی جالی کا دروازہ دھکیلتی اندر آگئی۔

ماوی صاحبہ حسب معمول صوفے پر نیم دراز پیٹ پر کشن رکھے' کشن پر لیپ ٹاپ آن کر کے کھٹا کھٹ کی بورڈ پر انگلیاں چلا رہی تھیں۔ ٹی وی پر کوئی بور قسم کا سیاسی ٹاک شو چل رہا تھا تو تیسری جانب میوزک سسٹم پر ایک سو فٹ سی دھن لگا رکھی تھی۔

"آیئے... آیئے انیبہ صاحبہ! آج آپ کو ہماری یاد کیسے ستائی؟" لیپ ٹاپ کی اسکرین پر نظریں جمائے اس نے مسکرا کر چڑایا تھا۔

"پہلے تم بتاؤ ٹائپنگ کر رہی ہو' ٹاک شو دیکھ رہی ہو یا میوزک سن رہی ہو۔"

"جب سارے کام ایک ساتھ ہو سکتے ہیں تو کوئی ایک کام کیوں کیا جائے' آؤ بیٹھو۔" اس نے ریموٹ سے ٹی وی بند کرتے ہوئے کہا' پھر دوسرا ریموٹ اٹھا کر میوزک سسٹم بھی آف کر دیا۔

"چائے پلاتی ہو تو بیٹھتی ہوں۔"

"نہیں پینی تو تمہیں خود پڑے گی البتہ چائے بنانے کے بارے میں سوچا جا سکتا ہے۔" ماوی نے تجاہل عارفانہ سے کہا۔

"اب بیٹھ کیوں رہی ہو جاؤ چائے بنا لو۔" انیبہ کو بیٹھتے دیکھ کر اس نے کہا۔

"میں مہمان ہوں؟" انیبہ نے گھور کر کہا۔

"کیسی تکلف والی باتیں کر رہی ہو انیبہ! میں تمہیں مہمان نہیں سمجھتی' جاؤ شاباش چائے بنا لاؤ۔" ماوی نے بے تکلفی سے کہا۔

"اور ہاں... فریزر میں چکن نگٹس ہوں گے' ذرا وہ بھی فرائی کر لینا۔"

"اگر تم کہو تو دوپہر کے کھانے کے برتن بھی دھو دوں اور کچن کی ہفتہ وار صفائی بھی کر دوں۔" انیبہ نے جل کر پوچھا' ماوی جلدی سے بولی۔

"ارے نہیں' اتنا کام کرنے کی کیا ضرورت ہے۔"

انیبہ گہری سانس بھرتی کچن میں آگئی اور کچھ دیر بعد جب پوری ٹرے سجا کر واپس آئی تو ماوی صوفے پر پیر اوپر رکھ کر بیٹھی اس کی منتظر تھی۔

"شاباش... تم نے تو سارا کام بہت جلدی ختم کر لیا۔" ماوی نے مسرور ہو کر کہا۔ ساتھ ہی ٹرے اس کے ہاتھوں سے لے کر میز پر رکھ دی اور ایک نگٹ کھاتے ہوئے بولی۔

"ثمینہ آنٹی کہاں ہیں؟"

"سو رہی ہیں' اور تم اتنا سوچ سوچ کر کیوں کھا رہی ہو' اس اسپیڈ سے کھاؤ گی تو دو نگٹس کھانے تک میں پوری پلیٹ صاف کر دوں گی۔"

فیس فریش ™ ©
بیوٹی کریم



چہرے کو دے ایسا نکھار
جو رہے ہمیشہ برقرار

Emerging Brands of the year Award 2010
IT'S ALL ABOUT CHAMPIONS

ہم اپنے معزز کسٹمرز کے بے حد مشکور ہیں جنہوں نے ہماری پراڈکٹ کو بے حد پسند کیا اور ہمیں یہ ایوارڈ ملا

صرف 5 ہی دن میں نکھار آجائے

انفیکشن کنٹرول سوسائٹی پاکستان سے تصدیق شدہ جراثیم سے پاک پہلی اور واحد کریم جو چھائیاں، حلقے، مہاسے دانے، داغ دھبے ختم کرتی ہے اور رنگ گورا کرنے کے ساتھ ساتھ سورج کی شعاعوں کے مضر اثرات اور میک اپ کے مضر اثرات سے تحفظ فراہم کرتی ہے۔

www.facefreshproducts.com

INFECTION CONTROL SOCIETY ICSP PAKISTAN

Digital Creations

Scan & PDF FIAZ AHMED Friends Korner.com

"تم کھاؤ، مجھے بھوک نہیں ہے۔" انیبہ نے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے کہا تو ماوی کسی قدر چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"کیا بات ہے، پریشان لگ رہی ہو؟"

"نہیں... پریشانی کیسی؟" وہ سادگی سے ہنس دی، پھر پُرسوچ انداز میں پوچھنے لگی۔

"ماوی! تمہیں پتا ہے، جب محبت ہوتی ہے تو کیسا محسوس ہوتا ہے؟"

"تم بتاؤ، کیسا محسوس ہو رہا ہے آج کل۔" ماوی کو تو موقع چاہیے تھا، فوراً" شرارتی انداز میں پوچھنے لگی۔ انیبہ گڑبڑا گئی۔

"کیا مطلب؟"

"ارے مطلب وطلب چھوڑو، جو دل میں چل رہا ہے وہ بتاؤ۔" وہ چہکی اور انیبہ سچ مچ اس کشمکش سے گھبرا چکی تھی۔ ایک آن میں اس نے فیصلہ کیا اور ماوی کے سامنے دل کا دامن خالی کر دیا۔

"یہ طے ہے کہ وہ مجھے اچھے لگتے ہیں، لیکن محبت۔" اس نے تذبذب سے کہا اور پیر کا ناخن کھرچنے لگی۔

"اس میں اتنا سوچنے کی کیا بات ہے بھئی۔ یہ محبت ہی ہے۔" ماوی نے اصرار سے بلکہ پُروثوق انداز میں کہا تھا۔

"تمہیں کیسے پتا؟"

"مجھے سب پتا ہوتا ہے یار!" ماوی نے اترا کر کہا۔ "جیسے مجھے یہ پتا تھا کہ تم فیضان ماما میں انٹرسٹ لے رہی ہو، ماوی نام ہے میرا۔ ممی کہتی ہیں، یہ تو اڑتی چڑیا کے پر بھی گن سکتی ہے۔ یہ کیسے ممکن تھا انیبہ میڈم! آپ کے دل کی داستان تک نہ پہنچوں۔"

"شمینہ آنٹی طنز میں کہتی ہوں گی۔" انیبہ نے کہا۔

"میں تو تعریف میں کہہ رہی ہوں۔" وہ اطمینان سے کندھے اچکا کر بولی۔

"اچھا اپنی تعریفیں کرنا بند کرو اور یہ بتاؤ اب میں کیا کروں؟"

"کرنا کیا ہے؟ سیدھے سیدھے جا کر فیضان ماما کو بتا دو کہ تم انہیں پسند کرتی ہو۔" اس نے باسہولت حل بتایا، انیبہ فوراً" نفی میں سر ہلانے لگی۔

"میں نہیں کہہ سکتی۔"

"وجہ؟"

"مجھے ڈر لگے گا۔" انیبہ نے سر جھکا کر خفت سے کہا۔

"میرے ماما سے آئی لو یو بولنا ہے یا ہٹلر سے۔ جو ڈر لگے گا۔" ماوی ہنسی۔

"پہلے کنفرم تو ہونے دو، یہ محبت ہے یا محض پسندیدگی۔" اس نے لاچاری سے کہا تھا۔

"میری بات مان لو، یہ محبت ہی ہے۔" ماوی تحمل سے بولی۔

"تمہیں کیسے پتا، جبکہ ابھی تک مجھے بھی نہیں پتا۔" انیبا نے سرعت سے پوچھا تھا۔

"میرے ہی جیسے کسی ذہین فلاسفر نے کہا ہے محبت اور یرقان کو آنکھوں سے ظاہر ہونے سے نہیں روکا جا سکتا۔ تو تمہاری آنکھیں بتا رہی ہیں، تمہیں ان سے محبت ہو چکی ہے۔ جس طرح یرقان انتہا پر پہنچ کر ہیپاٹائٹس میں بدل جاتا ہے ٹھیک اسی طرح محبت شدت اختیار کرے تو عشق بن جاتا ہے، پھر انسان دیوانہ ہو جاتا ہے اسے راتوں کو نیند نہیں آتی، چاند کو دیکھ کر ٹھنڈی آہیں بھرنے لگتا ہے اور اس کا دل چاہنے لگتا ہے اپنے بال بکھیر کر جنگلوں میں نکل جائے۔" بے حد سنجیدگی بھرے انداز میں وہ رتی بھر بھی سنجیدہ نہیں تھی۔

"یہ تم کسی عاشق کا حال بیان کر رہی ہو یا پاگل بھینسے کا؟"

"پاگل بھینسے کا۔" سنجیدگی سے جواب آیا۔

انیبہ نے سر پیٹ لیا۔

"اس سر نے کیا قصور کیا ہے، مجھے تم سے پوری ہمدردی ہے انیبہ محبت کرنے سے پہلے مجھ سے مشورہ کر لیتیں تو میں ضرور تمہیں بتاتی، کسی پتھر سے سر پھوڑ لو، پنکھے سے پھندا لگا کر خودکشی کر لو، مگر فیضان ماما سے محبت نہ کرو۔"

"مرو تم۔" انیبہ جھٹکے سے اٹھ کر جانے لگی، ماوی نے اسی تیزی سے اس کا راستہ روک لیا۔

"خبردار، بات کو بیچ میں چھوڑ کر جاؤ گی تو مجھ جیسی بہترین دوست سے ہاتھ دھو بیٹھو گی۔ ویسے بھی میں تمہیں دل سے اپنی ممانی جان مان چکی ہوں اور جب تک اپنی ممانی جان کی پریشانی دور نہیں کر دیتی، مجھے چین نہیں آئے گا۔" اس نے دھونس بھرے انداز میں کہا۔

"سبحان اللہ، کیا بات ہے آپ کی۔" انیبہ نے جل کر کہا۔

"یہ تک تو پتا نہیں آپ کے ماموں جان کے دل میں کیا ہے۔ محترمہ مجھے ممانی جان بنائے بیٹھی ہیں۔"

"دیکھو... ایک بہت بہترین فلاسفر نے کہا ہے جب کسی مسئلے کا حل نہ مل رہا ہو تو کرکٹ کھیلنا چاہیے اور اس کے بعد مسئلے کا حل ڈھونڈنا چاہیے۔" ماوی نے سابقہ سنجیدگی سے کہا۔

"اور یہ فلاسفر کون ہے؟" انیبہ نے گھور کر پوچھا۔

"تمہیں میں نظر نہیں آ رہی۔" ماوی کھلکھلائی، انیبہ اسے گھور کر بولی۔

"محبت مجھے ہوئی ہے، لیکن لگتا ہے، دماغ تمہارا چل گیا ہے۔ اتنی دوپہر میں کرکٹ کھیلیں گے۔"

"اب آئی نا صحیح بات زبان پر۔" ماوی نے خوش و پرجوش ہو کر تالی بجائی، انیبہ سٹپٹا گئی۔

"نہیں... وہ۔"

"ارے چھوڑو یہ، وہ... بس اتنا کافی ہے کہ تم کو فیضان ماما پسند ہیں۔ میں ان کو سمجھا نہیں سکتی، لیکن ان کو قائل کرنے کے لیے تم کو بڑے اچھے آئیڈیاز دے سکتی ہوں۔ کیا بتاؤں کہ فیضان ماما کی روکھی پھیکی زندگی میں رنگ بھرنے کا خیال ہی کتنا خوش کن ہے۔ چلو آؤ پہلے چائے پیتے ہیں، پھر کرکٹ کھیلیں گے اور اس کے بعد بیٹھ کر سوچیں گے کہ تمہیں کیا کرنا چاہیے۔"

وہ جیسے سارا کچھ طے کیے بیٹھی تھی، انیبہ کسی سوچ کے تحت دوبارہ بیٹھ گئی۔

☆ ☆ ☆

اس کے بعد ہنگامی بنیادوں پر میچ ارینج کیا گیا۔ ماوی اور انیبہ کی ایک ٹیم تھی۔ ولی نے لڑکیوں کی ٹیم میں شامل ہونے کو سراسر اپنی مردانگی کی توہین تصور کیا اور ولید سے سخت چپقلش کے باوجود اس کے ساتھ ٹیم بنانے کو ترجیح دی۔ شازیہ فیلڈر تھی، جبکہ چوکیدار جس کی دور کی نظر کمزور تھی اور اللہ کے فضل و کرم سے آج وہ اپنا نظر کا چشمہ بھی گھر بھول آیا تھا کو امپائر بنا دیا گیا۔ اب کچھ اس قابل امپائر کی مہربانی اور کچھ ماوی کی ڈھٹائی کا نتیجہ تھا کہ لڑکیاں گھنٹہ بھر سے فرضی وکٹ اور ڈرائیووے کی پچ پر جمی کھڑی تھیں اور لڑکے بری طرح پیچ و تاب کھا رہے تھے۔ بالآخر ولید کا صبر جواب دے گیا، اس نے پی کیپ اتار کر زمین پر پٹخی اور وہیں پھسکڑا مار کر بیٹھ گیا۔

"کیا ہوا ہے ولید؟"

"جب تک ہمیں بیٹنگ نہیں دی جائے گی، ہم نہیں کھیلیں گے۔"

"ارے واہ۔" انیبہ نے تنک کر کہا۔ "ہمیں آؤٹ کرو پہلے، پھر بیٹنگ لے لو۔"

Scan & PDF HAZ AHMED Friends Korner.com

"بالکل ٹھیک۔" ماوی نے بھی بیٹ لہرا کر کہا۔
"اب تمہاری بالنگ زیرو ہے تو کوئی کیا کرے' ورنہ میں تو اتنی بہترین پلیئر ہوں کہ نائنٹی ٹو میں عمران خان نے ہر میچ کا اسٹریٹیجی پلان مجھ سے ہی بنوایا تھا۔" اس نے اکڑ کر کہا۔
"اچھا" ولید نے پُرسوچ نظروں سے اسے دیکھا۔ "اب تم اتنا اصرار کر رہی ہو تو مان لیتا ہوں۔ ویسے بھی تم اتنی عمر رسیدہ لگتی ہو ضرور نائنٹی میں مشورے دیتی ہوگی"
ماوی کے تلووں میں لگی سر پر بجھی وہ بری طرح سلگی تھی۔
"عمر رسیدہ کسے کہا ہے تم نے؟"
"میرا خیال ہے دونوں ٹیمز کے کیپٹن میں تلخ کلامی ہونے کی بنا پر میچ درمیان میں ہی ختم کرنا پڑے گا۔" انیبہ نے شرارتی انداز میں کہا۔
"جی نہیں۔ جو میدان چھوڑ کر بھاگے گا' وہ بزدل ہوگا" ماوی ڈٹ کر کھڑی ہوگئی۔ "یہ ولید ہمیں آؤٹ نہیں کر پا رہا۔ اسی لیے الٹی سیدھی باتیں کر رہا ہے۔"
"تم بغیر دھاندلی کے کھیلتیں تو پہلی بال پر ہی آؤٹ ہو چکی ہوتیں۔" ولید نے دوبدو کہا۔
"اب آؤٹ کر کے دکھاؤ تو مان جاؤں۔" ماوی نے چیلنج کیا۔
"ایسی بات!" ولید اٹھ کھڑا ہوا' پیچھے ہٹنے والوں میں سے تو وہ بھی نہیں تھا۔
"میں نے بھی اس بال پر سکس نہ لگایا تو میرا نام ماوی نہیں" ماوی نے پوزیشن سنبھالی۔
"ٹھیک ہے پھر کل سے ہم تمہیں "بڑھکو" بلایا کریں گے" ولید نے پوزیشن لے کر بال پھینکی ماوی ایک دم ہائی الرٹ تھی اس نے سرعت سے بیٹ گھمایا۔ گیند بیٹ سے ٹکرا کر تیزی سے آسمان کی طرف بلند ہوئی۔ سب کی نظریں گیند پر تھیں گیند کچھ دیر ہوا میں تیرتی رہی پھر مہارت سے نوے کا زاویہ بناتی بنگلے کی باؤنڈری وال کے اس پار غروب ہوگئی۔ ساتھ ہی ایک زوردار چیخ ان سب کی سماعت سے ٹکرائی تھی۔
ماوی کے ہاتھ سے بیٹ چھوٹ گیا۔
"یہ۔ یہ کیا تھا۔" اس نے ہراساں ہو کر پوچھا۔
ولی' ولید اور چوکیدار تیزی سے گیٹ کی طرف بھاگے ماوی' انیبہ اور شازیہ میں تو ہمت نہیں تھی کہ جا کر دیکھتیں اس سکس نے کیا کمال کیا ہے۔
چند منٹ بعد وہ تینوں بوکھلائے ہوئے واپس آگئے۔
"باہر سڑک پر ایک لڑکا اوندھا پڑا ہے۔ پتا نہیں بے ہوش ہے یا مر گیا۔ بال اس کے سر پر لگی ہے۔"
"اب کیا کریں؟ لڑکیاں گھبرا گئیں۔
"کرنا کیا ہے۔ اندر چلو۔ شاٹ ماوی نے لگایا تھا پولیس کے حوالے بھی اسی کو کریں گے۔" ولید نے سنگ دلی سے کہا تھا۔
"کھیل تو سب رہے تھے۔" ماوی نے پریشانی سے کہا۔
"جی نہیں۔ میں تو موقع واردات پر موجود ہی نہیں ہوں باقی تم لوگوں کی مرضی ہے جو دل میں آئے کرو۔" وہ کہہ کر اندر بھاگ گیا۔
"میں تو ولید کی ٹیم میں تھا جب وہ ہی یہاں موجود نہیں تھا تو میں کیسے ہو سکتا ہوں۔" ولی بھی اس کے پیچھے ہو لیا۔
لڑکیاں آوازیں دیتی رہ گئیں لیکن مجال ہے جو دونوں میں سے کوئی پلٹا ہو۔

"یہ دونوں تو بہت ہی بے مروت نکلے۔" ماوی نے صدمے سے چور آواز میں کہا تھا۔
"ماوی' چلو ہم بھی بھاگ جاتے ہیں کسی کو کیا پتا گیند کس کی تھی۔"
لیکن اس سے قبل کہ ماوی کچھ کہتی چوکیدار کی آواز آئی۔
"بی بی! مردہ کھڑا ہو رہا ہے۔"
وہ دونوں حواس باختہ ہو کر گیٹ کی طرف دوڑیں اور جلال کو کپڑے جھاڑتا' دیکھ کر ایک ساتھ پُرسکون سانس ان کے لبوں سے برآمد ہوئی۔
"شکر ہے' آپ زندہ ہیں۔" انیبہ نے کہا۔
"اچھا ہوا بال آپ کو لگی ورنہ پتا نہیں کون معصوم میرے ہاتھوں زخمی ہو چکا ہوتا۔" ماوی کی آواز میں اطمینان و جوش کے ساتھ ساتھ شکر گزاری بھی تھی۔
جلال بے چارہ پہلے ہی سر پر گیند کھا کر بوکھلایا ہوا تھا۔ یہ بات سن کر بڑا سخت صدمہ پہنچا۔
"یعنی میرا زخمی ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا۔"
"ارے کیسی باتیں کر رہے ہو جلال۔ معنی کیوں نہیں رکھتا؟ بالکل رکھتا ہے بلکہ سچ کہوں تو مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے کہ میری گیند آپ کو لگی۔"
بڑی خوشی سے ارشاد فرمایا گیا پھر وہی بنا سوچے سمجھے بولنے کی عادت۔
"جی۔" جلال کو دھچکا لگا۔
"یہ قدرت نے تمہیں ہمارا مہمان بنانے کا انتظام کیا ہے۔ ورنہ تم نے تو ہمارے گھر نہ آنے کی قسم کھا رکھی تھی۔ چلو آؤ۔ اندر آجاؤ۔ تمہیں اچھی سی چائے پلواتے ہیں۔ ممی بھی تم سے مل کر بہت خوش ہوں گی۔" اس نے بے تکلفی سے کہا۔
"جی نہیں۔ چائے کے تکلف کی کیا ضرورت ہے۔" جلال نے ٹالتے ہوئے کہا۔
"ارے۔" ماوی نے اپنائیت بھری جھنجلاہٹ کے ساتھ کہا۔
"پہلی بار تم چوٹ کھا کر ہمارے گیٹ کے سامنے پڑے ہو۔ اب تمہیں سوکھے منہ تو جانے نہیں دے سکتے۔ ہم بڑے مہمان نواز لوگ ہیں۔ کوئی کچھ کھائے پیئے بغیر ہمارے یہاں سے جائے' ہمیں اچھا نہیں لگتا۔ چلو آؤ شاباش۔ چائے پی کر جانا۔"
حسب عادت وہ خدا جانے کیا کیا بولتی کسی بڑی اماں کی طرح اسے پچکارنے لگی۔ ناچار جلال اس کے ساتھ اندر چل دیا۔ کچھ ماوی کا اصرار اور کچھ سعدی کی منتیں بھی یاد آگئی تھیں۔

☆ ☆ ☆

"ٹھیک ہے اماں! جیسے تیری مرضی۔ میں تو ویسے بھی تیری خوشی میں راضی ہوں۔"
دین محمد نے سر جھکا کر سعادت مندی سے جواب دیا۔ اس کی ماں کا دل یک دم خوشی سے بھر گیا۔ اسے فوری طور پر یاد نہیں آیا' کتنے عرصے کے بعد اس کا بیٹا دھیمے لہجے میں اس سے بات کر رہا تھا۔ اسے صرف اتنا یاد رہا کہ اس کے منہ سے یہ جواب سننے کے لیے وہ کتنے عرصے سے منتظر تھی۔ بے ساختہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس نے دین محمد کے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعائیں دیتی کمرے سے باہر جانے لگی۔
"بس ایک بات کا خیال رکھنا اماں۔" دین محمد کی آواز پر وہ دروازے کے قریب رک گئی اور پلٹ کر اسے دیکھنے لگی۔

Scan & PDF FIAZ AHMED Friends Korner.com

"میرے لیے جو بھی لڑکی پسند کرنا' وہ ایسی ہونی چاہیے جو میری جنت کا خیال رکھ سکے۔ اسے سوتیلی ماں ہونے کا احساس نہ دلائے۔ مجھے اپنے لیے بیوی سے زیادہ جنت کے لیے ماں کی ضرورت ہے۔"

اس کا لہجہ اس بار مدھم سہی لیکن مستحکم اور دو ٹوک تھا۔ دین محمد کی ماں جانتی تھی جلد یا بدیر اگر وہ شادی کے لیے ہامی بھرے گا تو اسی شرط کے ساتھ بھرے گا تب ہی گہری سانس بھرتی اثبات میں سر ہلا کر کمرے سے باہر آگئی جنت کے کمرے کے سامنے اس کے قدم بے ساختہ رکے۔ کھلے ہوئے دروازے سے وہ پلنگ پر لیٹی دکھائی دے رہی تھی۔ وہ اس وقت ساڑھے گیارہ سال کی ہو چکی تھی لیکن قد کاٹھ سے اپنی عمر سے زیادہ بڑی لگتی تھی۔

دین محمد کی ماں چند منٹ وہیں کھڑی اسے دیکھتی رہی پھر آگے بڑھ گئی اور آنگن میں بچھی چارپائی پر بیٹھ کر سوچنے لگی کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے۔ برادری کی تین چار لڑکیوں پر پہلے ہی اس نے دین محمد کے لیے نظر رکھی ہوئی تھی ان میں سب سے پہلے قرعۂ فال شاہدہ کے نام نکلا جو اس کی چچھری بہن کی بیٹی تھی۔ اور اپنے لمبے قد اور گھنی چٹیا کی وجہ سے اسے بے حد پسند تھی۔ دین محمد کی ماں کو یقین تھا وہ جس کے بھی گھر میں دین محمد کے لیے دست سوال دراز کرے گی وہاں سے اسے مایوس نہیں لوٹایا جائے گا لیکن وقت یہ تھی کہ اسے ایک نہیں برادری کی کئی لڑکیاں پسند تھیں اور اس کے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو رہا تھا کہ ان میں سے کس کو دین محمد کے لیے چنے بالآخر اس نے شاہدہ کے حق میں فیصلہ دیا اور اگلے روز اس کے یہاں جانے کی تیاری کرنے لگی۔

گو کہ اس نے زہرہ کی ناگہانی موت کے کچھ عرصہ بعد ہی دین محمد کی تنہائی کے خیال سے اس سے شادی کے لیے اصرار شروع کر دیا تھا لیکن دین محمد ہر بار دوسری شادی سے انکار کر دیتا۔

"میں اپنی جنت پر سوتیلی ماں کبھی نہیں لاؤں گا۔" وہ ہر بار یہی کہتا لیکن چار ساڑھے چار سال کی مستقل تنہائی نے غالباً" اسے تھکا دیا تھا تب ہی اس بار اس نے اپنی اہم شرط ماں کے سامنے رکھ کر شادی کے لیے ہامی بھری دین محمد کی ماں جنت کی طرف سے پریشان تھی اس نے جنت کو مزار والے بابا جی کا تبرک کھلا کر اس کالے سائے کو ہٹانے کی اپنی سی کوشش کی تھی جو جنت کی وجہ سے اسے دین محمد کی عقل پر پھیلا ہوا لگتا تھا لیکن اپنی اس کوشش میں اسے منہ کی کھانا پڑی تھی۔ بیٹے نے ناراض ہو کر بول چال کئی دن تک بند رکھی پھر اس کے معافی مانگنے پر راضی ہوا تھا۔

دین محمد کی ماں اس بات پر کئی روز تک پریشان رہی تھی۔ اسے بیٹے کی نگاہ میں اپنی قدر پتا چل گئی تھی اور اس کے بعد ماں نے جنت کو سدھارنے کی کوششیں ترک کر کے دین محمد کو شادی کے لیے راضی کرنے کی تگ و دو شروع کر دی تھی۔

اسے لگتا تھا' دوسری بیوی کے زندگی میں آتے ہی دین محمد کی جنت کے لیے محبت اور غیر معمولی جھکاؤ میں کمی نہ سہی لیکن اعتدال ضرور آجائے گا جنت اس کی شہہ سے بہت زبان دراز ہو گئی تھی۔

اگلے روز دین محمد کی ماں مٹھائی اور پھل کے ٹوکرے کے ساتھ پوری شان سے بیٹے کا رشتہ لے کر اپنی چچھری بہن کے یہاں گئی لیکن اسے سخت مایوسی کا سامنا کرنا پڑا جب یہ پتا چلا کہ شاہدہ کا رشتہ چند روز قبل ہی اس کے ماموں کے بیٹے سے طے کیا جا چکا ہے۔

دین محمد کی ماں کو بے حد افسوس ہوا۔ دین محمد کی ٹال مٹول نے اتنی اچھی لڑکی ہاتھ سے نکال دی تھی۔ اس نے اگلے روز بھائی فردوس کے یہاں جانے کا فیصلہ کیا جو اس کا دور پرے کا رشتہ دار تھا اور جس کی بیٹی تبسم اپنے نام کی طرح کھلکھلاتے ہوئے مزاج اور بے حد گوری رنگت کی وجہ سے دین محمد کی ماں کو شاہدہ سے بھی زیادہ پسند تھی لیکن چونکہ اس کا باپ دور کا رشتہ دار تھا' اس لیے تبسم کو دوسرے نمبر پر رکھا گیا تھا۔

بھائی فردوس کے گھر جاتے ہوئے دین محمد کی ماں مسلسل جنت کے ردِ عمل کے متعلق سوچ رہی تھی۔ گھر میں

سوتیلی ماں یعنی تبسم کے آنے کی خبر سن کر وہ کیا کہے گی۔ وہ یقیناً" خوش ہو گی اور باپ کی شادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے گی۔" دین محمد کی ماں کو یکایک خیال آیا تھا۔

"ویسے تو بھائی فردوس اعتراض نہیں کرے گا لیکن ہو سکتا ہے وہ جنت کے بارات کے ساتھ آنے پر اعتراض کرے۔ تبسم کی تو یہ پہلی شادی ہے ہو سکتا ہے' ہونے والے شوہر کی پہلی بیٹی کا بارات کے ساتھ آنا اسے اچھا نہ لگے۔ پھر تو دین محمد نہیں مانے گا جب تک جنت اس کے ساتھ نہ ہو گی وہ بارات لے کر ہی نہیں جائے گا۔ لیکن خیر میں بھائی فردوس کو منا لوں گی بچی کی یہ خوشی تو نہ چھینیں۔"

وہ راستہ بھر اپنے پریشان کن خیالات کو خود ہی رد کر کے مطمئن ہوتی رہی لیکن بھائی فردوس کے یہاں اسے پھر ناکامی کا سامنا کرنا پڑا' جب یہ پتا چلا کہ تبسم کی بات بھائی فردوس نے اپنے بڑے بھائی کے یہاں چلا رکھی ہے۔

دین محمد کی ماں یہاں سے بھی نامراد لوٹ آئی لیکن اسے یہ جان کر حیرانی ہوئی کہ دونوں لڑکیوں کے رشتے جب چاہ طے کیے گئے ہیں ورنہ برداری میں جب بھی کسی لڑکے یا لڑکی کے رشتے کی بات چلتی' سب ہی کو خبر ہوتی اگلے دو گھرانوں میں دین محمد کی ماں کو اسی طرح انکار کا سامنا کرنا پڑا اور اس کی حیرانی میں اضافہ ہوتا رہا۔ لڑکیوں کے رشتے یا طے ہو چکے ہوتے یا طے پانے کے مراحل میں ہوتے۔

وہ جو یہ سمجھ رہی تھی اسے دین محمد کی دوسری شادی کے سلسلے میں کوئی دقت نہیں ہو گی تو اس کی ساری خوش فہمی دھری کی دھری رہ گئی لیکن اصل صدمے کا سامنا اسے اس وقت کرنا پڑا جب وہ اپنے سگے بھائی کی نواسی کا رشتہ لے کر گئی۔ اس کے بھائی کی بیوی بے حد بدمزاج تھی۔ ساری زندگی اس نے نندوں سے جھگڑوں میں گزاری تھی۔ آگے اس کی بیٹیاں بھی ایسی ہی بدمزاج اور منہ پھٹ تھیں۔ البتہ اس کی بھتیجی کی بڑی لڑکی سلجھے ہوئے مزاج کی اور نرم خو لڑکی تھی۔ اسی لیے وہ اسے دین محمد کے لیے بیاہ کر لانا چاہتی تھی۔

لیکن جوں ہی اس نے اپنی بھتیجی نصرت کے سامنے اس کی بیٹی کے لیے سوال دراز کیا۔ وہ ہاتھ اٹھا کر بد لحاظی سے بولی۔

"بس پھپھی! اس سے آگے کچھ نہ کہنا۔ یہ تو مجھے پتا چل ہی گیا تھا کہ تم دین محمد کے لیے ہر لڑکی کے لیے سوال ڈال رہی ہو لیکن میں تمہیں صاف بتا دوں' کم سے کم اس برادری میں کوئی تمہارے دین محمد کو اپنی بیٹی نہیں دے گا۔"

"ہائے ہائے نصرت! کیا کمی ہے میرے دین محمد میں۔ تو نے اپنی بیٹی نہیں بیاہنی نہ سہی مگر ساری برادری کا نام تو نہ لے۔" دین محمد کی ماں نے تنک کر کہا۔

"دیکھ پھپھی! اس میں برا ماننے کی کوئی بات نہیں۔ تجھے پتا ہے میں' اللہ بخشے اپنی بے بے کی طرح صاف گو ہوں۔ لگی لپٹی رکھنا نہیں آتی مجھے۔ جو دل میں ہے وہی زبان پر ہوتا ہے۔ میں تو ساری باتیں تجھے اس لیے بتا رہی ہوں کہ برادری کے کسی اور گھر میں تجھے شرمندگی نہ اٹھانا پڑے۔ تجھے کیا لگتا ہے میرے گھر آنے سے پہلے تو نے جہاں جہاں دین محمد کا رشتہ ڈالا ہے' ان لڑکیوں کے رشتے پہلے ہی طے ہو چکے ہیں؟"

"ان کے ماں پیو تو یہی کہتے ہیں۔" دین محمد کی ماں نے الجھے ہوئے انداز میں کہا تھا۔

"جھوٹ بولتے ہیں سارے۔" نصرت نے سنجیدگی سے کہا۔

"ہا ہا۔ تیرا دماغ تو نہیں چل گیا نصری! وہ کیوں جھوٹ بولیں گے۔؟" وہ اکتا کر بولی۔

"صاف صاف انکار کر کے تیرا دل نہیں دکھانا چاہتے تھے' اس لیے صرف تجھے انکار کرنے کا تمیز دار طریقہ نکالا۔" نصرت عرف نصری نے ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ جماتے ہوئے کہا تھا۔

"نصری! مجھے ٹھیک ٹھیک بتا بات کیا ہے؟"

FIAZ & PUR
FIAZ MUG
Friends Korner.com

خصوصاً "تب جب اولاد بھی قد سے اونچی ہونے لگے۔"

"ایسا ہی پچھتاوا ہے تو چلی کیوں نہیں جاتیں میری زندگی سے۔ تمہیں بھی سکون مل جائے گا اور مجھے بھی۔" دانیال حسن واقعی غصے سے دانت کچکچانے لگے۔

ثروت نے دکھ سے انہیں دیکھا۔ اپنی ریزہ ریزہ ہوئی ہمتیں جمع کیں اور بولیں۔

"یہی بتانے آئی تھی آپ کو جب آپ کی زندگی میں میری جگہ ہی نہیں تو اس گھر میں رہ کر کیا کروں گی۔ میں کل بھائی جان کے وہاں جا رہی ہوں واپس کب آؤں گی کچھ کہہ نہیں سکتی لیکن مجھے لگتا ہے ہم دونوں کو ایک دوسرے سے دور رہ کر سوچنا چاہیے۔ میرے کوئی الجھاؤ نہیں ہیں لیکن کسی حتمی فیصلے پر پہنچنے کے لیے یقیناً" آپ کو تنہائی درکار ہوگی، صرف ایک گزارش ہے اگر علیحدگی کا فیصلہ ہو تو میری بیٹی کو اس گھر سے رخصت کر دیجئے گا۔ ٹوٹے ہوئے گھروں کی بیٹیاں جڑ سے اکھڑے پودے کی طرح ہوتی ہیں۔ اپنی جڑیں زمین میں گاڑنے کے لیے انہیں وقت چاہیے ہوتا ہے۔

بیٹے سنبھل جاتے ہیں۔ شبیہہ العباس بھی سنبھل گیا۔ خدا کرے ولی اور ولید بھی۔ آپ کا جو بھی فیصلہ ہو، مجھے مطلع کر دیجئے گا۔ میں منتظر رہوں گی۔"

"خود جا رہی ہو، واپس بھی خود ہی آنا ہوگا۔ اس امید پر مت رہنا کہ میں لینے آؤں گا۔" دانیال حسن کو ثروت کا فیصلہ سن کر بے یقینی کا جھٹکا لگا تھا لیکن انا آڑے آگئی۔ تڑخ کر بولے۔

"نہیں۔ خود واپس نہیں آؤں گی اگر واپس لانا ہے تو لینے کے لیے آپ کو ہی آنا پڑے گا۔ اسے میری ضد سمجھ لیں۔" ثروت نے دو ٹوک کہا تھا۔

"یہ عمر ہے ضد کرنے کی۔" وہ سلگے۔

"جو عمر فیصلہ کرنے کی تھی، ہم اس میں فیصلہ نہ کر سکے۔ اب جو عمر ضد کی نہیں ہے، اس میں ضد کر کے دیکھ لیتے ہیں۔" ثروت نے آہستگی سے کہا اور دروازہ کھول کر باہر نکل گئیں۔ چند منٹوں میں بہت بڑا فیصلہ ہو چکا تھا۔

"اور نہ۔ پچھتاؤ گی ثروت بیگم! کیونکہ میں تو اب نہیں جھکوں گا۔"

دانیال حسن نے بند دروازے کو دیکھتے ہوئے تلخی سے کہا پھر کتاب پر جھک کر خود کو لاپرائی کا جھانسا دینے لگے۔

☆ ☆ ☆

"مجھے تو اس مسئلے کا صرف ایک ہی حل دکھائی دے رہا ہے۔ بغیر جھجکے فیضان ماما کے پاس جاؤ اور ان سے صاف کہہ دو کہ تم ان سے محبت کرتی ہو۔ اور ان سے شادی کرنا چاہتی ہو۔"

وہ دونوں ٹیرس پر موجود تھیں اور انیبہ کی بنائی ہوئی کولڈ کافی سے لطف اندوز ہو رہی تھیں۔

اس مشورے پر انبیاء نے سر اٹھا کر اسے یوں دیکھا جیسے اس کی عقل پر شک گزرا ہو۔

"پاگل ہوئی ہو کیا۔ میں کیسے کہہ سکتی ہوں؟"

"تو کیا میں کہوں گی۔" ماوی نے دوبدو کہا تھا۔

"محبت خود کی ہے تو اظہار بھی خود ہی کرنا پڑے گا۔ کوئی مدد کرنے نہیں آئے گا۔"

"تم جا کر کہہ دو پلیز۔ میری تو ہمت نہیں ہوگی۔" اس نے بے چارگی سے کہا۔

"ہمت نہ ہو تو محبت وحبت جیسا مرض پالنا نہیں چاہیے۔" ماوی نے بے دردی سے کہا۔ "بزدلوں کی طرح منہ چھپا کر کونے میں پڑے رہنا چاہیے۔"

"عجیب لڑکی ہو۔ بجائے یہ کہ میری مدد کرو۔ مجھے طعنے دے رہی ہو۔" وہ خفا ہوئی۔

"مدد اور کیسے کی جاتی ہے؟" ماوی نے ترنت پوچھا۔

"میں مشورہ دے تو رہی ہوں، جا کر فوراً" سے پیشتر اظہار محبت کرو ابھی تو تمہارے پاس چانس ہے یعنی ویکنسی خالی ہے، ایسا نہ ہو کل کو کوئی اور چمک چھلو اس ویکنسی پر غاصبانہ قبضہ کر لے اور تم منہ دیکھتی رہ جاؤ۔"

اس نے اپنے حساب سے سنسنی پھیلائی اور حسب توقع وہ خائف بھی ہو گئی۔

"ایسا بھی چانس ہے ماوی؟"

"دیکھو۔ یہ دنیا ہے۔ اور دنیا میں کچھ بھی ہو سکتا ہے پھر اتنے ہینڈسم ہیں میرے فیضان ماما، کوئی وجہ نہیں ہے کہ کوئی دوسری لڑکی ان میں انٹرسٹ نہ لے۔"

"تم مجھے ڈرا رہی ہو ماوی؟" اس نے روہانسی ہو کر کہا۔

"شاباش۔ ویری گڈ۔" ماوی پرجوش ہو کر بولی تھی۔ "جتنا زیادہ ڈرو گی۔ اتنی جلدی جا کر فیضان ماما سے اپنے دل کا حال بیان کرو گی۔"

"انیبہ گہری سوچ میں ڈوب گئی پھر نفی میں سر ہلانے لگی۔

"مجھ سے نہیں ہوگا۔"

"تو پھر میں یہاں بیٹھ کر تمہارے ساتھ سر کیوں کھپا رہی ہوں۔" ماوی نے جھنجھلا کر کہا تھا۔

"میں جا کر اظہار نہیں کر سکتی ماوی۔ مجھے شرم آئے گی۔" بالآخر اس نے سچ اگل دیا۔

"ہاں تو ٹھیک ہے ناں۔ تم بیٹھ کر شرماتی رہو۔ میں تب تک فیضان ماما کے لیے کوئی اور لڑکی تلاش کر لوں گی۔"

"بہت ہی بدتمیز ہو۔ میری دوست ہو کر مجھے ہی نقصان پہنچاؤ گی۔" اس کی طوطا چشمی پر اس نے صدمے سے کہا۔

"تو اور کیا کروں۔" ماوی نے سابقہ انداز میں پوچھا۔

"فیضان ماما نے جدوجہد سے بھرپور زندگی گزاری ہے۔ چھوٹی عمر میں پریکٹیکل فیلڈ میں آگئے تھے، کم عمری میں بہت سی ذمہ داریاں اٹھائیں، مجھے لگتا ہے اتنی جدوجہد نے ان کے گرد حصار کھینچ دیا ہے کہ وہ زندگی کے اصل رنگوں کی طرف دھیان ہی نہیں دیتے۔ سوچا تھا تم جیسی لڑکی ان کا حصار توڑے گی تو وہ اصل خوشیوں کی طرف متوجہ ہوں گے۔ لیکن تم۔ تم تو بھئی۔ بہت ہی دبو نکلیں۔"

"ہاں تو میں کیا کروں، دبو نہیں ہوں لیکن یہ بات کچھ عجیب سی نہیں لگتی کہ۔"

"ارے کچھ عجیب نہیں لگتا۔" ماوی اسے قائل ہوتا دیکھ کر پھر بیٹھ گئی اور پرجوش انداز میں بولنے لگی۔

"تمہیں تھوڑی سی ہمت کرنا پڑے گی۔ انہیں اپنی موجودگی کا احساس دلانا پڑے گا۔ وہ تو ناک کی سیدھ میں چلنے کے عادی ہیں۔ ارد گرد دھیان ہی نہیں دیتے۔ اب انہیں کیا پتا، ان کے آس پاس ایک ایسی لڑکی موجود ہے جو خوبصورت بھی بہت ہے اور ان کی محبت میں بھی مبتلا ہے۔ ساری زندگی محبت میں ناکامی کا غم دل سے لگا کر زندہ نہیں رہنا چاہتیں تو میری بات مان لو، جا کر خود ہی اظہار کر دو اس آس میں رہو گی کہ وہ خود پیش قدمی کریں تو فضول ہے۔ ساری زندگی چپ چاپ گزار لیں گے۔ دل کی بات زبان پر نہیں آنے دیں گے۔"

"تمہیں لگتا ہے وہ بھی مجھ سے۔" اس نے بے ساختہ خوش ہو کر پوچھا۔

"تم میں کس بات کی کمی ہے کہ کوئی تم سے محبت نہ کرے، بس یہ ہے کہ فیضان ماما کی دور و نزدیک دونوں کی نظر کمزور ہے۔ تمہیں شادی کے بعد دونوں طرح کی عینکیں اٹھا کر پھرنا پڑے گا۔" وہ جو سنجیدگی سے سن رہی تھی اس بات پر ہنس دی۔

Scan & PDF FIAZ AHMED Friends Korner.com

"آج آپ کو بار بار میری شادی کا خیال کیوں آرہا ہے۔" اس نے الجھ کر پوچھا۔

"شاید اس لیے کیونکہ آج مجھے اپنی ماں کی بہت یاد آرہی ہے۔ سوچتی ہوں' ہر بیٹی پر ایسا وقت آتا ہے جب وہ ماں کو یاد کرتی ہے اور تنہا ہوتی ہے۔ یہ وقت تم پر بھی آئے گا۔" انہوں نے پیار سے اس کے بال سہلاتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔ نہیں آئے گا۔ میں ہمیشہ آپ کے پاس رہوں گی۔"

"بری بات ہے بیٹا۔ ایسا نہیں کہتے۔ دعا کیا کرو اللہ تمہاری قسمت اچھی کرے تمہیں اتنا بہترین شریک حیات ملے جو تمہیں ماں باپ کی کمی محسوس ہی نہ ہونے دے۔"

انیبہ کے تصور میں فیضان کا چہرہ روشن ہوگیا۔ "پتا نہیں ممی کو پتا چلے گا تو ان کا ردِعمل کیا ہوگا۔" اس نے سوچا ممی کہہ رہی تھیں۔

"یہ جو زندگی ہوتی ہے پہاڑ کی چوٹی سر کرنے جیسی ہوتی ہے' خصوصاً" عورت کے لیے۔ کچھ انسانوں کو بالکل سیدھی پگڈنڈی ان کی منزل تک پہنچا دیتی ہے۔ لیکن کچھ لوگوں کے راستوں میں تقدیر رکاوٹیں کھڑی کرتی رہتی ہے کبھی انہیں راستے سے بھٹکانے کے لیے تو کبھی ان کا حوصلہ جانچنے کے لیے۔ کامیاب انسان وہ ہوتا ہے جو حوصلہ مندی کے ساتھ بغیر بھٹکے پہاڑ کی چوٹی تک پہنچ جائے۔ میں چاہتی ہوں تم' ولید اور ولی کامیاب انسان بنو۔" ان کا انداز خود کلامی کا سا تھا انیبہ چونک کر انہیں دیکھنے لگی۔

"ممی! آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں؟"

"آں۔ ہاں۔" ثروت چونک سی گئیں پھر مسکرا کر کہنے لگیں۔

"میری غیر موجودگی میں تمہیں اپنے ڈیڈی اور بھائیوں کا خیال رکھنا ہے اور جو بھی قدم اٹھانا ہے بہت سوچ سمجھ کر اٹھانا ہے۔ ہو سکتا ہے اس دوران دانیال تمہاری شادی کا ایشو اٹھائیں اور تمہیں فیصلے کا اختیار دیں۔ میں چاہتی ہوں' تم جو بھی فیصلہ کرو بے حد سمجھ داری سے کرو۔"

"ممی!" انیبہ نے الجھ کر انہیں ٹوکا ہر آن اس کی الجھن میں اضافہ ہوا تھا۔ "کیا آپ کا اور ڈیڈی کا جھگڑا ہوا ہے۔"

"نن۔ نہیں۔" ثروت سٹپٹا گئیں۔

"پھر آپ اس طرح کی باتیں کیوں کر رہی ہیں؟ میری شادی ایسا ایشو تو نہیں ہے کہ ڈیڈی آپ کی غیر موجودگی میں کوئی فیصلہ کرلیں۔ دس نہیں تو پندرہ دن کے بعد تو آپ کو واپس آہی جانا ہے۔ جو بھی ہوگا' آپ کی موجودگی میں ہوگا اور پھر مجھے تو ابھی شادی نہیں کرنی۔ ایم ایس سی تو کرلوں پھر اس کے بعد دیکھا جائے گا آپ ایک بار ولی اور ولید کو بھی بتادیں کہ آپ کچھ دن نانو کے پاس گزارنے جارہی ہیں اور کوئی بات نہیں۔"

اس نے ایک اور ذمہ داری ان کے کندھوں پر ڈالی۔ ثروت جو اسے بہت کچھ سمجھانا چاہ رہی تھیں' کچھ بھی نہ کہہ سکیں۔ انہیں یقین تھا۔ دانیال انہیں منانے ضرور آئیں گے۔ لیکن دوسری طرف دل عجیب سے خدشات کا شکار بھی تھا تب ہی وہ ایک بار تینوں بچوں کا ذہن بنانا چاہ رہی تھیں اور بعض اوقات ہم بہت کچھ چاہنے کے باوجود کچھ بھی نہیں کرپاتے ثروت کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔

"ٹھیک ہے میں ان دونوں کو سمجھادوں گی۔" ثروت نے گہری سانس بھرتے ہوئے خود کو حالات کے دھارے کے حوالے کردیا تھا۔

☆ ☆ ☆

چند روز بعد جلال' ثمینہ کے ڈرائنگ روم میں موجود تھا اور تذبذب کی کیفیت میں بیٹھا پہلو بہ پہلو بدل رہا تھا۔

سعدی کی منتوں کے سامنے مجبور ہو کر آتو گیا تھا لیکن اب سمجھ نہیں پارہا تھا' اسے بات کہاں سے شروع کرنا چاہیے۔

یہ بھی اچھا تھا کہ آج گھر پر مادی موجود نہیں تھی۔ پچھلی تین بار وہ ثمینہ سے سعدی اور مادی کے رشتے کی بات کرنے آیا تب مادی موجود تھی۔ ڈر کے مارے جلال زبان پر ایک لفظ نہیں لاسکا کہ کہیں یہ لڑکی اس پر نہ برس پڑے۔ حالانکہ ہر بار وہ بیٹھی جلال سے باتیں کرتی رہی تھی اور ایک اچھے میزبان کی طرح اسے کمپنی دی تھی۔

اسے ثمینہ آنٹی بہت اچھی لگی تھیں۔ وہ بہت مہربان اور پُرشفقت انداز کی خاتون تھیں۔ جلال کو یقین تھا اگر انہیں سعدی کے رشتے والی بات پسند نہ آئی تب بھی وہ برے طریقے سے ردِعمل ظاہر نہیں کریں گی اور مناسب طریقے سے اسے ٹال دیں گی البتہ مادی کے بارے میں تو وہ بے حد پُریقین تھا کہ اگر اسے یہ بات ذرا بھی ناگوار لگی تو جلال کو گھر سے نکالنے میں ایک منٹ کی بھی تاخیر نہیں کرے گی۔

ابھی وہ اسی کشمکش میں تھا کہ ثمینہ کچن سے سجی سجائی ٹرالی دھکیلتی نکلیں۔ اتنے لوازمات دیکھ کر جلال چکرا گیا۔

"آپ نے خوامخواہ اتنا تکلف کیا آنٹی! میں تو بس کچھ ضروری بات کرنے آیا تھا آپ سے۔"

"تو کیا یہ ضروری بات چائے پیتے ہوئے نہیں ہوسکتی۔" ثمینہ نے مسکرا کر کہا۔

"چائے تو ٹھیک ہے لیکن یہ سب؟" اس نے ٹرالی میں سجے لوازمات کو دیکھا۔

"ارے اتنا کچھ نہیں ہے۔ جب سب کچھ چکھو گے تو پتا بھی نہیں چلے گا کہاں گیا سب اور ویسے بھی یہ اخروٹ کا حلوہ اور چکن رول تو مادی نے اسپیشل تمہارے لیے بنا کر رکھے ہیں کہہ رہی تھی۔ ممی جلال میری غیر موجودگی میں آیا تو اسے ضرور کھلا دیجیے گا۔ تم نے شاید بتایا تھا اسے کہ تم کو یہ دونوں چیزیں پسند ہیں۔" ثمینہ نے پلیٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

جلال نے پلیٹ پکڑتے ہوئے خوامخواہ اثبات میں سر ہلا دیا۔ اسے یاد نہیں تھا کہ کب اس نے مادی کو اپنی پسند ناپسند کے بارے میں بتایا لیکن وہ اس قدر الجھا ہوا تھا کہ اس بات پر غور ہی نہ کرسکا۔

"تم کوئی بات کرنا چاہ رہے تھے؟" ثمینہ نے اسے چائے دیتے ہوئے پوچھا۔

"بات دراصل کچھ یوں ہے آنٹی! میں سمجھ نہیں پارہا' مجھے کہاں سے بات شروع کرنا چاہیے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ گھر کے کسی بزرگ کو آپ کے پاس بھجوایا جاتا لیکن آپ سعدی کو جانتی نہیں ہیں۔ اس لیے سعدی کہہ رہا تھا۔ میں پہلے آپ سے بات کرلوں۔ پھر اسے آپ سے ملوادوں پھر۔" وہ سر جھکائے یوں بول رہا تھا جیسے گھر سے سبق رٹ کر آیا ہو اور بار بار الجھتا ہو۔

"جلال۔ بیٹے!" کیا یہ مناسب نہیں ہے کہ آپ کو جو کچھ بھی کہنا ہو بنا ڈرے یا جھجکے کہیں۔ ورنہ جس طرح آپ کنفیوز ہو رہے ہیں نہ بات مکمل کرپائیں گے نہ میں سمجھ سکوں گی۔" ثمینہ نے رسان سے کہا تب جلال نے گہری سانس اندر کھینچی اور از سرِ نو بات کا آغاز کیا۔

"میں یہاں یہ بات کرنے نہیں آنا چاہتا تھا آنٹی! لیکن سعدی نے مجھے زبردستی بھیج دیا۔ آپ کو پلیز میری بات اچھی نہ لگے تو۔" اس نے تمہید باندھی۔

"اور یہ سعدی کون ہے۔؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"سعدی میرا دوست ہے آنٹی بہت اچھا لڑکا ہے۔ قانون دان بن رہا ہے۔ تین بہنیں دو بھائی ہیں۔ سعدی سب سے چھوٹا ہے' فیملی بیک گراؤنڈ بھی اسٹرانگ اور فنانشل اسٹیٹس بھی اسٹرانگ ہے۔"

FIAZ AHMED
Friends Korner.com

"تم نے یہ سب میرے لیے کیا؟"
"ہاں میں مجبور تھی۔"
"تمہیں فلموں سے کوئی دلچسپی نہیں؟"
"وہ تو میں نے تمہاری خوشی کے لیے۔"
"تمہیں اسپیگٹی پسند نہیں ہے؟"
"تمہیں جو پسند ہے۔"
"تم گیری گرانٹ کو نہیں جانتیں؟"

میں نے تو ایسی کسی ارادہ کیا ہے۔
"تو ارادہ بدل ڈالو۔" وہ کہنا چاہتا تھا لیکن خاموش رہا۔
"تم مجھے تفصیل سے سمجھا دو کہ مجھے کیا کرنا ہوگا۔"
"ایک مرد عورت کو نہیں بتاتا کہ اسے کیا کرنا ہے' وہ خود طے کرتی ہے۔"





امنہ ریاض

سات سلام

دین محمد مٹی سے محبت کرنے والا جفاکش مرد ہے۔ دھرتی کو اپنے خونِ جگر سے سونا اُگلنے کے قابل بنانا اس کا پیشہ ہے۔ اس کی پوری زندگی محنت سے عبارت ہے جو وہ اپنے چھ مربعہ زمین پر صرف کرتا ہے۔ شادی کو آٹھ سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ اپنے چھوٹے سے گھر میں وہ بیوی زہرہ اور ماں کے ساتھ رہتا ہے۔ زہرہ چھ مُردہ بچوں کو جنم دے کر ایک مرتبہ پھر امید سے ہے۔ دین محمد کا دوال روال اولاد کی خوش خبری پانے کے لیے مخلص دعائیں چکا ہے۔ اس کی دعائیں مستجاب ٹھہرتی ہیں اور اس کے یہاں ایک خوبصورت بچی جنم لیتی ہے۔ اسے وہ اپنی جنت کے نام سے مخاطب کرتا ہے۔

جلال الدین کے روز و شب نوکری کی چکی میں پستے گزر رہے ہیں۔ اس نوکری کے دوران اسے آرام کرنے کا موقع بھی کم ملتا ہے۔ بہتر مستقبل کا خواب اسے متحرک رکھتا ہے۔ تنہائی میں کسی کی محبت کا جگنو اس کی دُنیا آباد رکھتا ہے۔ ہر دم اس کی یادیں اسے بے چین رکھتی ہیں۔ دن بھر کا تھکا ہارا وہ آرام کرنے لیٹتا ہے تو پولیس اسٹیشن سے اطلاع ملتی ہے جنت بی بی حراست میں ہے۔ جس کا دعویٰ ہے کہ اس نے اپنے شوہر کا قتل کیا ہے۔ جلال الدین اپنے وکیل دوست مسعود کے ساتھ بھاگم بھاگ پولیس اسٹیشن پہنچتا ہے اور ثبوت دیکھتا ہے کہ جنت بی بی شیزوفرینک مریض ہے جس کی تشخیص ابھی ہوئی تک نہیں۔ جنت کی حالت جلال الدین کو اعصابی تھکن کا شکار کرنے لگتی ہے جسے اس نے نوکروں کے سہارے علیحدہ گھر میں رکھ چھوڑا ہے۔

ثمینہ 14 سال بعد اپنی بیٹی مادی کے ساتھ آسٹریلیا سے پاکستان آئی ہیں تو انہیں توقیر صاحب کے بنائے گئے بنگلے کو تماشے میں بہت وقت لگتا ہے۔ وہ فیض کے دوست توقیر صاحب کے توسط سے دانیال کی ایکسی میں ٹھہرتی ہیں۔ ثروت جلیل ملنسار اور مخیر خاتون ہیں۔ ولی، ولید اور انیسا ان کے بچے ہیں۔ مادی کی پہلی ملاقات میں انیسا سے دوستی ہو جاتی ہے۔



شبیہہ العباس طبیعتاً سخت گیر اور غصہ ور نوجوان تھے۔ جسے صنف نازک کا غیر ضروری ہنسنا بھی ناگوار گزرتا ہے۔ وہ پھپھی زاد تنوی سے منسوب ہے۔ تنوی اس کی تند خو طبیعت سے نالاں ہے۔ شبیہہ: تنوی کو کار پارک چھوڑنے آتا ہے تو ہیلیاں عبیرہ اور نمرہ، تنوی کے سر ہو جاتی ہیں۔ یہ جان کر کہ شبیہہ، تنوی کا منگیتر ہے۔ وہ اس کی قسمت پر رشک کرتی ہیں۔ تنوی دونوں سے گزارش کرتی ہے کہ عروج کو اس کی بات کا علم نہ ہو۔

شبیہہ بیگم، ثروت دانیال کی اولاد ہے جسے انہیں دانیال جس سے شادی سے پہلے چھوڑنا پڑا۔ بچپن کی محرومی نے اسے بدمزاج اور غصیلا بنا دیا۔ وہ انیبا اور ولید سے بہت ترشی سے پیش آتا ہے۔ وہ ان سے بحیثیت بہن بھائی قلبی تعلقات محسوس نہیں کرتا۔ انیبا اس کی محرومی دل سے محسوس کرتی ہے۔ انیبا پر بری نظر ڈالنے پر وہ جے ڈی کے دوست سعدی کو پیٹ ڈالتا ہے۔ عرف جے ڈی اس کی کیفیات سمجھتا ہے۔

بیمار پڑنے پر بیگم دانیال، ثمینہ کی اچھی طرح دیکھ بھال کرتی ہے تو ثمینہ ان کے اخلاق سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتیں۔ انہیں بیگم دانیال کو دیکھ کر لگتا ہے کہ وہ پہلے ان سے مل چکی ہیں۔

بچوں کی لڑائی میں جنت کو چوٹ لگتی ہے تو دین محمد اپنی بہن زبیدہ کے بیٹے فاروق کو طلیہ بگاڑ دیتا ہے۔ ساتھ ہی زبیدہ بہن اور رفیق بھائی سے قطع تعلق کر لیتا ہے۔ زہرہ اس کی جنت سے طوفانی محبت سے خوف زدہ ہے۔ دین محمد، زہرہ کو باور کرواتا ہے کہ وہ جنت کو بیاہ کر دوسرے گھر نہیں بھیجے گا۔ بلکہ اس کے شوہر کو گھر داماد بنائے گا۔

اتفاقاً مادی کا ٹکراؤ شبیہہ سے ہوتا ہے جس سے مادی کا ہیر ڈکھی ہو جاتا ہے۔ اپنی غلطی کے باوجود جھنجلاہٹ میں شبیہہ مادی کو بری طرح سے ڈانٹتا ہے تو مادی اس کی طبیعت صاف کر دیتی ہے۔ ثمینہ سے وہ اس واقعے کا ذکر نہیں کرتی۔

ثمینہ کا روڈ ایکسیڈنٹ ہوتا ہے تو جے ڈی عین موقع پر ان کی بہت مدد کرتا ہے۔ مادی اور فیضان اس پر جے ڈی کے مشکور ہیں، لیکن وہ اپنا پارہ دیے بغیر چلا جاتا ہے۔ جس پر ثمینہ کو بہت افسوس ہوتا ہے۔ اتفاقاً ان کی جے ڈی سے دوبارہ ملاقات ہوتی ہے۔ ثمینہ اسے مہربان ہیں۔ ثمینہ، ثروت کو بتاتی ہیں کہ ان کے شوہر جب کاروبری سے قتل ہوا تھا۔ اور یہ بات مادی کے علم میں نہیں ہے۔ یہ جان کر انہیں رنج ہوتا ہے۔ شبیہہ کو جے ڈی کا اپنی ماں اور ثمینہ سے گفتگو کرنا پسند نہیں جس پر وہ جے ڈی کو تنبیہہ بھی کرتا ہے۔

انیبا دل ہی دل میں فیضان کو چاہتی ہے۔ ثروت کے پہلے شوہر سے نسبت کے باعث دانیال صاحب ثمینہ کی فیملی کو پسند نہیں کرتے۔ مادی، انیبا کی دلچسپی بھانپ لیتی ہے اور فیضان ماما سے رائے لینے کی کوشش کرتی ہے تو فیضان اسے جھڑک دیتے ہیں۔ بھائیوں پر بار نہ پڑے اس لیے ثمینہ مادی کو پاکستان میں مزید پڑھنے کی اجازت دے دیتی ہیں۔

عبیر، نمرہ اور تنوی کو عروش کی غیر اخلاقی اور جرائم پیشہ سرگرمیوں کے متعلق بتاتی ہے تو نمرہ ناراض ہو جاتی ہے۔ عبیر کو اپنی جلد بازی پر افسوس ہوتا ہے۔ وہ عروش کے متعلق ثبوت اکٹھا کرنا چاہتی ہے۔

زہرہ کی اچانک موت کو محض جنت کے کہنے پر دین محمد، بن زبیدہ کے سر ڈالتا ہے تو سب برادری والے بھی حق دق رہ جاتے ہیں۔ دین محمد کی ماں پر دین کے کہنے پر جنت کو پیر صاحب کے پاس لے کر جاتی ہے تو یہ بات جنت بڑھا چڑھا کر دین محمد کو بتاتی ہے۔ وہ ماں کو بن زبیدہ کے یہاں ہمیشہ کے لیے بھیجنے کا فیصلہ سناتا ہے تو ماں رو رو کر اسے اس فیصلے سے باز رکھنے کی کوشش کرتی ہے۔ بہت مشکل سے دین محمد راضی ہوتا ہے۔ دین محمد کے رویے سے جنت کے اندر پنپنے والی منفی شخصیت قدرے دور ہو رہی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

۱۲
بارہویں قسط

"تم اپنے دوست سے کہہ دینا، مادی اس سے شادی نہیں کر سکتی کیونکہ وہ جلال الدین کو پسند کرتی ہے بلکہ پسندیدگی بہت چھوٹا لفظ ہے۔ وہ دراصل جلال الدین سے محبت کرتی ہے۔ اب سے نہیں اس دن سے، جس دن جلال الدین نے اس کی ماں کی جان بچائی تھی۔"

جلال ہکا بکا ثمینہ کو دیکھ رہا تھا جو مطمئن لیکن تھوڑی سی شرمندہ دکھائی دے رہی تھی۔

"کسی ماں سے اس کی بیٹی کے متعلق ایسی بات سننا عجیب لگتا ہے۔ میں جانتی ہوں تمہیں عجیب لگا ہوگا۔ یہ مشرقی معاشرے کی تلخ حقیقت ہے لیکن یہ بھی طے ہے کہ ماں مشرقی معاشرے کی ہو یا مغربی معاشرے کی اپنی اولاد کی خوشی کے لیے ہر قدم اٹھانے پر تیار ہو جاتی ہے۔ یہی سوچ کر میں نے مناسب سمجھا کہ ایک بار تمہیں آگاہ کر دوں۔ تم اپنے دوست کے لیے مادی کی بات کرنے آئے ہو، اس کا مطلب تمہیں اس میں کوئی دلچسپی نہیں ہے اور یہ اتنی دکھ کی بات ہے کہ میں سمجھ بھی نہیں پا رہی مادی کو کس طرح بتاتا ہے۔" ثمینہ سر ہاتھوں میں گرائے کہہ رہی تھیں۔

"آنٹی! وہ میں۔" اس نے کہنا چاہا لیکن ثمینہ نے اسے ٹوک دیا اور لجاجت سے بولیں۔

"کچھ نہ کہو جلال! مجھے اس وقت تنہائی کی ضرورت ہے۔ پلیز تم یہاں سے چلے جاؤ۔ مجھے سوچنے دو مادی کو یہ خبر کس طرح دوں، وہ بہت افسردہ ہو جائے گی۔" وہ بہت فکر مند دکھائی دے رہی تھیں۔

جلال سر جھکا کر وہاں سے نکلا۔ ثمینہ نے اس کے ہاتھوں میں ایسی گتھی تھما دی تھی جس کا سلجھنا مشکل دکھائی دیتا تھا۔

☆ ☆ ☆

"میرا یقین کرو عبیر! میں بالکل سچ کہہ رہی ہوں۔" عروش نے واضح طور پر میری طرف اشارہ کر کے اس لڑکے سے کہی بات کی تھی۔"

تنوی نے عاجز آتے ہوئے کہا۔ وہ سب سے عبیر کو معاملے کی سنگینی کا احساس دلانے کی کوشش کر رہی تھی۔ لیکن عبیر سنجیدہ ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ اس کی تان ایک ہی بات پر اٹکی ہوئی تھی۔ تنوی کا سر اسیمگی و پریشانی سے برا حال تھا۔

"تمہیں کس بات پر اعتراض ہے آخر؟ عروش کے اس لڑکے سے بات کرنے پر یا تمہاری طرف اشارہ کرنے پر؟" عبیر نے اپنی فائل گود میں رکھتے ہوئے سابقہ انداز میں پوچھا۔ وہ دونوں کلاس کے بعد گراؤنڈ میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ چونکہ بریک ٹائم چل رہا تھا اس لیے گراؤنڈ میں رش تھا۔

"عبیر! سمجھنے کی کوشش کرو۔" اس نے بے چارگی سے کہا۔

"اچھا کرتی ہوں۔" عبیر نے سعادت مندی سے کہتے ہوئے فائل بند کی اور اس پر کہنیاں ٹکا کر سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"لیکن اس سے پہلے تمہیں مجھے تفصیلاً بتانا ہوگا کہ تمہاری اور شبیہہ العباس کی کیا باتیں ہوئیں؟" یک دم اس کی آنکھیں شرارت سے چمکنے لگیں۔ تنوی نے بے ساختہ اپنا سر پیٹ لیا۔

"کتنی بار بتاؤں کوئی بات نہیں ہوئی۔"

"تم نے مجھے بے وقوف سمجھ رکھا ہے۔" عبیر نے سلگ کر پوچھا۔ "کوئی ہوگا جو اس بات پر اعتبار کرے۔ بتاؤ دو منگیتر کو ڈھائی گھنٹے تک ٹریفک میں پھنسے رہیں۔ گاڑی میں بالکل تنہا ہوں اور آپس میں کوئی رومانٹک بات بھی نہ کریں۔ نہ بھئی نا۔ میں تو اس فاش جھوٹ پر غلطی سے بھی بھروسہ نہیں کر سکتی۔"

"عبیر! تمہیں کیا لگتا ہے منگیتر آپس میں ہر وقت رومینٹک گفتگو کرتے رہتے ہیں؟ نہیں کوئی ڈھنگ کا کام نہیں ہوتا؟" تنوی تڑاخ کر پوچھنے لگی' عبیر نے چند لمحے سوچا پھر حسرت بھرے لہجے میں بولی۔

"رومینس سے زیادہ ڈھنگ کا کام اور کیا ہو سکتا ہے؟"

"عبیر!"

"یار! مجھے کیا پتا' میری کون سی منگنی ہوئی ہے۔"

"پھر میں بتاتی ہوں منگیتر ہر وقت رومینس نہیں جھاڑتے۔ ان کے پاس بھی عقل والی باتیں — ہوتی ہیں کرنے کے لیے۔"

"تو میری پیاری سہیلی! یہ ہی تو میں جاننا چاہ رہی ہوں کہ وہ عقل والی باتیں کون سی ہیں جو تم اور شبیہہ آپس میں ڈسکس کر رہے تھے۔"

"عبیر! تم اسی بات کے پیچھے کیوں پڑ گئی ہو' عروش والی بات پر دھیان دو نا۔ اس نے دھمکی دی تھی۔ وہ ہمیں نقصان پہنچا سکتی ہے۔ یقین مانو میں نے اپنی گناہ گار آنکھوں سے اسے اپنی طرف اشارہ کرتے دیکھا تھا۔"

"اور میں نے اپنی گناہ گار آنکھوں سے دیکھا تھا کہ گاڑی میں شبیہہ نے تمہارا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔" عبیر نے زور دیتے ہوئے کہا۔ جس وقت شبیہہ کی گاڑی ٹریفک میں پھنسی ہوئی تھی اسی وقت عبیر کی کار دو تین ان سے کچھ فاصلے پر کھڑی تھی۔

"شبیہہ بھائی نے میرا ہاتھ نہیں پکڑا تھا۔ میں نے ان کا ہاتھ پکڑا تھا۔" تنوی نے تحمل سے کہا۔

"اللہ اللہ۔" عبیر نے خیر سنجیدگی سے اپنے گال پیٹ ڈالے۔ "اتنی بولڈ نیس۔ شکل سے تو بڑی شرمیلی لگتی ہو تنوی!"

تنوی نے اسے بری طرح گھورا پھر اپنی کتابیں سمیٹتے ہوئے ناراضی سے بولی۔

"تم سے بات کرنا ہی فضول ہے۔"

"ارے جا کہاں رہی ہو؟"

"دوبارہ تم سے بات نہیں کروں گی۔ جہنم میں جا رہی ہوں میں۔"

"ظاہر ہے میں تو جنت میں ہوں گی۔ جہنم سے جنت کی کال تو خاصی مہنگی پڑ جائے گی۔" وہ رتی بھر بھی سنجیدہ نہیں لگ رہی تھی۔

"عبیر! میں پریشانی سے مرنے والی ہو رہی ہوں اور تمہیں کوئی پروا ہی نہیں ہے۔" وہ روہانسی ہو کر بولی۔

"کیسی پریشان ہو یار! پریشانی کی بات نہیں ہے عروش صرف ہمیں ڈرا رہی تھی اور تم ڈر بھی گئیں' تف ہے تم پر۔"

"پھر ہم کیا کریں؟"

"سکون کی زندگی گزاریں۔" عبیر نے ترت کہا۔ "اور عروش کے خوف سے باہر نکل آئیں۔ بتاؤ غلط کام کرے وہ اور خوف زدہ رہیں ہم۔"

ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ ان کی کلاس کی جی آر تیز تیز قدموں سے ان کی طرف آگئی۔

"شکر ہے تم لوگ مل گئیں۔" اس نے سانس ہموار کرتے ہوئے خوشی سے کہا۔

"ہم کہیں گم ہو گئے تھے کیا؟" عبیر نے معصومیت سے پوچھا' جی آر اس بات پر فس دی۔

"ارے نہیں پاگل! تمہیں میڈم زرتاشیہ نے اسٹاف روم میں بلوایا ہے۔" اس نے تنوی سے کہا۔

"مجھے؟ کیوں؟"

"یہ تو پتا نہیں۔ انہوں نے کہا تھا۔ تمہیں اسٹاف روم میں بھجوا دوں' لیکن تم لوگ کالج کا کونا چُن کر بیٹھی ہو۔ توبہ تمہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر میری ٹانگیں شل ہو گئیں۔"

"اچھا میں تمہارے ساتھ ہی چلتی ہوں۔" تنوی نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا تھا۔

"نہ بابا! میں تو اب کینٹین جا رہی ہوں۔ تم خود ہی اسٹاف روم تک جاؤ۔" اس نے صاف کرا انکار کر دیا۔ "بس مس زرتاشیہ کو بتا دینا کہ میں نے ان کا میسج — تمہیں پہنچا دیا تھا۔"

☼ ☼ ☼

جلال عجب کشمکش کا شکار تھا' ایک طرف اسے ثمینہ کی باتوں پر یقین نہیں آ رہا تھا تو دوسری جانب سعدی سے سخت شرمندگی محسوس ہو رہی تھی۔ آخر وہ کس طرح یقین کر لیتا کہ جس لڑکی میں اس کے دوست کو دلچسپی ہے' وہ لڑکی خود اس کو پسند کرنے لگی ہے۔ اور یہ "پسند" کا لفظ بھی کس قدر نہ سمجھ میں آنے والا ہے۔

"آخر یہ پسند ہوتی کیا ہے؟"

کیا یہ محبت ہوتی ہے یا اسے محبت کی ابتدائی Symptims (علامات) میں شمار کیا جانا چاہیے؟

اوہ بھئی۔ یہ تو بڑا دقت طلب سوال ہو گیا اور آخر میں سعدی سے کیا کہوں گا' کیا پتا ثمینہ آنٹی کو غلط فہمی ہوئی ہو؟

نہیں۔ نہیں۔ محض غلط فہمی کی بنا پر تو کوئی ماں اپنی بیٹی کے بارے میں ایسا نہیں کہہ سکتی اور پھر ثمینہ آنٹی جھوٹ بولیں گی بھی کیوں؟

اسے مادی سے اپنی سڑک کنارے ہوئی' وہ ملاقات یاد آئی' جس میں مادی نے بڑے واضح الفاظ میں اپنی پسندیدگی ظاہر کر دی تھی' لیکن اس وقت جلال نے اس بات پر دھیان نہیں دیا۔ کم سے کم مادی کے وہ جملے یاد آجانے کے بعد ثمینہ آنٹی کی بات پر کسی قسم کا شک و شبہ نہیں رہ جانا چاہیے تھا' لیکن جلال تو کشمکش کا شکار تھا۔

وہ بیڈ پر لیٹ کر بڑی دیر تک اس صورت حال پر غور کرتا رہا' لیکن جب کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکا تو اٹھ کر آئینے کے سامنے کھڑا ہوا اور غور سے اپنے عکس کو دیکھنے لگا۔ چند لمحے اسی طرح خود کو دیکھتا رہا' پھر ٹھوڑی سے پکڑ کر اپنے چہرے کو ذرا سا بائیں رخ پر موڑ کر دیکھا' پھر بائیں رخ پر موڑا۔

اتنا برا تو نہیں تھا وہ کہ اپنے پسند کیے جانے پر اس قدر حیران ہوتا' لیکن مقابل سعدی تھا جو شکل و صورت میں اس سے کہیں بہتر تھا' یا خیر جلال بھی نہیں تھا۔ اچھے نقوش تھے' ڈیل ڈول بھی اچھا تھا' لیکن اصل دقت وہ معصومیت تھی جسے اس کے دوست بونگا پن اور والدہ ماجدہ اپنی ممتا کے ہاتھوں مجبور ہو کر بھولپن کہہ دیا کرتی تھیں۔

اوپر سے مصیبت یہ تھی کہ جو تھوڑی بہت خود آگاہی ہر انسان میں ہونا چاہیے۔ اس میں ہرگز نہ تھی۔ البتہ وہ اتنا ضرور جانتا تھا کہ اچھی شکل اور بہترین حسب نسب کے باوجود وہ ان لڑکوں کی گفتگو میں شمار ہوتا تھا جنہیں دیکھتے ہی لڑکیاں بھائی بنا لینے کو ترجیح دیتی ہیں اور کوئی مانے یا نہ مانے لیکن یہ لڑکوں کی بہت بڑی محرومی ہوتی ہے اور جلال کو تو اس بات کا احساس اسکول کے زمانے سے ہی دلایا جاتا رہا تھا شاید اسی لیے جلال نے کبھی خود سے بڑھ کر لڑکیوں سے دوستیاں گانٹھنے یا خود کو آزمانے کی کوشش نہیں کی۔

"تم واقعی بہت اچھے ہو جلال! آئی ریئلی لائیک یو۔" اس کے کانوں میں مادی کے الفاظ گونج اٹھے۔ وہ بری طرح جھنجلا گیا۔ مادی کی باتیں یاد آجانے کے بعد ثمینہ آنٹی کی بات پر شک و شبہ کی گنجائش تو باقی نہ رہی تھی' لیکن سعدی۔ سعدی کو وہ کس طرح مطمئن کرے گا' یہ ہی سوچ کر اسے پریشانی جمع پیشانی نے گھیر رکھا تھا۔

ابھی یہ ہی سوچ رہا تھا کہ سیل فون بجنے لگا۔ دیکھا سعدی کا نمبر تھا۔ جلال کا ہاتھ بے ساختہ گھبراہٹ کے مارے

سر کی پشت تک چلا گیا' لیکن کال تو ریسیو کرنا ہی تھی۔
"ہیلو۔" گھٹی ہوئی سی آواز اس کے حلق سے نکلی۔
"جلدی! شکر ہے تو نے فون ریسیو کرلیا۔" سعدی نے چھوٹتے ہی کہا۔
"کیوں؟ خیریت؟"
"یار! میں گاؤں جارہا ہوں ابا کا فون آیا تھا' کوئی مسئلہ ہوگیا ہے وہاں' جلدی بلوایا ہے۔"
"اچھا۔" اس نے بے دھیانی سے کہا۔
"میں نے پوچھنا تھا تم نے ماموں کی ممی سے بات کی؟"
جلال یکایک ہوش میں آیا۔
"نن۔ نہیں سعدی! میں۔ میں گیا تھا ان کی طرف۔ لیکن بات کرنے کا موقع ہی نہیں مل سکا۔" اس نے جلدی سے بات بنائی۔ سعدی کسی اور موڈ میں تھا۔ ورنہ ضرور بھانپ لیتا۔
"آ۔ اچھا۔" سعدی نے مایوسی سے کہا۔ "میں سوچ رہا تھا اگر تم نے بات کرنی تھی تو میں ابا جی سے بھی ذکر کرتا اور واپسی پر انہیں ساتھ ہی لے آتا۔ میرا خیال ہے کم سے کم میری منگنی تو ہوجانی چاہیے۔ پتا ہے روزماموں کو خواب میں دیکھتا ہوں۔ خواب تو ٹیک ہیں' لیکن تمہیں بات کرلینا چاہیے تھی۔"
اس کی لمبی پلاننگ تھی۔ جلال چپ چاپ سنتا رہا۔ پھر سرسری ہوں ہاں کرکے فون بند کیا اور خالی الذہنی کی کیفیت میں پھر اپنا عکس دیکھنے لگا۔ ہر آن اس کی الجھن بڑھتی جارہی تھی۔

☆ ☆ ☆

تنوی اسٹاف روم سے آئی تو باہر بیٹھی ہادی نے بتایا کہ مس زرتاشیہ وائس پرنسپل کے آفس میں جاچکی ہیں اور انہوں نے تنوی کو بھی وہیں بلوایا ہے۔ وائس پرنسپل کے آفس کا سن کر تنوی کا ماتھا ہری طرح ٹھنکا۔ اگر نصابی یا غیر نصابی سرگرمیوں سے متعلق کوئی بات ہوتی تو یہاں اسٹاف روم میں بیٹھ کر بھی کی جاسکتی تھی۔ آخر وائس پرنسپل کے آفس میں جانے کی کیا ضرورت تھی؟ اس کا دل چاہا واپس گراؤنڈ میں جائے اور عبید کو اپنی مورل سپورٹ کے لیے ساتھ چلنے کا کہے' لیکن جتنی دیر میں وہ واپس جاتی اور عبید کی منت سماجت کرکے اسے ساتھ لاتی اتنی دیر میں بریک ٹائم ختم ہوجانا تھا۔ اس نے سر جھٹکا اور وائس پرنسپل کے آفس کی طرف چل دی۔
"مے آئی کم ان ٹیچر!" دروازے میں رک کر اس نے پوچھا' مس زرتاشیہ کے علاوہ ٹیچر سلطانہ بھی موجود تھیں۔
"آجایئے بچے! ہم تو کب سے آپ کا انتظار کررہے ہیں۔" مس زرتاشیہ نے مسکرا کر کہا' وہ اچھی شکل و صورت کی اور خوش مزاج تھیں اور ان اساتذہ میں سے تھیں جنہیں اسٹوڈنٹس بہت پسند کرتے ہیں۔
"وعلیکم السلام! بیٹھو۔" مس سلطانہ نے اس کے سلام کے جواب میں نرمی سے کہا۔ تنوی ایک کرسی پر تکلف سے بیٹھ گئی' اب اس کی دائیں جانب مس زرتاشیہ تھیں سامنے ٹیبل اور ٹیبل کی مخالف سمت میں مس سلطانہ۔
"پڑھائی کیسی ہورہی ہے؟" مس زرتاشیہ نے پوچھا۔ "اور آپ کے پیپرز کیسے ہوئے؟"
"پیپرز بھی اچھے ہوئے ہیں ٹیچر!" تنوی نے کہا۔
"پوزیشن آئے گی؟"
"پوزیشن کے معاملے میں میں کانفیڈنٹ نہیں ہوں ٹیچر! لیکن گریڈز ضرور اچھے آئیں گے۔"
"آپ کو پتا ہے میم! یہ میری کلاس کی سب سے اچھی بچی ہے۔" زرتاشیہ نے مس سلطانہ سے کہا تو وہ مسکرا کر

بولیں۔
"ہاں۔ اس کو دیکھ کر بھی لگتا ہے کہ یہ ذہین بچی ہے۔"
تنوی اس تعریف پر شرما سی گئی' البتہ بولی کچھ نہیں۔
"آپ اس بار آڈیشن کے لیے نہیں آئیں؟ حالانکہ ہم سوچ رہے تھے ایول ڈرامہ آپ کے بغیر مکمل نہیں ہوگا۔"
"ٹیچر! لاسٹ ایئر بھی ڈرامہ کی وجہ سے میری پڑھائی کا بہت حرج ہوا تھا' اس لیے میں نے سوچا اس سال رہنے دیتی ہوں۔"
"ہوں۔ ایسا ہے بچے! ہم نے آپ کو ایک خاص کام کے لیے بلوایا ہے' یوں سمجھیے آپ کے انسٹی ٹیوٹ کو آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔" ٹیچر سلطانہ نے تمہید باندھی تو وہ ہمہ تن گوش ہوکر بیٹھ گئی اور باری باری دونوں کو دیکھا۔
"جی ٹیچر؟"
"آپ فاسٹل کی عوش مرزا کو جانتی ہیں؟"
عوش کا نام سنتے ہی اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اسے عوش کے متعلق پوچھنے کے لیے بلایا جارہا ہے۔
"پرسنل تو نہیں جانتی' لیکن اتنا پتا ہے کہ عوش یہیں پڑھتی ہے۔" اس نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا۔
"پچھلے سال اس نے کالج کے ایول فیسٹیول میں آپ کے ساتھ ڈرامہ اسٹیج کیا تھا۔ کیا اس دوران دوستی نہیں ہوئی اس سے؟" یہ سوال ٹیچر زرتاشیہ کی طرف سے آیا۔
"ٹیچر! ہم ریہرسل کے سلسلے میں ملتے تھے۔ ہم دونوں کی الگ الگ فرینڈز تھیں' اس لیے زیادہ دوستی نہیں ہوسکی۔" اس نے پوری سچائی سے کہا۔
"لیکن ہم نے سنا ہے آج کل وہ آپ سے دوستی کرنے کی کوشش کررہی ہے' کیا یہ درست ہے؟"
"ایک بار اس نے کہا کہ وہ دوستی کرنا چاہتی ہے' لیکن میں نے انکار کردیا تھا۔"
"کیوں؟"
"مجھے وہ پسند نہیں ہے۔" تنوی نے چند منٹ سوچنے کے بعد پوری سچائی کے ساتھ کہا۔
"پسند کیوں نہیں ہے؟"
"پتا نہیں ٹیچر! بس وہ مجھے اچھی نہیں لگتی۔ عجیب سی باتیں کرتی ہے۔" اس نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔
دونوں ٹیچرز نے بے ساختہ ایک دوسرے کی طرف دیکھا' پھر مس زرتاشیہ نے کہا۔
"بچے! کیا بہتر نہیں ہوگا کہ آپ ہم سے بنا جھجکے بات کرو۔"
تنوی بے ساختہ انگلیاں مسلنے لگی۔
"ٹیچر! ایسی کوئی بات نہیں ہے کہ بطور خاص پوائنٹ آؤٹ کروں' کچھ لوگ ہمیں بلاوجہ اچھے لگتے ہیں' اسی طرح کچھ لوگ بلاوجہ برے بھی لگنے لگتے ہیں۔" اس نے عقل مندی سے بات سنبھالی۔
"دیکھیے بیٹا! جو بات ہم آپ سے کرنا چاہ رہے ہیں ہم چاہتے ہیں آپ اسے غور سے سنیں اور پھر ہمارے ساتھ مکمل تعاون کریں اچھے اور برے لوگ ہر جگہ ہوتے ہیں' لیکن برے یا کرپٹ لوگوں کی غیر قانونی سرگرمیاں سے گورنمنٹ یا سیمی گورنمنٹ اداروں کی ساکھ اتنی متاثر نہیں ہوتی جتنا کہ پرائیویٹ اداروں کی ساکھ بگڑ سکتی

Digest of Digest
digestofdigest.blogspot.com

ہے۔ آپ کو پتا ہے یہ کالج چند بہترین پرائیویٹ اداروں میں آتا ہے' کیا آپ چاہیں گی کہ کچھ کرپٹ لوگوں کی وجہ سے آپ کے کالج کے نام پر حرف آئے؟" ٹیچر سلطانہ نے کہا۔

نوی نے آہستگی سے نفی میں سر ہلا دیا۔

"شاباش۔ مجھے آپ سے یہ ہی امید تھی۔" ٹیچر نے مسکرا کر کہا۔ "عروش کس قدر کرپٹ لڑکی ہے' اس کا اندازہ سب ہی کو ہے' لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ اس کی کرپشن کو شروع میں ہی نوٹس نہیں کیا گیا اور اسی چیز سے اسے شہہ ملتی رہی اور اب اس کی غیر قانونی اور غیر اخلاقی سرگرمیاں اتنی بڑھ چکی ہیں کہ ہمارے لیے تو بڑی عجیب صورت حال ہو گئی ہے۔ عروش کے خلاف کھلم کھلا کوئی ایکشن اس لیے نہیں لیا جا سکتا کہ اس طرح معاملہ کالج سے باہر نکلے گا اور سارے شہر میں خوب اچھالا جائے گا' اوپر سے میڈیا والے بھی کسی نہ کسی ایسی خبر کے انتظار میں ہوتے ہیں جسے خوب مرچ مسالا لگا کر دنیا کے سامنے پیش کیا جا سکے۔ اسی لیے ہم اس معاملے کو رازداری سے ہینڈل کر رہے ہیں اور آپ سے بھی توقع کرتے ہیں کہ اپنے انسٹی ٹیوٹ کی ساکھ کا خیال رکھتے ہوئے آپ اس خبر کو باہر جانے نہیں دیں گی۔ ہم چاہتے ہیں بیٹا' آپ پولیس کے سامنے عروش کے خلاف گواہی دیں۔"

ایک لمبی چوڑی تمہید کے بعد جو ٹیچر کے منہ سے نکلا' نوی کا منہ وہ سب سن کر کھلا کا کھلا رہ گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

جلال کی ماوی سے اگلی ملاقات چند روز بعد پارک میں ہوئی' حالانکہ اس سے مڈبھیڑ کا خدشہ وہ اپنے دل میں گھر سے لے کر آیا تھا' پھر بھی اسے دیکھ کر وہ سٹپٹا گیا' اور دور سے اسے آتا دیکھ کر اس نے سوچا کہ اسے اسی ٹریک پر رخ بدل کر مین گیٹ کی طرف چلے جانا چاہیے' مگر اس سے پہلے کہ وہ اپنی سوچ پر عمل کر پاتا' ماوی گھاس کے قطعہ کو روندتی اس کے پاس آ گئی۔

"گڈ مارننگ جلال! عجیب آدمی ہو۔ کہاں گم ہو گئے تھے۔ بتاؤ ایسے دگڑ دھے کے سر سے سینگ بھی غائب نہیں ہوتے ہوں گے جیسے تم غائب ہوئے' میں ایک روز سوچ رہی تھی ایسے تو گدھے غائب ہوتے ہیں۔ یعنی بنا بتائے' چار دن سب کے سامنے' چار دن انڈر گراؤنڈ' گڈ گاڈ! جلال! کہیں تم بھی۔" اس نے جملہ جان بوجھ کر ادھورا چھوڑ دیا اور بغور جلال کا چہرہ دیکھنے لگی۔

جلال سٹپٹایا ضرور تھا' لیکن ماوی کے قریب آتے ہی اسے ہوا کے ایک ٹھنڈے معطر جھونکے نے چھوا اور وہ لاشعوری طور پر بغور اسے دیکھتا چلا گیا۔ خوب صورت تو بلاشبہ وہ تھی یا شاید نہیں تھی ہاں اس کے نقوش میں ایک ملاحت ضرور تھی۔ بڑی بڑی شہد رنگ آنکھیں جن میں ہمہ وقت چمکتی شرارت اور زندہ دلی اسے سب سے منفرد دکھاتی تھی۔ چھوٹی سی تیکھی سی ناک' دلکش کٹاؤ دار ہونٹ' رنگت بے تحاشا گوری گلابیاں چھلکاتی' اونچی سی پونی ٹیل جو اس کی لمبی گردن پر بڑی اچھی لگ رہی تھی۔

جلال کو عجب سا ہوا' خدا جانے وہ تھی ہی اتنی خوب صورت یا جلال نے پہلی بار اسے بغور دیکھا تھا۔ ساتھ ہی سعدی کے وہ جذباتی جملے کانوں میں گونجنے لگے جو اس نے ماوی کے لیے اس کے سامنے بولے تھے' تب جلال کو شرمندگی نے گھیر لیا اور اس نے گڑبڑا کر نظریں پھیر لیں۔

"ارے۔" ماوی کی متاسف صدمے سے چور آواز ابھری۔ "نظریں چرا رہے ہو' اس کا مطلب تم واقعی۔"

"نہیں' نہیں۔" جلال نے بے ساختہ کہا۔ "میں تو بس ایسے ہی۔ آپ۔ آپ کیسی ہیں؟"

ماوی کو اس کے انداز پر ہنسی آ گئی۔

"میں تو بہت اچھی ہوں آپ اپنے بارے میں بتایئے۔" ہوا سے اڑتے اپنے بالوں کو کان کے پیچھے اڑستے

ہوئے اس نے حسب عادت کمر پر ہاتھ رکھا اور دلچسپی سے جلال کو دیکھا۔

"تم تھے کہاں جلال! ہم تو سمجھے آؤٹ آف ٹاؤن ہو' تب ہی دوبارہ ملنے نہیں آئے' پارک میں بھی دکھائی نہیں دیے۔ سب خیریت تو رہی نا۔" یکایک وہ کسی قدر فکرمندی سے پوچھنے لگی۔ جلال حیران ہوا کتنے رنگ تھے اس لڑکی کے مزاج کے' ابھی شرارتی' ابھی فکرمندی۔

"میں کچھ مصروف تھا۔" جلال نے جلدی سے کہا' ماوی زور زور سے اثبات میں سر ہلانے لگی' پھر چند ادھر ادھر کی باتیں کر کے کسی اور طرف چلی گئی۔

جلال اسے جاتے دیکھتا رہا' اس کے دل و دماغ پر عجیب سا بوجھ آن پڑا تھا۔ ابھی اسی مخمصے کا شکار تھا کہ مخالف سمت سے ثمینہ تیز تیز قدم اٹھاتی اس کے قریب آ گئیں۔

"السلام علیکم آنٹی!"

"جلال' تم نے ماوی کو کچھ بتایا تو نہیں؟" ثمینہ نے اس کے سلام کو نظرانداز کرتے ہوئے بے چینی و فکرمندی سے پوچھا۔

"میں نے نہیں بتایا۔" جلال نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال تھا آپ بتا چکی ہوں گی۔"

"میری ہمت ہی نہیں ہوئی۔" ثمینہ نے ٹریک سے چند قدم کے فاصلے پر نصب بینچ پر بیٹھتے ہوئے لاچاری سے کہا۔ "میں نے اپنی بیٹی کو بہت نازوں سے پالا ہے جلال! اس کے والد کے انتقال کے بعد معمولی سے معمولی غم سے بھی بچاتی رہی ہوں۔ اب خود بتاؤ' جس خبر سے اس کا دل ٹوٹنے کا خطرہ ہو وہ اسے سنانے کے لیے ہمت کہاں سے جمع کروں؟" ثمینہ نے ٹوٹے بکھرے سے لہجے میں پوچھا۔

"ایک بات کہوں ثمینہ آنٹی! آپ پلیز برا مت مانیے گا' ہو سکتا ہے آپ کو غلط فہمی ہوئی ہو' ایسا نہ کہ بہت زیادہ سوچ بچار کے بعد بھی مجھے ماوی کے انداز سے ایسا نہیں لگا کہ وہ مجھ میں انٹرسٹڈ ہے۔" جلال نے جھجک آمیز لہجے میں کہا تھا۔

"یہ کوئی ہاں محض غلط فہمی کی بنیاد پر ایسی بات کہہ سکتی ہے؟" ثمینہ نے جھنجلا کر' لیکن کسی قدر متحمل لہجے میں پوچھا۔ "اور مجھے حیرانی ہے اتنے سمجھ دار ہو کر بھی تمہیں میری بات پر شک ہو رہا ہے۔"

"نہیں آنٹی! شک کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا' لیکن میں کلئی ضرور فیل کر رہا ہوں' میں نے ماوی کو کبھی یہ احساس نہیں دلایا کہ میں اس میں انٹرسٹڈ ہوں۔ میں سمجھ نہیں پا رہا' وہ میری کس بات سے اتنا متاثر ہو گئی کہ مجھ میں دلچسپی لینے لگی۔ یقین کیجیے مجھے بہت افسوس ہو گا اگر کسی لڑکی کا دل میری وجہ سے ٹوٹ جائے گا۔"

"کیا ضروری ہے کہ ماوی کا دل ٹوٹے؟ تم ایک بار اس کے بارے میں غور تو کرو۔"

"آئی ایم سوری آنٹی! میں اپنے دوست کو دھوکا نہیں دے سکتا۔" اس نے لاچاری بھرے انداز میں معذرت کر لی۔

"ماوی کی تمہارے دوست کے ساتھ کوئی کمٹمنٹ تو نہیں تھی کہ تمہارے کسی عمل کو دھوکہ شمار کیا جائے۔"

"یہ تو آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں' لیکن۔"

ثمینہ نفی میں سر ہلا دیں۔

"یہ تو محض تمہارے عذر ہیں' چونکہ تمہیں اس میں دلچسپی نہیں ہے اسی لیے۔"

"ایسی بات نہیں ہے ثمینہ آنٹی!" اس نے بے ساختہ کہا' ثمینہ کی تو جیسے دلی مراد بر آئی تھی' چہرے پر روشنی سی

Digest Section
Digest Point.com
Digest Point
Uploaded by ashza

پھیل گئی۔

"مم۔۔۔ میرا مطلب ہے۔" اس نے گڑبڑا کر کہا۔ ثمینہ کا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔

"ٹھیک ہے۔۔۔ میں سمجھ گئی' میرا ایک کام کرو گے جلال! یہ ساری بات ماوی کو خود بتا دو۔ میں کبھی اتنی ہمت جمع نہیں کر پاؤں گی۔"

"لیکن میں کیسے آنٹی!" اس نے مزید سٹپٹا کر کہا۔

"آج تم سچ ہمارے ساتھ کرو اور وہیں اسے بتا دینا۔ میں کوشش کروں گی کہ اس کے بعد جلد از جلد ماوی کو واپس آسٹریلیا لے جا سکوں' وہ جتنے زیادہ دن یہاں رہے گی اتنا دکھی ہو گی۔

پلیز جلال بیٹے! انکار نہ کرو' میں تمہاری احسان مند رہوں گی۔ سچ پر تمہارا انتظار کریں گے ہم۔" ثمینہ اسے مشکل میں ڈال کے گھٹنوں پر ہتھیلیوں کا بوجھ ڈالتی اٹھیں اور گیٹ کی طرف چلی گئیں۔

جلال سر پکڑ کر اسی بنچ پر بیٹھ گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

ماوی نے کچن کی کھڑکی سے دیکھا انیبہ لان کے جھولے پر اداسی کی دہائی میں بننے والی فلمی ہیروئنوں کی طرح اداس پوز بنائے بیٹھی ہولے ہولے جھولا جھول رہی تھی۔

ماوی نے پل بھر کے لیے سوچا شرارت سے آنکھیں چمکائیں' پھر کچھ خیال آنے پر فریج سے اورنج جوس کا پیک نکال کر ٹرے میں رکھا ساتھ میں دو گلاس بھی رکھ لیے اور ٹرے اٹھا کر باہر آ گئی۔

"آزاد کروانے والوں نے پاکستان تو آزاد کروا دیا تم کس گہری سوچ میں ہو؟" انیکسی سے یہاں تک کا راستہ عبور کر کے انیبہ کے سر پر پہنچتے ہوئے اس نے پوچھا۔ انیبہ کسی گہری سوچ میں تھی' بری طرح چونک گئی اور سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔

"ایں۔۔۔ تم کب آئیں؟"

"اب تو کئی سال ہو گئے۔۔۔ مجھے اس دنیا میں آئے ہوئے۔ ذرا سائیڈ پر ہو کر مجھے بیٹھنے کی جگہ دو۔" انیبہ نے کھسک کر اس کے لیے جگہ بنا دی' ماوی نے جھولے پر بیٹھ کر ٹرے گھٹنوں پر رکھی اور پیک کھول کر گلاس میں جوس انڈیلنے لگی۔

"سوچ کیا رہی ہو؟" اس نے ایک گلاس انیبہ کو پکڑاتے ہوئے پوچھا۔

"آج پورا ہفتہ گزر گیا ہے ممی کو اسلام آباد گئے ہوئے' مجھے بہت یاد آ رہی ہیں وہ۔" اس نے اداسی بھرے انداز میں کہا تھا۔

"میری ممی بھی مجھے بہت یاد آ رہی ہیں۔" ماوی نے اس سے بڑھ کر اداسی سے کہا۔

"تمہاری ممی کہاں گئی ہیں؟" انیبہ نے حیران ہو کر پوچھا کہ ابھی کچھ دیر پہلے تو ثمینہ آنٹی یہیں تھیں۔

"شازیہ کے ساتھ مارکیٹ گئی ہوئی ہیں۔" ماوی نے سنجیدگی سے کہا' پھر قہقہہ لگا کر ہنس دی۔ "کیا بچوں کی طرح اداس ہو رہی ہو' آ جائیں گی ثروت آنٹی! زیادہ اداس ہو تو فون پر بات کر لو۔"

"ابھی فون پر بات کی ہے۔" انیبہ نے سادگی سے کہا' ساتھ ہی گلاس لبوں سے لگا لیا۔ وہ کچھ الجھن کا شکار تھی جو اس کے چہرے پر دکھائی دے رہی تھی۔

"کیا بات ہے انیبہ! آخر کس سوچ میں ہو' ثروت آنٹی کون سا بہت دور ہیں تم سے۔ آ جائیں گی کچھ روز تک۔" ماوی نے اس کی سنجیدگی بھانپتے ہوئے کہا۔

"یہ بات نہیں ہے ماوی! دراصل۔۔۔ مجھے ایسا لگتا ہے جیسے ممی پریشان ہیں' لیکن وہ مجھ سے شیئر نہیں کرتیں۔" اس نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔

"ممکن ہے کوئی ایسی بات ہو جو تم سے شیئر ہی نہ کی جا سکتی ہو۔" ماوی نے خیال ظاہر کیا انیبہ کچھ تا سمجھی میں سر ہلانے لگی' پھر جلدی سے بولی۔

"خیر چھوڑو' تم اپنی بات کرو۔"

"اپنی کیا بات کروں؟ تم اپنی کہو' فیضان ماما کے بارے میں کچھ سوچا کہ نہیں۔"

"صبح شام انہیں سوچتی ہوں۔" انیبہ نے مسکرا کر کہا۔

"فائدہ؟" ماوی نے بے زاری سے کہا۔ "اپنی فیلنگز ان تک۔۔۔ تو تم پھر بھی نہیں پہنچا سکتیں۔"

"اچھا ایک بات بتاؤ ماوی! میری جگہ تم ہوتی تو کیا کرتیں؟" انیبہ نے پوچھا۔

"فوراً" چاکر اظہار کر دیتی۔" ماوی نے ترت کہا۔ "میں محبت میں ایک اصول کی قائل ہوں اور وہ یہ کہ یا تو محبت کرو نہیں اور اگر کر لو تو پھر ڈرو نہیں۔"

"تم اور تمہارے اصول۔" انیبہ نے کہا تب ہی گیٹ کھلنے کی آواز سنائی دی۔

دونوں گردن موڑ کر گیٹ کی طرف دیکھنے لگیں' چوکیدار گیٹ کھول رہا تھا' پھر فیضان کی گاڑی اندر داخل ہوئی۔ انیکسی والی سائیڈ پر کار پارک کرنے کی بہت مختصر سی جگہ تھی۔ ماوی کی کار کے بعد جگہ نہ بچتی تھی' اسی لیے فیضان مین ڈرائیو وے پر اپنی کار پارک کرتے تھے۔

"ویسے میں تمہیں کبھی اداس کیوں نہ ہوں' تمہارے ماموں کی شکل نظر آتے ہی فریش ہو جاتی ہوں۔" انیبہ نے کھلکھلاتے ہوئے لہجے میں کہا' ماوی اس کا چہرہ دیکھ کر مسکرا دی' کیونکہ واقعی انیبہ کے چہرے پر رنگ سے اتر آئے تھے۔ فیضان کار سے باہر نکلے اور لڑکیوں کو دیکھ کر خیر سگالی مسکراہٹ اچھالتے انیکسی کی طرف چل دیے۔

"ہائے۔۔۔ کتنے ہینڈسم لگ رہے ہیں نا تمہارے ماموں؟" انیبہ نے محبت کا جہان آنکھوں میں سمو کر فیضان کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ ماوی نے غضب ناک ہو کر اسے گھورا اور تڑاخ کر بولی۔

"تو بیاہ لگانے کی کیا ضرورت ہے' ماشاءاللہ نہیں بول سکتی۔" انیبہ اس کی تلملاہٹ پر ہنس دی۔

"تمہیں بڑا غصہ آ رہا ہے' جیسے وہ میرے تو کچھ ہیں ہی نہیں' بھئی ہمارا تو جو دل چاہے گا ہم وہ ہی بولیں گے۔" اس نے اتراکر کہا تھا۔

"اچھا۔" ماوی نے ابرو اچکا کر اسے دیکھا' پھر جھک کر ٹرے گھاس پر رکھی اور کھڑے ہوتے ہوئے حتمی انداز میں بولی۔

"اٹھو۔"

"ایں۔۔۔ لیکن کیوں؟" انیبہ چونکی۔

"ارے اٹھو تو سہی۔" اس نے ہاتھ پکڑ کر انیبہ کو گھسیٹا اور برآمدے کی طرف بڑھی۔

"کیا کر رہی ہو ماوی! ہم جا کہاں رہے ہیں؟" انیبہ نے اس کے ساتھ تقریباً بھاگتے ہوئے کہا۔

"ابھی تم نے کہا نا جو تمہارے دل میں ہو گا وہ ہی بولو گی تو چلو فیضان ماما کو جا کر اپنے دل کا حال بتاؤ' فیضی ماما!"

انیبہ کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں' لیکن اس سے قبل کہ کچھ بول پاتی' ماوی نے فیضان کو آواز دے دی۔

فیضان ٹھٹک کر انہیں دیکھنے لگے۔

"ماما! یہ انیبہ آپ سے کوئی ضروری بات کرنا چاہ رہی ہے۔" اس نے فیضان کے نہیں انیبہ کے سر پر دھماکہ کیا تھا۔ فیضان تو منتظر نظروں سے انیبہ کو دیکھنے لگے' اس کا یہ حال تھا کہ سانس حلق میں اٹک گئی' پیشانی پر پسینہ

دکھائی دینے لگا۔ ایسا لگتا تھا ابھی گھبراہٹ کے مارے لڑھک کر گر پڑے گی۔
فیضان نے اس کے چہرے سے جانے کیا اخذ کیا تھا۔ متفکر سے ہو کر پوچھنے لگے۔
"خیریت تو ہے انیسہ! کوئی پریشانی ہے؟"
"جج۔۔۔ جی نہیں۔" اس نے جلدی سے کہا' ماوی نے گردن موڑ کر اسے گھورا اور آواز دبا کر دانت کچکچا کر بولی۔
"اچھا موقع ہے بول دو بے وقوف۔" انیسہ نے خفیف سا نفی میں سر ہلایا۔ ماوی نے غصے سے اس کا ہاتھ بری طرح دبا دیا۔ انیسہ کی چیخ حلق میں ہی اٹک گئی۔
"تم دونوں نے آپس میں ہی بات کرنا ہے تو مجھے کیوں روکا ہے؟" فیضان الجھ کر بولے۔
"یہ ماوی بھی نا۔۔۔ آپ تھکے ہوئے ہوں گے' میں پھر بات کرلوں گی ایسی کوئی ضروری بات تو نہیں تھی۔" انیسہ نے بروقت حاضر دماغی کا مظاہرہ کیا تھا' لیکن ماوی کچھ اور ہی سوچے بیٹھی تھی' جلدی سے بولی۔
"اوہو۔۔۔ اب ایسی غیر ضروری بات بھی نہیں تھی۔ آپ اس سے پوچھیں ماما کب سے مجھ سے آپ کے بارے میں پوچھ رہی ہے کہ آپ کب آئیں گے۔"
"ایسی کیا بات ہے انیسہ؟" فیضان نے الجھ کر پوچھا۔
"پلا مس۔" انیسہ کے لبوں سے بے ساختہ نکلا۔
"ہاں۔۔۔ پلا مس۔۔۔ میں نے کچھ نئے پلا مس منگوائے تھے' وہ ہی آپ کو دکھانا چاہ رہی تھی۔" اس نے کھنکتے لہجے میں کہا کہ بروقت بہانہ سوجھ گیا تھا۔
ماوی کا دل چاہا اسے کچا چبا جائے۔
"ٹھیک ہے میں ذرا فریش ہو کر آتا ہوں۔" فیضان نے پرسوچ انداز میں باری باری دونوں کا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا۔ کھٹکے تو وہ تھے' مگر ظاہر نہیں ہونے دیا اور واشیکی کی طرف چلے گئے۔ پیچھے انیسہ نے زوردار دھپ ماوی کو رسید کی تھی۔
"تم نے تو آج مروا دیا تھا۔"
"میرا دل چاہ رہا ہے سچ مچ تمہیں قتل کردوں۔" ماوی جل بھن کر بولی۔
"اتنا اچھا موقع گنوا دیا تم نے۔۔۔ ان لوگ۔۔۔ تمہارا کچھ نہیں ہو سکتا اسی طرح ڈرتی سہمتی۔۔۔ رہو گی اور فیضان ماما کسی اور سے شادی کرلیں گے۔"
"اللہ نہ کرے۔" انیسہ نے دہل کر کہا۔
"ہاں بس جو کرے اللہ کرے' تم کچھ نہ کرنا۔" ماوی کو موقع ہاتھ سے جانے دینے کا سخت افسوس تھا۔
"سب کچھ اللہ ہی کرتا ہے۔" انیسہ نے خفگی سے کہا۔
"مجھے بھی پتا ہے کہ سب کچھ اللہ ہی کرتا ہے' لیکن تھوڑی محنت انسان کو خود بھی کرنا پڑتی ہے۔ یاد رہے من و سلویٰ صرف اسرائیلیوں کے لیے نازل ہوتا تھا۔"
"ایں۔۔۔ کیا بول رہی ہو ماوی! مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آرہا۔" اس نے روہانسی ہو کر کہا۔
"تمہاری سمجھ ہی چھوٹی ہے۔" ماوی نے تیز لہجے میں کہا تھا۔
"طعنے بند کرو یہ بتاؤ اب میں کیا کروں؟"
"خودکشی کرلو۔" اس کا انداز ہنوز تھا۔
"زیادہ سے زیادہ بھی دس منٹ میں فیضان واپس آجائیں گے پھر میں کیا کہوں گی۔" انیسہ سخت پریشان تھی۔
"پہلے جیسے تم نے بہت کچھ کہا ہے۔۔۔ اونہہ۔۔۔ اتنا اچھا چانس گنوا دیا۔"

"تو کیا مجھ سے پوچھ کر روکا تھا نہیں؟" انیسہ سلگ کر بولی۔
"پوچھتی تو کیا' تم روکنے دیتیں۔" ماوی نے سابقہ انداز میں کہا۔ "ویسے مجھے پتا ہوتا تم اتنے نکمے پن کا مظاہرہ کروگی تو کبھی نہ روکتی۔"
"اب میں کیا کروں؟"
"مجھے کیا پتا۔۔۔ خود ہی سوچو میں تو جتنی مدد کرسکتی تھی' کرچکی اب خود ہی سوچو۔" ماوی نے بے مروتی سے کہا تھا' انیسہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

☼ ☼ ☼

فیضان ان دونوں کے انداز پر کھٹکے تھے۔ لیکن اپنی اس فیلنگ کو کوئی واضح نام نہیں دے پا رہے تھے اس لیے اپنا وہم سمجھ کر سر جھٹک دیا اور تقریباً" بیس منٹ کے بعد جب باہر نکلے تو وہ دونوں سر سے سر جوڑے جھولے پر بیٹھی تھیں۔ فیضان چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے ان کی طرف بڑھے۔ ماوی دھیمی آواز میں انیسہ سے کہہ رہی تھی۔
"میری بات مان لو۔ ماما آئیں تو ہمت کرکے ان سے اپنی فیلنگ شیئر کرنا بعض دفعہ انسان کو بولڈ ہونا پڑتا ہے۔ اگر تمہیں یہ ڈر نہ ہوتا کہ ماما انکار کرسکتے ہیں تو میں ممی کو اس معاملے میں انوالو کرتی یا خود ہی تمہارے پیرنٹس سے بات کرلیتیں' لیکن فی الحال سب سے بڑی وقت ماما کی پسند جاننا ہے' اسی لیے میں انسسٹ کررہی ہوں کہ تم خود بات کرو۔"
"اور اگر انہوں نے انکار کردیا اور یہ کہا میں انہیں پسند نہیں ہوں؟" انیسہ نے خدشہ ظاہر کیا۔
"کم سے کم تمہاری پسندیدگی ان تک پہنچ جائے گی۔ ابھی انکار کر بھی دیا تو مجھے یقین ہے چند روز میں ان کے دل میں تمہارے لیے پسندیدگی پیدا ہوجائے گی۔ ایک چیز سرسری نظریں ڈالنے پر ہمیں کچھ خاص نہیں لگتی' لیکن آہستہ آہستہ ہمیں وہ اچھی لگنے لگتی ہے۔ تم اتنی پریٹی ہو' اتنی ناٹس ہو کہ فیضان ماما تمہیں ناپسند کر ہی نہیں سکتے۔" ماوی نے پروثوق لہجے میں کہا۔
"یہ تو میرے بارے میں تمہاری رائے ہے' کیا پتا تمہارے ماما کیا سوچتے ہوں' اگر انہوں نے مجھے ڈانٹ دیا۔۔۔"
"تو سن لینا ڈانٹ۔" ماوی نے اطمینان سے کہا۔ "آخر شادی کے بعد بھی تو ان کی ڈانٹیں سننی ہیں تم نے۔۔۔ تو ابھی سے عادت ڈال لو۔"
"مجھے ڈر لگ رہا ہے ماوی!"
"ارے کچھ نہیں ہوگا یار! اتنے رومینٹک ناولز پڑھتی ہو کوئی بھی دو' چار رومانٹک ڈائیلاگز بول دینا۔"
"کیا ہو رہا ہے بھئی۔۔۔ کس نے بولنے ہیں ڈائیلاگز؟" فیضان ان کے سر پر پہنچ چکے تھے۔ انیسہ اچھل کر جھولے سے اتری چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں' ہتھیلیاں پسینے سے بھیگ گئیں اور دل اس قدر بے ہنگم انداز سے دھڑک رہا تھا کہ لگا ابھی سینے سے باہر آجائے گا۔
"میں اندر جاتی ہوں پلیز آپ دونوں بیٹھ کر باتیں کریں۔" ماوی نے کہا۔ لیکن اس سے قبل کہ قدم بڑھاتی فیضان نے اس کا ہاتھ دبوچ لیا۔
"تم رکو نا ماوی۔" کیا پتا ہوا التجائیہ لہجہ۔۔۔ ماوی نے ہاتھ چھڑوانا چاہا' آنکھوں ہی آنکھوں میں گھورا مگر مجال ہے جو انیسہ نے گرفت ہلکی پڑنے دی ہو' وہ خود بھی آنکھوں ہی آنکھوں میں ماوی کی منتیں کررہی تھی۔

فیضان نے الجھ کر ان دونوں کو دیکھا۔
"ایک منٹ۔" فیضان نے اکتا کر کہا۔ "اب اگر تم دونوں میں سے کوئی مجھے نہیں بتائے گا کہ معاملہ کیا ہے تو میں چلا جاؤں گا۔"
"کوئی امپورٹنٹ بات نہیں ہے۔" انیبہ نے جلدی سے کہا۔
"ہے۔ بہت امپورٹنٹ ہے۔" یہ مادی تھی۔
"اوکے فائن! میں جا رہا ہوں۔" فیضان نے کہا اور ایک بھی پل ضائع کیے بنا پلٹے۔
"آپ پلیز مت جائیں' میں بتانا چاہتی تھی کہ میں آپ کو بہت پسند کرتی ہوں' آپ سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔"
انیبہ نے بے ساختہ کہا اور ساتھ ہی مادی کا ہاتھ چھوڑ کر دونوں ہاتھ اپنے لبوں پر رکھ لیے' یوں جیسے لفظ خود بخود اس کے لبوں سے ادا ہو گئے ہوں۔
فیضان کے قدم ٹھٹک گئے۔ ساعت ٹھہر گئیں' ان کے اردگرد اتنا سناٹا چھا گیا جیسے وہ کائنات میں تنہا رہ گئے ہوں۔ پھر وہ آہستگی سے پلٹے پہلی نظر انیبہ کے فق چہرے پر گئی۔ دوسری مادی پر' جو ساکت کھڑی انہیں دیکھ رہی تھی' نظریں ملتے ہی وہ آنکھیں چرانے لگی' اس کے چہرے پر بھی گھبراہٹ دکھائی دی تھی' لیکن انیبہ والا حال نہیں تھا۔
"تم نے جو کہا ہے وہ دوبارہ کہو۔" انہوں نے اپنی غضب ہوتی آنکھوں کو انیبہ کے چہرے پر ٹکاتے ہوئے سرد مہری سے کہا تھا۔
انیبہ اسی طرح سر جھکائے گھاس کو دیکھتی رہی' اس کی بولنے کی ہمت ختم ہو چکی تھی۔
"میں نے کہا انیبہ! جو تم نے کہا ہے وہ دوبارہ کہو۔" ان کا لہجہ بے حد سخت تھا۔
"میں آپ کو پسند کرتی ہوں اور آپ سے شادی۔"
"بس۔" فیضان نے کڑکتے لہجے میں کہا۔ "اور تم اندر آؤ۔" انہوں نے اسی انداز و لہجے میں مادی سے کہا۔
"ماما! آپ انیبہ کی پوری بات تو سن لیں' یہ آپ کو واقعی بہت۔"
"تم نے ایک بھی لفظ اور کہا تو میں خود بے کفنول کھود دوں گا۔ ایک بھی منٹ ضائع کیے بغیر اندر آؤ۔"
فیضان تیز تیز قدم اٹھاتے انیکسی کی طرف چلے گئے۔ اتنے سخت لہجے میں انہوں نے کبھی مادی سے بات نہیں کی تھی۔ مادی کے خون میں جیسے خوف کی لہری دوڑ گئی' لیکن اس نے انیبہ کے کندھوں کو تھپکا اور حوصلہ دلانے والے انداز میں بولی۔
"تم یہیں رکو' میں ابھی آتی ہوں۔"
"مادی! یہ ٹھیک نہیں ہوا' مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔"
"جو ہوا بالکل ٹھیک تھا' بس اب تم مجھے اندر جانے دو اور یہاں بیٹھ کر اپنے ڈیڈنگ ڈریس کا کلر سوچو میں ابھی آ رہی ہوں۔" فیضان ماما کے مزاج کی سنگینی کو کم کرنے کے لیے وہ اپنے لہجے کو معمول کے مطابق رکھے ہوئے تھی' ورنہ سچ تو یہ ہی تھا کہ اس کا دل بھی کانپ رہا تھا۔ تب ہی زیر لب بجل تو جلال تو کا ورد کرتی انیکسی کی طرف چلی گئی۔ انیبہ پریشانی سے ہتھیلیاں مسلنے لگی۔

☆ ☆ ☆

"کیا کہا ہے تم نے انیبہ سے؟" مادی کے اندر داخل ہوتے ہی فیضان نے دانت کچکچا کر پوچھا' اپنے غصے کو کم

کرنے کے لیے وہ مستقل کمرے میں دائیں سے بائیں' بائیں سے دائیں چکر لگا رہے تھے۔ اس کے اندر داخل ہوتے ہی رک کر غضب ناک نظروں سے اسے گھورنے لگے۔
"میں نے تم کو منع کیا تھا کہ جو الٹی سوچ تمہارے دماغ میں ہے اس کا ذکر میں کسی اور سے نہ سنوں اور تم اتنی عقل مند ہو کہ ثمینہ آپا سے ذکر کرنے کے بجائے سیدھے انیبہ کے ذہن میں بات ڈال دی۔"
"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے ماما! میں نے انیبہ سے کچھ نہیں کہا۔" مادی نے جلدی سے اپنی صفائی پیش کرنا چاہی' لیکن فیضان نے بری طرح جھڑک دیا۔
"ہاں۔ تم نے نہیں بتایا' آسمان سے فرشتے اترے ہوں گے اسے بتانے کے لیے کہ فیضان مہدی میں دلچسپی لے۔"
"نہیں۔ اس کے دل نے بتایا ہو گا کہ فیضان مہدی میں دلچسپی لے۔" مادی نے اپنے خائف ہوتے اعتماد کو بحال کرتے ہوئے دوٹوک انداز میں کہا تھا۔
فیضان کی آنکھوں میں تعجب بے یقینی کا دھواں سا پھیل گیا۔
"آپ کہتا نہیں میری بات کا یقین کیوں نہیں آ رہا' حالانکہ سچ یہ ہی ہے کہ میں نے انیبہ کی آپ میں دلچسپی بھانپنے کے بعد ہی آپ سے ذکر کیا تھا۔ اور اس میں برائی بھی کیا ہے ماما! انیبہ بہت اچھی لڑکی ہے۔ خوب صورت ہے' پڑھی لکھی ہے' ہاں آپ سے عمر میں کافی چھوٹی ہے۔ لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ آپ سے محبت کرتی ہے۔ آئی ایم شیور۔ آپ اس کے بارے میں سوچیں گے تو وہ بھی آپ کو اچھی لگنے لگے گی۔ میرا مشورہ مان لیں فیضان ماما! عقل مند لوگ کہتے ہیں خوش قسمتی صرف ایک بار دستک دیتی ہے' اگر خوش قسمتی کے لیے دروازہ نہ کھولا جائے تو ساری زندگی انسان کو پچھتانا پڑتا ہے۔ انیبہ آپ کی خوش بختی ہے ماما! اسے مایوس نہ لوٹائیں' ورنہ ساری زندگی پچھتاوے آپ کو گھیرے رہیں گے۔"
"مجھے تمہارے مشوروں کی ضرورت نہیں ہے' میرے لیے کیا صحیح ہے اور کیا نہیں اس کا فیصلہ میں کروں گا' تم نہیں۔" فیضان نے بھڑک کر کہا۔
"اور آپ اپنے لیے غلط فیصلہ کریں گے میں جانتی ہوں۔" اس نے دوبدو کہا تھا۔
"شٹ اپ مادی!" فیضان نے تڑخ کر کہا۔ "تمہیں ہمارے بے جا لاڈ پیار نے بگاڑ رکھا ہے' ہر ایشو پر تمہارا بولنا' ہر معاملے میں دخل دینا ضروری ہے۔ مجھے یقین ہے تم نے ہی انیبہ کے سامنے کوئی الٹی سیدھی بات کی ہے کہ وہ اس طرح سے سوچنے لگی۔"
"آپ مادی کو کچھ نہ کہیں۔" معاً انیبہ کی آواز سنائی دی' وہ دونوں بیک وقت چونک کر اسے دیکھنے لگے' پتا نہیں وہ کس وقت اندر آئی تھی اور اس وقت دروازے کے فریم میں تصویر کی طرح جڑی کھڑی تھی۔
"وہ سچ کہہ رہی ہے' اس نے مجھ سے کچھ نہیں کہا تھا' بلکہ میں نے ہی اسے بتایا تھا کہ میں آپ کو پسند کرتی ہوں۔"
"تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہے۔" فیضان نے غصے سے کہا۔
"اس میں دماغ خراب ہونے کی کیا بات ہے۔ کیا محبت کرنا جرم ہے۔" پتا نہیں اس میں اتنی ہمت کہاں سے آئی تھی کہ جو دل میں تھا زبان پر آتا چلا گیا۔
"مجھ سے افسانوی باتیں کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" انہوں نے لاتعلقی سے کہا۔
"محبت افسانوی چیز لگتی ہے؟"
"ہٹو میرے راستے سے۔"

"نہیں ہٹوں گی۔ پہلے آپ کو میری بات کا جواب دینا ہوگا۔"
"تمہارے پاس تو خود اپنی اس حماقت کا جواب نہیں ہوگا مجھ سے کیا مانگ رہی ہو۔"
"محبت حماقت نہیں ہوتی۔" اس نے اٹل لہجے میں کہا۔
فیضان نے اسے بری طرح گھورا اور تیزی سے باہر نکلنا چاہا' الیہ اسی سرعت سے ان کے راستے میں حائل ہوئی۔
"میرے ایک سوال کا جواب دیے بنا آپ یہاں سے نہیں جاسکتے۔"
"الیہ! مجھے سختی سے پیش آنے پر مجبور مت کرو۔" فیضان نے بمشکل اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے کہا۔
"کیا سچ مچ آپ کے دل میں میرے لیے کچھ نہیں ہے؟" اس نے جیسے ان کی بات سنی ہی نہیں تھی۔
"الیہ!" فیضان نے دانت کچکچائے۔
"کیا میں آپ کو بری لگتی ہوں؟ بدصورت ہوں؟ اپاہج ہوں؟ کیا کمی ہے مجھ میں کہ آپ میرے لیے کوئی جذبہ محسوس نہیں کرتے' کیا سچ مچ آپ مجھے ناپسند کرتے ہیں۔"
ابھی اس کا جملہ مکمل بھی نہیں ہوا تھا کہ فیضان نے اشتعال انگیز انداز میں اسے بازو سے پکڑ کر ایک طرف دھکیل دیا' الیہ ان سے سخت لہجے کی توقع کررہی تھی' لیکن ایسا ردعمل اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ وہ اپنی جھونک میں تھی۔ اس لیے بے دردی سے دھکیلے جانے پر دروازے کے قریب رکھے ٹیبل سے ٹکرا گئی۔ اس کی پیشانی میز کے کنارے سے ٹکرائی تھی۔ ماوی کے ہوں سے بھی چیخ نکل گئی' وہ تیزی سے الیہ کی جانب لپکی تھی۔
"یہ تمہارے ہر سوال کا جواب ہے۔" فیضان نے تنفر سے کہا اور بنا اس پر دوسری نگاہ ڈالے باہر نکل گئے۔ الیہ کی ہتھیلی پر خون اکٹھا ہوگیا تھا' اس نے پیشانی پر ہاتھ رکھے اور تکلیف سے دہرے ہوتے ہوئے ماوی سے شکایتی لہجے میں کہا۔
"کسی قدر بے درد ہیں تمہارے ماموں۔" اور بھل بھل رونے لگی۔
"اٹھو الیہ! آئی ایم سوری' اٹھو پلیز' میں تم کو ڈاکٹر کے پاس لے چلتی ہوں۔" ماوی نے بے قراری سے کہا' لیکن الیہ نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔
"کوئی ضرورت نہیں ہے۔" اور روتی ہوئی باہر بھاگ گئی' ماوی نے اسے آواز دی' لیکن جانتی تھی اس کے پیچھے جانے کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ سو وہیں فرش پر سر پکڑ کر بیٹھ گئی' غم و غصے سے اس کا برا حال تھا۔

☼ ☼ ☼

ماوی کو نا صرف شدید قسم کی شرمندگی نے بلکہ بے چینی نے بھی گھیرا ہوا تھا' اب وہ بمشکل تیس منٹ ہی انتظار کرسکی' پھر ٹیکسی کو لاک لگا کر الیہ کی طرف آگئی۔ وہ اپنے کمرے میں شیشے کے سامنے کھڑی ماتھے پر بینڈیج لگا رہی تھی۔
شیشے میں ماوی کا عکس دیکھ کر اس کے ہاتھ ایک پل کے لیے ٹھٹکے' پھر وہ اپنا کام کرنے لگی۔ شیشے میں نظریں ملتے ہی ماوی کی شرمساری میں اضافہ ہوا تھا۔
"تو ماوی! وہاں دروازے میں کیوں کھڑی ہو؟" بینڈیج مکمل کرکے اس نے بکس بند کرکے دراز میں رکھا اور پلٹتے ہوئے ماوی سے کہا۔ رو رو کر اس کی آنکھیں اور ناک بے تحاشا سرخ ہورہی تھیں' جبکہ آواز میں بہت زیادہ رونے کا بوجھل پن صاف محسوس ہوتا تھا۔

"میں معافی مانگنے آئی تھی' تمہیں بہت چوٹ آئی ہے۔" اس نے شرمندگی بھرے لہجے میں کہا۔
"تم کیوں معافی مانگ رہی ہو' تمہاری کیا غلطی ہے۔" اس نے پلنگ کے کنارے پر ٹکتے ہوئے کہا' لیکن اتنا سا جملہ بولنے میں اس کی آنکھوں میں پھر آنسو آگئے تھے۔
"میری ہی تو غلطی ہے' نہ میں تمہیں فورس کرتی' نہ تمہیں چوٹ لگتی۔" ماوی نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا تھا۔
"یہ چوٹ میری قسمت میں تھی۔" اس نے بے دردی سے اپنی آنکھوں کو رگڑ دیا۔ "لیکن ماوی! میں نے کہا تھا نا' مجھے کچھ نہیں کہنا چاہیے۔ دیکھو کتنی بری طرح ری ایکٹ کیا ہے۔ پتا نہیں کیا سوچ رہے ہوں گے وہ میرے بارے میں۔ انہوں نے تو مجھے بری لڑکی ہی سمجھا ہوگا۔" آنکھیں رگڑنے کے باوجود آنسو اور شدت سے بہنے لگے تھے۔
"ارے ایسی کی تیسی تمہارے انہوں کی۔ ایک خوب صورت لڑکی نے اظہار محبت کیا کردیا جناب نخرے میں ہی آگئے۔ بتاؤ خیر میرے"۔۔۔ ماموں ہیں تو کیا ہوا۔ تم بھی تو میری دوست ہو۔۔۔ میرا تم سے وعدہ ہے جب تک ان کی شادی تم سے نہیں کروا دیتی۔ خود بھی شہوز سے شادی نہیں کروں گی۔" اس نے پرعزم لہجے میں کہا تھا۔
"رہنے دو ماوی! میں نے سوچ لیا ہے میں اب ان سے شادی کا خیال ہی دل میں نہیں لاؤں گی۔" الیہ نے کہا۔
"اتنی جلدی ہار گئیں۔ کل کو اپنے دل کو کیا منہ دکھاؤ گی؟"
"کہی۔۔۔ جو میرے پاس ہے وہی دکھاؤں گی دل کو سمجھانا آسان ہوگا لیکن اپنی عزت نفس کو دوبارہ مجروح نہیں ہونے دوں گی وہ انکار کردیتے ڈانٹ لیتے لیکن مارتے تو نہیں۔" اس کے لہجے میں شکوہ ہی شکوہ تھا اور ٹوٹے ہوئے مان کرکرچیاں۔
ماوی کے پاس کہنے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا سو خاموشی سر سہارے سے سر جھکائے بیٹھی رہی پھر کچھ خیال آنے پر سر اٹھایا اور دونوں ہاتھ کی انگلیوں سے اس کے آنسو پونچھے۔
"اچھا پلیز تم رونا بند کرو۔۔۔ دیکھنا تمہیں فیضان ماما سے سوگنا بہتر لائف پارٹنر ملے گا۔۔۔ ایکچوئلی وہ تم جیسی اچھی لڑکی ڈیزرو ہی نہیں کرتے لیکن ایک بات ہے میں تمہارے ڈانیلا گز سے بہت متاثر ہوئی ہوں فیضان ماما کی جگہ کوئی اور ہوتا تو فوراً" تمہارے قدموں میں آگرتا۔ تم ایسا کرنا۔ وہ ڈانیلا گز مجھے لکھ دینا کبھی شہوز کے سامنے بولوں گی مجھے یقین ہے وہ بہت خوش ہوگا۔" وہ اسے بہلا رہی تھی الیہ اس کے انداز پر بھیگی آنکھوں کے ساتھ ہنس دی۔
"ہاں شہوز کے سامنے ضرور بولنا۔۔۔ وہ خوش ہوگا ایٹ لیسٹ تمہیں مارے گا نہیں۔"
بظاہر وہ مطمئن ہوگئی تھی لیکن ایسا کہتے ہوئے دل میں ٹیس سی اٹھی تھی۔ ماوی بھی مسکرا دی تھی لیکن دل میں فیضان سے شدید خفا ہوچکی تھی۔
"یہ آپ نے کیا کردیا فیضان ماما!"

☼ ☼ ☼

جلال نے پھولوں کے خوب صورت اور چھوٹے سے گلدستے کو دائیں ہاتھ سے بائیں میں منتقل کیا پھر دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے اپنی شرٹ کے کالر کو تھوڑا سا ڈھیلا کیا ایک گہری سانس خود کو پرسکون کرنے کے لیے کھینچی پیشانی سے نادیدہ پسینہ پونچھا۔ بالوں میں انگلیاں چلا کر ہیئر اسٹائل درست رکھنے کی کوشش کی۔

یعنی کل ملا کر وہ سخت گھبراہٹ کا شکار تھا۔ جتنا خود کو ریلیکس کرنے کی کوشش کرتا اتنی گھبراہٹ میں اضافہ ہو رہا تھا اس پر مستزاد یہ کہ ماموں نے دروازہ کھولتے ہی شرارتی سا جملہ بول دیا۔ جلال کا رہا سہا اعتماد بھی جاتا رہا۔ صبح سے اب تک وہ خود کو باور کرواتا رہا تھا کہ اسے ماموں کے یہاں نہیں جانا لیکن لنچ ٹائم قریب آتے ہی اس کے پیر خود بخود اس طرف چل دیے۔

عجیب طرح کا بوجھ تھا جو ایک معصوم لڑکی کا دل توڑ دینے کے خیال سے اس کے ضمیر پر دھرا ہوا تھا۔ اس نے سوچا وہ مناسب لفظوں میں ایک بار ماموں کو سمجھا دے گا کہ اس کی زندگی میں ماموں کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے ثمینہ آنٹی کی کل مشکل بھی حل ہو جائے گی اور اس کے ضمیر پر دھرا بوجھ بھی ہٹ جائے گا لیکن یہ سب اتنا بھی آسان نہیں تھا جتنا سوچنے میں محسوس ہوتا ہے کیونکہ دل کی بھی تو ایک آواز ہوتی ہے۔ اس کے بھی کچھ مطالبات ہوتے ہیں، کچھ ضروریات ہوتی ہیں۔

جلال کے کانوں میں محض ضمیر کی آواز گونجتی تھی اس نے دل کو کبھی اتنی اہمیت نہیں دی کہ اس کی آواز دل پر کان دھرے یا شاید اس کے دل نے کبھی زبان کھولی ہی نہیں غالباً "وہ کسی خاص وقت کے انتظار میں تھا۔

لنچ پہ ماموں کے ماموں فیضان صاحب بھی موجود تھے ثمینہ آنٹی کی طرح وہ بھی بہت اچھے مزاج کے مالک تھے جب تک موجود رہے جلال کو کمپنی دیتے رہے۔

جلال کے دماغ میں سوچوں کا اودھم مچا تھا اس نے کچھ باتوں میں دلچسپی لی کچھ میں نہیں۔ وہ دل ہی دل میں ان جملوں کو دوہراتا رہا جو ماموں کا دل توڑنے کے لیے جلال کو اس کے سامنے بولنا تھے۔ لیکن ہر بار ماموں کے خوشی و انبساط سے چمکتے چہرے کو دیکھ کر اس کا ارادہ ڈگمگا جاتا ماموں نے اسے ایک ایک ڈش خود سرو کی تھی وہ اسے اصرار کر کے ہر چیز کھلا رہی تھی لیکن جلال اس قدر ذہنی کشمکش کا شکار تھا کہ برائے نام کھا سکا۔

کھانا کھا کر فیضان کسی کام کے سلسلے میں چلے گئے۔ ثمینہ آنٹی کچن میں مصروف تھیں۔ چائے پیتے ہوئے ماموں اور جلال کو تنہا بیٹھنے کا موقع ملا جلال اس دوران بھی اسے کچھ نہیں بتا پایا الٹا سارا وقت ماموں ہی اس کی پسند ناپسند ڈشز وغیرہ کے بارے میں بات کرتی رہی۔ اس دوران جلال یہ بھی سمجھ گیا خواہ کتنے بھی ارادے باندھ لے ماموں کے سامنے سعدی والے معاملے پر ایک لفظ نہیں بول سکے گا۔ اپنی بے بسی کا احساس ہوتے ہی وہ مایوس ہو گیا اور واپسی کے ارادے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ ماموں اچھے میزبان کی طرح اسے باہر تک چھوڑنے کے آنا چاہتی تھی لیکن ثمینہ آنٹی نے منع کر دیا اور خود باہر تک آئیں۔

"تم نے ماموں کو بتایا؟" ثمینہ آنٹی نے باہر آ کر اپنے پیچھے دروازہ مضبوطی سے بند کرتے ہوئے بے قراری سے پوچھا۔

"آنٹی! میری اتنی ہمت ہی نہیں ہوئی۔" جلال نے بے بسی سے کہا ثمینہ کے چہرے پر مایوسی چھا گئی۔

"تم نے تو مجھے بہت مشکل میں پھنسا دیا ہے جلال!"

"میں تو خود مشکل میں ہوں آنٹی! سمجھ ہی نہیں پا رہا ماموں کو سمجھاؤں یا سعدی کو؟" اس نے بے چارگی سے کہا۔

"میں نے فیضان سے کہہ دیا ہے ہمارے واپسی کے ٹکٹ کنفرم کروا دے۔" چند منٹ کی بوجھل خاموشی کے بعد ثمینہ آنٹی نے بتایا۔ "دل میں آس ہے کہ شاید وہاں جا کر ماموں کو سمجھانا میرے لیے آسان ہو۔۔۔ ممکن ہو تو میری بیٹی کے سکون کے لیے دعا کرنا۔"

ان کا ٹوٹا بکھرا لہجہ جلال کے دل میں پانی کی طرح گر گیا اور وہ سر جھکا کر وہاں سے باہر نکل گیا۔

☆ ☆ ☆



"اور تم نے عروش کے خلاف گواہی دینے سے انکار کردیا۔ تم پاگل ہو تنوی!" تنوی سے وائس پرنسپل کے آفس میں ہوئی ڈسکشن کی پوری داستان سننے کے بعد چند منٹ عبیر ہکا بکا ہو کر اسے دیکھتی رہی پھر اس نے صدمے بھرے انداز میں کہا۔

"اسے پاگل پن نہیں عقل مندی کہتے ہیں۔" تنوی نے تحمل سے جواب دیا۔

"میں نے بالکل صحیح کیا۔ مجھے کیا ضرورت ہے عروش جیسی خطرناک لڑکی کے معاملے میں ٹانگ پھنسانے کی جو نمرو کو کچھ بتانے پر ہمیں دھمکا سکتی ہے بیچ سڑک پر اشارے کرکے مجھے خوفزدہ کرسکتی ہے وہ گواہی دینے پر میرا کیا حشر کرے گی؟ ــــ نہ بھئی نہ ــــ میں باز آئی ایسے معاملات سے۔ تمہیں بھی مخلصانہ مشورہ ہے اگر تم نے عروش کے متعلق کچھ پوچھیں تو انکار کردینا جیسے میں نے کردیا کہ میں عروش کے متعلق کچھ جانتی ہی نہیں ہوں۔"

"میرا دماغ خراب ہے جو میں ایسا جھوٹ بولوں۔" عبیر نے توخ کر کہا۔ "میرے نزدیک سب سے اہم چیز میرے کالج کی عزت ہے اور میں نہیں چاہتی کہ عروش جیسے لوگ اس عزت کو داغدار کریں اس لیے میں اس کے خلاف گواہی ضرور دوں گی۔ غضب خدا کا معصوم لڑکیوں کو بلیک میل کرا کرائے سیدھے کام کروا رہی ہے انہیں بدکاری کی طرف لے جا رہی ہے اور میں چپ چاپ بیٹھی تماشہ دیکھتی رہوں۔ نہیں ہرگز نہیں برائی دیکھ کر خاموش رہنے والی بھی اتنا ہی غلط ہوتا ہے جتنا کہ برا کام کرنے والا۔" عبیر نے انقلابی انداز میں کہا تھا۔

"عبیر! وہ تمہیں نقصان پہنچا سکتی ہے۔" تنوی نے فکرمندی سے کہا۔

"ارے ایسی کی تیسی ــــ ہاتھ پیر توڑ کر درخت سے الٹا لٹکا دوں گی اسے اگر اس نے مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔"

"تم کتنی بہادر ہو عبیر! کاش میں بھی ہوتی۔" اس نے سر جھکا کر حسرت بھرے لہجے میں کہا تھا۔

"ارے جانے دو ــــ یہ تو بالکل ایسی ہی خواہش ہے جیسے گدھا سوچنے لگے کاش! اس کے سر پر سینگ ہوتے ــــ یعنی ناممکن۔"

تنوی نے ہاتھ میں پکڑی کتاب اسے کھینچ ماری۔

"میں تمہارے طنز سمجھ رہی ہوں۔"

"بزدلی کے باوجود ایک اچھی بات ہے تم میں طنز اور مذاق میں فرق سمجھ لیتی ہو۔" عبیر نے ایک اور تیر چھوڑا۔

"ہم بزدل ہی ٹھیک ہیں۔" تنوی نے گردن اکڑا کر کہا۔

"مرجانا اس بزدلی کے ساتھ لیکن یہ جو ماتھے پر بزدلی کا سائین بورڈ لگا رکھا ہے اس کی شان نہ گھٹنے دینا۔" عبیر نے جل کر کہا تھا۔

"تمہارا جو بھی فیصلہ ہو میں نے سوچ لیا ہے میں عروش کے خلاف گواہی ضرور دوں گی۔ چند سال پہلے اس وقت ہم اسکول میں تھے فیصل آباد کی "شہزینہ اور شامل راج" نام کی دو لڑکیوں کا عجیب و غریب کیس تو تمہیں یاد ہی ہوگا میڈیا نے بڑی کوریج دی تھی اس کیس کو۔ میں نہیں چاہتی کہ کل کو نمرو اور عروش ــــ شامل راج اور شہزینہ جیسا کیس بنیں اور اس کے لیے ضروری ہے کہ عروش کو کالج سے ہٹایا جائے۔"

"نمرو کی تو مجھے بھی بہت فکر ہے لیکن گواہی میں پھر بھی نہیں دے سکتی۔" تنوی نے لاچاری سے کہا تھا۔

"لیکن کیوں؟ ذرا اس بات کی بھی تو وضاحت فرمایئے محترمہ!"

"تمہیں میرے فیملی سیٹ اپ کا نہیں پتا عبیر!"

"اس لیے کیونکہ تم نے کبھی مجھے اس قابل ہی نہیں سمجھا کہ اپنے فیملی ایشوز مجھ سے ڈسکس کرو۔ ایسی بھی کیا بے اعتباری۔"

"تم پلیز غلط گمان نہ ہو عبیر! ایسی کوئی خاص باتیں نہیں ہیں جو تم سے ڈسکس کروں۔"

"ایک بات بتاؤ کیا تمہارے گھر میں بہت سختیاں ہیں بہت پابندیاں لگائی جاتی ہیں؟"

"ہرگز نہیں۔" تنوی نے فی الفور کہا۔ "حویلی کا سیٹ اپ تو بہت بہترین ہے۔ چاہے لڑکے ہوں یا لڑکیاں کسی پر بھی کوئی پابندی نہیں لگائی گئی۔ ہاں نانو جان نے کچھ لمٹس بنا رکھی ہیں اور حویلی کا ہر فرد ان لمٹس کی پابندی کرتا ہے۔ میری نانو جان بہت نائس ہیں مجھے انہوں نے ہی پالا ہے وہ مجھ سے بہت محبت کرتی ہیں۔ اسی لیے عبیر! میں ایسا کوئی کام نہیں کرنا چاہتی جس سے نانو کو تکلیف پہنچے یا وہ مجھ سے خفا ہوں۔"

"جب محبت کرتی ہیں تو خفا کیوں ہوں گی اور تم کون سا عروش کے خلاف جھوٹی گواہی دو گی۔"

"یہ تو تم اور میں کہہ رہے ہیں کہ گواہی دینا غلط نہیں ہے۔ آج ٹیچرز کہہ رہی ہیں پولیس کے سامنے گواہی دو کل کو کورٹ میں لے جانے کی بات ہوگی۔ میری نانو جان کو یہ بات ہرگز اچھی نہیں لگے گی۔ کہ میں تھانے، کچہریوں کے چکر لگاؤں خواہ مخواہ پیچیدگی کچھ بھی ہو۔"

"تم نے مجھے بہت مایوس کیا ہے تنوی! تمہیں دیکھ کر تو مجھے اس کبوتر کا خیال آرہا ہے جو خطرہ بھانپ کر آنکھیں بند کرلیتا ہے اور اپنی پروں کی طاقت کو بھی بھلا بیٹھتا ہے۔ نکل آؤ اپنی اس بزدلی سے۔ مجھے ڈر ہے عروش کوئی نقصان پہنچائے نہ پہنچائے تمہاری بزدلی تمہیں ضرور نقصان پہنچائے گی۔ محبتوں کا احترام کرنا اچھی بات ہے لیکن محبتوں کو اپنی کمزوری بنا لینا بہت بری بات ہے۔"

عبیر نے اپنا فولڈر بازو میں دبوچا بیگ کندھے پر ڈالا اور سخت لہجے میں اس کا مزاج درست کرتی کلاس روم کی طرف چل دی۔ تنوی چند لمحے منہ بسور کر بیٹھی رہی پھر بددلی سے اپنی چیزیں سمیٹیں اور عبیر کے پیچھے چل دی لیکن اس کے چہرے پر گہری سوچ کی واضح پرچھائیاں دکھائی دے رہی تھیں۔

☆ ☆ ☆

اس روز فیضان کی واپسی رات گئے ہوئی۔ ان کا خیال تھا اس وقت تک ساوی اور ثمینہ سو چکی ہوں گی یہ نہیں کہ انہیں کسی بات کی شرمندگی تھی بس یہ تھا کہ وہ کسی کا سامنا کرنا نہیں چاہ رہے تھے لیکن ساوی جاگ رہی تھی۔ صرف جاگ رہی تھی بلکہ لاؤنج میں ٹہل ٹہل کر ان کا انتظار بھی کر رہی تھی انہیں اندر آتا دیکھ کر اس نے ایک پل کا بھی صبر نہیں کیا اور ان پر چڑھ دوڑی۔

"سمجھتے کیا ہیں آپ اپنے آپ کو ــــ کس قدر فضول حرکت کی ہے آج آپ نے ــــ بتاؤ ایک لڑکی نے ذرا سا پسندیدگی کا اظہار کیا خود کو کوئی سپر پیس سمجھنے لگے۔" وہ بے حد غصے میں تھی اور ہر لحاظ بھلائے بیٹھی تھی۔

فیضان نے اسے سرد مری سے گھورا۔

"نیچی آواز میں بات کرو ــــ دن بہ دن تمہیں بات کرنے کی تمیز بھولتی جا رہی ہے۔" ان کی آواز میں آنکھوں سے زیادہ سرد مری تھی ساوی ذرا جو خائف ہوئی ہو۔

"اور اپنے بارے میں کیا خیال ہے جناب کا جنہیں تمیز و اخلاقیات کے سارے اصول ازبر ہیں۔" اس نے تنک کر کہا تھا۔ "کیا ضرورت تھی انیہ کو ٹارچر کرنے کی؟"

"تمہیں شاید ٹارچر کا مطلب نہیں معلوم۔" فیضان کے غصے میں اضافہ ہوا۔ "جا کر ڈکشنری میں پہلے لفظی مطلب تلاش کرو پھر مجھ سے بات کرنا۔ وہ لڑکی اس سے زیادہ کی مستحق تھی۔"

انہوں نے کچن کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

"وہ کس چیز کی مستحق تھی کس چیز کی نہیں ــــ یہ طے کرنے والے آپ کون ہوتے ہیں فیضان ماما! اتنی بھی کیا

خود پسندی کہ اسے چوٹ پہنچادی۔ انکار ہی کرنا تھا تو آرام سے کردیتے اتنی بڑی طرح ری ایکٹ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔" وہ وہیں بالکونی کے وسط میں کھڑی تیز لہجے اور اونچی آواز میں بول رہی تھی۔

چند لمحے بعد فیضان کچن سے واپس آئے ان کے ہاتھ میں پانی کی بوتل تھی۔

"میں نے انکار ہی کیا تھا۔" انہوں نے بوتل سے ایک بڑا سا گھونٹ حلق میں انڈیلتے ہوئے کہا۔

"اس طرح انکار کیا جاتا ہے؟ آپ نے اس کی توہین کی ہے۔" اس نے مزید تلملا کر کہا۔ لیکن اس سے پہلے کہ فیضان مزید کچھ کہتے ثمینہ اپنے بیڈ روم کا دروازہ کھول کر بوکھلائی ہوئی سی باہر نکلیں۔

"کیا ہوا ہے تمہیں؟ اتنی زور سے کیوں بول رہی ہو؟" وہ نیند سے بیدار ہوئی تھیں شور کی آواز نے نیند میں خلل ڈال دیا تھا اس لیے بوکھلائی ہوئی تھیں۔

"کچھ نہیں ہوا ثمینہ آپا! سوائے اس کے کہ آپ کی لاڈلی کو آدھی رات کو دورہ پڑا ہے آپ پلیز جا کر سو جائیں۔" فیضان نے دل جلانے والے انداز میں ماوی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ جو ممی کے سامنے خاموش رہنے کا سوچ رہی تھی۔ اس بات پر بری طرح پیچ و تاب کھانے لگی اور تلملا کر ثمینہ کی طرف پلٹی۔

"نہیں ممی! ــــ آپ مت سوئیں میں آپ کو پوری بات بتاتی ہوں۔ پلیز آپ بیٹھیں۔" اس نے بڑے اہتمام سے کہا جیسے ثمینہ واقعی آدھی رات کو کوئی قصہ سننے آئی ہوں۔

اب تلملانے کی باری فیضان کی تھی۔

"ماوی! ــــ خبردار ثمینہ آپا کے سامنے کچھ بھی کہا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔"

انہوں نے انگلی اٹھا کر تنبیہہ کی لیکن وہ ماوی ہی کیا جو کسی کی دھمکی سے مرعوب ہو جائے یہاں تو پھر بھی معاملہ اس کی عزیز از جان سہیلی کا تھا جسے واقعی وہ اپنی ممانی جان مان چکی تھی اور جناب ماموں صاحب نے اس کے ساتھ بے حد برا سلوک کیا تھا۔

اس نے گھور کر فیضان کو دیکھا اور حتمی انداز میں ثمینہ کی طرف پلٹتے ہوئے ٹان اسٹاپ شروع ہو گئی۔

"آپ کو پتا ہے آپ کے بھائی صاحب نے کیا کیا ہے۔" آج میں اور انیبہ انہیں شادی کے لیے کنوینس کرنے کی کوشش کر رہے تھے ان محترم نے انیبہ کو غصے میں آکر اتنی زور سے دھکا دیا کہ وہ ٹیبل سے ٹکرائی اور اتنا گہرا زخم لگ گیا اس کے ماتھے پر اب اپنی غلطی تسلیم کرنے کی بجائے مجھ ہی پر جھڑک رہے ہیں۔" اس کا انداز بے حد اشتعال والا تھا لیکن یہ بھی ٹھہر تھا کہ وہ اصل معاملہ گول کر گئی تھی۔

"یا اللہ فیضان تم نے تو حد کردی۔" ثمینہ حق دق رہ گئی تھیں۔

"تو! میں نے جان بوجھ کر اسے چوٹ نہیں پہنچائی۔ وہ دروازے میں کھڑی تھی میں نے اسے سامنے سے ہٹانا چاہا تو وہ لڑکھڑا کر ٹیبل سے ٹکرا گئی۔" فیضان نے فوراً صفائی پیش کی تھوڑا بہت احساس شرمندگی تو ان کے دل میں بھی ابھر رہا تھا۔

"صاف صاف کیوں نہیں کہتے کہ انیبہ جان بوجھ کر ٹیبل سے ٹکرا گئی۔" ماوی نے دل جلانے والے انداز میں کہا۔ دلچسپ بات یہ کہ فیضان جل بھی گئے۔

"تم تو اس معاملے میں بولو ہی نہیں۔" انہوں نے تلملا کر کہا۔

"تمہیں تھوڑا خیال کرنا چاہیے تھا فیضی! ایسا کیا کہہ دیا تھا بچی نے ــــ اور تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا میں انیبہ کو دیکھ ہی آتی۔ اس کی ماں بھی یہاں نہیں ہے اللہ معلوم کس حال میں ہوگی۔" ثمینہ نے کہا۔

"آپ خوامخواہ فکرمند ہو رہی ہیں۔ اتنی بھی کوئی گہری چوٹ نہیں لگی۔" فیضان نے بے زاری سے کہا اور گھور کر ماوی کو دیکھا جو بری طرح پیچ و تاب کھا رہی تھی۔

"لڑکیوں کو تو یوں بھی معمولی معمولی خراشوں پر بری طرح رونا آتا ہے اسے بھی ذرا سی چوٹ لگ گئی ہوگی اور آپ کی اس لاڈلی بیٹی نے چار سے ضرب دے کر سارا قصہ آپ کو سنا دیا۔"

"بچپن سے لے کر اب تک میرے گروجی کی پوسٹ آپ ہی سنبھالے ہوئے ہیں۔ یہ فیلسٹ بھی میں نے آپ سے ہی لیا ہوگا۔" ماوی نے پھر دوبدو کہا۔

"تم نے پھر میری بات میں دخل دیا۔" فیضان نے دانت کچکچائے۔

"آپ غلط بیانی کرنا بند کریں اور اپنی غلطی مان کر انیبہ سے ایکسکیوز کرلیں۔ میں دوبارہ آپ کی بات میں دخل نہیں دوں گی۔" اس نے مقاومت کی راہ نکالی۔

"یہ تو قیامت تک نہیں ہو سکتا۔" فیضان نے فوراً کہا۔ "جب میں نے کوئی غلطی ہی نہیں کی تو معافی کس بات کی مانگوں؟"

"یعنی آپ کے نزدیک کسی کو چوٹ پہنچانا کوئی بڑی بات نہیں ہے؟"

"خدارا! ــــ تم دونوں جھگڑنا بند کرو اور فیضان! ایسا کیا کہہ دیا تھا انیبہ نے کہ تم نے اتنی بڑی طرح ری ایکٹ کیا؟" ثمینہ نے عاجز ہو کر پوچھا۔

"وہ میرے پرسنلز میں دخل دے رہی تھی۔ کیا یہ چھوٹی بات ہے۔" انہوں نے پوچھا۔ اس جملے کے لفظی معنی ثمینہ کے لیے اور لغوی معنی ماوی کے لیے تھے۔

"اوہ واہ ــــ" ماوی کے تاؤ میں اضافہ ہوا۔ "آپ بنا اجازت اس کے لان میں گھسیں۔ پودوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کریں۔ اپنی مرضی کے اضافے کریں تو یہ پرسنلز میں دخل دینا نہیں ہے۔ لیکن وہ کچھ کہہ دے تو آپ کی ذاتیات میں دخل اندازی ہو گئی ــــ سبحان اللہ۔"

"تو! جب یہ نہیں ہوگی۔ میں تب آپ سے بات کروں گا۔ تم سے تو مجھے اب بات ہی نہیں کرنی۔" انہوں نے بوتل تپائی پر پٹخی اور اپنے کمرے میں گھس گئے۔

"مجھے بھی آپ سے بات نہیں کرنی۔ کم سے کم تب تک تو بالکل بھی نہیں جب تک آپ اپنے کان پکڑ کر انیبہ سے معافی نہیں مانگ لیتے۔" وہ دوبدو بند دروازے پر چلائی لیکن جب ایسا کر کے بھی سکون نہیں ملا تو خود ہی بڑبڑانے لگی۔

"بتاؤ ــــ ذرا سی اچھی شکل و صورت کیا دے دی اللہ میاں نے ان کا تو غرور ہی ختم ہونے میں نہیں آرہا ــــ مجھے نہیں پتا تھا ممی! آپ کے بھائی اتنے خوبصورت ہیں۔"

"ماوی! تھوڑا لحاظ کرو۔ عمر اور رشتے دونوں میں بڑا ہے تم سے۔" ثمینہ نے جھڑکا تو وہ ایک منٹ کے لیے خاموش ہو کر اپنے رویے پر غور کرنے لگی پھر بولی۔

"آپ نے انیبہ کا خون بہتے نہیں دیکھا۔ دیکھ لیتیں تو اس سے زیادہ برے طریقے سے پیش آتیں ماما کے ساتھ۔ ان کو تو اتنی توفیق بھی نہیں ہوئی کہ خون بہتا دیکھ کر اسے ڈاکٹر کے پاس ہی لے جائیں۔" اس نے تنفر سے کہا تھا۔

"فیضان اتنی سخت طبیعت کا مالک نہیں ہے۔ بس شادی کا ذکر آتے ہی اس کا دماغ گھوم جاتا ہے۔" چند منٹ کی خاموشی کے بعد ثمینہ نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ انہوں نے اپنا سر دائیں ہاتھ میں گرا لیا تھا۔

"مجھے پتا ہوتا اس لڑکی کا فیضان کی زندگی میں نہ آنا میرے بھائی کی پوری زندگی برباد کردے گا ــــ یہ اس طرح سے زندگی کی خوشیاں خود پر حرام کرے گا تو کچھ بھی کر کے اسی اس کی زندگی میں ضرور لے آئی مگر بھائی کی زندگی برباد نہ ہونے دیتی۔" ان کا انداز خود کلامی کا سا تھا۔ ماوی بری طرح چونک گئی۔

"کیا کہہ رہی ہیں آپ؟ ــــ فیضان ماما کی زندگی میں کبھی کوئی لڑکی آئی تھی کب کی بات ہے یہ؟ مجھے تو پتا ہی نہیں تھا۔" اس کے لیے یہ انکشاف تھا۔

"بہت پرانی بات ہے اس وقت تم بہت چھوٹی تھیں چھوٹا تو فیضان بھی تھا لیکن مصیبت آنے کے لیے عمر نہیں دیکھتی۔" ثمینہ نے دکھی لہجے میں کہا۔

"میرے خدا ــــ کس قدر حیران کن بات بتائی ہے آپ نے ــــ یقیناً شہروز کو اس بات کا علم ہوگا۔ اچھا ممی وہ تھی کون؟ خوب صورت تو ضرور ہوں گی۔ فیضان ماما کی پسند اور ڈنری (عام) نہیں ہو سکتی۔" اس کا اشتیاق قابلِ دید تھا۔

"ایسی ویسی خوب صورت ــــ خوب صورتی تو اس لڑکی پر ختم تھی۔ یہ لمبے بال، بڑی بڑی آنکھیں، رنگت ایسی جیسے چاندنی گھلی ہو، سرو قد، نازک اندام ــــ سچ مادی! اسے دیکھ کر قدرت کی صناعی پر رشک آنے لگتا تھا اتنی مکمل اتنی بہترین کہ کوئی بھی اس کے عشق میں مبتلا ہو جائے ــــ فیضان تو پھر نو عمر نا سمجھ لڑکا تھا۔" ثمینہ جیسے چشمِ تصور سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"اتنی خوب صورت تھیں تو فیضان ماما کی شادی کیوں نہیں کروا دی ان سے؟" مادی کے لبوں پر فوراً سوال آیا۔

"عمر میں بڑی تھی فیضان سے۔" ثمینہ نے گہری سانس بھر کر جواب دیا۔

"یہ کوئی اتنی بڑی بات تو نہیں تھی۔ ایج ڈفرنس تو نظر انداز کیا جا سکتا تھا۔"

"ایک دو سال کی بات ہوتی تو چلو نظر انداز بھی کرتے وہ اچھی خاصی بڑی تھی اس سے پھر حیثیت میں بھی برتر تھی۔ فیضان نے کاروبار شروع نہیں کیا تھا تب تک۔"

"کاش! وہ فیضان ماما کو مل گئی ہوتیں تو یہ آج اتنے کھڑوس نہ ہوتے۔" مادی نے مایوسی سے کہا پھر اشتیاق بھرے لہجے میں پوچھنے لگی۔

"ویسے ممی! وہ تھیں کون؟ ملے کہاں تھے فیضان ماما ان سے؟"

"تمہارے دادا کی حویلی میں ملے تھے۔ تمہاری پھوپھی تھیں وہ۔" ثمینہ نے تحمل سے کہا لیکن اس انکشاف پر مادی کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"میری کوئی پھپھی بھی تھیں؟ ــــ آپ نے پہلے کبھی نہیں بتایا۔"

"سگی پھوپھی نہیں تھیں وہ ــــ سوتیلی تھیں۔" ایک اور انکشاف منہ تو منہ مادی کی تو آنکھیں بھی کھلی رہ گئیں۔

"میری کوئی پھپھی بھی تھیں وہ بھی سوتیلی یعنی دادا جان نے دو شادیاں کی تھیں آپ نے مجھے پہلے کبھی کیوں نہیں بتایا؟"

"پہلے کبھی ایسا موقع ہی نہیں آیا کہ میں بتاتی۔" ثمینہ نے کہا۔

"پھر بھی ــــ آپ کو مجھے بتانا چاہیے تھا۔ میں اپنے ددھیال کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی۔" اس نے پہلی بار گلہ کیا۔

"میں نے تو تمہیں اور بھی بہت کچھ نہیں بتایا کس کس بات کا شکوہ کرو گی۔" ثمینہ نے اٹھ کر کمرے کی طرف چلتے ہوئے کہا تھا۔

مادی یکدم اٹھ کر ان کے سامنے آ گئی۔

"مثلاً کیا؟ ــــ آپ مجھے بتائیں؟ میں جاننا چاہتی ہوں۔" اس نے بے قراری سے کہا تھا۔

"مادی! کچھ باتیں ساری زندگی نہ نہ چلیں تو اچھا ہوتا ہے۔" ثمینہ نے لجاجت سے کہا۔

"مجھے جسٹس میں ڈال کر آپ نہیں جا سکتیں۔ مجھے بتائیں۔" اس نے ضدی لہجے میں کہا تھا۔

"ٹھیک ہے میں تمہیں سب بتاؤں گی لیکن آج نہیں ــــ میں نے سلیپنگ پلز کھائی ہوئی ہے نیند سے بے حال ہوں اس لیے آج رہنے دو لیکن میرا وعدہ ہے کسی روز تمہیں ساری تفصیل بتاؤں گی تمہارے ددھیال کے بارے میں۔" وہ اس کا چہرہ تھپتھپا کر سائیڈ سے لیٹیں پھر دروازے کے پاس پہنچ کر رکیں۔

"اس بارے میں فیضان سے ذکر مت کرنا۔ اسے تکلیف ہوگی۔"

مادی چند لمحے کھڑی الجھن آمیز نظروں سے ممی کے بند دروازے اور فیضان ماما کے دروازے کو دیکھتی رہی۔

"آج کی رات تو انکشافات کی رات لگتی ہے۔ فیضان ماما کی زندگی میں کبھی کوئی لڑکی آئی تھی انکشاف نمبر ایک ــــ انکشاف نمبر دو ــــ وہ لڑکی میری پھپھی بھی تھیں۔ اور تیسرا بھی وہ جو کسی نہیں سوچی تھیں یہ ہوا انکشاف نمبر تین ــــ یا اللہ یہ کس قدر ناقابلِ یقین باتیں ہیں۔" وہ صوفے پر گر کر سوچنے لگی۔

☆ ☆ ☆

بشریٰ نے خالی گھڑا اٹھا کر دستی نلکے کے نیچے رکھا پھر پوری قوت سے نلکا چلا کر گھڑے کو خوب رگڑ رگڑ کر دھویا اور گھڑا پانی سے لبالب بھرنے کے بعد جب اسے اٹھانے کے لیے جھکی تو اسے احساس ہوا گھڑا بے حد وزنی تھا۔ اس کا دل چاہا کسی ملازمہ کو آواز دے کر گھڑا گھڑونچی پر رکھنے کے لیے کہے لیکن ساتھ ہی اسے دین محمد کی تاکید یاد آ گئی اسی یاد کے ساتھ جنت کا مسکراتا ہوا چہرہ بھی دکھائی دیا۔ اسے سخت ناگواری کا احساس ہوا لیکن بے چارہ وہ جھکی اور احتیاط سے گھڑے کو اپنی کمر پر لاد کر سیدھی سیدھی کرا اپنا تنگ زدہ سر گھسیٹتی صحن عبور کر کے گھڑونچی کے قریب جانے لگی گو کہ اس کی حالت ہرگز ایسی نہیں تھی کہ وہ یہ مشقت طلب کام کرپاتی مگر دین محمد کی تاکید تھی سو اسے کرنا ہی تھا۔

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لئے خوبصورت ناول

☆ ستاروں کا آنگن، نسیم سحر قریشی قیمت: 450 روپے
☆ درد کی منزل، رضیہ جمیل قیمت: 500 روپے
☆ اے وقت گواہی دے، راحت جبیں قیمت: 400 روپے
☆ تیرے نام کی شہرت، شازیہ چودھری قیمت: 250 روپے
☆ امر بیل، عمیرہ احمد قیمت: 550 روپے

خوبصورت سرورق
خوبصورت پیکنگ
شائع ہو گئے ہیں
مضبوط جلد
آفسٹ پیپر

منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37۔ اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

اس کی دین محمد سے شادی کو ابھی پورا سال نہیں گزرا تھا لیکن وہ امید سے تھی اور اس کے پہلے حمل کا پہلا مہینہ چل رہا تھا۔ دین محمد اس کی امیدوں سے بڑھ کر محبت کرنے والا شوہر ثابت ہو رہا تھا۔ اس کے ماں بننے کی خبر سن کر دین محمد نے بے حد خوشی کا اظہار کیا تھا اور اس نے بشریٰ کو بتایا تھا کہ زہرہ کے ساتھ رہتے ہوئے وہ مزید اولاد کی خواہش کو دل سے نکال چکا تھا لیکن اب وہ جنت کے بہن بھائیوں کو اپنی گود میں کھلانا چاہتا ہے۔ بشریٰ اس کی باتیں سن کر مسرور ہوئی تھی لیکن جنت کا نام سن کر اسے تھوڑی سی ناگواری ہوئی۔ پتا نہیں دین محمد کی ہر بات جنت سے شروع ہو کر اسی پر کیوں ختم ہو جاتی تھی۔

جب تک اماں یعنی دین محمد کی ماں زندہ رہی اسے ہر معاملے کی اونچ نیچ سمجھاتی رہی وہ اسے جنت کے عناصر سے بھی بچاتی اس وقت تک بشریٰ کو دین محمد کی ماں کے جنت سے متعلق خدشات محض خدشات ہی لگتے وہ اس کی باتوں کے برعکس بے ضرر تھی یہ بشریٰ سے زیادہ بات کرنا پسند نہیں کرتی تھی لیکن کبھی براہ راست اس نے بشریٰ کو تنگ بھی نہیں کیا۔ بشریٰ کو یقین تھا ایک نہ ایک دن وہ اپنی محبت، وفاشعاری اور خدمت گزاری سے دین محمد کو اپنے قابو میں کر لے گی حالانکہ اپنے تئیں وہ اسے کافی قابو کر چکی تھی اور پھر جنت کا عمل دخل اس حویلی میں ختم کروا دے گی اور پھر اس حویلی پر اس کی اپنی اولاد کا راج ہوتا لیکن اس کے خواب پورے ہونے سے قبل ہی دین محمد کی ماں ابدی نیند سو گئی۔

بشریٰ کو اس کے جانے کا دکھ تھا کہ وہ مہربان عورت تھی لیکن اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس ناگہانی موت کو اس کے کھاتے میں ڈالا جائے گا اور بڑھیا کی اچانک موت کو اس کی نحوست قرار دیا جائے گا اگر یہ بات کسی اور کے لبوں سے ادا ہوتی تو یقیناً بشریٰ اس کا منہ نوچ لیتی لیکن یہ کہنے والی کوئی اور نہیں جنت تھی جس نے عین میت کے پاس بیٹھ کر صدمے سے چور آواز میں یہ بات باپ اور برادری والوں کے کانوں میں ڈال دی تھی۔

دین محمد نے اس سے اس بارے میں کچھ نہیں کہا لیکن اس کے بعد دین محمد چھوٹی چھوٹی باتوں پر اسے ڈانٹنے لگا ہر دوسرے تیسرے کوئی نہ کوئی ایسی کوتاہی اس سے سرزد ہو جاتی جس پر دین محمد سے اسے جھڑکیاں ملتیں بشریٰ غریب گھرانے سے آئی تھی لیکن اپنے سے اونچے گھرانے کی عیش و آسائش میں آتے ہی اس نے بہت سے خواب بن لیے تھے دین محمد سے ہر بات پر جھڑکیاں پڑنے پر اس کے خوابوں کے شیشے پر دراڑیں پڑ جاتیں اور اسے جنت پر غصہ آنے لگتا کیونکہ دین محمد سے ڈانٹ ہمیشہ اسے جنت کی لگائی بجھائی کی وجہ سے پڑتی تھی اس کا دل چاہتا جنت کا منہ نوچ ڈالے لیکن چونکہ ایسا نہیں کر سکتی تھی اس لیے خود بھی دین محمد کو جنت کے خلاف بھڑکانے کی کوشش کرتی نتیجتاً منہ کی کھاتی کہ دین محمد جنت کے خلاف کچھ نہ سنتا تھا۔ بشریٰ بری طرح تلملائی۔ حمل ٹھہرتے ہی اس نے بیٹے کے لیے دعائیں مانگنا شروع کر دی تھیں اسے یقین تھا اگر اس کی گود میں بیٹا آ جائے تو جنت کی حیثیت گھٹ سکتی ہے۔

وہ اس وقت بھی گھڑا اپنی کمر پر رکھے یہی سوچ رہی تھی کہ اچانک اس کی ہمت جواب دے گئی اور گھڑا زمین پر گر کر ٹکڑوں میں بدل گیا پانی سے بشریٰ کے کپڑے بھیگ گئے لیکن کپڑوں سے زیادہ فکر اسے دو باتوں کی تھی ایک وزن اٹھانے سے اس کی کمر میں شدید درد ہونے لگا تھا دوسرے جنت کا من پسند گھڑا ٹوٹنے سے گھر میں فساد ہوتا تھا۔ یہ گھڑا عام گھڑوں سے نسبتاً بڑا تھا اور اس پر خوب صورت نقش و نگار بنے ہوئے تھے اور جنت نے فرمائش کر کے کسی دور دراز کے گاؤں سے منگوایا تھا اسی کے کہنے پر دین محمد نے بشریٰ کو تاکید کی تھی کہ گھڑا خود بھر کر لائے تاکہ ملازمائیں اسے نقصان نہ پہنچا دیں۔

گھڑا ٹوٹ چکا تھا جنت اور دین محمد اس پر کیا ردعمل ظاہر کرتے یہ سوچنے کے لیے بشریٰ کے پاس وقت نہیں تھا کیونکہ اس کی کمر میں درد بڑھتا جا رہا تھا اور اپنے کمرے میں آئی اور پلنگ پر لیٹ گئی سیدھے لیٹنے سے کمر کی ہڈی میں ٹیس سی اٹھیں لیکن چند منٹ کے بعد اسے سکون آ گیا۔ اسی طرح لیٹے وہ سو گئی جب دوبارہ آنکھ کھلی تو صحن میں رات اتر آئی تھی اور غیر معمولی خاموشی محسوس ہوتی تھی وہ اٹھ کر باہر آ گئی۔

دین محمد سہارا دے کر جنت کو اس کے کمرے میں لے جا رہا تھا۔ بشریٰ نے دیکھا جنت کی پنڈلی پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور وہ لنگڑا کر چل رہی تھی بشریٰ لپک کر دونوں کے پاس آئی۔

"آئے ہائے۔۔۔ یہ کیا ہو گیا۔" اس نے فکرمندی سے پوچھا۔ جنت خاموش رہی دین محمد نے اسے عجیب سی نظروں سے دیکھا۔

"ہو گئی پوری تیری خیند؟" اس کا لہجہ بھی عجیب سا تھا اگر بشریٰ کا دھیان جنت کی طرف نہ ہوتا تو وہ ضرور محسوس کر لیتی۔

دین محمد نے ملازمہ سے جنت کو کمرے میں لے جانے کا کہا بشریٰ نے اس کے ساتھ اندر جانا چاہا تو دین محمد نے روک دیا۔

"ہائے ہائے۔۔۔ مجھے دیکھنے تو دیں جی۔۔۔ کیا ہوا بچی کو؟" اس نے فکرمندی سے کہا اس کا اتنا کہنے کی دیر تھی دین محمد نے الٹے ہاتھ کا زوردار تھپڑ اسے رسید کیا بشریٰ لہرا کر دالان میں جا گری لیکن ابھی وہ پہلے حملے سے ہی نہ سنبھلی تھی کہ دین محمد نے گالیاں بکتے ہوئے اسے گھونسوں اور لاتوں سے مارنا شروع کر دیا۔ اس پر جیسے جنون سوار تھا کہ بشریٰ کی چیخیں بھی اسے سنائی نہیں دے رہی تھیں۔

"کمینی، بدذات گھڑے سے زخمی کر کے میری بیٹی کو اپنے جیسا اپاہج بنانا چاہتی تھی، وہ ٹھیک کہتی تھی تو جلتی ہے اس سے، حسد کرتی ہے نامراد میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

وہ اسے دیر تک پیٹتا رہا بشریٰ کی معافیوں، التجاؤں نے بھی اس پر کوئی اثر نہیں کیا تھا اس کے سامنے جنت کی مجرم تھی جب وہ اسے مارتے مارتے تھک گیا تو ہانپتا ہوا اسے ادھ موا چھوڑ کر کمرے میں چلا گیا۔ بشریٰ کھلے آسمان تلے تن تنہا پڑی تھی اور کوئی اس کا پرسان حال نہ تھا۔ ملازمین کو اس کے قریب جانے کی اجازت نہ تھی اور مالکان اپنے کمروں میں روپوش ہو چکے تھے۔ تکلیف سے دہرے ہوتے ہوئے مدد کے لیے کسی کو پکارتے ہوئے بشریٰ کو یاد آیا۔

جنت خوب صورت تھی صرف خوب صورت نہیں وہ بے تحاشا خوب صورت تھی۔ گیارہ بارہ سال کی عمر میں اس نے بہترین قد کاٹھ، رنگ روپ نکال لیا تھا اور اسے اپنی خوب صورتی کا احساس بھی بہت تھا۔ تب ہی چند روز پہلے اس نے بشریٰ پر خود سے حسد کا الزام لگایا تھا۔ تب بشریٰ نے سوچا تھا انسان خوب صورت بھلے ہی نہ ہو لیکن فتنہ پرداز بھی نہ ہو۔ وہ اب بھی سوچ رہی تھی۔

لیکن جس وقت کسی کو مدد کے لیے پکارتے وہ تھک گئی اور اذیت کی لہریں اس کے وجود میں دوڑنے لگیں تب ہوش و خرد سے بے گانہ ہوتے وقت اسے یقین آ چکا تھا کہ اس کے وجود میں پنپ رہی نئی زندگی ابدی نیند سو چکی ہے۔ اس کے دل سے بے اختیار جنت کے لیے بددعا نکلی تھی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)



اصنہ ریاض

سات سمندر پار

دین محمد مٹی سے محبت کرنے والا جفاکش مرد ہے۔ دھرتی کو اپنے خونِ جگر سے سونا اُگلنے کے قابل بنانا اس کا پیشہ ہے۔ اس کی پوری زندگی محنت سے عبارت ہے۔ جو وہ اپنے چھ مربعہ زمین پر صرف کرتا ہے۔ شادی کو آٹھ سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ اپنے چھوٹے سے گھر میں وہ بیوی زہرہ، اور ماں کے ساتھ رہتا ہے۔ زہرہ چھ مُردہ بچوں کو جنم دے کر ایک مرتبہ پھر امید سے ہے۔ دین محمد کا رواں رواں اولاد کی خوش خبری پانے کے لیے مجسم دُعا بن چکا ہے۔ اس کی دُعائیں مستجاب ٹھہرتی ہیں اور اس کے یہاں ایک خوبصورت بچی جنم لیتی ہے۔ اسے وہ اپنی جنّت کے نام سے مخاطب کرتا ہے۔

جلال الدین کے روز و شب نوکری کی چکّی میں پستے گزر رہے ہیں۔ اس نوکری کے دوران اسے آرام کرنے کا موقع بھی کم ملتا ہے۔ بہتر مستقبل کا خواب اسے متحرک رکھتا ہے۔ تنہائی میں کسی کی محبت کا جگنو اس کی دُنیا آباد رکھتا ہے۔ ہر دم اُس کی یادیں اسے بے چین رکھتی ہیں۔ دن بھر کا تھکا ہارا وہ آرام کرنے لیٹتا ہے تو پولیس اسٹیشن سے اطلاع ملتی ہے جنّت بی بی حراست میں ہے۔ جس کا دعوا ہے کہ اس نے اپنے شوہر کا قتل کیا ہے۔ جلال الدین اپنے وکیل دوست مسعود کے ساتھ بھاگم بھاگ پولیس اسٹیشن پہنچتا ہے اور ثبوت دکھاتا ہے کہ جنّت بی بی، شیزوفرینہ کی مریض ہے جس کی شادی ابھی ہوئی تک نہیں۔ جنّت کی حالت جلال الدین کو اعصابی تھکن کا شکار کرنے لگتی ہے جسے اس نے نوکروں کے سہارے علیحدہ گھر میں رکھ چھوڑا ہے۔

ثمینہ 14 سال بعد اپنی بیٹی مادیٰ کے ساتھ آئرلینڈ سے پاکستان آئی ہیں تو انہیں توقیر صاحب کے بتائے گئے بنگلے کو تلاشنے میں بہت وقت لگتا ہے۔ وہ فیض کے دوست توقیر صاحب کے توسط سے دانیال کی انیکسی میں ٹھہرتی ہیں۔ ثروت دانیال ملنسار اور مجتبیٰ خاتون ہیں۔ ولی، ولید اور انیبا ان کے بچے ہیں۔ مادیٰ کی پہلی ملاقات میں انیبا سے دوستی ہو جاتی ہے۔



Scan & PDF
FIAZ AHMED
Friends Korner.com

شبیہہ العباس طبیعتاً سخت گیر اور غصہ ور نوجوان تھے۔ جسے صنف نازک کا غیر ضروری ہنسنا بھی ناگوار گزرتا ہے۔ وہ پھپھی زاد تنوی سے منسوب ہے۔ تنوی اس کی تند خو طبیعت سے نالاں ہے۔ شبیہہ، تنوی کو کالج چھوڑتے آتا ہے تو سہیلیاں عبیرہ اور نمرہ، تنوی کے سر ہو جاتی ہیں۔ یہ جان کر کہ شبیہہ، تنوی کا منگیتر ہے۔ وہ اس کی قسمت پر رشک کرتی ہیں۔ تنوی دونوں سے گزارش کرتی ہے کہ عروج کو اس کی بات کا علم نہ ہو۔

شبیہہ بیگم، ثروت دانیال کی اولاد ہے جسے انہیں دانیال حسن سے شادی سے پہلے چھوڑنا پڑا۔ بچپن کی محرومی نے اسے بدمزاج اور غصیلا بنا دیا۔ وہ انیبا اور ولید سے بہت ترشی سے پیش آتا ہے۔ وہ ان سے بحیثیت بہن بھائی قلبی تعلقات محسوس نہیں کرتا۔ انیبا اس کی محرومی دل سے محسوس کرتی ہے۔ انیبا پر بُری نظر ڈالنے پر وہ جے ڈی کے دوست سعدی کو پیٹ ڈالتا ہے۔ صرف جے ڈی اس کی کیفیات سمجھتا ہے۔

بیمار پڑنے پر بیگم دانیال، ثمینہ کی اچھی طرح دیکھ بھال کرتی ہے تو ثمینہ ان کے اخلاق سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتیں۔ انہیں بیگم دانیال کو دیکھ کر لگتا ہے کہ وہ پہلے ان سے مل چکی ہیں۔

بچوں کی لڑائی میں جنت کو چوٹ لگتی ہے تو دین محمد اپنی بہن زبیدہ کے بیٹے فاروق کا ملیہ بگاڑ دیتا ہے۔ ساتھ ہی زبیدہ بہن اور رفیق بھائی سے قطع تعلق کر لیتا ہے۔ زہرہ اس کی جنت سے طوفانی محبت سے خوف زدہ ہے۔ دین محمد، زہرہ کو باور کرواتا ہے کہ وہ جنت کو بیاہ کر دوسرے گھر نہیں بھیجے گا بلکہ اس کے شوہر کو گھر داماد بنائے گا۔

اتفاقاً ماوی کا ٹکراؤ شبیہہ سے ہوتا ہے جس سے ماوی کا پیر زخمی ہو جاتا ہے۔ اپنی غلطی کے باوجود جھنجلاہٹ میں شبیہہ ماوی کو بُری طرح سے ڈانٹتا ہے تو ماوی اس کی طبیعت صاف کر دیتی ہے۔ ثمینہ سے وہ اس واقعے کا ذکر نہیں کرتی۔

ثمینہ کا روڈ ایکسیڈنٹ ہوتا ہے تو جے ڈی عین موقع پر ان کی بہت مدد کرتا ہے۔ ماوی اور فیضان اس پر جے ڈی کے مشکور ہیں، لیکن وہ اپنا پتا دیے بغیر چلا جاتا ہے۔ جس پر ثمینہ کو بہت افسوس ہوتا ہے۔ اتفاقاً ان کی جے ڈی سے دوبارہ ملاقات ہوتی ہے۔ ثمینہ اسے گھر بلاتی ہیں۔ ثمینہ، ثروت کو بتاتی ہیں کہ ان کے شوہر رجب کا بے دردی سے قتل ہوا تھا۔ اور یہ بات ماوی کے علم میں نہیں ہے۔ یہ جان کر انہیں رنج ہوتا ہے۔ شبیہہ کو جے ڈی کا اپنی ماں اور ثمینہ سے گفتگو کرنا پسند نہیں، جس پر وہ جے ڈی کو تنبیہہ بھی کرتا ہے۔

انیبہ دل ہی دل میں فیضان کو چاہتی ہے۔ ثروت کے پہلے شوہر سے نسبت کے باعث دانیال صاحب ثمینہ کی فیملی کو پسند نہیں کرتے۔ ماوی، انیبہ کی دلچسپی بھانپ لیتی ہے اور فیضان ماما سے رائے لینے کی کوشش کرتی ہے تو فیضان اسے جھڑک دیتے ہیں۔ بھائیوں پر بار نہ پڑے اس لیے ثمینہ ماوی کو پاکستان میں مزید پڑھنے کی اجازت دے دیتی ہیں۔

عبیر، نمرہ اور تنوی کو عروش کی غیر اخلاقی اور جرائم پیشہ سرگرمیوں کے متعلق بتاتی ہے تو نمرہ ناراض ہو جاتی ہے۔ عبیر کو اپنی جلد بازی پر افسوس ہوتا ہے۔ وہ عروش کے متعلق ثبوت اکٹھا کرنا چاہتی ہے۔

زہرہ کی اچانک موت کو محض جنت کے کہنے پر دین محمد، بہن زبیدہ کے سر ڈالتا ہے تو سب برادری والے بھی حق دق رہ جاتے ہیں۔ دین محمد کی ماں پڑوسن کے کہنے پر جنت کو پیر صاحب کے پاس لے کر جاتی ہے تو یہ بات جنت بڑھا چڑھا کر دین محمد کو بتاتی ہے۔ وہ ماں کو بہن زبیدہ کے یہاں ہمیشہ کے لیے بھیجنے کا فیصلہ سناتا ہے تو ماں رو، رو کر اسے اس فیصلے سے باز رکھنے کی کوشش کرتی ہے۔ بہت مشکل سے دین محمد راضی ہوپاتا ہے۔ دین محمد کے رویے سے جنت کے اندر پنپنے والی منفی شخصیت قد آور ہو رہی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

۱۳
تیرھویں قسط

"آوٗ فیضان..... کہاں چلے گئے تھے صبح صبح، وہ بھی بغیر بتائے۔ میں تو پریشان ہو گئی تھی۔"

ثمینہ نے فیضان کو کچن میں داخل ہوتا دیکھ کر ہاتھ روک کر پوچھا۔ وہ چھوٹے سے ڈائننگ ٹیبل پر چاپنگ بورڈ رکھے پیاز کاٹ رہی تھیں۔ ماوی شاید ابھی سو کر اٹھی تھی۔ وہ شب خوابی کے لباس میں تھی گھٹنوں تک آتی گلابی قمیص، فیروزی لانگ والا کھلا سا ٹراؤزر وہ ڈائننگ ٹیبل کے قریب کھڑی کارن فلیکس سے بھرے ہوئے پیالے میں دودھ ڈالنے کے لیے ٹیٹرا پیک کھول رہی تھی۔ ناراضی کے اظہار کے طور پر اس نے فیضان کے سلام کا جواب دیا نہ چونک کر انہیں دیکھا، یہ استفسار بھی نہیں کیا کہ صبح صبح کہاں چلے گئے تھے۔

"ضروری کام تھا کچھ..... اسی لیے جلدی چلا گیا تھا۔" فیضان نے فریج کی طرف بڑھتے ہوئے کہا اور فریج کے دروازے سے پانی کی بوتل نکالتے ہوئے پل بھر کو سوچا۔

"ثمینہ آپا! میں نے پرسوں کی سیٹ کنفرم کروالی ہے..... پرسوں دبئی جا رہا ہوں۔" پانی کی بوتل نکال کر اسٹینڈ سے گلاس اٹھاتے ہوئے فیضان نے سنجیدگی سے اطلاع دی۔

ماوی، جو خود کو لاتعلق ظاہر کرنے کا تہیہ کر چکی تھی، بُری طرح چونکی۔ ماوی اور ثمینہ میں خاموش نظروں کا تبادلہ ہوا تھا۔

"بزدلوں کی طرح منہ چھپا کر بھاگ جانے سے آپ wise (دانشمند) ثابت نہیں ہو جائیں گے۔" معاً ماوی نے تڑخ کر لیکن سرد مہری سے کہا۔

فیضان نے کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا اور خاموشی سے کرسی پر بیٹھ کر پانی پینے لگے۔ پانی پی کر انہوں نے بوتل فریج میں رکھی، گلاس ریک میں لگایا اور خاموشی سے دروازے کی طرف بڑھے۔ ماوی جو ان کی خاموشی پر دل ہی دل میں بری طرح پیچ و تاب کھا رہی تھی، یکدم ان کے اور دروازے کے درمیان آ گئی۔

"آپ اس طرح نہیں جا سکتے..... میرے سوال کا جواب دیں۔" اس نے راستہ تقریباً روک لیا تھا۔ فیضان نے اسے خفگی سے گھورا اور گردن گھما کر ثمینہ سے مخاطب ہوئے۔

"ثمینہ آپا! اس سے کہیں، سامنے سے ہٹ جائے..... میں اس سے بات نہیں کرنا چاہتا۔"

"ارے واہ۔" ماوی تنک کر بولی۔ "خفا مجھے ہونا چاہیے..... اور نخرے بھی مجھے ہی دکھائے جا رہے ہیں، سبحان اللہ۔"

"جی نہیں، خفا ہونے کا، نخرے دکھانے کا حق صرف آپ کو ہے۔ میں کیا، میری بساط کیا۔" فیضان نے اس سے زیادہ تنک کر کہا تھا۔

"دس از ناٹ فیئر..... فیضان ماما!" ماوی نے جھنجلاہٹ و بیزاری سے کہا تھا۔

"کیا فیئر ہے اور کیا نہیں، اس کا فیصلہ تم مجھے کرنے دو کیونکہ یہ میری زندگی ہے۔" فیضان نے دانت چبا کر کہا تھا۔

"اور میں آپ کی بھانجی ہوں..... وہ بھانجی جسے آپ دوست بھی کہتے رہے ہیں، بہن بھی کہتے ہیں..... میں چاہتی ہوں آپ کی زندگی میں خوشیاں آئیں فیضان ماما! دشمن نہیں ہوں آپ کی۔" ماوی نے دوبدو کہا۔

"مت کرو میری، میری زندگی اور میری خوشیوں کی پروا۔" فیضان تیزی سے کہتے ایک طرف سے ہو کر باہر نکلنے لگے۔ ماوی کے غصے میں اضافہ ہوا۔ ایک پل میں وہ جیسے کسی نتیجے پر پہنچی تھی۔

"میری پھپھی جان کا جوگ لے کر اپنی زندگی کے اور کتنے سال برباد کریں گے؟" معاً اس نے سرد مہری سے فیضان کے سر پر دھماکہ کیا تھا۔ فیضان بری طرح ٹھٹک گئے۔ انہوں نے گردن موڑ کر بے یقینی سے ماوی کو دیکھا، وہ کہہ رہی تھی۔

Scan & PDF FIAZ AHMED Pakistanipoint.com

"آپ کو تو یہ بھی معلوم نہیں..... وہ زندہ بھی ہیں یا نہیں۔"
فیضان نے پلٹ کر ثمینہ کو خفگی و غصے سے دیکھا۔ وہ خود' سر ہاتھوں میں گرائے بیٹھی تھیں۔ فیضان لمبے لمبے ڈگ بھرتے باہر نکل گئے' پھر ان کے کمرے کا دروازہ زوردار آواز کے ساتھ بند ہونے کی آواز سنائی دی۔
"کیا ضرورت تھی تمہیں فیضان کے سامنے یہ کہنے کی..... اس لیے تمہیں یہ بات بتائی تھی میں نے؟" ثمینہ نے غصے سے کہا تھا۔
"اب آپ بھی مجھے ہی ڈانٹ لیں۔ میں ہی پاگل ہوں جو آپ کے بھائی کی زندگی میں خوشیاں لانے کے لیے اپنا وقت برباد کر رہی ہوں۔" ماوی نے غصے سے کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے کہا اور زور زور سے کارن فلیکس والے پیالے میں چمچ مارنے لگی۔
ثمینہ نے پرسوچ انداز میں اسے دیکھا اور پوچھنے لگیں۔
"ماوی! سچ سچ بتاؤ۔ کیا تم نے ہی انیبا کے دل میں فیضان کا خیال ڈالا ہے؟"
"کم آن ممی!....." ماوی چڑ گئی۔ "فیضان ماما میں کس چیز کی کمی ہے کہ ایک باشعور' خوب صورت لڑکی ان کے متعلق نہ سوچے۔؟ اتنا ہی لڑکیوں سے بیزار ہیں تو ان کو چاہیے عورتوں کی طرح پردہ کر کے گھر میں بیٹھیں..... باہر نکلنا چھوڑ دیں..... بتاؤ..... ہیرو بنے گھوم رہے ہیں اور چاہتے ہیں' کوئی لڑکی ان کی طرف دیکھے بھی نہیں۔"
اس نے سر جھٹکا اور چمچ بھر کر نوالہ منہ میں ڈالا۔ ثمینہ نے چھری چاپنگ بورڈ پر رکھی اور گہری سانس بھر کر واش بیسن کی طرف بڑھیں' تب ہی ماوی کو کچھ خیال آیا۔
"ممی! آپ کے پاس پھپھی جان کا ایڈریس ہے؟"
"چلو..... اب اپنی پھپھی کو ڈھونڈنے نکل پڑو۔" ثمینہ نے ہاتھ دھوتے ہوئے سنگ کر کہا۔ "تمہاری عمر کے تین چار بچے ہوں گے اس کے..... تب اس کی شادی نہیں ہو سکی' فیضان سے..... تو کیا' اب وہ اس کے انتظار میں بیٹھی ہو گی..... احمق!..... تم دونوں تو مجھے پاگل کر کے چھوڑو گے۔"
ثمینہ دوپٹے کے پلو سے ہاتھ پونچھتی کچن سے باہر نکل گئیں۔ ماوی نے ایک اور بڑا سا چمچ منہ میں ڈالا۔ اس کے چہرے پر سوچ کا عکس دکھائی دیتا تھا۔

☆ ☆ ☆

ثمینہ دروازے پر ہلکی سی دستک دے کر اندر داخل ہوئیں۔ فیضان الماری کے قریب کھڑے' گردن موڑ کر دروازے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ بیڈ پر فیضان کا دستی بیگ کھلا پڑا تھا' اردگرد ان کا کچھ سامان بکھرا ہوا تھا۔ غالباً" یہ دبئی روانگی کی تیاری تھی۔
"کب جانا ہے؟" ثمینہ نے گلا کھنکھار کر صاف کرتے ہوئے جھجک آمیز لہجے میں پوچھا۔
"پرسوں..... صبح۔" سرد مہری سے جواب آیا۔
"پیکنگ ہو گئی؟"
"نہیں..... کر رہا ہوں۔" سابقہ انداز۔
"میں مدد کروں؟"
"جتنی آپ کر چکیں' وہی بہت ہے۔" ترشی و سرد مہری سے کہتے ہوئے فیضان نے ہاتھ میں پکڑی قمیص گول مول کر کے دستی بیگ کے کھلے منہ میں ٹھونس دی۔
ماتھے پر بل' آنکھوں میں غصہ۔

"آئی ایم سوری فیضان!" ثمینہ نے شرمندگی سے کہا۔
"بس کریں ثمینہ آپا!" فیضان نے سلگ کر کہا تھا۔ "کیسی محبت ہے آپ کی کہ میرا ایک راز نہیں سنبھال سکیں؟ کم عمر تھا میں' ناسمجھ تھا' کم عقلی میں اگر کوئی بات منہ سے نکل بھی گئی تو اس کا مطلب یہ تھوڑا ہی ہے کہ آپ اسے میری ساری زندگی کے لیے طعنہ بنا دیں۔ میں بھول چکا ہوں جو بات..... آپ بھی اسے بھول کیوں نہیں جاتیں؟"
"خدارا..... فیضان! اتنے بدگمان نہ ہو۔" ثمینہ نے تیزی سے کہا۔
"میں نے ماوی کو یہ بات محض اس لیے بتائی..... کیونکہ میرا خیال تھا وہ تمہارے انٹرسٹ کا سن کر چپ ہو جائے گی..... مجھے کیا پتا تھا' وہ پھر بھی عقل نہیں پکڑے گی۔ بعض اوقات تو ماوی حد کر دیتی ہے۔ پتا نہیں کیا سوچ کر اس نے انیبا کے ذہن میں تمہارا خیال ڈالا۔" ثمینہ نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔ غلط بیانی کرتے ہوئے اتنی نظریں تو سب ہی چرا لیتے ہیں۔
"اس کا مطلب ہے میرا شک صحیح تھا۔ یہ ماوی کا ہی کارنامہ ہے۔" فیضان نے دانت کچکچا کر کہا۔
"میں نے پوچھا تھا ماوی سے' مان تو نہیں رہی' لیکن میرا خیال ہے' ایسا ہی ہے' ویسے فیضان! اس نے جو بھی کیا' تمہاری محبت میں کیا۔" ثمینہ نے تھوڑی سی غلط بیانی کے ساتھ ساتھ بیٹی کو بھی بری الذمہ کروانے کی کوشش کی۔
"کیسی محبت ہے بھانجی صاحبہ کی..... آپ جانتی ہیں' مجھے کتنی شرمندگی محسوس ہو رہی ہے انیبا سے' محض اس لڑکی کی اوٹ پٹانگ باتوں کی وجہ سے وہ بے چاری اتنی سیریس ہو گئی کہ پتا نہیں میرے بارے میں کیا کچھ سوچ چکی ہو گی۔ عجیب مصیبت میں ڈال دیا ماوی نے مجھے' حالانکہ میری کوئی غلطی بھی نہیں ہے' پھر بھی انیبا کا دل توڑنے کا بوجھ میرے ہی کندھوں پر رکھا جائے گا۔" فیضان حد سے زیادہ جھنجلائے ہوئے تھے۔
"فیضی! ویسے انیبا اچھی لڑکی ہے..... اگر تم چاہو....." ثمینہ نے جھجکتے ہوئے کہا۔ فیضان نے فوراً" ناگواری سے ٹوک دیا۔
"پلیز ثمینہ آپا! اب آپ ماوی کی ہاں میں ہاں نہ ملائیں..... انیبا کی اچھائی میں مجھے کوئی شک نہیں ہے' لیکن شادی..... ناممکن' میری اور انیبا کی عمر کا فرق دیکھیں..... کیا اتنے ایج ڈفرنس کے ساتھ ہمارا مینٹل لیول میچ ہو سکے گا؟ امپاسبل۔" فیضان نے دستی بیگ کی زپ بند کرتے ہوئے قطعیت سے کہا۔ گو کہ ثمینہ کو ان کے جملے میں کئی باتیں قابل اعتراض لگی تھیں لیکن یہاں وہ فیضان کی تصحیح کرنے نہیں آئی تھیں' وہ جو کرنے آئی تھیں' انہوں نے وہی کیا۔
"ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی۔ میں بھی یہی سوچ رہی تھی کہ تمہیں کچھ روز کے لیے چلے جانا چاہیے..... سامنے نہیں ہو گے تو انیبا سنبھل جائے گی۔ لڑکیاں بہت حساس ہوتی ہیں' سنبھلنے میں وقت لگتا ہے انہیں..... پھر دانیال حسن تو یہ جان کر کہ میں اور تم ثروت کے ماضی سے واقف ہیں' ہتھے سے اکھڑ گئے تھے۔ بیٹی کا رشتہ تمہیں دینے پر کہاں رضامند ہوں گے' کاش! یہ بات ماوی بھی سمجھ لے..... میرا خیال ہے فیضان! تمہارا یہاں سے چلے جانا ہی ٹھیک رہے گا۔"
ثمینہ نے جملہ مکمل کیا اور آہستگی سے اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئیں۔ دروازہ ایک مدھم آواز کے ساتھ بند ہو گیا۔ فیضان الماری سے اپنا کچھ اور سامان نکالنے لگے' لیکن ماتھے پر تیوریاں ہنوز برقرار تھیں۔

☆ ☆ ☆

جلال جوں ہی سعدی کے کمرے میں داخل ہوا' ایک تکیہ پوری قوت سے اڑتا ہوا آ کر اس کے چہرے سے

Scan & PDF FIAZ AHMED Pakistanipoint.com

زیادہ دیر تم سے ناراض رہ ہی نہیں سکتی۔ وہ تمہاری محبت میں سر تا پا ڈوبی ہوئی ہے۔ مانو تم تو اس کے لیے ایسے ہی ہو جیسے "بلڈی میری" میں ٹمٹر کارس "تمہارے بغیر وہ نہ تو bloody (خوابیدگی والی) رہ سکتی ہے اور نہ ہی merry (مسرور)۔" وہ خاموش ہو گیا۔ احمد نے جان بوجھ کر ایک گلاس سنک کے کنارے سے ٹکرا کر توڑ ڈالا تھا۔ ایلون کے سوالات بند کرنے کا اسے اور کوئی طریقہ نہیں سوجھا تھا۔ بعد میں وہ اپنے رد عمل پر متعجب بھی ہوا۔ اس قدر طیش میں آنے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ شاید وہ اس لیے جھنجلا رہا تھا کہ البا کے نہ آنے سے اسے بار کی اضافی سمینے کا فرض خود نبھانا پڑا تھا۔

دوسری رات اور پھر تیسری رات بھی وہ نہ آئی تو احمد کو تشویش ہوئی۔ اس نے البا کو ٹیلی فون کرنے کا بھی سوچا لیکن پھر ارادہ ملتوی کر دیا۔ شاید وہ کسی مصروفیت میں پھنسی ہو گی یا بیمار ہو اور ممکن تھا وہ اکتا گئی ہو اور مزید اس سے ملنا نہ چاہتی ہو۔ اس آخری توجیہہ کو تسلیم کرنے سے اس کا دل صاف انکار کرتا تھا۔ احمد سے اکتا جانا ایک معمولی شخصیت والی لڑکی کے بس کی بات نہ تھی۔

چوتھی رات جب وہ بار سے واپس آیا تو اپارٹمنٹ کے دروازے کو اندر سے بند پا کر دھک سے رہ گیا۔ رائن گزشتہ دو دن سے شبینہ ارک کیا ہوا تھا۔ وہاں مارٹن آرتھر کی ایک فلم کے کچھ مناظر ٹین ایج کے علاقہ میں آن لوکیشن فلم بند ہوتا تھے۔ اور رائن مارٹن کا اسٹینڈ ان تھا۔ آج دوپہر کو اس نے فون پر احمد کو بتایا تھا کہ وہ ایک ہفتے بعد لوٹنے والا تھا۔ تو پھر اپارٹمنٹ میں کون تھا۔ کچھ دیر تذبذب میں مبتلا رہنے کے بعد اس نے کال بیل بجائی اور تنے ہوئے اعصاب کے ساتھ دروازہ کھلنے کا انتظار کرنے لگا۔ جس نے اطلاعی گھنٹی کا جواب دیا اسے وہاں دیکھنے کی احمد کو ہرگز توقع نہ تھی۔

"البا! تم اندر کیسے داخل ہوئیں؟" اس نے حیرت پر قابو پاتے ہوئے سوال کیا۔

"میں تصور بھی نہیں کر سکتی تھی تم میری کمی کو اتنی شدت سے محسوس کرو گے۔ میں روزانہ ایلون کو فون پر پوچھتی تھی اور اس نے بتایا کہ تم میرے بغیر کتنے اداس ہو۔ وہ کہہ رہا تھا کہ تم بہت چڑچڑے ہو گئے ہو۔ میں بیان نہیں کر سکتی میں کتنی خوش ہوں۔ میں دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی ہوں۔"

"تم نے اپارٹمنٹ کا دروازہ کیسے کھولا؟" احمد نے سوال دہرایا تھا۔ "میں نے ایلون کے ساتھ مل کر تم سے چھوٹا سا مذاق کیا۔ میرا مقصد ہرگز تمہیں دکھ دینا نہیں تھا۔ تم مجھ سے خفا تو نہیں ہو؟"

"تمہارے پاس چابی کہاں سے آئی؟ ہشام کو میں خود دروازہ لاک کر کے گیا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے۔"

"کچھ دنوں پہلے میں تمہارا والٹ دیکھ رہی تھی تو مجھے خیال آیا کہ تمہارے اپارٹمنٹ کی چابی کی ایک نقل بنوا لینی چاہیے۔ بس یونہی کیا خبر کب ضرورت پیش آجائے۔ تمہیں دوبارہ بھی تو ہینگ اوور ہو سکتا ہے اور دیکھ لو اگر میں ایسا نہ کرتی تو میرے اچانک سامنے آنے پر جو خوشی تمہیں ملی ہے۔ اس کی شدت ایسی زیادہ تو کبھی نہ ہوتی۔ اچھا دیکھو میں اس ہیل بار میں زیادہ دیر تو نہیں لگ رہی۔"

تب پہلی بار احمد کو اس لڑکی سے خوف آیا تھا۔

☆ ☆ ☆

شبینہ ناتے ہوئے اس نے رائن کی پکار سنی اور باتھ روم کا دروازہ تھوڑا سا کھولتے ہوئے باہر جھانکا۔

رائن ہاتھ میں ٹیلی فون کا ریسیور پکڑے اسے باہر نکلنے کے لیے کہہ رہا تھا۔

"تمہارے لیے فون ہے۔ شیلی وہ تمہاری ہسپانوی دوست نہیں ہے جس سے تم نے ابھی تک مجھے نہیں ملوایا۔ یہ تو ایڈی بلیک ول ہے۔ بہت ہی غیر معروف اور بناکارہ قسم کا ایجنٹ ہے۔"

میں پچھلے دو منٹ سے اسے سمجھا رہا ہوں کہ میرا دوست کسی غیر اہم کردار سے اپنے کیریئر کا آغاز نہیں کرنا چاہتا ہے اسے جتنا عرصہ بھی انتظار کرنا پڑ جائے لیکن وہ بضد ہے۔"

احمد نے جھاگ میں ملفوف ہاتھ اپنی شرٹ سے

رگڑتے ہوئے رائن کے ہاتھ سے ریسیور جھپٹ لیا تھا۔

ایڈی بلیک ول کوئی بھی رسمی جملہ ادا کرنے کی زحمت گوارا کیے بنا مطلب کی بات پر آگیا۔

"ایک انڈیپنڈنٹ پروڈکشن ہے۔ بجٹ بہت قلیل ہے۔ پروجیکٹ سے جڑے سب ہی لوگ غیر معروف ہیں۔ بالکل تمہاری اور میری طرح۔" "یقیناً" ایڈی نے رائن کی ہرزہ سرائی سن لی تھی۔ "میرا وعدہ ہے کہ آئندہ تمہارے لیے یقیناً" اس سے کچھ بہتر کروں گا۔ تم میں مجھے وہ جنون نظر آتا ہے جو آج کل کے نوجوانوں میں ناپید ہوتا جا رہا ہے۔" احمد دم سادھے سنتا رہا۔

"خوشی کی بات یہ ہے کہ وہ تمہیں ایک part speaking (مکالمے والا کردار) کے لیے بلا رہے ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ میرے آفس میں تم ایکٹر بننے کا ذکر سنتے ہی بھڑک اٹھے تھے۔"

ریسیور پر جمی اس کی نم ہتھیلی اور بھی مرطوب ہو گئی۔ اس کا ذہن اس ایک جملے میں اٹک کر رہ گیا تھا۔ "اور تمہیں ایک کیسینگ پارٹ کے لیے بلا رہے ہیں۔"

☆ ☆ ☆

اسسٹنٹ ڈائریکٹر نے اسے جو سطر پڑھنے کے لیے کہا تھا۔ وہ اطالوی میں تھی۔ ڈوبتے ہوئے دل کے ساتھ اس نے اجنبی الفاظ پر نظریں دوڑائیں اور بے بس سے اسسٹنٹ ڈائریکٹر کو دیکھنے لگا۔

"تمہیں اطالوی پڑھنا نہیں آتی۔" احمد کی خاموشی کو محسوس کر کے اس نے پوچھا تھا۔ وہ اسے کیا بتاتا کہ اس کی اٹالین مقامی ریستورانوں کی فہرستوں میں لکھے اطالوی کھانوں کے ناموں تک ہی محدود تھی۔ اور یہ کہ پڑھنے کے علاوہ اسے اطالوی بولنا بھی نہیں آتی تھی۔ وہ اسسٹنٹ ڈائریکٹر کے ہونٹوں سے برآمد ہونے والے اگلے فقرے کی بہت کرنے لگا۔

"تم نے میرا وقت برباد کیا ہے۔" یا پھر "ایڈی میں پیشہ ورانہ رویے کا فقدان ہے۔ کیا سوچ کر اس نے تمہیں میرے پاس بھیج دیا۔"

وہ کھنچی کھنچی سے آپس میں ملائے پیروں کو اضطراری کیفیت میں جنبش دے رہا تھا۔

"لیڈی نے خاص طور پر تمہارا نام تجویز کیا ہے۔ وہ کہہ رہا تھا کہ تم کسی بھی مردانہ آواز اور لہجے کی ہو بہو نقل اتار سکتے ہو۔"

اس کے پیروں کی حرکت موقوف ہوئی۔

"اس نے درست کہا ہے۔"

"ابھی دیکھ لیتے ہیں۔ میں تمہیں ایک ٹیپ شدہ آواز سنوا رہا ہوں۔ مجھے اس کی نقل کر کے سناؤ اور پھر مجھے طے کرنے دو۔"

"ٹھیک ہے۔"

وہ ایک درمیانی عمر کے مرد کی آواز تھی جس میں کھرکھراہٹ کا خفیف عنصر تھا۔ جوں ہی ان چند جملوں کی گونج تھمی۔ احمد نے آواز و انداز میں کسی حریف کے بنا من و عن انہیں دوہرا دیا۔

اگر سامنے بیٹھا شخص متاثر ہوا بھی تھا تو اس نے اپنے تاثرات سے ظاہر نہیں ہونے دیا۔

"اچھا اب میرے پیچھے اس اطالوی جملے کو دوہراؤ۔ لیکن آواز مورگن کی طرح ہی رکھنا۔" تو آواز کے مالک کا نام مورگن تھا۔

وہ مختصر اور آسان سا فقرہ تھا۔ احمد کو مورگن کے لب و لہجے میں اسے ادا کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئی تھی۔ اسسٹنٹ ڈائریکٹر نے گردن کو خم دیا اور کرسی کی پشت سے ٹیک لگا لی۔ پھر وہ احمد کو اس کا کردار سمجھانے لگا جو ایک قاتل کا تھا۔ وہ مجسم سماعت بن گیا۔

وہ ایک بہت ہی عجیب سا کردار تھا اور اسسٹنٹ ڈائریکٹر نے اس قدر کفایت لفظی سے کام لیا تھا کہ اس کے بارے میں کچھ بھی نہ پڑا۔ احمد نے ایک دفعہ اسے ٹوکتے ہوئے کچھ چیزوں کی وضاحت مانگی اور ایک مشورہ دیا تو وہ آگ بگولہ ہو گیا تھا۔ اس نے اتنی کرختگی سے احمد کو

www.pkdigest.com

ہی خاندان کے افراد لگتے تھے ان کے بعد درمیانی عمر کے دو مرد اور پھر ایک یورپی بوڑھا جو پراُم دھکیلتا ہوا سبک قدموں سے چل رہا تھا۔

جس کی بھی اس پر نظر پڑی' وہ ایک لمحے کو ضرور ٹھٹکا۔ اس کا حلیہ یقیناً" چونکا دینے والا اور بلاشبہ مضحکہ خیز تھا۔ لیکن احمد کو اس بات کی پروا ہی کب تھی۔ اسے کسی نوجوان دوشیزہ کے پارک میں آنے کا انتظار تھا تاکہ وہ ریہرسل کا آغاز کرسکے۔ حیرت انگیز بات ہوئی کہ اس کا انتظار' انتظار ہی رہا۔ گیارہ بجے تک بھی کوئی جوان لڑکی اسے نہیں مل سکی۔

جب وہ اگلے دن دوبارہ پارک میں آنے کا تہیہ کرکے وہاں سے جانے لگا تو اسے ارغوانی پھولوں کے تختے سے خم کھا کر نکلتی روش پر پگ پگ چلتی وہ لڑکی دکھائی دی

اس نے اپنے پلیٹ فارم جوتوں کو پتھریلی روش سے ٹکراتے ہوئے دھمک اٹھانے والی چال اختیار کی اور لڑکی کے نزدیک پہنچ کر اسے پکارا۔

"کارا!"

وہ ایک خوب صورت اور کھوئی ہوئی سی لڑکی تھی جو چہرے مہرے سے جنوبی ایشائی لگتی تھی۔ وہ اس کے بالکل قریب ہوگیا اور ہاتھ میں تھاما کاسنی پھول اس کی طرف بڑھاتے ہوئے گمبھیر لہجے میں بولا۔

mia venuto al parco di domani cara

چند لمحے اسے حیرانی سے دیکھتے رہنے کے بعد لڑکی نے پھول لے لیا تھا۔ احمد کو یقین تھا کہ وہ جملے کے مفہوم سے نا آشنا تھی۔ لیکن یہ اس کا مسئلہ نہیں تھا۔ پھول اسے دینے کے بعد وہ رکے بغیر آرائشی پودوں کی قطار کی جانب قدم اٹھانے لگا تھا۔ پیچھے دیکھے بنا بھی اسے احساس تھا کہ لڑکی اسی مقام پر رک کر اسے جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

پیر کے دن وہ بس کے ذریعے اسی پارک میں آیا اور وہ دن نکلنے کے بعد آیا تھا۔ الہا اس کے ارادے سے باخبر تھی۔ یہ دو بجے اسے واپس لے جانے کے لیے آنے والی تھی۔

اس روز صورت حال گزشتہ دن سے یکسر برعکس تھی۔ دوپہر ہونے تک اس نے کمونو میں موجود پانچوں پھول وہی مخصوص جملہ بولتے ہوئے مختلف لڑکیوں کو دیے تھے۔ ایک پیلے چہرے والی بے زار لڑکی نے اسے گالی بھی دی تھی لیکن اس نے کوئی احتجاج کیے بنا اگلی لڑکی کی تلاش شروع کردی تھی۔

جب وہ اپنی مشق سے مطمئن ہونے کے بعد خاموشی سے کھڑا الہا کی آمد کا انتظار کررہا تھا تو پاکستان سے آئی ہوئی پرنیاں آنرک نے اسے مخاطب کیا۔ وہ اسی سے ملنے پارک میں آئی تھی۔ احمد حیران رہ گیا تھا۔ اسے بالکل یاد نہیں تھا کہ ماضی میں ان کی ملاقات ہوچکی ہے۔ پھر پرنیاں کی باتوں سے اسے معلوم ہوا کہ گزشتہ دن جس لڑکی کو اس نے gloxinia کا پھول تھمایا تھا' وہ پرنیاں ہی تھی۔ اسے یہ اتفاق خوب لگا تھا۔ پیڑوں کے سبز سائے میں نرم گھاس پر بیٹھ کر اس نے پرنیاں کے ساتھ بہت ساری باتیں کی تھیں۔

احمد نے کئی حسین لڑکیاں دیکھ رکھی تھیں مگر پرنیاں میں کوئی ایسی خاصیت تھی جو ان سب لڑکیوں میں نہ تھا۔ وہ ماہی دانت سے ترشے ہوئے بت کی طرح بے داغ اور دلکش تھی۔ اس کی آنکھوں کی پتلیاں گل گندم کی پتیوں کے رنگ کی تھیں۔ جب آنکھوں کی سطح پر تیرتی نمی دھوپ کے عکس سے چمکتی تو گمان ہوتا گویا نیلگوں سنگریزے اتھلے پانی میں ڈوبے ہوں۔ ہنسنے کی خاطر مرطوب ہونٹوں کو کھولتی تو نارنگی کی پھانک سا دہانہ وا ہوجاتا۔ ماتھا چند رماں' ابرو محراب دار' گردن راج ہنسی سی' ہاتھ کنول بدنی' ہر ادا کے سنگ وہ نیا سروپ بھرتی' کسی دم برفانی صبح ایسی سپید' کبھی شفق آشام کے شگوفوں جیسی تو کبھی پگھلا ہوا سونا۔ احمد نے کسی ایک جسم کو اتنے رنگ بدلتے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ لیکن خوبروئی کے ساتھ جو تفاخر ملزوم ہوتا ہے وہ پرنیاں میں ناپید تھا۔ وہ جیسے اپنے حسن سے کلی طور پر بے خبر تھی۔

(باقی آئندہ)



تھے اب اگر پولیس نے اسے چھوڑ بھی دیا تو کالج میں اسے آنے نہیں دیا جائے گا۔"

"چلو خس کم جہاں پاک..... میں تو کئی دن سے یہی سوچ سوچ کر پریشان ہوتی رہی ہوں کہ اگر مس سلطانہ نے دوبارہ بلوالیا تو کیا ہوگا۔"

تنوی نے سکون کا سانس لیتے ہوئے کہا۔ عبیر نے اس بات پر منہ کے زاویے بگاڑے' البتہ بولی کچھ نہیں۔

وہ دونوں چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی کلاس روم کی طرف چل دیں۔

"نمرہ کا کیا ری ایکشن ہے؟" تنوی نے کچھ خیال آنے پر پوچھا۔

"پتا نہیں' میں تو ابھی تک اس سے ملی نہیں ہوں۔ مجھ سے تو خیر اب وہ ملتی بھی نہیں ہے' جہاں دیکھتی ہے' منہ پھیر لیتی ہے۔ زینت بتا رہی تھی' کالج تو آئی ہوئی ہے لیکن اداس لگ رہی ہے۔ سب لڑکیاں نمرہ کا مذاق اڑا رہی ہیں..... کسی کا کیا قصور؟ نمرہ نے خود ہی عروش کے پیچھے خود کو لطیفہ بنا رکھا ہے۔ احمق نہ ہو تو۔" عبیر نے تلخی سے کہا پھر موضوع بدل کر پوچھنے لگی۔

"تم شبیہہ کے ساتھ آئی ہو؟"

"نہیں' بڑے بھیا آئے تھے چھوڑنے' شبیہہ بھائی تو کل ہی واپس لاہور چلے گئے تھے۔" اس نے سادگی سے جواب دیا۔

تب ہی کاریڈور کے کونے پر ان کی مڈبھیڑ نمرہ سے ہوگئی۔

وہ غمگین لگ رہی تھی۔

"ہوگئی تم دونوں کی تسلی؟ عروش کو کالج سے نکلوا کر سکون آگیا؟" اس نے سلگتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"عروش کے کالج سے نکالے جانے کی خبر سن کر کافی سکون آیا ہے اور دل کو تسلی بھی بہت ہوئی۔" عبیر نے حسب عادت اینٹ کا جواب پتھر سے دیا۔ دل سے چاہے نمرہ کے لیے جتنی بھی فکرمند ہو لیکن خود پر حملہ کبھی برداشت نہیں کرتی تھی۔

"گواہی بھی تو تم دونوں نے ہی دی تھی۔" نمرہ نے سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ جواب دیا۔

"یہ لو..... ہمیں اور کوئی کام نہیں ہے جو گواہیاں دیتے پھریں۔ عروش کے خلاف اس کی اپنی حرکتیں ہی کافی تھیں..... لیکن ایک بات طے ہے کہ مجھے گواہی کے لیے بلوایا جاتا تو میں ضرور ٹیچر کو بتاتی۔ شکر کرو انہوں نے مجھے نہیں' تنوی کو بلوایا تھا۔" اس نے کف افسوس ملتے ہوئے کہا۔

نمرہ نے بری طرح دونوں کو گھورا۔

"نمرہ! ہماری بات تو سنو۔" تنوی نے دوستانہ انداز میں کہا۔

"کیوں سنوں میں تمہاری بات' کون سی بھلائی کی ہے تم نے میرے ساتھ؟" نمرہ تڑخ کر بولی۔

"تمہارے ساتھ ہی تو بھلائی کی ہے احمق لڑکی!" عبیر بری طرح سلگی۔

"بالفرض ہم عروش کے خلاف کچھ کہتے بھی تو اس کے ساتھ برائی کرتے' تم اس سارے چکر میں کہاں سے آگئیں؟"

"عروش میری دوست ہے اور دوست کا دشمن' اپنا دشمن ہوتا ہے۔ تم دیکھنا! اب میں کیا کرتی ہوں۔" نمرہ نے خونخوار لہجے میں دھمکایا اور واپس پلٹ گئی۔

"واہ کیا ڈانیلاگ ہے؟ خوف سے تو میری ٹانگیں بھی کانپ رہی ہیں۔" عبیر نے استہزائیہ ہنسی کے ساتھ پھبتی کسی لیکن نمرہ نے پلٹ کر نہ دیکھا۔

"اب یہ کیا کرے گی؟" تنوی نے بیزاری سے کہا۔

"پرانی فلموں کی دکھیاری ماں کی طرح کپڑے سلائی کر کر کے عروش کی ضمانت کے لیے روپے جمع کرے گی۔" عبیر نے غیر سنجیدگی سے کہا۔ تنوی نے اسے بری طرح گھورا۔

"کبھی سنجیدہ بھی ہو جایا کرو۔"

"لو ہوگئی..... چلو کلاس روم میں چلتے ہیں۔ نمرہ کو اس کے حال پر چھوڑ دو' جب انسان خود اپنے ساتھ ہی مخلص نہ ہو تو کسی دوسرے سے کیا توقع کی جاسکتی ہے۔"

پھر انہوں نے واقعی نمرہ کو اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ کچھ دن تک عروش کا قصہ زبان زد خاص و عام رہا' پھر اس معاملے پر گرد پڑ گئی۔ نمرہ کی مسلسل غیر حاضری پر اسے کالج سے stuck off (خارج) کر دیا گیا اور یوں اس کالج کی تاریخ سے زیادہ ان سہیلیوں کی زندگی میں راوی چین ہی چین لکھنے لگا۔

☆ ☆ ☆

"فیضان ماما دبئی جا رہے ہیں۔"

مادی نے جس وقت کمرے میں داخل ہوتے ہوئے یہ بریکنگ نیوز سنائی' انیبا اسٹڈی ٹیبل پر ایک کتاب کھولے پڑھنے کی کوشش میں مصروف تھی' بے ساختہ چونکی اور گردن موڑ کر مادی کو دیکھا۔

"کیا؟ کیا کہا تم نے؟"

"فیضان ماما دبئی جا رہے ہیں۔" مادی نے گہری سانس بھرتے ہوئے دوہرایا۔

"اچھا....." انیبا نے لاتعلق نظر آنے کی کوشش کرتے ہوئے نظریں واپس کتاب کے صفحے پر چپکا دیں۔

"صرف اچھا..... کچھ اور نہیں کہو گی؟" مادی نے پوچھا۔

"کیا کہوں؟" انیبا نے سادگی بھرے لہجے میں کہا۔

مادی چند لمحے اسے دیکھتی رہی پھر اس نے بے بسی سے انیبا کے کندھوں پر ہاتھ رکھ دیے۔

"انہیں روک لو انو! تم انہیں روک سکتی ہو۔" اس کا لہجہ التجائیہ تھا۔ انیبا نے بدک کر اس کے ہاتھ اپنے کندھوں سے ہٹا دیے اور اپنی جگہ سے کھڑے ہوتے ہوئے تُنی سے بولی۔

"پاگل ہوگئی ہو؟ میں انہیں کیسے روک سکتی ہوں؟"

"اپنی محبت سے۔" مادی نے اطمینان سے کہا۔ انیبا کے لبوں پر استہزائیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"کون سی محبت؟ وہی محبت جس کا اظہار اپنی زبان پر لانے ہی مجھے تمہارے ماموں کی طرف سے اتنا بہترین تحفہ ملا کہ دو دن بعد بھی زخم سے ٹیسیں اٹھ رہی ہیں۔" اس کا لہجہ حد درجہ طنزیہ تھا لیکن کہیں دکھ بھی موجود تھا' جو چپکے چپکے اس کے لہجے سے جھانکتا تھا۔

"نہیں' وہ محبت جس کا ذکر آتے ہی تمہارا چہرہ روشن ہو جاتا ہے' آنکھوں میں چمک آجاتی ہے۔ تب یہ انیبا زیادہ اچھی لگتی ہے بہ نسبت....."

"اس انیبا کے جو ایک بار ٹھوکر کھا کر محبت کو اپنی زندگی سے ختم کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔"

انیبا نے ہاتھ میں پکڑی کتاب میز پر اچھال دی۔

"ایک بار کی ٹھوکر ہی کافی ہے۔ میں بار بار اس محبت کے پیچھے اپنی توہین نہیں کروا سکتی۔" اس نے نظریں چراتے ہوئے قطعیت سے کہا تھا۔

"سوچ لو..... وہ چلے گئے تو پچھتاؤ گی۔" مادی نے اسے ڈرانا چاہا۔

"میں تو پہلے ہی پچھتا رہی ہوں۔" انیبا نے زہر خندی سے کہا۔ "معمولی سی پسندیدگی تھی' جیسے ہم کسی ایکٹر کو

Scan & PDF FIAZ AHMED Friends Korner.com

پسند کر لیتے ہیں۔ میں خوامخواہ اس پسندیدگی میں محبت تلاش کرنے لگی۔ مجھے تو ٹام کروز بھی پسند ہے۔ Hugh Jackman کی بھی فین ہوں۔ کیا ان سب سے شادی کرنے کے متعلق سوچنے لگوں؟ پتا نہیں وہ حماقت بھرے جملے میرے منہ سے کیسے نکل گئے۔" اس نے بے حد تاسف سے کہا۔

مادی نے کچھ کہنا چاہا مگر رک گئی' پھر قدرے توقف سے بولی۔

"میں چلتی ہوں۔"

"پلیز مادی! خفا ہو کر مت جاؤ۔" انیبا نے تیزی سے کہا۔

"میں تمہارے جذبات کی قدر کرتی ہوں لیکن' لیکن اپنی مزید توہین نہیں کروا سکتی۔"

"میں خفا ہو کر نہیں جا رہی۔ اپنے پوائنٹ آف ویو میں تم بھی غلط نہیں ہو مگر مجھے افسوس ضرور ہو رہا ہے۔ میں نے بڑے خلوص سے تمہارے اور فیضان ماما کے لیے کوشش کی تھی اور میں ابھی بھی جانتی ہوں تم دونوں ایک بہترین زندگی گزار سکتے ہو۔"

"تم اتنے وثوق سے کیسے کہہ سکتی ہو؟"

"محبت کی بنیاد پر قائم ہونے والے رشتے بہت مضبوط ہوتے ہیں۔"

"محبت... نہیں' اسے محبت مت کہو... وقتی کشش تھی' جسے میں محبت سمجھی۔" اس نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

"تمہیں شاید پتا نہیں انیبا! نظریں چرا کر سچ بھی بولا جائے تو جھوٹ لگتا ہے۔" مادی نے کہا۔

"مطلب؟"

"گزرتا وقت' تمہیں اس کا مطلب خود سمجھا دے گا۔" پھر اس نے آگے بڑھ کر پیار سے انیبا کے گال تھپتھپائے۔ "تم بہت اچھی ہو انیبا' کاش! فیضان ماما کے دل سے اس عورت کا عکس اتر گیا ہوتا۔"

"کون... کس کی بات کر رہی ہو؟" انیبا نے بری طرح چونک کر پوچھا۔

"تھیں کوئی... مجھے بھی کل ہی پتا چلا' فیضان ماما پسند کرتے تھے انہیں مگر..."

"مگر؟" انیبا کا رواں رواں سماعت میں ڈھل گیا۔

"مگر عمر میں بڑی تھیں وہ' اس لیے شادی نہیں ہو سکی فیضان ماما کی ان سے۔"

"اوہ..." انیبا کے دل کو ٹھیس سی لگی مگر کٹھور بن کر مسکراتی رہی۔

"مجھے یقین ہے' فیضان ماما کے دل پر کسی اور کا سایہ نہ ہوتا تو تم محبت کرنے کے لیے بہترین تھیں۔" مادی نے کہا۔

"چھوڑو بھی ان فضول کی باتوں کو... میں شازیہ سے کہتی ہوں چائے لے کر آئے۔"

"نہیں' دل نہیں چاہ رہا۔ پھر سہی' آج میرا دل بہت بوجھل ہو رہا ہے۔" مادی نے بیزاری سے کہا اور سچ بھی تھا' اس کا مخصوص شوخ چلبلا پن آج مفقود تھا۔ انیبا کے اپنے دل کی حالت بھی کچھ ایسی ہی تھی' تب ہی زیادہ اصرار بھی نہ کر سکی۔ مادی واپس چلی گئی۔

☼ ☼ ☼

شبیہہ دیکھ رہا تھا' جلال پچھلے بیس منٹ سے مسلسل گنگنا رہا ہے۔ کبھی سڑک کی طرف کھلنے والی کھڑکی کے پاس جا کر کھڑا ہو جاتا تو کبھی شیشے کے آگے کھڑا ہو کر بال بنانے لگتا۔ بلاوجہ مسکرا رہا تھا۔

"کیا بات ہے۔ بہت خوش لگ رہے ہو؟" بالآخر شبیہہ نے پوچھ ہی لیا۔ جلال نے بے ساختہ شیشے میں اپنے

عکس کے عقب میں بیڈ کی طرف دیکھا' جہاں شبیہہ ایک ہاتھ سر کے نیچے رکھے نیم دراز تھا اور اس کی نظریں ٹی وی اسکرین پر لگی تھیں۔

"نہیں' کوئی خاص بات نہیں' بس یونہی۔" جلال نے برش کرتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"چلو چلو... جیسے میں تو تمہیں جانتا ہی نہیں ہوں۔" شبیہہ نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا۔

"ضرور' بہت دن سے کسی دوست نے تمہیں دھوکا نہیں دیا ہوگا۔ پیسے' یا نوٹس یا کوئی اسائنمنٹ ہتھیانے کے لیے' تب ہی اتنا خوش ہو رہے ہو۔" شبیہہ نے اندازہ لگایا۔ جلال کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"اب کوئی مجھے بے وقوف نہیں بنا سکتا۔"

"کیوں؟ اب تم نے لوگوں کی باتوں پر اعتبار کرنا چھوڑ دیا ہے' یا تمہارے ہاتھ سلیمانی ٹوپی آ گئی ہے' جسے پہن کر تم لوگوں کی نظروں سے غائب رہتے ہو؟ کوئی تمہیں دیکھے اور بدھو نہ بنائے... یہ تو ناممکن ہی ہے۔" شبیہہ نے حسب عادت صاف گوئی سے کہا۔ جلال نے گھورا۔

"میں اب محتاط ہو گیا ہوں' کسی کی بات پر بنا تصدیق یقین نہیں کرتا۔"

"اچھا... کتنی مدت کے لیے؟"

"مطلب؟" جلال نے گھور کر پوچھا۔

"مطلب یہ کہ کتنے عرصے کے لیے یہ لائحہ عمل تیار کیا ہے؟ مجھے یقین ہے چند مہینے تو کیا' چند دن بعد ہی تم مجھے لڑکیوں کی طرح بسورتے ہوئے ملو گے کہ فلاں نے بے وقوف بنا دیا' فلاں نے اس طرح نوٹس نکلوا لیے۔"

شبیہہ نے دل جلانے والی مسکراہٹ کے ساتھ کہا لیکن جلال برا ماننے کے بجائے ہنس دیا۔

"نہیں اب ایسا کبھی نہیں ہوگا۔" اس نے پرعزم لہجے میں کہا تھا۔

"حویلی میں سب کیسے ہیں؟" جلال نے موضوع گفتگو جان بوجھ کر بدل دیا۔

"ٹھیک ہیں... چچی تمہیں بہت یاد کر رہی تھیں۔ کہہ رہی تھیں بہت دن ہوئے جلال نے حویلی کا چکر نہیں لگایا۔" شبیہہ نے کہا۔

"ہاں... میں اس ویک اینڈ پر حویلی جانے کا سوچ رہا ہوں۔" جلال ایک بار پھر کھڑکی کے پاس جا کر کا اور باہر جھانکنے لگا۔ موسم صبح سے ابر آلود تھا۔ آسمان پر سیاہ' بھورے' سفید بادل دوڑے چلے آتے تھے۔ ٹھنڈی ہوا تیز تیز چلتی' اب بارش بھی شروع ہو گئی تھی۔

ایسا موسم' آج سے قبل جلال کو کبھی اتنا اچھا نہیں لگا تھا۔ ہوا کے زور سے اپنے چہرے سے ٹکراتی بوندوں کو محسوس کرتے ہوئے جلال نے اک سرخوشی کے عالم میں سوچا تھا۔

"تنزی کیسی ہیں؟" جلال نے پوچھا۔

"کون؟" شبیہہ سن نہیں سکا تھا۔

"تمہاری ہونے والی نصف بہتر کا پوچھ رہا ہوں؟" جلال نے اس کی طرف پلٹتے ہوئے خوش دلی سے پوچھا۔

"یار! وہ تو عجیب احمق لڑکی ہے۔" شبیہہ نے گہری سانس بھر کر کہا۔ جلال ہنس دیا۔

"اب کیا کر دیا بے چاری نے؟"

"میں نے ناخن کاٹنے کے لیے کہہ دیا تو رونے لگی کہ مجھے لمبے ناخن پسند ہیں... بتاؤ' اس سے زیادہ احمقانہ بات کوئی ہو سکتی ہے جس پر رویا جائے۔" شبیہہ نے جھنجلاتے ہوئے کہا۔ جلال ہنس ہنس کر دوہرا ہو گیا۔

"خوب گزرے گی جب مل بیٹھیں گے دیوانے دو۔"

"مجھے تو خود پر ابھی سے رحم آ رہا ہے۔ عجیب پاگل لڑکی ہے۔ عقل نام کو بھی نہیں' نان سینس۔"

Scan & PDF FIAZ AHMED Friends Korner.com

"اتنی بھی پاگل نہیں ہے' اچھی خاصی عقل ہے اس میں۔۔۔ بس تم سے ڈرتی ہے' قصور اس کا نہیں تمہارا ہے' کبھی پیار سے بات کی ہوتو اسے پتا چلے کہ تمہارے پاس بھی دل ہے۔"

"مجھے کیا ضرورت ہے اسے بتانے کی۔" شبیہہ نے چڑ کر کہا۔ "اور پیار سے کیسے بات کی جاتی ہے؟ میں پیار سے بات نہیں کرتا؟ مجھے تو ایسے ہی بات کرنا آتی ہے۔"

"ایسے۔۔۔ پتھر مارنے والے انداز میں؟" جلال نے چڑانے والے انداز میں کہا اور شبیہہ چڑ بھی گیا۔

"ہاں۔۔۔ ایسے ہی۔"

"تم نہیں سدھر سکتے۔" جلال نے ہار مانتے ہوئے کہا۔

"موسم بڑا خوشگوار ہے۔ واک کے لیے چلتے ہیں۔"

"ہرگز نہیں۔۔۔ مجھے کوئی شوق نہیں' اس گندے موسم میں باہر نکلنے کا۔"

"یار شبیہہ! بے چاری تنوی کی تو سچ مچ قسمت پھوٹ گئی۔ تیرے اندر تو کوئی لطیف حس ہے ہی نہیں۔" جلال نے بیزاری سے کہا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

☆ ☆ ☆

ماوی نے دروازہ کھول کر باہر جھانکا۔

موسم خوش گوار تھا۔ کچھ دیر پہلے خوب بارش برسی تھی۔ اب کن من باقی تھی۔ دھوپ ندارد۔ آسمان پر بادلوں کے غول اترے ہوئے تھے۔ ہوا سرمست تھی۔ ماوی نے چند لمحے سوچا پھر لکڑی کے چھوٹے سے خوب صورت پھاٹک کو دھکیل کر باہر نکل آئی۔

سڑک سیدھی اور بارش کی روانی سے نم تھی۔ بنگلوں کے باہر لٹکتی بیلوں کے پتے بھیگ کر گہرے ہرے معلوم ہو رہے تھے اور ان پر سیاہ پروں والی ننھی منی چڑیاں پھدک رہی تھیں۔

وہ یونہی بے سبب چہل قدمی کرتی آگے نکل آئی۔ ذہن مستقل فیضان ماما اور انیبا کی طرف لگا ہوا تھا۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا فیضان ماما کو کس طرح ان کے ارادے سے باز رکھے۔ انیبا بلاشبہ ایک بہترین لڑکی تھی۔ ماما کی زندگی میں خوشیاں لانے کا سبب بنتی اور فیضان ماما تھے کہ گھر آئی نعمت کو ٹھکرا رہے تھے۔ یہ کس قدر کم عقلی کا فیصلہ تھا مگر کوئی انہیں کیسے سمجھاتا۔

ایسے ہی چلتے اور اس کن من میں بھیگتے ہوئے اسے ایک بنگلے کے باہر بڑے خوب صورت سفید اور زرد رنگ کے پھول لگے دکھائی دیے۔ ماوی کے قدم بے ساختہ رک گئے۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا' چوکیدار تو دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ ماوی نے ذرا سا آگے ہو کر پھول توڑنا چاہے' لیکن دیوار سے لپٹی بیل کو کہ نیچے جھک آئی تھی مگر پھول اوپری شاخ پر تھے۔ بڑی تگ و دو کے بعد بھی اس کا ہاتھ پھولوں کے گچھے تک نہ پہنچ سکا۔ تب وہ مایوس ہو کر پلٹنے لگی لیکن پلٹتے ہی بری طرح سٹپٹائی۔ اس سے چند قدم کے فاصلے پر جلال کھڑا تھا اور بے حد دلچسپی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ماوی کے چہرے پر خفت کے رنگ تھے لیکن اگلے ہی لمحے وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

"شکر ہے یہ تم ہو۔۔۔ میں سمجھی میں پھول چوری کرنے کی کوشش کرتے ہوئے پکڑی گئی ہوں اور اب پٹائی ہوگی۔" اس کے انداز میں شرمساری بھی تھی' شرارت بھی۔

"ویسے پھول اچھے ہیں ناں؟"

اب وہ سر اٹھا کر اوپری شاخوں پر موجود پھولوں کو حسرت بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی اور جلال جواب خاک دیتا' وہ کچھ بولنے کی خواہش کے باوجود بس چپ چاپ اپنی چمکتی ہوئی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ماوی کی

پونی ٹیل سے نکل کر کچھ لٹیں تیز ہوا کے ساتھ اس کی گردن سے لپٹ رہی تھیں۔ بارش کی باریک بوندیں اس کے بالوں اور پلکوں پر ٹھہری ہوئی تھیں۔ حسب معمول وہ جینز پر کرتا پہنے ہوئے تھی۔ اس کا کرتا گہرے نیلے رنگ کا تھا یا سیاہ رنگ کا' جلال فیصلہ نہ کر سکا۔ وہ صرف اتنا جانتا تھا یہ رنگ جو وہ زیب تن کیے ہوئے تھی' دنیا کا سب سے خوب صورت رنگ تھا۔

محبت کسی انکشاف کی طرح جلال کے دل پر وارد ہوئی تھی اور اس کا دل اسے جیسے ہواؤں میں اڑائے پھر رہا تھا۔ اس کی نظریں ماوی کے چہرے سے ہٹتی ہی نہ تھیں۔ خوشی و انبساط کا کوئی منفرد سا احساس تھا' جو اس کے سارے وجود کو اپنے حصار میں لیے ہوئے تھا۔

معاً جلال کی نظریں ٹھٹک گئیں۔ ماوی کی اٹھی ہوئی گردن پر ہنسلی کی ہڈی سے ذرا اوپر ایک گہرا سیاہ تل تھا۔ جلال کے دل میں آن کی آن ایک خیال نے جنم لیا۔ اس سے قبل کہ وہ اس خیال سے ہڑبڑا کر اپنی نظروں کا زاویہ بدلتا' ماوی نے اس کی طویل خاموشی پر گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

جلال کی نظروں میں کچھ ایسا تھا جس نے لحظہ بھر کے لیے ماوی کو چونکا دیا۔

"کیا بات ہے؟ ایسے کیوں دیکھ رہے ہو؟" اس کی پیشانی پر ایک الجھن آمیز سلوٹ بیدار ہو چکی تھی۔

"نن۔۔۔ نہیں' کچھ نہیں' بس یونہی۔" اس نے جلدی سے کہا۔

"پھر اتنی دیر سے خاموش کھڑے میری شکل کیوں دیکھ رہے ہو؟ اتنا لمبا قد ہے تمہارا' کیا فائدہ ایسے قد کا؟ یہ نہیں کہ دو چار پھول ہی توڑ دو۔ پتا ہے میں تمہارے جتنی لمبی ہوتی تو سب کو پھول توڑ کر دیتی۔"

آخر میں رازداری سے بتایا گیا۔ جلال کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور یہ پہلی بار تھا کہ ماوی کی کسی بات پر سٹپٹانے کے بجائے وہ مسکرا رہا تھا۔ "بھئی جب ساری زندگی ساتھ ہی بتانا تھی تو کتنی دیر تک سٹپٹایا جا سکتا ہے۔" وہ سوچ رہا تھا۔

اگلا ایک بھی پل ضائع کیے بنا وہ آگے بڑھا اور سب سے اوپری شاخ پر لٹک رہے پھولوں کے گچھوں میں سے دو پھول توڑ کر ماوی کو پکڑا دیے۔

"تھینک یو۔" ماوی نے خوش ہو کر پھولوں کو دیکھا' انہیں ناک کے پاس لے جا کر سونگھا۔ مدھم سی خوشبو بڑی دلفریب تھی پھر اس کی طرف دیکھ کر اپنے مخصوص بے تکلف انداز میں پوچھنے لگی۔

"تم اکیلے اکیلے گھوم رہے ہو؟ دوبار' تمہارا اسٹریل بھائی بھی دکھائی نہیں دیا۔"

"وہ آرام کر رہا ہے' اسے بارش سے چڑ ہے۔" جلال نے سنجیدگی و سادگی سے بتایا۔ اسے اب ماوی کی کوئی بات بری نہ لگ رہی تھی۔

"اور تمہیں؟"

"مجھے تو بارش بہت پسند ہے۔"

"مجھے بھی۔" وہ چہکی۔ "آؤ' ذرا وہاں تک واک کرتے ہیں۔ میں نے ممی سے کہا تھا میرے ساتھ آئیں لیکن تمہارے بھائی کی طرح انہیں بھی بارش پسند نہیں ہے۔" اس نے ناک چڑھا کر کہا۔

"آپ کو پھول پسند ہیں؟" جلال نے اسے پھولوں کو سونگھتے دیکھ کر مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں۔" ماوی نے چہرے پر جھولتی لٹ کو کان کے پیچھے اڑسا۔

"اور بارش؟" جلال نے مزید پوچھا۔

"ارے بارش تو بہت ہی پسند ہے۔" ماوی نے کھلکھلا کر کہا۔

"اور کیا کیا پسند ہے؟" جلال کا بس نہ چلتا تھا' آج کسی طرح اس بہتے ہوئے وقت کو روک لے۔ ان قیمتی لمحوں

Scan & PDF IJAZ AHMED Friends Korner.com

کو کہیں جانے نہ دے۔

"مجھے؟" ماوی نے لحظہ بھر کے لیے سوچا پھر جو بولنا شروع ہوئی تو بات کے درمیان سانس لینا بھی بھول گئی۔ پیڑ پودے، پھول، تتلیاں، آسمان، زمین، چاند، ستارے، سورج، سیارے، پہاڑ، کھائیاں، گھاٹیاں، انسان، جانور... کون سی چیز تھی، جو اس نے اپنی پسندیدگی کی فہرست میں شامل نہ کی ہو۔

جلال نے اس کا ہر ہر لفظ اپنے دل پر تحریر کیا۔

"کچھ ایسا بھی ہے، جو آپ کو ناپسند ہو؟" اس نے مسکرا کر پوچھا۔

ماوی سوال سن کر سوچ میں پڑ گئی، پھر زور سے ہنس دی۔

"مجھے کچھ برا نہیں لگتا جلال! زندگی اتنی خوب صورت چیز ہے۔ اس میں کیا معمولی معمولی چیزوں کے لیے ناپسندیدگی کا اظہار کرنا... میں تو کہتی ہوں، ہر چیز سے محبت کرو، ہر انسان سے عشق کرو ہاں، لیکن مجھے وہ لوگ بہت برے لگتے ہیں جو دوسروں کو اپنے معمولی معمولی فائدوں کے لیے بے وقوف بناتے ہیں۔ پتا نہیں لوگ اتنے خود غرض کیسے ہو جاتے ہیں۔"

جلال کے ساتھ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی، وہ کہہ رہی تھی۔ ماوی کو سنتا، جلال کو اچھا لگ رہا تھا۔ تب ہی بارش تیز ہو گئی۔ وہ دونوں بھاگتے ہوئے ایک قریبی بنگلے کے باہر لگے شیڈ کے نیچے آ رکے۔ بادل ہولے ہولے گرج رہے تھے۔ کبھی کبھی بجلی بھی کڑکتی، ہاں لیکن بارش تیز تھی۔

"تم نے اپنے بارے میں تو کچھ بتایا ہی نہیں جلال!" ماوی نے بازو پھیلا کر ہتھیلی پر بارش کے موتی جمع کرتے ہوئے پوچھا۔ "کہ تمہیں کیا پسند ہے۔ کیا ناپسند ہے؟" اس نے پھر پوچھا جلال کا دل چاہا بنا جھجکے کہہ دے۔ "مجھے تم پسند ہو۔" مگر پتا نہیں کیوں وہ کہہ نہ سکا لیکن اس روز ان دونوں نے بارش میں بھیگتے ہوئے، کبھی چلتے کبھی رکتے ہوئے، بہت سی باتیں کیں گو کہ جلال زیادہ تر خاموش ہی رہا لیکن جب وہ دونوں واپسی کے لیے پلٹے تو جلال کا دل خوشگواریت کے بے پناہ احساس سے بھر چکا تھا۔

ماوی نے لکڑی کے دروازے پر ہاتھ رکھ کر پلٹ کر اسے دیکھا۔

"رک کیوں گئے؟ اندر آؤ نا، ممی سے نہیں ملو گے؟" بارش کب کی تھم چکی تھی۔ بادلوں کی جھری سے سورج جھانک رہا تھا اور تیز زرد کرنوں نے ماوی کے وجود کو سنہری کر دیا تھا۔

جلال نے آہستگی سے نفی میں سر ہلا دیا۔ "آج نہیں پھر کبھی۔" ماوی پر خلوص انداز میں مسکرا دی۔

"ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی... بائے داوے تم سے باتیں کر کے اچھا لگا یو آر سچ اے نائس مین۔"

اس نے الوداعی مسکراہٹ اچھالی اور اندر کی طرف پلٹ گئی لیکن چھوٹی سی روش، سیڑھیاں اور پھر مختصر سے برآمدے کو عبور کر کے دروازے کے پیچھے غائب ہوتے ہوئے ماوی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ کوئی سادہ دل اور معصوم سا انسان اپنے دل میں اس کے لیے بہت خاص جذبات لیے اور آنکھوں میں محبت کا جہان آباد کیے اسے دیکھ رہا ہے۔

جلال نے دروازہ بند ہوتے دیکھ کر سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا۔ گہرے بادل چھٹ رہے تھے اور سورج جھانکنے لگا تھا لیکن ابھی بھی کہیں کہیں سے پانی جھڑ رہا تھا۔ اس نے باریک بوندوں کو اپنے چہرے پر برسنے دیا پھر زور سے سر جھٹکا اور ایک سرخوشی کے عالم میں چل دیا۔

☆ ☆ ☆

"ماوی! تم کہاں رہ گئی تھیں؟ میں کب سے راہ دیکھ رہی ہوں تمہاری۔"

ثمینہ کھڑکی کے قریب آرام کرسی پر بیٹھی کوئی کتاب پڑھ رہی تھیں، ماوی کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر انہوں نے کتاب سے نظریں ہٹا کر اسے دیکھتے ہوئے پوچھا تھا، کھڑکی کے پردے ہٹے ہوئے تھے۔ آسمان پر پھیلے بادلوں اور ان بادلوں سے جھانکتی کرنوں کی وجہ سے کمرے میں نیم تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔

"میں تو بارش دیکھنے گئی تھی لیکن جلال کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا۔" وہ جھک کر اپنے کرتے کا دامن جھاڑ رہی تھی جس پر کیچڑ لگی ہوئی تھی۔

"تم جلال کے ساتھ تھیں؟" ثمینہ نے بری طرح چونک کر اسے دیکھا۔ ماوی کا رخ دوسری طرف تھا، وہ ثمینہ کا چونکنا محسوس نہیں کر سکی۔

"جی، اسی کے ساتھ تھی، باہر راستے میں مل گیا تھا۔ ویسے ممی! وہ بدھو نظر آتا ہے لیکن باتیں اچھی کرتا ہے۔" وہ مبہم لہجے میں لیکن متاثر کن انداز میں کہہ رہی تھی۔

"ہاں... باتیں تو اچھی کرتا ہے جلال!" ثمینہ نے واپس کتاب کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بے تاثر لہجے میں کہا تھا۔

"اچھا میں ذرا چینج کر لوں۔ فیضی ماما سو تو نہیں رہے؟" ماوی کو یکدم خیال آیا تھا۔

"پتا نہیں۔ بڑی دیر سے اپنے کمرے میں ہے۔ سنو ماوی! تمہیں جلال کیسا لگتا ہے؟" یکدم ثمینہ نے سرسری لہجے میں پوچھا۔ ماوی حیران ہو کر انہیں دیکھنے لگی۔

"یہ کیسا سوال ہے؟ آئی مین... اچھا ہے تو اچھا ہی لگے گا لیکن بونگا بہت ہے یعنی اس کا چہرہ دیکھ کر ہی پتا چل جاتا ہے کہ اسے بے وقوف بنایا جا سکتا ہے۔ لیکن... لیکن آپ کیوں پوچھ رہی ہیں ممی!"

وہ الجھن بھرے لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

"نہیں... کوئی خاص وجہ نہیں۔" ثمینہ نے ہنس کر ٹالا۔ "میں نے بس یوں ہی پوچھ لیا تھا سنو تم کافی پیو گی؟"

"آپ رہنے دیں ممی! چینج کر لوں، پھر بناتی ہوں۔" ماوی ان کے جواب سے فوری طور پر مطمئن نہیں ہوئی تھی لیکن نفی میں سر ہلاتے ہوئے اس نے کہا پھر اپنے اور ممی کے مشترکہ کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

ثمینہ مطمئن انداز میں کرسی جھلاتے ہوئے کتاب پڑھنے لگیں۔ کھڑکی سے باہر بادل ایک بار پھر گہرے ہونے لگے تھے۔ بند شیشے کے باوجود بادلوں کی گرج چمک سنائی دے رہی تھی۔ شیشے پر چند بوندیں بھی تواتر سے گر کر لکیریں بناتی غائب ہو رہی تھیں۔

☆ ☆ ☆

بشریٰ نے اپنی بڑی بیٹی کو سرخ رنگ کا خوب صورت سا فراک پہنا کر اس کے بالوں کی چھوٹی سی پونی بنائی۔ گڑیا سی بچی ایک دم بڑی پیاری لگنے لگی تھی۔ بشریٰ نے بے اختیار اس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور کان کے پیچھے نظر کا منا سا ٹیکا بھی لگا دیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ بچی کو گود میں لے کر بیٹھ گئی اور اس کی چھوٹی چھوٹی معصومانہ شرارتوں پر ہنسنے لگی لیکن اس کا دھیان مستقل باہر کی طرف لگا ہوا تھا، دین محمد نے وعدہ کیا تھا، وہ بڑی بیٹی کو اپنے ساتھ کھیتوں کی سیر کروانے لے جائے گا لیکن ابھی تک اس نے ایسا کوئی عندیہ نہیں دیا تھا، وہ جب سے آیا تھا۔ جنت سے باتیں کرنے میں مصروف تھا۔

اس نے گردن موڑ کر اپنی چھوٹی بیٹی کی طرف دیکھا جو کمبل میں لپٹی سو رہی تھی۔ یہ بچی بشریٰ کے یہاں چند روز قبل ہی پیدا ہوئی تھی جبکہ گود میں بیٹھی ہوئی بچی کی عمر بمشکل دس ماہ تھی۔ دین محمد کے ہاتھوں پٹنے اور اپنا پہلا بچہ

Scan & PDF FIAZ AHMED Friends Korner.com

ضائع ہو جانے کے بعد بشریٰ کے دل میں جنت کے لیے نفرت سوگنا نہیں بلکہ چار سو گنا بڑھ گئی تھی۔ اس نے پہلے سے بھی زیادہ استقلال سے جنت کی جڑیں کاٹنے کی کوشش شروع کر دی تھی مگر وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ کسی انسان کی جڑیں کاٹنا اور کھیتوں میں گندم کی بالیاں کاٹنا یکسر مختلف کام ہے۔

وہ جتنی محنت سے جنت کو دین محمد کی نظروں میں گرانے کی کوشش کرتی، جنت اتنی ہی ہوشیاری سے اس کا پینترا اس پر الٹا دیتی۔ اب تو بشریٰ لاشعوری طور پر جنت سے خوف کھانے لگی تھی۔ وہ کب کیا کر دے، سمجھنا آسان ہرگز نہ تھا۔ پھر آگے پیچھے کی دو بیٹیوں نے اس کی گود میں آ کر اس کی قدر اور بھی گھٹا دی تھی۔ دین محمد اس سے بیٹے کی توقع رکھتا تھا تب ہی بیٹیوں سے اسے کچھ خاص لگاؤ محسوس نہ ہوتا تھا۔ اسے جنت کے چاؤ لاڈ اٹھانے سے فرصت نہ تھی کہ دوسری بیٹیوں پر دھیان دیتا اور یہی بات دن بہ دن بشریٰ کو مزید فکر میں مبتلا کر رہی تھی۔

وہ بہانے بہانے سے دین محمد کو اپنی بیٹیوں کا احساس دلانے کی کوشش کرتی دین محمد بظاہر بچیوں کی پرواہ بھی کرتا لیکن جہاں جنت آجاتی، اسے کچھ اور دکھائی ہی نہ دیتا تھا۔

کل ملا کر کوئی ایک بھی بات ایسی نہ تھی جس سے بشریٰ کو خوشی نصیب ہو۔ دین محمد کمرے میں داخل ہوا اور آکر پلنگ پر دوسری طرف لیٹ گیا۔

"کیوں جی! بٹیا کو سیر کے لیے نہیں لے جائیں گے؟" بشریٰ نے اسے تساہل سے لیٹتے دیکھ کر جلدی سے پوچھا۔

"نہیں آج نہیں۔ پھر کسی دن لے جاؤں گا۔ آج جنت اس کے ساتھ کھیلنا چاہتی ہے۔" دین محمد نے کہا۔ اسی وقت جنت کمرے میں داخل ہوئی اس کے خوب صورت چہرے پر وہی بھول پن تھا، جسے وہ دین محمد کے سامنے اپنے چہرے پر طاری کیے رکھتی تھی۔

"اسے جنت کو دے دو۔" دین محمد نے بشریٰ سے کہا۔

"لیکن۔" بشریٰ نے کچھ کہنا چاہا لیکن اس سے پہلے ہی جنت، بٹیا کو اس کی گود سے لے کر جا چکی تھی۔ بشریٰ جھاگ کی طرح بیٹھی رہ گئی۔

"جنت بتا رہی تھی تو اسے بچیوں کے ساتھ کھیلنے نہیں دیتی۔" دین محمد نے کڑکتے لہجے میں کہا۔

"جنت ان دونوں کو مارتی ہے۔" بشریٰ نے کہا۔

"کیوں؟"

"بس ایسے ہی، بغیر کسی وجہ کے۔" بشریٰ نے سابقہ انداز میں کہا۔

"میری جنت پاگل ہے کیا جو تیری حور پریوں کو مارے گی؟" دین محمد تڑخا۔

"میں نے یہ نہیں کہا، لیکن آپ خود سوچیں۔ اتنی چھوٹی بچیاں کیا غلطی کر سکتی ہیں کہ غصے میں آکر انہیں مارا جائے۔ جنت میں خود سری ہے۔ وہ بچیوں سے برابر کا مقابلہ کرتی ہے۔"

بشریٰ لگی ممیانے، لیکن دین محمد کی ایک ہی دھاڑ نے اسے خاموش کروا دیا۔ اس نے بشریٰ کے ایسے لتے لیے کہ بشریٰ کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔

"آگلی بار میری جنت کے بارے میں الٹی سیدھی بکواس کی تو کاغذ تیرے ہاتھ میں پکڑا دوں گا، اپنے ماں باپ کے گھر میں بیٹھ کر ساری زندگی روتی رہنا۔ دروازہ بند کر۔ نیند آ رہی ہے مجھے۔"

بشریٰ روتے ہوئے اٹھی اور کمرے سے باہر آکر دروازہ بند کر دیا، اسے اپنی اور اپنی بیٹیوں کی کم مائیگی کا احساس بڑی شدت سے ہو رہا تھا تب ہی اسے کچھ عجیب سا احساس ہوا، تنویمی عمل کے تحت چلتی وہ رسوئی تک آگئی۔ اس کی چھٹی حس جیسے اسے اشارہ دے رہی تھی۔ رسوئی تک آتے ہی اس کے لبوں سے چیخ نکل گئی۔ اس کی ننھی سی گڑیا چولہے کے قریب بیٹھی تھی اور لپک لپک کر آگ کی طرف جا رہی تھی۔ بشریٰ نے وحشت زدہ ہو کر اسے گود

میں اٹھا لیا اور شدت سے چومنے لگی۔

"آج یہ چولہے کے باہر ملی ہے۔ اگلی بار ابا سے میری شکایت لگائی تو چولہے کے اندر پڑی ملے گی۔"

جنت رسوئی کے دروازے کے قریب کھڑی تھی۔ جملہ مکمل کر کے باہر نکل گئی۔ بشریٰ نے ہکا بکا ہو کر اسے جاتے ہوئے دیکھا۔ اس روز پہلی بار اسے جنت سے اتنا خوف محسوس ہوا کہ دل چاہا اپنی بیٹیوں کو لے کر کہیں دور بھاگ جائے۔ یہ لڑکی کسی بھی وقت کچھ بھی کر سکتی تھی۔ محض ساڑھے تیرہ برس کی عمر میں وہ کسی عفریت کی مانند بشریٰ اور اس کی بیٹیوں کے سروں پر منڈلا رہی تھی۔

اس روز بشریٰ نے جنت کے سامنے گھٹنے ٹیک دیے، اس میں اتنی سکت نہیں تھی کہ اس لڑکی سے مقابلہ کرتی اور اس مقابلے کے نتیجے میں اپنی اولاد کو نقصان پہنچاتی۔ اس نے ہار مان لی اور اپنا سر جنت کے آگے جھکا دیا۔

☆ ☆ ☆

بڑی دیر کی سوچ بچار کے بعد ماوی اس نتیجے پر پہنچی تھی کہ اپنی تمام تر ناراضی اور اختلاف رائے کے باوجود اسے فیضان ماما سے بات کرنا چاہیے، تب ہی اس نے کافی بنائی اور فیضان ماما کے سر پر پہنچ گئی۔

دروازہ نیم وا تھا۔ اس نے ہلکی سی دستک دے کر اندر جھانکا، فیضان ماما بیڈ پر بیٹھے تھے اور لیپ ٹاپ آن کر رکھا تھا۔

"آجاؤں؟" فیضان ماما کو اپنی طرف دیکھتا پا کر اس نے پوچھا۔

"کوئی الٹی سیدھی بحث کرنا ہے تو مت آؤ۔ معافی مانگنے آئی ہو تو کم آن۔" فیضان نے لیپ ٹاپ کی اسکرین پر نظریں چپکاتے ہوئے رکھائی سے کہا۔

"نہ میں بحث کرنے آئی ہوں نہ معافی مانگنے آئی ہوں۔ آپ کے لیے کافی لائی ہوں۔" اس نے بے تکلفی سے اندر آتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ کافی رکھ دو اور جاؤ۔" فیضان نے سابقہ انداز میں کہا۔

"بیٹھنے کے لیے تو کہیں۔ میں آپ کے ساتھ کافی پینے آئی تھی۔" ماوی نے دوستانہ انداز میں کہا۔

"دیکھ نہیں رہیں۔ میں مصروف ہوں۔"

"کم آن فیضان ماما! ڈونٹ بی روڈ۔" ماوی نے روہانسی ہو کر کہا۔

"ابھی بھی تم چاہتی ہو، تمہارے ساتھ نرمی سے پیش آیا جائے؟" فیضان نے سلگ کر کہا۔

"پلیز ماما! لڑائے ٹو انڈر اسٹینڈ۔" (سمجھنے کی کوشش کریں) وہ زچ ہو کر بولی۔ "آپ اس طرح منہ چھپا کر چلے جائیں گے تو سب آپ کو بزدل کہیں گے۔"

"سب نہیں۔ صرف تم۔" فیضان نے دانت کچکچائے۔ "صرف تم مجھے بزدل کہو گی کیونکہ تمہیں اوٹ پٹانگ حرکتیں کر کے دوسروں کو مشکل میں ڈالنے کی عادت ہے۔"

"فیضان ماما! سمجھنے کی کوشش کریں۔ میں نے انیبا سے کچھ نہیں کہا تھا۔" اس نے خود اپنی فیلنگز مجھ سے شیئر کی تھیں اور میں سمجھتی ہوں اس میں کوئی برائی بھی نہیں ہے کہ آپ اسے ریجیکٹ کریں۔"

"تم جاؤ یہاں سے، مجھے اس ایشو پر بات ہی نہیں کرنی۔" فیضان نے رکھائی سے کہا۔

"کیوں بات نہیں کرنی۔" ماوی جھنجلا کر بولی۔ اس میں اس سے زیادہ تحمل نہیں تھا۔ "میں آپ کی اس روکھی پھیکی، بے رنگ و بو زندگی میں تھوڑے کلرز ایڈ کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ چاہتی ہوں آپ تنہائی کی زندگی نہ گزاریں اور آپ ہیں کہ مسلسل۔۔۔"

Scan & PDF FIAZ AHMED Friends Korner.com

"بھئی۔ تم سے کس نے کہہ دیا۔ میری زندگی کے لیے فکر مند ہو۔" فیضان اکتا کر بولے۔ "بے رنگ ہے، روکھی پھیکی ہے لیکن میں اپنی زندگی سے مطمئن ہوں، مجھے کسی لائف پارٹنر کی ضرورت نہیں ہے۔ انیبا جیسی کسی امیچور لڑکی کی تو ہرگز گنجائش نہیں ہے میری زندگی میں۔"

"کیوں؟" ماوی نے سرد مہری سے کہا۔ "صرف اس لیے کیونکہ ابھی تک آپ میری پھوپھی جان جیسی میچورڈ عورت کو نہیں بھول سکے؟"

"اسٹاپ اٹ ماوی!" فیضان نے غصے سے کہا۔

"مجھ پر یوں چلا کر آپ کچھ ثابت نہیں کر سکیں گے۔" ماوی نے سرد مہری سے کہا تھا۔ "میں صرف آپ کو آپ کے ارادے سے باز رکھنے آئی تھی انیبا جیسی بہترین لڑکی کو رد کریں گے تو ساری زندگی پچھتانا پڑے گا۔ جس عورت نے آپ کو قبول نہیں کیا اس کا جوگ لے کر اپنی ساری زندگی کیوں خراب کر رہے ہیں آپ۔"

فیضان کا ہاتھ اٹھا اور ماوی کے چہرے پر زوردار طمانچے کا نشان چھوڑ گیا، ماوی کی آوازیوں بند ہو گئی تھی۔ جیسے ٹیپ ریکارڈ کا بٹن کسی نے بند کر دیا ہو۔

"بار بار اس بات کا ذکر کر کے آخر کیا ثابت کرنا چاہتی ہو تم۔" فیضان نے غضب ناک ہوتے ہوئے کہا۔

ماوی نے جھکا سر اٹھا کر انہیں دیکھا اور بنا ایک لفظ کہے تیزی کے ساتھ کمرے سے باہر نکل گئی۔

فیضان چند لمحے غصے سے سلگتے رہے پھر انہوں نے اپنا سر ہاتھوں میں گرا لیا۔ ایک اور پچھتاوا ان کے دامن سے لپٹ گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"انیبا! بیٹے! یہ چوٹ کیسے لگی؟"

انیبا اسٹڈی سے باہر جا رہی تھی جب دانیال حسن نے اچانک پوچھا۔ وہ ان کے لیے دودھ کا گلاس لے کر آئی تھی۔

"میں نے آپ کو بتایا تو تھا۔ کالج میں سیڑھیوں سے گر گئی تھی۔" اس نے وہی کہا جو پہلے بھی کہہ چکی تھی۔ دانیال حسن نے آنکھوں سے چشمہ اتارتے ہوئے اسے بغور دیکھا۔

"مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے انو! کہ تم مجھ سے جھوٹ بول رہی ہو۔"

دانیال حسن نے الجھن آمیز انداز میں کہا۔ انیبا گڑبڑا سی گئی۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ دانیال حسن اس کا جھوٹ پکڑ سکیں گے۔

"میں جھوٹ کیوں بولوں گی ڈیڈی!" اس نے اپنی گڑبڑاہٹ پر قابو پاتے ہوئے بے وجہ ہنس کر کہا تھا۔

"ہوں۔" دانیال حسن کی الجھن دور نہیں ہوئی تھی مگر انہوں نے محض یہی کہا پھر کچھ خیال آنے پر پوچھنے لگے۔

"تم نے اپنی ممی کو بتایا؟"

"کس بارے میں؟" اب کی بار انیبا الجھی۔

"اسی چوٹ کے بارے میں۔" دانیال حسن نے ثروت کے ذکر پر دانستہ نظریں چراتے ہوئے کہا۔

انیبا خفیف سی ہو کر ہنس دی۔

"ڈیڈی! بہت معمولی سا زخم ہے۔ ٹھیک ہو جائے گا۔ اب اتنی سی چوٹ کے لیے ممی کو پریشان کیوں کروں؟"

"ہوں... ہاں... پھر بھی انو! تمہیں بتانا چاہیے اپنی ممی کو... خود تو اس عورت کو اولاد کی پروا نہیں ہے، کتنے دن

ہو گئے وہاں جا کر بیٹھی ہوئی ہے انسان کو کم سے کم پیچھے رہ جانے والوں کی خبر تو لینا چاہیے۔"

دانیال حسن اپنی ٹیبل پر کچھ تلاش کرتے ہوئے بظاہر لاپروا لیکن جھنجلاہٹ بھرے لہجے میں کہہ رہے تھے۔

انیبا نے بغور انہیں دیکھا پھر ہنس دی۔

"آپ کو ممی یاد آ رہی ہیں تو انہیں فون کر کے بلوائیں۔ بے شک میری چوٹ کا بہانا کر دیں لیکن بلانا انہیں آپ کو خود ہی پڑے گا۔ میری بات نہیں مانیں گی ممی۔ لیکن آپ کا کہا ٹالنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

وہ ہلکے پھلکے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"ہو سکتا ہے ڈیڈی! آپ کو میرا اس معاملے میں کچھ بھی کہنا اچھا نہ لگے لیکن مجھے اس کے سوا کوئی حل نظر نہیں آ رہا۔ آپ پلیز ممی کو واپس لے آئیں۔ میرے زخم کی پروا نہ کریں۔ یہ زخم تو بھر ہی جائے گا لیکن جو زخم دل پر لگے ہوں، وہ کبھی نہیں بھرتے۔" اس نے جملہ مکمل کیا اور آہستگی سے دروازہ دھکیل کر باہر نکل گئی۔

دانیال حسن ششدر سے رہ گئے۔ وہ انیبا سے اتنی گہری باتوں کی توقع نہیں کر رہے تھے۔ ہاں یہ درست تھا کہ وہ ثروت کی کمی بری طرح محسوس کر رہے تھے لیکن یہ ایسا سچ تھا جس کا اعتراف کرنے کی راہ میں ان کی انا حائل ہوتی تھی اور ساری زندگی وہ اپنی انا کا احترام کرتے آئے تھے لہٰذا اس وقت بھی گہری سوچ لاحق ہو جانے کے باوجود سر جھٹک کر کتاب پڑھنے لگے۔

☆ ☆ ☆

فجر کی نماز پڑھ کر انیبا نے سونے کی کوشش کی لیکن نیند جیسے اس کی آنکھوں سے خفا ہو چکی تھی۔ دل کو عجیب سی بے چینی لاحق تھی۔ کچھ دیر وہ کروٹیں بدلتی رہی پھر سلائڈنگ ڈور ہٹا کر ٹیرس پر نکل آئی۔

رات کی تاریکی کا پردہ صبح نو کی اولین کرنوں نے چیر دیا تھا لیکن ابھی اتنی روشنی نہیں پھیلی تھی کہ روشنیاں گل کر دی جاتیں۔ انیبا نے ٹیرس کی لائٹ آن کیے ٹیرس پر چہل قدمی کرنے لگی۔

صبح کا پرنور سناٹا چاروں طرف پھیلا ہوا تھا۔ نیم تاریک آسمان پر سفید بگلوں کی قطار پرواز کر رہی تھی وہ سر اٹھا کر پرندوں کو دیکھنے لگی پھر کھٹکے کی آواز پر سر جھکایا۔ ٹیرس کی گرل سے انیکسی کا برآمدہ دکھائی دے رہا تھا۔ ابھی ابھی برآمدے کی روشنی جلائی گئی تھی۔ وہ لاشعوری طور پر گرل کے قریب ہو کر اس طرف دیکھنے لگی۔ دروازہ کھول کر فیضان باہر آئے تھے۔ ان کے ہاتھ میں کچھ سامان تھا اور وہ روانگی کے لیے تیار لگ رہے تھے۔ انیبا کا دل یکدم جیسے کسی شکنجے میں جکڑا گیا۔

اس کا دل چاہا انہیں روک لے لیکن... تب ہی کسی احساس کے تحت فیضان نے سر اٹھا کر ٹیرس کی طرف دیکھا، اس نیم تاریکی، نیم اجالے کے سنگم میں محض ایک پل کے لیے ان دونوں کی نظریں آپس میں ٹکرائی تھیں، انیبا تیزی سے پلٹ گئی۔

"کاش! آپ کو میرے چہرے میں کسی اور کا عکس ہی نظر آ گیا ہوتا۔"

اس کے دل سے ہوک سی اٹھی تھی اور آنکھوں میں آنسوؤں کی یورش شروع ہو گئی تھی۔ دوسری جانب فیضان جانے سے قبل اس سے معافی مانگ لینا چاہتے تھے لیکن حالات نے اجازت دی نہ ہی انہوں نے حالات کو سازگار بنانے کی کوشش کی تھی لہٰذا اب ایسے کسی خیال کا کیا فائدہ تھا۔

وہ بوجھل دل کے ساتھ اپنا سامان گاڑی میں رکھنے لگے تھے۔

☆ ☆ ☆

بشریٰ نے جنت کے سامنے محض اپنی ہار تسلیم نہیں کی تھی بلکہ دل سے بھی اس کی غلام ہو گئی تھی۔ وہ جنت

Scan & PDF FIAZ AHMED Pakistanikorner.com

کے سامنے زبان بند رکھتی یا اس کی ہاں میں ہاں ملاتی' اس کی تعریف کرتی' اس کی ہر غلط حرکت کو صحیح قرار دیتی' وہ سمجھ چکی تھی اگر اسے اس حویلی میں رہنا ہے تو جنت کے ساتھ بنا کر رکھنے میں ہی عافیت ہے تب ہی اس نے دین محمد کے سامنے ـــــ کچھ کہنا چھوڑ دیا تھا۔ دین محمد کی غیر معمولی محبت نے جنت کو کم بگاڑا تھا جو سوتیلی ماں کی جی حضوری نے دماغ بالکل ہی ساتویں آسمان پر پہنچا دیا' اس پر مستزاد سہیلیاں بھی ایسی ملی تھیں جو تعریفیں کر کر کے اس کو چنے کے جھاڑ پر چڑھائے رکھتیں اور سچی بات ہے کہ یہ تعریفیں کچھ ایسی بے جا بھی نہ تھیں' وہ بے تحاشا خوب صورت ہوتی جا رہی تھی۔ سمجھنا مشکل تھا' اتنی سی عمر میں اتنا ڈھیر سارا روپ وہ کہاں سے چرائے لا رہی ہے۔

انہی دنوں "وہ" چلا آیا۔ کسی نے بتایا اس کا نام فاروق ہے' محکمہ زراعت کی طرف سے ملازم ہو کر اس گاؤں میں تعینات ہوا تھا' اونچا لمبا گبھرو جوان' اس پر نظر پڑتی تو لگتا دل تھم رہا ہے۔ فضاؤں میں خوشبو پھیل رہی ہے اور آسمان سے دھنک برسنے لگی ہے اور جب وہ دیکھتا تو یوں محسوس ہوتا جیسے سینے سے دل کھینچ رہا ہو۔

جنت نے آج تک باپ کی بے تحاشا محبت' سہیلیوں کی چاپلوسی دیکھی تھی لیکن اس مرد کی ہر نظر ایک نیا تجربہ تھی اور وہ اس نظر کے زیر اثر ششدر سی کھڑی ہوا کی طرح اچانک زندگی میں در آنے والے احساس کو اپنے وجود سے ٹکراتا ہوا محسوس کر رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

فیضان کے جانے سے ثمینہ خاصی مطمئن ہو گئی تھیں اور اطمینان سے بیٹھی اس ساری صورت حال پر غور کر رہی تھیں کہ ماوی اپنے کمرے سے نکلی اور آ کر صوفے پر لیٹ گئی۔

"ماما چلے گئے؟" اس نے آنکھیں بند کیے ہوئے پوچھا' ابھی سو کر اٹھی تھی چہرے پر منہ دھونے کے بعد کی نمی تھی اور اعصاب پر نیند کی غنودگی۔

"ہاں ـــ ساڑھے چھ بجے کی فلائٹ تھی اس کی۔" ثمینہ نے بغور ماوی کو دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"بہت برا کیا ہے فیضان ماما نے۔" ماوی نے اپنے سر کے نیچے کشن رکھتے ہوئے کہا۔ "صرف اپنے ساتھ ہی نہیں انیبا کے ساتھ بھی برا کیا ہے۔ خوشیوں سے منہ موڑ کر چلے گئے۔ خوشیاں بار بار کسی کے دروازے پر دستک نہیں دیتیں۔"

"تمہیں اس کے ذاتی معاملے میں نہیں بولنا چاہیے تھا' ماوی۔"

"ذاتی معاملہ؟" ماوی بری طرح سلگ کر بولی۔ "یہ ذاتی معاملات کون سے ہوتے ہیں ممی! میری زندگی کے ہر چھوٹے بڑے فیصلے میں فیضان ماما شریک رہے ہیں۔ اسکول' کالج' یونیورسٹی تک کا چناؤ ان کے مشورے اور ان کی رائے کو مدنظر رکھتے ہوئے کیا گیا حتیٰ کہ جب شہوز سے منگنی کی باری آئی تب بھی فیضان ماما کی مرضی زیادہ شامل تھی اس رشتے میں ـــ اس وقت تو کسی نے اعتراض نہیں کیا کہ وہ میرے ذاتی معاملے میں دخل دے رہے ہیں اور اب ـــ اگر میں ان کی شادی کے معاملے میں کچھ کرتی ہوں یا کہتی ہوں تو یہ ان کے ذاتی معاملات میں دخل اندازی ہو گئی۔ بھئی واہ۔" اشتعال اور دکھ سے اس کی آواز تیز ہو گئی تھی اور آنکھوں میں نمی بھی دکھائی دینے لگی تھی۔

"ہمیشہ مجھ سے پہلے انہوں نے مجھے اپنی دوست کہا۔ کبھی بہن بنا لیتے تھے۔ لاڈ جتاتے ہوتے تو بھانجی بنا لیتے۔ آج ہر رشتہ ایک طرف ڈال دیا ماما نے۔" اس نے آنکھوں کو ہاتھ کی پشت سے رگڑ ڈالا۔

"اچھا تم ہانپو مت ہو۔" ثمینہ نے کہا "ویسے بھی اب تو فیضان جا چکا ہے۔ اب کیا ہو سکتا ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔ بہت کچھ ہو سکتا ہے۔" اس نے پختہ ارادے کے ساتھ کہا اور ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھی اور

پاؤں سلیپر میں ڈالنے لگی۔

"جا کہاں رہی ہو؟" ثمینہ نے حیران ہو کر پوچھا۔

"ابھی آتی ہوں۔"

"ارے رکو نا۔ مجھے تم سے بات کرنا ہے۔"

"کون سی بات؟" ماوی نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"میں سوچ رہی تھی ماوی! تم نے اپنے بابا جان کے بارے میں کبھی کچھ نہیں پوچھا۔" ثمینہ نے پرسوچ انداز میں کہا۔

"بابا جان کے بارے میں کیا پوچھوں؟ ان کے بارے میں تو میں سب کچھ جانتی ہوں۔" ماوی نے ہنس کر کہا۔

"کیا جانتی ہو؟"

"یہی کہ وہ کتنے بہترین اسٹوڈنٹ تھے۔ انہیں رائٹر کون سے پسند تھے انہیں سبزی اور پھل کون کون سے پسند تھے۔ میں نے ان کی ڈائریز پڑھی ہیں ممی! البومز میں ان کے بارے میں سب کچھ جانتی ہوں۔" وہ کہتے ہوئے باہر نکل گئی۔

"نہیں ماوی! تم کچھ نہیں جانتیں۔ ڈائریز ہمیشہ کسی کی شخصیت کا ایک رخ جانتی ہیں۔ زندگیوں کے بہت سارے راز انہیں معلوم نہیں ہوتے۔ ٹھیک ویسے ہی جیسے اپنے باپ کی زندگی کے راز تم نہیں جان سکیں۔"

ثمینہ نے گہری سانس لے کر سوچا تھا۔

☆ ☆ ☆

کل دن بھر برسنے والی بارش کے بعد آج بے حد چمک دار دن طلوع ہوا تھا۔ ماوی نے برآمدے میں رک کر ہتھیلی سے آنکھوں پر چھجا بنا کر دیکھا انیبا گیٹ کے قریب کھڑی کوریر سروس کے نمائندے سے کوئی پارسل وصول کر رہی تھی۔

ماوی وہیں رک کر اس کا انتظار کرنے لگی۔

انیبا آئی تو اس کے ہاتھوں میں ریڈ للی کا بہت سے خوب صورت سا بوکے (گل دستہ) تھا۔

"ارے اتنے خوب صورت پھول کس نے بھجوا دیے۔" ماوی نے اشتیاق بھرے لہجے میں پوچھا۔

"پتا نہیں۔ تم خود ہی دیکھ لو۔ جس نے بھی بھجوایا ہے تمہارے لیے بھجوایا ہے۔" انیبا نے کہا۔

"ارے۔" ماوی حیران ہوئی۔ "میرے لیے کس نے بھجوا دیے۔"

اس نے حیرت بھرے انداز میں بوکے انیبا کے ہاتھ سے لیتے ہوئے درمیان میں لگا کارڈ نکال کر دیکھا۔ کارڈ بوکے سے بھی زیادہ خوب صورت تھا لیکن کسی کا نام نہیں لکھا تھا' ماوی الجھ کر کارڈ پر لکھی تحریر پڑھنے لگی۔

"میں اپنی ایڑی پہ اتنی تیزی سے گھومتا ہوں
کہ چار جانب تمام منظر بدل کے
نظارہ مسلسل میں ڈھل گئے ہیں
عجب تحرک ہے
اک فسوں ہے
ایک سپنا جو صرف اپنا ہے
تم نہیں ہو

Scan & PDF FIAZ AHMED Friends Korner.com

تھی۔ کچھ دیر وہ یوں ہی کھڑا ہاتھ سے سینے کو مسلتا رہا پھر جی کڑا کر کے بہتے ہوئے پانی پر جھکا یا۔

"تمہاری ماں جب ادھر آئی تو وہ پیٹ گرانا چاہتی تھی۔"

ماسی چھوماں کے ہونٹوں سے اڑنے والے تمباکو ملے تھوک کے چھینٹے عمر کے منہ پر گرے۔

اس کے کھلے ہونٹوں اور دانتوں سے ٹکرا کر اچھلتی ہوئی پانی کی بوندیں کنکریوں کی مانند اس کے چہرے پر گر رہی تھیں۔ پانی پینے کے بعد اس کی تپش میں کچھ اور اضافہ ہو گیا تھا۔ باہر آسمان سے پھر پھوار برسنے لگی تھی۔

"کیا مری میں اس وقت بھی برف باری ہو رہی ہو گی؟"

"خالصتاً" نجی نوعیت کا کام ہے۔ جب ہم دونوں جا رہے ہیں تو اکیلے کیسے ہوئے۔" آپا کھلکھلا کر ہنس رہی تھی۔

اس نے کبھی آپا کو کھل کر ہنستے نہیں دیکھا تھا لیکن تصور میں اس کی کوجتی ہوئی ہنسی ایسی وضاحت سے در آئی تھی جیسے وہ سینکڑوں بار اس منظر کو دیکھ چکا ہو۔ خود کو بارش سے بچاتے ہوئے حتی المقدور تیزی کے ساتھ وہ سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔ اسٹور بالائی منزل پر تھا اور چھت پر لے جانے والی سیڑھی کے آٹھ قدمچے تھے۔ سیڑھیاں چھت سے ڈھکی ہوئی نہیں تھیں اور یہاں بھی وہ بارش کی دسترس سے محفوظ نہیں تھا۔

"آپا کسی کمرے کی کھڑکی سے برف باری کو دیکھتی ہو گی یا کھلے آسمان تلے گھومتے ہوئے اس تجربے سے گزر رہی ہو گی۔ برف گرتی کیسے ہے؟" اس نے خود سے پوچھا۔

"دھنکی ہوئی روئی کے گالوں کی صورت یا بھربھرے سفوف کی طرح؟ کیا آپا کے ہاتھوں اور پیروں کی انگلیاں سن ہو گئی ہوں گی؟"

اس نے برف باری کے مناظر صرف ٹیلی ویژن پر دیکھ رکھے تھے۔ عمر نے پہلی سیڑھی پر قدم رکھا۔

"شوکت کی تو اسے دیکھ کر رال ٹپکتی ہے۔ گھناؤنا کردار ہے۔"

کچھ عرصہ پہلے آپا کے اسکول کے فی میل اسٹاف روم میں دو عورتوں کے درمیان ہونے والی گفتگو جو اس نے کمرے کے کھلے دروازے کے پاس بیٹھے ہوئے سنی تھی' اسے یاد آنے لگی' وہ اسے بھولا ہی کب تھا۔ وہ تو بیس بھرے زنبور تھے' جو ہر دم اس کے کانوں میں بھنکتے تھے۔ بوندوں سے بچنے کے لیے اس نے تیزی سے اگلا قدم اٹھایا۔ شاید بارش سے بچنا اتنا ضروری نہیں تھا' جتنا ان آوازوں سے بھاگنا۔

"دونوں آفس میں گھسے کھڑکیاں دروازے بند کر کے گھنٹوں کیا کرتے رہتے ہیں۔"

بھڑوں کے زہریلے پروں کی تھرتھراہٹ اس کے کانوں میں گھسی جاتی تھی۔ اس نے تیسرے زینے پر پاؤں دھرا۔

"مجھ سے جب ماسی صفیاں پوچھتی ہے باجی تیرا صفائی ٹھیک ہوئی ہے تو میں کہتی ہوں کیا خاک ٹھیک ہوئی ہے گندے سے تو اسکول بھرا پڑا ہے۔"

چوتھا زینہ اس کے پاؤں تلے آگیا۔

"ایک بار وہ شوکت سے ملنے اسکول آئی اور بغیر دستک دیے آفس کا دروازہ کھول دیا۔ جانے اندر کیا دیکھا کہ الٹے قدموں لوٹ گئی۔ یہ موٹے موٹے آنسو آنکھوں سے بہتے تھے۔"

اس کا پیر انچویں سیڑھی کو چھو رہا تھا۔

"میں قسم کھا کر کہتی ہوں' شگفتہ نے اسی وجہ سے زہر پھانک لیا۔"

عمر اتنی سی مشقت سے نڈھال ہو گیا تھا۔ اس نے منوں وزنی قدم گھسیٹ کر چھٹے زینے پر رکھا۔

"یہ ناجائز ہے۔ اس کی ماں نے منہ کالا کیا' پر اس کا منہ تو گورا ہے۔"

اس کا اسکول ماسٹر نسوار کا بیڑا گال میں دبائے گھنی ہوئی ہنسی کے ساتھ جماعت کے سب لڑکوں کو بتا رہا تھا۔

ساتویں زینے پر پاؤں دھرے بنا اس نے آخری قدمچے پر چڑھنے کی کوشش کی۔ اسے زوردار ٹھوکر لگی



اصنہ ریاض

ستارہ سحر

دین محمد مٹی سے محبت کرنے والا جفاکش مرد ہے۔ دھرتی کو اپنے خونِ جگر سے سونا اُگلنے کے قابل بنانا اس کا پیشہ ہے۔ اس کی پوری زندگی محنت سے عبارت ہے جو وہ اپنے چھ مربعہ زمین پر صرف کرتا ہے۔ شادی کو آٹھ سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ اپنے چھوٹے سے گھر میں وہ بیوی زہرہ اور ماں کے ساتھ رہتا ہے۔ زہرہ چھ مردہ بچوں کو جنم دے کر ایک مرتبہ پھر امید سے ہے۔ دین محمد کا دوال رواں اولاد کی خوش خبری پانے کے لیے مختم دعا بن چکا ہے۔ اس کی دعائیں مستجاب ٹھہرتی ہیں اور اس کے یہاں ایک خوبصورت بچی جنم لیتی ہے۔ اسے وہ اپنی جنت کے نام سے مخاطب کرتا ہے۔

جلال الدین کے روز و شب نوکری کی چکی میں پستے گزر رہے ہیں۔ اس نوکری کے دوران اسے آرام کرنے کا موقع بھی کم ملتا ہے۔ بہتر مستقبل کا خواب اسے متحرک رکھتا ہے۔ تاہم اس میں کسی کی محبت کا جگنو اس کی دنیا آباد رکھتا ہے۔ ہر دم اسی کی یادیں اسے بے چین رکھتی ہیں۔ دن بھر کا تھکا ہارا وہ آرام کرنے لیٹتا ہے تو پولیس اسٹیشن سے اطلاع ملتی ہے جنت بی بی حراست میں ہے۔ جس کا دعویٰ ہے کہ اس نے اپنے شوہر کا قتل کیا ہے۔ جلال الدین اپنے وکیل دوست مسعود کے ساتھ بھاگم بھاگ پولیس اسٹیشن پہنچتا ہے اور ثبوت دکھاتا ہے کہ جنت بی بی شیزوفرینیا کی مریض ہے جس کی شناخت ابھی تک نہیں۔ جنت کی حالت جلال الدین کو اعصابی تھکن کا شکار کرنے لگتی ہے جسے اس نے نوکروں کے سہارے علیحدہ گھر میں رکھ چھوڑا ہے۔

تیرہ 14 سال بعد اپنی بیٹی ماہ وی کے ساتھ آئرلینڈ سے پاکستان آئی ہیں تو انہیں توقیر صاحب کے بتانے کے بعد بھی کہ [illegible] تلاشنے میں بہت وقت لگتا ہے۔ وہ نیلی کے دوست توقیر صاحب کے توسط سے دانیال کی ایکسی [illegible] میں ملازمت پا لیتی ہیں۔ ثروت دانیال ملنسار اور محبتی خاتون ہیں۔ ولی، ولید اور انیبا ان کے بچے ہیں۔ ملتجا کی پہلی ملاقات میں انیبا سے دوستی ہو جاتی ہے۔



http://www.paksociety.com

شبیہہ العباس طبیعتاً سخت گیر اور غصہ ور نوجوان تھے۔ جسے صنف نازک کا غیر ضروری ہنسنا بھی ناگوار گزرتا ہے۔ وہ نازو نعم سے منسوب ہے۔ تنوی اس کی تند خو طبیعت سے نالاں ہے۔ شبیہہ، تنوی کو کالج چھوڑنے آتا ہے تو سہیلیاں عبیرہ اور نمرہ، تنوی کے سر ہو جاتی ہیں۔ یہ جان کر کہ شبیہہ، تنوی کا سسٹر ہے۔ وہ اس کی قسمت پر رشک کرتی ہیں۔ تنوی دونوں سے گزارش کرتی ہے کہ عروج کو اس کی بات کا علم نہ ہو۔

شبیہہ بیگم، ثروت دانیال کی اولاد ہے جسے انہیں دانیال حسن سے شادی سے پہلے چھوڑنا پڑا۔ بچپن کی محرومی نے اسے بدمزاج اور غصیلا بنا دیا۔ وہ انیلا اور ولید سے بہت تر شی سے پیش آتا ہے۔ وہ ان سے بحیثیت بہن بھائی قلبی تعلقات محسوس نہیں کرتا۔ انیلا اس کی محرومی دل سے محسوس کرتی ہے۔ انیلا پر بری نظر ڈالنے پر وہ جے ڈی کے دوست سعدی کو پیٹ ڈالتا ہے۔ صرف جے ڈی اس کی کیفیات سمجھتا ہے۔

بیمار پڑنے پر بیگم دانیال، ثمینہ کی اچھی طرح دیکھ بھال کرتی ہے تو ثمینہ ان کے اخلاق سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتیں۔ انہیں بیگم دانیال کو دیکھ کر لگتا ہے کہ وہ پہلے ان سے مل چکی ہیں۔

بچوں کی لڑائی میں جنت کو چوٹ لگتی ہے تو دین محمد اپنی بہن زبیدہ کے بیٹے فاروق کا ملیہ بگاڑ دیتا ہے۔ ساتھ ہی زبیدہ بہن اور رفیق بھائی سے قطع تعلق کر لیتا ہے۔ زہرہ اس کی جنت سے طوفانی محبت سے خوف زدہ ہے۔ دین محمد، زہرہ کو باور کرواتا ہے کہ وہ جنت کو بیاہ کر دوسرے گھر نہیں بھیجے گا۔ بلکہ اس کے شوہر کو گھر داماد بنائے گا۔

اتفاقاً مادی کا ٹکراؤ شبیہہ سے ہوتا ہے جس سے مادی کا پیر زخمی ہو جاتا ہے۔ اپنی غلطی کے باوجود جھنجلاہٹ میں شبیہہ مادی کو بری طرح سے ڈانٹتا ہے تو مادی اس کی طبیعت صاف کر دیتی ہے۔ ثمینہ سے وہ اس واقعے کا ذکر نہیں کرتی۔

ثمینہ کا روڈ ایکسیڈنٹ ہوتا ہے تو بے ہی بعین موقع پر ان کی بہت مدد کرتا ہے۔ مادی اور فیضان اس پر جے ڈی کے مشکور ہیں، لیکن وہ اپنا پتا دیے بغیر چلا جاتا ہے۔ جس پر ثمینہ کو بہت افسوس ہوتا ہے۔ اتفاقاً ان کی جے ڈی سے دوبارہ ملاقات ہوتی ہے۔ ثمینہ اسے گھر بلاتی ہیں۔ ثمینہ، ثروت کو بتاتی ہیں کہ ان کے شوہر رجب کا بے دردی سے قتل ہوا تھا۔ اور یہ بات مادی کے علم میں نہیں ہے۔ یہ جان کر انہیں رنج ہوتا ہے۔ شبیہہ کو جے ڈی کا اپنی ماں اور ثمینہ سے گفتگو کرنا پسند نہیں جس پر وہ جے ڈی کو تنبیہہ بھی کرتا ہے۔

انیلہ دل ہی دل میں فیضان کو چاہتی ہے۔ ثروت کے پہلے شوہر سے نسبت کے باعث دانیال صاحب ثمینہ کی فیملی کو پسند نہیں کرتے..... مادی ان کی دلچسپی بھانپ لیتی ہے اور فیضان ماما سے رائے لینے کی کوشش کرتی ہے تو فیضان اسے جھڑک دیتے ہیں۔ بھائیوں پر بار نہ پڑے اس لیے ثمینہ مادی کو پاکستان میں مزید پڑھنے کی اجازت دے دیتی ہیں۔

عبیر، نمرہ اور تنوی کو عروس کی غیر اخلاقی اور جرائم پیشہ سرگرمیوں کے متعلق بتاتی ہے تو نمرہ ناراض ہو جاتی ہے۔ عبیر کو اپنی جلد بازی پر افسوس ہوتا ہے۔ وہ عروس کے متعلق ثبوت اکٹھا کرنا چاہتی ہے۔

زہرہ کی اچانک موت کو محض جنت کے کہنے پر دین محمد، بہن زبیدہ کے سر ڈالتا ہے تو سسرال والے بھی حق دق رہ جاتے ہیں۔ دین محمد کی ماں پڑوسن کے کہنے پر جنت کو پیر صاحب کے پاس لے کر جاتی ہے تو پیر بابا جنت بڑھا چڑھا کر دین محمد کو بتاتی ہے۔ وہ ماں کو بہن زبیدہ کے یہاں ہمیشہ کے لیے بھیجنے کا فیصلہ سناتا ہے تو ماں رو رو کر اسے اس فیصلے سے باز رکھنے کی کوشش کرتی ہے۔ بہت مشکل سے دین محمد راضی ہو پاتا ہے۔ دین محمد کے فیصلے سے جنت کے اندر پنپنے والی منفی شخصیت قد آور ہو رہی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

یہ عالم استعجاب تھا یا مقام آگہی؟

وہ سمجھ نہ سکی بس چپ چاپ دیکھا کی۔

ہوتا یہ ہے کہ دل ایک ہوتا ہے، لیکن اس دل کے سو تقاضے ہوتے ہیں۔ اول الذکر اپنا آپ تسلیم کیے جانے کی شدید ترین خواہش اور وقت سے پہلے سر اٹھانے والی ہر خواہش آتش فشاں کا ایسا دہانہ جس میں سے کسی بھی وقت لاوا بہہ نکلنے کا خدشہ ہر وقت لاحق رہے۔

فاروق نے تو اس کو سرسری ہی دیکھا تھا۔

ایسے جیسے سر راہ کسی پر نظر پڑ جائے۔

لاشعور کے کسی کونے میں پہچان کی کرن چمکے تو انسان دوسری نظر ڈال لیتا ہے تو فاروق نے بھی اس پر ایسی ہی نظر ڈالی تھی۔

لیکن یہ ایک نظر جنت کے لیے نئی کائنات کے انکشاف کا ادراک ثابت ہوئی۔

وہ کائنات جہاں طرز زندگی الگ ہوتا ہے۔

اس کائنات کے رسم و رواج، رکھ رکھاؤ، تہذیب و تمدن کا اس دنیا سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔

لیکن جنت اس کائنات کے اسرار و رموز سے واقف نہیں تھی۔

وہ الجھ گئی اس پراسراریت میں گم ہونے لگی کہ بہرحال اس کائنات کے اسرار میں کشش بہت تھی۔ نہ صرف کشش بلکہ ایک پرلطف سی مٹھاس تھی سو وہ کھنچتی چلی گئی، آنکھیں بند کر کے اس کائنات کی سحر انگیزی میں گم ہونے لگی۔

اس کے پاس ایک باپ تھا، جس نے بے تحاشا محبت دی، سوچنے سمجھنے کی صلاحیت نہیں، سوتیلی ماں تھی جس نے خود کو اور اپنی اولاد کو اس کے عتاب سے بچانے کے لیے چاپلوسی کی راہ اختیار کی تھی۔ اس کی ہاں میں ہاں ملاتی اور سکون سے رہتی۔ جنت کی غلطیوں پر اس نے آنکھیں بند رکھنا سیکھ لیا تھا۔ باقی بچیں سہیلیاں۔۔۔ تو مطلبی، خود غرض سہیلیاں بھی آج تک کسی کے کام آئی ہیں؟

کون تھا اس کے پاس جو بتاتا کہ اس ایک نظر کے طلسم کے ہاتھوں خوار نہ ہونا، محتاط رہنا، یہ پراسرار کائنات جسے تم جیسی ناسمجھ کم فہم لڑکیاں کسی نو دریافت شدہ سیارے کی طرح خود پر منکشف ہونے دیتی ہیں، صدیوں سے پنپ رہی دلدل بھی ہو سکتی ہے۔

☆ ☆ ☆

"شکریہ جلال بیٹے! آپ کو اندازہ نہیں ہے۔ آپ نے مجھے کتنی بڑی فکر سے آزاد کر دیا ہے۔ مادی کی خوشی میرے لیے ہر چیز سے بڑھ کر ہے۔ آپ کے اس فیصلے سے میں بے حد خوش ہوں، سمجھ میں نہیں آ رہا، آپ کا شکریہ کس طرح ادا کروں۔" ثمینہ احساس تشکر سے بھرپور لہجے میں کہہ رہی تھیں۔

جلال کے چہرے پر مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں جھلک آمیز مسرت۔ ثمینہ کی بات سن کر وہ فطری سی گھبراہٹ کا شکار ہو گیا۔

"پلیز ثمینہ آنٹی! اب مجھے شرمندہ نہ کریں۔" اس نے جلدی سے کہا، پھر گلاس میز پر رکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں آپ کو بتانے آیا تھا، آج حویلی جا رہا ہوں، اپنے بزرگوں سے بات کر کے جلد ہی آپ کو انفارم کر دوں گا۔"

"میں انتظار کروں گی۔ تمہاری اور مادی کی منگنی ہو جائے تو سکون سے دہلی واپس چلی جاؤں گی۔"

ثمینہ نے شہد ٹپکاتے لہجے میں کہا۔ جلال جس طرح مسکراتا ہوا آیا تھا ویسے ہی رخصت ہوا یوں بھی آج کل

www.paksociety.com
aksfunforce.com

جس نئے جذبے نے اس کے دل میں ہلچل مچا رکھی تھی اس جذبے کے ساتھ لبوں پر بات بے بات مسکراہٹ کھیلنا کچھ ایسا حیران کن عمل نہیں ہے۔

جلال کے جانے کے بعد ثمینہ صوفے پر بیٹھ گئیں اور اس ساری صورت حال پر غور کرنے لگیں جو انہوں نے بڑی محنت سے ترتیب دی تھی۔ انہیں اپنی کامیابی کا پہلے بھی یقین تھا' جلال کی جانب سے مثبت جواب ملتے ہی یہ یقین کئی گنا بڑھ گیا تھا۔ لیکن ابھی بھی کوئی سوچ تھی جو انہیں لاحق تھی' دراصل ہر امکان اپنے ساتھ ایک اندیشہ ضرور لاتا ہے۔

اور یہ ہی اندیشہ ثمینہ کی فکرمندی کا سبب تھا۔ وہ جانتی تھیں جلال کو اس راہ پر لانا ہرگز مشکل نہ ہوگا' اصل مسئلہ عادی کا تھا جو ماضی کے حقائق سے لاعلم' بے فکری کی زندگی گزار رہی تھی۔

یکایک ثمینہ کے سامنے کئی ایک سوالیہ نشان منہ کھول کر کھڑے ہوگئے۔

"کیا عادی راضی ہوجائے گی۔"

"راضی ہونا تو بڑے دور کی بات ہے' کیا وہ میری بات کا اعتبار بھی کرے گی؟"

"ہاں ضرور... کیوں نہیں؟ ہاں ہوں میں اس کی' میری بات پر اعتبار نہ کرے گی تو کس کی بات پر کرے گی؟"

وہ خود ہی سوچتی اور اپنے ہر سوال کا جواب دیتی رہیں' یہاں تک کہ باہر آسمان پر تیزی سے بادل پھیل گئے اور پورا دن تاریکی میں ڈوب گیا۔

☆ ☆ ☆

دین محمد ششدر سا اپنی سب سے چھوٹی بیٹی کو جنت کے ہاتھوں پٹتا دیکھ رہا تھا' وہ اس قدر حیران پریشان ہوا تھا کہ آگے بڑھ کر بچی کو بچا بھی نہیں پا رہا تھا۔ کچھ دیر بعد بچی کو اچھی طرح دھننے کے بعد جنت اسے صحن میں پھینک کر اندر چلی گئی۔ بڑی دیر سے خاموشی سے ایک طرف کھڑی بشریٰ نے آگے بڑھ کر بچی کو اٹھایا اور سہلاتے ہوئے اسے کمرے میں لے آئی۔

"آپ کب آئے؟" کمرے میں دین محمد کو دروازے کے قریب کھڑا دیکھ کر بشریٰ بری طرح چونکی۔ دین محمد آج طبیعت خرابی کی وجہ سے اپنے مقررہ وقت سے پہلے گھر آگیا تھا' لیکن جنت اور بشریٰ دونوں ہی اس بات سے ناواقف تھیں۔

دین محمد نے اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے ہاتھ بڑھا کر بچی کو اپنی آغوش میں لے لیا' بچی کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا اور پے در پے پڑنے والے تھپڑوں سے لال ہو رہا تھا۔ وہ بری طرح سہمی ہوئی تھی اور دین محمد کے کندھے سے لگ کر گھٹ گھٹ کر رونے لگی تھی۔

"جنت اسے اتنی بری طرح کیوں مار رہی تھی؟" دین محمد نے پوچھا' بشریٰ خاموش رہی' لیکن اس کی آنکھوں میں وہ سب کچھ تھا جو دین محمد کو نظریں چرانے پر مجبور کر سکتا تھا۔

"اس نے جنت کی پلیٹ سے بوٹی اٹھالی تھی اور ہاتھ مار کر شوربا گرا دیا تھا۔"

بشریٰ نے بالآخر زبان کھولی۔

"دین محمد اور حیران ہوا' کیا بوٹیاں ختم ہوگئی تھیں؟"

"نہیں۔"

"پھر؟"

"اسے اچھا نہیں لگتا' کوئی اس کی پلیٹ میں سے کھائے۔"

"یہ تو بہت چھوٹی بات ہے۔"

"شوربا گرنے سے اس کے کپڑے بھی خراب ہوگئے تھے۔"

"چھوٹی عقل کی عورت! یہ کوئی ایسی بات ہے کہ بچی کو اس بے دردی سے مارا پیٹا جاتا۔" دین محمد نے یک دم بھڑک کر کہا' لیکن اگلے ہی پل اسے احساس ہوا کہ اس کو اشتعال کی حق دار جنت ہے' بشریٰ نہیں' لیکن جنت پہ وہ غصہ کیسے کر سکتا تھا۔ وہ تو اس کی لاڈلی نانی کی پہلی اولاد تھی۔

"تو وہاں کھڑی اپنی اولاد کو پٹتا دیکھتی رہتی' اسے ہو کر روک نہیں سکتی تھی اسے؟"

"میں کیسے روکتی۔" بشریٰ نے [illegible] کہا۔

"جنت کا ہاتھ پکڑ لیتی۔" دین محمد نے [illegible]

"جنت کا ہاتھ پکڑ لیتی تو مار کھا کر گھر آنے پر وہ آپ سے شکایت لگاتی اور پھر آپ مجھے مارتے۔"

دین محمد چپ کا چپ رہ گیا' بشریٰ نے جیسے اس کے سامنے آئینہ لا کر رکھ دیا تھا۔

"آپ مجھے دیکھ رہے ہیں' جی! کہ میں نے جنت کو کیوں نہیں روکا۔ آپ بھی تو یہاں کھڑے دیکھتے رہے۔ آپ نے کیوں نہیں روکا؟" بشریٰ نے بچی کو دین محمد سے لے لیا۔

"آپ فکرمند نہ ہوں۔ آپ نے آج پہلی بار جنت کے ہاتھوں اسے پٹتے دیکھا ہے۔ اس لیے پریشان ہوگئے ہیں' کل تو تم دوسرے دن دیکھتی ہوں۔ اپنی بیٹیوں کو ڈھور ڈنگروں سے بھی زیادہ بے دردی سے مار کھاتے دیکھنے کی عادت ہوگئی ہے' آپ کو بھی ہوجائے گی۔"

بشریٰ نے جیسے اس کے منہ پر طمانچہ دے مارا تھا۔

دین محمد وہیں کھڑا عالم پشیمانی میں گھر گیا۔ بشریٰ نے کئی مرتبہ اسے جنت کے ناروا سلوک کا احساس دلانے کی کوشش کی تھی' لیکن ہر بار دین محمد نے جنت کی طرف داری کی تھی' کیونکہ اسے کبھی لگا ہی نہیں کہ جنت بھی کچھ غلط کر سکتی ہے۔

لیکن ہاں جنت کی پیدائش کے بعد پہلی مرتبہ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ اس سے جنت کی تربیت میں کچھ نہ کچھ کوتاہی ضرور سرزد ہوگئی ہے۔ دین محمد گاؤں کے معززین میں شمار ہوتا تھا' کسی میں اتنی ہمت نہ تھی کہ اس کی بیٹی کے متعلق اس کے منہ پر کچھ کہہ سکے' لیکن بہرحال اس نے بھی کچھ چہ میگوئیاں سن ہی لی تھیں۔ وہ ان چہ میگوئیوں پر ہرگز کان نہ دھرتا۔ بشرطیکہ فاروق اور جنت کو سرراہ بات کرتے ہوئے نہ دیکھ چکا ہوتا۔ اس کا دل چاہا تھا فاروق کا منہ توڑ دے' لیکن اس سے بھی زیادہ صدمہ اسے جنت کی روش پر پہنچا تھا۔

وہ جنت کو بشریٰ سے زبان چلاتے دیکھ چکا تھا' چھوٹی بہنوں کو مارتے پیٹتے دیکھ چکا تھا اور اس کی یہ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس سے غلطی کہاں ہوئی ہے۔ اس نے تو جنت کو اتنی محبت دی تھی کہ کوئی باپ اپنی بیٹی کو نہ دیتا ہوگا۔

کیا محبت بھی کسی کو بگاڑ سکتی ہے؟

☆ ☆ ☆

"ثروت!" ایئرپیس میں آواز ابھری تھی۔ آواز تھی کہ مسرت کا سندیسہ۔ ثروت کے رگ و پے میں ایک سرخوشی سی دوڑ گئی۔

"دانیال! آپ۔" انہوں نے کہا تو فقط اتنا کہ بلیوں اچھلتے دل نے الفاظ ہی گم کر دیے تھے۔

وہ کم عمر لڑکیوں یا جذباتیت کے ہاتھوں بے حال عورتوں کی طرح خفا ہو کر نہیں لگی تھیں۔ بڑی سوچ بچار کے

http://pakistanipoint.com

بعد اس نتیجہ پر پہنچی تھیں کہ انہیں وہاں سے ہٹ جانا چاہیے، ممکن ہے ان کی غیر موجودگی دانیال کو ان کے رویے کی بدصورتی کا احساس دلا دے۔ اتنا عرصہ بے زبان بن کر گزار دیا، پہلی بار اپنے حق کے لیے آواز اٹھائی تھی تو بھی خدشات ساتھ ساتھ تھے گو کہ عقل ان کا شانہ تھپکتی تھی۔

جس مرد کے لیے عورت نے اپنی زندگی نثار کی ہو، اپنی ذات کی نفی کر دی ہو، اپنا اخلاص جس کے نام لکھا ہو، جس کے بچوں کی پرورش کے لیے اپنے دن رات قربان کیے ہوں، وہ ہی مرد عورت کو ساری زندگی شک کی مار مارتا رہے، کہاں کا انصاف ہے؟

وہ آ تو گئی تھیں، لیکن دل و جان سے دانیال کی محض ایک پکار کی منتظر تھیں۔ فیصلہ تو کر ہی چکی تھیں کہ وہ ایک بار پکار لیں تو جھکنے میں لمحہ بھی نہیں لگائیں گی اور شکر ہے، انہوں نے پہل کر بھی لی تھی۔ لیکن دانیال کے اگلے جملے نے جیسے سارے جوش و مسرت پر ٹھنڈا پانی انڈیل دیا۔

"الماری کی چابیاں کہاں رکھی ہیں؟" وہ بھی انا پرست تھے۔ ارادہ کچھ تھا لبوں سے کچھ ادا ہوا۔ جھکنا تو ان کی بھی فطرت میں نہیں تھا، کچھ ضد بھی زور پکڑ چکی تھی۔

"اوہ۔" ثروت کے دل کو دھکا سا لگا تھا۔ گہری سانس بھر کر رہ گئیں۔

"میرے پرس میں رکھی رہتی تھیں ہمیشہ سے۔ آتے ہوئے نکال کر آنا یاد ہی نہیں رہا۔"

"انسان میں اتنی عقل ہونا چاہیے، لیکن خیر عقل کا جذباتیت سے کیا تعلق؟" طنزیہ سلگاتا ہوا لہجہ۔

ثروت کی تیوری پر بل پڑ گئے۔

"جذباتیت انسان کے پاس سوچنے سمجھنے کی صلاحیت رہنے ہی کہاں دیتی ہے۔" دانیال حسن نے مزید کہا۔

"غالباً" آپ شک کہنا چاہ رہے ہیں۔" ثروت نے بھی حساب برابر کرنے کی ٹھانی۔ لیکن اس بار دانیال حسن کا دماغ بھک سے اڑ گیا، یوں بھی ان کے سرد مہری میں ڈوبے سوئے طنز اس وقت تک کاری ثابت ہوتے تھے، جب تک ثروت زبان بندی کے فیصلے پر عمل درآمد کرتیں۔

"کوئی نہ کوئی بات ہوتی ہے جب ہی شک زور پکڑتا ہے۔" انہوں نے سلگ کر کہا۔

"جی نہیں... کچھ لوگوں کو ہوا میں تیر چلانے کا بھی شوق ہوتا ہے... لیکن آپ نہیں سمجھ سکتے۔"

"چابیاں؟"

"میں کل ہی ڈاک کے ذریعے بھجوا دوں گی۔" ثروت نے ان سے زیادہ سرعت سے کہا۔

"بہتر... کیا ہی اچھا ہو تا کہ تم نے احتیاط سے کام لیا ہوتا، مجھے فون کرنے کی زحمت سے اٹھا پاتی۔"

"اف۔" ثروت کا چہرہ خفت سے سرخ ہو گیا۔

"بچے کیسے ہیں؟" انہوں نے پوچھا۔

"خوش و خرم۔ انہیں اس گھر میں کس چیز کی کمی ہے کہ کسی اور کے در پر جا بیٹھیں۔" ایک اور وار... ثروت نے تحمل سے سہا۔

"میرا دوست فرحان قریشی تو تمہیں یاد ہو گا؟ اس کا بیٹا میرے کلاس میں ہے، میں کل اس کی تصویر تمہیں ای میل کر دوں گا، اپنی رائے سے آگاہ کرو نا۔ میرا خیال ہے اغوا کے لیے وہ بہترین شریک حیات ثابت ہو گا۔" کھٹاک کی آواز کے ساتھ فون بند ہو گیا۔

ثروت ہکا بکا سی ریسیور ہاتھ میں لیے کھڑی رہیں، ان کے کانوں میں اپنا ہی جملہ گونج رہا تھا۔

"علیحدگی کا فیصلہ ہو تو میری بیٹی کو میرے سے رخصت کر دیجیے گا۔"

"تو... تو کیا فیصلہ ہو چکا؟" ایک ہراس میں گھری ہوئی آواز ان کے دل سے ابھری تھی اور پھر دل کسی اتھاہ میں

ترقی یافتہ ممالک میں ہر 3 میں سے 2 ڈینٹسٹ
کھانے کے سوڈے والا ٹوتھ پیسٹ تجویز کرتے ہیں جیسے ...
Soda White
BAKING SODA
سوڈا دانتوں میں شامل کھانے کا سوڈا
دانتوں پر چپکے میل اور داغوں کو
پھر اکٹھی سے ہٹاتا ہے
FLUORIDE
پھر پاور فل فلورائیڈ دانتوں پر
اثر دکھاتا ہے
SodaWhite
دانتوں کو مضبوط اور کیڑا لگنے سے
محفوظ بناتا ہے
Seal
SodaWhite
BAKING SODA TOOTHPASTE
TARTAR CONTROL
99% Germs Free
www.paksociety.com
Munirface.com

ڈوبتا چلا گیا۔

☆ ☆ ☆

بڑی سوچ بچار کے بعد دین محمد نے فاروق سے بات کرنے کا ارادہ کیا' بلکہ بات بھی کیا کرنا تھی سیدھے سادے طریقے سے اسے ڈرا دھمکا کر اس گاؤں سے رخصت کرنے کی ٹھانی۔

لیکن فاروق کوئی نو عمر لڑکا نہیں رہ گیا تھا جو ماموں سے چار تھپڑ کھا کر ہراساں ہو جاتا' وہ جوان بھرپور لڑکا تھا' جس کے بازوؤں میں دین محمد سے زیادہ طاقت تھی' پھر وہ محکمہ زراعت کا ملازم تھا اور یہ کوئی معمولی بات نہ تھی۔ کوئی اس کے گریبان پر ہاتھ ڈالتا تو فاروق اتنی استطاعت رکھتا تھا کہ نہ صرف اسے دھوبی پٹکا دے کر زمین پر گرا دیتا' بلکہ اس کی گردن بھی توڑ دیتا۔

دین محمد کی بات سن کر وہ بری طرح بھڑک گیا۔

"مجھے کچھ کہنے سے بہتر ہے اپنی بیٹی کو سمجھاؤ۔ سو مرتبہ اس سے کہہ چکا ہوں' میرے پاس نہ آیا کرے مگر اس کی ہڈی میں تو سکون ہی نہیں ہے۔"

"تو الو کے پٹھے' میری بیٹی۔۔۔" دین محمد اس کی بات پر بری طرح بھڑک گیا۔

"گالی مت دینا ماموں۔" فاروق نے اس سے زیادہ اشتعال انگیز لہجے میں کہا۔ "غیرت مندی صرف تم میں نہیں ہے' میں بھی راجپوتوں کا خون ہوں۔ تمہاری عزت کی پروا نہ ہوتی تو آج تمہاری لاڈلی کے کرتوت سارے گاؤں کو پتا چل چکے ہوتے۔ جتنا تم نے مجھے اور میرے ماں' باپ کو ذلیل کیا تھا' میں چاہتا تو بڑے آرام سے تمہاری عزت کا جنازہ نکال کر تمہارے ساتھ حساب برابر کر لیتا' لیکن مجھے صرف اپنی ماں کی پروا ہے' جس کو تم اور تمہاری بیٹی بڑی عزیز ہے اور میں نہیں چاہتا میرے کسی عمل سے میری ماں کو دکھ پہنچے۔

میری بانو ماموں! اپنی اس فنی کے دو بول پڑھا کر رخصت کر دو' یہ اب تمہارے قابو میں نہیں آنے والی' میں یہاں کب تک ہوں' آج نہیں تو کل میرا تبادلہ کسی اور جگہ ہو جائے گا' لیکن میری جگہ یہاں جو بھی آئے گا' وہ بھی مرد ہی ہو گا اور اتفاق سے اسے تمہاری عزت کی پروا کرنے کی ضرورت بھی نہیں پڑے گی۔۔۔ ہر کوئی میری طرح نہیں ہو گا' تاکہ پلیٹ میں پیش کی جانے والی شراب کو انکار کر دے۔ اس لیے بہتر ہے سنبھال لو اپنی بیٹی کو۔" فاروق کی زبان الفاظ نہیں زہر اگل رہی تھی۔

دین محمد اٹھے ہوئے سر اور کندھوں کے ساتھ فاروق سے جواب طلبی کرنے گیا تھا' لیکن واپسی میں اس کا سر اور کندھے جھکے ہوئے تھے۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ فاروق کی بات میں سچ اور جھوٹ کا تناسب کتنا تھا' وہ صرف اتنا جانتا تھا کہ روشنی کے باوجود فاروق نے اس کی عزت کی پروا کی تھی۔

دین محمد بے حد فکر مند ہو گیا تھا۔ جنت کی جگہ اس کا بیٹا ہوتا تو وہ مار پیٹ کر اسے سمجھا سکتا تھا' لیکن جنت لڑکی تھی اور دین محمد کی بے حد لاڈلی۔ وہ اسے پھولوں کی چھڑی سے بھی چھونے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔

چھوٹی چھوٹی غلطیاں تو ہم سب ہی کرتے ہیں' بعض اوقات ان چھوٹی چھوٹی غلطیوں کا کوئی مجموعہ ہمارے لیے مشکلات بھی کھڑی کر دیتا ہے' لیکن کچھ لوگوں کی چھوٹی چھوٹی غلطیاں اور کوتاہیاں مل کر دلدل کی شکل اختیار کر لیتی ہیں اور خود پر پہلا قدم پڑتے ہی انسان کو اپنے اندر دھنستا ہوا محسوس ہوتا ہے۔

دین محمد کی غلطیاں بھی ایسی ہی دلدل کی صورت اختیار کر چکی تھیں اور دین محمد سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ اس دلدل میں پیر رکھے بغیر دوسری طرف کس طرح پہنچے۔

بیٹی کی محبت نے بالآخر اسے ایک بار پھر دلدل میں اتار کھڑا کر دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

شبیہہ کمرے میں داخل ہوا تو جلال چھوٹے سے لیدر بیگ میں روز مرہ ضرورت کا سامان رکھ رہا تھا اور کہیں روانگی کی تیاری میں دکھائی دیتا تھا۔

"کدھر کی تیاری ہے جناب؟" اس نے تھکے تھکے انداز میں لیکن کوئی گوارت سے پوچھا۔ ابھی کیمپس سے لوٹا تھا اور تکان زدہ دکھائی دیتا تھا۔

"میں گاؤں جا رہا ہوں۔" جلال نے مصروف سے انداز میں جواب دیا۔

"ہیں!" شبیہہ چونکا۔ "یہ اچانک گاؤں جانے کا پلان کیسے بن گیا؟ صبح تک تو کوئی ارادہ نہیں تھا۔ اس نے بیڈ پر لیٹتے ہوئے کہا۔

"بس اچانک پلان بنا' سب لوگ بہت یاد آ رہے تھے' سوچا جا کر مل ہی آؤں۔" جلال نے اصل بات گول کرتے ہوئے بہانہ بنایا۔

"تم بھی چلو شبیہہ! اکٹھے واپس آ جائیں گے۔" ساتھ ہی اسے بھی پیش کش کی۔

"نہیں یار! مجھے تو کل تک ہر حال میں اپنا پروجیکٹ سبمٹ کروانا ہے۔" شبیہہ نے معذوری ظاہر کی۔ "تم یوں کرو' تم بھی رک جاؤ کل اکٹھے گاؤں کے لیے نکلیں گے' ویسے بھی آج موسم بہت خراب ہے' میرا نہیں خیال ایسے موسم میں تمہیں ڈرائیونگ کا رسک لینا چاہیے۔"

جلال تھکے ہوئے انداز میں بیڈ پر لیٹ گیا۔

"کیا بات ہے' بہت تھکے ہوئے لگ رہے ہو؟" جلال نے بات ٹالتے ہوئے پوچھا۔ شبیہہ نے جواب دینے کے بجائے اپنی آنکھوں کو انگلیوں سے مسلنا شروع کر دیا تھا۔

"شبیہہ! طبیعت ٹھیک ہے تمہاری؟" جلال نے فکر مندی سے پوچھا۔

"ہوں۔۔۔ ہاں۔" شبیہہ نے سابقہ انداز میں کہا' پھر دل ہی دل میں کسی نتیجے پر پہنچتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"جلدی! صبح تم پارک گئے تھے؟"

"ہاں۔۔۔ میں تو روز جاتا ہوں۔" جلال نے جلدی سے کہا' ساتھ اس کے چہرے پر موجود کشمکش بھانپ کر بولا۔

"بات کیا ہے شبیہہ؟"

"میں نے کئی روز سے انہیں نہیں دیکھا۔" اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"کون؟ کس کی بات کر رہے ہو۔"

"تمہاری ثروت آنٹی۔" اس نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔ امی' ممی یا ماں ٹائپ الفاظ تو وہ ان کے لیے کبھی بولتا ہی نہیں تھا' اب ان کے لیے کوئی جذبہ دل میں ابھر تو رہا تھا' لیکن اس جذبے کو بھی کوئی واضح نام دینے سے وہ قاصر تھا۔

جلال نے بغور اسے دیکھا۔

"ہاں۔۔۔ میں نے بھی کئی روز سے انہیں نہیں دیکھا۔ میرا خیال ہے' وہ پارک آئی نہیں رہیں' ورنہ میری ملاقات ضرور ہوتی۔"

شبیہہ نے اس بار کوئی جواب نہ دیا' لیکن اس کے چہرے پر الجھن یا فکر مندی بڑھ گئی تھی۔

"ممکن ہے وہ بیمار ہوں' یا یہاں موجود ہی نہ ہوں' ورنہ جب سے میں یہاں آیا ہوں' ایک بھی دن میں نے انہیں غیر حاضر نہیں پایا۔" جلال نے کہا۔

"اگر تم کہو تو میں ان کے گھر جا کر ان کی خیریت معلوم کر لیتا ہوں۔"

"ارے نہیں' اب اتنی بھی امپورٹنٹ نہیں ہیں وہ۔" اس کی سخت مزاجی عود کر آئی۔ جلال کو اکتاہٹ سی محسوس ہوئی۔

"خیر امپورٹنٹ تو وہ ہیں' نہ ہوتیں تو تم ان کے لیے فکر مند نہ ہوتے۔"

"آتے جاتے ہر دوسرے تیسرے نظر آ ہی جاتی تھیں۔ آنکھوں کو عادت ہو جاتی ہے بھئی' سڑک کنارے درخت لگا ہو تو اس سے بھی آنکھیں مانوس ہو جاتی ہیں۔ ورنہ اور کوئی بات نہیں ہے۔" شبیہہ نے جھنجلا کر کہا تھا۔

"میں ابھی انہیں روز دیکھتا ہوں پارک میں ملاقات ہو جاتی ہے' لیکن میں نے تو ان کی کمی محسوس نہیں کی۔" جلال جرح کرنے لگا۔

شبیہہ نے خاموشی سے منہ پر تکیہ رکھ لیا۔ جلال سمجھ گیا' اب وہ اس موضوع پر کچھ نہ کہے گا۔ جلال خاموش رہ کر اپنے کام میں لگا رہا۔ وہ تو خود شبیہہ سے ماوی کا ذکر کرنا چاہ رہا تھا' لیکن وہ خود الجھا ہوا تھا۔ جلال کی بات میں کہاں دلچسپی لے پاتا۔ یہ ہی سوچ کر جلال نے اس ذکر کو کسی اور وقت پر ٹال دیا۔ لیکن وہ ماوی کے متعلق سوچنے لگا' اسے ماوی کے متعلق سوچنا اچھا لگ رہا تھا' پتا نہیں پھول ملنے پر اس نے کیسا ردعمل ظاہر کیا ہو گا؟ کاش! میں اپنے لیے ان تمام جذبوں کے رنگ اس کے چہرے پر دیکھ سکتا جو وہ میرے لیے محسوس کرتی ہے۔

ابھی وہ یہ ہی سوچ رہا تھا کہ شبیہہ کی آواز سنائی دی۔

"اور ہاں... تم اس روز روڈ پر کس لڑکی کے ساتھ تھے؟ میں اسے پہچان گیا ہوں' یہ وہ ہی لڑکی تھی نا' جس نے بے وجہ مجھ سے جھگڑا کیا تھا؟ مجھے وہ بالکل اچھی نہیں لگی تھی۔ تمہیں ذرا فرینڈز بناتے ہوئے محتاط رہنا چاہیے۔ ایسی بدتمیز لڑکیوں سے دوستی کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ پتا نہیں ایسی منہ پھٹ' بدتمیز لڑکیاں کن احمقوں کو اچھی لگتی ہوں گی۔"

وہ بڑبڑاتے ہوئے واش روم میں گھس گیا۔ جلال سر پکڑ کر بیٹھ گیا' وہ تو شبیہہ کو اپنے اور ماوی کے بارے میں بتا کر دادی جان کو راضی کروانے کے سلسلے میں پہلا اور سب سے اہم ووٹ اپنے حق میں کروانا چاہ رہا تھا' کہاں یہ صورت حال کہ شبیہہ صاحب اپنی ناپسندیدگی جتا گئے تھے۔ جلال کو کسی بڑی گڑبڑ کا احساس ہو رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

بہت تیز بارش تھی۔ بادل گرجتے تو لگتا اللہ کا قہر نازل ہو رہا ہے۔ بجلی کڑکتی تو تیز روشنی آنکھیں چندھیانے لگتی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا اور میان میں حائل شیشہ توڑ کر اندر گھس آئے گی۔

کیسا غضب کا طوفان تھا۔ ہوا در و دیوار سے ٹکراتی پھرتی تھی۔

ثمینہ کب سے چپ چاپ کھڑی شیشے کے اس طرف تباہی مچاتے طوفان کو دیکھ رہی تھیں۔

باہر اگر اتھل پتھل تھی تو اندر ایک سکوت کا عالم تھا جیسے سمندر پر رات پھیل رہی ہو ایسا سناٹا جو وحشت میں مبتلا کر دے۔

ماوی نے کئی بار دیکھا۔ ثمینہ گم صم سی کھڑکی سے باہر جھانک رہی تھیں۔ وہ ہر بار مخاطب کرنے کا ارادہ کرتی پھر ٹال دیتی خدا معلوم۔ کس گہری سوچ میں مبتلا تھیں۔ وہ ٹوٹی وی کے سامنے ڈٹی بیٹھی تھی۔ ایک بڑا سا پیالہ گود میں دبوچ رکھا تھا دوسرے ہاتھ میں لکڑی کا چمچہ جس کے ساتھ باؤل میں چینی اور مکھن کا آمیزہ پھینٹا جا رہا تھا۔ دونوا ہی کاموں میں انہماک قابل دید تھا۔

بالآخر اس خاموشی کو ثمینہ نے ہی توڑا۔

"کیا کر رہی ہو ماوی! آؤ باتیں کریں۔"

"اس۔" ماوی نے چونک کر کہا۔ "ہاں... باتیں تو مجھے بھی آپ سے کرنی ہیں لیکن پہلے ذرا یہ کوکیز بیک ہونے رکھ دوں؟"

"کوکیز میری بات سے زیادہ اہم نہیں ہیں۔" ثمینہ نے آہستگی سے کہا۔

"جب میں کافی کے ساتھ کوکیز آپ کی خدمت میں پیش کروں گی تو آپ کو باتیں کرنے کا مزہ آجائے گا۔" اس نے اپنے مخصوص انداز میں کہا پھر اپنی جگہ سے کھڑے ہوتے ہوئے بولی۔

"ویسے بھی میں آج آپ سے بہت کچھ پوچھنا چاہ رہی ہوں۔"

"مجھے پتا ہے۔ تم کیا پوچھنا چاہ رہی ہو؟" ثمینہ نے کہا۔

"کیا؟"

"تم زرین کے بارے میں پوچھنا چاہ رہی ہو ناں؟"

"زرین کون؟"

"تمہاری چھوٹی جان۔"

"ارے ہاں۔" ماوی بری طرح چونکی اور آنکھیں متاثر کن انداز میں پھیلا کر پوچھنے لگی۔ "لیکن آپ کو کیسے پتا چلا کہ میں ان کے بارے میں پوچھنا چاہ رہی ہوں۔ ہائے گاڈ ممی! کیا آپ کے پاس موکل ہیں جو آپ کو ہر خبر دے دیتے ہیں۔"

ثمینہ اس کی بات پر آہستگی سے ہنسیں۔

"نہیں موکل نہیں ہیں میرے پاس۔"

"پھر جو میں سوچ رہی ہوتی ہوں یا جو بات میرے دل میں ہوتی ہے' اس کا آپ کو کیسے پتا چل جاتا ہے؟" اس نے الجھن آمیز انداز میں پوچھا۔

"کیونکہ میں تمہاری ماں ہوں اور ماؤں کو سب پتا ہوتا ہے۔" ثمینہ نے سابقہ انداز میں کہا تھا۔

"اچھا۔" ماوی نے ابرو اچکا کر پل بھر کو سوچا۔

"پھر آپ مجھے پھپھو کے بارے میں بتائیں گی ناں؟"

"ہاں۔ بتاؤں گی' آج تو سب کچھ بتاؤں گی۔" ثمینہ نے خود کلامی کے انداز میں کہتے ہوئے کھڑکی کی طرف رخ موڑا۔

"چلیں ٹھیک ہے میں بس بیس منٹ میں اپنا کام سمیٹ کر آتی ہوں۔" وہ پھرتی سے کچن کی طرف چلی گئی۔

ثمینہ کھڑکی سے باہر دیکھتی رہیں۔ جہاں بارش مزید تیز ہو گئی تھی اور موٹی موٹی بوندیں زور زور سے بند شیشے سے ٹکرا رہی تھیں۔ اللہ جانے کون سا طوفان زیادہ شدید تھا' وہ' جو کھڑکی سے باہر تباہی مچا رہا تھا یا وہ' جو ثمینہ کی ذات کو اتھل پتھل کیے دے رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"کیا بات ہے بھائی دین محمد! پریشان لگ رہے ہو۔"

دین محمد نے چونک کر حسین احمد کو دیکھا۔ وہ کھانا کھاتے ہوئے ہاتھ روک کر فکر مندی سے دین محمد کو دیکھ رہا تھا۔

http://www.paksociety.com

Doctor
HAIR FALL SOLUTION
بال گرنا بند!
کیونکہ بال ہے مضبوط
Doctor
Rs.200
Rs.375
http://www.paksociety.com

"نہیں۔ پریشان تو نہیں ہوں بس سوچ رہا تھا اس کا مول اچھا لگ جائے تو اگلی پیلی کے لیے سہولت رہے گی۔" دین محمد نے مہارت سے بہانہ بناتے ہوئے کہا اور رغبت سے کھانا کھانے لگا۔

وہ اپنی کپاس کی ضرورت کے سلسلے میں قریبی قصبہ کی منڈی میں آیا ہوا تھا' یہیں اس کی ملاقات اپنے بے حد عزیز لیکن کئی سال پہلے بچھڑے ہوئے دوست حسین احمد سے ہوگئی۔ حسین احمد اور اس کا خاندان کئی سال اسی گاؤں میں رہ چکے تھے جس گاؤں سے دین محمد کا تعلق تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ اس وقت دین محمد ایک معمولی درجہ کا زمین دار تھا لیکن اب اس کی حیثیت میں کئی گنا اضافہ ہو چکا تھا جنت کی پیدائش کے چند مہینے بعد حسین احمد نے اپنے بیوی بچوں کے ساتھ گاؤں چھوڑ دیا تھا' حسین احمد شہر میں جا بسا تھا۔ ان دونوں نے اتنے طویل عرصہ بعد کی ملاقات میں خوب باتیں کی تھیں۔ از سر نو میل جول بڑھانے کی بات بھی ہوئی۔ حسین احمد نے زہرہ کے انتقال کی خبر سن کر دکھ کا اظہار بھی کیا تھا حسین احمد نے یہ بھی کہا۔

"دوسری شادی کر کے تو نے برا کیا اچھا کیا' آخر انسان کب تک اکیلے زندگی گزار سکتا ہے۔ مرد کو بیوی کی ضرورت پڑتی ہی ہے پھر بیٹیوں کی تربیت ماں سے بہتر کوئی نہیں کر سکتا۔"

کوئی اور وقت ہوتا تو دین محمد ہرگز اس کی بات نہ مانتا لیکن اب اسے اس بات پر سو فیصد یقین آ چکا تھا۔ کبھی کبھی جب وہ جنت کی طرف سے بہت پریشان ہوتا تو سوچتا شاید اس سے ہی جنت کی تربیت میں کوئی غلطی سرزد ہو گئی ہے۔ اس نے کبھی بشریٰ کو اتنا اختیار دیا ہی نہیں کہ وہ ماں بن کر جنت کو ڈانٹ ڈپٹ لے یا کوئی بات سمجھانے کی کوشش ہی کرے۔

لیکن اب تو پانی سر سے گزر چکا تھا اور بعض اوقات فکر مندی سے اسے رات رات بھر نیند بھی نہ آتی تھی۔

اس کو یاد تھا وہ کئی بار زہرہ کے سامنے اس بات کا اظہار کر چکا تھا کہ وہ جنت کو رخصت نہیں کرے گا بلکہ اس کے لیے کوئی ایسا لڑکا تلاش کرے گا جو گھر داماد بن کر ان کے ساتھ رہے لیکن وقت اور حالات بڑی تیزی سے انسان کے خیالات میں تبدیلی پیدا کر دیتے ہیں۔ دین محمد بھی اب اسی کوشش میں تھا کہ جیسے ہی کوئی اچھا رشتہ ملے وہ جنت کو رخصت کر دے یوں بھی اس کے ساتھ کی بہت سی لڑکیاں بیاہی جا چکی تھیں' صرف دین محمد تھا جس نے جنت کو گھر میں بٹھا کر رکھا ہوا تھا۔

وہ کھانا کھاتے ہوئے ایک بار پھر گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ حسین احمد نے اس بار تشویش کے عالم میں اس کا کندھا ہلایا۔

"تجھے ہوا کیا ہے دین محمد!"

"کچھ نہیں۔۔۔ کچھ بھی تو نہیں حسین بھائی!" دین محمد نے کہا۔ حسین احمد اس سے عمر میں کئی سال بڑا تھا لیکن دونوں کی دوستی خوب تھی۔

"اچھا اس سے ملو۔۔۔ اس کو پہچانتے ہو کہ نہیں؟" حسین احمد نے پر اشتیاق لہجے میں کہا۔ دین محمد نے سر اٹھا کر دیکھا۔ اونچے قد کا اور مضبوط ڈیل ڈول والا تیس بتیس برس کا جوان مسکرا رہا تھا۔

"دلاور حسین۔۔۔" دین محمد نے بے ساختہ کہا اور اس سے بغل گیر ہو گیا۔ "تم بھی کمال کرتے ہو بھائی حسین! کیا اپنے بھتیجے کو بھی نہیں پہچانوں گا۔"

وہ دلاور سے حال احوال دریافت کرنے لگا۔ پتا چلا وہ فوج میں بھرتی ہو چکا تھا۔ چند سال پہلے شادی بھی کی لیکن بیوی بیٹے کی پیدائش کے وقت فوت ہو چکی تھی۔

"میں تو کہتا ہوں شادی کر لے لیکن یہ سنتا ہی نہیں۔ تو ہی سمجھا اسے دین محمد! آخر بیوی کے بغیر گزارا کرنا کیا آسان ہے۔"

دین محمد' دلاور حسین کو کیا سمجھاتا۔ اس کے ذہن میں تو بجلی کی طرح کوندا لپکا تھا۔ اس نے آنکھیں سکوڑ کر دلاور حسین کو دیکھا۔ شکل و صورت "بہترین خاندان' زمین جائیداد کا مالک پھر حکومت کا ملازم۔ جنت کے ساتھ خوب جچتا' لیکن اگلے ہی پل اس نے اپنے خیال کو رد کر دیا اور دل تاسف کر رہ گیا' جنت اور دلاور کی عمروں کا فرق یاد آگیا تھا پھر دلاور کا بیٹا بھی تھا۔

کچھ چیزیں انسان کو اپنے لیے غلط اور اولاد کے لیے درست لگتی ہیں اور کچھ چیزیں انسان اپنے لیے درست اور اولاد کے لیے غلط قرار دے دیتا ہے یہ طرز عمل صحیح ہے یا نہیں لیکن انسان اکثر ایسا کرتا ہے۔

دین محمد نے دل ہی دل میں دلاور حسین کو جنت کے لیے غیر مناسب قرار دیتے ہوئے اپنی اور بشریٰ کی عمروں کے فرق کو بھلا دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

لونگ دا الشکارا لونگ دا الشکارا
مائیں نی مائیں میناں لونگ گھڑاوے
لونگ گھڑاوے نگ جڑواوے
نگ جڑواوے ایسا۔۔۔

ولید کی اونچی اونچی تانیں سارے گھر میں گونج رہی تھیں انیباء کا بس نہ چلتا تھا' اسے اٹھا کر گھر سے ہی باہر پھینک دے۔ صبح سے ایسے ہی شادی بیاہ کے گیت سنا سنا کر اس کے کان کھا رہا تھا۔

"ولید کے بچے! اب تم خاموش نہ ہوئے تو گلدان اٹھا کر تمہارے سر پر مار دوں گی۔" اس نے کتاب پٹخ کر دھمکایا۔ کل اتنا اہم ٹیسٹ تھا اور یہ لڑکا مستقل اس کے سر پر سوار۔

"اس میں اتنا غصہ کرنے کی کیا بات ہے؟" ولید نے معصوم سی شکل بنا کر پوچھا۔ "تمہیں یہ گانا پسند نہیں تو کوئی اور سنا دیتا ہوں۔۔۔ اچھا وہ گانا کیسا رہے گا۔"

ابھی وہ یہیں تک ہی پہنچا تھا کہ انیباء چیخ اٹھی۔

"خبردار' خبردار اب ذرا سی بھی آواز نکالی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔ غضب خدا کا صبح سے میرا سر درد سے پھٹا جا رہا ہے۔ پتا نہیں یہ سارے زنانہ گیت تم نے کہاں سے یاد کیے ہیں اوپر سے تمہاری آواز۔۔۔ ایسا لگتا ہے درجن بھر کوے۔ ایک ساتھ چیخ رہے ہوں میرے تو کان ہی پک گئے۔ اب میں تمہاری آواز میں مزید کچھ نہیں سن سکتی۔ رحم کرو مجھ پہ۔" آخر میں وہ بالکل ہی روہانسی ہو کر بولی تھی

ولید نے خفگی سے اسے گھورا۔

"ایک تو صرف تمہاری خاطر میں نے اتنے گانے یاد کیے ہیں اس پر سے تمہارا یہ رویہ تم مجھے ہی سنا رہی ہو۔"

"میری خاطر کس خوشی میں؟" انیباء نے چڑ کر کہا۔ "میں نے تم سے فرمائش کی تھی کیا؟"

"ابھی تک تو نہیں کی لیکن شادی پر تو کرو گی۔۔۔ اب تمہاری اونگی بونگی سہیلیاں تو گانا نہیں سکتیں۔ کوئی تو ہونا چاہیے جو اچھی آواز میں گا سکے یہی سوچ کر میں نے آج سے پریکٹس شروع کر دی ہے لیکن تمہیں تو قدر ہی نہیں ہے۔" انداز احسان جتانے والا تھا۔

"اس کی فکر تم نہ کرو۔" انیباء نے رخ اسٹڈی ٹیبل کی جانب موڑتے ہوئے لاپروائی سے کہا۔

"میری شادی میں ابھی بہت وقت ہے پھر اور ویسے بھی تم سے تو اسّی فیصد بہتر گا لیں گی میری اونگی بونگی سہیلیاں۔"

"جی نہیں۔۔۔ یہ غلط فہمی اپنے دل سے فوراً نکال دو۔" ولید نے کہا۔

"لگتا ہے میری سہیلیوں کی آوازیں سنے بغیر ہی تم حسد میں مبتلا ہو گئے ہو۔" انیباء نے چڑایا۔

"ارے ان سے حسد کرتی ہے میری جوتی۔۔۔ وعدہ رہا اپنی شادی پر اپنی ساری بے سری سہیلیوں کا مجھ اکیلے سے مقابلہ کروا لینا۔ ایک گھنٹہ بھی میرے آگے ٹھہر گئیں ناں تو اپنا نام بدل دوں گا۔" ولید نے جوش سے کہا۔

"اچھا تو پھر؟" انیباء کو اس کی بات برحق سے زیادہ نہ لگی۔

"اپنے دل سے یہ غلط فہمی نکال دو کہ تمہاری شادی میں بہت وقت ہے۔ ڈیڈی تو عنقریب رخصت کرنے کے چکروں میں ہیں۔۔۔ لڑکا بھی پسند کر چکے وہ تو۔"

انیباء ہکا بکا سے رہ گئی۔ اس کے ہاتھ سے پین چھوٹ گیا۔

"کیا کہہ رہے ہو ولید!" اس نے سراسیمگی سے ولید کو دیکھا۔

"تمہیں تمہاری شادی کی خوش خبری سنا رہا ہوں۔" ولید نے اطمینان سے جواب دیا۔ "میں نے خود ڈیڈی کو فون پر کہتے سنا ہے۔"

"یہ خوش خبری ہے؟" انیباء نے چڑ کر کہا۔

"تو پھر کیا ہے؟"

"میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی ولید!" اسے سخت پریشانی لاحق ہو گئی تھی "اور پھر ڈیڈی' ممی کی غیر موجودگی میں اتنا بڑا فیصلہ کیسے کر سکتے ہیں۔"

"میری مانو۔۔۔ چپ چاپ شادی کر کے اپنی لائف سیٹ کرو۔ لڑکوں کی زندگی تو ماں باپ کی علیحدگی کے بعد بھی ٹھیک رہتی ہے۔ شہیر العباس بھائی کو ہی دیکھ لو۔۔۔ کس بات کی کمی نظر آتی ہے ان کی زندگی میں' بیوی اور رولی بھی سیٹ ہو ہی جائیں گے اصل مسئلہ تمہارے لیے ہوگا ویسے بھی لڑکیاں ایڈجسٹ ہوتی ہیں۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر ایمبارل ری ایکشن دیتی ہیں۔"

"تم کیا کہہ رہے ہو ولید! میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔" انیباء نے تعجب و ناسمجھی سے کہا۔

"بھئی ڈیڈی اور ممی میں ڈائیورس ہونے والی ہے' اس سے پہلے ہی تمہاری شادی ہو جانا چاہیے۔" بالآخر بلی تھیلے سے باہر آ ہی گئی۔

"شٹ اپ ولید! کبھی تو سوچ سمجھ کر بولا کرو۔" انیباء نے غصے سے کہا۔

"غصہ مت کرو الو!" ولید نے تحمل سے کہا۔ "جو بات چند روز بعد تمہیں ممی یا ڈیڈی سے پتا چلنا ہے' وہ میں بتا رہا ہوں تو بھڑک کیوں رہی ہو؟ تمہارا کیا خیال ہے' ممی یونہی اتنے روز سے نانا جان کے گھر جا کر بیٹھی ہوئی ہیں؟"

انیباء بے طرح فکر مند ہو گئی ہر امکان سوچ چکی تھی مگر اس نہج تک تو اس نے ہرگز نہ سوچا تھا۔

"ولید! آپ بھی تم نے ڈیڈی کو کہتے سنا ہے یا تمہارا اندازہ ہے؟" یکایک اسے خیال آیا۔

"میری چھٹی حس بتا رہی ہے۔" ولید نے سنجیدگی سے کہا۔

"خدا کرے تمہاری چھٹی حس اس بار غلط اشارہ دے رہی ہو۔" انیباء نے صدق دل سے کہا۔

"آمین۔" ولید کی آواز دھیمی تھی۔

"میں ممی کو فون کروں؟"

ولید نے کندھے اچکا دیے۔ انیباء کے لیے فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا لیکن اگلے ہی پل وہ اٹھی اور اپنے سیل فون پر نمبر ڈائل کرنے لگی۔

☆ ☆ ☆

دین محمد' باجی زبیدہ کو دیکھ کر بے حد حیران ہوا۔

پچھلی بار باجی زبیدہ زہرہ کے انتقال پر حویلی آئی تھی اور دین محمد نے اسے بے حد بے عزت کر کے نکال دیا تھا۔

http://www.paksociety.com



اس قدر تذلیل سہنے کے بعد وہ ایک بار پھر اعلا ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے حویلی آگئی تھی تو اس کی وجہ صرف اور صرف ماں جائے کی محبت اور جنت تھی۔

یہ بات صرف باجی زبیدہ ہی جانتی تھی کہ اس نے فاروق کو کن دقتوں سے جنت کے ساتھ شادی پر آمادہ کیا ہے۔ لیکن دین محمد اپنی تمام تر پریشانی کے باوجود اسے دیکھ کر پھر اکڑ گیا اور مصلحت آمیزی کا مظاہرہ کرنے کے بجائے زبیدہ کو مزید بے عزت کرنے لگا۔

"پاگل پن نہ کر دین محمد! تو نہیں جانتا گھر آئے بر کو ٹھکرا کر تو کیسی بڑی حماقت کر رہا ہے۔" باجی زبیدہ نے اس کی ساری جلی کٹی سننے کے بعد بھی منت بھرے لہجے میں کہا۔

"میں نے کیا کرنا ہے کیا نہیں..... مجھے سکھانے کی ضرورت نہیں ہے باجی!" دین محمد نے تڑخ کر کہا۔ "تیرے بیٹے نے میرے منہ پر کالک ملنا بھی سو مل دی۔"

"ارے میرے بیٹے نے ایسا کچھ نہیں کیا کہ تو اسے الزام دے۔ جنت خود اس سے ملنے جاتی رہی ہے۔" بالآخر باجی زبیدہ کی برداشت بھی جواب دے گئی۔

"بس بس..... میری بیٹی کے بارے میں ایک بھی اور لفظ نہ کہنا۔"

"دیکھا..... اپنی اولاد کے بارے میں کوئی غلط لفظ سننا کتنا برا لگتا ہے۔ پھر بھی میں جب سے آئی ہوں مسلسل فاروق کو کوس رہا ہے اور میں خاموشی سے سن رہی ہوں۔ ایک بار بھی تجھے نہیں ٹوکا..... جانتا ہے کیوں؟ صرف اس لیے تاکہ خاندان کو بدنامی سے بچایا جا سکے۔ فرشتہ تو کوئی بھی نہیں ہوتا کہ غلطی سے دور رہے۔ اب جنت نے جو حماقت کرنا تھی سو کر دی تو تو عقل مندی کا فیصلہ کر..... میں نے فاروق کو راضی کر لیا ہے بس تو بھی مان جا تو میں اگلے سوموار کو جنت کو رخصت کروا لوں۔"

لیکن دین محمد نے راضی تو کیا ہونا تھا۔ باجی زبیدہ کو اتنی باتیں سنائیں کہ بیچاری کچھ کہنے کے قابل ہی نہ رہی۔ صرف اسی پر دین محمد نے اکتفا نہیں کیا بلکہ یہ الزام بھی جڑ دیا کہ وہ اور فاروق دین محمد کی زمینیں ہتھیانے کے لیے یہ سارا کھیل رچا رہے ہیں۔

باجی زبیدہ اپنے بھائی کی عزت بچانے کے خیال سے بڑی آس لے کر اس کے پاس آئی تھی لیکن دین محمد نے اس کے خلوص کی رتی بھر بھی قدر نہ کی۔ جب زبیدہ رخصت ہونے لگی تو اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

"صرف تیرے اسی رویے کی وجہ سے میں اپنی مری ہوئی ماں کا چہرہ بھی نہ دیکھ سکی۔ مجھے ڈر تھا کہ پھر حویلی آنے پر تو مجھے بے عزت کرے گا۔ لیکن اس بار تو میں تیری عزت کو سہارا دینے آئی تھی دین محمد! تو نے پھر بھی میری قدر نہ کی۔"

"اچھا ٹھیک ہے میں تیری بات مان لیتا ہوں لیکن ایک شرط ہے فاروق کو شادی کے بعد اسی حویلی میں آکر آباد ہونا پڑے گا۔ میں جنت کو خود سے دور جانے نہیں دوں گا۔" دین محمد نے تڑاخ سے کہا۔

"سن لو اماں! جس بھائی کی محبت میں تم دیوانی ہوئی جا رہی ہو وہ تمہارے بیٹے کو سسرال میں کتے کی سی زندگی گزارنے کی ترغیب دے رہا ہے۔" فاروق نے استہزائیہ انداز میں پہلی بار زبان کھولی۔

"چلو یہاں سے اماں! ماموں نے ساری زندگی بیٹی کو گھر بٹھانا ہے۔ اس کے کارناموں کا گند بھی اسے خود ہی سمیٹنے دو۔"

دین محمد کا دل چاہا فاروق کا منہ توڑ دے۔

"تو تو بیٹی کی محبت میں پاگل ہے دین محمد! تجھے ذرا بھی احساس نہیں تیری غیر معمولی محبت نے جنت کے ذہن کو کس قدر خراب کیا ہے۔ عورت کا ذہن بھی سیدھے راستے پر نہ چلے تو نسلیں کی نسلیں خراب ہو جاتی ہیں..... لیکن تو نہیں سمجھے گا۔ کبھی نہیں سمجھ سکتا۔" زبیدہ زیر لب بڑبڑاتی اور روتی ہوئی رخصت ہوئی۔

دین محمد نے نخوت سے اسے جاتے دیکھا۔ تکبر سے سر جھٹکا اور فیصلہ کر ڈالا۔

"میری معصوم بچی کو غلط راہ پر ڈال دیا لیکن میں سب سنبھال سکتا ہوں۔ کل ہی نہیں آج ہی میں بھائی حسین احمد سے ملنے روانہ ہو جاتا ہوں..... جنت میری لاڈو کے لیے دلاور حسین سے بہتر اور کوئی نہیں ہو سکتا۔"

اس نے پکا تہیہ کر لیا اور یوں جنت فاروق کے بجائے دلاور حسین کا مقدر بن گئی۔

ثمینہ سارا دن مصروف رہی تھیں۔ ایک بھی پل ایسا نہیں گزرا جب وہ ماوی کو حقائق سے آگاہ کرنے کے لیے تانا بانا نہ بنتی رہی ہوں انہیں ماوی کو کس حد تک آگاہ کرنا ہے کتنا سچ بتانا ہے کتنا جھوٹ؟ وہ تقریباً سب فیصلے کر چکی تھیں لیکن پھر بھی کوئی گھبراہٹ تھی جو ان کے اعصاب پر سوار تھی۔

پورا لائحہ عمل ترتیب دینے کے بعد بھی بعض اوقات حسب منشا نتیجہ ملنے کی امید نہیں ہوتی۔ امید ہو تب بھی گھبراہٹ سر پر سوار رہتی ہے یہی کیفیت ثمینہ کی تھی وہ کبھی بیٹھ جاتیں، کبھی چہل قدمی کرنے لگتیں۔ کھڑکی کے باہر لان کی روشنی دکھائی دے رہی تھی جو تیز بارش میں تواتر سے بھیگ رہی تھی گو کہ طوفان کی شدت میں کمی آ گئی تھی لیکن کبھی کبھی بجلی بڑے زور سے کڑکتی اور بادل پوری قوت سے گرجتے تھے۔

انہیں خبر نہ ہوئی کب کچن سے نکل کر ماوی لاؤنج میں آ گئی۔

وہ کافی کے ساتھ پاپ کارن اور کوکیز بیک کر کے لائی تھی۔

"اتنی تیاری تو میں تب کرتی ہوں جب کوئی اچھی سی مووی دیکھنا ہو۔۔۔ مجھے یقین ہے آپ آج مجھے کوئی بہت اچھی سی اسٹوری سنائیں گی۔" ماوی نے ہنس کر کہا تھا ثمینہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اسی پل بجلی زور سے کڑکی تھی۔ ماوی کا چہرہ اس روشنی میں منور ہوا تھا۔

"ہاں ماوی! میں تمہیں اچھی سی اسٹوری ہی سناؤں گی لیکن اس سے بھی پہلے مجھے تمہیں ایک اور بات بتانا ہے، جسے سن کر تم ضرور شاکڈ ہو جاؤ گی۔" ثمینہ نے تمہید باندھی۔

"ایسی کیا بات ہے ممی!" ماوی نے کچھ حیران ہوتے ہوئے پوچھا۔

"تمہیں پتا ہے تمہارے بابا جان کا انتقال کیسے ہوا تھا؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"ہارٹ اٹیک سے۔"

"کیونکہ تمہیں حقیقت کا علم نہیں ہے۔ تمہارے بابا کو ہارٹ اٹیک نہیں ہوا تھا بلکہ انہیں قتل کیا گیا تھا۔" ثمینہ کی آواز اس قدر دھیمی تھی کہ ماوی کی سماعت تک بمشکل پہنچی۔ لیکن اس دھیمی آواز نے بھی ماوی کے سر پر گویا آسمان گرا دیا تھا۔

"آ۔۔۔ آپ کیا کہہ رہی ہیں ممی!" الفاظ اس کے لبوں سے بمشکل ادا ہوئے تھے۔

"اور آپ نے مجھے پہلے کبھی کیوں نہیں بتایا؟ کس نے قتل کیا تھا بابا جان کو اور آپ نے اتنا عرصہ یہ بات مجھ سے چھپا کر کیوں رکھی تھی۔" ماوی نے تابڑ توڑ سوال کر ڈالے۔

"پہلے اس لیے نہیں بتایا کہ بتانے کا صحیح وقت نہیں آیا تھا لیکن آج میں تم کو سب کچھ بتاؤں گی۔ تمہارے ہر اس سوال کا جواب تمہیں ملے گا جو تمہارے دل میں سر اٹھاتا ہو۔" ثمینہ نے کافی کے مگ پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

"پھر بتائیں کس نے میرے بابا جان پر ظلم کیا تھا۔" ماوی نے بے قراری سے کہا۔

"جنت بی بی نے۔" ثمینہ نے زہر بھرے لہجے میں کہا۔

"تمہارے بابا پر ہوئے ہر ظلم کی ذمہ دار وہی عورت تھی حتیٰ کہ انہیں قتل بھی اسی نے کیا تھا۔"

کافی کی رنج سے اٹھتی ہوئی بھاپ ان دونوں ماں بیٹی کے درمیان پردے کی طرح تن گئی تھی۔ ماوی کو ثمینہ کا چہرہ دھندلا دکھائی دینے لگا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

ایک معمہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا
زندگی کاہے کو ہے، خواب ہے دیوانے کا

خلق کہتی ہے جسے دل تیرے دیوانے کا
ایک گوشہ ہے یہ دنیا اسی ویرانے کا

مختصر قصۂ غم یہ ہے کہ دل رکھتا ہوں
راز کو میں، خلاصہ ہے اس افسانے کا

تم نے دیکھا ہے کبھی گھر کو بدلتے ہوئے رنگ
آؤ دیکھو نا! تماشا میرے غم خانے کا

دل سے پہنچی تو ہیں آنکھوں میں لہو کی بوندیں
سلسلہ شیشے سے ملتا تو ہے پیمانے کا

ہڈیاں ہیں کئی لپٹی ہوئی زنجیروں میں
لیے جاتے ہیں جنازہ تیرے دیوانے کا

ہر نفس عمر گزشتہ کی ہے میت فانی
زندگی نام ہے مر مر کے جیے جانے کا

فانی بدایونی

ان سنسان ہوئے شہروں کی فضا کچھ کہتی ہے
کبھی تم بھی سنو، یہ دھرتی کیا کچھ کہتی ہے

یہ ٹھٹھرتی ہوئی لمبی راتیں کچھ پوچھتی ہیں
یہ خاموشیٔ آواز نما کچھ کہتی ہے

سب اپنے گھروں میں لمبی تان کر سوتے ہیں
اور دور کہیں کوئل کی صدا کچھ کہتی ہے

جب صبح کو چڑیاں باری باری بولتی ہیں
کوئی نامانوس اداس نوا کچھ کہتی ہے

جب رات کو تارے باری باری جاگتے ہیں
کئی ڈوبے ہوئے تاروں کی ندا کچھ کہتی ہے

کبھی بھور بنے، کبھی شام پڑے، کبھی رات گئے
ہر آن بدلتی رُت کی ہوا کچھ کہتی ہے

ناصر آشوبِ زمانہ سے غافل نہ رہو
کچھ ہوتا ہے، جب خلق خدا کچھ کہتی ہے

ناصر کاظمی

http://sharfuonline.com



اصنہ ریاض

ستارہ شام

دین محمدؐ مٹی سے محبت کرنے والا جفاکش مرد ہے۔ دھرتی کو اپنے خونِ جگر سے سونا اُگلنے کے قابل بنانا اس کا پیشہ ہے۔ اس کی پوری زندگی محنت سے عبارت ہے۔ جو وہ اپنے چھ مربعہ زمین پر صرف کرتا ہے۔ شادی کو آٹھ سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ اپنے چھوٹے سے گھر میں وہ بیوی زہرہ، اور ماں کے ساتھ رہتا ہے۔ زہرہ چھ مُردہ بچوں کو جنم دے کر ایک مرتبہ پھر امید سے ہے۔ دین محمد کا رواں رواں اولاد کی خوش خبری پانے کے لیے مجسم دُعا بن چکا ہے۔ اس کی دُعائیں مستجاب ٹھہرتی ہیں اور اس کے یہاں ایک خوبصورت بچی جنم لیتی ہے۔ اسے وہ اپنی جنت کے نام سے مخاطب کرتا ہے۔

جلال الدین کے روز و شب نوکری کی چکی میں پستے گزر رہے ہیں۔ اس نوکری کے دوران اسے آرام کرنے کا موقع بھی کم ملتا ہے۔ بہتر مستقبل کا خواب اسے متحرک رکھتا ہے۔ تنہائی میں کسی کی محبت کا جگنو اس کی دُنیا آباد رکھتا ہے، ہر دم اس کی یادیں اسے بے چین رکھتی ہیں۔ دن بھر کا تھکا ہارا وہ آرام کرنے لیٹتا ہے تو پولیس اسٹیشن سے اطلاع ملتی ہے جنت بی بی حراست میں ہے۔ جس کا دعوا ہے کہ اس نے اپنے شوہر کا قتل کیا ہے۔ جلال الدین اپنے وکیل دوست مسعود کے ساتھ بھاگم بھاگ پولیس اسٹیشن پہنچتا ہے اور ثبوت دکھاتا ہے کہ جنت بی بی، شیزوفرینیا کی مریض ہے جس کی شادی ابھی ہوئی تک نہیں۔ جنت کی حالت جلال الدین کو اعصابی تھکن کا شکار کرنے لگتی ہے جسے اس نے نوکروں کے سہارے علیحدہ گھر میں رکھ چھوڑا ہے۔

ثمینہ 14 سال بعد اپنی بیٹی ماوی کے ساتھ آئرلینڈ سے پاکستان آئی ہیں تو انہیں توقیر صاحب کے بتائے گئے بنگلے کو تلاشنے میں بہت وقت لگتا ہے۔ وہ فیض کے دوست توقیر صاحب کے توسط سے دانیال کی اینکسی میں ٹھہرتی ہیں۔ ثروت دانیال ملنسار اور مجتبیٰ خاتون ہیں۔ ولی، ولید اور انیبا ان کے بچے ہیں۔ ماوی کی پہلی ملاقات میں انیبا سے دوستی ہو جاتی ہے۔

شبیہہ العباس طبیعتاً سخت گیر اور غصہ ور نوجوان تھے۔ جسے صنفِ نازک کا غیر ضروری ہنسنا بھی ناگوار گزرتا ہے۔ وہ زادِ تنوی سے منسوب ہے۔ تنوی اس کی تند خو طبیعت سے نالاں ہے۔ شبیہہ، تنوی کو کالج چھوڑنے آتا ہے تو ہیلیاں



عبیرہ اور نمرہ، تنوی کے سر ہو جاتی ہیں۔ یہ جان کر کہ شبیہہ، تنوی کا منگیتر ہے۔ وہ اس کی قسمت پر رشک کرتی ہیں۔ تنوی دونوں سے گزارش کرتی ہے کہ عروج کو اس کی بات کا علم نہ ہو۔

شبیہہ بیگم، ثروت دانیال کی اولاد ہے جسے انہیں دانیال حسن سے شادی سے پہلے چھوڑنا پڑا۔ بچپن کی محرومی نے اسے بدمزاج اور غصیلا بنا دیا۔ وہ انیبا اور ولید سے بہت ترشی سے پیش آتا ہے۔ وہ ان سے بحیثیت بہن بھائی قلبی تعلقات محسوس نہیں کرتا۔ انیبا اس کی محرومی دل سے محسوس کرتی ہے۔ انیبا پر بری نظر ڈالنے پر وہ جے ڈی کے دوست سعدی کو پیٹ ڈالتا ہے۔ صرف جے ڈی اس کی کیفیات سمجھتا ہے۔

بیمار پڑنے پر بیگم دانیال، ثمینہ کی اچھی طرح دیکھ بھال کرتی ہے تو ثمینہ ان کے اخلاق سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتیں۔ انہیں بیگم دانیال کو دیکھ کر لگتا ہے کہ وہ پہلے ان سے مل چکی ہیں۔

بچوں کی لڑائی میں جنت کو چوٹ لگتی ہے تو دین محمد اپنی بہن زبیدہ کے بیٹے فاروق کا حلیہ بگاڑ دیتا ہے۔ ساتھ ہی زبیدہ بہن اور رفیق بھائی سے قطع تعلق کر لیتا ہے۔ زہرہ اس کی جنت سے طوفانی محبت سے خوف زدہ ہے۔ دین محمد، زہرہ کو باور کرواتا ہے کہ وہ جنت کو بیاہ کر دوسرے گھر نہیں بھیجے گا۔ بلکہ اس کے شوہر کو گھر داماد بنائے گا۔

اتفاقاً ماوی کا ٹکراؤ شبیہہ سے ہوتا ہے جس سے ماوی کا پیر زخمی ہو جاتا ہے۔ اپنی غلطی کے باوجود جھنجلاہٹ میں شبیہہ ماوی کو بری طرح سے ڈانٹتا ہے تو ماوی اس کی طبیعت صاف کر دیتی ہے۔ ثمینہ سے وہ اس واقعے کا ذکر نہیں کرتی۔

ثمینہ کا روڈ ایکسیڈنٹ ہوتا ہے تو جے ڈی عین موقع پر ان کی بہت مدد کرتا ہے۔ ماوی اور فیضان اس پر جے ڈی کے مشکور ہیں، لیکن وہ اپنا پتا دیے بغیر چلا جاتا ہے۔ جس پر ثمینہ کو بہت افسوس ہوتا ہے۔ اتفاقاً ان کی جے ڈی سے دوبارہ ملاقات ہوتی ہے۔ ثمینہ اسے گھر بلاتی ہیں۔ ثمینہ، ثروت کو بتاتی ہیں کہ ان کے شوہر رجب کا بے دردی سے قتل ہوا تھا۔ اور یہ بات ماوی کے علم میں نہیں ہے۔ یہ جان کر انہیں رنج ہوتا ہے۔ شبیہہ کو جے ڈی کا اپنی ماں اور ثمینہ سے گفتگو کرنا پسند نہیں، جس پر وہ جے ڈی کو تنبیہہ بھی کرتا ہے۔

انیبا دل ہی دل میں فیضان کو چاہتی ہے۔ ثروت کے پہلے شوہر سے نسبت کے باعث دانیال صاحب ثمینہ کی فیملی کو پسند نہیں کرتے..... ماوی، ان کی دلچسپی بھانپ لیتی ہے اور فیضان ماما سے رائے لینے کی کوشش کرتی ہے تو فیضان اسے جھڑک دیتے ہیں۔ بھائیوں پر بار نہ پڑے اس لیے ثمینہ ماوی کو پاکستان میں مزید پڑھنے کی اجازت دے دیتی ہیں۔

عبیر، نمرہ اور تنوی کو عروس کی غیر اخلاقی اور جرائم پیشہ سرگرمیوں کے متعلق بتاتی ہے تو نمرہ ناراض ہو جاتی ہے۔ عبیر کو اپنی جلد بازی پر افسوس ہوتا ہے۔ وہ عروش کے متعلق ثبوت اکٹھا کرنا چاہتی ہے۔

زہرہ کی اچانک موت کو محض جنت کے کہنے پر دین محمد، بہن زبیدہ کے سر ڈالتا ہے تو سب برادری والے بھی حق دق رہ جاتے ہیں۔ دین محمد کی ماں پڑوسن کے کہنے پر جنت کو پیر صاحب کے پاس لے کر جاتی ہے تو یہ بات جنت بڑھا چڑھا کر دین محمد کو بتاتی ہے۔ وہ ماں کو بہن زبیدہ کے یہاں ہمیشہ کے لیے بھیجنے کا فیصلہ سناتا ہے تو ماں رو، رو کر اسے اس فیصلے سے باز رکھنے کی کوشش کرتی ہے۔ بہت مشکل سے دین محمد راضی ہو پاتا ہے۔ دین محمد کے رویے سے جنت کے اندر پنپنے والی منفی شخصیت قد آور ہو رہی ہے۔

(اب آگے پڑھیں)

۱۵
پندرہویں قسط

جنت نے اپنی چٹیا کے بل کھولتے ہوئے گردن موڑ کر دیکھا۔ ولاور حسین پلنگ پر اوندھے منہ لیٹا گہری نیند سو رہا تھا اور سوتے ہوئے بھی وہ پیارا لگ رہا تھا۔ جنت نے دل ہی دل میں بے اختیار اعتراف کیا کہ اس کے باپ نے بلاشبہ ایک بہترین شخص کو اس کے لیے منتخب کیا تھا۔ یہ خیال آتے ہی جنت کے لبوں پر شرمیلی سی مسکراہٹ بکھر گئی اور وہ رخ بدل کر اپنے کھلے ہوئے لانبے بالوں کو کنگھی کی مدد سے سلجھانے لگی۔

شادی کے دن قریب آنے کے ساتھ ساتھ اس کی اپنے باپ کے ساتھ ناراضی میں اضافہ ہوتا گیا تھا کہ وہ اس کی شادی زبردستی اس سے دگنی عمر کے آدمی سے کر رہا تھا، لیکن یہ ایسی کوئی قابل اعتراض بات نہ تھی۔ اس دور میں ایسی شادیوں کو معیوب بھی نہیں سمجھا جاتا تھا۔ قابل اعتراض بات یہ تھی کہ اسے فاروق پسند تھا اور اس کے باپ کو اس بات کی رتی بھر بھی پروا نہیں تھی اور اپنی منہ پھٹ، منہ زور، سر چڑھی فطرت کے باوجود جنت میں اتنی ہمت نہ تھی کہ باپ کے سامنے احتجاج کر سکے۔

بہرحال ولاور حسین سے پہلی باضابطہ ملاقات کے بعد ہی اسے اپنے شوہر سے بے پناہ محبت ہو گئی تھی اور فاروق کا خیال ساون کے اس بادل کی طرح اس کے ذہن سے نکل گیا تھا، جو بن برسے گزر جاتا ہے۔

ولاور حسین بے شک اس سے دگنی عمر کا تھا، لیکن اس نے جنت کا دامن محبت سے بھر دیا تھا۔ وہ دن رات جنت کو سراہتا تھا، اس کے حسن کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملاتا تھا، اسے دیوی، پری، حور اور پتا نہیں کیا کیا کہتا اور جنت کی رفاقت ملنے پر خود کو دنیا کا خوش قسمت ترین انسان قرار دیتا تھا۔ سب سے بڑی بات یہ کہ وہ فاروق کی طرح اسے دھتکارتا نہیں تھا، شاید یہ ہی وجہ تھی کہ جنت کو ولاور حسین سے محبت بھی جلدی ہو گئی تھی۔

دین محمد کی بے جا محبت نے جنت کو جتنا بگاڑنا تھا سو بگاڑ لیا، اور جنت بھی اب قریب قریب اس عمر میں پہنچ چکی تھی جہاں انسان اپنے مزاج اور رویوں پر غور کرنا شروع کر دیتا ہے، لیکن جنت نے ایسی کوئی زحمت گوارا نہ کی۔ ولاور حسین کی ستائش نے اس کی خود پسندی میں اور بھی اضافہ شروع کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ جنت خود کو عام انسانوں سے ہی بالاتر سمجھنے لگی۔ وہ اپنے باپ کو ٹہلاتی آئی تھی، باپ کی منفی محبت نے اسے بہت ساری چالاکیاں اور ہوشیاریاں سکھا دی تھیں۔ جو لڑکی اپنے باپ سے جھوٹ سچ کہہ کر سوتیلی ماں کو جوتے پڑوا سکتی تھی اس کے لیے کیا مشکل تھا کہ شوہر کو قابو میں رکھنے کے حربے نہ اختیار کر پاتی۔

جس طرح کھانے میں شکر حد سے زیادہ بڑھ جائے تو کڑواہٹ محسوس ہونے لگتی ہے تو یہی معاملہ جنت کے ساتھ تھا، اسے محبت اتنی زیادہ ملی تھی کہ محبت کی مٹھاس نے کڑواہٹ کی صورت اختیار کر لی تھی۔

☆ ☆ ☆

"مجھے پتا تھا کچھ نہ کچھ ایسا ضرور ہو رہا ہے، جو ہمارے لیے پریشان کن ہے۔ یوں ہی تو میرا دل نہیں گھبرا رہا تھا۔" انیبا فون بند کر کے ولید کی طرف پلٹی، اس کے انداز میں سراسیمگی نمایاں تھی۔

"کیا ہوا ہے انو!" ولید نے فکرمندی سے پوچھا۔

"ممی ہاسپٹلائزڈ ہیں پچھلے تین روز سے..... مجھے ابھی روشی نے بتایا ہے۔" انیبا نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"کیا؟" ولید نے کہا۔ "ممی تین روز سے ہاسپٹلائزڈ ہیں اور کسی نے ہمیں خبر بھی نہیں دی۔"

"روشی کہہ رہی تھی کہ وہ سب ممی کی بیماری سے بہت پریشان ہو گئے تھے۔ اسی پریشانی میں انہیں کسی کو اطلاع دینے کا خیال ہی نہیں آیا۔" روشی ان لوگوں کی ماموں زاد تھی۔

"ممی کو ہوا کیا ہے۔ روشی نے کچھ بتایا؟" ولید نے پوچھا۔

"صرف یہی کہ ممی اچانک بے ہوش ہوگئی تھیں' جب انہیں اسپتال لے کر گئے تو ڈاکٹرز نے ایڈمٹ کرلیا' فی الحال ان کے بلڈ ٹیسٹ کے لیے جارہے ہیں' کوئی کلیئر رپورٹ نہیں ملی۔" انیبا نے روہانسی ہو کر کہا۔

"ٹھیک ہے' چلو سامان پیک کرتے ہیں۔" ولید نے حتمی انداز میں کہا' انیبا نے استفہامیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا تو جلدی سے بولا۔

"ہم اسلام آباد جارہے ہیں' میں جب تک ممی کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ لوں گا میری تسلی نہیں ہوگی۔"

"لیکن ولید ڈیڈی؟" وہ تذبذب کا شکار ہو کر بولی۔ ولید نے ایک لحظہ کے لیے رک کر سوچا۔

"انہیں فون پر انفارم کردو' لیکن اس سے بھی پہلے اپنی اور ولی کی تیاری مکمل کرلو' میں سیٹس کنفرم کروالیتا ہوں۔" وہ سُرعت سے لینڈ لائن کی طرف بڑھا۔

"اور اگر ڈیڈی نے جانے سے منع کردیا تو۔۔۔" انیبا کا خدشہ زبان پر آیا۔

"وہ منع نہیں کریں گے اور اگر ایسا ہوا تو بھی میں نہیں رکوں گا' ممی کے ساتھ ڈفرنسز ان کے ہیں میرے یا تمہارے نہیں کہ ہم اپنی ماں کی بیماری میں ان کے پاس نہ جاسکیں۔" ولید کا لہجہ دوٹوک تھا۔

"اب یہاں کھڑی رہ کر سوچو مت' ہمارے پاس پہلے ہی وقت کم ہے۔" انیبا یک دم ہوش میں آکر اپنے کمرے کی طرف دوڑی تھی۔

☆ ☆ ☆

دلاور حسین سے بے تحاشا محبت کے باوجود کچھ اعتراضات تھے' جو جنت کو بری طرح کھٹکتے تھے۔ سب سے پہلا اعتراض جنت کو دلاور حسین کی فرماں برداری پر تھا جس کا مظاہرہ وہ وقتاً فوقتاً اپنے باپ کے سامنے کرتا تھا۔ جنت کو دلاور حسین کا ہر بات پر اپنے باپ کے سامنے سر جھکانا برا لگتا تھا۔ باپ کی کہی ہوئی ہر بات دلاور حسین کے لیے پتھر پر لکیر کی سی حیثیت رکھتی تھی۔

جنت نے سب سے پہلے بے حد سمجھ داری کے ساتھ سسر کا اثر و رسوخ گھر میں ختم کروانا شروع کردیا۔ جہاں جتنا ضروری سمجھتی سسر کو اہمیت دیتی ورنہ دودھ میں سے مکھی کی طرح نکال پھینکتی۔ غیر محسوس انداز میں وہ دلاور کے کان اس کے باپ کے خلاف بھرتی رہتی اور اسے باپ کے فیصلے ماننے سے انکار کرنے پر اکساتی۔ نندیں اور دیور اس کے پہلے ہی شادی شدہ تھے اور اپنی الگ الگ گھر گرہستیاں سنبھال رہے تھے۔ پہلے دن سے ہی جنت نے انہیں زیادہ اہمیت دینا ضروری نہ سمجھا تھا۔ سب سے ہنس کر بات کرتی تھی اور ان کے منہ پر بڑی میٹھی بنی رہتی تھی' لیکن منظر سے ہٹتے ہی وہ بہت چالاکی سے کوئی ایسی چال چل دیتی کہ مڑ کر کوئی اس کے گھر آنے کی جرات نہ کرتا۔

دوسرا بڑا اعتراض جنت کو دلاور کی مرحومہ بیوی کی اولاد سے تھا۔ اس معاملے میں اس کے سسرال کی طرف سے غلط بیانی سے کام لیا گیا تھا۔ دلاور کے پہلی بیوی سے ایک نہیں دو بچے تھے۔ بڑا بیٹا رجب تقریباً" چھ سال کا تھا' جبکہ چھوٹی بیٹی۔۔۔ دو سال کی تھی۔ اسی بچی کی پیدائش کے وقت کچھ پیچیدگیاں ہوجانے کی وجہ سے دلاور حسین کی پہلی بیوی جانبر نہ ہوسکی تھی اور بچی کی پیدائش کے اگلے روز فوت ہوگئی تھی۔

دونوں بچے جنت کو زہر لگتے تھے۔ بچی اس لیے کیونکہ وہ ہر وقت روتی رہتی تھی اور رجب' دلاور حسین کا بے حد لاڈلا ہونے کی بنا پر جنت کو برا لگتا تھا۔ وہ اسے حتی المقدور ڈرانے دھمکانے کی کوشش کرتی' لیکن رجب کچھ ضدی ہی سر چڑھا بچہ تھا۔ وہ جنت کا منہ چڑاتا اس کی چٹیا کھینچ کر بھاگ جاتا۔ جنت دلاور سے اس کی شکایت کرتی تو وہ ہنس کر ٹال دیتا اور رجب کو سرزنش کرنے کے بجائے جنت کو سمجھانے لگتا۔

"بچہ ہے ابھی۔۔۔ تو پیار سے سمجھائے گی تو سمجھ جائے گا' آخر کو ماں ہے تو رجب کی۔"

اور اس بات پر جنت دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر رہ جاتی۔ اسے کسی پرائی عورت کے بچوں کی ماں بننے کا شوق نہیں تھا۔ (کبھی اس نے خود سے یہ سوال نہیں کیا کہ جب وہ کسی پرائی عورت کے مرد کی بیوی بن سکتی ہے تو اس پرائی عورت کے بچوں کی ماں بننے میں کیسی اکتاہٹ؟) کبھی کبھی اسے خیال آتا کہ شاید وہ بھی بشری کے لیے ایسا ہی بچہ ثابت ہوئی ہوگی جیسا رجب اس کے لیے ثابت ہورہا تھا۔ حالانکہ رجب اس کے مقابلے میں بہت معصوم تھا۔ اس کی شرارتیں بہت بے ضرر قسم کی ہوتی تھیں۔ بلکہ اگر غیر جانب داری سے موازنہ کیا جاتا تو رجب کی شرارتیں جنت کی عیاریوں کا عشر عشیر بھی نہیں تھیں' لیکن چونکہ جنت کے پاس غیر جانب دار نظر نہیں تھی' اس لیے رجب کی شرارتیں اسے رجب سے نفرت کرنے پر مجبور کرتی تھیں۔

چند مہینے اپنے تئیں تحمل سے گزارنے کے بعد بالآخر جنت کے منصوبہ ساز ذہن نے ایک جال تیار کرلیا تھا۔ جس میں جکڑ کر وہ نہ صرف دلاور کو اپنے قابو میں کرسکتی تھی' بلکہ اس سے ہر طرح کا فیصلہ بھی کرواسکتی تھی۔

☆ ☆ ☆

گلابی ہتھیلی جا بجا جھلسی ہوئی تھی۔

دلاور حسین کے کم عمر' خوب صورت بیوی کے نئے نئے عشق میں مبتلا دل پر گھونسا سا لگا۔

"یہ۔۔۔ یہ کیا ہوا ہے؟" فکر مندی سے بے حال ہوتے اس نے پوچھا۔

"رجب شرارت کررہا تھا' میں نے منع کیا تو اس نے مجھے زور سے دھکا دے دیا' گرتے ہوئے میرا ہاتھ چولہے میں جلتی لکڑی سے ٹکرا گیا' میں جلدی سے ہاتھ پر پانی ڈالنے لگی' تاکہ جلن کچھ کم ہو تو رجب نے لکڑی اٹھا کر زبردستی میرے ہاتھ پر رکھ دی' ابا جی سامنے بیٹھے سب دیکھتے رہے۔ انہوں نے رجب کو ایک بار بھی نہیں روکا۔"

جنت نے عیاری سے سسکتے ہوئے اسے بتایا۔ دلاور حسین نے آؤ دیکھا' نہ تاؤ' رجب کو پکڑ کر اتنا مارا کہ روتے روتے اس معصوم کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ رجب باپ کے ہاتھوں پہلی بار مار کھا رہا تھا' اس بے چارے کو تو اپنی غلطی کا علم بھی نہیں تھا کہ سزا کا ادراک ہوتا۔ باپ سے پٹتے ہوئے وہ اپنے ننھے ننھے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگتا رہا' لیکن دلاور حسین بیوی کی محبت میں اندھا اور غصے کے ہاتھوں پاگل ہوچکا تھا' اسے رجب پر رتی بھر بھی ترس نہیں آیا۔ یہاں تک کہ بچہ پٹنے کے بعد صحن کے ایک کونے میں خوف اور تکلیف سے ہچکیاں بھرتا سوگیا۔

حسین احمد کی واپسی اس روز رات گئے ہوئی تھی۔ رجب کی حالت دیکھ کر اس نے دلاور کی خبر لینے کا ارادہ کیا' لیکن اس سے بھی پہلے دلاور نے باپ کی ایسی خبر لی کہ حسین احمد کی طبیعت صاف ہوگئی' اور وہ اسی وقت اپنا سامان باندھنے لگا۔

"میں اب اپنے چھوٹے بیٹے کے پاس رہوں گا۔" اس نے اعلان کردیا۔

"بھروا با! خوامخواہ ذرا سی بات پہ دنیا کو تماشا دکھانے کی ضرورت نہیں۔" دلاور نے کڑے لہجے میں کہا۔

"اور جو تو نے کیا' وہ تماشا نہیں تھا؟ باپ کو ذلیل کیا اپنی عورت کے کہنے پر۔۔۔ بیٹے کو مار مار کے ادھ موا کردیا۔"

"کوئی غلطی کرے تو اسے سمجھانا نہیں چاہیے کیا؟" دلاور نے جل کر کہا۔

"غلطی تو کررہا ہے دلاور حسین! اپنی بیوی کی ہر بات مان کر' دنیا کو تماشا بھی تو ہی دکھائے گا' اسی عورت کی بات مان کر' مجھے افسوس ہے تیرے لیے اس لڑکی کا انتخاب میری زندگی کی سب سے بڑی حماقت تھی۔۔۔ یہ منحوس۔"

"جنت کو منحوس نہ کہو ابا! تم نہیں جانتے یہ کتنی بخت آور ہے' اسی کے نصیبوں سے مجھے ترقی مل رہی ہے۔"

"ہونہہ۔۔۔ بخت آور۔۔۔ اس عورت نے سوچنے سمجھنے جتنی عقل چھوڑ دی تیرے اندر تو تو سب سمجھ جائے گا'

ایسی عورت نسل بگاڑ سکتی ہے' ترقی نہیں دلا سکتی۔"

پتا نہیں حسین احمد نے بددعا دی تھی یا پیش گوئی کی تھی۔ دلاور حسین نے پروا کی نہ جنت نے۔ بس ہوا کچھ یوں کہ حسین احمد رجب اور اس کی بہن کو جنت کے رحم و کرم پر چھوڑ کر اپنے چھوٹے بیٹے کے یہاں جا بیٹھا۔ جہاں اس کی عزت و قدر اس گھر سے تو کہیں زیادہ تھی۔

☼ ☼ ☼

یہ زندگی کا نیا دور تھا' ہر چیز منفرد اور بدلی بدلی سی محسوس ہوتی۔ دلاور حسین کی محبت اسے جن جذبوں سے روشناس کروا رہی تھی۔ اس کا کوئی نعم البدل ہو ہی نہیں سکتا تھا' لیکن اس محبت نے بھی اس کی شخصیت میں کوئی سُدھار پیدا نہ کیا' الٹا اس کے اندر کی حاکمیت پسند' ضدی' خود سر اور خود اپنے عشق میں مبتلا عورت زور پکڑتی چلی گئی۔

شاید غلطی اس کی بھی نہیں تھی' دراصل غلط وہ تربیت تھی جو اسے باپ کے گھر ملتی رہی۔ جس عمارت کی بنیاد ہی صحیح نہ رکھی جائے اس عمارت کے سیدھے کھڑے رہنے کے امکانات ہمیشہ کم ہوتے ہیں' لیکن انسان اور پتھر' گارے' اینٹ سے بنی عمارت میں فرق ہوتا ہے۔ عمارت کے پاس سوچنے سمجھنے' اپنا احتساب کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ انسان کے پاس ہوتی ہے' یوں ہی تو اللہ نے انسان کو اشرف المخلوقات نہیں بنا دیا۔

بہرحال جنت نے دل ہی دل میں خود کو کوئی بہت ہی اعلا و ارفع مقام دے رکھا تھا۔ دوسرے انسان اسے حقیر کیڑے مکوڑے نظر آتے' گو کہ دلاور سے اسے محبت تھی' لیکن کبھی کبھار وہ بھی اسے ایسا شخص لگتا جو اس کی پرستش کرنے کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ اس کی عقل بھی چھوٹی چھوٹی ڈوریوں سے بندھی جنت کی انگلیوں میں قید تھی' وہ جس طرف اور جس طرح چاہتی' اسے موڑ دیتی۔

حسین احمد کے قطع تعلقی اختیار کرتے ہی اسے بچوں کے معاملے میں گویا کھلی چھوٹ مل گئی تھی۔ وہ معمولی معمولی باتوں پر انہیں مارتی پیٹتی' سزا کے طور پر اندھیرے کمرے میں بند کر دیتی اور کبھی کبھار کھانا بھی روک دیتی۔ پھر ان ہی دنوں اسے پہلی خوش خبری نصیب ہوئی۔ وہ خوش خبری جو عورت کو مکمل ہونے کا احساس دلاتی ہے اور کڑے سے کڑے مزاج والی عورت کے دل میں بھی گداز پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن جنت کے ساتھ ایسا کچھ بھی نہ ہوا۔ رجب اور اس کی بہن کے لیے دل میں مزید کدورت آ گئی۔ اسے لگتا یہ دونوں منحوس' مسکین صورتوں والے' اس کے بچے کا حق چھین لیں گے۔ تب ہی اس نے دونوں بچوں پر سختیاں اور بڑھا دیں۔

وقت گزرتا رہا اپنے مخصوص بہاؤ اور رفتار کے ساتھ' لیکن اس دوران بہت سے چھوٹے بڑے واقعات رونما ہوتے رہے جو بظاہر معمولی تھے' لیکن زندگی کے کینوس پر انہوں نے اپنا پختہ رنگ چھوڑا۔

دلاور حسین کو ایک کے بعد ایک ترقی ملتی رہی' ہر ترقی کے ساتھ اس کی زندگی میں پیسے کا بھی اضافہ ہوا۔ دلاور حسین اسے جنت کی بخت آوری اور اس کی قسمت کا رزق قرار دیتا۔

پہلے سال جنت نے دو جڑواں بیٹوں کو جنم دیا۔ گود میں اولاد خصوصاً بیٹوں کے آتے ہی جنت کی حیثیت دلاور کی زندگی میں اور بھی مضبوط ہو گئی' جبکہ رجب اور اس کی بہن چند قدم اور پیچھے دھکیل دیے گئے۔ سن پینسٹھ کی جنگ میں جب دلاور حسین کو محاذ پر جانا پڑا تو اس نے جنت کو بچوں کا خیال رکھنے کی تاکید کی۔ جنت نے اس کی بات کا مان رکھا اور بچوں کا بے حد خیال رکھا' لیکن یہ بچے وہ تھے جنہوں نے اس کے بطن سے جنم لیا تھا۔ رجب سے تو خیر اسے چڑ تھی سو تھی' بچی جو کم عمر اور جسمانی لحاظ سے خاصی کمزور تھی' اس کی بھی جنت نے کچھ خاص پروا نہ کی۔ نتیجتاً" بچی تپ دق میں مبتلا ہو کر اور بروقت مناسب علاج معالجہ نہ ہونے کی وجہ سے مر گئی۔

اس واقعے کے بعد رجب کے دل میں جنت سے نفرت میں کچھ اور اضافہ ہوا اس نے جنت کا ایک ایک ظلم دیکھا تھا' اپنی ذات پر سہا تھا' یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ اس سے نفرت محسوس نہ کرتا۔ ساتھ ہی ساتھ رجب کے خوف میں بھی اضافہ ہوا تھا' جنت اسے "پچھل پیری" لگتی تھی' جس کے بارے میں اس کے دوست نے بتایا تھا کہ سالہا سال سے گاؤں کے قبرستان میں ڈیرہ ڈالے بیٹھی ہے اور موقع ملتے ہی لوگوں کے گھروں میں گھس کر ان کے بچے کھا جاتی ہے۔

رجب کو لگتا تھا' اس "پچھل پیری" نے قبرستان چھوڑ کر اس کے گھر کو اپنا مسکن بنا لیا ہے۔ پہلے اس کے باپ کو چھین لیا' پھر اس کی بہن کو کھا گئی' اب وہ وقت دور نہیں جب وہ اسے بھی کھا جائے گی۔

بے چارے کو خوف سے رات رات بھر نیند بھی نہیں آتی تھی' برآمدے کی کونے والی چارپائی پر دبکا بیٹھا رہتا' لیکن کون تھا جو اس خوف کی قید سے آزاد کرا کے اسے اپنے بازوؤں میں چھپا لیتا۔ ماں کو اللہ نے لے لیا اور باپ کو سوتیلی ماں نے۔

رجب کی زندگی غموں اور خوف سے —— بھری ہوئی تھی۔

☼ ☼ ☼

جنت سے دلاور حسین کی شادی کو آٹھ سال کا عرصہ گزر چکا تھا اور ان کے جڑواں بچے سات سال کے تھے' جب ایک شام اپنے بڑے بیٹے کو صحن میں کھیلتا دیکھ کر دلاور حسین کے خدشات میں تشویش ناک حد تک اضافہ ہوا تھا' بچہ اٹھنے کی کوشش میں بار بار گر رہا تھا اور یوں لگتا تھا جیسے اس کی ٹانگوں میں جان ہی نہ ہو۔

شام سے رات گئے تک وہ بے حد فکر مند رہا۔

"تو اس میں فکر مندی کی کیا بات ہے؟" جنت نے اس کی بات سن کر لاپروائی سے کہا۔ "بچے تو کھیل کود میں تھک کر گر ہی جاتے ہیں' اب اتنی سی بات کے لیے تم اپنی اور میری نیند برباد کرو گے۔"

لیکن دلاور حسین جانتا تھا بات اتنی سی سے کچھ زیادہ پریشان کن تھی' تب ہی اگلے روز وہ دونوں بچوں کو شہر کے بہترین ڈاکٹر کے پاس لے آیا۔ گو کہ جنت نے بے حد اعتراض کیا تھا' اس کا خیال تھا یہ شہری ڈاکٹر انگریزی دوائیاں کھلا کر معدہ خراب کر دیتے ہیں اور سب سے بڑی بات یہ کہ اس کے بچے تو بیمار بھی نہیں تھے۔

"اور کتنے بچے ہیں؟" ڈاکٹر نے دونوں بچوں کے بہت سارے ٹیسٹ اور تفصیلی چیک اپ کرنے کے بعد دلاور حسین اور جنت سے پوچھا۔

"دو بیٹے اور ہیں اور سب سے چھوٹی بیٹی ہے۔" دلاور نے جواب دیا۔

"ان میں سے بھی کوئی جڑواں ہے؟" ڈاکٹر نے پھر پوچھا۔

"نہیں۔"

"بہتر ہو گا' آپ ان تینوں بچوں کا بھی چیک اپ کروا لیں' اس طرح کی بیماریاں اگر ایک بچے میں ہوں تو امکان ہوتا ہے کہ خاندان کے باقی بچے بھی متاثر ہو سکتے ہیں' آپ کے تو پھر دو بچے ذہنی معذوری کا شکار ہیں۔"

ڈاکٹر نے جیسے دلاور کے سر پر دستی بم دے مارا تھا۔ اس کے خدشات درست ثابت ہو چکے تھے۔ اگلے روز اس نے اپنے باقی تینوں بچوں کا بھی معائنہ کروا لیا اور جو تفصیلات اسے ڈاکٹر نے بتائیں وہ ساری تفصیلات عام فہم انداز میں اس نے جنت کے گوش گزار کر دیں۔

"ہمارے دونوں بچوں کے دماغ عام بچوں کے مقابلے میں بہت چھوٹے ہیں۔ وہ نہ عام بچوں کی طرح بڑھ سکتے ہیں' نہ کھا پی سکتے ہیں' نہ کوئی اور کام کر سکتے ہیں' یہ ہی وجہ ہے کہ سات سال کی عمر میں بھی ان دونوں کا رویہ کسی

ڈھائی یا تین سال کی عمر کے بچے جتنا ہے' میں نے تجھے بہت پہلے ہی کہا تھا' جنت ہمارے بچے عام بچوں کے جیسے نہیں لگتے۔ ان کا دیر سے چلنا ——— اور پھر چلتے ہوئے گر جانا' ہر وقت رال بہتے رہنا' اپنی بنیادی ضروریات کے لیے بھی کسی کو نہ پکارنا' کو کہ یہ معمولی باتیں ہیں' لیکن سات سال کی عمر میں یہ معمولی باتیں نہیں رہتیں۔ ڈاکٹر کہتا ہے یہ مرض اب ہماری نسلوں میں آگے تک چلے گا' ہمیں احتیاط کرنا ہوگی' اگر ان دونوں کے مرض کا پہلے پتا چل جاتا تو ہم باقی تینوں کو بھی بچا سکتے تھے۔"

وہ بستر پر لیٹا کمرے کی چھت پر نظریں ٹکائے شکستہ آواز میں رک رک کر بول رہا تھا۔ اس کی آواز اتنی دھیمی تھی کہ جنت نے کچھ باتیں سمجھیں' کچھ نہیں۔

"تو کیا باقی تینوں بھی؟" جنت بری طرح دہل گئی۔

"مستقیم اور زرین بالکل ٹھیک ہیں' لیکن مصطفیٰ کا آئی کیو لیول کم ہے۔"

"وہ کیا ہوتا ہے؟"

"مطلب۔۔۔ تو یوں سمجھ۔۔۔ بڑے والے دونوں کی طرح اس کا دماغ چھوٹا نہیں ہے' لیکن سمجھنے کی صلاحیت کم ہے۔" دلاور نے اسے بات عام ترین اور آسان طریقے سے سمجھائی۔

"تم فکر نہ کرو جی! یہ کوئی اتنی فکرمندی کی بات نہیں ہے' ہمارے گاؤں میں بابا فردوس ہوا کرتا تھا' اس کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بھی کم تھی' لیکن اسے تو کسی ڈاکٹر نے یہ آئی کیو لیول کم ہونے کا نہیں کہا۔ اچھا خاصا خوش خوش پھرتا ہے۔" جنت نے کہا۔

"وہ اس لیے پاگل عورت! کہ بابے فردوس کی شادی ہی نہیں ہوئی' نہ نسل آگے بڑھی' نہ پاگل پن' ہم نے اپنے بچے بیاہنے بھی ہیں' ان کی نسل بھی چلانی ہے۔" دلاور نے غصے سے کہا۔

"فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے جی! تم دیکھنا ہمارے بچے بیاہے بھی جائیں گے اور نسل بھی کسی پاگل پن کے بغیر آگے بڑھے گی۔ یہ شہری ڈاکٹر تو خود پاگل ہوتے ہیں۔ میں نے بچوں کو کبھی برگد کے نیچے جانے سے نہیں روکا' کوئی ہوائی چیز چپک گئی ہوگی' کل ہی انہیں سید کامل شاہ کے مزار پر لے جاؤں گی' میٹھے چاولوں کی دیگ چڑھا کے اپنے بچوں کو پیر جی کا دم کروالوں گی' دیکھنا دونوں میں بھلے چنگے ہو جائیں گے۔"

"پاگل پن کی باتیں نہ کر جنت! انہیں علاج کی ضرورت ہے۔"

"اب تو جو کریں گے' پیر صاحب ہی کریں گے۔"

جنت نے قطعیت سے کہا' دلاور حسین جانتا تھا۔ وہ اب ایک لفظ نہ سنے گی۔ شادی کے اتنے عرصے میں اتنا تو وہ جنت کو سمجھ ہی چکا تھا اور اب خاموشی سادھنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ جنت کی ضدی و ہٹ دھرم فطرت سے واقف تھا۔

☼ ☼ ☼

"دم تو میں نے کر دیا ہے۔"

پیر صاحب نے اپنی نشست کے قریب رکھے صندوق میں سے کاغذ کی چند پڑیاں' جن میں سفید رنگ کا سفوف بند تھا' نکالتے ہوئے جنت سے کہا۔

سید کامل شاہ کے مزار سے ملحق یہ ایک وسیع گول کمرا تھا۔ دروازے دو تھے اور چاروں طرف تھوڑے تھوڑے فاصلے کی نشست کے قریب دو' تین کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں' جن سے ماگھ کی تیز چمکیلی ٹھنڈی دھوپ چھن چھن کر اندر آ رہی تھی اور ملگجا سا اجالا کمرے میں پھیلا رہی تھی۔ اگربتی کی خوشبو اور دھواں آزادانہ وہاں پھیلا ہوا تھا۔



پیر صاحب کی گدی کے سامنے بچھی چٹائی پر جنت اور اس کے دونوں بچوں کے علاوہ کچھ اور عورتیں بھی بیٹھی تھیں اور اپنی باری کے انتظار میں تھیں۔

"یہ سفوف ہر روز دن میں دو بار چینی کے ساتھ ملا کر بچوں کو کھلانا ہے۔"

پیر صاحب نے پڑیاں جنت کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ جنت جو کمرے کا جائزہ لینے میں مشغول تھی چونک کر ان کی طرف متوجہ ہوئی اور ادب سے پڑیاں پکڑلیں۔

"نماز اور قرآن کی پابندی کروبی بی! اپنے شوہر سے کہو وہ بھی باقاعدگی سے نماز پڑھا کرے۔ تمہارے بچوں پر کوئی آسیب نہیں ہے۔ یہ بیمار ہیں اگر ان کا علاج ممکن نہیں تو اپنے رب سے دعا کرو وہ بیماری ٹالنے پر قادر ہے۔"

پیر صاحب نے تسبیح کے دانے گراتے ہوئے اپنی بھاری بارعب آواز میں کہا۔

"لیکن پیر صاحب! مجھے لگتا ہے یہ آسیب ہی ہے' ویسے تو دونوں بھلے چنگے رہتے ہیں لیکن ہر دوسرے تیسرے مغرب کی نماز کے بعد انہیں غش آنے لگتے ہیں۔ ہاتھوں پیروں کی رگیں پھول کر نظر آنے لگتی ہیں گردن مڑنے لگتی ہے۔ حلق سے عجیب عجیب آوازیں آتی ہیں۔ تھوڑی دیر بعد حالت سنبھل بھی جائے تو کھانے کو نہیں مانگ سکتے۔ مجھے تو لگتا ہے کسی ظالم آسیب نے میرے بچوں پر قبضہ کیا ہوا ہے۔" جنت نے مامتا بھری فکرمندی سے کہا۔

"سن کاکی! اللہ نے جنات کو بے شک نوری مخلوق قرار دیا ہے لیکن نوری مخلوق بنا کر بھی انہیں کھلا نہیں چھوڑ دیا۔ ان کی بھی ایک دنیا ہے۔ اس دنیا کا بھی کوئی ضابطہ اخلاق ہے' کچھ ذمہ داریاں ہیں۔ جنات اتنے فارغ نہیں ہوتے کہ ہمارے تمہارے بچوں کی ناک لگائے بیٹھے رہیں' ہاں ٹھیک ہے کچھ شریر قسم کے جنات بھی ہوتے ہیں لیکن خود پر آئی ہر مصیبت یا بیماری کے لیے جنات کو مجرم قرار دے دینا انصاف کی بات نہیں ہے۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے تمہارے بچوں پر آئی مصیبت' تمہارے کسی گناہ کی سزا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمہارے بچوں کو بیماری دے کر اللہ تمہیں آزمانا چاہ رہا ہو۔"

پیر صاحب کی آواز جنت کے اعصاب پر ہتھوڑے کی طرح برسی تھی۔

"گناہ؟" اس نے زیر لب کہا۔

"کوئی کتنا بھی گناہ گار کیوں نہ ہو' اللہ اس کے لیے دعا کا راستہ کبھی بند نہیں کرتا' وہ اپنے بندے کو نوازنے سے نہیں رکتا۔ جو اللہ اپنے بجائے کسی دوسرے کو خدا بنا کر پوجنے والے پر بھی اپنی رحمتیں بند نہیں کرتا' وہ اپنے نام لیوا کے لیے دعا اور توبہ کا راستہ کیسے بند کر سکتا ہے۔ اسی لیے اپنی چھوٹی بڑی غلطیوں پر اپنے رب سے توبہ کرتے رہو' دعا کا ہاتھ نہ چھوڑو۔"

پیر صاحب اب وہاں بیٹھی تمام عورتوں سے مخاطب تھے۔

"لیکن پیر صاحب!" جنت کے عقب میں بیٹھی ایک عورت نے دھیمی آواز میں کہا۔ "اس بات کا فیصلہ کس طرح کیا جا سکتا ہے کہ جو ہم پر نازل ہوا ہے' وہ خدا کا قہر ہے یا اس کی آزمائش؟ اللہ تو ہمیں نہیں بتاتا کہ آزمائش ہے یہ سزا' نہ وہ عام انسانوں کے لیے فرشتے زمین پر اتارتا ہے جو انسان کو بتا دیں پھر ہم کس طرح فیصلہ کر سکتے ہیں۔ میری مثال آپ کے سامنے ہے' پچھلے چار سالوں سے میں عذاب میں مبتلا ہوں۔ میرے اردگرد اتنا سناٹا ہے کہ بعض اوقات مجھے اپنی آواز بھی سنائی نہیں دیتی۔ میں اللہ سے دعا مانگتی ہوں کہ وہ میری آزمائش کو ٹال دے پھر خیال آتا ہے کہ یہ ذہنی عذاب کسی گناہ کی سزا بھی تو ہو سکتا ہے' تب میں اللہ سے توبہ کرنے لگتی ہوں۔ لیکن ہر بار میں الجھ جاتی ہوں' آزمائش ٹلنے کی دعا اور کسی گناہ پر توبہ مانگنے کے درمیان پھنس جاتی ہوں۔ پورے خشوع و خضوع سے دعا مانگ سکتی ہوں نہ پورے دل سے توبہ کر پاتی ہوں۔ مجھے بتائیں پیر صاحب! میں کیا کروں؟ میں تو

عجب کشمکش میں پھنس گئی ہوں' آپ کو سب علم ہے' پیر صاحب! مجھ پر بیتی ہر کیفیت کا علم ہے... اللہ کے واسطے میری مدد کریں' مجھے اس کشمکش سے نکال دیں۔"

وہ عورت اب سسکنے لگی تھی' کمرے میں سناٹا چھا گیا صرف اگربتی کے دھویں کے ساتھ اس عورت کی سسکیاں گونج رہی تھیں۔

"دیکھو بیٹی!" پیر صاحب نے نرم آواز میں کہا۔

"کبھی کسی انسان سے مت پوچھو کہ وہ تمہیں تم پر بیت رہی کیفیت کا اصل نام بتا دے' تم نے مجھے اپنے ہر عمل کی داستان سنا دی بقول تمہارے تم نے ایک بھی لفظ مجھ سے نہیں چھپایا' لیکن جو کچھ تم نے مجھے بتایا' اس میں تمہاری غلطی کا کوئی پہلو نہیں نکلتا۔ انسان فرشتہ نہیں ہے لیکن جب وہ اپنی زبان سے اپنی کہانی بیان کر رہا ہوتا ہے تو غیر ارادی طور پر... جانے انجانے خود کو غلطیوں اور کوتاہیوں سے بالاتر قرار دے دیتا ہے... ممکن ہے تم نے بھی جو کچھ مجھے بتایا' اس میں سے اپنی غلطیاں میرے سامنے شرمندگی کے ڈر سے حذف کر دی ہوں۔ اب میں تو تمہاری کیفیت کو تمہاری کہانی کے تناظر میں ہی پرکھوں گا اور اس کیفیت کا نام بتا دوں گا کہ یہ سزا ہے یا آزمائش لیکن تمہاری ساری غلطیوں کے صرف دو گواہ ہیں۔ ایک اللہ' دوسرا تمہارا دل۔ اس لیے کسی انسان سے یہ پوچھنے کے بجائے کہ جو تم پر بیت رہی ہے یہ سزا ہے یا آزمائش' اپنے دل سے رجوع کرو' یہ فیصلہ اسے کرنے دو' تمہاری ہر مشکل آسان ہو جائے گی۔"

"میں نے بہت غور کیا ہے پیر صاحب! مجھے نہیں لگتا میں نے کوئی گناہ کیا ہے۔" اسی عورت نے کہا۔

"لیکن یہ تو ہو سکتا ہے کہ تم نے کبھی کسی کا دل دکھایا ہو' اسے جانے انجانے اتنی تکلیف پہنچا دی ہو کہ اس انسان کا دکھا ہوا دل بے اختیار تمہیں بددعا دے ڈالے... میری ایک بات یاد رکھنا۔ کسی کی دل آزاری یا دل دکھانا حقوق العباد میں عظیم گناہ ہے۔ دکھی دل سے نکلی ہوئی بددعا پھر ساری زندگی دل دکھانے والے شخص کے جسم سے لپٹی رہتی ہے اور تب تک انسان کا پیچھا نہیں چھوڑتی جب تک بندہ اسے معاف نہ کرے' اسی لیے میں تجھے سمجھا رہا ہوں' اپنے رب سے کہہ تیرے دل کو فیصلہ کرنے کی صلاحیت عطا کرے' بددعا کے نتیجے میں سزا مل رہی ہو گی تو اس کا فیصلہ بھی تیرا دل کر دے گا آزمائش ہو گی تب بھی دل ہی بتا دے گا۔"

جنت چپکے سے وہاں سے نکل آئی' اسے ہمیشہ ایسی گفتگو بری لگتی تھی جس میں بے کار سی نصیحتوں کے سوا کچھ نہ ہو۔ پیر صاحب کو وہ بہت مانتی تھی' لیکن آج ان کی باتوں نے اسے الجھا سا دیا تھا۔

"گناہ؟ کیسا گناہ؟ میں نے کوئی گناہ نہیں کیا۔" اس نے دل ہی دل میں خود سے کہا ساتھ ہی اسے کئی سال پہلے اپنے باپ کی کہی ہوئی ایک بات یاد آئی۔

"میری بیٹی سچی ہے' وہ کبھی جھوٹ نہیں بولتی' ایسی بھولی بھالی صورت کی سچائی پر کوئی شک کرے تو اس کی عقل پر شک کرنا چاہیے' مجھے تو آسمان سے آکر اللہ کے فرشتے بھی کہیں کہ جنت نے جھوٹ بولا تھا تو میں یقین نہ کروں' اتنا بھروسا ہے مجھے اپنی بیٹی پر۔"

اس سے قبل کہ وہ اپنا احتساب کر پاتی' اسے باپ کا خود پر بھروسا یاد آ گیا' اسی بھروسے کے ذریعے اس نے کئی سال باپ کو بے وقوف بنائے رکھا تھا۔

"اوئی بی بی... سنو۔" جنت نے مزار کے احاطے میں پہنچ کر اپنے عقب میں اپنی آواز سنی۔ پیر صاحب کا معتمد خاص دوڑا چلا آ رہا تھا۔

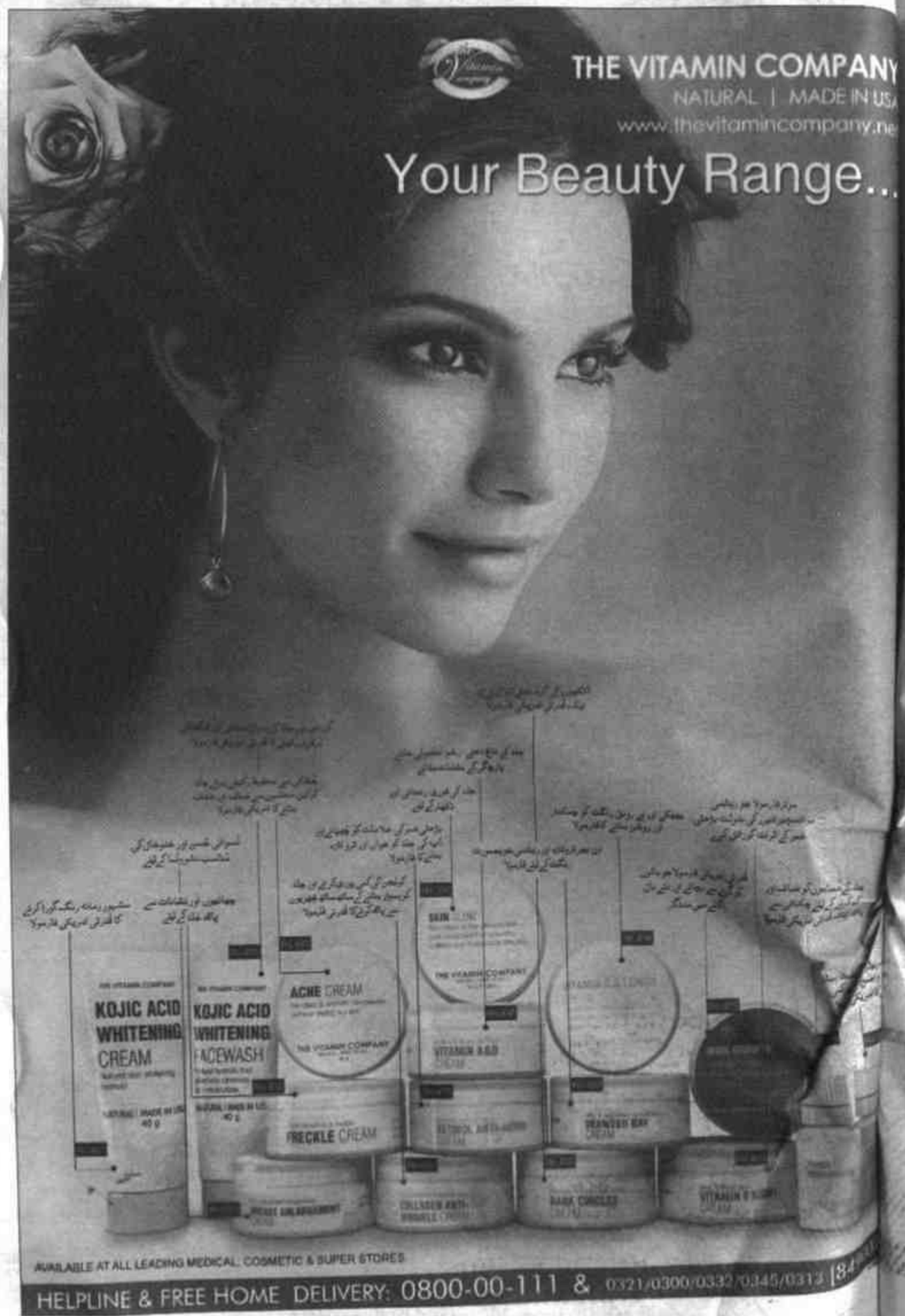
"تم یہ دوائیاں بھول آئی تھیں' یاد سے بچوں کو پلاتی رہنا' اللہ شفا دے گا اور پیر صاحب کہتے ہیں' اپنے گناہوں کی معافی مانگو۔"

جنت کی تیوری پر بل پڑ گئے' اس نے پڑیاں جھٹ کر لیں۔
"میں کیوں گناہوں کی معافی مانگوں؟ کون سے گناہ ہیں میرے جن کی پکڑ ہو گی؟ وہ ڈاکٹر اور اب یہ پیر صاحب فارغ ہی ہیں۔ اللہ کی بھیجی ہوئی آزمائش کو خوامخواہ میرے گناہوں کی سزا بنانے پر تلے بیٹھے ہیں... اونہہ... بھئی' میرے بچے یوں ہی ٹھیک ہیں بھاڑ میں جائے وہ انگریزی ڈاکٹر اور یہ دیسی حکیم۔"
اس نے نخوت سے سر جھٹک کر کہا تھا اور مطمئن ہو بیٹھی تھی۔

☆ ☆ ☆

شبیہہ العباس کو عجیب سی بے چینی لاحق تھی۔
وہ بیڈ پر اوندھا لیٹا ہوا تھا اور کچھ غیر واضح کیفیت کا شکار تھا۔ اسی کیفیت سے چھٹکارا پانے کے لیے وہ تین گھنٹے سڑکوں پر خوار ہو کر آیا تھا' دو گھنٹے اس نے ٹی وی کے سامنے برباد کیے۔ بہت بار پڑھنے کی کوشش کی' مگر بے سود' دل میں موجود بے چینی لحہ بہ لحہ دھویں کی طرح اس کے وجود سے لپٹتی جا رہی تھی۔
بہت بار اسے خیال آیا کہ اسے کسی دوست سے گپ شپ لگانا چاہیے' لیکن اس کا بھی کچھ فائدہ نہ ہوتا۔ دراصل وہ بہت سیلف سینٹرڈ انسان تھا۔ اس لفظ کے جتنے بھی اجزائے ترکیبی ہو سکتے ہیں' وہ اس میں بدرجہ اتم موجود تھے۔ قریبی دوستوں کی تعداد بہت کم تھی اور جو دوست تھے' ان کے ساتھ بھی اس کے لیے ممکن نہ تھا کہ طویل گفتگو کر پاتا شاید اسے ہمہ وقت یہ خدشہ لاحق رہتا تھا کہ کوئی اس کے اندر تک رسائی حاصل نہ کر لے۔ خود رو پودے کی طرح اس کے اندر اگ آئے ہوئے احساس کمتری کا سراغ نہ لگا لے۔ یہ ہی وجہ تھی کہ اس نے اپنے گرد بدمزاجی' غصے اور غرور کی دیواریں کھڑی کر لی تھیں اور خود کو سیلف سینٹرڈ کہلوانے میں فخر محسوس کرنے لگا تھا۔
پہلی بار ایسا ہو رہا تھا کہ اس کا حویلی جانے کا بھی ارادہ نہیں بن پا رہا تھا۔ جلال ہوتا تو کچھ سہولت رہتی کہ جلال دنیا کا وہ واحد شخص تھا جس کے سامنے شبیہہ نے کبھی اپنا آپ چھپانے کی کوشش نہیں کی' وہ اس کے سامنے اپنا ہر خدشہ کھول کر بیان کر سکتا تھا' وہ اس کے ہر احساس کمتری سے واقف تھا یا شاید یہ بھی شبیہہ کی خام خیالی تھی' لاشعوری طور پر وہ جلال سے بھی بہت کچھ بیان نہیں کر پاتا تھا۔ ہاں لیکن جلال اس کا اچھا غم گسار تھا' اپنی تمام تر بے وقوفیوں اور نالائقیوں کے باوجود وہ ایسا دوست ثابت ہوتا تھا جس کا کندھا بوقت ضرورت شبیہہ کو میسر رہتا تھا۔
لیکن فی الوقت جلال نہیں تھا اور شبیہہ دل کے کسی کونے میں بالکل غیر ارادی طور پر اس دن کے لیے پچھتا رہا تھا جس روز اس نے ثروت سے بہت غیر مناسب انداز میں بات کی تھی۔
ملازم انہیں اندر لے آیا تھا' اگر وہ شبیہہ سے پوچھتا تو یقیناً" وہ اسے ثروت کو ٹالنے کا کہتا اور انہیں دروازے سے ہی واپس بھجوا دیتا' لیکن ملازم انہیں اندر لے آیا تھا اور شبیہہ کے سامنے وہ گم صم سی بیٹھی تھیں۔
"میں نے سوچا آج تم سے کچھ باتیں کر لوں۔" انہوں نے گود میں رکھے ہاتھ مسلتے ہوئے کہا تھا۔ وہ آف وائٹ اور براؤن کنٹراسٹ کی شلوار قمیص میں ملبوس تھیں' بالوں کو انہوں نے ہمیشہ کی طرح ایک خوب صورتی سے جوڑے میں باندھ رکھا تھا۔ اور بلاشبہ وہ بہت سوبر دکھائی دے رہی تھیں۔
شبیہہ نے دل ہی دل میں ان کی شخصیت کی خوب صورت اور کشش کا اعتراف کیا۔
"آپ نے خوامخواہ یہاں آنے کی زحمت کی' مجھے باتیں کرنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ خصوصاً" آپ سے تو بالکل نہیں۔" اس نے لہجے میں حتی المقدور بدتمیزی سمو کر کہا۔ ثروت کے چہرے پر سایہ سا لہرا گیا۔

"شبیہہ! میں جانتی ہوں' تم مجھ سے بہت خفا ہو' لیکن بیٹے! میری کچھ مجبوریاں تھیں۔" انہوں نے کہا۔
"ہوں گی ضرور ہوں گی' لیکن مجھے ان مجبوریوں کے قصے سننے میں بھی کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" اس نے سابقہ انداز میں کہا تھا۔
"کیونکہ جب میری قصے کہانیاں سننے کی عمر تھی تو آپ کی بے وفائی اور دھوکہ دہی کے قصے سن لیے تھے میں نے۔"
"یہ سب تمہارے باپ اور دادی کی پھیلائی ہوئی من گھڑت باتیں ہیں' میرے خلع لینے کے بعد انہوں نے میرے کردار کے متعلق ایسی ایسی ہرزہ سرائیاں کیں کہ میں دنگ رہ گئی تھی۔" ثروت نے تڑپ کر کہا۔
"دادی کے متعلق تو آپ کچھ نہ کہیں' میں ایک لفظ بھی نہیں سنوں گا' باقی بات رہی ابو کی' تو انہوں نے آج تک مجھ سے آپ کے متعلق کچھ نہیں کہا۔ بلکہ انہوں نے تو کبھی کچھ نہیں کہا۔ آپ کی بے وفائی کا غم منانے سے انہیں کبھی فرصت ہی نہیں ملی۔ دادی نے مجھے پالا' ماں اور باپ دونوں کا پیار دیا' کیونکہ ماں تو مجھے باپ کے دروازے پر پھینک کر چلی گئی تھی۔ ان دونوں نے اپنے اختلافات میں مجھے ایک ایسا پودا بنا دیا جس کی جڑیں کسی ایک زمین میں اتر ہی نہیں سکیں۔ آپ کہتی ہیں' میرے باپ اور دادی نے من گھڑت باتیں پھیلائیں۔ میں ان ہی من گھڑت قصوں کی چھاؤں میں پروان چڑھا ہوں' کیا آپ دونوں میں سے کوئی ایک بھی مجھے بتا سکتا ہے کہ میرا تصور کیا تھا۔"
وہ بات کرتے ہوئے جیسے پھٹ پڑا تھا۔
"آپ نے مجھے دیکھا ہے' میں کتنی ٹوٹی بکھری شخصیت کا مالک ہوں۔ لوگوں سے کتراتا ہوں کہ کہیں کسی کو میری زندگی کے اس سب سے بڑے راز کا سراغ نہ مل جائے جو میری ماں سے وابستہ ہے۔"
"شبیہہ! میری بات سنو۔"
"سنوں گا ضرور سنوں گا' آپ بس ایک سوال کا جواب دے دیں' اگر آپ کو دانیال حسن سے ہی شادی کرنا تھی تو مجھے..."
ثروت پر جیسے بجلی سی گری' اس سے زیادہ شرم ناک بات اور کوئی نہ ہو سکتی کہ ان کا بیٹا ہی ان کے کردار کو ہدف بنا رہا تھا۔
"تم غلط سمجھ رہے ہو شبیہہ! ایسی کوئی بات نہیں تھی۔"
"کیوں؟ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ آپ نے دانیال حسن کے لیے ابو سے خلع لیا تھا۔"
"ہرگز نہیں۔"
"ہاں... میں جانتا تھا' آپ جھٹلائیں گی' سب سے بڑی حقیقت تو یہ ہے کہ آپ اسی آدمی کی بیوی ہیں۔ کانوں سنا جھوٹ ہو سکتا ہے' آنکھوں دیکھا نہیں۔"
اس نے تمسخر سے کہا۔
"بعض اوقات کانوں سنا اور آنکھوں دیکھا بھی سچ نہیں ہوتا' آنکھوں اور کانوں پر تعصب کی پٹی بندھی ہو تب تو ہرگز نہیں' تمہاری دادی اور باپ نے تمہیں کچھ حقائق ضرور بتائے ہوں گے' لیکن وہ حقائق پوری حقیقت پر مبنی نہیں۔ جب کبھی ماں کی طرف سے دل نرم پڑ جائے تو آ جانا۔ باقی کی حقیقت تمہیں میں بتا دوں گی۔ یہ تمہارے لیے ایک چھوٹا سا گفٹ خریدا تھا۔ تمہاری سالگرہ پر بتا نہیں دے سکوں یا نہیں' اسی لیے آج ہی لے آئی۔"
"اسے لے جائیں۔" "مجھے ضرورت نہیں' اپنی تمام سالگرہ آپ کے تحفے کے بغیر منائی ہیں میں نے' اگلی بھی منا لوں گا' آپ آئیں' مجھے خوشی ہوئی' اگلی بار نہ آئیے گا' مجھے زیادہ خوشی ہو گی۔



اس نے بدلحاظی و بے مروتی کی انتہا کردی تھی' ثروت کی طرف دیکھے بنا بھی وہ جانتا تھا ان کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا ہے۔ ان کے جانے کے بعد— شبیہہ کو پشیمانی نے گھیر لیا تھا۔ اسی لیے وہ ان سے ملنے سے کتراتا تھا' کیونکہ جانتا تھا جب بھی بات نکلے گی' اس کی بچپن کی محرومیاں اس کو تلخ کلامی پر مجبور کردیں گی۔

اس روز کے بعد اس نے ثروت کو نہیں دیکھا تھا۔ وہ پہلے لاشعوری اور پھر شعوری طور پر انہیں پارک میں آتے جاتے تلاش کرتا رہا تھا۔ لیکن اس کی تلاش ہر بار رائیگاں گئی تھی۔

ہر گزرتے دن کے ساتھ اس کے دل پر بوجھ بڑھ رہا تھا اور وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا' اس بوجھ کو کس طرح دور کرے' ہاں یہ ضرور تھا کہ وہ ثروت کو شدت سے یاد کر رہا تھا اور ان کی خیریت کے لیے دعا گو بھی تھا' لیکن اس بات کا اعتراف خود اپنے آپ سے کرتے بھی اسے ہتک محسوس ہوتی تھی۔

تو وہ بیڈ پر اوندھا لیٹا تھا اور دل میں موجود بے چینی دھویں کی طرح لمحہ بہ لمحہ اس کے وجود سے لپٹ رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

سالوں کے سکے وقت کے کشکول میں پے در پے گرتے رہے۔

اس دوران اگر ان کی دھن دولت' زمین جائیداد میں اضافہ ہوا تو دوسری طرف اپنی اولاد کا غم بھی جان سے چپکا رہا جو بسا اوقات بے حد پریشان کردیتا تھا۔ جنت اسے آزمائش سمجھ کر اس کے ٹلنے کی دعا کرتی' اس نے کبھی نہیں سوچا' یہ سزا بھی ہو سکتی ہے۔ انسان اپنا احتساب بھی تب ہی کرتا ہے جب اسے اپنے رویوں میں کوئی کمی دکھائی دے' جبکہ جنت خود کو غلطیوں' کوتاہیوں سے ماورا تصور کرتی تھی' اس نے اپنا آپ ایک اونچے سنگھاسن پر بٹھا رکھا تھا اور اپنی پرستش کرنے سے اسے عشق تھا۔

لیکن دلاور حسین کے ذہن میں اب کوئی ابہام نہیں رہ گیا تھا۔ اس کے پاس بہرحال اتنی سوجھ بوجھ تھی کہ سزا اور آزمائش میں سے فرق تلاش کرسکے۔ وہ خدا سے اپنے کردہ ناکردہ گناہوں اور کوتاہیوں کی معافی مانگتا اسے رہ رہ کر اپنی مرحوم بیٹی یاد آتی تھی۔ خفا اور مرحوم باپ یاد آتا تھا۔

رجب کی طرف اس نے خصوصی توجہ دینا شروع کردی تھی' کچھ اس لیے کہ وہ اس کا بڑا بیٹا تھا اور کچھ اس لیے بھی کہ وہ اپنی غلطیاں دہرانا نہیں چاہتا تھا' کئی بار اس نے جنت کو بھی سمجھانے کی کوشش کی' مگر ہر بار نتیجہ اس کی توقعات کے برعکس نکلتا۔ جنت غصے میں آکر رجب کے ساتھ اور برا رویہ اپنا لیتی یوں بھی وہ اپنے بچوں کے پاگل پن کو رجب کی نحوست قرار دیتی تھی' پھر اسے دلاور حسین کا رجب سے محبت کا رویہ بھی برا لگتا تھا۔

وہ دلاور پر خوب چیختی چلاتی' ناچار دلاور کو چپ سادھنا پڑتی۔ اسے اس بات کی بھی شرم ساری تھی کہ اس کی بے جا محبت نے جنت کو اس کی ذات پر اتنا حاوی کردیا تھا کہ دلاور اس سے دبنے لگا تھا۔ ورنہ ہو تو یہ بھی سکتا تھا کہ وہ چار طمانچے لگا کر جنت کو اس کا رویہ درست کرنے کے لیے کہتا۔

دلاور کی پسپائی نے جنت کی خود سری اور حاکمیت پسندی کو مزید ابھار دیا تھا۔

وقت یوں ہی کٹتا رہا۔ سوتیلی ماں کسی کے لیے اتنا بڑا عذاب ثابت نہ ہوتی ہوگی جتنا رجب کے لیے ثابت ہو رہی تھی' کو کہ وہ بڑا ہو گیا تھا' باپ کی طرح لمبا قد اور مضبوط کاٹھی والا' لیکن اس کے اندر جنت کا خوف کچھ اس طرح پھیلا ہوا تھا جس طرح بوڑھے درخت کی شاخیں زمین کے سینے میں پھیلی ہوئی ہیں۔

دلاور حسین نے کئی بار دیکھا' جنت سب کا بچا کھچا کھانا ایک پلیٹ میں جمع کرکے رجب کو دے دیتی ہے' کو کہ وہ کئی بار اسے سرزنش کرچکا تھا' لیکن جس جنت نے اتنے سالوں میں اس کی بات نہ سمجھی تھی' اب کیا سمجھتی' اس روز بھی دلاور حسین نے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ جنت نے ضد میں آکر رجب کو روٹی کے وہ ٹکڑے

کھانے کے لیے دیے جن پر پھپھوندی لگ چکی تھی۔
رجب اس روز کسی اور موڈ میں تھا۔ اس نے جنت کی اس ناانصافی پر خود بڑھ کر چنگیر سے تازہ روٹی لینا چاہی' لیکن جنت نے بری طرح اسے پیچھے دھکا دیا۔ ردعمل کے طور پر رجب نے زور سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا اور بے حد نفرت و اشتعال سے جنت کو گھورا۔ لیکن جنت کے لیے اس کی یہ گستاخی ناقابل معافی تھی' اس نے نفرت و تکبر آنکھوں میں سمو کر رجب کو دیکھا اور رسوئی سے خاموشی کے ساتھ باہر نکل گئی۔
رجب نے سوچا مصیبت ٹل گئی اور مطمئن ہو کر کھانا کھانے لگا' لیکن اس کا یہ خیال دیوانے کے خواب سے زیادہ کچھ نہیں تھا۔
اسی رات جنت کا بے حد وزنی سونے کا کنگن غائب ہو گیا جو بعد ازاں رجب کی ٹوٹی پھوٹی چارپائی پر بچھے مرمل سے کھیس کے نیچے سے برآمد ہوا۔ گو کہ دلاور حسین کو ثبوت مل جانے کے باوجود اس بات پر یقین نہیں آرہا تھا کہ اس کا بیٹا چوری کر سکتا ہے' لیکن جنت نے وہ واویلا مچایا کہ اس کا دماغ پھٹنے کے قریب پہنچ گیا۔
غصے' بے بسی اور بے زاری کے احساس سے مغلوب ہوتے ہوئے اس نے رجب کو چولہے میں جلانے والی کھردری لکڑی سے اتنا مارا کہ جنت کے شیطانی دل میں سکون اتر گیا' جبکہ رجب نڈھال اور کسی حد تک لہولہان بھی ہو گیا۔ اس روز رات ہونے تک گھر میں سناٹا چھایا رہا۔ ملازمین تو ملازمین پالتو جانوروں میں سے بھی کسی کی ہمت نہ تھی کہ آواز نکالے۔
اگلی صبح رجب گھر چھوڑ کر جا چکا تھا' ڈیرے کے رکھوالے نے بتایا اس نے رجب کو روکنے کی بہت کوشش کی' لیکن وہ روتا جاتا تھا اور کہتا تھا۔
"ابا سے کہنا... یہ حویلی اس کو اور اس کی بیوی کو مبارک ہو... میں اب یہاں نہیں آؤں گا' جہاں میری ماں اور بہن چلی گئی میں بھی وہیں چلا جاؤں گا۔"
دلاور حسین کے دل پر کسی نے گویا گھونسا کھینچ مارا تھا۔ اس نے ملازمین کو دوڑایا' آس پاس کے سارے گاؤں' موضع تک چھان مارے' خود جا کر اپنے تئیں قریبی شہر بھی کھنگال آیا' لیکن رجب کا پتا چلنا تھا سو نہ چلا۔
ناچار دلاور حسین کو دل پر صبر کی سل رکھنا پڑی۔ لیکن ایک روز جب اس کے سامنے کھانا آیا' سرسوں کا ساگ' مکئی کی روٹی' چاول کا بھرا تھال' مکھن' اچار' لسی سے بھرے گلاس... تو اس کا دل یکایک بیٹھنے لگا اور ایک غیر واضح سا کرب سارے جسم میں پھیل گیا۔ منہ میں نوالہ لے جاتا ہاتھ کانپنے لگا۔ دلاور کے سینے سے یک دم اتنی سسکیاں ابھریں' آنکھوں سے اتنے آنسو امڈے کہ وہ بے حال ہو کر رہ گیا۔
اس کے بیٹے نے خدا معلوم اتنے روز سے کھانا کھایا ہو گا یا نہیں؟ اسے سونے کے لیے بستر ملتا ہو گا؟ پانی کی چند بوندیں نصیب ہوتی ہوں گی یا پیالہ بھر پانی؟ اس کا لباس پھٹ چکا ہو گا؟ چپل گھس رہی ہو گی؟
گو کہ جب وہ حویلی میں تھا اس کا حال تب بھی اس سے کچھ مختلف نہ تھا' لیکن اب دلاور کو رہ رہ کر پچھتاوے کے ناگ ڈس رہے تھے۔
جب وہ دیر تک رو چکا تو اس نے سر اٹھا کر دیکھا' جنت چپ چاپ بنا تاثر زرین کو کھانا کھلا رہی تھی اور وہ فوقتاً اس پر بھی نظر ڈال لیتی تھی۔ دلاور کو اپنی طرف دیکھتا پا کر اس نے سرد مہری سے کہا۔
"اپنے چور بیٹے کو جتنا رونا ہے۔ ایک ہی بار رو لو' بار بار یہ نحوست پھیلانے کی ضرورت نہیں ہے' میرے بچوں پر برا اثر پڑے گا۔"
دلاور نے نفرت انگیز نظروں سے اس عورت کو دیکھا' جس کے سینے میں شاید دل نام کی کوئی چیز ہی نہیں تھی۔ اس حسین و دلکش عورت کو اس نے خود اپنے سر چڑھایا تھا اور اب اسے سر سے اتارنا ہرگز بھی آسان نہ تھا۔

"رجب چور نہیں تھا۔" دلاور نے غصے سے کہا' یوں بھی غم کا ایسا شدید غلبہ تھا اس پر کہ جنت سے سخت لہجے میں باز پرس کرنا کچھ ایسا غیر معمولی نہ ہوتا۔
"تم نے اس کے کھیس کے نیچے سے خود کنگن برآمد کیا' میں نے نہیں کہا تھا کہ وہاں سے جا کر نکالو' اس کی چوری کا ثبوت تم نے خود دیکھا تھا۔" جنت نے سابقہ سرد مہری سے کہا۔ دلاور کے اشتعال کے غبارے سے ہوا نکل گئی۔
"رجب حویلی چھوڑ کر گیا ہے۔ مر نہیں گیا کہ تم ہر گھڑی اسے روتے رہو۔ ایک نہ ایک دن' جس روز دنیا کی ٹھوکریں کھاتا تھک جائے گا تو یہیں واپس آئے گا' اس لیے تم اسے بار بار رونا چھوڑ دو' روتے ہوئے مرد زہر لگتے ہیں مجھے۔"
جنت نے نخوت سے ناک چڑھا کر کہا اور دلاور حسین نے بزدلی سے آنکھیں موند کر بیٹے سے جدائی کا کرب اپنے اندر اتار لیا۔ اس کی خواہش تھی کہ رجب اسے دوبارہ مل جائے' لیکن دل کے کہیں اندر سے وہ جانتا تھا رجب اسے اب دوبارہ کبھی نہ ملے گا' بیوی' باپ' بیٹی کے بعد اس نے رجب کو بھی کھو دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

بادل بری طرح گرج رہے تھے اور آسمانی بجلی شیطانی کڑک کے ساتھ کمرے میں گھس کر سناٹے کو نگلنے لگی تھی۔
ثمینہ نے دیکھا ماوی دونوں ہاتھوں کے پیالے میں چہرہ رکھے کسی گہری سوچ میں گم تھی' اس کے چہرے پر کچھ عجیب سے تاثرات تھے اور مگوں میں رکھی کافی ٹھنڈی ہو چکی تھی۔
ثمینہ ایزی چیئر سے اٹھیں اور کھڑکی کے پاس جا کر باہر کا جائزہ لینے لگیں۔ بارش رک چکی تھی' لیکن آسمان بادلوں سے اٹا پڑا تھا۔ ہوا گم' پیڑ پودے ساکت' بڑی دیر تک ان دونوں کے درمیان خاموشی حائل رہی' صرف بادلوں کی گرج تھی جو بند کھڑکی کی دروازوں کی درزوں سے اندر داخل ہو کر اس خاموشی و سناٹے کی چادر پر سلوٹیں ڈالتی رہی۔
"میں حیران ہوں کہ کوئی اتنا جلاد صفت کیسے ہو سکتا ہے۔" بہت دیر بعد ماوی نے کھوئی کھوئی سی آواز میں کہا تھا۔ ثمینہ نے کوئی جواب نہ دیا' بادل پھر گرجے' "اور مجھے تو اس بات کا بھی یقین نہیں آرہا کہ بابا نے اتنی پر مصائب زندگی گزاری' اتنے ظلم سہے اپنی ذات پر... کاش! وہ خاتون میرے سامنے آجائیں تو میں انہیں بتاؤں کسی پر ظلم کرنے کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔" ماوی نے اپنی جون میں لوٹتے ہوئے پرعزم لہجے میں کہا تھا۔
ثمینہ نے بے اختیار گردن موڑ کر اسے دیکھا' ماوی کا فوری ردعمل ان کی توقعات کے عین مطابق تھا۔ ثمینہ کو بے ساختہ خوشی محسوس ہوئی۔
"جو کچھ میں تمہیں بتا چکی ہوں' وہ جنت بی بی کے ظلم کا ایک حصہ تھا۔ سارے حقائق جان کر تو تمہارا ردعمل نہ جانے کیا ہو گا۔" ثمینہ نے تھکے تھکے سے انداز میں کہا تھا۔
"کیا مطلب؟" ماوی بری طرح چونکی۔ "کیا ابھی اور بھی کچھ ایسا ہے' جس کے متعلق جاننا باقی ہے؟"
"ہاں بالکل..." ثمینہ نے فوری کہا۔ "میں تہیہ کر چکی ہوں' اب تمہیں مزید لاعلمی کے اندھیرے میں نہیں رکھوں گی۔"
"پھر آپ مجھے جلدی سے سب کچھ بتا دیں۔" ماوی نے بے چینی و بے صبری سے کہا۔
"میرے ذہن میں تو اتنے سوال اودھم مچا رہے ہیں کہ لگتا ہے دماغ ہی پھٹ جائے گا۔"
"اچھا ہے... جتنا تمہارے ذہن میں سوال جنم لیں گے اتنا ہم اپنے مقصد کے قریب پہنچیں گے۔" ثمینہ نے

دل میں جواب دیا کہ ایسی بات ابھی اس کے سامنے کہنے کا وقت نہیں آیا تھا' اس داستان حیات کے کچھ اسرار و رموز تھے۔ کچھ پیچ و خم تھے۔ کچھ انکشافات کے اتار چڑھاؤ تھے جنہیں مادی پر منکشف ہونا تھا۔ داستان بیان کرنے کا بھی کوئی طریقہ ہوتا ہے' کوئی سلیقہ ہوتا ہے۔ جس انسان نے اپنے مقصد کے حصول کے لیے لمبا انتظار کیا ہو صبر و تحمل کے ساتھ مناسب وقت کا انتظار کیا ہو' وہ چند جملے غلط وقت پر بولنے کی حماقت کس طرح کر سکتا ہے۔

"جب بابا کا انتقال ہوا تو میں اس وقت بہت چھوٹی تھی' لیکن جب بھی میں نے انہیں یاد کیا میرے ذہن میں ایک بے حد کمپوزڈ پرسنالٹی کا اسکیچ ابھر آیا۔ ان کی کہی ہوئی کچھ باتیں اب تک میرے لاشعور میں محفوظ ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ میں بابا کو جتنا جانتی ہوں' وہ سب کا سب آپ کی باتوں یا ان ڈائریز کے مرہون منت ہے جو بابا نے لکھی تھیں۔ میرے تو کبھی وہم و گمان میں بھی یہ ـــــ نہیں ـــ تھا کہ اپنی زندگی کے کسی حصے میں بابا اس قدر ذہنی ٹوٹ پھوٹ کا شکار رہے ہوں گے کہ اپنا آبائی گھر چھوڑنے پر ہی مجبور ہو گئے۔" مادی الجھن آمیز لہجے میں بول رہی تھی۔

"وہ اس لیے کیونکہ تمہارے بابا نے تلخ یادوں کو کبھی اپنی ڈائریز میں تحریر نہیں کیا۔" ثمینہ نے کہا۔ "وہ کہا کرتے تھے۔ سنبھال کر رکھنا ہو تو خوش گوار یادوں کو سنبھالو اور تلخ واقعات کو لاشعور کے کوڑا دان میں ڈال دو' تاکہ کئی سال بعد جب ماضی کو یاد کرو تو تمہیں خوش گواریت کے ثبوت ملیں جو تمہارے لبوں پر مسکراہٹ بکھیر دیں' نہ کہ تلخیاں آنکھوں میں آنسو لے آئیں۔"

"ویل سیڈ۔" مادی نے بے ساختہ ستائشی لہجے میں کہا۔

"اچھا خیر۔ آپ مجھے آگے کی detail (تفصیلات) بتائیں ممی! اپنے آبائی گھر سے نکلنے کے بعد بابا پر کیا بیتی؟ کیا وہ دادا جان کو دوبارہ مل گئے تھے؟ اگر ہاں تو پھر آپ ان سے کہاں ملیں؟ آپ دونوں کی شادی کس طرح ہو گئی؟ کیا آپ ان کی کوئی کزن تھیں؟" وہ سوال پہ سوال کرتی چلی گئی۔ ثمینہ نے گہری سانس بھر کر سلسلہ کلام جوڑا۔

"حویلی سے نکلنے کے بعد رجب صحیح معنوں میں دنیا کی ٹھوکروں پر آ گئے تھے۔ اس دور میں انہوں نے بہت کڑا وقت دیکھا' پیٹ بھرنے کے لیے کوڑے دانوں سے کھانا چنا' فٹ پاتھوں پر سوئے سخت گرمیوں میں سر پر سورج کی چادر تنی رہی تو سردیوں کی طویل راتوں میں خنکی اوڑھ کر سوتے رہے۔ انہوں نے مزدوری بھی کی۔ پتھر تک ڈھوئے' لیکن قسمت نے ان کے لیے کچھ اور سوچ رکھا تھا۔ ہر بار جب رجب کو لگتا کہ اب وقت ذرا سہولت سے کٹے گا تو ان پر کوئی نئی مصیبت آ جاتی۔ کم عمر تھے۔ زمانے کی چالاکیوں کا مقابلہ کرنا نہ آتا تھا۔ ایسے ہی وقت میں ایک بار وہ کام سے نکال دیے گئے۔ سرکاری سڑکیں بناتے ہوئے جو مزدور طبقہ ہائر کیا جاتا ہے رجب بھی ان ہی میں سے تھے اور سڑک کے ساتھ ساتھ ہی سیالکوٹ جا پہنچے تھے کہ کسی بات پر سپروائزر نے غصے میں آ کر انہیں نکال دیا اور مزدوری دینے سے بھی انکار کر دیا۔ رجب پورا دن بھٹکتے رہے' شام گئے ایک ڈھابے کے قریب سے گزرے تو روٹی کی خوشبو انہیں اپنی طرف کھینچنے لگی' لیکن جیب میں دھیلا بھی نہ تھا اور پیٹ میں آنتیں کھنچ رہی تھیں' یہیں رجب کی ملاقات ہدایت اللہ صاحب سے ہوئی۔"

"ہدایت اللہ؟" مادی انہماک سے سنتے ہوئے یک دم پوچھنے لگی۔

"ہاں ہدایت اللہ ـــ جنہیں خدا نے تمہارے بابا کے لیے رحمت بنا کر بھیجا تھا' وہ قریبی میز پر بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ رجب کے چہرے پر بھوک' پیاس اور کسمپرسی دیکھ کر انہوں نے رجب کو اپنے ساتھ کھانے کی دعوت دے ڈالی۔ رجب اس وقت بھوک کے ہاتھوں مغلوب تھے انہوں نے پیٹ بھر کر کھایا جب حواس کچھ ٹھکانے پر آئے تو سامنے بیٹھے صاحب کو دیکھا اور بغور انہیں اپنی طرف دیکھتا پا کر شرم سار ہو گئے۔

"معاف کیجیے جناب! میں دو دن سے بھوکا تھا۔" رجب نے سر جھکا کر کہا۔

"میرے سامنے تکلف برتنے کی ضرورت نہیں ہے بیٹے! کچھ اور کھانا ہو تو منگوا دوں؟" ہدایت اللہ صاحب نے پوچھا۔ رجب کو اور خفت نے گھیر لیا۔

"شرمندہ نہ کریں بڑے صاحب! میں نے بتایا نا دو دن سے بھوکا تھا۔ کھانا نظر آیا تو خود کو روک نہیں سکا۔۔۔ آپ نے کھانا کھلا کر بڑا احسان کیا مجھ پر۔۔۔ اس کا اجر آپ کو اللہ دے گا۔"

"اچھا ابھی جانا نہیں' تم کو چائے بھی پلواتے ہیں۔"

"نہیں جی۔ شکریہ۔۔۔"

"ارے شکریے کی کیا بات؟ دراصل ہمیں تنہا بیٹھ کر چائے پینے کی عادت نہیں۔ تم ساتھ دے دو تو کیا بات ہے۔" انہوں نے بے تکلفی سے کہا' ساتھ ہی ڈھابے کے لڑکے کو چائے لانے کا کہا۔

"جب تک چائے آ رہی ہے۔ تم اس سامنے والے نلکے سے منہ ہاتھ کیوں نہیں دھو لیتے؟ چلو آؤ ہم ہی تمہارے لیے نلکا چلا دیتے ہیں۔" وہ اٹھنے لگے' لیکن رجب نے منع کر دیا اور خود نلکے کی طرف آ گئے۔ یہ ایک ہاتھ والا نلکا تھا' تم نے ایسے نلکے نہیں دیکھے ہوں گے؟"

ثمینہ کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے اسے تمام تر جزئیات کے ساتھ بتا رہی تھیں۔ بجلی چمکتی تو ان کا آدھا چہرہ روشنی میں نہا جاتا۔ یوں لگتا تھا ان کے سامنے وہ منظر چل رہا ہو اور ٹی وی اسکرین سے دیکھ کر وہ اسے تفصیلات بتا رہی ہوں۔

"رجب نے خوب رگڑ رگڑ کر ہاتھ منہ دھوئے' پیر رگڑے اور جب واپس آئے تو چائے آ چکی تھی۔"

"کیوں میاں! چہرے مہرے' چال ڈھال سے تو اچھے گھر کے لگتے ہو' پیشانی بھی روشن ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ان حالوں میں پہنچ گئے؟" ہدایت اللہ نے چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے ہمدردانہ لہجے میں پوچھا۔

رجب کم عمر تھے' تنہا تھے انہیں ایک پرسان حال' ہمدرد دوست کی ضرورت تھی جو بھلے ہی تسلی نہ دیتا' لیکن دل کا بوجھ تو ہلکا ہو جاتا ہے' پھر ابھی ابھی تو ہدایت اللہ کا نمک کھایا تھا۔ ایک طرح سے جذباتی طور پر وہ ان کے مقروض ہو گئے تھے۔ شک و شبہ کی تو گنجائش ہی نہ نکلتی تھی۔ تب ہی سب کچھ انہیں کہہ سنایا' ایک لفظ بھی مخفی نہ رکھا۔

ہدایت اللہ نے سب کچھ تحمل سے سنا' تاسف سے سر ہلانے لگے۔

"بے حد افسوس ہوا میاں! خدا معلوم انسانوں میں سے مروت و لحاظ کیوں ختم ہوتا جا رہا ہے' لیکن پھر بھی ایک بات کہیں گے' سوتیلی ماں کے ناروا سلوک سے گھبرا کر تمہیں گھر نہیں چھوڑنا چاہیے تھا' برے تھے یا بھلے' تمہارے والد تھے۔"

"میں گھر نہ چھوڑتا تو وہ عورت ابا سے پٹوا کر مجھے مروا دیتی اور ابا کے ہاتھوں مرنے سے بہتر میں نے سمجھا کہ اس گھر سے ہی نکل جاؤں' کم سے کم اتنا احساس تو رہے گا کہ ابا کو مجھ سے کچھ نہ کچھ محبت تھی۔" رجب نے دکھی لہجے میں کہا۔

"اور اب کیا خیال ہے' وہ تم کو ڈھونڈتے ہوں گے؟" انہوں نے پوچھا۔

"ہاں۔۔۔ پتا نہیں۔۔۔ شاید۔" رجب نے سر جھکا کر غیر واضح یقین کے ساتھ کہا تھا۔

"ضرور ڈھونڈتے ہوں گے کہ بہر حال تم ان کی اولاد ہو' پھر تم نے خود ہی بتایا کہ کچھ عرصہ سے وہ تم سے شفقت برتنے لگے تھے' غصے میں آ کر دو چار طمانچے مار بھی دیے تو کون سا گناہ کر بیٹھے۔"

"دو' چار طمانچے نہیں تھے۔" رجب نے بصد اصرار کہا۔ "میری کمر پر ابھی بھی اس مار کے اتنے نیل ہیں کہ

لیتا ہوں تو تکلیف جاگ اٹھتی ہے۔"

"اچھا ابھی تمہاری خفگی تازہ تازہ ہے' ڈبل روٹی کے تازہ سلائس کی طرح' اسے پھپھوندی لگ کر بے کار ہونے میں وقت لگے گا اور تب تک تمہیں سمجھانے کا بھی کوئی فائدہ نہ ہوگا۔" ہدایت اللہ نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔

"ہمیں یہ بتاؤ' آگے کا کیا ارادہ ہے؟ جذباتی ہو کر گھر سے تو نکل پڑے' اب کیا تمام عمر یوں ہی بھٹکو گے؟"

رجب مخمصے میں پڑ گئے کہ انہوں نے اب تک اس کے متعلق نہ سوچا تھا۔

"ٹھیک ہے' ٹھیک ہے۔" ہدایت اللہ صاحب نے انہیں خاموش پا کر فوری کہا۔

"جب تک کسی نتیجے پر نہیں پہنچ جاتے ہمارے ساتھ چلو' ایک چھوٹا سا گھر ہے' جس میں ہم اور ہماری زوجہ رہائش پذیر ہیں۔ ایک سرکاری اسکول میں گریڈ پندرہ کے استاد کی حیثیت سے ذمہ داریاں نبھا رہے ہیں۔ اولاد نہیں ہے ہماری' تم کو سر چھپانے کا ٹھکانا میسر آجائے گا اور ہماری بیگم تمہارے لیے کھانا بھی بنا دیا کریں گی۔ چند روز اپنی زندگی پر غور کر کے آئندہ کا لائحہ عمل ترتیب دے لو کہ بے مقصد زندگی گزارنے والا انسان عموماً" بھٹکتا ہی رہتا ہے۔"

"لیکن... بڑے صاحب!" رجب شش و پنج میں پڑ گئے۔

"نہیں' نہیں... کوئی زور زبردستی نہیں' ہم تو تجویز دے رہے ہیں صرف دل راضی ہو تو چلے چلو' اتنا بتا دیں کہ ہمارے ساتھ چل کر نقصان میں نہیں رہو گے' ہم دراصل پیدائشی استاد ہیں' جسے اللہ نے روحانی تربیت کا فریضہ سونپا ہوا ہے' یعنی یہ ذمہ داری ہمیں پیدا کرتے ہوئے اللہ نے ہمارے خون میں ڈال دی تھی' اب جہاں کوئی راہ سے بھٹکا ہوا دکھائی دیتا ہے' ہم اسے "انسان" بنانے کی کوششوں میں لگ جاتے ہیں۔ یوں سمجھو اپنی عادت سے مجبور ہیں' تم کو بھی انسان بنائیں گے تو ہماری استادانہ حس کی تسکین ہوگی اور احساس خود پسندی کو جلا ملے گی۔"

انہوں نے ہنس کر کہا تھا۔ رجب کے پاس اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ انہیں سڑکوں پر بھٹکنا ہی تھا۔ چلو اور کچھ نہیں تو سر چھپانے کو ٹھکانا تو مل ہی جائے گا' پھر ہدایت اللہ صاحب انہیں نیک طبیعت بھی لگے تھے' گو کہ انسانوں کی پرکھ انہیں نہیں تھی' پھر بھی ہدایت اللہ صاحب کے ساتھ چل دیے۔

ہدایت اللہ صاحب کا گھر شہر کے ایک پسماندہ علاقے میں تھا اور بے حد چھوٹا سا تھا' ابھی داخلی دروازے سے اندر داخل ہو کر شروع بھی نہ ہوتا کہ پتا چلتا ختم بھی ہو چکا۔ یہیں داخلی دروازے کے پاس سے سیڑھیاں دوسری منزل کی طرف جا رہی تھیں' سامنے کے رخ پر دو کمرے اور چھوٹا سا باورچی خانہ تھا۔ صحن نہایت مختصر جس کے درمیان — ننھی سی کیاری بنا کر امرود کے درخت کا بھی اہتمام کر لیا تھا' صحن صاف ستھرا اور کمرے ٹھنڈے اور ہوادار تھے۔ مال و اسباب کچھ خاص دکھائی نہ دیتا تھا۔

ہدایت اللہ صاحب کی بیگم نے خوش دلی سے استقبال کیا۔ وہ ملیح صبیح نقوش والی سادہ دل خاتون معلوم ہوتی تھیں۔ بڑی بیگم صاحبہ کہہ کر پکارنے پر رجب کو خوب ڈانٹا اور کہنے لگیں۔

"خالہ' پھپھی' چاچی' تائی' جو مرضی کہہ کر پکار لو' لیکن یوں غیریت بھرے ناموں سے مت پکارو بیٹے! یوں بھی ہمارا مرحوم بیٹا' آج حیات ہوتا تو لگ بھگ تمہارا ہی ہم عمر ہوتا۔" آنکھوں میں آنسو' لہجے میں رقت' رجب کا دل ڈوب سا گیا۔

"بھئی۔ ہم سرکاری اسکول کے استاد ہیں تو یہ لڑکیوں کے پرائمری اسکول کی استانی' ہم کو تو یہی نام بھلا معلوم ہوتا ہے۔ تم چاہو تو اماں کہہ لو چاہو تو باجی' ہمیں البتہ ابو کہہ کر پکارو گے تو ہمیں خوشی ہوگی کہ تمہیں شاگرد نہیں بیٹا بنا کر ساتھ لائے ہیں۔"

ہدایت اللہ صاحب نے ہنس کر کہا۔ ماحول پر چھائی غمگینی — چھٹ گئی' رجب کو رہنے کے لیے اوپری منزل کا کمرا دیا گیا' صاف ستھرا جو ڈاجو غالباً" ہدایت اللہ صاحب کا ہی تھا۔ پھر انہیں رات کا کھانا گھر کے خالص گھریلو ماحول میں ملا۔

رجب کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ ابا کی حویلی گو کہ اس چھوٹے سے مکان سے کہیں بڑی تھی لیکن ایسی بے لوث محبت کی خوشبو وہاں کہاں؟

رجب وہیں رہنے لگے اور انہیں اس بے ریا ماحول اور گھر کے مکینوں سے محبت ہو گئی۔ اماں بڑی اچھی خاتون تھیں' انہوں نے رجب کو سگے بیٹوں والی محبت و توجہ دی۔ جبکہ ہدایت اللہ صاحب بوقت ضرورت باپ کی سی شفقت سے پیش آتے اور ضرورت پڑنے پر استاد بن جاتے۔

رجب نے دیکھا وہ واقعی استاد تھے پیدائشی استا اندر باہر' ہر طرف سے۔ دنیا کا کون سا موضوع تھا جس پر انہیں معلومات حاصل نہ تھیں' ان کے پاس اتنا ذخیرہ علم تھا کہ سونے سے بھرے ہوئے گھڑے کی طرح ابل ابل کر باہر آتا' پھر رجب پر ہی انہوں نے احسان نہ کیا تھا ایسی بے لوث نیکیاں کرنے کے وہ عادی تھے البتہ گھر میں جگہ رجب کو ہی ملی تھی۔ رجب دیکھتے' جسے دیکھو منہ اٹھائے ان سے فیض حاصل کرنے ان کے گھر میں گھسا چلا آرہا ہے' رجب نے سوچا۔

"بھئی یہ تو بڑی حماقت کی بات ہے کہ ایک گھنا سایہ دار درخت آپ کو چوبیس گھنٹے میسر رہے۔ ساری دنیا اس کے سائے میں ستائے اور آپ اس درخت کے مہربان سائے سے مستفید بھی نہ ہو سکیں۔"

بس اسی روز رجب نے ہدایت اللہ صاحب کے ہاتھ پر روحانی بیعت کر کے ان کی شاگردی اختیار کر لی۔ اب وہ ان شاگردوں کی جماعت میں شامل ہو گئے جنہیں ہدایت اللہ صاحب سے فیض یاب ہونے کا موقع مل رہا تھا۔ اتفاق سے اسی جماعت میں سے ایک فیاض بھائی بھی تھے۔

"فیاض بھائی...؟ یعنی بڑے ماموں؟" مادی نے پوچھا۔

"ہاں... تمہارے بڑے ماموں۔ سسٹر صاحب کا دست شفقت ان کے سر پر تھا۔ ہم لوگ ان کے سامنے والے مکان میں رہا کرتے تھے۔ فیاض بھائی اور رجب کی خوب دوستی ہو گئی۔ ہمارے گھر بھی ان کا خوب آنا جانا تھا۔"

ہدایت اللہ صاحب نے رجب کو بیٹا کہا ہی نہیں مانا بھی تھا جو انسان اپنے شاگردوں کو کسی صلے کی آس امید کے بغیر اپنا علم بانٹتا رہے' وہ منہ بولے بیٹے پر اپنا علم کیسے کیسے نچھاور کرتا ہوگا۔ ذرا سوچو۔ تم کہتی ہو نا تمہارے بابا بہت انٹلیکچوئل پرسنالٹی کے مالک تھے ان کی ذہنی تربیت کا سارا سہرا ہدایت اللہ صاحب کے سر ہے۔

انہوں نے رجب کو پڑھایا لکھایا' اپنی شفقت دی۔ ان کے گھر میں رجب کو وہ آئیڈیل ماحول ملا جس میں ان کی صلاحیتوں کو بڑھنے' پھلنے پھولنے کا موقع ملا۔ اگر وہ حویلی میں رہتے تو عین ممکن تھا ان کی صلاحیتوں کو اس طرح سے نکھرنے کا موقع ہرگز میسر نہ آتا۔ وہ ایک تنزلی کا شکار ناقابل ذکر شخصیت ہی رہتے اور انہیں خود بھی اپنے پوٹینشل کا اندازہ نہ ہو پاتا بہرحال....

رجب کی چمکتی دمکتی مسحور کرتی شخصیت ایک طرف اور ان کا احساس کمتری اور بزدلی ایک طرف۔

"پلیز ممی!" مادی نے تڑپ کر انہیں ٹوکا۔ "بابا کے لیے اس طرح کے الفاظ استعمال مت کریں۔"

"میں جانتی ہوں میری جان! اپنے باپ کے لیے اس طرح کے الفاظ سننا کتنا تکلیف دہ ہو سکتا ہے لیکن اگر تم ساری باتوں کو Analyse (تجزیہ) کرو تو تم بھی اسی نتیجے پر پہنچو گی کہ انجام کار رجب ایک بزدل انسان تھے۔ ایک

نکھری ستھری شخصیت بن کر اپنی اہمیت کا احساس کر لینے کے باوجود انہوں نے دوبارہ حویلی جانے کی ہمت نہیں کی۔ مجھے بتاؤ اسے بزدلی نہیں تو کیا کہتے ہیں۔ بجائے اس کے کہ جنت بیگم کا مقابلہ کرتے انہوں نے پسپائی اختیار کرلی اور مجھے بھی ویسی ہی ڈری سہمی زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا جیسی خود گزارتے آئے تھے۔" ثمینہ کے لہجے سے آنچ آئی تھی۔ ماوی کا دل چاہا خاموش ہو کر انہیں کہنے دے لیکن اپنے بابا کا دفاع کرنا بھی ازحد ضروری تھا۔

"ان خاتون کے کسی نفسیاتی الجھاؤ کی وجہ سے اگر بابا نے دوبارہ اپنی آبائی حویلی کا رخ نہیں کیا تو اس کے پیچھے ضرور ان کی کوئی مصلحت ہوگی ممکن ہے انہوں نے سوچا ہو ان کے فادر انہیں قبول نہیں کریں گے یا وہ خاتون پھر سے ان کو بے عزت نہ کر دیں۔ اب ان کی مصلحت آمیزی کو بزدلی جیسے شرمناک لفظ سے تعبیر کرنا تو کوئی انصاف کی بات نہ ہوئی۔" ثمینہ کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

"نفسیاتی الجھاؤ؟" انہوں نے الجھن آمیز لہجے میں کہا کہ ماوی کے تمام جملوں میں یہی لفظ انہیں قابل گرفت اور ناقابل فہم لگا تھا۔

"جی ہاں۔ نفسیاتی الجھاؤ۔ کوئی Psychotic Disorder" ماوی نے قطعیت سے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"جینٹ کہا کرتی تھی کسی انسان کے اردگرد موجود غیر متوازن رویّے اس انسان کی سوچ میں گرہیں لگا دیتے ہیں۔"

(وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ) یہ گرہیں نفسیاتی الجھنوں میں بدل جاتی ہیں۔ مجھے اس بات کا مطلب آج سمجھ میں آرہا ہے کیونکہ جینٹ کی یہ بات جنت بیگم پر پوری اترتی ہے۔ ممکن ہے سائیکاٹری میں اس کے لیے کوئی مکمل لفظ استعمال کیا جاتا ہو لیکن مجھے تو یہی سمجھ آرہا ہے کہ وہ خاتون Psychosis (نفسیاتی مرض جس سے ظاہری شخصیت پر اثر نہیں ہوتا لیکن باطنی شخصیت متاثر ہو کر رہ جاتی ہے) کا شکار تھیں۔ ورنہ آپ خود سوچیں کیا کوئی نارمل انسان اتنی معمولی باتوں پر ایسا ہارش ری ایکشن (تلخ ردعمل) دے سکتا ہے جیسا وہ خاتون دیتی تھیں؟"

ثمینہ الجھن میں پڑ گئیں اس پہلو پر انہوں نے اب تک نہ سوچا تھا۔

"تو کیا کسی کو اس کے جرم میں نفسیاتی الجھن کا مارجن دیا جا سکتا ہے؟" انہوں نے پوچھا۔

"نفسیاتی "الجھن" کا تو شاید نہیں البتہ نفسیاتی "مرض" کا مارجن ہمارا قانون دیتا ہے۔" ماوی نے کہا "خیر چھوڑیں اس بات کو۔ ہم یہاں ان خاتون کی سائیکالوجی ڈسکس کرنے تو نہیں بیٹھے۔ آپ مجھے آگے کی تفصیلات بتائیں۔" اس نے گہری سانس بھر کر کہا۔

"خصوصاً" ان دنوں کے بارے میں جب آپ اور بابا ایک دوسرے سے ملے اور شادی کی۔ یقیناً" آپ سے شادی کے بعد بابا کی زندگی میں اور بہتری آئی ہوگی۔"

ماوی نے مسکرا کر اور اشتیاق بھرے لہجے میں کہا۔ ماضی کے دالانوں میں گھومتے پھرتے ثمینہ بوجھل پن کا شکار ہو چکی تھیں۔ ماوی اسی بوجھل پن کو ختم کرنا چاہتی تھی۔

ثمینہ نے مسکرا کر وہیں سے آغاز کیا جہاں سے بات قطع ہوئی تھی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

فصلِ گُل آئی ہے یادوں میں دیے جلتے ہیں
دل دہک اُٹھتا ہے، زخموں میں دیے جلتے ہیں

شہرِ احساس ترے لمس سے جاگ اُٹھتا ہے
رات آتی ہے تو ہاتھوں میں دیے جلتے ہیں

روشنی سبز درختوں پہ اُتر آتی ہے
پھُول کِھلتے ہیں تو شاخوں میں دیے جلتے ہیں

اک اُجالے کو سخن کرتے سُنا ہے مَیں نے
ہونٹ لَو دیتے ہیں، لفظوں میں دیے جلتے ہیں

یہ ترے نقشِ قدم ہیں کہ ستارے ہیں کہ پھُول
تُو گزرتا ہے تو رستوں میں دیے جلتے ہیں

فکر اک عمر میں احساس میں حل ہوتی ہے
بڑی مشکل سے دماغوں میں دیے جلتے ہیں

سلیم احمد

کیا کہوں وہ کدھر نہیں رہتا
ہاں مگر اس نگر نہیں رہتا

تُو ہو، تیرا خیال ہو یا خواب
کوئی بھی رات بھر نہیں رہتا

جب سکوں ہی نہ دے سکے تو پھر
گھر کسی طور گھر نہیں رہتا

جس گھڑی چاہو تم چلے آؤ
میں کوئی چاند پر نہیں رہتا

لب کھُلیں تو زباں نہیں رہتی
سر اُٹھائیں تو سر نہیں رہتا

یوں تو اپنی بھی جستجو ہے مجھے
تجھ سے بھی بے خبر نہیں رہتا

دل فگاروں کے شہر میں تابش
ایک بھی بخیہ گر نہیں رہتا

تابش کمال





آمنہ ریاض

سلام سلام

دین محمد مٹی سے محبت کرنے والا جفاکش مرد ہے۔ دھرتی کو اپنے خون جگر سے سونا اُگلنے کے قابل بنانا اس کا پیشہ ہے۔ اس کی پوری زندگی محنت سے عبارت ہے۔ جو وہ اپنے چھ مربعہ زمین پر صرف کرتا ہے۔ شادی کو آٹھ سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ اپنے چھوٹے سے گھر میں وہ بیوی زہرہ اور ماں کے ساتھ رہتا ہے۔ زہرہ چھ مُردہ بچوں کو جنم دے کر ایک مرتبہ پھر امید سے ہے۔ دین محمد کو رواں رواں اولاد کی خوش خبری پانے کے لیے مجسم دعا بن چکا ہے۔ اس کی دعائیں مستجاب ٹھہرتی ہیں اور اس کے یہاں ایک خوبصورت بچی جنم لیتی ہے۔ اسے وہ اپنی جنت کے نام سے مخاطب کرتا ہے۔

جلال الدین کے۔ دو روز شب نوکری کی چکی میں پستے گزر رہے ہیں۔ اس نوکری کے دوران اسے آرام کرنے کا موقع بھی کم ملتا ہے۔ بہتر مستقبل کا خواب اسے متحرک رکھتا ہے۔ تنہائی میں کسی کی محبت کا جگنو اس کی دُنیا آباد رکھتا ہے۔ ہوم "اس کی یادیں اسے بے چین رکھتی ہیں۔ دن بھر کا تھکا ہارا وہ آرام کرنے لیٹتا ہے تو پولیس اسٹیشن سے اطلاع ملتی ہے جنت بی بی حراست میں ہے۔ جس کا دعوا ہے کہ اس نے اپنے شوہر کا قتل کیا ہے۔ جلال الدین اپنے وکیل دوست مسعود کے ساتھ تھانہ بھاگ پولیس اسٹیشن پہنچتا ہے اور ثبوت دکھاتا ہے کہ جنت بی بی شیزوفرینیا کی مریض ہے جس کی شادی ابھی ہوئی تک نہیں۔ جنت کی حالت جلال الدین کو اعصابی تھکن کا شکار کرنے لگتی ہے جسے اس نے نوکروں کے سہارے علیحدہ گھر

میں رکھ چھوڑا ہے۔

ثمینہ 14 سال بعد اپنی بیٹی ماوی کے ساتھ آئرلینڈ سے پاکستان آئی ہیں تو انہیں توقیر صاحب کے بنائے گئے بنگلے کو تلاشنے میں بہت وقت لگتا ہے۔ وہ فیض کے دوست توقیر صاحب کے توسط سے دانیال کی ایکسی میں ٹھہرتی ہیں۔ ثروت دانیال سلمان اور بھتی خاتون ہیں۔ ولی، ولید اور انیبا ان کے بچے ہیں۔ ماوی کی پہلی ملاقات میں انیبا سے دوستی ہو جاتی ہے۔

شبیہہ الغباس طبیعتاً سخت گیر اور غصہ ور نوجوان تھے۔ جسے صنف نازک کا غیر ضروری ہنسنا بھی ناگوار گزرتا ہے۔ وہ زاد تنوی سے منسوب ہے۔ تنوی اس کی تند خو طبیعت سے نالاں ہے۔ شبیہہ، تنوی کو کارٹا چھوڑنے آتا ہے تو سہیلیاں عبیرہ اور نمرہ، تنوی کے سر ہو جاتی ہیں۔ یہ جان کر کہ شبیہہ، تنوی کا سنگیتر ہے۔ وہ اس کی قسمت پر رشک کرتی ہیں۔ تنوی دونوں سے گزارش کرتی ہے کہ مروج کو اس کی بات کا علم نہ ہو۔

شبیہہ بیگ، ثروت دانیال کی اولاد ہے جسے انہیں حسن سے شادی سے پہلے چھوڑنا پڑا۔ بچپن کی محرومی نے اسے بدمزاج اور غصیلا بنا دیا۔ وہ انیبا اور ولید سے بہت ترشی سے پیش آتا ہے۔ وہ ان سے بحیثیت بہن بھائی قلبی تعلقات محسوس نہیں کرتا۔ انیبا اس کی محرومی دل سے محسوس کرتی ہے۔ انیبا پر بری نظر ڈالنے پر وہ جے ڈی کے دوست سعدی کو پیٹ ڈالتا ہے۔ صرف جے ڈی اس کی کیفیات سمجھتا ہے۔

بیمار پڑنے پر بیگم دانیال، ثمینہ کی اچھی طرح دیکھ بھال کرتی ہے تو ثمینہ ان کے اخلاق سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتیں۔ انہیں بیگم دانیال کو دیکھ کر لگتا ہے کہ وہ پہلے ان سے مل چکی ہیں۔

بچوں کی لڑائی میں جنت کو چوٹ لگنے سے تو دوس محمد اپنی بہن زبیدہ کے بیٹے فاروق کا طیبہ بگاڑ دیتا ہے۔ ساتھ ہی زبیدہ بہن اور رفیق بھائی سے قطع تعلق کر لیتا ہے۔ زہرہ اس کی جنت سے طوفانی محبت سے خوف زدہ ہے۔ دین محمد، زہرہ کو باور کرواتا ہے کہ وہ جنت کو بیاہ کر دوسرے گھر نہیں بھیجے گا۔ بلکہ اس کے شوہر کو گھر داماد بنائے گا۔

اتفاقاً ماوی کا ٹکراؤ شبیہہ سے ہوتا ہے جس سے ماوی کا ہیر زخمی ہو جاتا ہے۔ اپنی غلطی کے باوجود بھی ہٹ دھرم شبیہہ ماوی کو بری طرح سے ڈانٹتا ہے تو ماوی اس کی طبیعت صاف کر دیتی ہے۔ ثمینہ سے وہ اس واقعے کا ذکر نہیں کرتی۔

ثمینہ کا روڈ ایکسیڈنٹ ہوتا ہے تو جے ڈی عین موقع پر ان کی بہت مدد کرتا ہے۔ ماوی اور فیضان اس پر اے ڈی کے مشکور ہیں، لیکن وہ اپنا پتا دیے بغیر چلا جاتا ہے جس پر ثمینہ کو بہت افسوس ہوتا ہے۔ اتفاقاً ان کی جے ڈی سے دوبارہ ملاقات ہوتی ہے۔ ثمینہ اسے گھر بلاتی ہیں۔ ثمینہ، ثروت کو بتاتی ہیں کہ ان کے شوہر رجب کا بے دردی سے قتل ہوا تھا۔ اور یہ بات ماوی کے علم میں نہیں ہے۔ یہ جان کر انہیں رنج ہوتا ہے۔ شبیہہ کو جے ڈی کا اپنی ماں اور ثمینہ سے گفتگو کرنا پسند نہیں، جس پر وہ جے ڈی کو تنبیہہ بھی کرتا ہے۔

انیبا دل ہی دل میں فیضان کو چاہتی ہے۔ ثروت کے پہلے شوہر سے نسبت کے باعث دانیال صاحب ثمینہ کی فیملی کو پسند نہیں کرتے۔ ماوی ان کی دلچسپی بھانپ لیتی ہے اور فیضان ماما سے رائے لینے کی کوشش کرتی ہے تو فیضان اسے جھڑک دیتے ہیں۔ بھائیوں پر بار نہ پڑے اس لیے ثمینہ، ماوی کو پاکستان میں مزید پڑھنے کی اجازت دے دیتی ہیں۔

عبیر، نمرہ اور خوی کو عروس کی غیر اخلاقی اور جرائم پیشہ سرگرمیوں کے متعلق بتاتی ہے تو نمرہ ناراض ہو جاتی ہے۔ عبیر کو اپنی جلد بازی پر افسوس ہوتا ہے۔ وہ عروش کے متعلق ثبوت اکٹھا کرنا چاہتی ہے۔

زہرہ کی اچانک موت کو محض جنت کے کہنے پر دین محمد، بہن زبیدہ کے سر ڈالتا ہے تو سب برادری والے بھی حق دق رہ جاتے ہیں۔ دین محمد کی ماں پڑوسن کے کہنے پر جنت کو پیر صاحب کے پاس لے کر جاتی ہے تو پیر جنت پر بھاری چڑھا کر دین محمد کو بتاتی ہے۔ وہ ماں کو بہن زبیدہ کے یہاں بھیجنے کا فیصلہ سناتا ہے تو ماں رو رو کر اسے اس فیصلے سے باز رکھنے کی کوشش کرتی ہے۔ بہت مشکل سے دین محمد راضی ہوتا ہے۔ دین محمد کے رویے سے جنت کے اندر پنپنے والی منفی شخصیت قد آور ہو رہی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

"ان دنوں ہم ہدایت اللہ صاحب کے سامنے والے مکان میں رہا کرتے تھے۔ رجب کی فیاض بھائی سے دوستی تھی اور وہ ہمارے گھر آتے جاتے تھے۔ پھر وہ اعلا تعلیم کے سلسلے میں لاہور چلے گئے، لیکن فیاض بھائی شدید خواہش کے باوجود نہیں جا سکے، کیونکہ ان دنوں ہمارے مالی حالات اب سے بہت مختلف تھے۔ ہم بہت غریب سے لوگ ہوا کرتے تھے اور اپنی چھوٹی چھوٹی ضروریات کے سلسلے میں کڑی محنت کرنا پڑتی تھی۔ وہ بڑے صبر آزما دن تھے۔

ہمارے ابا یعنی تمہارے نانا جان بی پی کے مرض میں مبتلا ہو کر بستر پر پڑے تھے۔ ہمارے پاس ان کے مناسب علاج کے لیے پیسے بھی نہیں ہوتے تھے۔ اماں کئی سال پہلے انتقال کر چکی تھیں اور فیضان اس وقت چھوٹا تھا۔ گھر کی مالی کفالت میں ہاتھ بٹانے کے قابل نہیں ہوا تھا۔

میں اجرت پر ہاتھ کی کڑھائی اور آرکا کام کر لیتی تھی لیکن میری محنت گھر کی تمام ضروریات پوری کرنے کے لیے ناکافی تھی۔ اسی لیے فیاض بھائی نے مناسب سمجھا کہ مزید تعلیم کا خیال دل سے نکال کر کوئی ملازمت تلاش کریں۔ گو کہ چھوٹی موٹی ملازمتیں وہ پہلے بھی کرتے رہے تھے، لیکن اب انہیں ایسے کام کی ضرورت تھی جو ان کی تمام مالی ضروریات پوری کرے۔ پھر ان ہی دنوں فیاض بھائی کو ایک بہتر ملازمت مل گئی، جس کے سلسلے میں انہیں کوئٹہ جانا پڑا۔

فیاض بھائی کے جانے کے بعد ہمیں کوئی خاص دقتوں کا سامنا نہیں کرنا پڑا کہ پورا محلہ ہماری پہچان کے لوگوں سے بھرا ہوا تھا اور یوں بھی یہ وہ دن تھے جب پڑوسیوں نے ایک دوسرے کی خبر گیری ترک نہ کی تھی۔ پھر سب سے بڑی بات سامنے والا گھر چچا ہدایت اللہ کا تھا، جو ابا کے اچھے دوستوں میں شمار ہوتے تھے اور فیاض بھائی کی غیر موجودگی میں ہمارا خیال رکھتے تھے۔ رجب جب گھر آتے تو باقاعدگی سے ہمارے یہاں بھی آتے، ابا کی خبر گیری کرتے، ان کی دوائیوں کے متعلق معلومات رکھتے۔ بالکل خاموشی سے انہوں نے ہم لوگوں کی بہت ساری ذمہ داریاں اپنے سر لے لی تھیں۔ اس سے اگلا سال ہم چاروں کے لیے غم کا سال ثابت ہوا۔

میرے ابا تو خیر کئی سالوں سے بیمار تھے لیکن چچا ہدایت اللہ کی بیگم جنہیں ہم چچی کہتے تھے اور جو بالکل صحت مند خاتون دکھائی دیتی تھیں، کے خون میں کینسر کی علامات ظاہر ہو گئیں۔ ان دنوں لیکیمیا جیسے مرض کا علاج آج سے تین گنا مہنگا تھا اور اسے امرا کی بیماری سمجھا جاتا تھا۔ چچی کے مرض کے بارے میں پتا چلتے ہی رجب اور چچا بری طرح فکر مند ہو گئے کہ اب علاج معالجے کا بندوبست کس طرح کیا جائے۔ تب رجب نے چچا کا مکان جسے کچھ عرصہ قبل چچا رجب کے نام کر چکے تھے، کو فروخت کرنے کا ارادہ کر لیا۔ چچا ہدایت اللہ اور چچی نے بہت سمجھایا کہ اس مکان پر رجب کے مستقبل کی بنیاد کھڑی تھی مگر رجب نے ان کی ایک نہ سنی۔

"آپ دونوں کے مجھ پر اتنے احسانات ہیں کہ میں ہرگز انہیں نہیں اتار سکتا، لیکن جو تھوڑی بہت ذمہ داری میں پوری کر سکتا ہوں، وہ تو مجھے کر لینے دیں۔ یہ گھر بھی آپ لوگوں کا ہی دیا ہوا ہے۔ قسمت میں اپنا مکان ہوا تو دوبارہ مل ہی جائے گا لیکن قسمت مجھے ایک اور ماں فراہم نہیں کرے گی۔"

رجب نے قطعیت سے کہہ کر اگلے چند روز میں مکان فروخت کر دیا تھا اور وہ تمام رقم چچی کے علاج پر خرچ کرنا شروع کر دی تھی جو مکان کی فروخت سے انہیں ملی۔ وہ لوگ اسی محلے میں ایک چھوٹا سا مکان کرائے پر لے کر رہنے لگے تھے۔ سارا جمع جتھا چچی کے علاج پر خرچ کرنے کے باوجود وہ جانبر نہ ہو سکیں۔

ان کے انتقال کے بعد چچا ہدایت اللہ بہت چپ چپ اور مضمحل رہنے لگے تھے۔ وہ رجب کو سمجھاتے کہ کم سے کم ایک بار جا کر اپنے والد سے مل آئیں، لیکن بہت بعد اری کے باوجود یہ واحد بات تھی جو رجب نے ان کی ماں کر نہ دی۔

ٹھیک دو ماہ بعد بے حد معمولی بخار میں مبتلا ہو کر چچا ہدایت اللہ بھی اللہ کو پیارے ہو گئے اور میرے ابا جو کئی

سالوں سے بیمار اور لاغر تھے' کئی روز تک روتے رہے انہیں اس بات کا قلق تھا کہ ان کی اتنی طویل بیماری کے باوجود اللہ نے انہیں اپنے پاس بلانے کے بجائے ان کے بھائیوں جیسے دوست اور عزیز بھاوج کو بلا لیا۔ رجب ان دنوں بہت افسردہ اور تنہا ہو گئے تھے۔ فیاض بھائی اور ہم سب نے ان کو بہت جذباتی سہارا دیا۔

ابا جو ہر وقت اللہ سے شکوہ کرتے تھے' چند مہینوں کے بعد خاموشی سے چل بسے۔ پچھلی رات میں نے انہیں کھانا کھلایا اور پھر میں اور فیضان دیر تک ان سے باتیں کرتے رہے تھے' لیکن صبح جب میں انہیں جگانے گئی تو ان کا جسم ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ ہماری دعائیں اور استطاعت سے بڑھ کر مہنگا علاج بھی ان کی موت کو نہیں ٹال سکا تھا۔ ہم بہت روئے دھوئے۔ یوں لگتا تھا جیسے کسی ان دیکھے ہاتھ نے سر سے آسمان کھینچ لیا ہو۔ لیکن ہمیں صبر آ ہی گیا' کیونکہ موت وہ واحد چیز ہے جس پر دیگر تمام صدمات کے مقابلے میں جلد صبر آ جاتا ہے۔ انسان ساری دنیا سے ٹکرا سکتا ہے' حکم الٰہی سے نہیں۔

بہر حال ہمیں صبر آ گیا اور ہم تینوں نے دل سے یہ بات قبول کر لی کہ اب ہمیں ابا کی شفقت سے محروم ہو کر زندگی گزارنا پڑے گی۔ یہ ہی بات کچھ مہینے قبل رجب بھی سمجھ چکے تھے۔ اب ہم چاروں ایک سے ہو گئے۔ ہمارے ماضی گو کہ مختلف تھے۔ مگر حالات کی پیدا کردہ محرومیاں ہرگز مختلف نہ تھیں۔ حال میں ہم ایک ہی مقام پر کھڑے تھے اور ہم چاروں کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے احساسات موجود تھے۔ رجب ان دنوں اسی گھر میں رہائش پذیر تھے جہاں ہم رہتے تھے۔ چند روز بعد انہیں لاہور چلے جانا تھا اور فیاض بھائی کو کوئٹہ' لیکن اصل دقت یہ تھی کہ میں اور فیضان یہاں تنہا کس طرح رہیں گے۔"

کھوئی کھوئی سی کیفیت میں ثمینہ سب کچھ بیان کر رہی تھیں اور ماوی بے حد انہماک سے سن رہی تھی کہ بیڈ روم سے ماوی کے سیل فون کی آواز سنائی دینے لگی۔ ان دونوں پر پھیلی ہوئی کیفیت کا شیشہ چٹخ گیا۔

"فون سنو ماوی!" ثمینہ نے مسلسل بجتی اس کی آواز سے اکتا کر گہری سانس بھرتے ہوئے کہا۔ ماوی کے چہرے پر بے زاری تھی اور اسے بے وقت فون بجنے کا سخت ملال تھا۔

"بجنے دیں ممی! جو بھی ہو گا دوبارہ کرے گا' آپ اپنی بات مکمل کریں۔" اس نے اکتا کر کہا' اس کا اٹھنے کا ارادہ نہیں لگ رہا تھا۔

"کوئی ضروری کال بھی ہو سکتی ہے۔" ثمینہ نے زور دے کر کہا۔ ماوی نے چڑ کر سر پیچھے کی طرف گرایا اور میز پر دونوں ہتھیلیوں کا بوجھ ڈال کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اس وقت شہزا فون کرتی ہے' اب تیس منٹ تو اس سے بات کرنا پڑے گی۔" بے زاری کے ساتھ بیڈ روم کی طرف جاتے ہوئے اس نے کہا۔ چند لمحے بعد اس کی دھیمی آواز سنائی دینے لگی۔ اس کا اندازہ درست تھا' دوسری طرف شہزا ہی تھی۔

ثمینہ نے سر کرسی کی پشت سے لگا دیا اور گردن موڑ کر کھڑکی کی طرف دیکھنے لگیں' جس کے باہر ابر آلود رات برسنے لگی تھی۔ بارش کی باریک پھوار شیشہ بھگو رہی تھی۔ ثمینہ کو خیال آیا' اس بارش سے ان کا کوئی گہرا تعلق تھا کہ ان کی زندگی کے ہر اہم موقع پر بارش ضرور برسی تھی۔ کبھی ان کی خوشی میں شریک ہونے کے لیے' تو کبھی غم پر آنسو بہانے کے لیے۔ معاً انہیں کئی سال پہلے کی وہ شام یاد آ گئی' جب آسمان کو بوجھل بادلوں نے سنوار رکھا تھا اور وقفے وقفے سے برسنے والی بارش نے کچی مٹی کی سوندھی خوشبو کو ساون کی ہوا کا سنگی ساتھی بنا دیا تھا۔

ثمینہ نے آہستگی سے آنکھیں بند کر لیں۔ ان کی بند پلکوں کے پیچھے ٹی وی اسکرین پر چل رہے کسی سین کی طرح ایک منظر روشن ہو گیا تھا۔

چھوٹا سا کمرا' کمرے کے کونے میں بچھی چارپائی' چارپائی کے قریب رکھی تپائی پر ابا کی دوائیوں کی چھوٹی بڑی

شیشیاں جنہیں کسی خیال کے تحت اب تک وہاں سے اٹھانے کی ہمت نہ کی گئی تھی' دروازے سے جھانکتا نیم تاریک نم اجالا' کچے فرش پر بچھی چٹائی اور چٹائی پر دسترخوان کے گرد بیٹھے چار نفوس۔

فیاض بھائی کا چہرہ فکرمندی کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ کوئٹہ میں ان کے پاس رہائش کا مناسب بندوبست بھی نہیں تھا' نہ ہی ان کے وسائل اتنے تھے کہ ثمینہ اور فیضان کو اپنے ساتھ لے جا کر رکھ سکتے۔

"او بھائی میرے! اس میں اتنی فکرمندی کی کون سی بات ہے' تم اطمینان سے کوئٹہ پہنچو۔ لاہور' سیالکوٹ کے اس گاؤں سے کوئٹہ کے مقابلے میں تو کہیں نزدیک ہے۔ میں ہر ہفتے ان دونوں کی خیر خیریت کے لیے آتا رہوں گا۔" رجب نے مونگ کی پتلی دال میں نوالہ ڈبو کر کھاتے ہوئے فیاض بھائی سے کہا تھا۔

"نہیں۔ یہ قابل عمل حل نہیں ہے' میں ان دونوں کو یہاں اس طرح نہیں چھوڑ سکتا۔" فیاض بھائی نے سابقہ انداز میں کہا تھا۔

"ٹھیک ہے' پھر میں ان دونوں کو اپنے ساتھ لاہور لے جاتا ہوں' جب تم کوئٹہ میں رہائش کا بندوبست کر لو تو ان دونوں کو وہاں بلوا لینا۔" رجب نے ایک اور حل بتایا تھا۔

"تم تو خود اسپتال میں رہتے ہو۔"

"کوئی چھوٹا موٹا کرائے کا مکان دیکھ لوں گا۔" رجب نے رغبت سے کھانا کھاتے ہوئے لاپروائی سے کہا۔

فیاض بھائی کو یہ بات قابل عمل لگی تھی' لیکن اسی وقت ثمینہ پر نظر پڑ گئی اور وہ مخمصے میں پڑ گئے تھے۔

"نہیں یار! یہ بھی قابل عمل نہیں ہے۔" انہوں نے کہا۔ ثمینہ اور فیضان خاموشی سے ان کی گفتگو سن رہے تھے۔ فیضان کُرسے روٹی کھا رہا تھا' جبکہ ثمینہ سر جھکائے مونگ کے شوربے میں غوطہ زن تھیں۔ اس دن دال بے دھیانی میں کچھ زیادہ ہی پتلی بن گئی تھی۔

"کیوں؟" رجب نے سر اٹھا کر اور ابرو اچکا کر پوچھا تھا۔

"مجھ پر اعتبار نہیں ہے؟" رجب کا سوال' فیاض بھائی سٹپٹائے تھے۔

"یہ بات نہیں ہے۔" انہوں نے جلدی سے کہا تھا۔

"پھر؟" رجب نے پانی کا ایک گھونٹ پیا۔

"تم نے دنیا کی زبان دیکھی ہے؟" فیاض نے بھی گھما پھرا کر بات کی۔

"تم نے دنیا کے ساتھ رہنا ہے' جو اس کی زبان کے لیے فکرمند ہو؟" رجب نے پوچھا تھا۔

"دنیا کے ساتھ نہیں' دنیا میں تو رہنا ہے' زبان کی فکر کرنا پڑتی ہے۔" فیاض بھائی نے تحمل سے کہا تھا۔

"اچھا۔" رجب نے ٹھوڑی کھجاتے ہوئے پُرسوچ انداز میں کہا۔

"پھر تم یوں کرو فیاض! اپنی بہن کا نکاح مجھ سے پڑھوا دو۔ یہ اس مسئلے کا سب سے بہترین اور لوجیکل حل ہے۔" رجب نے اچانک کہا تھا۔ ان تینوں کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔ رجب کے چہرے پر بے انتہا سنجیدگی تھی اور انداز ایسا تھا جیسے یہ بات اپنے نہیں کسی اور فرد کے بارے میں کہی ہو۔

"یہ کیا کہہ رہے ہو رجب؟" فیاض بھائی بمشکل بول سکے تھے۔

"وہی جو تم نے سنا کہ اپنی بہن کا نکاح مجھ سے پڑھوا دو۔ اس کے بعد تو تمہیں ثمینہ کو میرے ساتھ بھجوانے پر اعتراض نہیں ہو گا۔ دنیا کی زبان کی فکر بھی ختم ہو جائے گی اور تمہارا مسئلہ بھی حل ہو جائے گا۔" رجب کا انداز پہلے جیسا ہی تھا۔

"لیکن۔" فیاض بھائی شش و پنج میں مبتلا تھے۔

"او بھائی! لیکن ویکن چھوڑو' میں جانتا ہوں تمہیں زیادہ پریشانی ثمینہ کو تنہا چھوڑنے کی طرف سے لاحق ہے'

اسی لیے میں خود کو پیش کررہا ہوں' کوئی بڑا بزرگ ہوتا میرا تو میری طرف سے وہی بات کرتا' لیکن اب میں ہی ہوں تو مجھے خود ہی بات کرنا پڑے گی۔ زندگی کے جتنے سال میں نے تم لوگوں کے سامنے گزارے ہیں۔ میرے چال چلن کی سند کے طور پر کافی ہوں گے۔ ہاں ابھی میں بے سروسامانی کی حالت میں ہوں' لیکن میرے اندر محنت کرنے کا حوصلہ ہے اور آگے بڑھنے کی لگن۔ میری شکت میں ثمینہ کے چند سال مشکل ضرور ہوں گے' لیکن میرا وعدہ ہے' جلد ہی میں اس کے لیے ایک گھر بنا کر دوں گا اور اس کا مستقبل بے حد محفوظ ہوگا۔ امید ہے فیاض! تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔" رجب کی سنجیدگی دیکھنے سے متعلق تھی۔

"مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔" فیاض بھائی خوشی سے چہکے تھے۔ "میرا بہترین دوست میرا بہنوئی بن رہا ہے' اس سے زیادہ خوشی کی بات اور کیا ہو سکتی ہے' کیوں فیضی؟" انہوں نے فیضان سے پوچھا' وہ زور' زور سے سر اثبات میں ہلانے لگا تھا۔

"ٹھیک ہے' پھر اس بات پر تو منہ میٹھا ہونا چاہیے۔" رجب نے دسترخوان سے ہاتھ پونچھتے ہوئے کہا اور اتنی دیر سے ہکا بکا بیٹھی ثمینہ گویا جاگ اٹھی تھی۔

"لیکن مجھے اعتراض ہے۔" گو کہ یہ ایسا دور نہیں تھا کہ لڑکیاں اتنا آزادانہ اپنی شادی کے متعلق بات کریں' لیکن جس طرح کی صورت حال انہیں لاحق تھی اس میں زبان پھسل جانا کچھ ایسا غیر معمولی بھی نہیں تھا۔

"میں یہ شادی نہیں کر سکتی' کیونکہ میں زبردستی کسی پر مسلط نہیں ہونا چاہتی۔ مسئلہ ہمیں درپیش ہے' آپ کو نہیں' کہ آپ خود کو میرے لیے پیش کریں۔" ثمینہ نے سر جھکا کر قطعیت سے لیکن ناراضی بھرے لہجے میں کہا تھا۔

"مجھے اس زبردستی کے لفظ پر سخت اعتراض ہے لیکن تم کیا چاہتی ہو' تمہاری تشفی کے لیے میں تمہارے بھائیوں کے سامنے تم سے انکار محبت کروں؟" رجب نے اتنی بے ساختگی سے کہا تھا کہ ثمینہ غصہ سے لال پڑ گئی تھیں۔ فیضان اور فیاض قہقہہ لگا کر ہنس دیے تھے۔

"میرا خیال ہے میں تمہارا منہ میٹھا کروانے کے لیے مٹھائی لے آتا ہوں' لیکن یاد رکھنا رجب! میں سالا ہونے کے ساتھ حق دوستی بھی نبھا رہا ہوں۔"

فیاض بھائی نے ہنستے ہوئے شرارتی انداز سے کہا تھا اور ثمینہ کا بس نہ چلا کہ شرم کے مارے کہیں چھپ جائیں۔ فیاض بھائی تو خوشی میں بہت ہی بدلحاظ ہو گئے تھے۔

"شکریہ میرے دوست! لیکن تمہیں کہیں جانے کی ضرورت نہیں' وقت آنے پر اظہار کا بہانہ ہم خود بنا لیں گے۔ فی الحال تم اس گڑ سے منہ میٹھا کرو اور اپنی بہن کا بھی کروا دو جو دل ہی دل میں غصہ پھانک رہی ہے۔" رجب نے گڑ کا چھوٹا سا ٹکڑا دانتوں سے توڑتے ہوئے کہا تھا۔

"اس گڑ کو شگن کی مٹھائی سمجھا جائے' دو روز بعد قاضی اور گواہ بلوا کر نکاح کا بندوبست کر لیتے ہیں۔"

رجب نے اضافہ کیا۔ ثمینہ کی آنکھوں میں ساون آبسا تھا۔ فیاض بھائی نے جلدی سے پڑھ کر انہیں اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا تھا۔ اس رات آسمان وقفے وقفے سے برستا رہا اور ثمینہ بار بار روتی رہی تھیں۔ انہیں اماں یاد آرہی تھیں' ابا یاد آرہے تھے اور خدا معلوم کیا کیا یاد آرہا تھا۔ صبح تک ناک سوج کر لال بھبوکا ہو چکی تھی اور آنکھوں میں سرخ ڈورے دوڑ رہے تھے۔

"السلام علیکم۔" رجب نے قریب سے گزر کر نلکے کی طرف جاتے ہوئے باآواز بلند کہا۔ ثمینہ کونے میں بنے چولہے کے پاس لکڑی کی پیڑھی پر بیٹھی روٹی پکا رہی تھیں۔ اس شرارت بھرے انداز پر غضب ناک ہو کر رجب کو گھورنے لگیں۔

"آنکھیں تمہاری پہلے ہی بھینس جتنی بڑی ہیں' اوپر سے دھوئیں سے انہیں لال لال کیے بیٹھی ہو۔ ایسے غصہ آنکھوں میں بھر کر مجھے گھورتی ہو تو یقین مانو میرا دل خوف سے کانپنے لگتا ہے۔"

رجب نے دستی نلکے کے پاس رک کر اور خوب بازو پھیلا کر انگڑائی لیتے ہوئے مسکراہٹ کے ساتھ شرارتی لہجے میں کہا تھا۔ اس طرف بادلوں کے چھٹنے کے بعد کی تیز چمکیلی دھوپ پڑ رہی تھی اور رجب کا چمکتا ہوا چہرہ ثمینہ کو زہر لگ رہا تھا۔ اوپر سے جملہ بھی ایسا بولا دیا کہ تلوؤں میں لگی سر پہ بجھی۔

"یاد رہے' اب ان ہی خوف ناک آنکھوں کے ساتھ ساری زندگی بسر کرنا ہے آپ نے۔ میرا مشورہ ہے ایک بار پھر اپنے فیصلے پر غور کر لیں۔" ثمینہ نے جل کر کہا تھا۔

"جو فیصلہ جذباتیت میں ہو چکا اب اس پر کیا غور کرنا۔" رجب نے نلکا چلا کر زور' زور سے منہ پر پانی کے چھپاکے مارتے ہوئے سابقہ انداز میں کہا تھا۔ "اور اگر اپنے جذباتی فیصلے پر پچھتانا بھی پڑا تو مقدر کا لکھا سمجھ کر خاموش رہیں گے۔ زبان دے کر پھر جانے والوں میں سے تو ہم ہیں نہیں۔"

"اللہ رے یہ قناعت پسندی۔" "پتا نہیں وہ سوال چولہے سے اٹھاتا یا ثمینہ کے دل سے۔ انہوں نے زور' زور سے آٹے کے پیڑے کو دونوں ہتھیلیوں میں اچھال پچھال کر کے توے پر پٹخ دیا۔

"روٹی پہ کیسا غصہ؟" رجب جیب سے رومال نکال کر چہرہ پونچھتے ہنسے تھے۔

"اس سے تو اچھا یہ فیاض بھائی میری شادی سلطان پہلوان سے کروا دیں۔" ارشاد ہوا۔

"میرے لیے تو ایک روٹی پکاتے تمہیں مصیبت پڑتی ہے۔ اس پہلوان کے لیے جب پچیس پچیس روٹیاں ایک ساتھ پکانا پڑیں گی تو عقل ٹھکانے آجائے گی۔"

"پکالوں گی۔ کم سے کم وہ مجھ سے محبت تو کرتا ہے۔" ثمینہ نے دوسری روٹی کا آٹا ہاتھ میں لیا۔

"کیا یہ بات وہ پہلوان خواب میں آکر بتا گیا تھا؟" رجب نے ابرو اچکا کر قدرے سنجیدگی سے پوچھا تھا۔

"نہیں۔۔۔ اس نے مجھے خط لکھا تھا۔" ثمینہ نے مزے سے کہا' رجب نے چند لمحے ثمینہ کو بغور دیکھا۔ گویا جھوٹ اور سچ کے تناسب کا تخمینہ لگانے کی کوشش کی تھی لیکن کچھ واضح نہ ہو تا تھا۔ تب ہی چھوٹے سے رومال کو زور سے جھاڑ کر الگنی پر پھیلا دیا۔

"رومال پہ کیسا غصہ؟" ثمینہ نے کن انکھیوں سے رجب کو دیکھا۔

"مجھے پتا ہوتا ایک معمولی سا خط تمہیں جذبوں کی صداقت کا یقین دلا سکتا ہے تو میں بہت پہلے تمہیں خط لکھ چکا ہوتا۔"

رجب نے سادگی سے کہتے ہوئے اس کے قریب پیڑوں کے مل بیٹھ کر مہارت کے ساتھ توے پر روٹی پلٹی تھی۔ ثمینہ کے دل کی دھڑکن بے ترتیب ہوئی تھی۔

"مطلب؟" انہوں نے سر اٹھا کر رجب کو دیکھا تھا۔

"مطلب یہ ہے کہ خدا نے تمہیں اس روئے زمین پر میرا مقدر بنا کر بھیجا ہے' کوئی پہلوان کا بچہ تمہیں جتنے مرضی خط لکھ لے' تمہیں مجھ سے چھین کر کہیں نہیں لے جا سکتا۔" رجب نے خوب صورتی سے مسکراتے ان کی آنکھوں میں جھانک کر کہا تھا۔

"خوش فہمی۔" ثمینہ نے سٹپٹا کر' لیکن بظاہر لاتعلقی سے نظروں کا رخ بدلا اور روٹی سینکنے لگیں۔ رجب نے ان کی بات پر بے ساختہ قہقہہ لگایا تھا۔

"خوش فہم ہوتا تو آج تم کو بیٹھا اپنے جذبوں کی صداقت کا یقین نہ دلا رہا ہوتا' بلکہ کئی سال پہلے تمہارے بھائی سے تمہیں مانگ چکا ہوتا۔"

ثمینہ کے چہرے کا رنگ بدلا تھا۔ رجب نے ہنستے ہوئے ان کے سر پر ہتھیلی جما کر سر کو زور سے ہلایا اور چلے گئے۔ ثمینہ متعجب سی انہیں جاتا دیکھتی رہیں۔ بند آنکھوں سے دیکھے ہوئے کچھ خواب آنکھ کھلنے پر ذہن سے محو ہو جاتے ہیں لیکن لاشعور میں اپنا عکس چھوڑ جاتے ہیں۔ جو زندگی میں اکثر مجسم ہو کر سامنے آجاتے ہیں۔ یہ بھی ایک ایسا ہی خواب تھا۔ ثمینہ حیران تھیں۔ پتا نہیں انہوں نے یہ خواب کب دیکھا تھا' لیکن یہ طے تھا کہ دیکھا ضرور تھا۔ اور یہ کیسی دلچسپ بات تھی کہ ان کا یہ انجانا خواب اس طرح اچانک پورا ہو رہا تھا۔ شاید خوش قسمتی اسی کو کہتے ہیں۔ ثمینہ نے مسکراتے ہوئے بے ساختہ سوچا تھا اور ان کا دل کھر سا گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"ممی!" مادی نے آہستگی سے پکارا تھا۔ ثمینہ یوں چونکیں جیسے گہری نیند سے جاگی ہوں۔ وہ کئی سال پہلے کا سفر کر کے آئی تھیں تب ہی کچھ ناقابل فہم سے تاثرات ان کے چہرے پر ابھر آئے تھے۔

"آپ کی طبیعت ٹھیک ہے ممی!" مادی نے گھبرا کر ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ ثمینہ نے اثبات میں سر ہلا دیا' تب مادی نے کہا۔

"شہزاد آپ سے بات کرنا چاہتی ہے۔"

ثمینہ نے اس کے ہاتھ سے سیل فون لے کر کان سے لگا لیا۔

"ہیلو شہزاد۔"

مادی خاموشی سے کھڑکی کے پاس جا رکی۔ بند شیشے پر باریک باریک بوندیں دکھائی دیتی تھیں اور شیشے کے اس پار گھٹا ٹوپ اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ آدھی رات کا وقت تھا۔ دیر تک طوفانی بارش برسنے کے بعد اب باہر گہری معنی خیز خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔ آسمان خاموش' لیکن بادلوں سے بھرا ہوا تھا۔ کبھی کبھار بادل بڑے زور سے گرجتے اور بجلی کڑکتی تھی۔ ہوا البتہ گم صم اور بے پروا سی ساکن تھی۔

طوفان آکر گزر چکا' لیکن یوں لگتا جیسے ایک اور طوفان کی آمد آمد ہو۔ مادی کے خیالات کچھ ملگجے سے تھے۔ وہ گو کہ چپ چاپ اور ذہن دل پر ایک بوجھ لیے ہوئے تھی' لیکن کسی ایک سوچ پر اس کا ذہن ٹکتا ہی نہ تھا۔ کبھی وہ بابا کو سوچنے لگتی' تو ذہن شہوز کی طرف چلا جاتا؟ پھر دادا جان کا خیال آتا تو ان خاتون کی بے رحمی ستانے لگتی جن کا نام جنت تھا۔ لیکن اپنے نام کے برعکس انہوں نے اس کے بابا کی زندگی کو جہنم بنا دیا تھا۔ اسے بار بار چچا ہدایت اللہ اور ان کی بیگم بھی یاد آتی رہیں۔ نجانے کتنی دیر وہ یوں ہی کھڑی رہی' پھر ممی نے اسے پکار لیا۔

"مادی!" اس نے مڑ کر انہیں دیکھا' آرام کرسی پر بیٹھی ہوئی وہ بہت مضمحل دکھائی دیتی تھیں۔

"ایک کپ چائے مل سکتی ہے؟"

"ضرور۔ میں ابھی لے کر آتی ہوں۔" مادی کچن کی طرف چلی گئی۔

ثمینہ آہستگی سے اٹھ کر صوفے پر دراز ہو گئیں اور انہوں نے آنکھیں بند کر لیں۔ ماضی کے سفر نے انہیں تھکا دیا تھا۔ ان کے ذہن دل کو تھوڑا آرام چاہیے تھا۔ پھر انہیں ابھی مادی کو اور بھی بہت کچھ بتانا تھا۔ بہت سے رازوں سے پردہ اٹھانا تھا اور اسے قائل کرنا تھا جو کہ وہ جانتی تھیں' ہرگز بھی آسان نہ ہوگا۔ وہ خود کو مادی کے ہر اعتراض کو رفع کرنے کے لیے تیار کرنے لگیں۔

☼ ☼ ☼

"اور یوں میری شادی رجب سے ہو گئی گو کہ میں ان سے عمر میں خاصی چھوٹی تھی' شاید سولہ سال یا سولہ سال کچھ مہینے میری عمر رہی ہوگی لیکن تمہارے بابا سے میری ــــ بہترین ذہنی ہم آہنگی تھی۔ بعض اوقات ایسا ہوتا کہ

وہ کچھ سوچ رہے ہوتے اور وہ بات میرے لبوں سے ادا ہو جاتی اور کبھی میرے ذہن میں کچھ چل رہا ہوتا تو ان کو اس بات کی خبر میرے بتائے بنا کیسے ہو جاتی۔ ایک دوسرے سے محبت کرنا' احساسات و ترجیحات کی قدر کرنا' عزت دینا' میرا خیال ہے' سوئیٹ چل انڈر اسٹینڈنگ اسی کو کہتے ہیں یوں لگتا تھا جیسے ہم ایک دوسرے کے لیے ہی بنے تھے اور گزرتے وقت نے یہ ثابت کر دیا۔

اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ جوڑے آسمانوں پر بنتے ہیں تو بالکل ٹھیک کہتا ہے۔ بہرحال میں اور رجب خوش تھے۔ زندگی جیسے یکدم ہی بہت خوب صورت ہو گئی تھی۔ پہلے میں جن باتوں پر پہروں پریشان رہتی تھی اب انہی باتوں کو میں نے چٹکیوں میں اڑانا شروع کر دیا تھا کیونکہ میرا دل کہتا تھا جب تک رجب میرے ساتھ ہیں کوئی پریشانی دیر تک میرے پاس ٹک ہی نہیں سکتی۔

رجب کو ملازمت مل گئی تو ہم نے اپنے گھر کے متعلق سوچ بچار شروع کر دی۔ ہمیں ایک گھر بنانا تھا مضبوط بنیادوں والا گھر' جس میں ہماری اولاد محفوظ رہ سکے' لیکن قدرت کو کچھ اور منظور تھا۔ فیضان ہمارے پاس رہا۔ اس وقت روابط کے ذریعے اتنے تیز تو نہیں تھے کہ انسان دور جانے والے کے پل پل کی خبر رکھ سکے مگر کچھ عرصے بعد ان کی خبر آنا بھی بند ہو گئی۔ لیکن ہم جانتے تھے وہ جہاں بھی ہوں گے خیریت سے ہوں گے یا شاید ہم نے اپنے دلوں کو سمجھا لیا تھا' بہرحال ہمارا رابطہ ان سے ختم ہو گیا۔ ان ہی دنوں میں اور رجب ہر وقت اپنے نئے گھر کے متعلق باتیں کرتے رہتے تھے۔

ان دنوں تم پیدا نہ ہوئی تھیں اور اولاد کے معاملے میں خدا نے ابھی ہماری دعائیں قبول نہ کی تھیں۔

ان ہی دنوں رجب کی ملاقات سرراہ اپنے والد صاحب سے ہو گئی۔ اس وقت تک رجب سولہ سال کے ڈرے سہمے نو عمر لڑکے رہے تھے۔ انہوں نے اعتماد سے اپنے والد کا سامنا کیا۔ ادب احترام کے ساتھ خود آگے بڑھ کر ملے۔ دلاور حسین اس وقت تک ایک بڑے اور سریر آورہ زمین دار مانے جانے لگے تھے ان کا شملہ اونچا ہو چکا تھا اور وہ چوہدری کہلوانے لگے تھے لیکن میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اونچے شملے والے چوہدری دلاور حسین نے اپنے بیٹے کے سامنے آتے ہی بھرے بازار میں رونا شروع کر دیا تھا۔

رونا آسان نہیں ہوتا۔ آنسو انسان کا خون جگر ہوتے ہیں' اس کی کمزوری کی علامت۔ کوئی اپنی کمزوریاں ہر ایک پر عیاں نہیں کرنا چاہتا لیکن کوئی انسان اگر سب کے سامنے روئے' اپنا خون جگر عیاں کر دے تو اس کی لاچاری کا احساس کر لینا چاہیے۔ سمجھ لینا چاہیے کہ وہ بے بسی کی کس آخری حد پر آکر رویا ہوگا۔

اور میں نے چوہدری دلاور حسین کو ان کے ملازمین کی موجودگی میں روتے دیکھا۔ میرا دل بری طرح بیٹھ گیا یہ ہی حال رجب کا تھا۔ اپنے باپ کے پہلے آنسو کے ساتھ ہی ان کے سارے گلے شکوے' شکایتیں' ناراضیاں بہہ چکی تھیں۔ وہ بڑے مان سے ابا جی کو گھر لے آئے اور سب سے پہلا اچھنبا ابا جی کو ہمارا بڑے ارمانوں سے سجایا ہوا گھر دیکھ کر ہوا۔

"تم لوگ یہاں رہتے ہو رجب!" ابا جی حیرانی و ناپسندیدگی سے ہمارے گھر کی خستہ دیواروں کو دیکھ رہے تھے۔ شاید وہ دیواریں ان کی عظیم الشان حویلی کی دیواروں سے کہیں چھوٹی اور چھتیں اتنی نیچی تھیں کہ وہ ہاتھ بڑھا کر چھو سکتے تھے۔

"جی ابا جی!" رجب نے ہنس کر کہا۔ "کیوں آپ کو ہمارا گھر اچھا نہیں لگا؟ خیر یہ تو کرائے کا مکان ہے جلد ہی میں اپنے ذاتی مکان کی بنیاد رکھنے والا ہوں' آپ وہاں ضرور آئیے گا۔"

"اور جو اتنی بڑی حویلی ہے۔" ابا جی کی جسم بات میں جو اشارہ تھا' وہ ہمیں سمجھنے میں ایک پل بھی نہ لگا۔

"وہ آپ کے باقی بچوں کے لیے ہے ابا جی! اسے ان ہی کے لیے رہنے دیں۔" رجب نے سر جھکا کر لیکن مستحکم

لہجے میں کہا تھا۔

"نہ پتر نہ... وہ تیرے بہن بھائی نہیں۔ پہلے تو میرے لیے اہم ہے پھر وہ سب۔ میرا سب کچھ تیرا ہی ہے' دل چاہے تو ان کو بھی دے دینا ورنہ میں اپنا سب کچھ تیرے نام لگا دوں گا۔"

"چھوڑیں بھی اباجی! اینٹ گارے کی عمارتیں لے کر میں نے کیا کرنا ہے۔ میرے حصے کی محبت تو آپ مجھے دے نہ سکے۔" شکوہ بالآخر زبان پر آ ہی گیا تھا۔

پھر دونوں باپ بیٹا میں طویل گفتگو ہوئی۔ شکوے شکایتیں اور ان شکووں کو روکنے کے لیے دلائل۔ حاصل بحث یہ کہ جتنے دن اباجی ہمارے یہاں گزارے رجب کو ساتھ لے جانے کے لیے اصرار کرتے رہے۔

رجب متامل تھے۔ باپ کے اصرار کے آگے مجبور تو پڑ رہے تھے لیکن وہ اس حویلی میں جانا نہیں چاہتے تھے جہاں وہ جلا دو صفت عورت اب تک موجود تھی۔ تب میں نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔

"آپ وہاں جا کر رہنا نہیں چاہتے تو نہ رہیے' لیکن چند روز کے لیے چلے جانے میں کیا مضائقہ ہے۔"

بات معقول تھی تو رجب کے دل کو لگی اور وہ حویلی جانے کے لیے تیار ہو گئے' ساتھ ہی انہوں نے اباجی کو بتایا کہ ہم چند روز ہی رکیں گے۔ اباجی اسی میں خوش تھے کہ رجب ان کے ساتھ چلنے کے لیے راضی ہو گئے ہیں' سو انہوں نے مزید اصرار کسی اور وقت کے لیے ٹال دیا اور یوں ہم حویلی آ گئے۔

حویلی میری توقعات سے کہیں زیادہ پُرشکوہ تھی اور جنت بی بی۔ اف میں کیا بتاؤں وہ کیا تھی۔ رجب کی باتیں سن سن کر میرے ذہن و دل میں ان کا جو تصور ابھرتا تھا وہ ایک ایسی عورت کا تھا جس کی شکل و صورت تھوڑی سی اچھی تھی لیکن جنت میرے تصور سے ماورا چیز تھی۔

وہ اتنی خوب صورت تھی مادی کہ میں الفاظ میں اس کی خوب صورتی کو بیان بھی نہیں کر سکتی۔ لگتا ہی نہ تھا کہ وہ اتنے بڑے بڑے بچوں کی ماں ہے۔ زیادہ سے زیادہ ان کی بڑی بہن لگتی۔ اس حساب سے تمہارے دادا کے ساتھ اس کی جوڑی بڑی بے جوڑ لگنے لگی تھی کہاں وہ لمبی سفید ریش والا اونچا لمبا لیکن ناتواں آدمی' جسے بیٹے کی جدائی نے کچھ زیادہ ہی بوڑھا کر دیا تھا اور کہاں وہ کسی سانچے میں ڈھلی ہوئی نظموں کو جھٹکنے پر مجبور کر دینے والی عورت... بولتی تو اس کے لبوں سے گویا پھول جھڑتے تھے۔ اتنی میٹھی سمعت بھری زبان سن کر مجھے رجب کی ساری باتیں سچ لگنے لگیں۔ شاید اپنے حویلی سے بھاگ جانے والی بات ہمیشہ فائی کرنے کے لیے انہوں نے جھوٹی سچی کہانی بنالی تھی۔ بہرحال میں جنت کی خوب صورتی سے مرعوب ہوئی تھی تو اس کی شیریں بیانی نے مجھے چاروں شانے چت کر دیا تھا۔

اور زریں بالکل اپنی ماں کا پرتو تھی۔ ویسی ہی دلکش' وہ طرح دار انداز' شاید وہ اپنی ماں کا عکس تھی یا غالباً اس سے کچھ کم خوب صورت تھی جیسے ایک ہی دکان سے ایک مہنگی کا ایک ہی رنگ کا دھاگا انیس بیس کے فرق کے ساتھ ہاتھ میں آتا ہے تو یہی حال جنت اور زریں کا تھا۔ وہ خوب صورت تو تھی لیکن جنت والی بات اس میں نہ تھی پھر بھی فیضان نے اس کے آگے دل ہار دیا۔ ہم وہاں پندرہ یا بیس دن رکے۔ اس دوران خدا معلوم ان دونوں کے درمیان کیا بات چیت ہوئی۔ واپس آ کر فیضان نے میرے سامنے اپنی خواہش رکھ دی۔"

مادی کو اسی قصے میں سب سے زیادہ دلچسپی تھی لہٰذا وہ ہمہ تن گوش ہو کر بیٹھ گئی۔ بلکہ ہمہ تن گوش تو پہلے ہی تھی اب اور توجہ سے سننے لگی۔

"لیکن میں نے فیضان کی خواہش کو رد کر دیا۔ کچھ تو میرا دل کہہ رہا تھا کہ یہ رشتہ طے پانا ناممکنات میں سے ہے پھر اس رشتے کی راہ میں بہت ساری رکاوٹیں حائل تھیں۔ عمر کا فرق' رتبے کا فرق۔ سب سے بڑی بات جو مجھے اپنے حویلی میں قیام کے دوران ہی پتا چل چکی تھی وہ یہ کہ زریں کا رشتہ اس کی چھوٹی پھوپھو کے بھائی سے طے پا چکا

تھا۔

یہی ساری باتیں فیضی کے سامنے رکھ کر میں نے انکار کر دیا کہ یہ رشتہ ممکن نہیں وہ زریں کو بھول جائے۔ فیضان اس وقت بہت کم عمر تھا' کوئی کیریر نہیں تھا اس کا لیکن اس عمر کی جذباتیت کے ہاتھوں تقریباً خفا ہو کر یہ جرمنی چلا گیا۔ آگے کی اس کی جدوجہد کی داستان تو تمہیں معلوم ہے۔ ہم اپنی زندگیوں میں مست رہے۔

فیضان نے فیاض بھائی کو اپنے پاس کس طرح بلایا اور اپنے قدم جمانے کو کیا کچھ کیا تم جانتی ہی ہو' اس لیے یہاں ان باتوں کا ذکر غیر ضروری ہوگا۔ میں تمہیں تمہارے دادا کی حویلی کے متعلق بتا رہی تھی۔ ہم حویلی سے واپس تو آ گئے تھے لیکن پھر اکثر وہاں جانے لگے۔

میں غریب گھر کی تھی مجھے حویلی کے وہ ٹھاٹ زیادہ اچھے لگتے تھے پھر جنت کے حسن و محبت کا سحر بھی مجھ پر چل چکا تھا۔ رجب معترض ہوتے لیکن میں بضد اصرار انہیں حویلی لے جاتی لیکن میں یہ نہیں جانتی تھی کہ اندر ہی اندر وہ کیا پلاننگ کر رہے ہیں۔ انہوں نے چپکے چپکے نوشہرہ جانے کی تیاری کر لی تھی اور مجھے کانوں کان خبر نہ ہونے دی تھی۔ وجہ شاید یہی تھی کہ وہ مجھے جنت کے سحر سے بچانا چاہتے تھے۔

نوشہرہ والی سے کچھ روز پہلے ہم مستقیم کی شادی میں حویلی گئے' وہیں میری پہلی ملاقات دلسن بی ثروت سے ہوئی۔"

"ثروت؟" یہ نام سن کر مادی ٹھٹک گئی اس نے زیر لب دہرایا۔

"ہاں ثروت۔ انیما کی ممی۔" ثمینہ نے سابقہ اطمینان سے جواب دیا ساتھ ہی بغور اس کے تاثرات کا جائزہ لیا تھا۔ حالانکہ بغور جائزہ لینے کی ضرورت تو نہیں تھی سب کچھ صاف نظر آ رہا تھا۔ مادی مارے تعجب کے کھلی آنکھوں اور کھلے منہ کے ساتھ ہکا بکا ثمینہ کو دیکھ رہی تھی۔

"ثروت آنٹی؟ انیما کی ممی؟" چند منٹ بعد بالآخر وہ تعجب و بے یقینی کے اثر سے نکلنے کے بعد بولنے کے قابل ہوئی تھی۔

"اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ دانیال انکل میرے چچا..."

اس کا جملہ بیچ میں ہی رہ گیا ثمینہ نے اس کی بات تیزی سے کاٹی تھی۔

"ارے نہیں بھئی... ثروت دراصل تمہارے سوتیلے چچا مستقیم بھٹی کی پہلی بیوی ہیں۔ مستقیم سے طلاق کے بعد انہوں نے دانیال حسن سے شادی کر لی تھی۔"

"یا اللہ..." مادی نے اپنا سر دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ "یہ کیا گڑبڑ ہے ممی! اس کس طرح کے انکشافات کر رہی ہیں آج آپ کہ میں یقین نہیں کر پا رہی۔"

اس کی بات پر ثمینہ بے مقصد مسکرا دیں۔

"تم ابھی سے تھک گئیں ابھی تو بہت کچھ ایسا ہے جس سے تمہیں آگاہ ہونا ہے۔"

"تھکی نہیں ہوں۔ لیکن حیران ضرور ہو گئی ہوں۔" اس نے بالوں میں انگلیاں پھنسا کر گہری سانس بھرتے ہوئے کہا تھا۔

"کیا آپ ثروت آنٹی کے بارے میں پہلے سے جانتی تھیں؟"

"نہیں... پہلے سے کیسے پتا ہو سکتا تھا... یہاں آنے کے بعد اور ثروت سے ملنے کے بعد مجھے شک سا گزرا تھا۔ میں اس سے پہلے بھی کہیں مل چکی ہوں لیکن چونکہ حویلی میں بڑی مشکل سے ایک یا دو ملاقاتیں ہوئی تھیں اس لیے میں فوری طور پر پہچان نہیں سکی۔ پھر کچھ روز غور کرنے کے بعد مجھے یاد آ گیا تھا۔"

Scanned By HarfeDua for OneUrdu.com

اس نے حسام کے سر پر چپت لگائی۔ وہ اور زیادہ رونے لگا۔

"افوہ۔ ہمارے بھانجے کی شان میں آپ اس سے زیادہ گستاخی نہیں کر سکتیں۔" اس نے ریکٹ بیڈ پر پھینک کر حسام کو اٹھا لیا۔ وہ فوراً" خاموش ہو گیا تھا۔

"یہ آپ کی شکل دیکھ کر روتا ہے اپیا!"

"کیوں؟" وہ مشتعل ہوئی۔ "میری شکل کو کیا ہوا؟"

"آپ کی شکل کو کچھ نہیں ہوا۔ اس کا مزاج اپنے باپ پر چلا گیا ہے۔"

"آئے ہائے لڑکے!" فردوس بیگم اسے گھورنے لگیں۔ "کتنا بدلحاظ ہو رہا ہے۔"

"گرمیوں میں تو میرا جی چاہتا ہے سائنس دانوں کو مشورہ دے ڈالوں۔ ہینڈی اے سی ایجاد کرنے کا۔ بس ہاتھ میں پکڑ کر گھومتے رہو۔"

عریشہ جیسے بلبلاتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ سیاہ اور سرخ امتزاج کا لان کا پرنٹ اس کی دمکتی ہوئی رنگت پر خوب بہار دے رہا تھا۔

"شکر کرو اے سی بیڈ روم میں جی بھر کر عیش کر لیتی ہو۔" فردوس بیگم نے اس کی بھی خبر لے ڈالی۔

"نجانے سسرال میں جا کر کیسا کمرہ ملے۔ ہینڈی اے سی ایجاد کروائیں گی سائنس دانوں سے' ملکہ الزبتھ۔"

"افوہ امی! کبھی تو دعا بھی دے دیا کریں۔" وہ جھلائی۔ "جب بولیں گی' ہولناک سا نقشہ نگاہوں میں پھرا دیں گی۔"

"ٹھیک تو کہہ رہی ہیں۔" ماہین نے ماں کا ساتھ دیا۔ "تمہارے تو دماغ ہی نہیں ملتے۔ ہر جگہ تھوڑی یہ نخرے چلتے ہیں۔ لڑکیوں کو تو صبر شکر کا عادی ہونا چاہیے۔"

"ارے اپیا! کیوں بے چاری کو ڈرا رہی ہیں۔" حمزہ ہنسنے لگا۔ "صبر شکر ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ میں باضابطہ ایڈمیشن لے گی تو خود ہی سب کچھ سیکھ جائے گی۔ ابھی سے کیوں اتنی سخت ٹریننگ کا اسٹارٹ لے دو۔"

"یہ کون سا اسکول ہے؟" فردوس بیگم کچھ سمجھی نہ تھیں۔

"ساس کی آس' نند کی بھڑاس' دیور کی باس اور شوہر کا ستیاناس۔ کچھ اس قسم کی کلاسز ہوتی ہیں وہاں' امی جی۔۔۔"

ان تینوں کو ہی ہنسی آ گئی تھی۔

"توبہ' کتنی بکواس کرتا ہے۔" فردوس بیگم نے خود پر قابو پا کر اسے مصنوعی خفگی سے گھورا۔ "مجال ہے جو کبھی لکھتا' پڑھتا نظر آئے۔"

"ارے امی جی! آج کل ٹیبل پر بیٹھ کر لکھنے' پڑھنے کا زمانہ نہیں ہے۔ آج کل تو دور ہے حرکت کا۔ ہر شے میں حرکت' کھانا پینا' لکھنا' پڑھنا سب حرکت میں رہ کر ہوتا ہے۔ مجھے تو ڈر ہے کچھ عرصے بعد سونا بھی حرکت میں نہ ہو۔ آدمی سو بھی رہا ہے اور مزے سے اپنے کام بھی نمٹاتا پھر رہا ہے' کیوں اپیا!"

"ایسی فضول حرکت تم ہی کر سکتے ہو۔" اس نے ناک چڑھائی۔ "یہ علی کہاں ہوتا ہے آج کل' نظر ہی نہیں آتا۔"

"نظر آ کر اس کو اپنی شامت بلوانی ہے کیا؟" وہ الٹا اسی سے پوچھنے لگا۔

"کیوں' ہم کیا کہتے ہیں اسے۔" اسے لگا۔ "کبھی کبھار یہی کہتے ہیں کہ ذرا سسرال سے آ کر لے جاؤ ہمیں۔ اب کیا بہنوں کا اتنا بھی حق نہیں۔ وہاں پھپھو کے پورشن میں ہر وقت رائمہ اور وردہ کے کام کرتا رہتا ہے۔"

"رائمہ کا نام آپ کیوں گول کر گئیں۔ ان کے آج کل تعلقات اچھے ہیں کیا؟" حمزہ نے شوخی سے اسے

[illegible] ہو گئی ہے۔ کتر کتر تو زبان چلتی ہے اس کی۔ بڑے چھوٹے کا کوئی ادب' لحاظ ہے [illegible] ناپسند تھا۔

[illegible] کی کیوں بیٹیوں کو وہ کسی طور پاسنگ مارکس نہ دیتی تھیں۔

[illegible] کے بارے میں کیسے خیالات ہیں آپ کے؟" اس نے کن انکھیوں سے عریشہ کو دیکھا۔

"[illegible]" وہ بے زاری سے گویا ہوئیں۔ "یہ کون سا کم ہیں کسی سے۔ ان کا "منہ پھاڑ" بھی بہت بڑا [illegible] کی بے تکا بولیں گی۔"

"خدا کے لیے امی!" وہ تپ کر کھڑی ہو گئی۔ "مجھ سے تو آپ کو اللہ واسطے کا بیر ہے۔ دو گھڑی کو پاس آ کر بیٹھ جاؤ [illegible] کو ملتی ہے اور یہ حضرت۔۔۔ یہ تو پکی بی جمالو ہیں۔ ایک سفید برقع کیوں نہیں خرید لیتے تم۔"

"[illegible] اس کے بغیر بھی چل رہا ہے۔" وہ معصومیت سے گویا ہوا۔ "کیا نہیں چل رہا؟" وہ اتنی ہی [illegible] پوچھنے لگا۔

"ہونہہ!" وہ پیر پٹخ کر کمرے سے نکل گئی۔

ماحول یکدم مزہ سا ہو گیا تھا۔ حمزہ' حسام کو لے کر کھسیانا سا ہو کر کمرے سے نکل گیا۔ ماہین حساب کا بکھرا ہوا [illegible]

[illegible] یہاں آئیں گے لینے یا رکنے کا ارادہ ہے۔" فردوس بیگم نے موڈ اور موضوع بدل کر فضا خوشگوار کرنے [illegible]

[illegible] ہاشم کے ساتھ چلی جاؤں گی۔ تسنیم کے آفس میں تو آڈٹنگ چل رہی ہے۔ انہیں سر [illegible] کی فرصت نہیں۔"

"اچھا اچھا' ہاشم ہے کہنا۔ چھوڑ آئے گا تمہیں۔"

[illegible] نے بیٹی کو تسلی دی۔

وہ ہال کی [illegible] میں باتھ روم سے برآمد ہوئی تھی۔ ڈور بیل کافی دیر سے بج رہی تھی۔ تہہ لگے ہوئے دوپٹے کو [illegible] ہوئے وہ مرکزی دروازے تک چلی آئی۔ آئی ہول سے جھانک کر دیکھا پھر جلدی سے چٹخنی گرا دی۔

"السلام علیکم۔" پوسٹ مین سے اس کی اچھی بھلی سلام دعا تھی۔

"وعلیکم السلام۔" وہ مسکرائی۔ "خیریت سے ہیں صدیق بھائی!"

"[illegible] اللہ کا۔ دعائیں ہیں آپ کی۔"

وہ [illegible] کے لفافہ لیے اندر چلی آئی۔ خوشی اور ترنگ کی لہریں انگ انگ سے پھوٹنے لگی تھیں۔

[illegible] آرام سے بیٹھتے ہوئے اس نے لفافہ کھولا۔ اندر حسب معمول بیس ہزار کا ڈرافٹ تھا اور ساتھ ہی اس کا [illegible] اس کے لبوں پر مسکراہٹ سج گئی۔

[illegible]

[illegible]

[illegible] ہو جاتی ہے اور انٹرنیٹ پر تمہارا دیدار بھی لیکن جو مزہ تمہیں خط لکھنے میں آتا ہے' وہ الگ ہی [illegible]

[illegible] کی ہیروئن کی طرح جب خط کی سطروں پر نظریں دوڑاتی ہو گی اور ایک شرمگیں مسکراہٹ [illegible] لبوں پر مچلتی ہو گی تو تم کیسی پیاری لگتی ہو گی۔ ہے نا۔ ذرا آئینہ دیکھو۔۔۔ میں رات کو فون پر پوچھوں گا۔

"اگر ثروت کے لیے ان کے دل میں سچ مچ محبت ہے تو ہرگز خفا نہیں ہوگی۔ امی ابی زمانہ ہر کوئی اپنی اولاد کی بھلائی سوچتا ہے تو پھر آپ کیوں اولاد سے زیادہ بہن کی فکر کر رہی ہیں؟ میں نے اکبر سے بات کی تھی۔ ان کا بھی یہی خیال ہے کہ ثروت کے لیے مستقیم بھائی دانیال سے زیادہ مناسب ہیں شکلا" بھی اور فیملی بیک گراؤنڈ کے اعتبار سے بھی.... ہماری ثروت ان کی حویلی میں راج کرے گی اور سب سے بڑی بات یہ کہ ثروت بھی مستقیم کو پسند کرتی ہے۔ اس نے خود کہا مجھ سے۔"

نشی آپا کے اس کھلے جھوٹ پر ثروت ہری طرح بدکیں۔

"ہائے اللہ.... آپا! یہ کب کہا میں نے؟"

"کیوں نکل خود ہی نہیں کہہ رہی تھیں کہ اس لمبے قد والے کی آنکھیں کتنی خوب صورت ہیں؟"

"ہاں تو اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ میں اسے پسند کرتی ہوں۔"

"ناپسند بھی تو نہیں کرتیں۔"

"آپا....!" ثروت کے احتجاج کو بھی نشی آپا کسی خاطر میں نہ لائیں اور امی کو قائل کر کے ہی دم لیا۔ ثروت کو نہ دانیال سے دلچسپی تھی نہ مستقیم سے۔ لیکن نشی آپا کے سمجھانے بجھانے پر انہوں نے بھی اپنے بہتر مستقبل کو اولیت دی اور یوں قرعہ فال مستقیم کے نام نکل آیا۔ لیکن اس شادی کے لیے امی کو بہن کی ناراضی مول لینا پڑی تھی۔

شروع کے دنوں میں یہ شادی ثروت کو کسی خواب کی طرح لگتی تھی۔ کہاں انہیں دانیال کی دلہن بننا تھا اور کہاں آناً فاناً" ان کی شادی مستقیم سے ہو گئی۔ مستقیم نے انہیں بتایا تھا خود انہوں نے بھی ثروت کو اسی تقریب میں دیکھا تھا جب ثروت ان کے لیے قدر بصد کر رہی تھیں اور وہ انہیں دیکھ کر پہلی نظر کی محبت ٹائپ کسی جذبے کا شکار ہو گئے تھے۔ بقول ان کے یہ ان کے جذبوں کی سچائی ہی تھی جس نے انہیں اپنی ماں سے ضد منوانے میں مدد دی تھی۔

یہاں تک سب کچھ ٹھیک تھا۔ نکاح کی بدولت ثروت کو بھی مستقیم سے محبت ہو گئی تھی لیکن جلد ہی انہیں احساس ہو گیا کہ اس حویلی میں آنا صرف مستقیم کی رضا تھی اور اپنی بات منوانے کے لیے انہوں نے اپنی ماں سے تقریباً" ضد ہی باندھ لی تھی۔ انجام کار ثروت اس حویلی میں آ گئیں لیکن مستقیم کی ماں کے دل میں ان کے لیے بغض پیدا ہو گیا تھا۔

وہ حاکمیت پسند عورت تھی۔ اپنے اختیارات میں دخل اندازی اس سے برداشت نہ ہو پاتی تھی اور اس نے ثروت سے بیر باندھ لیا تھا۔ شادی کے کچھ مہینوں بعد ہی اس نے ثروت اور مستقیم کے درمیان غلط فہمیوں کی دیوار اٹھانا شروع کر دی تھی۔ مستقیم بھی عجیب و غریب انسان تھے۔ انہوں نے ماں سے ایک ضد منوانے کے بعد گویا باقی ساری زندگی شرم ساری سے ان کے آگے سر جھکا دیا تھا۔ بحال ہے جو حقیقت حال سے واقف ہونے کے باوجود ثروت کی طرف داری میں ان کے منہ سے ایک لفظ بھی نکلتا ہو۔

ثروت اس صورت حال سے بے حد پریشان رہنے لگی تھیں۔ وہ خود پڑھے لکھے اور سلجھے ہوئے ماحول کی پروردہ تھیں۔ ایسی شاطرانہ اور گھٹیا چالوں سے ان کا کبھی سابقہ نہ پڑا تھا اسی لیے فوراً" ہی گھبرا گئیں اور انہوں نے مستقیم سے شکایت کرنا شروع کر دی۔

"تم مجھے میری ماں کے خلاف کر دینا چاہتی ہو۔"

خدا معلوم جنت بی بی ان کے کان کس کس طرح بھر رہی تھی کہ ہر بار ثروت کی باتیں انہیں بھی سوچنے پر مجبور کر دیتیں۔ رفتہ رفتہ مستقیم ان سے اتنا دور ہوتے چلے گئے کہ ناچار ثروت نے علیحدگی کے متعلق غور کرنا شروع کر

دیا۔

"مجھے کچھ روز امی کے یہاں چھوڑ دیں۔ یہاں رہوں گی تو پاگل ہو جاؤں گی۔" انہوں نے اپنا سر دباتے ہوئے التجا آمیز لہجے میں کہا تھا۔

"ہاں ٹھیک ہے۔۔۔ میں تمہیں چھوڑ دیتا ہوں لیکن اس کے بعد لینے نہیں آؤں گا۔ تم ساری زندگی انہی کے پاس رہنا اور ہاں شبیہہ کو بھی میں لے جانے نہیں دوں گا۔" مستقیم نے رکھائی سے کہا تھا۔

"مستقیم۔۔۔" وہ اس انداز پر ہکا بکا رہ گئی تھیں۔

"مستقیم! بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے۔ تم اپنی مرضی سے جاؤ گی تو واپس لانا یا نہ لانا ہماری مرضی پر منحصر ہوگا۔ شبیہہ مجھ سے بہت قریب ہے' وہ میرے پاس ہی رہے گا۔" جنت بی بی نے یکدم کمرے میں آتے ہوئے کہا تھا۔

"آپ دروازے کے باہر کھڑی ہماری باتیں سن رہی تھیں؟" ثروت نے اچنبھے سے انہیں دیکھا۔ "آپ کو شرم نہیں آتی اس طرح کی گھٹیا حرکت کرتے ہوئے۔"

"مستقیم! تم نے سنا یہ مجھ سے کس طرح بات کرتی ہے؟"

"جی ماں جی! میں نے سنا۔۔۔ آپ نے ٹھیک کہا تھا' اسے بات کرنے کی تمیز بھی نہیں ہے۔ ثروت! ماں جی سے معافی مانگو۔"

"کس بات کی معافی!" ثروت بری طرح سلگیں "اگر کسی کو معافی مانگنا چاہیے تو وہ تمہاری ماں جی ہیں جو ہمارے کمرے کے باہر کھڑی ہماری باتیں سن رہی تھیں۔۔۔ پھر انہیں کیا حق ہے کہ ہمارے نجی معاملے میں دخل دیں۔"

"یہ حویلی میری ماں کی ہے۔ یہاں جو کچھ بھی ہوتا ہے' وہ ان معاملات میں شامل ہیں اور تمہیں کوئی حق نہیں کہ میری ماں کی توہین کرو۔۔۔ معافی مانگو ان سے۔" مستقیم نے دانت کچکچا کر کہا تھا۔

"تم جیسے مردوں کو شادی نہیں کرنا چاہیے مستقیم! ساری زندگی ماں کے آنچل میں چھپ کر بیٹھے رہنا چاہیے۔"

اس بات پر مستقیم نے انہیں تھپڑ کھینچ مارا تھا۔ اس کے بعد کیا ہوا یہ بتانے کی ضرورت تو نہیں ہے؟

وہ حویلی چھوڑ کر اپنے باپ کے گھر آ گئیں۔ کورٹ میں خلع اور پھر شبیہہ کی کسٹڈی کا کیس فائل کیا گیا۔

لیکن عدالت میں پہلی ہی شنوائی پر مستقیم کے وکیل کی طرف سے ثروت کو ایسے ایسے شرمناک الزامات کا سامنا کرنا پڑا کہ ان کی ہمت جواب دے گئی اور انہوں نے صبر کر کے عدالت میں دی ہوئی خلع کی درخواست واپس لے لی۔

کچھ مہینوں کے بعد مستقیم نے از خود انہیں تحریری طلاق بھجوا دی تھی۔ البتہ شبیہہ کو دینے پر وہ راضی نہیں تھا۔

ناچار ثروت نے دل پر جبر کی سل رکھ لی۔ قانون کی مدد لینے کی صورت میں انہیں پھر عدالت جانا پڑتا۔ پھر ان کے کردار پر کیچڑ اچھالا جاتا' اور پھر وہ ذہنی توڑ پھوڑ کا شکار ہوتیں۔

تقریباً سال بھر کے بعد خالہ پھر ان کے لیے سوالی بن کر آ گئیں۔ تب انہوں نے ضد پکڑ لی۔

"دانیال تمہارے لیے سب سے بہتر ہے۔ مستقیم کے لیے بھی نفسی نے بلاؤ الا تو مجھے ماننا پڑا تھا اور نہ سچی بات ہے اس کی ماں مجھے ایسی لگی ہی نہیں تھی جو اولاد کا گھر بسنے دے۔"

"لیکن امی!"

"بیٹے! مجھ پہ بھروسا کرو۔ ماں ہوں تمہاری دشمن نہیں۔ دانیال کے دل میں تمہارے لیے محبت ہے ورنہ کون یوں ٹھکرائے جانے کے بعد واپس آتا ہے وہ بھی طلاق یافتہ اور ایک بچے کی ماں کے لیے۔"

امی نے ان کے ہر اعتراض کو رد کر دیا اور جس طرح اچانک ان کی شادی مستقیم سے ہوئی تھی پھر طلاق بھی آناً

فاناً ہو گئی اسی طرح دانیال سے شادی بھی ہو گئی۔

امی کی بات درست تھی۔ دانیال کے دل میں سچ مچ ان کے لیے محبت تھی۔ شادی کے بعد ہر دن یہ محبت گہری ہوتی گئی لیکن دانیال کے دل میں مستقیم کی طرف سے ایک چبھن بھی جو ایک روزمارکیٹ میں غیر متوقع طور پر مستقیم سے مل کر گہری ہو گئی۔ مستقیم کا ثروت کو دیکھ کر ٹھٹکنا اور پھر ثروت کا بے ساختہ اس کی طرف بڑھنا دانیال کے دل میں ہمیشہ کی کدورت ڈال گیا تھا۔

بعد میں ثروت بہتیرا سمجھاتی رہیں کہ وہ مستقیم کو دیکھ کر نہیں' بلکہ اس کے ساتھ کھڑے شبیہہ کی طرف بڑھی تھیں لیکن ان کو یقین نہ آنا تھا' سو نہ آیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دانیال کا دھوپ چھاؤں سا رویہ بڑھتا چلا گیا۔ ثروت عادی ہو کر بھی عادی نہ ہو سکیں۔ ایک بار طلاق کا داغ ان کے دامن پر لگ چکا تھا۔ دوسری بار بھی خدانخواستہ اس مرحلے سے گزر کر وہ خود کو "بری عورت" نہیں کہلوانا چاہتی تھیں۔ ہمارا معاشرہ کسی عورت کو ایک بار طلاق یافتہ ہونے پر معاف کر سکتا ہے' لیکن دوسری بار ہرگز نہیں۔

یہی وجہ تھی کہ ثروت نے اپنی زبان پر قفل لگا کر اپنی گرہستی بچانے کے لیے اپنی جوتی کا زور لگانا شروع کر دیا۔

لیکن اپنی کوششوں کے باوجود اتنے ڈھیر سارے سالوں کی رفاقت بھی انہیں بدگمانی کے اس دائرے سے باہر نہ نکال سکی تھی جو دانیال نے ان کے گرد کھینچ رکھا تھا۔ چند سال پہلے شبیہہ نے بھی اسی علاقے میں رہائش اختیار کی اور اتفاقاً" ان لوگوں کی بدبھیڑ رہنے لگی۔ جہاں شبیہہ کو دیکھ کر ثروت کے ماتھے پہ ترچھے دل کو کسی قدر سکون آ جاتا تھا' وہیں ذہنی پریشانی شروع ہو جاتی تھی کہ پھر کئی روز تک انہیں دانیال کی ناراضی برداشت کرنا پڑتی تھی۔

لیکن اب وہ سب سہتے سہتے تھک چکی تھیں۔ یہ ذہنی تھکن ہی تھی جو انہیں ہسپتال لے آئی تھی۔ اتنی محنت اتنی جدوجہد کے بعد تھک ہار کر انہوں نے فیصلے کا اختیار دانیال کو دے دیا تھا اور دانیال نے منٹوں میں ان کی محنت مٹی میں ملا دی تھی۔ اپنے چھوٹے سے فیصلے سے انہوں نے ثابت کر دیا تھا کہ انہیں ثروت پر اعتبار نہیں ہے۔

ثروت کی پلکوں پر آنسوؤں کی لکیریں بہہ رہی تھیں اور انتہائی کرب سے وہ سوچ رہی تھیں۔

"اگر اٹھارہ سال کی رفاقت بھی مرد کو عورت کے اخلاص کا اعتبار نہیں دلا سکتی تو کیا فائدہ ہے اس عورت کی زندگی کا؟" زندگی میں پہلی بار ان کا دل چاہا تھا وہ خودکشی کر کے زندگی کے اس عذاب سے چھٹکارہ حاصل کر لیں۔

☆ ☆ ☆

منظر کچھ خاص نہ بدلا تھا۔ صوفہ پر نیم دراز ثمینہ' سامنے والے صوفے سے ٹیک لگا کر اور میز پر کہنیاں ٹکا کر پورے زمانے بھر کا تجسس سجائے کارپٹ پر بیٹھی ماہی شیشے کی بڑی سی کھڑکی کے باہر چپکے چپکے بہتی رات اور اس رات کے ساتھ سفر کرتے بادوباراں۔

ثمینہ کی دھیمی' یکساں متوازن آواز سارے میں بکھر رہی تھی۔

"زندگی اچھی گزر رہی تھی۔ ہم خوش اور مطمئن تھے لیکن مجھے رجب کے آناً" فاناً" اٹھ کر نوشہرہ آ جانے کے فیصلے پر اعتراض تھا' ہمیں وقتاً" فوقتاً" جتاتی رہتی تھی اور رجب سے ڈانٹ بھی کھاتی تھی کہ ان کو یہ ذکر کچھ خاص پسند نہ تھا جبکہ مجھے حویلی کی شان و شوکت اور وہاں کے کمفرٹس بھولتے ہی نہ تھے۔

جب ہم آخری بار حویلی گئے تو مستقیم کی شادی ہو رہی تھی۔ حویلی کو خوب سجایا گیا تھا۔ میری آنکھوں میں سے جھلملاتی حویلی کا منظر لشکتا ہی نہ تھا۔ میرا دل چاہتا تھا ہم حویلی جائیں اور ان آرام دہ بستروں کو استعمال کریں جن کی نرماہٹ خواب کی سی لگتی تھی۔

وہ لذیذ کھانے جن کے ذائقے اپنی پہلی زندگی میں میں نے کبھی نہ چکھے تھے۔ بہرحال میں نے کئی بار رجب کو چل کر حویلی میں رہنے اور اپنا حصہ لینے کے لیے اصرار کیا لیکن ان کے کان پر جوں تک نہ رینگتی تھی۔ وہ میرے

اصرار کے جواب میں ہر بار سختی سے انکار کر دیتے تھے۔ میں ان کا غصہ دیکھ کر خاموش ہو جاتی اور چند روز گزرنے کے بعد پھر وہی قصہ چھیڑ دیتی۔

"اچھی بھلی تمہاری عقل تھی۔ آخر اس معاملے میں چلنا کیوں بند ہو گئی ہے؟ جب میں نے کہہ دیا مجھے حویلی اور جائیداد میں سے حصہ نہیں چاہیے تو تم کیوں آخر ایک ہی بات کے پیچھے پڑی رہتی ہو؟ تم حویلی کی شان و شوکت سے متاثر ہوئی ہو لیکن یاد رکھو ہر چمکتی چیز سونا نہیں ہوتی۔"

ایک روز رجب نے مجھے بری طرح جھڑک دیا۔ میں ان کے رویے سے دلی برداشت ضرور ہوئی تاہم دل ہی دل میں دعا کرتی رہی کہ اللہ کچھ ایسے حالات بنا دے کہ ہمیں حویلی جا کر رہنے کا موقع ملے۔

اسی دوران سال یا ڈیڑھ سال کا عرصہ گزر گیا اور پھر ایک روز وہ ہو گیا جس کی توقع کوئی ذی ہوش نہیں کر سکتا۔

ایک معمولی سے روٹین چیک اپ میں رجب کی دائیں ٹانگ مفلوج ہو گئی۔ بظاہر کوئی چوٹ دکھائی نہ دیتی تھی۔ ڈاکٹرز نے مکمل چیک اپ، ایکسرے وغیرہ کے بعد بھی یہی بتایا کہ بظاہر کوئی اندرونی گہری چوٹ بھی نہیں ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ رجب کی ٹانگ کام کرنے لگے گی۔ لیکن پھر ——— رجب کی ٹانگ نے سُن ہوتے ہوتے بالکل ہی کام کرنا چھوڑ دیا۔ دکھ اور تکلیف کی بات ایک تو ٹانگ کا مفلوج ہونا بھی تھا لیکن اصل پریشانی ہمیں تب لاحق ہوئی جب رجب کو احساس ہونے لگا ان کی دوسری ٹانگ بھی سُن رہنے لگی ہے۔

رجب کی ملازمت چھوٹ چکی تھی۔ ہمارے پاس کوئی مال و اسباب بھی نہیں تھا، پھر پریشانی بھی کچھ ایسی لاحق ہوئی کہ میں نے گھبرا کر رجب کے والد کو اطلاع بھجوا دی۔ وہ بیٹے کے لیے دوڑے چلے آئے اور رجب کی حالت دیکھ کر مجھ پر خوب برسے کہ میں نے انہیں بروقت اطلاع کیوں نہ دی۔ میں نے انہیں بتایا کہ مجھے رجب نے سختی سے منع کر رکھا تھا۔ اس پر ابا جی خاموش ہو گئے اور پھر رجب سے اصرار کرنے لگے کہ وہ ان کے ساتھ چلیں۔ وہ رجب کا بہترین علاج کروا سکتے تھے۔

اور میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ حویلی جا کر رہنے کی دعائیں اس طرح قبول ہوں گی۔ سچی بات ہے مجھے ذرا بھی علم ہوتا تو میں دعا مانگنا ہی چھوڑ دیتی۔ رجب نے بہت پس و پیش سے کام لیا لیکن اس بار ان کے انکار میں وہ پہلے جیسی سختی مفقود تھی۔ ایک رات انہوں نے مجھ سے کہا۔

"میں نے تہیہ کیا تھا کہ کسی بھی قیمت پر حویلی نہیں جاؤں گا لیکن میرے پاس ایسا کوئی جوہر جتھا نہیں ہے جسے اپنے علاج پر خرچ کر سکوں پھر میں نے فیاض سے وعدہ کیا تھا کہ تمہیں ایک خوش حال زندگی دوں گا۔ مجھے افسوس ہے اور شرمندگی بھی کہ میں اپنا وعدہ پورا نہیں کر پا رہا۔"

ان کے شرمساری بھرے لہجے پر میرا دل کٹ سا گیا۔

میں نے کہا۔ "آپ فکر مند نہ ہوں رجب! ہم کچھ عرصہ حویلی میں رہیں گے اور جب آپ صحت یاب ہو جائیں گے تو واپس یہاں آ جائیں گے۔ اس میں کوئی معیوب بات تو نہیں ہے۔ دنیا کے بہت سے باپ اپنے بیٹوں کا علاج کرواتے ہیں۔"

"تمہیں حویلی میں بہت دقتوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔" رجب نے کہا۔ میں ان کے خدشات پر ہنس دی۔

"آپ کے خدشات دور کیوں نہیں ہو جاتے رجب! وہاں سب لوگ ہم سے پیار کرتے ہیں۔"

"تصویر کا ایک رخ دلکش ہو تو پلٹ کر دوسری طرف دیکھنے کی زحمت کوئی نہیں کرتا، بہرحال تمہیں ذہنی طور پر ہر طرح کی پریشانیوں کے لیے تیار رہنا چاہیے۔" رجب نے کہا تھا۔ میں نے زیادہ پرواہ نہیں کی۔ کچھ وہ پہلے ہی وہاں جا کر رہنے کے خلاف تھے اور کچھ بیماری نے انہیں زود رنج اور حساس بنا دیا تھا۔

پھر میں خوشی خوشی حویلی جانے کی تیاریاں کرنے لگی اور حویلی آ کر مجھے احساس ہوا، رجب کے خدشات کچھ

ایسے بے بنیاد بھی نہ تھے کیونکہ وہاں سب کے محبت بھرے رویے یکسر تبدیل ہو چکے تھے۔ خصوصاً "جنت بی بی" کی وہ تیکھی زبان طنزیہ اور دل جلانے والی باتوں تک محدود ہو چکی تھی۔ میں اس کی باتوں اور رویے پر جلتی کڑھتی لیکن چپ رہنے کے سوا ہمارے پاس کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ عورت بڑے حساب کتاب سے ہمیں نیچ کر رہی تھی۔ ابا جی کے سامنے وہ بڑی اچھی بن جاتی اور ان کی غیر موجودگی میں جلا دی لگتی۔ لیکن ابھی پھر بھی اس کا رویہ غنیمت تھا۔ رجب تیزی سے صحت یاب ہو رہے تھے۔ پہلے پہل وہ خود سے قدم بھی نہیں اٹھاتے تھے لیکن اب بیساکھی کے سہارے بڑی سہولت سے چلنے لگے تھے۔

بہت ساری ناگواریوں کے باوجود بہت ساری تسلیاں میرے ہمراہ تھیں لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

انہی دنوں جب مجھے اور رجب کو یقین ہو چلا کہ بہترین علاج سے رجب جلد ہی مکمل طور پر صحت مند ہو جائیں گے، ابا جی اللہ میاں کو پیارے ہو گئے۔ گو کہ عمر ہو گئی تھی لیکن ان کی موت اچانک، غیر متوقع اور حادثاتی تھی۔ حویلی میں کہرام آ کر گزر گیا اور میرے اور رجب کے لیے صحیح امتحان ان کی وفات کے بعد ہی شروع ہوا۔

جنت بی بی کے خوب صورت چہرے کے پیچھے چھپا ہوا مکروہ پن جلد ہی سامنے آ گیا اور اس نے ہم پر حویلی میں عرصۂ حیات تنگ کرنا شروع کر دیا۔ کچھ وہ فطرتاً "حاکمیت پرست تھی" کچھ غالباً "اسے یہ خدشہ لاحق ہو گیا تھا کہ کہیں رجب اپنا حصہ جائیداد سے وصول کر کے اس کے بچوں کو بے دخل نہ کر دیں۔

اپنے اسی خدشے کو رد کرنے کے لیے وہ ہمہ وقت ہمیں اپنی زبان سے چھیدتی رہتی۔ مجھ پر تو خیر اس نے ذہنی اور جسمانی ہر طرح کا تشدد کیا۔

مجھے آج بھی وہ دن نہیں بھولتا۔ اپنے چھوٹے بیٹے مصطفیٰ کی شادی کی صبح ہی صبح اس نے کسی معمولی سی غلطی پر مجھے سب مہمانوں کے سامنے بری طرح مارا تھا۔ نئی نویلی دلہن کمرے سے نکل رہی تھی اور میں عین سامنے جنت بی بی کے ہاتھوں اپنے سر میں جوتیاں کھا رہی تھی۔ وہ مار اتنی تکلیف دہ نہیں ہوتی تھی۔ وہ توہین زیادہ تکلیف دہ ہوتی تھی جو مجھے بہت سے لوگوں کے سامنے سہنا پڑی۔

اس نے مجھے حویلی کے ملازمین سے بھی کم تر حیثیت دے رکھی تھی۔ جب اس کا دل چاہتا، مجھے مار لیتی، جب دل چاہتا ذلیل کرتی۔ رجب کچھ بولنے کی پوزیشن میں نہیں تھے کیونکہ جنت بی بی نے سب کو باور کروا دیا تھا ہم اس کے ٹکڑوں پر پل رہے ہیں۔ ایک دو بار رجب بولنے کی کوشش کی، منہ کی کھائی۔"

ثمینہ تھر تھر کر بول رہی تھیں۔ ان کی آنکھوں میں نمی اور حلق میں سسکیاں اٹکتی تھیں۔ ہادی نے بے ساختہ آگے بڑھ کر اوران کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر ان کی ڈھارس بندھائی تھی۔

"پھر انہی دنوں ہمیں تمہاری پیدائش کے متعلق خبر ملی۔ ایسی خوش خبری تھی جس کے لیے میں اور تمہارے بابا بڑی شدت سے دعا گو تھے، لیکن جن حالات میں ہمیں خبر ملی ہم ڈھنگ سے خوش بھی نہیں ہو سکے۔ عجیب بات ہے لیکن خوشی ہو یا غم ——— کبھی کبھی انسانی زندگی میں ایسا وقت بھی آ جاتا ہے جب اس کا ہر جذبہ روپے پیسے کا محتاج بن کر رہ جاتا ہے۔

ہمارے لیے بھی وہ وقت ایسا ہی تھا ——— سسک سسک کر گزرتا ہوا وقت ——— بغیر کسی آس امید کے اندھیری تاریک رات جیسا وقت ——— سمجھ میں نہیں آتا تھا ہم کیا کریں۔ حویلی سے نکلنا ہمارے لیے ممکن نہ تھا کہ ہمارے پاس مال و اسباب نہ ہونے کے برابر تھا۔ رجب گو کہ صحت یاب ہو رہے تھے لیکن وہاں سے نکل کر اپنی خود مختار زندگی گزارنا ممکن نہ تھا۔ دراصل اتنی طویل بیماری نے انہیں ذہنی طور پر مضمحل کر دیا تھا اور ان کو خود پر اعتماد نہیں رہا تھا، درنہ سچ بات تو یہ ہے کہ وہ مکمل طور پر صحت یاب ہو ہی چکے تھے۔

بچے پیدا ہوئے تو رجب جیسے طویل کشمکش سے آزاد ہو کر اس نتیجے پر پہنچ گئے کہ انہیں اپنے والد کے ترکے

میں سے اپنا حصہ وصول کرلینا چاہیے کہ بہرحال اب ہمیں صرف اپنی فکر نہیں تھی تمہاری فکر بھی ہمارے ساتھ لگ چکی تھی۔ پھر۔۔۔ پھر رجب نے اپنا جی مانگ لیا۔ تم اندازہ کرسکتی ہو مادی! غلام بنا کر رکھے ہوئے انسان جب بنا کوئی اعتراض کیے سزا بھگت سکتے ہیں تو معمولی احتجاج بند کرنے پر، کسی کا ظلم و ستم ماننے سے انکار کرنے پر ان کے ساتھ کس حد تک ناروا سلوک برتا جاسکتا ہے۔

سچ بات ہے رجب نے اپنا آپ تسلیم کروانے کے لیے بڑی ہمت کی تھی اور جب ہمیں لگا کہ بالآخر جنت بی بی ہمیں ہمارا حق دے دے گی تو... تو ایک صبح۔۔۔ ایک صبح، رجب دنیا سے چلے گئے، مجھے اور تمہیں اکیلا چھوڑ کر۔"

ثمینہ یکدم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھیں۔

مادی نے سرعت سے اٹھ کر انہیں بازوؤں میں لے کر اپنے ساتھ لگالیا اور ان کا سر سہلانے لگی۔ اس کی اپنی آنکھیں بھی نم تھیں۔

"اس روز بھی طوفان آیا تھا۔ اس رات بھی بارش ہو رہی تھی لیکن ایسی بارش نہیں جو آج برس رہی ہے۔ یہ تو اس رات کے طوفان کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے۔ ٹھنڈ ایسی کہ بیان سے باہر۔۔۔ آسمان سے پانی نہیں برس رہا تھا، برف برس رہی تھی۔ ہمیں حویلی کے باہر کا کمرا دیا گیا تھا۔ درختوں میں گھرا ہوا، اکیلا وہ کمرا۔۔۔ لیکن اس کی دیواروں سے وحشت ٹپکتی تھی اور۔۔۔ اور اس رات تو اس کمرے کی دیواریں برف کی بن گئی تھیں اور ایسا لگتا تھا ہم برف کے کسی غار میں قید ہوں۔ ہمارے پاس دو لحاف تھے بالکل گھسے ہوئے۔

رجب نے کہا۔ مادی کو ٹھنڈ لگ سکتی ہے میرا لحاف بھی تم دونوں لے لو مجھ سے غلطی ہوگئی۔ تمہیں ٹھنڈ لگ جانے کے ڈر سے میں نے ان کا لحاف لے لیا۔ نہ لیتی تو اس رات بے تحاشا سردی کی وجہ سے صرف رجب کی حرکت قلب بند نہ ہوتی ہم تینوں ہی مر جاتے۔ اچھا ہوتا۔۔۔ مجھے پچھتاوے تو نہ ستاتے۔"

دیر تک رونے کے بعد ثمینہ مدھم پڑ گئیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان کے آنسو تھم گئے تھے۔ ان کے چہرے پر ابھی بھی گیلی کی صورت آنسو بہہ رہے تھے اور ماضی کی بھول بھلیوں سے الجھتے ہوئے جیسے وہ مضمحل ہو چکی تھیں۔

مادی دوڑ کر گئی اور پانی کا گلاس بھر لائی۔

"بس کریں ممی!" اس نے ثمینہ کے سر پر بوسہ دیتے ہوئے کہا۔

"رجب کی اچانک وفات نے جیسے میرے حواس ہی گم کردیے تھے۔ میں نے دیکھا ہی نہیں۔۔۔ رجب بارش میں بھیگے ہوئے تھے۔۔۔ میں نے کیوں نہیں دیکھا۔" وہ اور شدت سے رونے لگیں۔

"پلیز ممی۔۔۔ ڈونٹ کرائے۔" (Cry) مادی انہیں سنبھالنے لگی پھر پانی کا گلاس زبردستی ان کے لبوں سے لگا دیا۔

"بھول جائیں ان سب باتوں کو۔۔۔ جو ہونا تھا، ہوچکا۔ ہم گزرا وقت واپس تو نہیں لاسکتے۔ آپ پلیز رونا بند کریں اور بھول جائیں ان سب یادوں کو۔" اس نے نرمی سے کہا تھا۔

"بھول جانا آسان ہے؟ ایسی باتوں کو بھول جانا۔۔۔ ایسی زندگی کو بھول جانا، جب ہر لمحہ آپ کے جسم پر زخم لگے ہوں۔" ثمینہ نے یکدم مورد شتی سے کہا تھا۔

مادی لحظہ بھر کے لیے دم بخود رہ گئی۔ غم اپنی جگہ لیکن وہ ثمینہ سے اتنی درشتی کی توقع نہیں کر رہی تھی۔

"اوکے۔۔۔ نو پرابلم۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر صلح جو انداز میں کہا کہ وہ ثمینہ کے غصے کو ان کے غم سے ہی مشروط سمجھ رہی تھی۔

"بہت رات ہوگئی ہے بلکہ اب تو تقریباً صبح ہونے والی ہے۔ چلیں بیڈ روم میں جاکر سو جائیں۔" اس کا انداز ایسا تھا جیسے چھوٹے سے بچے کو بہلا رہی ہو۔

"نہیں۔۔۔ میں یہیں ٹھیک ہوں۔" ثمینہ نے رکھائی سے اس کا ہاتھ ہٹادیا۔ "تم جاکر سو جاؤ۔"

مادی چند منٹ متذبذب سی انہیں دیکھتی رہی پھر گہری سانس بھر کر بولی۔

"اریو وش۔۔۔ گڈ نائٹ ممی!" اس نے جھک کر ایک بار پھر ثمینہ کے سر کو بوسہ دیا اور بیڈ روم کی طرف چلی گئی۔ ثمینہ نے اپنی نم اور دکھتی ہوئی آنکھیں زور سے بھینچ لیں۔ اس دکھ کو یاد کرتے ہوئے ان کا دل جیسے کٹ رہا تھا اور دماغ بری طرح دکھنے لگا تھا۔ وہ اتنی بری طرح تھک چکی تھیں کہ چند منٹ میں ہی گہری نیند سو گئیں۔

مادی لحاف لے کر لاؤنج میں آئی۔ ثمینہ کے چہرے پر مرکزی ٹیوب لائیٹ کی روشنی ڈائریکٹ پڑ رہی تھی اور وہ بہت پُرمردہ لگ رہی تھیں۔ مادی نے ٹیوب لائٹ بند کرکے نائٹ بلب جلایا۔ ثمینہ کو لحاف اوڑھا کر انہیں بے حد رسمی سے دیکھتی رہی۔ اس کا ذہن و دل عجب خانہ پن کا شکار تھے۔ پھر وہ صوفے پر خوب اچھی طرح لحاف پھیلا کر لیٹ گئی اور چھت کی طرف دیکھتے ہوئے ان تمام انکشافات پر غور کرنے لگی جو ممی نے آج کی رات اس پر منکشف کیے تھے۔ معاً بجلی کا کوندا سا اس کے ذہن میں لپکا۔

"ممی! تو کہہ رہی تھیں بابا کا قتل ہوا تھا۔" اس خیال کے آتے ہی وہ بے ساختہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور اسی بے ساختگی میں ثمینہ کی طرف بڑھنے لگی لیکن وہ بے حد گہری نیند میں تھیں اور شاید اس وقت ان سے کچھ بھی پوچھنا مناسب نہ رہتا۔ مادی گرنے کے انداز میں دوبارہ لیٹ کر چھت کو گھورنے لگی اور اس الجھی ہوئی گتھی پر غور کرنے لگی۔ یہاں تک اس کا ذہن نیند کی گہرائیوں میں چلا گیا اور اسے پتا بھی نہیں چلا۔

☼ ☼ ☼

گہری نیند کے سائے تلے ثمینہ کئی سال پیچھے پہنچ گئی تھیں۔ وہاں جہاں ان کے ماضی کے اس انتہائی دردناک راز کی کڑیاں بکھری پڑی تھیں۔

انہوں نے دیکھا۔۔۔ درختوں میں گھرا ہوا کسی کھنڈر سے مشابہ ایک قدیم برآمدہ تھا۔ برآمدے کی سیڑھیاں گرد اور سوکھے پتوں سے اٹی ہوئی تھیں۔ سیڑھیوں سے آگے سرمئی پتھروں کی ٹوٹی پھوٹی روش تھی۔ درختوں کے تنے قد آور اور پتے گھنے ہوکر جھنڈ کی شکل اختیار کرگئے تھے۔ ان چوڑے اور گھنے پتوں سے کہیں کہیں آسمان جھانکتا تھا۔

روش جہاں ختم ہوئی تھی وہاں مدقوق جگت کا کنواں تھا جس کی گہرائی اور تاریکی کا احساس دور سے دیکھ کر بھی ہوتا تھا۔

برآمدے کے دائیں اور بائیں ہاتھ طویل راہداریاں تھیں اور عقب میں ایک بڑا سا دروازہ۔ سنسناتے ہوئے دھویں کے ساتھ ساتھ مظفران پر واضح ہو رہا تھا اور ثمینہ کا دل عجیب سا ہو رہا تھا۔

"میں پھر یہاں پہنچ گئی۔۔۔ یا کبھی یہاں سے جا ہی نہ سکی تھی۔"

ان کا دل لحظہ بہ لحظہ سہم رہا تھا۔ معاً بارش ہونے لگی۔ بالکل خاموشی سے پہلا قطرہ ان کی ناک پر گرا، دوسرا گال پر پھر تیسرا پھر جوتھا۔ ثمینہ نے سر اٹھایا۔ درختوں کے پتوں میں سے جھانکتے آسمان سے رات کی سیاہی کے ساتھ بارش بھی اتر آئی تھی۔

ثمینہ نے متعجب ہوکر ادھر ادھر دیکھا۔ وہ تو برآمدے میں کھڑی تھیں یہاں روش پر کیسے پہنچ گئیں۔ ابھی یہ الجھن نہ سلجھی تھی کہ کسی نے ان کو پکارا۔ ثمینہ سہم کر پلٹیں۔

ایک چھوٹی سی بچی ان کی طرف ہاتھ بڑھائے کھڑی تھی۔
"یہ لے لو۔۔۔ چاچا نے دیا تھا۔"
داہنی طرف سے ایک مردانہ آواز ابھری۔
"جاؤ چلی جاؤ۔۔۔ وہ تمہیں بھی مار دے گی۔" وہ درمیانی عمر کا اور چھوٹے قد کا مسکین سا آدمی تھا۔
"جاؤ چلی جاؤ۔۔۔ جاؤ۔۔۔ جاؤ۔" وہ چیختا ہوا ان کی طرف لپکا۔
"یہ لے لو۔۔۔ چاچا نے دیا تھا۔" وہ دونوں چیخنے لگے۔ ثمینہ ہراساں ہوتی پیچھے ہٹنے لگیں۔ بارش چوڑے پتوں پر تڑتڑ برس رہی تھی۔ معاً "جنت بی بی" ہوا کے جھونکے کی طرح ان پر جھپٹی۔ نفرت اور غصے نے اس کے نقوش مسخ کر دیے تھے۔ اس نے لوہے کی موٹی سلاخ سے ایک زوردار ضرب ثمینہ کی گردن پر لگائی۔ ثمینہ کے حلق سے ایک چیخ برآمد ہوئی۔
اور ان کی آنکھ کھل گئی۔
ان کے جسم پر لرزہ طاری تھا اور خوف و دہشت سے دل اور آنکھیں پھٹنے کے قریب ہو رہے تھے۔ چند منٹ انہیں خوف کی اس کیفیت پر قابو پانے میں لگے پھر مضمحل انداز میں انہوں نے ادھر ادھر دیکھا۔
شاید ابھی بھی بارش ہو رہی تھی۔ بادلوں سے ڈھکا آسمان کھڑکی پر جھکا ہوا تھا۔ لاؤنج میں زیرو پاور کی نیلگوں روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ ماوی لحاف گردن تک اوڑھے بے سُدھ سو رہی تھی۔ ان کا لحاف ٹانگوں سے پھسلتا کارپٹ پر جا گرا تھا۔
ثمینہ تھکے تھکے انداز میں سر کرسی پر ٹکا کر ستانے لگیں۔
ایسے خواب انہیں اکثر آتے تھے لیکن ہر بار وہ حویلی کے کسی مختلف حصے میں ہوتیں۔ البتہ ہر بار کوئی انہیں کچھ دینے کی کوشش کرتا۔ کوئی حویلی سے جانے کو کہتا پھر جنت بی بی ان پر جھپٹتی اور ان کی آنکھ کھل جاتی۔ حویلی چھوڑ دینے کے بعد پہلے پہل انہیں ایسے ڈراؤنے خواب تواتر سے آتے رہے پھر جوں جوں وہ حویلی سے دور اس دوسری زندگی میں گھلنے ملنے لگیں خوابوں کے تواتر میں کمی آگئی۔ کبھی ایسا ہوتا رجب کی یاد کے ساتھ یہ خواب مشروط ہو جاتے اور اب تو بہت عرصہ بعد ان ڈراؤنے خوابوں کا سلسلہ شروع ہوا تھا جس کی ایک واحد وجہ یہی تھی کہ بڑی مدت بعد اس زندگی کی یاد نے ان کے ذہن کو جکڑ لیا تھا۔
دیر اسی طرح بیٹھی رہیں پھر ماوی پر ایک نظر ڈال کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔ وہ گہری نیند سو رہی تھی اور اس کے بیدار ہونے تک ثمینہ کو انتظار کرنا تھا۔

☆ ☆ ☆

دروازہ آہستگی سے کھول کر انیباء اندر داخل ہوئی۔ ثروت بیڈ پر بیٹھی قدرے بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ انیباء بے ساختہ ان سے لپٹ گئی۔
"ممی!۔۔۔" اور رونے لگی۔
"کیسی ہے میری گڑیا!" ثروت نے خوشی سے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ بیٹی کی شکل دیکھتے ہی ان کی پژمردگی چھٹ گئی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے نرس ان کی ڈرپ اتار کر تھوڑا ٹہلنے کی تاکید کر گئی تھی۔ اس پرائیویٹ روم میں دو بڑی بڑی کھڑکیاں تھیں جن سے صبح کی چمکیلی کرنیں کمرے کے فرش تک آ رہی تھیں۔
"آپ کیسی ہیں ممی!۔۔۔ کیا ہوا ہے آپ کو؟" دیر تک رونے کے بعد اس نے سر اٹھا کر پوچھا۔ سفر کی تھکان اور آنسوؤں نے اسے مضمحل کر دیا تھا۔ ثروت نے پیار سے اس کی پیشانی سے بال ہٹائے۔

"مجھے کچھ نہیں ہوا۔ بالکل ٹھیک ہوں اور اب تو میری بیٹی آ گئی ہے۔ اب تو میں بالکل ہی ٹھیک ہو گئی ہوں۔" صاف لگ رہا تھا وہ اسے ٹال رہی ہیں۔
"اگر آپ ٹھیک ہیں تو ہسپتال میں کیوں ہیں؟" اس نے ناراضی سے پوچھا۔
"بلڈ پریشر اچانک بہت لو ہو گیا تھا۔ ذرا سا سر چکرایا تو بھائی جان ہسپتال لے آئے اور ہسپتال میں تو ڈاکٹرز کو موقع چاہیے ہوتا ہے کہ معمولی معمولی بیماریوں پر لوگوں کو دھڑا دھڑ ایڈمٹ کریں۔ مجھے بھی فالتو بیڈ پر لٹا کر دو چار ڈرپس لگا دیں۔" وہ برا پر سکون ہو کر بول رہی تھیں۔
انیباء نے بغور انہیں دیکھا۔ اسے ان کی بات کا اعتبار ہرگز نہیں تھا لیکن یہ وقت جرح کے لیے بھی ہرگز مناسب نہ تھا۔ وہ دوبارہ ان سے لپٹ گئی۔
"میں بہت ڈر گئی تھی۔" اس کی آواز آنسوؤں سے بھیگی ہوئی تھی۔
"میری گڑیا۔" ثروت نے خوب زور سے اسے گلے لگا لیا تھا۔
"اس گڑیا کے ساتھ دو گندے بھی آئے ہیں۔ تھوڑا سا دھیان ان کی طرف بھی دے لیں ممی!" یہ ولید کی آواز تھی۔ دو بند آنکھوں سے بھی پہچان گئی تھیں۔ ثروت نے آنکھیں کھولیں اور ان دونوں کی پیشانیوں پر بھی پیار کیا۔
"میں تم لوگوں کو اچانک دیکھ کر اتنی خوش ہوں کہ بیان بھی نہیں کر سکتی۔" ثروت واقعی بہت خوش لگ رہی تھیں۔
"ہم کل رات میں ہی یہاں پہنچ گئے تھے اور اسی وقت آپ کے پاس آنا بھی چاہ رہے تھے لیکن ماموں نے منع کر دیا کہ اس وقت وزیٹرز الاؤ (Allow) نہیں ہیں۔۔۔ ورنہ ہم تو رات کو ہی آ جاتے۔"
"اور مجھے پتا ہوتا ثروت تم لوگوں کو دیکھ کر اتنی فریش ہو جائے گی تو رات کو ہی یہاں لے آتا۔" ثروت کے بڑے بھائی سعود اندر داخل ہوتے خوشگوار یت سے بولے۔ ثروت نے دیکھا ان کے ہمراہ دانیال حسن بھی تھے گو کہ وہ فکر مند تھے اور فکر مندی ان کے چہرے سے جھلک بھی رہی تھی لیکن ثروت سے نظریں ملتے ہی انہوں نے نگاہ پھیر لی۔
"ہم ڈاکٹر سے بات کرنے رک گئے تھے لیکن ڈاکٹر جبار کے آنے میں ابھی ٹائم ہے۔ کیا خیال ہے بچو! تب تک ناشتہ یہیں نہ منگوا لیا جائے؟"
سعود بھائی نے گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے پوچھا۔ ان کے ایک بہترین دوست اس ہسپتال کے ایگزیکٹو ڈائریکٹر تھے۔ اسی لیے انہیں یہاں وہ سہولیات میسر تھیں جو دیگر مریضوں کو حاصل نہ ہو سکتی تھیں۔

☆ ☆ ☆

ماوی کی آنکھ دن چڑھے کھلی تھی۔
بڑی سی کھڑکی سے ابر آلود لیکن روشن دن جھانک رہا تھا۔ لاشعوری طور پر ماوی کی دوسری نگاہ آرام کرسی کی طرف اٹھی پھر سرعت سے اس نے کچن کی طرف دیکھا۔ ثمینہ وہاں بھی نہیں تھیں۔
ماوی کسی خدشے کے تحت سرعت سے اٹھ کر بیڈ روم میں گئی۔ وہاں بھی ثمینہ کی غیر موجودگی نے اسے پریشان کر دیا تھا۔ اسی تیزی سے وہ برآمدے میں کھلنے والی جالی کا دروازہ دھکیل کر باہر نکلی۔ جھولے پر بیٹھی ثمینہ کو دیکھ بے ساختہ اس کے لبوں سے پر سکون سانس خارج ہوئی تھی۔

"گڈ مارننگ ماوی!" ثمینہ نے ذرا سی گردن موڑ کر اسے دیکھا اور مسکرا کر کہا۔ وہ اسے اکثر ماوی کے بجائے "ماوی" کہہ کر پکارتی تھیں۔ رات کے مقابلے میں وہ بے حد پرسکون دکھائی دے رہی تھیں۔ انہیں اس طرح دیکھ کر ماوی کو بھی سکون محسوس ہوا تھا۔

"گڈ مارننگ ممی!" اس نے جمائی لیتے ہوئے کہا۔ "مجھے جگا دیا ہوتا۔ میں بہت دیر تک سوئی۔" دیر تک سونے سے اس کی آواز بوجھل ہو رہی تھی۔

"پھر تم میرا ماتھا کھاتیں کہ جلدی جگا دیا۔ اب میرے سر میں درد ہے۔" ثمینہ نے خوش دلی سے اس کا محبوب جملہ دہرایا تھا۔ ماوی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ سارے بال سمیٹ کر کلائی میں پہنا ربینڈ ان پر چڑھاتی واپس پلٹنے لگی۔

"ناشتہ بناؤں؟"

"شیور۔" دروازہ کھلا اور بند ہو گیا۔ بیس پچیس منٹ بعد وہ کپڑے بدل کر جب کچن میں آئی ثمینہ ناشتے کے لوازمات ڈائننگ ٹیبل پر رکھے نظر کا چشمہ لگائے اخبار پڑھنے میں مصروف تھیں۔

ماوی نے کرسی گھسیٹتے ہوئے چپکے سے لیکن بغور ان کا جائزہ لیا۔ پچھلی رات کا کوئی شائبہ ان کے چہرے پر دکھائی نہ دیتا تھا۔

فریش اورنج جوس، دودھ، کارن فلیکس اور ثمینہ کے سامنے چائے کے مگ کے ساتھ براؤن بریڈ کا سلائس رکھا تھا۔

ماوی نے جوس کا گلاس اٹھا لیا۔

"فیضان کا فون آیا تھا۔" ثمینہ نے بتایا۔ "تمہارا پوچھ رہا تھا۔"

ماوی گلاس خالی کر کے کارن فلیکس کا باؤل کھولنے لگی۔ اس نے جیسے ثمینہ کی بات سنی ہی نہیں تھی۔

"رات کے طوفان نے بہت تباہی مچائی۔ پتا نہیں انہوں نے اپنے لان کا حال دیکھا ہے یا نہیں؟"

ماوی نے کارن فلیکس باؤل میں ڈالے پھر ان پر دودھ ڈالنے لگی۔ وہ گاہے بہ گاہے ثمینہ پر نظریں ڈالتے ہوئے رات والا موضوع چھیڑنے کے لیے پر تول رہی تھی۔

دونوں کچھ دیر خاموش رہیں پھر بالآخر ماوی نے بات شروع کرنے کی ٹھانی۔

"ممی! آپ نے مجھے پاپا کی ڈیتھ کے متعلق نہیں بتایا۔ آئی مین آپ نے تو کہا تھا کہ انہیں کسی نے قتل کر دیا تھا؟" وہ نظر نظر کر بول رہی تھی جیسے الجھن میں ہو۔

"نہیں میں نے ایسا کچھ نہیں کہا تھا۔" ثمینہ نے اخبار کا صفحہ پلٹتے ہوئے کہا۔ "میں نے کہا تھا تمہارے پاپا کو کسی نے نہیں بلکہ جنت بی بی نے قتل کیا تھا اور اب میں چاہتی ہوں تم حویلی جاؤ اور اپنے پاپا کے قاتل کے خلاف ثبوت لے کر آؤ۔"

ثمینہ نے اطمینان سے کہا۔ ماوی کا منہ دودھ میں بھیگے کارن فلیکس سے بھرا ہوا تھا۔ ماں کی بات کا مفہوم سمجھتے ہی یکدم اس کے حلق میں پھندا لگ گیا تھا اور وہ بری طرح کھانسنے لگی تھی۔

(باقی آئندہ ماہ انشاء اللہ)























اصنر ریاض

سیاہ شام

دین محمد مٹی سے محبت کرنے والا جفاکش مرد ہے۔ دھرتی کو اپنے خون جگر سے سونا اگلنے کے قابل بنانا اس کا پیشہ ہے۔ اس کی پوری زندگی محنت سے عبارت ہے' جو وہ اپنے چھ مرلے زمین پر صرف کرتا ہے۔ شادی کو آٹھ سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ اپنے چھوٹے سے گھر میں وہ بیوی زہرہ اور ماں کے ساتھ رہتا ہے۔ زہرہ چھ مردہ بچوں کو جنم دے کر ایک مرتبہ پھر امید سے ہے۔ دین محمد کا رواں رواں اولاد کی خوش خبری پانے کے لیے مجسم دعا بن چکا ہے۔ اس کی دعائیں مستجاب ٹھہرتی ہیں اور اس کے ہاں ایک خوب صورت بچی جنم لیتی ہے۔ اسے وہ اپنی "جنت" کے نام سے مخاطب کرتا ہے۔

جلال الدین کے روز و شب نوکری کی چکی میں پستے گزر رہے ہیں۔ اس نوکری کے دوران اسے آرام کرنے کا موقع بھی کم ملتا ہے۔ اپنے مستقبل کا خواب اسے متحرک رکھتا ہے۔ تنہائی میں کسی کی محبت کا جگنو اس کی دنیا آباد رکھتا ہے۔ ہر دم "اس" کی یاد میں اسے بے چین رکھتی ہیں۔ دن بھر کا تھکا ہارا وہ آرام کرنے لیٹتا ہے تو پولیس اسٹیشن سے اطلاع ملتی ہے کہ جنت بی بی ان کی حراست میں ہے' جس کا دعوا ہے کہ اس نے اپنے شوہر کا قتل کیا ہے۔ جلال الدین اپنے وکیل دوست مسعود کے ساتھ بھاگم بھاگ پولیس اسٹیشن پہنچتا ہے اور ثبوت دیکھتا ہے کہ جنت بی بی فریبیا کی مریض ہے' جس کی شادی ابھی ہوئی تک نہیں۔ جنت کی حالت جلال الدین کو اعصابی تحکن کا شکار کرنے لگتی ہے۔ جسے اس نے نوکروں کے سہارے علیحدہ گھر میں رکھ چھوڑا ہے۔

ثمینہ 14 سال بعد اپنی بیٹی ماہی کے ساتھ آسٹریلیا سے پاکستان آتی ہیں تو انہیں توقیر صاحب کے بنائے گئے بنگلے کو طلاشدہ میں بہت وقت لگتا ہے۔ وہ فیض کے دوست توقیر صاحب کے توسط سے دانیال کی ایکسی میں ٹھہرتی ہیں۔ ثروت دانیال ملنسار اور محبتی خاتون ہیں۔ ولی ولید اور انیہا ان کے بچے ہیں۔ ماہی کی پہلی ملاقات میں انیہا سے دوستی ہو جاتی ہے۔

شبیہ العباس طیفا "سخت گیر اور غصہ ور نوجوان ہے' جسے صنف نازک کا غیر ضروری ہنسنا بھی ناگوار گزرتا ہے۔ وہ



چھپی زاد تنوی سے منسوب ہے۔ تنوی اس کی تند خو طبیعت سے سخت نالاں ہے۔ شبیہہ "تنوی کو کالج چھوڑنے آتا ہے تو سہیلیاں عبیر اور نمو تنوی کے سر ہو جاتی ہیں۔ یہ جان کر کہ شبیہہ "تنوی کا منگیتر ہے" وہ اس کی قسمت پر رشک کرتی ہیں۔ تنوی دونوں سے گزارش کرتی ہے کہ عروش کو اس بات کا علم نہ ہو۔

شبیہہ العباس "ثروت دانیال کی اولاد ہے" ننھے انہیں دانیال حسن سے شادی سے پہلے چھوڑ آیا تھا۔ بچپن کی محرومی نے اسے بدمزاج اور غصیلا بنا دیا۔ وہ انیہا اور ولید سے بہت ترشی سے پیش آتا ہے۔ وہ ان سے بحیثیت بہن بھائی قطعی تعلقات محسوس نہیں کرتا۔ انیہا اس کی محرومی دل سے محسوس کرتی ہے۔ انیہا پر بری نظر ڈالنے پر وہ بے ڈی کے دوست سعدی کو پیٹ ڈالتا ہے۔ صرف بے ڈی اس کی کیفیات سمجھتا ہے۔

بیمار پڑنے پر بیگم دانیال "ثمینہ کی اچھی طرح دیکھ بھال کرتی ہیں تو ثمینہ ان کے اخلاق سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتیں۔ انہیں بیگم دانیال کو دیکھ کر لگتا ہے کہ وہ پہلے ان سے مل چکی ہیں۔

بچوں کی لڑائی میں جنت کو چوٹ لگتی ہے تو دین محمد اپنی بہن زبیدہ کے بیٹے فاروق کا حلیہ بگاڑ دیتا ہے۔ ساتھ ہی زبیدہ بہن اور رفیق بھائی سے قطع تعلق کر لیتا ہے۔ زہرہ اس کی جنت سے طوفانی محبت سے خوف زدہ ہے۔ دین محمد "زہرہ کو باور کرواتا ہے کہ وہ جنت کو بیاہ کر دوسرے گھر نہیں بھیجے گا۔ بلکہ اس کے شوہر کو گھر داماد بنائے گا۔

اتفاقاً "مامی کا ٹکراؤ شبیہہ سے ہوتا ہے جس سے مامی کا پیر زخمی ہو جاتا ہے۔ اپنی غلطی کے باوجود جھلاہٹ میں شبیہہ مامی کو بری طرح سے ڈانٹتا ہے تو مامی اس کی طبیعت صاف کر دیتی ہے۔ ثمینہ سے وہ اس واقعے کا ذکر نہیں کرتی۔ ثمینہ کا روڈ ایکسیڈنٹ ہوتا ہے تو بے ڈی عین موقع پر ان کی بہت مدد کرتا ہے۔ مامی اور فیضان اس پر بے ڈی کے مشکور ہیں "لیکن وہ اپنا بدلہ لیے بغیر چلا جاتا ہے۔ جس پر ثمینہ کو بہت افسوس ہوتا ہے۔ اتفاقاً" ان کی بے ڈی سے دوبارہ ملاقات ہوتی ہے۔ ثمینہ اسے گھر بلاتی ہیں۔ ثمینہ "ثروت کو بتاتی ہیں کہ ان کے شوہر رجب کا بے رحمی سے قتل ہوا تھا اور یہ بات مامی کے علم میں نہیں ہے۔ یہ جان کر انہیں رنج ہوتا ہے۔ شبیہہ کو بے ڈی کا اپنی ماں اور ثمینہ سے "گفتگو کرنا پسند نہیں" جس پر وہ بے ڈی کو تنبیہہ بھی کرتا ہے۔

انیہا دل ہی دل میں فیضان کو چاہتی ہے۔ ثروت کے پہلے شوہر سے نسبت کے باعث دانیال صاحب ثمینہ کی فیملی کو پسند نہیں کرتے۔ مامی "ان کی دلچسپی بھانپ لیتی ہے اور فیضان ماما سے رائے لینے کی کوشش کرتی ہے تو فیضان اسے جھڑک دیتے ہیں۔ بھائیوں پر بار نہ پڑے اس لیے ثمینہ "مامی کو پاکستان میں مزید پڑھنے کی اجازت دے دیتی ہیں۔ عبیر "نمو اور تنوی کو عروش کی غیر اخلاقی اور جرائم پیشہ سرگرمیوں کے متعلق بتاتی ہے تو نمو ناراض ہو جاتی ہے۔ عبیر کو اپنی جلد بازی پر افسوس ہوتا ہے "وہ عروش کے متعلق ثبوت اکٹھا کرنا چاہتی ہے۔

زہرہ کی اچانک موت کو محض جنت کے کہنے پر دین محمد "بہن زبیدہ کے سر ڈالتا ہے تو سب برادری والے بھی حق دق رہ جاتے ہیں۔ دین محمد کی ماں پڑوسن کے کہنے پر جنت کو پیر صاحب کے پاس لے کر جاتی ہے تو جنت یہ بات بڑھا چڑھا کر دین محمد کو بتاتی ہے۔ وہ ماں کو بہن زبیدہ کے یہاں ہمیشہ کے لیے بھیجنے کا فیصلہ سناتا ہے تو ماں "رو" رو کر اسے اس فیصلے سے باز رکھنے کی کوشش کرتی ہے۔ بہت مشکل سے دین محمد راضی ہوتا ہے۔ دین محمد کے رویے سے جنت کے اندر پنپنے والی منفی شخصیت اور ابھر رہی ہے۔

دین محمد کی بہن زبیدہ کا بیٹا فاروق گاؤں میں آتا ہے تو جنت اسے پسند کرنے لگتی ہے۔ وہ اسے اپنی طرف راغب کرنے کی کوشش کرتی ہے "لیکن فاروق اسے دھتکار دیتا ہے اور اس کے باپ سے جنگ آمیز انداز میں شکایت کرتا ہے۔

دین محمد "جنت کو اپنی سب سے چھوٹی بیٹی کو مارتے دیکھ لیتا ہے۔ اسے شدت سے احساس ہوتا ہے کہ اس نے جنت کی تربیت میں کوتاہی کی ہے۔

ثروت "دانیال حسن کے ہر وقت کے شک سے تنگ آ کر میکے چلی جاتی ہیں۔ انیہا اور ولید کو اپنے والدین کے درمیان کھنچاؤ کا کچھ کچھ اندازہ ہے۔ دانیال حسن "ثروت کو فون کر کے علیحدگی کی بات کرتے ہیں۔ ثروت کی طبیعت خراب ہو گئی اور انہیں اسپتال میں داخل ہونا پڑا۔

ثمینہ "مامی کے سامنے ماضی کے اوراق پلٹتی ہیں۔ وہ اسے بتاتی ہیں کہ جلال اور شبیہہ العباس "مامی کے رشتے دار ہیں اور یہ کہ مامی کے باپ "رجب کو جنت بی بی نے قتل کیا تھا۔ ثمینہ "مامی پر زور دیتی ہیں کہ وہ حویلی جا کر جنت بی بی سے انتقام لے۔

ثمینہ نے بتایا۔ رجب کے مرنے کے بعد جنت بی بی نے ان کے سامنے رجب کی وصیت رکھ دی۔ جس میں انہوں نے اپنی ساری جائیداد جنت بی بی کی سرپرستی میں دے دی تھی۔ وہ ساری جائیداد اٹھارہ برس کی عمر ہونے کے بعد رجب کی بیٹی یعنی مامی کو منتقل ہونا تھی۔ یہ تو حقیقت تھی کہ وصیت جعلی تھی لیکن ثمینہ کے اس وقت حالات ایسے نہ تھے کہ وہ جنت کو چیلنج کر سکتیں۔ وہ خاموشی سے حویلی چھوڑ کر اپنے بھائی فیاض کے ساتھ گئیں۔

بعد میں ایک دن جنت بی بی ثمینہ سے ملنے آئی اور انہیں مجبور کیا کہ وہ اس کے بڑے بیٹے سے شادی کر لیں۔ جو ذہنی معذور تھا۔ ثمینہ نے انکار کر دیا۔ تب جنت نے بتایا کہ وہ رجب کی ساری جائیداد اپنے نام کرا چکی ہے۔ ساتھ اس نے انکشاف کیا کہ رجب کو اس نے زہر دے کر مارا ہے۔

ثمینہ نے کہا کہ مامی آرمش میچیل ہے۔ جنت اس کو ہاتھ بھی نہیں لگا سکتی۔ ایسی حرکت میں آجائے گی۔

ثمینہ نے مامی سے کہا "وہ اس کی شادی جلال سے طے کر چکی ہیں۔ اسے جلال سے نکاح کرنا ہوگا تاکہ حویلی جا سکے۔ انہوں نے کہا اپنا مقصد حاصل ہونے کے بعد مامی جلال سے خلع لے لے تاکہ شہوز سے شادی کر سکے۔ شہوز کو کچھ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔

مامی نے انکار کیا تو ثمینہ نے خواب آور گولیاں کھا کر خودکشی کی کوشش کی۔

۱۸
اٹھارہویں قسط

خاموش شام چپ چاپ دھرتی پر اتر آئی تھی۔

یہ اوائل اکتوبر کے دن تھے۔ خزاؤں میں نامانوس سی اداسی رچی بسی محسوس ہوتی تھی۔ پچھلے دو روز سے برسنے والی بارشوں نے خنکی بھی بڑھا دی تھی۔

کبھی کبھی ہوا چلتی تو ہاتھ پیروں میں سنسنی سی دوڑا دیتی تھی۔

مامی نے سر اٹھا کر دیکھا۔ ہسپتال کی عمارت پر جھکا ہوا آسمان بھی ایک گہرے سناٹے کی زد میں لگتا تھا۔ خود اس کے دل کی بھی عجیب حالت تھی ایسے جیسے ہر طرف محض سناٹا ہو "خاموشی ہو۔ سوچنے سمجھنے کے لیے کچھ بھی نہ ہو۔

وہ جانے کب سے ہسپتال کے اس کاریڈور میں کھڑی تھی "بالکل سامنے لان تھا۔ اپنے ملگجے ٹراؤزر" شرٹ پر اس نے گرم چادر اوڑھ رکھی تھی اور پیروں میں گھیلے سے سلیپر تھے۔ ممی کو ایسی افراتفری میں ہسپتال لانا پڑا کہ اسے اپنا حلیہ درست کرنے کی مہلت بھی نہ مل سکی تھی۔ الجھے ہوئے بالوں کو اوپر سے سمیٹ کر کیچر میں کیپٹر رکھا تھا جس سے دو چار لٹیں نکل کر اس کے چہرے کے اطراف میں بکھری ہوئی تھیں۔

خدا معلوم وہ کتنی دیر اسی طرح بے مصرف کھڑی رہی پھر اسٹاف نرس کے پکارنے پر پلٹی۔

"آپ کو ڈاکٹر صاحب آفس میں بلا رہے ہیں۔"

مامی نے آہستگی سے سر اثبات میں ہلایا اور اس کے پیچھے چل دی۔ ڈاکٹر کے پاس تسلی آمیز باتیں تھیں۔ مامی نے سب خالی الذہنی کی کیفیت میں سنا۔

"ممی کب تک ہوش میں آجائیں گی؟"

"معدہ تو ہم نے واش کر دیا ہے۔ یعنی آپ کی مدر اب خطرے سے باہر ہیں لیکن ہوش میں آنے میں انہیں کم

سے کم تو اور زیادہ سے زیادہ بارہ گھنٹے تو لگ ہی سکتے ہیں۔" اس نے ایک بار پھر آہستگی سے سر ہلایا اور کرسی گھسیٹ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

چند منٹ بعد وہ ممی کے سرہانے کھڑی انہیں بغور دیکھ رہی تھی۔ وہ بے سُدھ پڑی تھیں اور رنگت بے حد زرد معلوم ہو رہی تھی۔

یہ تھی اس کی ماں جس نے اپنی ضد منوانے کے لیے وہ انتہائی قدم اٹھالیا تھا جس کے بعد ماوی مسلسل ضمیر کی عدالت میں کھڑی تھی۔

ایک خلش کوئی بوجھ سا آگیا تھا دل پر اور سمجھ تو جیسے بالکل ہی جواب دے چکی تھی۔ ممی کی ضد کے آگے وہ بھلے ہی مجبور نہ ہوتی لیکن اس اقدام نے اسے بالکل ہی مغلوب کر دیا تھا۔ دنیا میں کوئی ایسا انسان نہیں تھا جو اسے اپنی مرضی کے برخلاف کوئی کام کرنے پر مجبور کر سکے سوائے ممی کے اور اسی ایک انسان نے بالآخر اسے قائل کر ہی لیا تھا۔

"ممی! میں نہیں جانتی آپ نے جو داستان مجھے سنائی وہ صحیح ہے یا غلط۔۔۔ اس میں سچ اور جھوٹ کا تناسب کتنا ہے۔ بابا کی موت فطری تھی یا انہیں قتل کیا گیا تھا۔۔۔ اور یہ بھی نہیں کہ وہ عورت اتنی ہی بری ہے جتنا آپ بتاتی ہیں یا اس سے کچھ کم زیادہ۔۔۔ میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ آپ اپنے ہاتھوں سے مجھے موت کے منہ میں دھکیل رہی ہیں۔ میں یہ بھی جانتی ہوں جن سکیورٹیز کا آپ نے مجھے بہلاوا دیا ہے ان کی حیثیت محض ہوا میں محل بنانے سے زیادہ کچھ نہ ہوگی۔ لیکن اب میں وہی کروں گی جو آپ چاہتی ہیں کیونکہ آپ کو کھونے کا حوصلہ میرے اندر نہیں ہے۔"

اسی نے کرسی گھسیٹ کر بیڈ کے قریب کی اور دونوں بازوؤں کے سرہانے پر سر ٹکا کر آنکھیں موندلی تھیں۔

"میں اس حویلی میں ضرور جاؤں گی اس لیے نہیں کہ مجھے اپنے بابا کے قاتل کا سراغ مل جائے یا ان کے حصے کی جائیداد ملے۔ میں صرف اس لیے اس حویلی میں جانا چاہتی ہوں تاکہ اس عورت سے مل سکوں۔ جس نے آپ کی نفسیات میں اپنے ناروا رویوں سے اتنی گرہیں لگادیں کہ میں انہیں چاہ کر بھی نہیں کھول پا رہی۔ کیونکہ یہ کوئی عام گرہیں نہیں ہیں یہ نفسیاتی الجھاوے ہیں۔۔۔ مجھے افسوس ہے کہ اس عورت نے آپ کو نفسیاتی مریضہ بنا دیا۔۔۔ کاش ایسا نہ ہوا ہوتا۔"

وہ دیر تک دل ہی دل میں ثمینہ سے مخاطب رہی تھی۔

"تم گاؤں سے جلدی واپس آگئے۔۔۔ میرا خیال تھا ہفتہ دس دن تو رکو گے۔" اس روز لنچ کے دوران شبیہہ نے جلال سے پوچھا تھا۔

"ہاں۔۔۔ میرا ارادہ تو یہی تھا لیکن۔" جلال نے اس آخری لفظ کو پُرسوچ انداز میں کچھ زیادہ ہی لمبا کر دیا تھا۔ وہ تو ابھی تک شبیہہ کو بھی ماوی کے متعلق اپنے خیالات نہیں بتا سکا تھا کجا کہ والدین اور دادی سے اس متعلق بات کرنا۔ کچھ اس کی کم ہمتی۔۔۔ کچھ گھر کا سخت ماحول۔

جتنے دن حویلی میں رکا منصوبے بناتا رہا اور پھر تھک ہار کر واپس آگیا۔ کس بات کی جلدی تھی اسے کہ گھر والوں کو اپنی پسند سے اتنی جلدی آگاہ کیا جاتا۔ اس سے بڑے بھائی موجود تھے اور ان کی شادی سے پہلے اس کی شادی کا ذکر بے جا ہوتا۔

"لیکن کیا؟" شبیہہ نے ابرو اچکا کر اسے دیکھا۔ "پھر کسی دوست کا فون آگیا ہوگا کہ اسے اپنی کسی مشکل میں تمہاری اشد ضرورت ہے اور تم بھاگے بھاگے واپس آگئے ہوگے۔" اس نے شرارت بھرے انداز میں جتایا جلال

زور سے ہنس دیا۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں کسی دوست کے لیے جلدی واپس نہیں آیا۔ اپنے لیے آیا ہوں۔"

"اس بات پر یقین تو نہیں آرہا۔ لیکن خیر تم کہتے ہو تو مان لیتا ہوں۔" شبیہہ کا انداز سابقہ تھا' جلال محض مسکرا دیا۔

"حویلی میں سب کیسے ہیں؟ دادو کی طبیعت کیسی ہے۔"

"سب ٹھیک ہیں۔۔۔ دادو کی طبیعت بھی اب بہتر ہے۔۔۔ بلکہ بالکل ٹھیک ہیں۔" جلال نے تسلی آمیز انداز میں کہا تھا۔

"ہوں۔۔۔" شبیہہ نے پانی کا گلاس لبوں سے لگاتے ہوئے پل بھر کے لیے اسے دیکھا۔ "تمہاری غیر موجودگی میں وہ بھی آئی تھیں۔" اس کا انداز کچھ جتانے آمیز تھا۔ اس کے انداز میں کچھ خاص تھا۔

"کون؟" جلال نے کچھ چونک کر اسے دیکھا۔ شبیہہ دل جمعی سے کھانا کھا رہا۔ جلال کو اس کی خاموشی کھلی تھی۔

"کس کی بات کر رہے ہو؟"

"بابا کی ایکس وائف۔" اس نے دھیمی آواز میں چند منٹ بعد کہا تھا۔

"ثروت آنٹی آئی تھیں؟" جلال کے لیے یہ خبر کچھ غیر متوقع تھی۔

"اور تم نے یقیناً" ان سے مس بی ہیو کیا ہوگا؟" جلال نے پُریقین انداز میں کہا وہ تو جیسے شبیہہ کی رگ رگ سے واقف تھا۔

شبیہہ نے اثبات میں گردن ہلادی۔

"شاباش۔۔۔ مجھے تم سے یہی امید تھی۔" جلال نے بے ساختہ کہا۔ شبیہہ نے بے زاری سے چمچ رکھ کر کرسی کی پشت سے کمر ٹکالی۔

"میں نے ارادی طور پر کچھ نہیں کہا جلال!۔۔۔ بس پتا نہیں انہیں سامنے دیکھ کر مجھے کیا ہو جاتا ہے۔" اس کے انداز میں ندامت بھی تھی' بے زاری بھی۔

"غلطی میری نہیں ہے۔ انہیں تنہا ہی نہیں جانا چاہیے تھا۔"

"تو اس میں نئی بات کون سی ہے؟ تمہاری غلطی تو کبھی بھی نہیں ہوتی۔۔۔ کسی بھی معاملے میں نہیں۔" جلال نے سلگ کر کہا۔

"اچھا اب تم مجھے شرمندہ کرنے کی کوشش مت کرو۔ میں پہلے ہی بہت گلٹی فیل کر رہا ہوں۔ خامخواہ اپنا ٹیمپر لوز کیا۔ خیر متعلقہ لوگوں پر اپنا غصہ بھی ضائع نہیں کرنا چاہیے۔"

اس کا مزاج عود کر آیا تھا۔ جلال نے اسے غضب ناک نظروں سے گھورا لیکن اس موضوع کو کسی اور وقت تک کے لیے ٹال دیا۔

"منوی تمہارا پوچھ رہی تھی۔"

"اچھا۔"

"گفٹ بھجوایا ہے اس نے تمہارے لیے۔ اندر بیڈ روم میں رکھا ہے لے لینا۔"

"اس۔" شبیہہ حیران ہوا۔ "یہ ان محترمہ کو کیا سوجھی؟"

"اسی سے پوچھ لینا۔"

"ہاں۔ پوچھوں گا۔"

"اب اس کی کلاس نہ لینا شروع کر دینا اتنی سی بات۔۔۔ خود تمہیں تو کبھی توفیق ہوتی نہیں اسے کوئی تحفہ دینے کی۔ اس نے ہمت کر لی ہے تو باتیں نہ سنانا اسے۔" جلال کا انداز کچھ ایسا تھا' شبیہہ کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی پھر کچھ یاد آنے پر بولا۔

"ہائی داوے۔۔۔ تمہاری وہ دوست بھی آئی تھیں؟"

"کون؟"

"وہ لڑکی۔۔۔ کیا نام ہے اس کا۔۔۔ وہ جو بہت بدتمیز ہے۔ پتا نہیں ایسی لڑکیوں کو تم دوست بھی کیسے بنا لیتے ہو۔" اس کے انداز میں سخت ناپسندیدگی تھی۔ جلال فوراً سمجھ گیا۔

"ماوی آئی تھی؟"

"ہاں تمہارا کانٹیکٹ نمبر مانگ رہی تھی۔"

"پھر تم نے دیا؟" جلال نے بے قراری سے پوچھا تھا۔

"نہیں۔" وہ چڑ کر بولا۔ "مجھے تم پر بہت غصہ ہے جیڈی! ساری زندگی میں ایک لڑکی سے دوستی کی بھی تو کس سے۔۔۔ ماوی زمانے بھر کی بدتمیز اور منہ پھٹ لڑکی۔ زہر لگتی ہیں ایسی اوور کانفیڈنٹ لڑکیاں۔" اس کا انداز ہنوز تھا۔

"خیر۔ اب اتنی بھی بری نہیں ہے وہ۔" جلال نے فوراً کہا تھا۔ شبیہہ بغور اسے دیکھنے لگا۔ جلال گڑبڑا گیا۔

"ایسے کیوں دیکھ رہے ہو؟"

شبیہہ نے نفی میں سر ہلایا اور اپنی پلیٹ پر جھک گیا۔

"یہ ماوی والے سلسلے میں میری خاک مدد کرے گا۔ رشتہ طے ہونے لگا تو سب سے پہلے یہی مخالفت میں کھڑا ہو جائے گا۔" جلال فکرمندی سے سوچ رہا تھا۔ "اور مجھ سے غلطی ہوئی۔ گاؤں جانے سے پہلے ماوی کو انفارم کر دینا چاہیے تھا۔ نہ وہ یہاں آتی نہ شبیہہ کھٹکتا۔" اسے یہی سوچ لاحق تھی۔

☆ ☆ ☆

کھڑکی سے آنے والی چمکیلی دھوپ نے کمرے میں روشنی بکھیر رکھی تھی۔

ثمینہ چپ چاپ بیڈ پر لیٹی چھت کی طرف دیکھ رہی تھیں' تقریباً تین گھنٹے پہلے انہیں ہوش آچکا تھا لیکن وہ نقاہت کے زیر اثر تھیں۔ اس کے باوجود گاہے بگاہے ماوی پر نظریں ڈال لیتی تھیں وہ صوفے پر بیٹھی تھی اور بے حد سنجیدگی سے تازہ اخبار کے مطالعے میں مصروف تھی اس وقت سے اس نے کوئی بات نہیں کی تھی نہ ہی ثمینہ کو ان کی غلطی کا احساس دلایا تھا۔ وہ بس خاموش تھی اور اس کی یہی خاموشی ثمینہ کو مستقل وسوسوں میں مبتلا کیے دے رہی تھی۔ اسی وقت ادھ کھلے دروازے پر دستک دے کر نرس اندر داخل ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں دواؤں کی ٹرے تھی وہ سیدھی ثمینہ کی طرف آئی اور ٹرے سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر انجکشن تیار کرنے لگی۔

"ایکسکیوزمی سسٹر! آیا ڈاکٹر شجاع آن ڈیوٹی ہیں؟" ماوی نے اخبار سمیٹتے ہوئے پوچھا تھا۔

"جی ہاں۔۔۔" "میم! آپ اپنا بازو آگے کیجیے مجھے انجکشن لگانا ہے۔" نرس نے ماوی کو جواب دے کر ثمینہ سے کہا تھا۔

"نہیں سسٹر! مجھے انجکشن نہیں لگوانا۔۔۔ آپ اسے واپس لے جائیں۔" ثمینہ نے ضدی پن سے کہا تھا۔ ماوی دروازے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ یکدم رک کر انہیں دیکھنے لگی۔

"دیکھیے۔۔۔ یہ آپ کے لیے بہت ضروری ہے۔" نرس ثمینہ سے اصرار کرنے لگی لیکن وہ مستقل اس کی بات ماننے سے انکار کیے جا رہی تھیں' ناچار نرس نے ماوی سے امداد چاہی۔

"آپ ہی انہیں سمجھائیں۔"

ثمینہ نے ماوی کی طرف دیکھا ان کی آنکھوں میں جو تحریر تھی اسے ماوی با آسانی پڑھ سکتی تھی۔

"نخرے کرنا بند کریں ممی! وہی ہوگا جو آپ چاہتی ہیں اور اسی طریقے سے' جس طریقے سے آپ کی خواہش ہے۔ میں حویلی جانے کے لیے تیار ہوں اور۔۔۔ اور جلال سے نکاح کرنے کے لیے بھی۔ اس لیے پلیز۔۔۔ اب آپ مجھے میٹلی ٹارچر کرنا بند کر دیں۔"

ماوی نے بے حد سنجیدگی سے کہا تھا۔ اس کا جملہ مکمل ہونے تک ثمینہ کے چہرے پر اطمینان پھیل گیا تھا اور انہوں نے اپنا بازو بھی نرس کے آگے کر دیا تھا۔ ماوی نے یہ پورا جملہ عربی زبان میں کہا تھا' اس لیے نرس کے پلے خاک بھی نہ پڑ سکا ثمینہ اسے سہولت سے اس کا کام کرنے دے رہی تھیں اس کے لیے یہی کافی تھا۔

ماوی بوجھل قدموں سے باہر نکل آئی تھی۔

"میں ممی کے سامنے ہی بھر کر انہیں مزید کوئی احمقانہ قدم اٹھانے سے روک سکتی ہوں۔ جلال ایک مہینہ کے لیے ٹور نوٹ گیا ہوا ہے۔ اس کے واپس آنے سے قبل مجھے کوئی نہ کوئی ایسا انسان ڈھونڈنا ہوگا جو ممی کو ان کا فیصلہ تبدیل کرنے کے سلسلے میں مددگار ثابت ہو سکے۔"

اس کا ذہن بہت تیزی سے کام کرنے لگا تھا۔

☆ ☆ ☆

جلال پہلے گھر گیا وہاں سے سیدھے ہسپتال کی راہ لی۔ اسے تو یہ سوچ سوچ کر ہی پریشانی لاحق ہوئے جا رہی تھی کہ بے چاری ماوی نے اس ساری صورت حال کو تن تنہا کیسے سنبھالا ہوگا۔

"وہ بے چاری سیدھی سادی معصوم سی لڑکی۔۔۔ ماں کی بیماری نے تو یقیناً ہاتھ پیر پھلا دیے ہوں گے اور اس شبیہہ کا حال دیکھو۔۔۔ کیا تھا جو اسے میرا کانٹیکٹ نمبر دے دیا ہوتا۔۔۔ ماوی کس آس کے ساتھ میرے پاس آئی ہوگی۔"

اس کی فکر مندی کی کوئی حد نہ تھی۔ دوسری جانب ماوی اسے سامنے پاکر حقیقتاً گڑبڑا گئی۔ جلال کے نور تنویں ہونے کا سن کر وہ اچھی خاصی مطمئن ہوئی بیٹھی تھی لیکن اس طرح اچانک اس کا سامنے آجانا بڑا پریشان کن تھا۔ فوری طور پر وہ اپنے تاثرات بھی نہیں چھپا سکی۔

"تم کہاں سے آگئے؟ تم تو نور تنویں گئے ہوئے تھے۔" اس نے بوکھلاہٹ بھرے انداز میں صدمے سے چور آواز میں کہا۔

جلال اس انداز پر سٹپٹا گیا۔

"نہیں۔۔۔ وہ۔۔۔ میں تو۔۔۔"

"جھوٹ مت بولو تمہارے بھائی نے مجھے خود بتایا تھا۔" ماوی نے تیزی سے کہا تھا۔ جلال ایک لحظہ میں ساری بات سمجھ گیا۔

"ہاں۔۔۔ میں گیا تو تھا لیکن آج ہی واپس آگیا۔۔۔ پتا نہیں کیوں۔ مجھے لگ رہا تھا آپ کو میری ضرورت ہے۔ اسی لیے میں جلدی واپس آگیا۔"

ماوی نے بددلی سے اسے دیکھا۔ اگر وہ اتنی بددلی کا شکار نہ ہوتی تو یقیناً "دیکھ پاتی۔ جلال کی آنکھوں میں اس کے لیے محض پسندیدگی یا محبت ہی نہیں عقیدت اور خلوص بھی تھا۔

"تو ماوی بی بی! یہی ہے جو بالآخر آپ کو کرنا ہے۔ ممی کی مرضی یا تقدیر کی اس بے تکی بازی کو آپ کو چلنا ہی پڑے گا۔"

اس کے دل و دماغ میں جیسے بگولے سے اٹھنے لگے تھے لیکن بظاہر وہ پرسکون دکھائی دیتی تھی اور چند منٹ کے بعد وہ جلال کو ممی کے پاس لے جا رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

جب تک ثمینہ ہسپتال میں داخل رہیں جلال مستعدی سے ان کی دیکھ بھال کرتا رہا۔ ایک تو یہ کہ دل کی اچھائی ایسا کرنے پر مجبور کر رہی تھی دوسرے دل کے نئے نئے جذبات کے ہاتھوں بھی مجبور تھا بہرحال ان تمام دنوں میں اس نے ثمینہ آنٹی اور ماوی کا بہت ساتھ دیا۔ اس دوران کئی بار اسے ماوی کی غیر معمولی سنجیدگی، خاموشی اور رکھائی محسوس ہوئی لیکن ہر بار وہ اسے ثمینہ آنٹی کی خرابی طبیعت کی وجہ قرار دے کر سر جھٹک دیتا۔

جس روز ثمینہ آنٹی کو گھر جانے کی اجازت ملی اس سے ٹھیک اگلے روز جلال نے اپنے سیل فون پر ماوی کی کال ریسیو کی تھی۔

"میں چاہتی ہوں آج تم لنچ ہمارے ساتھ کرو۔"

اس روز جلال کو کسی ضروری کام کے سلسلے میں ہائی کورٹ جانا تھا لیکن ہر اہم کام کو نظر انداز کر کے اس نے ماوی کے گھر جانے کو ترجیح دی۔ اس روز بھی ثمینہ ہی اس سے باتیں کرتی رہیں۔ اگلی دو تین ملاقاتوں میں ماوی کی رکھائی ختم ہو گئی لیکن بات چیت میں وہ کم ہی حصہ لے رہی تھی۔ کئی بار جلال کے دل میں خیال آیا کہ وہ ماوی سے اس کی خاموشی کی وجہ معلوم کرے لیکن پھر ہر بار ہی وہ اپنے خیال کو ٹال دیتا۔

"اس بیماری نے مجھے توڑ پھوڑ کر رکھ دیا ہے ورنہ میری بڑی خواہش تھی کہ میں اپنی ساس سے اپنے شوہر کی جائیداد حاصل کروں۔ یہ ماوی تو کبھی کبھار بہت جذباتی پن کا مظاہرہ کرتی ہے اور اکثر کہتی ہے کہ جب بھی موقع ملا، وہ اس عورت سے اپنا حق ضرور وصول کرے گی لیکن میں چاہتی ہوں جلد از جلد اس کے فرض سے فارغ ہو جاؤں۔ میرے دل کے سکون کے لیے یہی کافی ہے۔"

انہوں نے جلال کو اپنے ماضی سے بڑی تفصیل سے آگاہ کر دیا بس یہ بات ظاہر نہیں ہونے دی تھی کہ ان کے ماضی کی کوئی کڑی اس سے بھی ملتی ہے۔ ماوی چپ چاپ سنتی رہتی لیکن کچھ کچھ باتوں پر اس کی برداشت بالکل جواب دے جاتی تھی۔

"ممی پلیز!" ماوی نے چڑ کر کہا تھا، وہ ان کا مافی الضمیر سمجھتی تھی بھلا اس سے بہتر یہ بات کون سمجھ سکتا تھا کہ وہ بات کو گھما پھرا کر کس پوائنٹ تک لا رہی ہیں۔

"ارے ماوی! جلال سے کچھ چھپانے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ کوئی غیر تھوڑا ہی ہے۔ میں نے اسے بیٹا کہا ہی نہیں مانا بھی ہے۔ اس سے بھی دل کا دکھ نہیں کہوں گی تو کس سے کہوں گی۔"

بعض اوقات تو ان کی باتیں سن کر ماوی حیران ہی رہ جاتی تھی، وہ اس قدر چاپلوسی کی زبان بولتی تھیں کہ وہ پیچ و تاب کھا کر رہ جاتی۔ یوں لگتا تھا ان کے پاس عزت نفس نام کی کوئی چیز ہی نہ رہی ہو اور وہ ماوی کے اندر سے بھی اس چیز کو کھرچ کر نکال دینا چاہتی ہوں۔

ایک روز تو انہوں نے حد ہی کر دی۔

"میں تم دونوں کے درمیان خود کو بہت مس فٹ محسوس کرتی ہوں، مجھے لگتا ہے تم لوگوں کو ساتھ وقت گزارنا چاہیے تاکہ ایک دوسرے کو بہتر طریقے سے سمجھ سکو۔ ارے ہاں جلال! تم ماوی کو کل ڈنر پر کیوں نہیں لے جاتے؟"

"فار گاڈ سیک ممی!" ماوی نے دبی زبان میں انہیں ٹوکنے کی کوشش کی تھی لیکن ثمینہ نے سنی ان سنی کر دی۔

"شیور آنٹی! وائے ناٹ" جلال کی تو دل کی خواہش پوری ہو رہی تھی، وہ کیونکر انکار کرتا یا ٹال مٹول سے کام لیتا۔ ماوی کا دل چاہا اس کا سر پھاڑ دے۔

"جو میں چاہتی ہوں جب وہ کرنے کی ہامی بھر ہی لی ہے تو جلال سے فس کریات کرنے میں کیا برائی ہے؟" جلال کے جانے کے بعد ثمینہ نے پہلی بار اسے سرزنش کی تھی۔

"کبھی کبھی مجھے اپنا آپ کال گرل کی طرح لگنے لگتا ہے۔" ثمینہ کی بات کے جواب میں ماوی نے سرد لہجے میں کہا تھا۔

"تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے ماوی!" ثمینہ بری طرح بھڑک اٹھی تھیں۔

"ٹھیک ہے یا شاید نہیں ہے۔ بہرحال میں خود میں اور ایک کال گرل میں کوئی فرق محسوس نہیں کرتی۔ وہ بھی کسی مقصد کے لیے اپنا آپ کسی مرد کو پیش کرتی ہے۔ میں بھی یہی کر رہی ہوں۔ میں جلال کو اپنا آپ پلیٹ میں رکھ کر پیش کر رہی ہوں۔ آپ کی خواہش کو پورا کرنے کے لیے اللہ جانے ابھی اور کتنے اپنے معیار سے گرے ہوئے کام کرنا پڑیں گے۔ مجھے اپنی ہی نظروں سے گرانے کے لیے بے حد شکریہ ممی!"

اس نے بے حد سرد اور ناگوار لہجے میں کہا اور وہاں سے چلی گئی۔ ثمینہ چپ چاپ اسے جاتا ہوا دیکھتی رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"تمہیں زندگی کیسی لگتی ہے جلال!"

"النخل" کے خواب ناک ماحول میں کھانا کھاتے ہوئے ماوی نے محض بات برائے بات جلال سے پوچھا تھا۔

"خوب صورت، بے حد خوب صورت۔ بلکہ مجھے تو زندگی سے عشق ہے، کبھی کبھی میرا دل چاہتا ہے کاش! میں

زندگی کو قید کر کے رکھ سکتا۔"

جلال نے بے حد بے ساختگی سے کہا تھا۔ ماوی نے لمحہ بھر کے لیے اسے دیکھا پھر ہنسنے لگی۔ اسے جلال کی بے ساختگی پر بے وجہ ہنسی آنے لگی تھی۔ دوسری جانب جلال بس اسے دیکھے گیا۔ اس ایک پل میں اس کے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا تھا کہ زندگی اسے زیادہ خوب صورت لگتی ہے یا یہ لڑکی۔ جس سے ملے اسے شاید دو یا تین مہینے ہوئے تھے اور جس کی محبت میں مبتلا ہوئے بمشکل چھبیس دن۔ لیکن یوں لگتا تھا جیسے وہ اسے صدیوں سے جانتا ہو۔

اس کا ہر انداز' ہر ادا اسے پہلے سے زیادہ خوب صورت لگتی تھی۔

"مجھے زندگی بہت خوب صورت لگتی ہے لیکن آپ سے زیادہ نہیں۔"

جلال نے ایک بار پھر بے ساختگی کا مظاہرہ کیا تھا۔ ماوی کی ہنسی کو مکمل طور پر بریک نہیں لگا تھا لیکن اس کی آنکھوں میں تعجب سا سمٹ آیا تھا۔ جلال گڑبڑا گیا۔

"میرا مطلب ہے۔ آپ آج بہت خوب صورت لگ رہی ہیں۔"

"صرف آج۔" اس صورت حال پہ ناخوش ہونے کے باوجود ماوی کی رگ ظرافت پھڑکی۔ "کیا میں ہر روز خوب صورت نہیں لگتی؟"

"نہیں۔ ہر روز لگتی ہیں۔"

"یعنی نہیں لگتی۔" ماوی نے مایوسی سے کہا۔ "میں تو سمجھتی تھی' میں ہمیشہ خوب صورت لگتی ہوں۔ اچھا ہوا' تم نے میری خوش فہمی دور کر دی۔ میں یونہی اتراتی تھی۔"

"یہ آپ کا حق ہے آپ کو اترانا بھی چاہیے۔" جلال نے اسے مایوس ہوتا دیکھ کر تیزی سے کہا تھا' یوں جیسے وہ ماوی کو مایوس ہونے نہ دینا چاہتا ہو۔ ماوی کو پھر ہنسی آئی۔

"تم بہت اچھے ہو جلال! بہت ہی اچھے۔" (اور مجھے اس بات کا افسوس ضرور رہے گا کہ تم جیسا معصوم انسان میرے ہاتھوں بے وقوف بنایا جا رہا ہے۔ اگر مجھے یہ خدشہ نہ ہوتا کہ ممی اپنی زندگی کو خطرے میں ڈالنے جیسی بے وقوفی پھر کر سکتی ہیں تو میں تمہیں ضرور ساری حقیقت سے آگاہ کر دیتی۔ لیکن میری مجبوری ہے جلال! اپنی ماں کی ضد پوری کرنے کے لیے مجھے تمہیں دھوکے میں رکھنا ہی پڑے گا۔ ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا جلال!)"

گلاس کے کناروں پر انگلی پھیرتے ہوئے وہ گہری سوچ میں گم ہو گئی تھی جبکہ جلال کا بس نہ چلتا تھا اپنی بصارت میں اس کا چہرہ قید کر لے۔

☼ ☼ ☼

کھڑکی سے چھن کر آتی ہوئی دھوپ سنہری اور نرم گرم سی محسوس ہوتی تھی' دھوپ کی کرنیں سیدھی کارپٹ پر ماوی کے پیروں کے قریب پڑ رہی تھیں اور ماوی سر اٹھائے عجب خالی خالی نظروں سے کھڑکی کے شیشے سے باہر دیکھ رہی تھی۔ وہ کسی نہ سمجھ میں آنے والی ذہنی کیفیت کا شکار تھی۔

ہر چند منٹ کے بعد اس کا ذہن کسی نئی سوچ کی طرف مبذول ہو جاتا تھا ہر پہلی سوچ سے دوسری سوچ کی طرف سفر کرتے ہوئے وہ پچھلی سوچ کے لیے فکر مندی محسوس کرتی کہ آخر وہ سوچ کیا رہی تھی۔

کبھی اسے محسوس ہوتا' وہ بالکل خالی الذہن ہو چکی ہے اور کم سے کم آج کی تاریخ میں اس کے پاس سوچنے کے لیے یا کرنے کے لیے کوئی کام نہیں ہے۔ جس طرح وہ متبادل سوچوں کا شکار تھی ٹھیک اسی طرح ہر چند منٹ کے بعد اس کی نظریں پیروں کے قریب پڑے اس کاغذ کی طرف چلی جاتی تھیں۔ جس کی رو سے وہ جلال الدین بھٹی کی منکوحہ قرار دی جا چکی تھی۔ ہر دن عام سا ہوتا ہے' ہر دن گزرے ہوئے دن جیسا ہی ہوتا ہے۔ بس اس دن میں پیش

نے والے واقعات و حادثات اس دن کو خصوصیت عطا کر دیتے ہیں تو یہ بھی ایک عام سا دن تھا جسے ممی کی ضد نے خصوصیت عطا کر کے اس کے اور جلال کے لیے یادگار بنا دیا تھا۔

وہ ممی کی ذہنی حالت پر جتنا حیران ہوتی وہ کم تھا۔ اس سے بھی زیادہ حیرانی ماوی کو ان کی بہت مکمل قسم کی پلاننگ پر ہو رہی تھی وہ جیسا چاہتی تھیں انہوں نے ویسا کروا لیا تھا۔ کبھی کبھی ماوی کو یہ بھی لگتا تھا حالات واقعات بھی ان سے پوچھ کر ترتیب پا رہے ہیں۔ انہوں نے پہلے جلال کے ذہن و دل میں اس کے لیے جذبات پیدا کیے۔ پھر ماوی کو قائل کیا اور اب بالآخر وہ جلال سے ماوی کا نکاح بھی کروا چکی تھیں۔ یہ الگ بات ہے کہ اپنے اس منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے انہوں نے لمبا چوڑا ڈرامہ ترتیب دیا تھا بیماری کا ڈرامہ' ایموشنل بلیک میلنگ' ہر حربہ آزمایا اور دلچسپ بات یہ کہ جلال جیسا آدمی ان کی باتوں میں آ بھی گیا۔

کیا ہو رہا تھا اور کیا ہونے والا تھا۔ ماوی کچھ نہیں جانتی تھی اسے صرف اتنا پتا تھا۔ زندگی میں اس سے زیادہ مجبور و بے بس کبھی نہ ہوئی تھی۔

اسی وقت دروازہ کھول کر ثمینہ اندر داخل ہوئیں۔ ماوی نے گردن گھما کر دروازے کی جانب دیکھا۔ ثمینہ کے لبوں پر مسکراہٹ اور چہرے پر اطمینان تھا۔

"میں بہت خوش ہوں ماوی! کامیابی کی طرف پہلا قدم بڑھا دیا ہے ہم نے۔" ثمینہ نے پرجوش انداز میں کہا تھا۔

"آپ نے کامیابی کی طرف بڑھایا ہو گا۔ میں نے تو بربادی کی طرف ہی بڑھایا ہے۔" ماوی نے گردن واپس گھماتے ہوئے سرد مہری سے کہا تھا۔

"اور آپ خوش کیسے نہ ہوں گی! آفٹر آل وہی ہو رہا ہے جو آپ چاہتی تھیں۔" اس کا کڑوا لہجہ سن کر ثمینہ کے چہرے پر سایہ سا لہرا گیا۔

"ہاں۔ وہی ہو رہا ہے جو میں چاہتی ہوں لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ میں تمہیں برباد کر رہی ہوں۔" انہوں نے دوستانہ لہجے میں کہا تھا۔

"او کم آن ممی! فار گاڈ سیک۔ خود کو اور مجھے اس طرح کی باتوں سے دھوکا دینا بند کر دیں۔" ماوی جیسے پھٹ ہی پڑی تھی۔

"آپ نے یہ سب میری بھلائی کے لیے کیا' جو بھی ہو رہا ہے' انجام کار اس کا فائدہ میری ہی ذات کو پہنچے گا' یہ سب دراصل آپ کے ذہنی مفروضے ہیں اور کچھ نہیں۔ اس سب کا اگر کسی کو فائدہ پہنچے گا تو وہ بابا جان ہیں اور مجھے بہت افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ انہیں بھی درحقیقت اس سے کوئی فائدہ نہ ہو گا جو انسان اس دنیا میں موجود ہی نہیں ہے' اسے دنیاوی وسائل بھلا کیا فائدہ یا خوشی پہنچا سکتے ہیں باقی رہی میری بات۔ تو مجھے اس میں نقصان ہی نقصان ہے۔ آپ نے ایک بار بھی سوچا ہے اگر شہوز کو میرے نکاح کی خبر مل گئی تو کیا ہو گا؟ شہوز مڑ کر میری شکل دیکھنا بھی گوارا نہیں کرے گا' اور آپ جانتی ہیں ہاں شہوز میرے لیے کیا ہے؟ وہ میری زندگی کی سب سے بڑی خوشی ہے ممی! اور آج مجھے ایسا لگ رہا ہے "آپ کی ضد کی وجہ سے میں نے جلال سے نکاح نہیں کیا بلکہ شہوز کو کھو دیا ہے۔" وہ روہانسی ہو گئی تھی۔

"نہیں ماوی! ایسا کبھی نہیں ہو گا۔" ثمینہ نے جلدی سے کہا تھا۔ "شہوز کی طرف سے تو تمہیں میں گارنٹی دے سکتی ہوں۔ اول تو اسے پتا ہی نہیں چلے گا۔ دوسری بات یہ کہ پتا چل بھی گیا تو وہ تمہیں نہیں چھوڑے گا۔ میں جانتی ہوں' وہ تم سے کتنی محبت کرتا ہے اور محبت کرنے والے کبھی تمنا نہیں چھوڑتے۔" وہ اسے بچوں کی طرح بہلا رہی تھیں۔ ماوی نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ انہیں دیکھا۔

"محبت کرنے والے تمنا نہیں چھوڑتے لیکن موت کے منہ میں تو دھکیل سکتے ہیں ناں۔ آپ بھی تو یہی کر رہی

ہیں۔"

"وقت تم پر خود ثابت کرے گا کہ میں نے جو بھی کیا وہی ٹھیک تھا۔" ثمینہ سو فیصد پر یقین تھیں

"اور اگر آپ غلط ثابت ہو گئیں تو۔"

"ایسا نہیں ہو گا۔" ثمینہ نے رسان سے کہا۔ "ابھی تم غصے میں ہو' جذباتی ہو کر صرف منفی پہلو تلاش کر رہی ہو لیکن گزرتا وقت تم پر ہر چیز واضح کر دے گا اور تمہیں میرے فیصلے کے پوزیٹو پوائنٹس نظر آنے لگیں گے۔" ثمینہ اسے سمجھانے چلی تھیں لیکن ہادی کے اندر باہر جیسے غم و غصے سے آگ سی لگی ہوئی تھی۔

"میں نے آپ سے کہا تھا' مجھے کچھ دیر اکیلا رہنے دیں۔ کیا آپ تھوڑی دیر مجھے تنہا بیٹھنے نہیں دے سکتیں؟"

ہادی نے رکھائی و سرد مہری سے کہا تھا۔ ثمینہ کا چہرہ یکدم پھر تاریک ہوا۔ اپنے تئیں وہ سمجھ چکی تھیں نکاح کے بعد انہیں ہادی کی طرف سے کسی قسم کی مزاحمت یا غصے کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا لیکن ان کے خیالات کم سے کم اس معاملے میں غلط ہی ثابت ہو رہے تھے۔

"ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی۔ میں تمہیں ڈسٹرب نہیں کروں گی لیکن اس وقت میرے لیے ایک اور فیور کرو۔ جلال تم سے چند منٹ بات کرنا چاہ رہا ہے۔ تم ذرا اچھے طریقے سے۔"

"پلیز۔ اب میں مزید کوئی ڈرامہ نہیں کر سکتی۔" اس نئے مطالبے پر ہادی نے تلخ ہو کر کہا تھا۔ "عام انسان ہوں میں۔ کوئی اداکارہ نہیں کہ اپنے موڈ سے ہٹ کر کبھی ہنسوں' کبھی روؤں۔"

"میں جانتی ہوں لیکن اتنا بھی مشکل کام نہیں ہے یہ۔" اب کی بار ثمینہ نے بھی سختی سے کہا تھا۔

"آپ کے نزدیک تو ہر کام ہی آسان ہے سوائے اپنی ضد چھوڑنے کے۔" ہادی نے سابقہ انداز میں کہا تھا۔

"اچھا تم نہ ہنسنا۔ لیکن کم از کم سے بات تو کر سکتی ہو۔ جلال اسی میں مطمئن ہو جائے گا۔"

"بھول جائیں۔ میں اس وقت کسی کی بھی شکل نہیں دیکھنا چاہتی نہ اپنے موڈ سے ہٹ کر کوئی کام کرنا چاہتی ہوں۔"

"بے جا ضد مت کرو ہادی!" ثمینہ نے لجاجت سے کہا تھا۔

"لیکن اس سے قبل کہ ہادی کچھ کہتی' دروازے پر خفیف سی دستک ہوئی ان دونوں نے بیک وقت دروازے کی جانب دیکھا۔ دونوں کے لیے ہی اندازہ لگانا ہرگز مشکل نہ تھا کہ دستک دینے والا کون ہے۔

ثمینہ نے منت بھری نظروں سے ہادی کو دیکھا تھا۔

"جہاں خود پر اتنا جبر کر رہی ہو' وہاں میری خوشی کے لیے تھوڑا اور سہی۔ تمہارا ذرا سا غلط رویہ بنا بنایا کھیل بگاڑ دے گا۔"

"خوشی۔۔۔؟ جب کہ آپ کو صرف اپنی پڑی ہے۔ مجھے ہرگز نہیں پتا تھا آپ اتنی خود غرض ہیں۔" اس کے انداز میں کمزوری در آئی تھی۔ ثمینہ نے قدرے مطمئن ہو کر اس کا کندھا تھپتھپایا اور اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔

جلال خفیف سی گھبراہٹ کے ساتھ کھڑا تھا۔

"اندر آجاؤ جلال!"

"آنٹی! کیا میں ہادی سے بات کر سکتا ہوں؟"

"ارے یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے؟ تمہاری بیوی ہے جب چاہو بات کر سکتے ہو۔" ثمینہ اسے اندر آنے کا راستہ دے کر باہر نکل گئیں۔ دوسری جانب ہادی کا خون ہی کھول اٹھا تھا لیکن وہ ضبط کیے کھڑی رہی۔ یہ الگ بات ہے کہ کوشش کے باوجود مسکراہٹ یا خوش مزاجی کا تاثر بھی وہ چہرے پر نہیں لا سکی تھی۔

جلال نے اس کو بغور دیکھا پھر ہاتھ میں پکڑا چھوٹا سا سنہری کیس اس کی طرف بڑھا دیا۔

گو کہ موقع ہونے کے باوجود ایسی صورت حال تو نہیں ہے کہ کسی فارمیلٹی میں پڑا جائے۔ میں جانتا ہوں آپ آنٹی کی وجہ سے پریشان ہیں لیکن یہ میرے دل کی خوشی ہے۔" جلال کا جھک آمیز انداز ہادی نے خاموشی سے کیس اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

جلال اس قدر خوش تھا کہ اسے ہادی کی سرد مہری بھی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

"میں بہت خوش ہوں ہادی! لیکن سچی بات ہے کہ میں یہ سب اس طرح سے نہیں چاہتا تھا۔ میری بڑی خواہش تھی کہ میں آپ کو روایتی طریقے سے اپنا بناؤں۔ میرے گھر والے شادی میں شرکت کرتے اور سب اس خوشی کو سیلیبریٹ کرتے۔ لیکن آنٹی کی بیماری کی وجہ سے ہمیں یہ قدم جلدی اٹھانا پڑا مگر میرا وعدہ ہے' رخصت تو میں آپ کو روایتی طریقے سے ہی کراؤں گا۔ مجھے کچھ وقت چاہیے تاکہ میں ان لوگوں کو قائل کر پاؤں۔ تھوڑا وقت گزرے گا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میں جانتا ہوں ابھی میرے نکاح کی خبر سن کر وہ سب خفا ہوں گے لیکن آپ سے ملیں گے تو خوش ہوں گے۔ مجھے امید ہے' آپ اتنا انتظار کر لیں گی میرے لیے۔ محبت میں تو انسان بہت کچھ کر لیتا ہے۔"

وہ بے چارا خبر ٹھہر کر بول رہا تھا۔ ہادی کے آگ ہی لگ گئی تھی محبت والی بات سن کر۔

"جلال! میں تمہارا نہیں رہنا چاہتی ہوں۔" اس نے بے ساختگی سے کہا تھا لیکن اگلے ہی پل اسے اپنے سخت لہجے کا احساس ہو گیا۔

"تم پلیز! برا مت ماننا۔ میں ایکچوئلی اس سب کے لیے ذہنی طور پر تیار نہیں تھی۔ میرے سر میں بھی درد ہے اگر تم مجھے کچھ دیر آرام کرنے دو تو میں اچھا فیل کروں گی۔"

"آپ نے پہلے کیوں نہیں بتایا کہ سر میں درد ہے میں ڈاکٹر۔"

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔" ہادی نے جلدی سے کہا۔

"میں تھوڑا آرام کروں گی تو ٹھیک ہو جاؤں گی۔"

جلال اسے آرام کرنے کی تاکید کر کے چلا گیا۔ ہادی بے زار ہو کر بیڈ پر گر گئی۔

"اتنا معصوم اور سیدھا انسان ہے یہ۔۔۔ اور میں اس کے ساتھ کیا کر رہی ہوں۔" اس کا ضمیر اسے مستقل کچوکے لگا رہا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)



اسٹر یاض

سیلاب

دین محمد مٹی سے محبت کرنے والا جفاکش مرد ہے۔ دھرتی کو اپنے خون جگر سے سونا اگلنے کے قابل بنانا اس کا پیشہ ہے۔ اس کی پوری زندگی محنت سے عبارت ہے' جو وہ اپنے چھ مربع زمین پر صرف کرتا ہے۔ شادی کو آٹھ سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ اپنے چھوٹے سے گھر میں وہ بیوی زہرہ اور ماں کے ساتھ رہتا ہے۔ زہرہ چھ مردہ بچوں کو جنم دے کر ایک مرتبہ پھر امید سے ہے۔ دین محمد کا رواں رواں اولاد کی خوش خبری پانے کے لیے مجسم دعا بن چکا ہے۔ اس کی دعائیں مستجاب ٹھہرتی ہیں اور اس کے یہاں ایک خوب صورت بچی جنم لیتی ہے۔ اسے وہ اپنی "جنت" کے نام سے مخاطب کرتا ہے۔

جلال الدین کے روز و شب نوکری کی چکی میں پستے گزر رہے ہیں۔ اس نوکری کے دوران اسے آرام کرنے کا موقع بھی کم ملتا ہے۔ اچھے مستقبل کا خواب اسے متحرک رکھتا ہے۔ تنہائی میں کسی کی محبت کا جگنو اس کی دنیا آباد رکھتا ہے۔ ہر دم "اس" کی یادیں اسے بے چین رکھتی ہیں۔ دن بھر کا تھکا ہارا وہ آرام کرنے لیٹتا ہے تو پولیس اسٹیشن سے اطلاع ملتی ہے کہ جنت بی بی ان کی حراست میں ہے' جس کا دعوا ہے کہ اس نے اپنے شوہر کا قتل کیا ہے۔ جلال الدین اپنے وکیل دوست مسعود کے ساتھ بھاگم بھاگ پولیس اسٹیشن پہنچتا ہے اور ثبوت دکھاتا ہے کہ جنت ٹینڈر فریجائی کی مریض ہے' جس کی شادی ابھی ہوئی تک نہیں۔ جنت کی حالت جلال الدین کو اعصابی تھکن کا شکار کرنے لگتی ہے۔ تب اس نے نوکروں کے سارے حلیے گھر میں رکھ چھوڑا ہے۔

ثمینہ 14 سال بعد اپنی بیٹی ہادی کے ساتھ آسٹریلیا سے پاکستان آئی ہیں تو انہیں توقیر صاحب کے بتائے گئے پتے کو تلاشنے میں بہت وقت لگتا ہے۔ وہ فیض کے دوست توقیر صاحب کے توسط سے دانیال کی ایکسی میں ٹھہرتی ہیں۔ ثروت دانیال منسٹر اور محبتی خاتون ہیں۔ ولی' ولید اور ابیہ ان کے بچے ہیں۔ ہادی کی پہلی ملاقات میں ابیہ سے دوستی ہو جاتی ہے۔

شبیہہ العباس طیفا" سخت گیر اور غصہ ور نوجوان ہے' جسے صنف نازک کا غیر ضروری ہنسنا بھی ناگوار گزرتا ہے۔ وہ



چچی زاد نحوی سے منسوب ہے۔ نحوی اس کی تند خو طبیعت سے سخت نالاں ہے۔ شبیہہ 'نحوی کو کالج چھوڑنے آتا ہے تو سہیلیاں عبیر اور نحو نحوی کے سر ہو جاتی ہیں۔ یہ جان کر کہ شبیہہ 'نحوی کا منگیتر ہے' وہ اس کی قسمت پر رشک کرتی ہیں۔ نحوی دونوں سے گزارش کرتی ہے کہ عوش کو اس بات کا علم نہ ہو۔

شبیہہ العباس 'ثروت دانیال کی اولاد ہے' جسے انہیں دانیال حسن سے شادی سے پہلے چھوڑنا پڑا۔ بچپن کی محرومی نے اسے بدمزاج اور غصیلا بنا دیا۔ وہ انیبا اور ولید سے بہت تلخی سے پیش آتا ہے۔ وہ ان سے بحیثیت 'حسن بھائی قطعی تعلقات محسوس نہیں کرتا۔ انیبا اس کی محرومی حال سے محسوس کرتی ہے۔ انیبا پری نظر اٹھائے پروہتے ذی کے دوست سعدی کو پیٹ ڈالتا ہے۔ صرف ہے ذی اس کی کیفیات سمجھتا ہے۔

بیمار پڑنے پر بیگم دانیال 'ثمینہ کی اچھی طرح دیکھ بھال کرتی ہیں تو ثمینہ ان کے اخلاق سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتیں۔ انہیں یتیم دانیال کو دیکھ کر لگتا ہے کہ وہ پہلے ان سے مل چکی ہیں۔

بچوں کی لڑائی میں جنت کو چوٹ لگتی ہے تو دین محمد اپنی بہن زبیدہ کے بیٹے فاروق کا حلیہ بگاڑ دیتا ہے۔ ساتھ ہی زبیدہ' بہن اور رشتے بھائی سے قطع تعلق کر لیتا ہے۔ زہرہ اس کی جنت سے طوطا چشمی سے خوف زدہ ہے۔ دین محمد 'زہرہ کو یاد دلاتا ہے کہ وہ جنت کو بیاہ کر دوسرے گھر نہیں بھیجے گا۔ بلکہ اس کے شوہر کو گھر داماد بنائے گا۔

اتفاقاً 'ماوی کا ٹکراؤ شبیہہ سے ہوتا ہے' جس سے ماوی کا پیر زخمی ہو جاتا ہے۔ اپنی غلطی کے باوجود جھنجلاہٹ میں شبیہہ ماوی کو بری طرح سے ڈانٹتا ہے تو ماوی اس کی طبیعت صاف کر دیتی ہے۔ ثمینہ سے وہ اس واقعے کا ذکر نہیں کرتی۔ ثمینہ کا روڈ ایکسیڈنٹ ہوتا ہے تو ہے ذی عین موقع پر ان کی مدد کرتا ہے۔ ماوی اور فیضان اس پر ہے ذی کے منکر ہیں' لیکن وہ اپنا پتا دیے بغیر چلا جاتا ہے۔ جس پر ثمینہ کو بہت افسوس ہوتا ہے۔ اتفاقاً 'ان کی ہے ذی سے دوبارہ ملاقات ہوتی ہے۔ ثمینہ اسے گھر بلاتی ہیں۔ ثمینہ 'ثروت کو بتاتی ہیں کہ ان کے شوہر رجب کا بے دردی سے قتل ہوا تھا اور یہ بات ماوی کے علم میں نہیں ہے۔ یہ جان کر انہیں رنج ہوتا ہے۔ شبیہہ کو ہے ذی کا اپنی ماں اور ثمینہ سے گفتگو کرنا پسند نہیں' جس پر وہ ہے ذی کو تنبیہہ بھی کرتا ہے۔

انیبا دل ہی دل میں فیضان کو چاہتی ہے۔ ثروت کے پہلے شوہر سے نسبت کے باعث دانیال صاحب ثمینہ کی فیملی کو پسند نہیں کرتے۔ ماوی' ان کی دلچسپی بھانپ لیتی ہے اور فیضان ماما سے رائے لینے کی کوشش کرتی ہے تو فیضان اسے جھڑک دیتے ہیں۔ بھائیوں پر بار نہ پڑے اس لیے ثمینہ 'ماوی کو پاکستان میں مزید پڑھنے کی اجازت دے دیتی ہیں۔ عبیر' نحو اور نحوی کو عوش کی غیر اخلاقی اور جرائم پیشہ سرگرمیوں کے متعلق بتاتی ہے تو نحو ناراض ہو جاتی ہے۔ عبیر کو اپنی جلد بازی پر افسوس ہوتا ہے' وہ عوش کے متعلق ثبوت اکٹھا کرنا چاہتی ہے۔

زہرہ کی اچانک موت کو محض جنت کے کہنے پر دین محمد' بہن زبیدہ کے سر ڈالتا ہے تو سب برادری والے بھی حق دق رہ جاتے ہیں۔ دین محمد کی ماں پدو سن کے کہنے پر جنت کو بیاہ صاحب کے پاس لے کر جاتی ہے تو جنت یہ بات بڑھا چڑھا کر دین محمد کو بتاتی ہے۔ وہ ماں کو بہن زبیدہ کے یہاں عیشہ کے لیے بھیجنے کا فیصلہ سناتا ہے تو ماں رو' رو کر اسے اس فیصلے سے باز رکھنے کی کوشش کرتی ہے۔ بہت مشکل سے دین محمد راضی ہوتا ہے۔ دین محمد کے رویے سے جنت کے اندر پنپنے والی منفی شخصیت فتنہ اور ہوری ہے۔

دین محمد کی بہن زبیدہ کا بیٹا فاروق گاؤں میں آتا ہے تو جنت اسے پسند کرنے لگتی ہے۔ وہ اسے اپنی طرف راغب کرنے کی کوشش کرتی ہے' لیکن فاروق اسے دھتکار دیتا ہے اور اس کے باپ سے جنگ آمیز انداز میں شکایت کرتا ہے۔

دین محمد 'جنت کو اپنی سب سے چھوٹی بیٹی کو مارتے دیکھ لیتا ہے۔ اسے شدت سے احساس ہوتا ہے کہ اس نے جنت کی تربیت میں کوتاہی کی ہے۔

ثروت 'دانیال حسن کے ہر وقت کے شک سے تنگ آ کر میکے چلی جاتی ہیں۔ انیبا اور ولید کو اپنے والدین کے درمیان کھنچاؤ کا کچھ کچھ اندازہ ہے۔ دانیال حسن 'ثروت کو فون کر کے علیحدگی کی بات کرتے ہیں۔ ثروت کی طبیعت خراب ہو گی اور انہیں اسپتال میں داخل ہونا پڑا۔

ثمینہ 'ماوی کے سامنے ماضی کے اوراق پلٹتی ہیں۔ وہ اسے بتاتی ہیں کہ جلال اور شبیہہ العباس 'ماوی کے رشتے دار ہیں کہ ماوی کے باپ 'رجب کو جنت بی بی نے قتل کیا تھا۔ ثمینہ 'ماوی پر زور دیتی ہیں کہ وہ حویلی جا کر جنت بی بی سے انتقام

نے بتایا۔ رجب کے مرنے کے بعد جنت بی بی نے ان کے سامنے رجب کی وصیت رکھ دی۔ جس میں انہوں نے اپنی ری جائیداد جنت بی بی کی سپرد ستی میں دے دی تھی۔ وہ ساری جائیداد اٹھارہ برس کی عمر ہونے کے بعد رجب کی بیٹی یعنی ی کو منتقل ہونا تھی۔ یہ تو حقیقت تھی کہ وصیت جعلی تھی لیکن ثمینہ کے اس وقت حالات ایسے نہ تھے کہ وہ جنت کو چیلنج کرتیں۔ وہ خاموشی سے حویلی چھوڑ کر اپنے بھائی فیاض کے ساتھ گئیں۔

بعد میں ایک دن جنت بی بی ثمینہ سے ملنے آئی اور انہیں مجبور کیا کہ وہ اس کے بڑے بیٹے سے شادی کر لیں۔ جو ذہنی طور تھا۔ ثمینہ نے انکار کر دیا۔ تب جنت نے بتایا کہ وہ رجب کی ساری جائیداد اپنے نام کرا چکی ہے۔ ساتھ اس نے انکشاف کیا کہ رجب کو اس نے زہر دے کر مارا ہے۔

ثمینہ نے کہا کہ ماوی آہنگ ٹیشل ہے۔ جنت اس کو ہاتھ بھی نہیں لگا سکتی۔ ایسی حرکت میں آجائے گی۔

ثمینہ نے ماوی سے کہا' وہ اس کی شادی جلال سے طے کر چکی ہیں۔ اسے جلال سے نکاح کرنا ہو گا تاکہ حویلی جا سکے۔ ں نے کہا اپنا مقصد حاصل ہونے کے بعد ماوی جلال سے خلع لے لے تاکہ شہوز سے شادی کر سکے۔ شہوز کو کچھ نے کی ضرورت نہیں ہے۔

وی نے انکار کیا تو ثمینہ نے خواب آور گولیاں کھا کر خودکشی کی کوشش کی۔

19

انیسویں قسط

انیبا نے دور سے دیکھا ماوی برآمدے کے ستون سے ٹیک لگائے کسی گہری سوچ میں گم تھی۔ اس نے گیلا رل پر پھیلایا اور ماوی سے ملنے کا ارادہ کرتی اپنے کمرے کی طرف پلٹ گئی۔ اسی وقت ثمینہ 'ماوی کو تلاش کرتی یکھی سے باہر آئی تھیں اور اسے یوں الگ تھلگ بیٹھے دیکھ کر انہیں شدید تاؤ آیا تھا۔

ی میرا سارا پلان برباد کر کے ہی چھوڑے گی۔" انہوں نے آتا کر سوچا اور ناچار اس کی طرف آ گئیں۔ گھنوں کے گرد بازو لپیٹے خدا معلوم کس بیزار کن سوچ میں مبتلا تھی۔

تم یہاں کیوں بیٹھی ہو ماوی! تمہیں اس وقت اندر ہونا چاہیے۔" ماوی کے چہرے پر پھیلی بیزاری کو لفٹ نہ تے ہوئے ثمینہ نے سرزنش کرنے والے انداز میں کہا تھا۔

ب کیا آپ مجھے یہ بھی ڈکٹیٹ کروائیں گی کہ مجھے کہاں بیٹھنا چاہیے اور کہاں نہیں۔" ماوی نے تڑخ کر

ب تک تم اپنی ذمہ داری کا احساس نہیں کر لیتیں' کم سے کم تب تک تو ضرور۔"

ذمہ داری۔" ماوی نے زہر خند کہا۔

اس سے بڑا مذاق آپ نے شاید ہی آج تک میرے ساتھ کیا ہو۔"

ب تم وہ سب حاصل کر لو گی جس کا ذکر میں کرتی ہوں تو مجھے الزام دینا بھی چھوڑ دو گی لیکن فی الوقت یہ زیادہ وری ہے کہ تم اندر چلو۔"

اگر اندر ایسی کون سی آفت آ گئی ہے' جسے دیکھنے کے لیے میرا اندر جانا ضروری ہے۔"

"جلال گیا ہوا ہے اور پچھلے سوا گھنٹے سے تمہارا انتظار کر رہا ہے۔" مادی نے مزید بیزاری سے انہیں دیکھا۔
"جلال کو اپنے گھر میں کوئی کام نہیں ہے؟"
"بے تکی باتیں مت کرو مادی۔" ثمینہ جیسے زچ ہی ہو گئی تھیں۔ "پہلے ہی قسمت نے مجھے کم زچ کیا ہے جو اب تم بھی۔"
"اوہ کم آن ممی! میں کوئی ایسو سیل الاپ سننا نہیں چاہتی۔"
"ٹھیک ہے جیسے تم خوش رہو۔" ثمینہ نے تحمل سے جواب دیا۔ "لیکن پلیز جلال کے ساتھ کچھ وقت گزارو۔"
"اس سے کیا ہو گا؟ مجھے کون سا اس کے ساتھ ساری زندگی گزارنی ہے جو انڈر اسٹینڈنگ ڈیولپ کرنے کی کوشش کروں۔" اس نے پھر چڑ کر جواب دیا تھا۔
"بے شک۔۔۔ لیکن اس کے ساتھ وقت گزارو گی تو تمہیں حویلی والوں کے متعلق معلومات ملیں گی جو بعد میں تمہارے لیے فائدہ مند ثابت ہو سکتی ہیں۔"
"یا اللہ۔" مادی نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا۔
"ٹھیک ہے آپ جائیں میں آتی ہوں۔" اس کا انداز سر اسر جان چھڑانے والا تھا۔ ثمینہ نے بغور اس کا انداز جانچا۔
"شیور؟" مادی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔
"ٹھیک ہے لیکن ذرا جلدی آنا۔" ثمینہ کسی قدر مطمئن ہو کر پلٹ گئیں۔ مادی کچھ دیر تو اسی طرح بیزاری سے بیٹھی رہی پھر اٹھنے کے لیے پر تول ہی رہی تھی کہ النبا نے آکر جو ٹوکا دیا۔
"تم کہاں غائب ہو گئی تھیں؟ کوئی خیر خبر ہی نہیں۔"
النبا نے مختصر لفظوں میں ثروت کی بیماری کا احوال کہہ سنایا تو مادی بوجھل دل کے ساتھ ان کی خیریت معلوم کرنے لگی۔
"تم بتاؤ! کیا ہو رہا ہے؟"
"کچھ خاص نہیں۔ اپنے ایڈمیشن کا تو میں نے تمہیں بتایا تھا ناں! تو شاید کچھ روز تک ہاسٹل شفٹ ہو جاؤں۔"
"ہاسٹل میں رہنے کی کیا ضرورت ہے؟ مادی! تمہیں یہاں کوئی پریشانی ہے کیا؟"
"نہیں النبا! پریشانی تو کوئی نہیں ہے لیکن میرا خیال ہے 'ہاسٹل میں رہ کر میں زیادہ بہتر طریقے سے اسٹڈیز کر سکوں گی۔ پھر ممی بھی دو ایک روز میں واپس آسٹریلیا چلی جائیں گی تو میرا خیال ہے میرا دل لگنا مشکل ہو جائے گا اچھا میں چلتی ہوں۔ شام میں آؤں گی تمہاری طرف۔"
مادی نے گول مول سا جواب دیا اور انیکسی کی طرف بڑھ گئی۔ النبا وہیں کچھ حیران سی کھڑی اسے جاتا دیکھتی رہی۔ گو کہ سب کچھ روٹین کے عین مطابق تھا لیکن مادی کے انداز میں اسے کچھ مختلف محسوس ہوا تھا اور یہ مختلف عنصر کیا تھا' وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

جلال سے اس کی بڑبھیڑ دروازے پر ہی ہو گئی۔ وہ مایوس ہو کر اب واپس جا رہا تھا۔
"میں نے آپ کا بہت انتظار کیا۔"
"کیوں؟ کوئی خاص کام تھا کیا؟" مادی نے بے حد رکھائی سے پوچھا۔ جلال چپ سا ہو گیا' تب ہی مادی کو

اپنی سفاکی کا احساس ہوا تھا۔
"دراصل النبا کے ساتھ باتوں میں وقت گزارنے کا پتا ہی نہیں چلا۔" اس نے فوراً بات تو سنبھالی لیکن لہجہ روکھا ہی رکھا تھا۔
"خیر! تم اتنی جلدی کیوں جا رہے ہو۔۔۔ کم بیٹھو! میں تمہیں اچھی سی کافی پلاتی ہوں۔" اب کی بار اس نے دوستانہ انداز میں کہا تھا۔ اب کیا تاثر دراصل النبا سے باتیں کرنے میں اسے دیر نہیں ہوئی تھی۔ وہ تو اس سے باتیں کرتی بے دھیانی میں گیٹ ہی عبور کر گئی تھی' جب واپس پلٹی تو دو گھنٹے گزر چکے تھے۔ جلال اس کے ساتھ کچھ وقت ضرور گزارنا چاہتا تھا لیکن اسے کسی ضروری کام سے جانا تھا۔
"ثمینہ آنٹی بتا رہی تھیں 'آپ واپس آسٹریلیا جا رہی ہیں۔" جلال نے کچھ خیال آنے پر پوچھا۔
"جی۔۔۔ ہاں میں کچھ روز کے لیے جا رہی ہوں۔ وہاں میری اسٹڈیز سے ——— متعلق کچھ کام رہتے ہیں۔ انہیں مکمل کرتے ہی واپس آجاؤں گی۔" مادی نے ثمینہ کی ہدایت کے مطابق بتایا جواب میں۔
جلال نے قدرے بددلی سے سر اثبات میں ہلا دیا۔
"میں آپ کو مس کروں گا مادی!"
مادی نے کوئی جواب نہیں دیا بس زبردستی مسکرا دی۔
"میں چلتا ہوں۔۔۔ خدا حافظ۔"
مادی نے اس بار بھی اس کی امیدوں پر پانی پھیرتے ہوئے اسے موقع بھی رکنے کے لیے نہیں کہا اور خدا حافظ کہتی اس سے بھی پہلے اندر چلی گئی۔ ثمینہ بری طرح پیچ و تاب کھاتی اس کی منتظر تھیں۔
"تمہیں عقل نہیں آسکتی مادی! ابھی نہیں آسکتی اپنی حماقتوں کے باعث سب بگاڑ دو گی تم۔"
"ایسی ہی بات ہے تو میری جگہ آپ حویلی کیوں نہیں چلی جاتیں؟" مادی نے بری طرح چڑ کر کہا تھا' لیکن فوراً ہی وہ خاموش ہو گئی۔ اس کا لہجہ بدتمیزی کی حد تک ناگوار تھا۔ وہ سر پکڑ کر صوفے پر گر گئی۔ چند لمحے اس نے ہاتھوں کو ہاتھ پھنسائے رکھے پھر جیسے خود پر ضبط کرتے ہوئے بولی۔
"جو آپ نے مجھ سے کروانا تھا' آپ کروا رہی ہیں' لیکن پلیز! اب باقی کے معاملات مجھے میرے طریقے سے ڈیل کرنے دیں۔ آپ کو بابا کے قاتل کا ثبوت چاہیے۔ میں اسے لانے کی پوری کوشش کروں گی' باقی رہا وہ ترکہ یا بابا جان کا حصہ ہے تو مجھے اس سے کوئی خاص دلچسپی نہیں ہے' لیکن محض آپ کی وجہ سے میں اس کی ڈیمانڈ ضرور کروں گی' ٹکرانے طریقے سے۔ اس معاملے آپ مجھے ڈکٹیٹ نہ کریں تو اچھا ہو گا۔"
اس نے تیز لہجے میں کہا اور اپنے بیڈ روم میں گھس گئی۔ سر پکڑ کر بیٹھنے کی باری اب ثمینہ کی تھی۔

☼ ☼ ☼

کمرے میں آکر مادی نے کھڑکی کے پردے گرا دیے اور بیڈ پر گر کر اس ساری صورت حال پر غور کرنے لگی۔ اس کے اردگرد نیم تاریکی پھیلی ہوئی تھی اور یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ ایک بند گلی میں آکر کھڑی ہو گئی ہو۔
"مما" وہ اٹھ بیٹھی اور سیل فون پر شہوز کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔ کئی بار کوشش کے باوجود دوسری طرف سے کوئی رسپانس نہیں ملا تو اسے مزید مایوسی نے گھیر لیا۔
"اب میں یہ کوشش کیوں کر رہی ہوں۔ اب تو کچھ بھی میرے ہاتھ میں نہیں رہا اور شہوز۔۔۔ شہوز نے بھی تو کبھی رابطہ کرنے کی کوشش نہیں کی۔ کیا میں اتنی غیر اہم تھی اس کی زندگی میں کہ معمولی سی تلخ کلامی کے بعد

انسان منہ ہی موڑ لے۔"

اس کے پاس سوچنے کے لیے بہت کچھ تھا لیکن پھر بھی ذہن خالی خالی سا محسوس ہوتا۔ وہ اور شہوز ہمیشہ ساتھ رہے تھے۔ ان میں بہترین دوستی تھی پھر پل کا رشتہ بھی ایک دوسرے سے جڑ گیا تو ایک دوسرے کی اور بھی بڑھ گئی۔ کبھی زندگی میں ایسا مقام بھی آئے گا کہ رابطے کے بہانے تلاش کرنے پڑیں۔ کم سے کم ہادی نے ایسا کبھی نہ سوچا تھا۔

یہ کیا ہو رہا تھا اور زندگی نے اسے کس مقام پر لا کر پٹخ دیا تھا۔ وہ ہر بار ان سوالوں پر غور کرتی' ہر بار الجھتی۔

اس وقت بھی اس کی پیشانی پر ان گنت سوچوں کا جال بچھا تھا اور کوئی حل سجھائی نہ دیتا تھا۔ تھک ہار کر اس نے شہوز سے رابطے کی ایک آخری کوشش کی۔ مسلسل بیل بجنے کے بعد دوسری طرف سے کال اٹینڈ کر لی گئی تھی۔

"ہیلو شہوز۔" ہادی نے بے قراری سے کہا تھا لیکن دوسری طرف سے سنائی دینے والی آواز نے جیسے اسے گنگ ہی کر دیا تھا۔ وہ کسی لڑکی کی آواز تھی جو انگلش زبان میں ہادی کا تعارف حاصل کرنا چاہ رہی تھی۔ ہادی شہوز کے نمبر پر کسی لڑکی کی آواز سن کر بہت حیران ہوئی' وہ کم تھا۔ شہوز بہت زاہد خشک قسم کا انسان تھا۔ ہادی اس کی گرل فرینڈ کی توقع بھی نہیں کر سکتی تھی۔

"کیا میں شہوز سے بات کر سکتی ہوں؟" ہادی نے اس دلکش لب و لہجے والی لڑکی سے جھجک آمیز لہجے میں پوچھا تھا۔

"ہاں ضرور۔ لیکن تمہیں کچھ دیر انتظار کرنا پڑے گا کیونکہ شہوز باتھ روم میں ہے۔" اس لڑکی نے شائستگی سے جواب دیا تھا۔

"اور کیا میں آپ کا تعارف حاصل کر سکتی ہوں؟"

"اوہ ضرور۔ کیوں نہیں۔ میں ایلس ہوں شہوز کی بیوی۔" کھنکتا لہجہ۔ موبائل فون ہادی کے ہاتھ سے چھوٹتے ہوتے بچا۔

"کیا بکواس ہے یہ۔" بمشکل اس کے منہ سے نکلا تھا۔

"ارے۔ یہ کیا لہجہ ہے۔" اس لڑکی نے اچنبھے سے پوچھا تھا۔

"کون ہے ایلس۔" ہادی ہزاروں میں پہچان سکتی تھی' یہ شہوز کی آواز تھی۔

"کوئی بد تمیز لڑکی ہے۔ اسے بات کرنے کی بھی تمیز نہیں ہے۔"

"ہیلو۔ ہادی؟" یکدم شہوز کی آواز ابھری تھی۔

ہادی چند لمحے بول ہی نہیں سکی۔

"ہادی! یہ تم ہو ناں؟" شہوز نے تصدیق چاہی لیکن اس کا گڑبڑایا ہوا لہجہ ہادی پر بہت کچھ ثابت کرنے کو تھا۔

ہادی نے لرزتی انگلیوں کے ساتھ کال منقطع کر کے سیل فون بیڈ پر رکھ دیا۔ اسے لگ رہا تھا اس کا دماغ پھٹ جائے گا۔ چند ہی لمحے گزرے تھے کہ فون کی بیپ بجنے لگی۔ ہادی اس قدر خالی الذہنی کا شکار تھی کہ اس سے فون کی طرف متوجہ بھی نہیں ہوا گیا لیکن کتنی دیر تک وہ یہ لاتعلقی برت سکتی تھی۔

"ہیلو ہادی! پلیز یار! مجھے غلط مت سمجھنا۔ میں تمہیں بتانے ہی والا تھا۔ بلیو می۔ میرے لیے تم سے زیادہ کوئی اہم نہیں ہے لیکن ایلس۔ میں تمہیں بتا دیتا۔" اس کا غیر متوازن وضاحتی لہجہ۔

جھوٹ مجسم نہیں ہوتا۔ اس کا احساس ہوتا ہے' جو لہجوں میں عیاں ہو کر کسی دوسرے انسان کی ہستی کا مذاق اڑاتا ہے۔

"تم کیا بتا دیتے شہوز؟" ہادی نے بے حس لہجے میں پوچھا۔

"یہی کہ میں ایلس سے شادی کر چکا ہوں۔ میں میں مجبور ہو گیا تھا ہادی! تمہیں سمجھنا چاہیے میں بہت مجبور ہو گیا تھا۔"

ہادی پوچھ نہ سکی کہ اس کی کیا مجبوریاں تھیں۔ بس ذہن کی چوکھٹ پر ایک خیال آن گرا تھا کہ اس نے بھی تو جلال سے نکاح کا فیصلہ کسی مجبوری کے تحت ہی کیا تھا۔ ایک فیصلہ اگر شہوز نے بھی کر لیا تو کیا فرق پڑتا ہے۔ آن کی آن میں وہ بے دم سی ہو گئی تھی۔

لیکن ساتھ ہی وہ یہ بھی سمجھ گئی کہ یہ تقدیر کا ایک 'دوکاری وار' ہے' جو ثمینہ کی رضا پوری کروانے کے لیے اس کی ذات پر ہوا تھا۔ اب کوئی حیلہ' کوئی بہانہ کام نہ آتا۔ وہ تھکے تھکے انداز میں اٹھی اور اپنا سامان پیک کرنے لگی۔

☼ ☼ ☼

"چند روز بعد بھی تو مجھے حویلی جانا ہے تو ابھی کیوں نہیں۔" اگلے روز ثمینہ کے استفسار پر ہادی نے سنجیدگی سے جواب دیا تھا۔

"آپ کی تو یہی مرضی ہے ناں ممی! کہ میں حویلی جاؤں۔ تو بس ٹھیک ہے! میں جا رہی ہوں۔ آپ گاڑی اور ڈرائیور کا بندوبست کر دیں۔ باقی کام میرا ہے۔ مجھے سامنے کے ل میں تو ہاتھ ڈالنا ہی ہے۔ چند روز بعد ڈالوں یا چند روز پہلے اس سے فرق بھی کیا پڑتا ہے۔"

اس نے سنجیدگی و کسی قدر لاتعلقی سے جواب دیا۔ اس کے مزاج میں یہ عجیب سا رد کھاپن کچھ روز سے در آیا تھا۔

"اچھا تھا کہ تم میری پلاننگ کے حساب سے چلتیں۔" ثمینہ نے بھی سنجیدگی سے کہا تھا۔

"سب کچھ آپ کی پلاننگ کے حساب سے ہی تو ہو رہا ہے۔" ہادی نے پتھر چھوڑے تھے۔

"پھر بھی۔"

"پلیز ممی!" اس نے چڑ کر کہا تھا۔ "میں اس ساری صورت حال سے تنگ آ چکی ہوں۔ واقعی' جب چند روز بعد حویلی جانا ہے تو ابھی کیوں نہیں۔ اور آخر ان چند روز میں جلال سے حویلی والوں کے متعلق معلومات حاصل کر کے میں کر بھی کیا لوں گی۔"

"تم ابھی نا سمجھ ہو۔ جو میں سمجھانے کی کوشش کر رہی ہوں۔"

"نا سمجھ؟" ہادی نے زہر خند مسکراہٹ اچھالی۔ "آپ اپنی اسی نا سمجھ بیٹی کو جنت لی بی کا منہ توڑنے بھیج رہی ہیں' یاد رہے۔"

"تم کس قدر ضدی اور بد تمیز ہو گئی ہو ہادی۔" ثمینہ نے جیسے صدمے کی کیفیت میں کہا تھا۔

ہادی ایک بار پھر ہنسی۔

"کاش! میں ضدی ہوتی۔ حیرت ہے آپ کو ابھی بھی یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی کہ میں ضدی ہوتی تو آپ کی من مانی نہ کرتی اور جہاں تک بد تمیزی کی بات ہے۔ تو معاف کیجئے گا۔ اس طرح کی ذہنی حالت کے ساتھ میں کسی تمیز کا مظاہرہ نہیں کر سکتی۔" ہادی نے صاف گوئی سے کہا۔

ثمینہ اس کے چہرے کی طرف دیکھے گئیں۔ یہ ان کی ہادی تو نہیں تھی' اتنی ضدی' اتنی ہٹ دھرم۔ لیکن اگلے ہی پل وہ انہیں حق بجانب لگی' ایک انسان کو کسی بہت ہی ناسازگار صورت حال کا سامنا کرنے کے لیے تھا پھول دیا جائے تو وہ شاید اس سے بھی زیادہ بری طرح ردعمل ظاہر کرے۔

"مجھے شہوز کا فون آیا تھا۔ تم اس کی کال ریسیو کیوں نہیں کر رہیں؟" ثمینہ نے بات ٹالتے ہوئے پوچھا۔
ہادی لمحہ بھر کے لیے ٹھٹکی پھر اس نے ثمینہ کا سوال ہی نظر انداز کرنے کی ٹھان لی۔
"مجھے آپ سے ایک بات کہنی ہے۔" اس نے چند لمحے کے توقف کے بعد کہا۔ "میں یہ نہیں کہہ رہی کہ مجھے آپ کی باتوں کا اعتبار نہیں ہے۔ یقیناً" جنت بی بی نے آپ پر بہت مظالم ڈھائے ہوں گے لیکن بابا جان کے قتل میں اس عورت کا ہاتھ ہے یا وہ اتنی ظالم ہو سکتی ہے' میرا دل ان باتوں پر اعتبار نہیں کر رہا۔ صرف آپ کی تسلی کے لیے میں حویلی جا رہی ہوں لیکن اگر آپ کی باتیں جھوٹ ثابت ہوئیں تو آپ یقین کیجیے مجھے کھو دیں گی ممی! ایٹ دس آور امس۔" اس نے حتمی لہجے میں کہا تھا۔
"تمہیں لگتا ہے۔ میں نے تم سے جھوٹ بولا ہے؟" ثمینہ نے صدمے کی کیفیت میں پوچھا۔
"میں نے یہ ہرگز نہیں کہا۔" ہادی نے تیزی سے کہا "میں صرف اتنا کہہ رہی ہوں۔ میرے دل کو اعتبار نہیں آ رہا۔"
"ایک ہی بات ہے۔" ثمینہ نے سرعت سے اس کی بات قطع کی۔
"اور یہ میرے لیے بے حد دکھ کی بات ہے۔"
"ایموشنل نہ ہوں ممی! آپ کے مطالبات نے مجھے اب تک دکھی کیا ہوا ہے' لیکن میں نے تو اس طرح کی جذباتیت کا مظاہرہ نہیں کیا۔"
اس نے چڑ کر کہا اور کین ٹیبل پر پھینک کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ گو کہ اس کے دل میں بہت سے سوالات تھے۔ بہت سے شکوک و شبہات تھے لیکن کوئی چیز تھی جو ان تمام باتوں کا اظہار اسے ثمینہ کے سامنے کرنے سے روک رہی تھی۔ وہ ثمینہ کو الجھا ہوا چھوڑ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

☼ ☼ ☼

ثمینہ کو ہادی کی باتوں نے بے حد دکھ پہنچایا تھا۔ ان کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا ہادی ان پر شک کر سکتی ہے۔ اب اس شک کے مداوے کا ایک ہی حل انہیں نظر آ رہا تھا۔ وہ فی الفور اٹھیں اور اپنے پورشن سے باہر آ گئیں۔
شام ڈھل رہی تھی اور نیلاہٹیں گھلے آسمان پر اپنے آشیانوں کی طرف لوٹتے پرندوں کی قطاریں گزر رہی تھیں۔ ثروت کی طرف جاتے ہوئے کچھ پل کے لیے ثمینہ وہمے خیالات کا شکار ہوئی تھیں۔
"کہیں ہادی کی باتیں درست تو نہیں۔۔۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ میں اپنا انتقام پورا کرنے کے لیے اپنی بیٹی کو موت کے منہ میں دھکیل رہی ہوں۔ نہیں' نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے۔ میں یہ سب کچھ محض رجب کی روح کو سکون پہنچانے کے لیے کر رہی ہوں۔ جنت بی بی کو سزا دلوانا محض میرا ہی خواب نہیں ہے۔ رجب بھی اس سے خوش ہوں گے۔"
ہر بار کی طرح اس بار بھی ثمینہ نے خود کو مطمئن کر لیا تھا یوں بھی وہ انتقام کے بپھرے ہوئے سمندر میں اتنا گہرا اتر چکی تھیں کہ کبھی کبھار سر اٹھانے والے ان خیالات کو رد کرنا کچھ ایسا مشکل بھی نہ تھا۔
لاؤنج میں ہی ان کی ملاقات انیسا سے ہو گئی۔ وہ ٹی وی دیکھ رہی تھی۔
"السلام علیکم آنٹی! آپ دروازے میں کیوں کھڑی ہیں۔" انیسا نے خوش اخلاقی سے کہا تھا "اندر آئیں۔"
"نہیں بیٹے!۔۔۔ اندر آنے کا تو ٹائم نہیں ہے۔۔۔ میں صرف آپ کی ممی کی خیریت معلوم کرنا چاہ رہی تھی۔"

ثروت نے نرمی سے جواب دیا۔
"وہ الحمدللہ اب پہلے سے بہت بہتر ہیں لیکن ویک نیس کی وجہ سے ڈاکٹر نے سفر کرنے سے منع کیا ہے۔ شاید ویک نیس متھا ایکسکیوز ٹو ایکسکیوز متھ اداس آ جائیں۔" انیسا نے تفصیل سے جواب دیا۔
"انیسا! کیا مجھے ثروت کا کانٹیکٹ نمبر مل سکتا ہے؟"
"شیور آنٹی! ویٹ اے منٹ۔" انیسا نے ٹیلی فون کے قریب پڑی ڈائری سے کاغذ کا پرزہ پھاڑا اور نمبر لکھ کر ثمینہ کی طرف بڑھا دیا۔
ثمینہ نے شکریہ کہہ کر چٹ پکڑ لی۔ نمبر کو ذہن نشین کرتے ہوئے ان کا دماغ کئی باتیں سوچ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"ہیلو! بات کرو۔"
ہادی اپنے گیلے چہرے کو تولیے سے تھپک رہی تھی جب ثمینہ نے سیل فون اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا تھا۔
ہادی نے ایک نظر سیل فون پر ڈال کر ثمینہ کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں الجھن بھرا استفسام تھا۔ اگلے ہی پل اس نے ثمینہ کے ہاتھ سے سیل فون لے کر کال ڈسکنیکٹ کی اور فون لاپروائی سے بیڈ پر اچھال دیا۔
"اگلی بار شہوز کا فون آئے تو کہہ دیجیے گا میں اسے خود کال کر لوں گی۔۔۔ ابھی میرا بات کرنے کا موڈ نہیں ہے۔"
"تم پاگل تو نہیں ہو گئیں ہادی!" ثمینہ نے چڑ کر کہا۔
"اس میں پاگل پن کی کیا بات ہے۔" ہادی نے لاپروائی سے کہا۔ "موڈ نہیں ہے تو نہیں ہے۔ اب کیا اس معاملے میں بھی مجھے آپ کی زبردستی ماننا پڑے گی۔"
"میں نہیں سمجھ پا رہی کہ آخر تم شہوز سے بات کیوں نہیں کر رہیں؟" ثمینہ کے لہجے میں الجھن تھی۔
"کیونکہ اگر میں اس سے بات کروں گی تو اس سے جھوٹ بولنا میرے لیے ممکن نہیں ہو گا۔ کیا آپ چاہتی ہیں' میں اسے سب کچھ بتا دوں؟" ہادی نے بات گھماتے ہوئے کہا تھا۔
ثمینہ خاموش سی ہو گئیں۔ بات تو درست کہہ رہی تھی وہ۔
"ٹھیک ہے! شہوز سے بات مت کرو لیکن تمہیں دیکھنا تو چاہیے تھا فون پر دوسری طرف کون تھا۔"
"کون تھا؟" ہادی ٹھٹکی۔
"ثروت۔۔۔ میں ثروت سے تمہاری بات کروانا چاہ رہی تھی۔" ثمینہ نے تحمل سے جواب دیا۔
"ثروت آنٹی سے؟" ہادی حیران ہوئی۔ "لیکن کیوں؟"
"تاکہ جنت بی بی کے بارے میں کچھ حقائق وہ بھی تمہیں بتا سکے۔ تمہیں اپنی ماں کی باتوں پر تو اعتبار نہیں آ رہا۔ ممکن ہے ثروت کی باتوں پر آ جائے۔" ثمینہ نے کہا تو ہادی کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔
"ممی! آپ مجھے مینٹلی کتنا ٹارچر کرنا چاہتی ہیں؟" چند منٹ بعد اس نے صدمے کی کیفیت میں کہا تھا۔
"بات آپ سے شیئر کرنے کا مطلب یہ تو ہرگز نہیں تھا کہ گواہیاں لانا شروع کر دیں۔۔۔ کیا ہو گیا ہے آپ کو کیوں اتنا ڈرامہ کری ایٹ کر رہی ہیں۔ ایک نارمل انسان ہوتے ہوئے ایب نارمل بی ہیو کیوں کرنا شروع کر دیا ہے آپ نے؟"

"میں ایب نارمل نہیں ہوں۔۔۔ مجھے تو ایسا لگتا ہے' تم ایب نارمل ہو' جس میں کوئی احساس ہی باقی نہیں ہے۔" ثمینہ نے اس سے زیادہ تلخ کرکہا۔

"تمہاری جگہ کوئی اور ہوتا تو ایک منٹ نہ لگاتا اپنے باپ کے قاتل کو سزا دلوانے میں اور ایک تم ہو جس کو کوئی فرق ہی نہیں پڑتا۔"

"مجھے فرق نہ پڑتا تو آپ کی بات مان کر جلال سے نکاح کی ہامی نہ بھرتی۔" مادی نے جل کر کہا "آپ ہی کی بات مان کر میں حویلی جارہی ہوں۔۔۔ اس کے علاوہ آپ مجھ سے کیا چاہتی ہیں میں سمجھ ہی نہیں پارہی۔"

"میں چاہتی ہوں تم میری باتوں پر اعتبار کرو۔ محض زبان سے ہی نہیں بلکہ دل سے بھی۔" ثمینہ نے اس بار لجاجت سے کہا تھا۔

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔" مادی نے اکتا کر کہا۔ "میں حویلی جاتو رہی ہوں ناں۔"

"وکیل کو جب تک اپنے کلائنٹ کی صداقت کا اعتبار نہ آجائے' وہ اچھا مقدمہ نہیں لڑ سکتا۔۔۔ اسی لیے میں چاہتی ہوں تم ایک بار ثروت سے بات کرلو۔ جہاں مجھ پر اتنے احسان کررہی ہو' وہاں ایک اور سہی۔" ثمینہ نے عجیب سے انداز میں کہا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

مادی نے ثمینہ کو کمرے سے باہر جاتے دیکھا پھر گہری سانس بھر کر سیل فون کو دیکھا۔ اب اس کے پاس اور کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ فون اٹھاتی اور برضاورغبت ثروت سے بات کرتی۔ بصورت دیگر اس کی ماں کا ٹاسٹ خراب ہونے کا خدشہ تھا اور ثمینہ سے ناراضی کے بعد وہ ایسا ہرگز نہ چاہتی تھی۔

مادی نے بددلی سے فون ملایا۔ وہ سمجھ نہ سکی ثمینہ نے ثروت کو اپنی زندگی کے رازوں میں شریک کرنے کے لیے کس طرح آمادہ کیا ہوگا۔ لیکن ثروت کے پاس جنت بابی کے خلاف ایک طویل فرد جرم تھی' جسے سن کر مادی کے دل میں اس عورت کے لیے ناپسندیدگی بڑھی تھی۔ اسے جنت بابی کی فطرت پر تعجب ہوا تھا اور ثمینہ کی طرف سے ملے ہوئے جذبہ انتقام میں کسی قدر اضافہ ہوا تھا۔

فون رکھ کر وہ کھڑکی کے پاس آگئی۔ سامنے آسمان صاف تھا۔ مادی کی پرسوچ نگاہیں اس آسمان کو کھوجنے لگیں۔ اپنی ماں کے مجبور کرنے پر اس نے زندگی کی سب سے بڑی بازی چلی تھی۔ اس نے حتیٰ المقدور "اپنا سب کچھ داؤ" لگا دیا تھا۔ بعض اوقات ہم زندگی کے ہر چھوٹے بڑے واقعے کو دوسروں کے کھاتے میں ڈال دیتے ہیں اور کبھی اچھی' بری بات کا ذمہ دار تقدیر کو ٹھہرایا جاتا ہے۔

مادی سمجھ چکی تھی اس کے ساتھ جو بھی ہورہا تھا یا جو وہ کرنے جارہی تھی' وہ اس کی تقدیر کا لکھا تھا اور انسان کتنے بھی ہاتھ پیر مارے تقدیر سے منحرف نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ مادی نے خود کو تقدیر کے ہاتھوں میں دے دیا تھا۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ تقدیر اسے کہاں لے جاتی ہے۔

آسمان کے کناروں پر تاریکی پھیل رہی تھی۔ دن کا اجالا تاریکی میں مدغم ہونے لگا تھا۔

☼ ☼ ☼

ٹیلی فون کی گھنٹی سارے گھر میں گونج رہی تھی۔

انیسا کو فون ریسیو کرنے کے لیے بھاگتے ہوئے آنا پڑا تھا۔ تیز تیز سیڑھیاں اترنے سے اس کی سانس ہی پھول گئی تھی۔

"ہیلو۔"

"فیضان بات کررہا ہوں۔"

انیسا کا دل پوری قوت سے سکڑ کر پھیلا' لیکن فوری طور پر وہ کچھ بول نہیں سکی۔ فیضان نے چند سیکنڈ انتظار کیا تھا۔

"آپی تو گھر پر نہیں ہیں۔ آپ ان کے سیل پر کانٹیکٹ کرلیں۔" معاً اس نے سرعت سے کہا تھا۔

"میں جانتا ہوں' دانیال بھائی اس وقت گھر پر نہیں ہوتے اور ان کا سیل نمبر بھی ہے میرے پاس۔۔۔" فیضان نے تدبر سے کہا تھا۔

"تو پھر؟" وہ الجھی۔

"میں تم سے بات کرنا چاہ رہا تھا۔"

"جی آپ کہیے۔ میں سن رہی ہوں۔" انیسا نے توقف کے بعد کہا تھا۔

"میں دراصل یہاں آتے ہوئے بھی تم سے بات کرنا چاہتا تھا لیکن بس۔۔۔ اس وقت میری ذہنی حالت اتنی عجیب ہورہی تھی۔" فیضان نے کھسیاہٹ بھرے انداز میں کہا۔ "کہ میں خود کو کچھ بھی کہنے پر آمادہ ہی نہیں کرسکا۔ میں دراصل بہت شرمندہ ہوں۔ مجھے تم پر ہاتھ نہیں اٹھانا چاہیے تھا' لیکن وہ بات ہی ایسی تھی انیسا! کہ میں اپنے غصے کو کنٹرول ہی نہیں کرسکا۔ گو کہ میں جانتا ہوں' تم نے وہ تمام باتیں' مادی کی احمقانہ باتوں میں آکر کی ہوں گی' اس لیے مجھے اپنے اقدام پر زیادہ شرمندگی محسوس ہوتی ہے۔"

انیسا نے ہمہ تن گوش ہوکر اس کی بات سنی۔ جملہ مکمل ہوتے ہی گہری سانس بھر کر بولی۔

"آپ شرمندہ نہ ہوں۔ آپ کی جگہ کوئی بھی دوسرا انسان ہوتا۔ وہ اسی طرح ری ایکٹ کرتا۔"

انیسا کا متوازن لہجہ فیضان کو چپ کروا گیا تھا۔

"تو کیا میں سمجھوں تم مجھ سے خفا نہیں ہو۔۔۔؟" چند منٹ بعد انہوں نے پوچھا۔

انیسا کسی قدر خفگی سے ہنس دی۔

"نہیں ہوں۔۔۔ اور اگر ہوتی بھی تو اس سے کیا فرق پڑتا تھا۔"

"تمہاری ناراضی سے مجھے فرق پڑتا ہے انیسا! دوستوں کی ناراضی سے سب کو فرق پڑتا ہے' پھر اپنی اس حرکت کے لیے میں بہت گلٹی فیل کررہا ہوں۔" فیضان نے تیزی سے کہا تھا۔

"آپ گلٹی نہ ہوں۔۔۔ میں ناراض نہیں ہوں۔ آپ نے جو کیا' وہ ٹھیک تھا' کیونکہ اس وقت آپ حق بجانب تھے' مجھے واقعی اس طرح کی بات کرنے کا کوئی حق نہیں تھا۔ اپنے جذبے مجھے خود تک محدود رکھنے چاہیے تھے۔ مجھے کیا ضرورت تھی کہ آپ کو شریک کرتی۔"

اس کا لہجہ تلخ نہیں۔ لیکن وہ ٹوک ضرور تھا۔ فیضان سے اس سلسلے میں مزید کچھ کہا نہ گیا۔ وہ انیسا سے اس طرح کے رویے کی توقع ہرگز نہیں کررہے تھے۔

"اچھا تو کیا میں سمجھوں۔۔۔ تم واقعی خفا نہیں ہو؟" چند منٹ بعد انہوں نے دوبارہ پوچھا۔ اس بار انیسا خوش دلی سے ہنس دی۔

"بار بار ایسا پوچھ کر آپ مجھے شرمندہ کررہے ہیں۔ دوستی تک ٹھیک ہے' لیکن اب اتنی بھی اہم نہیں ہوں میں کہ آپ میری ناراضی کی اتنی پروا کریں۔"

"کیا میں دوبارہ فون کرسکتا ہوں؟" فیضان نے بے ساختہ پوچھا۔

"ضرور۔۔۔ لیکن کس لیے؟" وہ الجھی۔

"اپنے دل کو یہ یقین دلانے کے لیے کہ تم مجھ سے سچ مچ خفا نہیں ہو اور محض فارملٹی نہیں نبھا رہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ آپ کا جب دل چاہے مجھے فون کرلیں۔"

مزید چند ادھر ادھر کی باتوں کے بعد انیسا نے فون بند کردیا اور فون سیٹ کو دیکھتی رہی۔ اس کا دل عجیب سا ہو رہا تھا اور وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ فیضان کی کال نے اسے خوشی پہنچائی ہے یا نہیں۔

☼ ☼ ☼

تیسرے روز ہادی جنت بی بی کی حویلی جانے کے لیے تیار کھڑی تھی۔

یہ صبح کے گیارہ بجے کا عمل تھا۔ تیز چمکیلی دھوپ نے ہر طرف پہرہ گاڑ رکھا تھا۔ ثمینہ نے دیکھا ہادی بے حد سنجیدہ اور لاتعلق سی دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے سیاہ جینز پر براؤن کرتا پہنا تھا۔ براؤن ہی لیدر بیگ وائیں کاندھے پر لٹک رہا تھا۔ سن گلاسز اس کے ایک ہاتھ میں تھے جب کہ دوسرے ہاتھ میں پکڑے موبائل پر وہ تیزی سے میسج ٹائپ کررہی تھی۔

"بی بی جی! سامان گاڑی میں رکھ دیا ہے۔" ڈرائیور کے کہنے پر ہادی نے اثبات میں سر ہلایا اور اسی مصروفیت کے انداز میں گاڑی کی طرف بڑھی۔ ثمینہ کو اس کی لاتعلقی نے دکھ دیا تھا۔

"مجھ سے مل کر بھی نہیں جاؤ گی؟" ثمینہ نے تیزی سے پوچھا۔ ہادی نے مڑ کر انہیں دیکھا۔ ناراضی اپنی جگہ لیکن پہلی بار وہاں سے دور جارہی تھی۔ دل خود بخود گداز ہوگیا۔

وہ واپس پلٹی اور ثمینہ سے لپٹ گئی۔

ثمینہ نے بہت شدت سے اسے خود سے لپٹایا تھا۔

اپنی مرضی کے عین مطابق ہر فیصلہ کروالینے کے بعد بالآخر ثمینہ بے چینی کا شکار ہوگئی تھیں۔

"وہاں اپنا بہت خیال رکھنا۔ میں جانتی ہوں۔ تمہیں وہاں بھیج کر میں بہت بڑا رسک لے رہی ہوں لیکن رجب کی قاتل کو سزا دلوانا میری زندگی کی سب سے بڑی بلکہ واحد خواہش ہے۔"

ثمینہ کے لہجے میں بے حد بے چارگی تھی۔ ہادی کوشش کے باوجود بھی اپنے ہونٹوں پر نمودار ہونے والی طنزیہ مسکراہٹ کو روک نہیں سکی پھر اس نے خفیف سا جھک کر ——— ماں کے ماتھے پر بوسہ دیا۔

"اپنا خیال رکھیے گا ممی!"

وہ سرعت سے پلٹی اور گاڑی میں سوار ہوگئی۔ ڈرائیور نے گاڑی پیچھے کی اور تیزی سے گیٹ سے باہر نکال لے گیا۔ ثمینہ کی نظریں اس وقت تک گاڑی کا تعاقب کرتی رہیں، جب تک گاڑی کے پیچھے رہ جانے والی ہلکی سی دھول بھی ختم نہ ہوگئی۔

ان کے دل کی حالت حسبِ معمول عجیب ہورہی تھی۔ کچھ بے چینی، کچھ اضطراب، تھوڑی سی آس اور بہت سی دعائیں۔

جوں ہی وہ اندر جانے کے لیے پلٹیں انیسا کو دیکھ کر ٹھٹک گئیں۔

"آنٹی! ہادی کہاں گئی ہے؟ میرا مطلب ہے مجھے اس سے کچھ ضروری کام تھا۔ کب تک واپس آئے گی وہ؟" انیسا ذرا عجلت میں تھی۔

ثمینہ اس سوال پر قدرے گڑبڑا گئیں۔

"واپسی کے بارے میں تو کچھ نہیں کہہ سکتی کیونکہ ہادی بارہ بجے کی فلائٹ سے واپس ڈبلن جارہی ہے۔ میرا نہیں خیال کہ وہ واپس آئے گی کیونکہ چار روز بعد تو میری بھی فلائٹ ہے۔" ثمینہ کی سمجھ میں فوری طور پر یہ

انہوں نے کہہ دیا۔

"ہادی ڈبلن جارہی ہے۔ اتنی اچانک؟" انیسا کو بہت ہی حیرانی ہوئی تھی۔ "حیرت ہے ہادی نے مجھ سے تو ذکر بھی نہیں کیا۔"

"ہاں! بس اس کا اچانک واپسی کا پروگرام بن گیا۔ میری بیٹی ہر رونمین سے جلدی اکتا جاتی ہے۔" ثمینہ نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پانے کی کوشش غیر محسوس انداز میں کرتے ہوئے کہا۔

"میں تو چاہ رہی تھی ہم دونوں کو ایک ہی فلائٹس کی سیٹیں مل جائیں لیکن مجھے چار دن بعد کی سیٹ ملی ہے۔ آنٹی! ہادی سے کہنا تو فیر چند روز میں تم لوگوں کے سارے ڈیوز کلیئر کردے گا۔"

ثمینہ جلدی جلدی وضاحتیں دیتی اپنے پورشن کی طرف چلی گئیں۔ یوں جیسے پیچھا چھڑوانا چاہ رہی ہوں۔ انیسا الجھن بھری نظروں سے انہیں جاتے دیکھا تھا۔ وہ اسے کچھ پراسرار سی لگی تھیں۔

☼ ☼ ☼

صبح گیارہ بجے شروع ہونے والے سفر کا اختتام شام سوا چار بجے ہوا تھا۔ دھول اڑاتے کچے پکے راستوں پر سفر کرتی ہوئی گاڑی چوہدری دلاور حسین کی حویلی کے سامنے آکر رک گئی تھی۔

اور جہاں یہ سفر ختم ہوا تھا وہاں شروع ہو رہا تھا۔ گاڑی سے اترتے ہوئے ہادی نے سوچا۔ اس کے عین سامنے حویلی کا پھاٹک نما قد آدم دروازہ تھا۔ پشت پر ڈھلتے سورج کی روشنی تھی جو اس کے عقب سے نکل کر پھاٹک پر پڑ رہی تھی۔ پھاٹک کی لوہے کی سلاخیں اس روشنی سے چاندی کی طرح چمک رہی تھی۔

پھاٹک کے دونوں جانب ناریل کے درخت تھے جو پھاٹک پر جھک آئے تھے۔ پھاٹک کے دوسری جانب طویل رقبے پر پھولوں کی روش تھی۔ پھاٹک کے قریب ہی دو بھیانک شکاری کتے موٹی زنجیروں سے بندھے ہوئے تھے۔ انہوں نے اجنبیوں کی خوشبو پاتے ہی زور زور سے بھونکنا شروع کردیا تھا۔

اپنے تمام تر اعتماد کے باوجود ہادی کسی قدر گھبراہٹ کا شکار تھی جس کا اظہار اس کے چہرے سے بالکل نہ ہوتا اگر کار سے اترتے ہی کسی کٹرانِ کتوں نے پوری کردی تھی۔ اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ تب ہی پھاٹک سے متصل چھوٹا دروازہ کھول کر حویلی کا ملازم باہر نکلا۔

ہادی نے دیکھا اس نے گرم چادر کے ساتھ کندھے پر بندوق بھی اٹھا رکھی تھی۔

"میرا نام ہادی رجب علی ہے۔ میں آئرلینڈ سے آئی ہوں۔ مجھے حویلی کے مالکوں سے ملنا ہے۔" ہادی نے بے حد اعتماد کے ساتھ ملازم سے کہا۔ وہ اسے انتظار کرنے کا کہہ کر اندر چلا گیا۔ اس دوران ہادی نے ڈرائیور سے اپنا سامان اتارنے کے لیے کہا۔ سامان اتر چکا تو اس نے ڈرائیور کو کرائے کی رقم ادا کی اور جانے کے لیے کہہ دیا۔

اتنی دیر میں وہ ملازم بھی واپس آچکا تھا۔

"مالکوں میں سے کوئی موجود نہیں ہے؟"

"صاحب لوگ ہیں۔ اپنی مرضی کے مالک ہیں۔" ملازم نے مودبانہ انداز میں جواب دیا۔

"ٹھیک ہے، میں انتظار کرسکتی ہوں۔ کیا میں اندر بیٹھ کر انتظار کرسکتی ہوں؟"

"اجازت ملے بغیر آپ اندر نہیں بیٹھ سکتیں۔" ملازم نے کہا۔ "آپ دوبارہ آجائیں۔"

"نہیں پتا ہے آئرلینڈ جانے اور پھر واپس آنے میں کتنا وقت لگتا ہے؟ میرا کیا دماغ خراب ہے کہ پہلے واپس

جاؤں پھر آؤں۔ حویلی کی عورتوں میں سے تو ضرور کوئی موجود ہوگی۔ ان کو جا کر بتاؤ ہادی رجب علی آئی ہے اور جنت بی بی سے ملنا چاہتی ہے۔" ہادی نے چڑ کر کہا تھا۔

لمبی چوڑی بحث کے بعد بالآخر ملازم اسے اندر لے آیا تھا اور حویلی کے مرکزی ہال میں پڑی کرسیوں پر بیٹھ کر انتظار کرنے کا حکم دے کر چلا گیا تھا۔ اتنی کوفت کیا کم تھی کہ اس کے بعد خواتین ملازماؤں نے آ کر انگوائری شروع کردی۔

"آپ میں کسی سوال کا جواب نہیں دوں گی۔ اندر جاؤ اور جا کر جنت بی بی کو بتاؤ ہادی رجب علی ان سے ملنے آئی ہے۔" چوتھی مرتبہ جب ملازمہ اس سے کچھ پوچھنے آئی تو ہادی نے پھٹ پڑنے والے انداز میں کہا تھا۔ ملازمہ اپنا سامنہ لے کر واپس چلی گئی۔

ہادی غصے اور اشتعال سے ادھر ادھر ٹہلنے لگی۔ تھوڑی دیر گزری ہوگی کہ اسی ملازمہ کے ہمراہ ایک بہت خوبصورت لڑکی اس کے پاس آگئی۔

"السلام علیکم۔ معاف کیجئے میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔" ہادی گویا جھوم ہی اٹھی۔ جتنی وہ خوبصورت تھی اس سے زیادہ دلکش آواز تھی اور خوبصورتی بذات خود کسی معجزے سے کم نہیں ہے۔ ہادی نے کچھ دیر پہلے ہلکی کوفت کو بھرتے محسوس کیا تھا' لیکن ساتھ ہی اسے وہ چہرہ کچھ جانا پہچانا سا لگا تھا' شاید وہ اسے پہلے بھی کہیں دیکھ چکی تھی۔

"آپ مجھے نہیں پہچان سکتیں۔ مختصر تعارف یہ ہے کہ میرا نام ہادی رجب علی ہے' میں نیوزی لینڈ سے آئی ہوں اور جنت بی بی سے ملنا چاہتی ہوں۔ اور دوسری بات یہ کہ آپ لوگوں کے ملازمین بہت ہی ناسمجھ اور irritating ہیں۔ پچھلے تین گھنٹوں سے انہوں نے سوال پوچھ پوچھ کر میرا دماغ فیوز اڑا دیا ہے۔"

ہادی کی بات پر وہ لڑکی ہنسی۔ جھرنوں سی دلکش ہنسی تھی۔

"ملازمین کی اتنی زیادہ غلطی نہیں ہے۔ انہیں تو جو حکم ملتا ہے وہی کرتے ہیں اور بغیر انکوائری کے کسی اجنبی کو حویلی میں آنے کی اجازت نہیں ہے۔"

"ایک بار جنت بی بی سے ملاقات ہو جائے سب کو پتا چل جائے گا میں اس حویلی کے لیے کتنی اجنبی اور غیر ہوں۔" ہادی نے اشتعال کے ساتھ جواب دیا۔ لڑکی کی آنکھوں میں الجھن سمٹ آئی۔

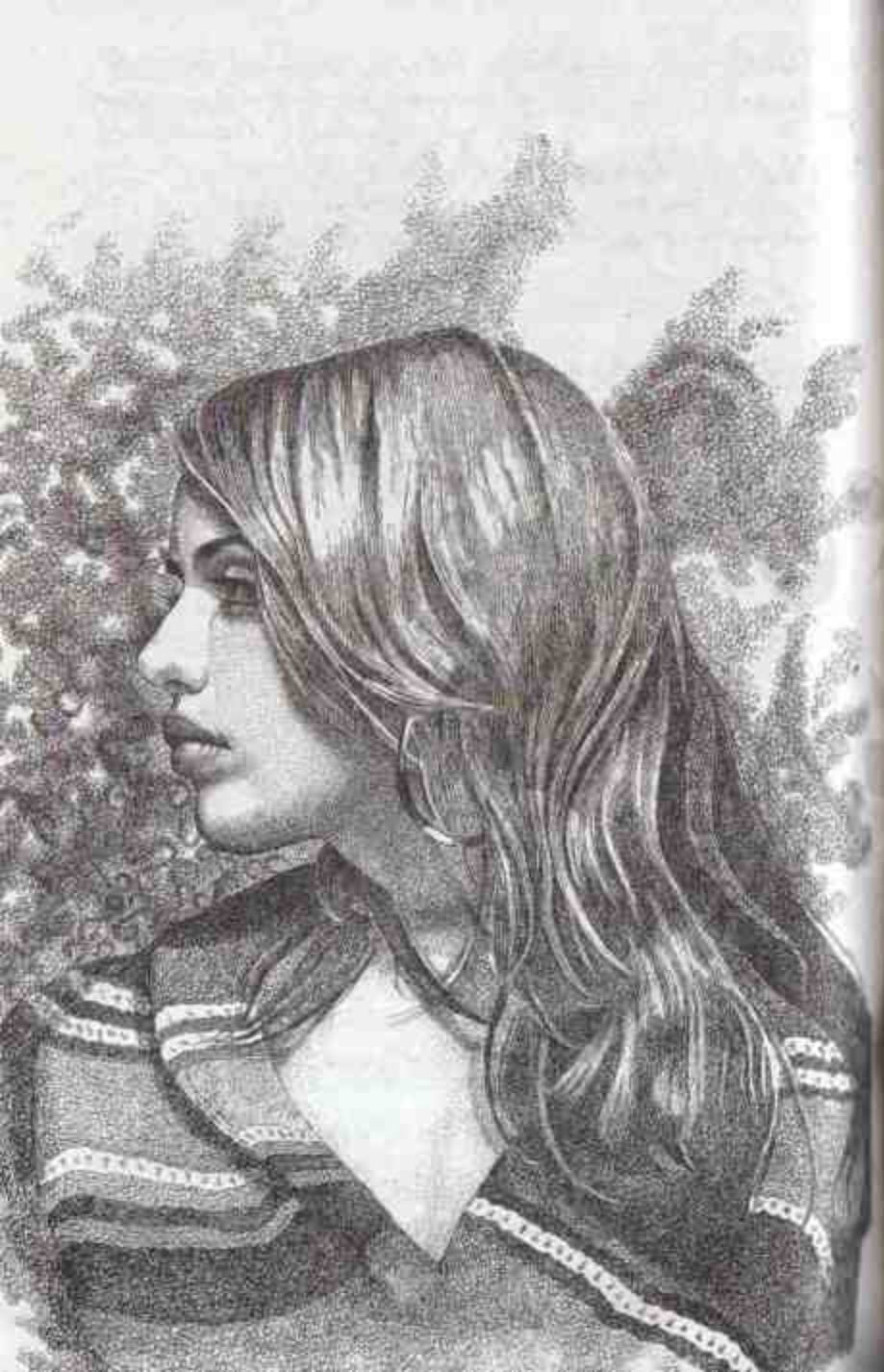
"میں کچھ سمجھی نہیں۔ کیونکہ میں تو آپ کو بالکل بھی نہیں پہچان پا رہی۔"

ہادی کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ وہ لڑکی جو خود کو جنت بی بی بتا رہی تھی' بمشکل اٹھارہ یا انیس سال کی رہی ہوگی۔ وہ جس جنت بی بی کی تلاش میں اس حویلی تک آئی تھی یقیناً یہ وہ نہیں تھی اور اگر یہ وہ نہیں تھی تو پھر خود کو جنت بی بی کیوں کہہ رہی تھی۔ کوئی گڑبڑ سی گڑبڑ تھی' گیو نکہ ہادی کے ذہن میں کوندا سا لپکا تھا۔ اسے یاد آگیا تھا' اس لڑکی کا چہرہ اسے جانا پہچانا کیوں لگا تھا۔

یہ لڑکی سلطانہ آنٹی کے کالج میں پڑھتی تھی اور جب ہادی ان سے ملنے آئی تھی تو اس نے اس لڑکی کو دیکھا تھا' لیکن اس کا نام جنت نہیں ہنوی تھا۔ اب وہ ہنوی تھی یا جنت۔ ہادی سمجھ نہیں پا رہی تھی اور الجھن بھری نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ یہی حال ہنوی کا تھا۔

باقی آئندہ شمارے میں





اصنر ریاض

سلام دنیا

دین محمد مٹی سے محبت کرنے والا جفاکش مرد ہے۔ دھرتی کو اپنے خون جگر سے سونا اگلنے کے قابل بنانا اس کا پیشہ ہے۔ اس کی پوری زندگی محنت سے عبارت ہے' جو وہ اپنے چھ مربع زمین پر صرف کرتا ہے۔ شادی کو آٹھ سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ اپنے چھوٹے سے گھر میں وہ بیوی زہرہ اور ماں کے ساتھ رہتا ہے۔ زہرہ چھ مردہ بچوں کو جنم دے کر ایک مرتبہ پھر امید سے ہے۔ دین محمد کا رواں رواں اولاد کی خوش خبری پانے کے لیے مجسم دعا بن چکا ہے۔ اس کی دعائیں مستجاب ٹھہرتی ہیں اور اس کے یہاں ایک خوب صورت بچی جنم لیتی ہے۔ اسے وہ پیار سے "جنت" کے نام سے مخاطب کرتا ہے۔

جلال الدین کے روز و شب نوکری کی چکی میں پستے گزر رہے ہیں۔ اس نوکری کے دوران اسے آرام کرنے کا موقع بھی کم ملتا ہے۔ اچھے مستقبل کا خواب اسے متحرک رکھتا ہے۔ تنہائی میں کسی کی محبت کا جگنو اس کی دنیا تابدار رکھتا ہے۔ ہر دم "اس" کی یادیں اسے بے چین رکھتی ہیں۔ دن بھر کا تھکا ہارا وہ آرام کرنے لیٹتا ہے تو پولیس اسٹیشن سے اطلاع ملتی ہے کہ جنت بی بی ان کی حراست میں ہے' جس کا دعوا ہے کہ اس نے اپنے شوہر کا قتل کیا ہے۔ جلال الدین اپنے وکیل دوست مسعود کے ساتھ بھاگم بھاگ پولیس اسٹیشن پہنچتا ہے اور ثبوت دکھاتا ہے کہ جنت شیزوفرینیا کی مریض ہے' جس کی شادی ابھی ہوئی تک نہیں۔ جنت کی حالت جلال الدین کو اعصابی تھکن کا شکار کرنے لگتی ہے۔ تنگ آ کر اس نے نوکروں کے سارے ملبہ گھر میں رکھ چھوڑا ہے۔

ثمینہ 14 سال بعد اپنی بیٹی ماوی کے ساتھ آکلینڈ سے پاکستان آئی ہیں تو انہیں توقیر صاحب کے بنائے گئے بنگلے کو تلاشنے میں بہت وقت لگتا ہے۔ وہ فیض کے دوست توقیر صاحب کے توسط سے دانیال کی ایکسی میں ٹھہرتی ہیں۔ ثروت دانیال ملنسار اور محبتی خاتون ہیں۔ ولی' ولید اور انیبا ان کے بچے ہیں۔ ماوی کی پہلی ملاقات میں انیبا سے دوستی ہو جاتی ہے۔

شمیم العباس طیفا "سخت گیر اور غصہ ور نوجوان ہے' جسے صنف نازک کا غیر ضروری ہنسنا بھی ناگوار گزرتا ہے۔



پھپھی زاد تنوی سے منسوب ہے۔ تنوی اس کی تند خو طبیعت سے سخت نالاں ہے۔ شبیہہ "تنوی کو کالج چھوڑنے آتا ہے تو سہیلیاں عبیر اور نمو تنوی کے سر ہو جاتی ہیں۔ یہ جان کر کہ شبیہہ "تنوی کا منگیتر ہے" وہ اس کی قسمت پر رشک کرتی ہیں۔ تنوی دونوں سے گزارش کرتی ہے کہ عوش کو اس بات کا علم نہ ہو۔

شبیہہ العباس "ثروت دانیال کی اولاد ہے" جسے انہیں دانیال حسن سے شادی سے پہلے چھوڑنا پڑا۔ بچپن کی محرومی نے اسے بدمزاج اور غصیلا بنا دیا۔ وہ انیبا اور ولید سے بہت ترشی سے پیش آتا ہے۔ وہ ان سے بحیثیت بہن بھائی قطعی تعلقات محسوس نہیں کرتا۔ انیبا اس کی محرومی دل سے محسوس کرتی ہے۔ انیبا پر بری نظر ڈالنے پر وہ جے ڈی کے دوست سعدی کو پیٹ ڈالتا ہے۔ صرف جے ڈی اس کی کیفیات سمجھتا ہے۔

بیمار پڑنے پر بیگم دانیال "ثمینہ کی اچھی طرح دیکھ بھال کرتی ہیں تو ثمینہ ان کے اخلاق سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتیں۔ انہیں بیگم دانیال کو دیکھ کر لگتا ہے کہ وہ پہلے ان سے مل چکی ہیں۔

بچپن کی لڑائی میں جنت کو چوٹ لگتی ہے تو دین محمد اپنی بہن زبیدہ کے بیٹے فاروق کا طیہ بگاڑ دیتا ہے۔ ساتھ ہی زبیدہ بہن اور رفیق بھائی سے قطع تعلق کر لیتا ہے۔ زہرہ اس کی جنت سے طوفانی محبت سے خوف زدہ ہے۔ دین محمد "ہرہ کو باور کرواتا ہے کہ وہ جنت کو بیاہ کر دوسرے گھر نہیں بھیجے گا۔ بلکہ اس کے شوہر کو گھر داماد بنائے گا۔

اتفاقاً" ماوی کا ٹکراؤ شبیہہ سے ہوتا ہے جس سے ماوی کا پیر زخمی ہو جاتا ہے۔ اپنی غلطی کے باوجود جھنجلاہٹ میں شبیہہ ماوی کو بری طرح سے ڈانٹتا ہے تو ماوی اس کی طبیعت صاف کر دیتی ہے۔ ثمینہ سے وہ اس واقعے کا ذکر نہیں کرتی۔ ثمینہ کا روڈ ایکسیڈنٹ ہوتا ہے تو جے ڈی عین موقع پر ان کی بہت مدد کرتا ہے۔ ماوی اور فیضان اس پر جے ڈی کے مشکور ہیں "لیکن وہ اپنا چاہے بغیر چلا جاتا ہے، جس پر ثمینہ کو بہت افسوس ہوتا ہے۔ اتفاقاً" ان کی جے ڈی سے دوبارہ ملاقات ہوتی ہے۔ ثمینہ اسے گھر بلاتی ہیں۔ ثمینہ "ثروت کو بتاتی ہیں کہ ان کے شوہر رجب کا بے دردی سے قتل ہوا تھا اور یہ بات ماوی کے علم میں نہیں ہے۔ یہ جان کر انہیں رنج ہوتا ہے۔ شبیہہ کو جے ڈی کا اپنی ماں اور ثمینہ سے گفتگو کرنا پسند نہیں" جس پر وہ جے ڈی کو تنبیہہ بھی کرتا ہے۔

انیبا اول تو دل میں فیضان کو چاہتی ہے۔ ثروت کے پہلے شوہر سے نسبت کے باعث دانیال صاحب ثمینہ کی فیملی کو پسند نہیں کرتے۔ ماوی "ان کی دلوں بھائی لیتی ہے اور فیضان ماما سے رائے لینے کی کوشش کرتی ہے تو فیضان اسے جھڑک دیتے ہیں۔ بھائیوں پر بار بن کے اس لیے ثمینہ "ماوی کو پاکستان میں مزید پڑھنے کی اجازت دے دیتی ہیں۔ عبیر "نمو اور تنوی کو عوش کی غیر اخلاقی اور جرائم پیشہ سرگرمیوں کے متعلق بتاتی ہے تو نمو ناراض ہو جاتی ہے۔ عبیر کو اپنی جلد بازی پر افسوس ہوتا ہے "وہ عوش کے متعلق ثبوت اکٹھا کرنا چاہتی ہے۔

زہرہ کی اچانک "موت کو محض جنت کے کہنے پر دین محمد "بہن زبیدہ کے سر ڈالتا ہے تو سب برادری والے بھی حق دق رہ جاتے ہیں۔ دین محمد کی ماں پڑوسن کے کہنے پر جنت کو پیر صاحب کے پاس لے کر جاتی ہے تو جنت یہ بات بڑھا چڑھا کر دین محمد کو بتاتی ہے۔ وہ ماں کو بہن زبیدہ کے یہاں ہمیشہ کے لیے بھیجنے کا فیصلہ سناتا ہے تو ماں رو رو کر اسے اس فیصلے سے باز رکھنے کی کوشش کرتی ہے۔ بہت مشکل سے دین محمد راضی ہوتا ہے۔ دین محمد کے رویے سے جنت کے اندر پنپنے والی منفی شخصیت قد آور ہو رہی ہے۔

دین محمد کی بہن زبیدہ کا بیٹا فاروق گاؤں میں آتا ہے تو جنت اسے پسند کرنے لگتی ہے۔ وہ اسے اپنی طرف راغب کرنے کی کوشش کرتی ہے "لیکن فاروق اسے دھتکار دیتا ہے اور اس کے باپ سے ہتک آمیز انداز میں شکایت کرتا ہے۔

دین محمد "جنت کو اپنی سب سے چھوٹی بیٹی کو مارتے دیکھ لیتا ہے۔ اسے شدت سے احساس ہوتا ہے کہ اس نے جنت کی تربیت میں کوتاہی کی ہے۔

ثروت "دانیال حسن کے ہر وقت کے شک سے تنگ آ کر میکے چلی جاتی ہیں۔ انیبا اور ولید کو اپنے والدین کے درمیان کھنچاؤ کا کچھ کچھ اندازہ ہے۔ دانیال حسن "ثروت کو فون کر کے علیحدگی کی بات کرتے ہیں۔ ثروت کی طبیعت خراب ہو گی اور انہیں اسپتال میں داخل ہونا پڑا۔

ثمینہ "ماوی کے سامنے ماضی کے اوراق پلٹتی ہیں۔ وہ اسے بتاتی ہیں کہ جلال اور شبیہہ العباس "ماوی کے رشتے دار ہیں اور یہ کہ ماوی کے باپ "رجب کو جنت بی بی نے قتل کیا تھا۔ ثمینہ "ماوی پر زور دیتی ہیں کہ وہ حویلی جا کر جنت بی بی سے انتقام لے۔

ثمینہ نے بتایا۔ رجب کے مرنے کے بعد جنت بی بی نے ان کے سامنے رجب کی وصیت رکھ دی۔ جس میں انہوں نے اپنی ساری جائیداد جنت بی بی کی سپرد ستی میں دے دی تھی۔ وہ ساری جائیداد اظہار بیرس کی عمر ہونے کے بعد رجب کی بیٹی یعنی ماوی کو منتقل ہونا تھی۔ یہ تو حقیقت تھی کہ وصیت جعلی تھی لیکن ثمینہ کے اس وقت حالات ایسے نہ تھے کہ وہ جنت کو چیلنج کر سکتیں۔ وہ خاموشی سے حویلی چھوڑ کر اپنے بھائی فیاض کے ساتھ لاہور آ گئیں۔

بعد میں ایک دن جنت بی بی ثمینہ سے ملنے آئی اور انہیں مجبور کیا کہ وہ اس کے بڑے بیٹے سے شادی کر لیں۔ جو ذہنی معذور تھا۔ ثمینہ نے انکار کر دیا۔ تب جنت نے بتایا کہ وہ رجب کی ساری جائیداد اپنے نام کرا چکی ہے۔ ساتھ اس نے انکشاف کیا کہ رجب کو اس نے زہر دے کر مارا ہے۔

ثمینہ نے کہا کہ ماوی ہرگز نہیں نیشنل ہے۔ جنت اس کو ہاتھ بھی نہیں لگا سکتی۔ ایسی حرکت میں آ جائے گی۔

ثمینہ نے ماوی سے کہا "وہ اس کی شادی جلال سے طے کر چکی ہیں۔ اسے جلال سے نکاح کرنا ہو گا تاکہ حویلی جا سکے۔ انہوں نے کہا اپنا مقصد حاصل ہونے کے بعد ماوی جلال سے خلع لے لے تاکہ شہوز سے شادی کر سکے۔ شہوز کو کچھ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔

ماوی نے انکار کیا تو ثمینہ نے خواب آور گولیاں کھا کر خودکشی کی کوشش کی۔

۲۰
بیسویں قسط

ماوی "محاورتاً" نہیں حقیقتاً" اس لڑکی کو دیکھ رہی تھی "جس کے چہرے پر خوب صورتی کے ساتھ ساتھ نوعمری کی ملاحت اور دلکشی اتنی تھی کہ یہ سوچنا بھی محال تھا کہ وہ کسی دور میں اس کی ماں پر ظلم و ستم ڈھاتی رہی ہو گی۔

پھر اس نے بے ساختہ سر جھٹک کر اس خیال سے پیچھا چھڑایا "یہ تو انتہائی احمقانہ خیال تھا کہ یہ کم عمر لڑکی اس کی ماں کی ساس ہو سکتی ہے۔

"شاید کوئی مس انڈر اسٹینڈنگ ہو رہی ہے۔" اس نے شائستگی سے تمہید باندھی۔ "مجھے جنت بی بی سے ملنا ہے "جو اس حویلی کی مالکن اور دولاور حسین بھٹی ـــــ کی بیوہ ہیں۔"

"اوہ!" تنوی بے ساختہ مسکرائی۔ "آپ کوئی جان سے ملنا ہے اور میں سمجھی "آپ مجھ سے ملنے آئی ہیں۔"

"بی جان؟" ماوی نے چونک کر بغور اس کا چہرہ دیکھا "اگر یہ لڑکی اپنی ماں کا پرتو تھی تو فیضان ماما نے غلط دل نہیں مارا تھا۔ ماوی نے بے اختیار سوچا تھا۔

"جی ہاں۔ جنت بی بی میری نانی ہیں "لیکن حویلی میں چونکہ کوئی انہیں نام سے مخاطب نہیں کرتا "اس لیے ملازموں نے یہی سمجھا کہ آپ میرے متعلق ہی پوچھ رہی ہیں "بائی داوے۔ کیا میں آپ کا تعارف حاصل کر سکتی ہوں۔" تنوی نے پراشتیاق لہجے میں پوچھا۔

"ہاں کیوں نہیں۔ اپنا تعارف کروانے ہی آئی ہوں میں۔" ماوی نے مسکرا کر کہا تھا "لیکن اس کے لہجے میں ایسا کچھ تھا جسے طنز کا نام دیا جا سکے۔

"میں ماوی رجب علی ہوں اور آئرلینڈ سے آئی ہوں' مختصر تعارف تو یہی ہے۔ اگر آپ کی نانی جان سے ملاقات ہو جائے تو باقی کا تفصیلی تعارف وہی کروادیں گی اور سچ بات ہے' مجھے اس بات کی خوشی بھی زیادہ ہوگی کہ وہی مجھے حویلی میں متعارف کروائیں۔"

"لیکن مجھے افسوس ہے کہ آپ کی ملاقات ان سے نہیں ہو سکے گی۔" نوی نے شائستگی سے کہا۔ "بی جان میڈیکل چیک اپ کے سلسلے میں انگلینڈ گئی ہوئی ہیں' ایک یا دو ہفتوں کے بعد ان کی واپسی متوقع ہے۔"

"اوہ۔!" ماوی کو بے ساختہ خوشی ہوئی' جنت بی بی کی حویلی میں غیر موجودگی ایک ایسا پلس پوائنٹ تھا جسے وہ بڑی سہولت سے اپنے حق میں استعمال کر سکتی تھی۔

"حویلی میں کوئی تو بڑا موجود ہوگا' میرا مطلب ہے جنت بی بی کا کوئی بیٹا یا بیٹی؟"

"مستقیم ماموں موجود تو ہیں' لیکن وہ بھی اس وقت زمینوں کی طرف نکلے ہوئے ہیں' اگر آپ انتظار کر سکیں تو۔"

"ضرور۔ میں انتظار ہی کر لیتی ہوں۔" ماوی نے تیزی سے کہا تھا۔

"ٹھیک ہے' میں آپ کے لیے گیسٹ روم کھلوا دیتی ہوں۔" نوی نے کہا' پھر ملازمہ سے مخاطب ہوئی۔

"کلثوم! اچھے والا گیسٹ روم کھلوا دو اور بی بی کا سامان وہاں رکھوا دو۔"

"آپ کھانا کھائیں گی یا چائے پینا پسند کریں گی؟" اس نے ماوی سے پوچھا تھا۔

"کافی کے ساتھ اگر کچھ اسنیکس مل جائیں تو کیا ہی اچھی بات ہو۔" ماوی عادت سے مجبور تھی' فوراً بے تکلفی سے بولی تھی' نوی مسکرا دی۔

"ٹھیک ہے' آپ گیسٹ روم میں آرام کیجئے۔ میں کافی اور اسنیکس بھجوا دیتی ہوں' تب تک ماموں جان بھی آجائیں گے۔"

ماوی اثبات میں سر ہلا کر ملازمہ کے پیچھے چل دی تھی۔

☼ ☼ ☼

ماوی نے بہ نظر غائر کمرے کا جائزہ لیا' اچھا تھا۔ ویسا ہی جیسا اتنی بڑی اور پر شکوہ حویلی کا گیسٹ روم ہو سکتا ہے۔ شاہانہ اور آرام دہ۔

اس نے سر ہلا کر پسندیدگی کا اظہار کیا' ملازمہ اس کا سامان رکھ کر جا چکی تھی۔ ماوی نے پہلے کھڑکیوں کے پردے ہٹائے' پھر بیڈ پر نیم دراز ہو کر آگے کا لائحہ عمل ترتیب دینے لگی۔ لیکن کچھ بھی ترتیب دینا طے کرنا قبل از وقت ہوتا' کیونکہ جب تک حویلی کے مکینوں سے اس کی ملاقات نہ ہو جاتی' کسی بھی نتیجے پر پہنچنا از حد مشکل تھا۔ لیکن یہ چند روز جب تک جنت بی بی واپس نہ آجاتیں اس حویلی کی بنیادوں میں جھانکنے میں بے حد معاون ثابت ہو سکتے تھے۔

معاً اسے ممی سے بات کرنے کا خیال آیا' ابھی اس نے بیگ سے سیل فون نکالا ہی تھا کہ دروازے پر دستک دے کر ملازمہ اندر داخل ہوئی۔

"بڑی جلدی آگئیں بھئی تم تو۔" ماوی نے سیل فون سائیڈ پر رکھتے ہوئے خوش دلی سے کہا۔ کلثوم نے ٹرالی بیڈ کے قریب رکھ دی۔

"بی بی! آپ کیا لیں گی؟"

ماوی نے ٹرالی پر تفصیلی نظر ڈالی' پھر اس کی طرف دیکھ کر بولی۔

"مجھے جو چاہیے ہوگا میں لے لوں گی' تم جاؤ۔" ملازمہ ادب سے سر ہلا کر پلٹی' پھر جاتے جاتے رکی۔

"بی بی! آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو یہ گھنٹی بجا دیجئے گا۔"

"ہوں۔ اچھا سنو۔" ماوی نے کچھ خیال آنے پر اسے پکارا۔ "یہ مستقیم بھئی صاحب جب زمینوں پر جاتے ہیں تو کب تک واپس آجاتے ہیں۔ میرا مطلب ہے' اندازاً کتنے گھنٹے لگتے ہیں۔"

"کیا کہہ سکتی ہوں بی بی! مالک لوگ ہیں' اپنی مرضی سے جاتے' اپنی مرضی سے واپس آتے ہیں۔" کلثوم نے جواب دیا۔

"اچھا اس وقت مالکوں میں سے حویلی میں کون کون موجود ہے؟ میرا مطلب ہے مستقیم صاحب کے بھائی وغیرہ؟"

"بی بی! بڑی بیگم تو آج شہر گئی ہوئی ہیں' چھوٹی بیگموں میں نوی بی بی اور حرم ہاشمی موجود ہیں۔"

"اور مستقیم صاحب کی بیوی؟"

"جی۔ وہ تو حویلی میں نہیں رہتیں۔"

"اچھا۔ لیکن کیوں؟"

"ہم ملازم لوگ ہیں بی بی! جتنا معلوم تھا اتنا بتا دیا' اس سے زیادہ بولنے کی نہ ہمیں اجازت ہے' نہ کوئی خبر۔"

"اچھا ٹھیک ہے' تم جاؤ۔" ماوی کو فوراً ہی اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا۔ کم سے کم کسی ملازمہ کو اسے شک میں مبتلا نہیں کرنا چاہیے اور اس طرح کرید کرید کر سوالات پوچھنا ضرور اسے شک میں ڈال سکتا تھا۔

"لیکن جیسے ہی مستقیم صاحب تشریف لائیں' انہیں میری آمد کی اطلاع ضرور دے دینا۔" وہ تاکید کرتی ٹرالی کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

ایک' دو' تین' چار۔

پورے چار گھنٹے گزر چکے تھے' لیکن مستقیم بھئی کا کچھ پتا نہ تھا۔ اب تو ماوی بھی یوں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بری طرح تھک چکی تھی' اسے کئی بار خیال آیا کہ اسے گیسٹ روم سے نکل کر ذرا حویلی میں گھوم پھر لینا چاہیے۔ یہاں کسی مثبت پذیرائی کی تو اسے ہرگز توقع نہ تھی تو کیا فرق پڑتا اگر وہ حویلی والوں کی اجازت کے بغیر یہاں ذرا تانک

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لئے خوبصورت ناول

☆ ستاروں کا آنگن، نسیم سحر قریشی قیمت: 450 روپے
☆ درد کی منزل، رضیہ جمیل قیمت: 500 روپے
☆ اے وقت گواہی دے، راحت جبیں قیمت: 400 روپے
☆ تیرے نام کی شہرت، شازیہ چودھری قیمت: 250 روپے
☆ امر بیل، عمیرہ احمد قیمت: 550 روپے

خوبصورت سرورق
خوبصورت پیکنگ
نئے آفسٹ پیپر
مضبوط جلد
آفسٹ پیپر

منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37۔ اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

"اور سکینہ بوا۔" اسے یقین نہ آتا تھا۔ "وہ بھی؟"

"ارے بٹی! اچھے اچھوں کا ایمان ڈگمگا جاتا ہے۔ سکینہ کو اس نے الٹے سیدھے خواب دکھلائے ہیں کہ

یا نگ ہوتے۔ ہری چوڑیوں سے ڈبے کے ڈبے اَٹے پڑے تھے۔ بچوں کے کپڑوں میں بھی اسی رنگ کا تناسب سب سے زیادہ تھا۔

ایقان کو گلابی رنگ پسند تھا۔ ان کی شادی ہوئی تو عاشر نے بیڈ روم میں گلابی پینٹ کروایا۔ فرنیچر بھی گلابی اور سفید رنگ میں تھا۔ پردے گہرے گلابی تھے۔ قالین سفید تھا اس پر مگر پھول گلابی تھے۔ ان کا بیڈ وم بے حد

جی لی تھی سپاہ لرنے فیشل بھی کروالیا تھا۔ یعنی کہ ہر طرح کی تیاری مکمل تھی۔ بس اب اس کی آمد کا پل پل گننا رہ گیا تھا۔

"تم غالباً" میرے ہینڈسم نظر آنے سے جل رہے ہو۔"

"ہینڈسم پیدائشی طور پر ہوتے ہیں جیسا کہ میں جینز پہن کر کالا چشمہ چڑھا لینے سے کوئی ہینڈسم نہیں بن جاتا!" ہاشم نے اسے چڑایا۔

Scanned By HarfeDua for OneUrdu.com

اس نے دوبارہ اسی راستے پر چلنا شروع کیا' مگر مزید تین چکر لگا لینے کے باوجود اسے گیسٹ روم تک رسائی حاصل نہ ہو سکی۔ تھک ہار کر وہ راہداری سے منسلک برآمدے کی سیڑھیاں اتر کر کھلے سے صحن میں آگئی۔ صحن پر جھکے ہوئے آسمان کی نیلاہٹوں میں شام کی سیاہیاں گھلنا شروع ہو چکی تھیں۔ حویلی کا یہ حصہ باقی حصے سے قدرے الگ تھلگ تھا' سرخ اینٹوں کا فرش تھا' بالکل درمیان میں پختہ اینٹوں کا کنواں تھا اور صحن کے دائیں طرف گولائی کے رخ پر کچھ کمرے بنے ہوئے تھے۔ کمروں کے دروازے پرانی وضع کے اور چھوٹے تھے۔ کنویں سے کچھ فاصلے پر ایک درخت تھا اور درخت سے چند قدم دور ہاتھ والا نلکا تھا' جس کے پاس چند برتن پڑے ہوئے تھے۔

کمرے گو کہ صحن کے رخ پر تھے۔ مگر ان کے دروازوں کو دیکھ کر عجیب سی ویرانی کا احساس ابھرتا تھا۔ ماوی کسی عجیب سے احساس کے ساتھ ان بند دروازوں کی طرف دیکھتی کنویں تک آگئی اور کنویں کی منڈیر پر ہتھیلیاں جما کر کنویں کے اندر جھانکا' کنویں کا دہانہ اگرچہ کھلا ہوا تھا' لیکن روشنی کی لکیریں چند فٹ نیچے جا کر تاریکی میں مدغم ہو جاتی تھیں۔

ابھی اس تاریکی میں ڈوبے منظر نے ماوی کے دل پر ہیبت پھیلانا ہی شروع کی تھی کہ معاً کسی چیز کے زور سے گرنے کی آواز سنائی دی۔ ماوی اپنی جھونک میں تھی' اس غیر متوقع دھماکے پر بری طرح گھبرا کر سیدھی ہوئی۔ ساتھ ہی اس نے گردن موڑ کر ان کمروں کی طرف دیکھا' کیونکہ آواز اسی طرف سے آئی تھی اور یہ دیکھ کر اس کی حیرانی کی انتہا نہ رہی کہ ایک کمرے کے سامنے بے حد معمولی لباس میں ملبوس ایک لڑکی کھڑی تھی۔ اس کا چہرہ بری طرح حواس باختہ دکھائی دیتا تھا اور اس کے ہاتھوں سے برتنوں کی ٹرے بھی چھوٹ کر گر چکی تھی۔ یہ شور ان ہی برتنوں کے گرنے سے ابھرا تھا۔ ماوی کو اپنی طرف دیکھتا پا کر اس نے پلٹ کر جھٹ پٹ دروازہ بند کر کے تالا لگایا اور چابی گریبان میں اڑس لی۔ پھر سرعت سے جھک کر یہاں وہاں لڑھکے برتن اٹھا کر ٹرے میں رکھے اور تیز تیز قدم اٹھاتی اس کے پاس آگئی۔

"آ۔۔۔ آپ کون ہیں جی؟" اس نے گھبرائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"کمال ہے' بھئی! اتنی زور سے برتن گرا کر ڈرا تم نے مجھے دیا ہے اور ہوائیاں بھی تمہارے اپنے چہرے پر اڑ رہی ہیں۔" ماوی نے اپنے مخصوص انداز میں ٹکا ڈالا تھا' وہ بے چاری پہلے ہی گھبرائی ہوئی تھی' اس انداز اور لہجے پر مزید گھبرا گئی۔

"معاف کردیں بی بی! وہ میں آپ کو دیکھ کر ڈر گئی تھی۔" اس نے گھبراہٹ زدہ لہجے میں کہا تھا۔

"کیا میں اتنی ڈراؤنی ہوں۔" ماوی نے صدمے سے چور لہجے میں پوچھا۔

"نہیں بی بی! وہ میں تو۔۔۔" وہ بے چاری بری طرح بوکھلا گئی۔

ماوی ہنس دی۔

"ٹھیک ہے بھئی۔ اس میں اتنا گھبرانے کی تو کوئی بات نہیں ہے' میں سمجھ گئی تم اچانک مجھے سامنے دیکھ کر ڈر گئی تھیں۔"

وہ زور زور سے اثبات میں سر ہلانے لگی۔ یہی بہتر تھا کہ یہ شکل اور حلیے سے مالکوں کی مہمان دکھائی دینے والی بی بی اس کی بات سمجھ گئی تھی۔

"اچھا سنو۔۔۔ میں گیسٹ روم میں گھسی ہوئی ہوں۔ ایسے ہی باہر نکلی تھی تو راستہ بھول کر اس طرف آگئی۔ تم مجھے گیسٹ روم تک پہنچا دو گی؟"

"اچھا اچھا۔۔۔" وہ سر پر ہاتھ مار کر خوش ہوئی۔

"میں بھی کہوں' آپ اس طرف کس طرح آگئیں۔ اس طرف تو کسی کو آنے کی اجازت نہیں ہے۔ رستہ

بھول کر ہی آئی ہوں گی۔"

"کیوں بھئی۔۔۔ یہ کیا علاقہ غیر ہے جو یہاں کسی کو آنے کی اجازت نہیں ہے۔" ماوی نے تعجب سے ادھر ادھر دیکھا۔ "اور اگر کسی کو ادھر آنے کی اجازت نہیں ہے تو تم یہاں کیسے آگئیں؟"

"وہ جی میں۔۔۔ میں تو۔۔۔" وہ ازسرنو ہڑبڑائی' پھر سنبھل کر بولی۔ "میں آپ کو گیسٹ روم تک پہنچا دیتی ہوں۔"

صاف لگ رہا تھا کہ وہ ماوی کے سوال کو ٹال رہی ہے۔ ماوی نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے ایک گہری نظر اس لڑکی پر اور دوسری نظر ان بند دروازوں پر ڈالی جن پر پھیلی ہوئی پراسراریت سے ابہام میں مبتلا کر رہی تھی۔

تین چار مختصر اور طویل راہداریاں عبور کرنے کے بعد اس لڑکی نے ماوی کو گیسٹ روم کے دروازے تک پہنچا دیا۔ ماوی نے پلٹ کر اس کا نام دریافت کرنا چاہا تو وہ گدھے کے سر سے سینگوں کی طرح آن کی آن میں غائب ہو چکی تھی۔

"عجیب لڑکی ہے۔" ماوی نے تعجب سے سوچا تھا۔

☼ ☼ ☼

ولید بڑے خوش گوار موڈ کے ساتھ گھر میں داخل ہوا تھا۔ وہ انگلی پر کی چین گھما رہا تھا اور کوئی ہٹ نمبر بھی گنگنا رہا تھا۔ لیکن لاؤنج میں قدم رکھتے ہی وہ بری طرح ٹھٹھکا۔ انیبا لاؤنج میں چکر پہ چکر لگا رہی تھی اور پریشانی اس کے چہرے سے ہویدا تھی۔

"تمہیں کیا ہوا ہے؟۔۔۔ فرش کس خوشی میں گھس رہی ہو۔۔۔ اچھا اچھا سمجھ گیا' لگتا ہے میری بددعا اثر کر گئی ہے۔۔۔ ذکر' جشم نہیں ہوا ناں؟"

انیبا نے رک کر گہری نظروں سے اسے دیکھا پھر میز سے سگریٹ کی ڈبیا اٹھا کر اس کے سامنے کر دی۔

"یہ کیا ہے؟"

"سگریٹ ہے۔۔۔ انوا تم اسموکنگ کرنے لگی ہو' تمہیں شرم نہیں آتی۔" ولید کا انداز سنجیدہ لیکن آنکھوں سے شرارت جھانکتی تھی۔ انیبا کے تیوروں سے لگی تو سر پر جا کر بجھی۔

"شرم مجھے نہیں تمہیں آنا چاہیے کیونکہ یہ سگریٹ مجھے تمہاری الماری سے ملے ہیں۔" انیبا نے خاصے طنز اور غصے بھرے لہجے میں کہا۔

"اوہ۔" ولید ایک آن میں سب سمجھ گیا۔

"دھت تیرے کی۔۔۔ میں کیسے بھول گیا کہ یہ سوغات الماری میں رکھی ہوئی ہے۔" اس نے دل ہی دل میں خود کو کوسا۔

"اس میں شرم کی کیا بات ہے' الماری میں سگریٹ پڑے ہونے کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں ہوتا کہ میں پینے بھی لگا ہوں۔" اگلے ہی پل اس نے بات سنبھالی۔ "یہ معیز کی ہے' تم بو۔ ایس۔ بی کے ساتھ ہی بھجوا دیتیں۔"

"ہاں تاکہ تم لوگ معیز کے گھر بیٹھ کر سگریٹ پینے کا شوق پورا کرتے۔ میں بھی سوچ رہی تھی' یہ یکایک کمبائن اسٹڈی کا بخار کیسے چڑھ گیا۔"

"توبہ' توبہ۔۔۔ اتنا شک۔۔۔" ولید نے مذاق اڑانے والے انداز میں کانوں کو ہاتھ لگائے۔

"مجھے باتوں میں مت ٹالو ولید۔" انیبا نے پہلے سے زیادہ سنجیدگی سے کہا تھا۔ "مجھے سچ سچ بتاؤ' کیا تم اسموکنگ کرنے لگے ہو؟"

"نہیں یار۔" ولید نے زور دے کر کہا لیکن لہجہ کمزور تھا۔
"جھوٹ سراسر جھوٹ۔" انیہا نے صدمے سے کہا۔
"تمہیں کیسے پتا میں جھوٹ بول رہا ہوں۔" ولید چڑ گیا تھا۔
"کیونکہ سچ نظریں چرا کر نہیں بولا جاتا۔"
"ایک تو تم اور تمہارے فلسفے۔" ولید جھنجلا کر اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔
"تمہیں اچھی طرح پتا ہے ولید! کہ ہماری فیملی کس کرائسز سے گزر رہی ہے۔ ممی یہاں نہیں ہیں۔ ڈیڈی ہر چیز ہر بات سے لاتعلق ہوئے بیٹھے ہیں۔ ایسے میں تمہاری حرکتیں۔" وہ ابھی یہاں تک ہی پہنچی تھی کہ ولید نے اس کے ہاتھ سے سگریٹ جھپٹ لیے۔
"کون سی حرکتیں؟" ولید کا انداز بے حد پر طیش تھا۔ انیہا چپ سی رہ گئی۔ "میں بتا تو چکا ہوں۔ یہ سگریٹ میرے نہیں معیز کے ہیں۔ اس نے رکھوائے تھے میرے پاس۔ واپس دینا یاد نہیں رہا اور تم ہو کہ تلقین شاہ بن کے نصیحتیں کرنے لگی ہو۔"
اس نے اشتعال بھرے انداز میں کہا اور زور زور سے پیر پٹختا اپنے کمرے میں چلا گیا' صرف یہی نہیں زوردار طریقے سے دروازہ بھی بند کیا۔
انیہا وہیں سر پکڑ کر بیٹھ گئی کیونکہ وہ جانتی تھی۔ ولید جھوٹ بول رہا ہے۔

☼ ☼ ☼

"ہادی رجب علی!" مستقیم بھٹی نے اس نام پر بڑی طرح چونکتے ہوئے زیر لب دہرایا تھا۔ ان کا گارڈ موبائل پر حویلی کے کل وقتی ملازم خادم نواز سے بات کر رہا تھا۔
مستقیم بھٹی نے ہاتھ بڑھا کر موبائل فون اس سے لے لیا۔
"بولو خادم نواز!" ان کی بھاری آواز بند لینڈ کروزر کے خنک ماحول میں گونجی تھی۔
"چوہدری صاحب! کوئی لڑکی آئی ہے۔ اپنا نام ہادی رجب علی بتاتی ہے کہتی ہے' آئرلینڈ سے آئی ہوں۔ بڑی چوہدرائن سے ملنا چاہتی تھی پھر بولی آپ سے ملاقات کرلے گی۔ ہمارے لیے کیا حکم ہے چوہدری صاحب!"
"تم اسے حویلی میں ٹھہراؤ اور بولو ہمارا انتظار کرے۔ جب تک ہم واپس نہ آجائیں' اسے واپس جانے نہیں دینا۔" مستقیم بھٹی نے ہدایت جاری کرکے فون گارڈ کو پکڑا دیا۔
"ڈرائیور! فارم ہاؤس کی طرف گاڑی موڑ لو۔ شبیہہ صاحب کو پک کرکے حویلی جانا ہے۔"
"صاحب! بارانی زمین۔" ڈرائیور نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔
"نہیں۔۔۔ وہ پھر کبھی۔" مستقیم بھٹی نے مختصراً کہا اور بند شیشے سے باہر بھاگتے دوڑتے مناظر دیکھنے لگے۔ ان کی پیشانی پر سوچ کی لکیریں بکھری تھیں۔ کتنے عرصے بعد یہ مانوس نام سماعت سے ٹکرایا تھا۔ متعجب ہو جانا عین فطری تھا۔
"رجب علی۔۔۔ کیا نام تھا رجب علی کی بیٹی کا؟۔۔۔ اور کیا یہ واقعی رجب علی کی بیٹی ہے یا کوئی اور۔۔۔ اور اگر واقعی اس کا تعلق رجب علی سے ہے تو اچانک کہاں سے آگئی۔"
انہیں کئی سوچیں درپیش تھیں اور پیشانی پر ان گنت لکیروں کا جال بچھا تھا۔

☼ ☼ ☼

دور آسمان پر ایک ستارہ ابھر رہا تھا۔

فیضان کی نظریں اس ابھرتے نکتے سے چپک کر رہ گئیں۔ پھر جب آسمان بالکل تاریک ہو گیا اور چمکدار نکتے ہر جگہ دکھائی دینے لگے تو انہوں نے جیب سے سگریٹ اور لائٹر نکالا۔ معمولی سی رگڑ سے ننھا سا شعلہ ابھرا اور سگریٹ سلگا کر اپنی موت آپ مر گیا۔
فیضان نے ایک کے بعد دوسرا سگریٹ سلگایا پھر تیسرا۔۔۔ بالآخر اٹھ گئے اور چوتھا سگریٹ یونہی ایش ٹرے میں مسل دیا۔ انہیں کوئی سوچ لاحق تھی عجیب سی بے چینی جیسے کچھ کھو دیا ہو' کوئی چیز گنوا دی ہو۔
حالانکہ ان کی زندگی میں ایسا تھا ہی کیا۔ جسے کھو دینے کے بعد ایسی بے چینی لاحق ہوتی۔
بعض اوقات کسی چیز کے حصول کے لیے انسان ساری زندگی جدوجہد کرتا رہتا ہے اور جب وہ چیز مل جاتی ہے تو انسان سوچتا ہے' یہ تو کوئی چیز ہی نہیں تھی جس کے لیے اتنی محنت کی اور بعض اوقات کسی چیز کو انسان ایک نظر میں رد کر دیتا ہے اور انجام کار اسے پتا چلتا ہے۔ یہی تو زندگی کا حاصل تھا۔
انسانوں اور چیزوں میں زیادہ فرق نہیں ہوتا۔ شاید اسی لیے بعض اوقات انسان' دوسرے انسانوں کو چیزوں کی طرح رد کر دیتا ہے۔ انہوں نے انیہا کے ساتھ یہی کیا تھا۔
اور اب انہیں پچھتاوے ستانے لگے تھے۔ یہ نہیں کہ دل اس کا نام لیوا تھا بس یہ تھا کہ ضمیر کی چبھن معذرت کے چند بول ادا کر دینے کے باوجود کم نہ ہوتی تھی۔ وہ سادہ و معصوم سی لڑکی تھی۔
اس کی سادگی کو تو وہ پہلی ملاقات میں ہی بھانپ چکے تھے جب وہ تجسس بھری نظروں کے ساتھ اپنے لان کے متعلق ان سے استفسار کر رہی تھی۔ پھر اس کے جھجک آمیز انداز اور آخر کار اظہار کے وہ چند لفظ جن پر فیضان اتنی بری طرح ردعمل ظاہر کر چکے تھے کہ کوئی خود آگاہ لڑکی ہوتی تو پلٹ کر ان کی شکل دیکھنا تو دور کی بات ہے' آواز سننا بھی گوارا نہ کرتی۔
لیکن وہ انیہا تھی شاید عام لڑکیوں سے مختلف اور بہت خاص۔ تب ہی تو دل پلٹ پلٹ کر اس کی طرف جا رہا تھا اور فیضان کو اس صورت حال نے پریشان کر دیا تھا۔
کتنے سالوں میں انہوں نے اپنے اردگرد جو بے حسی کی چار دیواری کھڑی کی تھی اس کی بنیادیں کمزور پڑنے لگی تھیں۔ ان کا پریشان ہونا کچھ ایسا معمولی امر بھی نہ تھا۔

☼ ☼ ☼

"آپ کو پتا ہے حرم آپا! بابر بی جان سے ملنے کوئی لڑکی آئی ہے۔" اپنے اور حرم کے مشترکہ کمرے میں واپس آ کر تنوی نے اطلاع دینے والے انداز میں کہا تھا۔
حرم نے ذرا کی ذرا کتاب سے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔
"تو اس میں اتنا حیران ہونے کی کیا بات ہے۔ بی جان سے پہلی بار ملنے تو کوئی نہیں آیا۔ ان کے مہمان تو آتے رہتے ہیں۔"
"ہاں۔ حیرانی کی بات تو کوئی نہیں ہے لیکن مجھے لگتا ہے' میں نے اس لڑکی کو پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔" تنوی سوچ انداز میں کہہ رہی تھی۔ حرم نے اس کی بات کا کوئی خاص نوٹس نہیں لیا۔ وہ بدستور کتاب میں منہمک تھی۔
تنوی آڑی ترچھی بیڈ پر لیٹ کر چھت کی طرف دیکھتے ہوئے کچھ سوچنے لگی۔ چہرے پر سوچ کر پر چھائیاں بڑی واضح تھیں۔
"پتا ہے حرم آپا! میں ہمیشہ سے اس لڑکی کی طرح بننا چاہتی تھی لیکن' لیکن میں جانتی ہوں میں کبھی ایسی نہیں

بن سکتی۔۔۔ اتنی بولڈ۔ اتنی پراعتماد۔" بڑی دیر بعد حوی نے سرگوشی کے سے انداز میں کہا۔ اس کا لہجہ حسرت آمیز تھا۔

حرم نے گردن موڑ کر قدرے تعجب سے اسے دیکھا۔

"کون لڑکی؟"

"وہی جولی جان سے ملنے آئی ہے۔"

"اچھا اچھا۔۔۔" حرم کو یک دم یاد آیا کہ وہ ابھی کچھ دیر پہلے آگاہ کر چکی ہے۔ "لیکن اس لڑکی میں کیا خاص بات ہے کہ تم اس جیسی بننا چاہتی ہو۔"

"وہ پراعتماد ہے آپا! آپ اسے دیکھیں گی تو آپ کو پتا چلے گا۔ اسے دیکھ کر لگتا ہے وہ زندگی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مقابلہ کر سکتی ہے۔ کسی بھی طرح کے ناسازگار حالات آجائیں' وہ گھبرائے گی نہیں' حرم آپا! میں اتنی کانفیڈنٹ کیوں نہیں ہوں۔" اس کا انداز ابھی بھی حسرت لیے ہوئے تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ اب اس حسرت میں جھنجلاہٹ کا اضافہ بھی ہو گیا تھا۔

"تم بھی کانفیڈنٹ ہو حوی!" حرم نے اسے بہلایا تو وہ مزید چڑ گئی۔

"آپ مجھے بچوں کی طرح نہ بہلائیں۔ بچی نہیں رہی میں۔ اب بڑی ہو گئی ہوں۔"

"اچھا اماں بی!" حرم ہنس دی۔ "یہ بتاؤ۔ وہ لڑکی واپس چلی گئی؟"

"نہیں۔ میں نے اس کا سامان گیسٹ روم میں رکھوا دیا ہے۔"

"ارے! تمہیں کل ہو گیا؟ جبھی جان (جنت بیگم) ہی یہاں نہیں ہیں تو اسے ٹھہرانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"وہ مستقیم ماموں سے ملنا چاہ رہی تھی۔ بتا رہی تھی کہ آئرلینڈ سے آئی ہے۔ میں نے سوچا ضرور کوئی خاص ملاقاتی ہو گی ورنہ اتنی دور سے کوئی مہمان بنا اطلاع دیے تو نہیں آسکتا۔ اسی لیے میں نے اسے گیسٹ روم میں ٹھہرا دیا کہ جب تک ماموں نہیں آجاتے' وہ آرام کرے۔" حوی نے تفصیل سے بتایا۔

"ہوں!" حرم نے پرسوچ انداز میں کہا۔ "ایسا کرو۔۔۔ ویسے تو خادم (ملازم) بڑے ابا کو مہمان کی آمد کے متعلق آگاہ کر چکا ہو گا لیکن تم بھی ایک بار انہیں فون کر دو۔۔۔ زمینوں پر جب جاتے ہیں تو واپسی کا کچھ پتا نہیں ہوتا اور پھر آج تو شبیہہ بھی ان کے ساتھ ہے۔ کیا خبر رات کو واپسی کا ارادہ ہی نہ ہو۔"

حوی حرم کے منہ سے شبیہہ کا حوالہ سن کر چونک گئی۔

"شبیہہ بھائی کب آئے؟"

"وہ تو کل سے آیا ہوا ہے۔ تمہیں نہیں پتا؟" حرم نے بتا کر پوچھا۔ حوی نے نفی میں سر ہلا دیا۔ حرم شرارت سے ہنس دی۔

"اتنی بے خبری بھی اچھی نہیں ہوتی جانم! تھوڑی باخبر رہا کرو خصوصاً شبیہہ العباس کے معاملے میں۔"

حوی جھینپ سی گئی۔

"اب کوئی ایسا ضروری بھی نہیں کہ خبریں رکھوں۔"

اس نے قدرے بن کر کہا تھا۔ حرم پھر ہنس دی۔

"اچھا چھوڑو اس بات کو۔ بڑے ابا کو فون کرو اور اگر وہ ریسیو نہ کریں تو شبیہہ کے نمبر پر کر دینا۔ وہ دل سے زیادہ قریب رکھتا ہے اپنا سیل فون۔" حوی نے حرم کا سیل فون اٹھا کر مستقیم ماموں کا نمبر ملایا۔ دل میں خواہش سی جاگی تھی کہ وہ فون ریسیو نہ کریں اور اس ستم گر کی آواز سننے کو مل جائے۔ لیکن اف کچھ خواہشات کس طرح پوری ہو جاتی ہیں کہ دل خوشی سے بے قابو ہونے لگتا ہے۔

مستقیم ماموں کے نمبر پر کال تو اٹینڈ ہوئی لیکن آواز شبیہہ العباس کی تھی۔ حوی کے دل میں بے ساختہ خوشی جاگی۔

"ہیلو۔۔۔ حرم آپا! بولو بھی یا کال ملا کر سو گئی ہو۔" وہ مستقل ہیلو ہیلو کرتے رہنے کے بعد اکتا کر بولا تھا۔

"وہ۔۔۔ حرم آپا نہیں ہیں' میں بول رہی ہوں۔" حوی نے جلدی سے کہا تھا۔

"میں کون؟۔۔۔ تمہارا کوئی نام بھی ہے یا نہیں؟" حسب عادت چڑ کر پوچھا گیا۔ بے چاری حوی اپنا سامنہ لے کر رہ گئی۔ عجیب کہتی تھی جن سے دل کا تعلق ہو' وہ تو خاموشی تک پہچان لیتے ہیں گو کہ اس وقت حوی کو یہ بات بڑی افسانوی سی لگی تھی اور اسے اس بات پر یقین بھی نہیں آیا تھا لیکن اب دل چاہ رہا تھا کہ کاش عجیب کی کہی بات سچ ہو لیکن تف ہے بھئی ایسی افسانویت و رومانویت پر۔۔۔ وہ تو آواز سن کر بھی نہ پہچانا۔ خاموشی رہتی تو خاک پہچانتا۔

"حوی بول رہی ہوں۔ مستقیم ماموں کو بتا دیں۔ حویلی میں ان کے مہمان آئے ہوئے ہیں۔ جلد از جلد حویلی پہنچ جائیں۔" اس نے بدلی سے کہہ کر فون بند کر دیا اور بیڈ پر لیٹ کر پھر سے چھت کو گھورنے لگی۔

☼ ☼ ☼

ہادی تھک ہار کر ایک بار پھر گیسٹ روم سے باہر آگئی تھی۔

برآمدے سے آگے حویلی کا مرکزی باغ تھا۔ دور دور تک پھیلی ہوئی گھاس جو ابتدائی رات کے منظر میں کالی مائل دکھائی دیتی تھی بڑے بڑے درخت جو بھوتوں کی طرح تنے کھڑے تھے۔ ہر طرف نامانوس سے اندھیرے کا راج تھا۔ وہ برآمدے کی سیڑھیوں میں بیٹھ گئی اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ارد گرد کوئی بھلا منظر تلاش کرنے لگی۔

خدا معلوم کیا وجہ تھی کہ اتنی بڑی حویلی کی لائٹیں بھی ابھی تک نہیں جلائی گئی تھیں۔

وہ یہی سب سوچ رہی تھی کہ معاً پھاٹک کے اس طرف تیز روشنیاں چمک اٹھیں۔ چوکیدار اور گارڈ پھرتی سے پھاٹک کھولنے لگے۔ لینڈ کروزر فراٹے بھرتی اندر آگئی تھی۔

ہادی بے ساختہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کا دل اچانک کچھ عجیب انداز میں دھڑکنے لگا تھا۔ تھوڑی سی بے چینی' ذرا سی گھبراہٹ اور شاید ایکسائٹمنٹ۔

وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اس سمت میں بڑھنے لگی۔

ملازم نے بڑھ کر پچھلی طرف کے دروازے کھول دیے تھے۔ سفید رنگ کے لباس میں ملبوس مستقیم بھٹی اس کے سامنے تھے۔ لمبے چوڑے مضبوط کاٹھی اور بہترین شخصیت کے مالک۔

ہادی کی نظروں میں پسندیدگی ابھری تھی اسی وقت برآمدے اور لان کی آرائشی لائٹیں جل اٹھی تھیں۔ مستقیم بھٹی نے ملازم کی بات سنتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تھا۔ ہادی تیز قدموں سے چلتی جلد از جلد ان تک پہنچنا چاہتی تھی لیکن اسی پل اس نے گاڑی کے متوازی سمت سے شبیہہ العباس کو آتے دیکھا تھا۔ ہادی کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔ کیا ضروری تھا کہ پہلے ہی روز اس سنگدل سے ٹکراؤ ہوتا؟

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)



مہر ماہی

سنگِ دل

دین محمد اپنی بے حد کمسن بیوی جمائل سے بہت محبت کرتا ہے۔ وہ اپنے خون جگر سے سوا لاکھ کے قتل بدلے اس کو خرید کر اپنی زندگی میں لایا ہے۔ جمائل کے بھائی اس کی شادی اپنے ہی گھر میں اپنی بہن سے کرنا چاہتے تھے۔ زبردستی کی شادی کو جمائل کبھی قبول نہیں کرتی۔ وہ اپنے بچپن کے ساتھی جمال الدین کو دل دے بیٹھی ہے۔ دین محمد کا بھائی جمال الدین کی دشمنی خریدنے کے لیے جمائل کو اغوا کر لیتا ہے۔ اس کی بہادر سی سہیلی ماہ نور اس کے بھائی ایک خوب صورت لڑکی کی مدد سے جمائل کو بچا لیتی ہے۔ جمائل اپنے گھر پہنچ کر جمال الدین کے ساتھ بھاگ جاتی ہے۔

جمال الدین کے دوست فاخر کی بیٹی ماہ نور کو دیکھ کر جمال الدین کی بیٹی سمجھتا ہے۔ جمال الدین اسے تمام کرنے کا موقع بھی کہتا ہے۔ اچھے مستقبل کا خواب اسے گمراہ کر دیتا ہے۔ فاخر بھی کسی کی محبت کا مجرم ہے۔ وہ اپنی بیٹی کو اس جرم کی سزا دینا نہیں چاہتا۔ وہ جمال الدین کو اغوا کا الزام لگا کر پولیس کے حوالے کر دیتا ہے۔ جمال الدین اپنے اوپر لگے الزام کی وجہ سے جیل میں ہے۔ اس کا خیال ہے کہ اس نے اپنے قریب ترین دوست کے ساتھ غلط کیا۔ جمائل کی محبت کو پا لینے کے بعد اسے احساس ہوتا ہے کہ اس کا یہ فیصلہ غلط تھا۔ وہ جمائل کی شادی اپنے بیٹے سے کرنا چاہتا ہے۔ جمائل کی محبت کا اظہار کرنے کی وجہ سے اس نے فاخر کے سارے خاندان کو برباد کر دیا ہے۔

فیز 14 سال بعد اپنی بیٹی کے ساتھ تنہا رہ رہی ہے۔ اس کی بیٹی فیز انیس فاخر صاحب کے بیٹے سے بچپن سے محبت کرتی ہے۔ وہ بھی اسے چاہتا ہے۔ فاخر صاحب کے دوست نوشاد صاحب کے بیٹے ارسل کی انیس میں دلچسپی ظاہر کرتا ہے۔ ارسل کی خالہ اور ممی فاخر صاحب کے گھر میں رہنے والی ہر لڑکی کو اپنے بیٹے کے لیے پسند کر لیتی ہیں۔ انیس کی محبت کا علم ہونے پر وہ اس کی شادی ارسل سے کروا دیتی ہیں۔ انیس کی شادی کے بعد جمائل کی زندگی میں ایک اور طوفان آتا ہے۔ جمائل کی بیٹی فیز کو اس کے باپ کے بارے میں پتا چلتا ہے۔ وہ اپنے باپ سے ملنے کی خواہش کرتی ہے۔ جمائل اس کی خواہش پوری کرنے کے لیے جمال الدین کے پاس جاتی ہے۔ جمال الدین کی بیٹی فیز کو اپنا لیتا ہے۔ جمائل کی محبت کو پا کر جمال الدین کی بیٹی کا دل ٹوٹ جاتا ہے۔ وہ اپنے باپ کے ساتھ ایسا کرنے پر جمائل سے نفرت کرنے لگتی ہے۔ جمال الدین کی بیٹی کا دل ٹوٹنے کے بعد کیا ہوتا ہے؟ یہ اس کی دعا میں مستجاب ہوتی ہیں اور اس کے ساتھ کیا ہوتا ہے؟ یہ جاننے کے لیے ناول پڑھیے۔



پھپھی جان بھی سے منسوب ہے۔ ممی اس کی ہر خواہش پوری کرتی ہیں۔ شمیم "ممی کا لاڈلا" ہونے کا بھرپور فائدہ اٹھاتا ہے۔ مسئلہ اس عمر اور کچھ خوبیوں کے سرچڑھ جانے میں ہے جان کر کہ شمیم "ممی کا شہزادہ" اس کی شخصیت کو مائل کرتی ہیں۔ ممی والدین سے گزارش کرتی ہے کہ عوض کو اس بات سے آگاہ کریں۔

شمیم العباس "ثروت اثیال کی اولاد ہے" شمیم العباس "اثیال حسن سے شادی سے پہلے بھی ثمارہ بیگم کی محبوبی تھی لیکن اسے مزاج اور حسب نسب کے اعتبار سے ثروت سے کمتر سمجھتی تھی۔ ثروت آگے ہے۔ وہاں سے بحیثیت "حسن اقبال" کافی تعلقات ہیں۔ محسوس نہیں کرتا۔ اب اس کی محبوبی بدل سے محسوس کرتی ہے۔ اب اپنی بڑی بہن کو ٹالنے لگا ہے۔ وہ شادی کے بعد سے حسد کی آگ میں جل رہا ہے۔ صرف شادی ہی اس کی خواہش نہیں تھی۔

بیان کرتے ہیں کہ "ثمارہ بیگم" بھی طرح طرح کی باتیں کرتی ہیں کہ ثمارہ ان کے اخلاق سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہیں۔ انہیں یقین دلایا کہ وہ کچھ کرلیں گے کہ پہلے ان سے ملنے آئیں۔

یوں بھی اثیال حسن حسب نسب کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ ثمارہ کو اپنی اس کمزوری کا علم ہے۔ ساتھ ہی وہ اپنے اور حسن اقبال کے تعلق کو بھی مضبوط کرنا چاہتی ہے۔ وہ جانتی ہے کہ حسن اقبال کی زندگی میں کوئی اہمیت نہ ہونے کے برابر ہے۔ وہ جانتی ہے کہ وہ سر کے بغیر نہیں جیتے کہ بغیر اس کے شوہر کو کچھ اور ہی ادا ہونے لگے۔

"اتفاق" ہادی کا کردار شمیم سے ہوتا ہے جس سے ہادی کو زندگی بھر کا روگ لگ جاتا ہے۔ اپنی غلطی کے باعث۔ کہانی میں شمیم العباس ہادی کو بری طرح سے ذلیل کرتا ہے۔ ثمارہ کی اس کی عزت خاطر کرتی ہے۔ ثمارہ سے اس بات کا ذکر نہیں کرتی۔ ثمارہ کو وہ ایک بہت اچھا دوست سمجھتی ہیں۔ ثمارہ کی بہت سی خوبیوں ان کی معترف کرتا ہے۔ ہادی اور ثمارہ ایک دوسرے کے مخلص ہیں لیکن وہ اپنا کیسے بھیج جاتا ہے۔ جس پر ثمارہ کو بہت افسوس ہوتا ہے۔ "اتفاق" ان کی ملاقات کے بعد ملاقات ہوتی ہے۔ ثمارہ نے بتایا ہے۔ ثمارہ کہتی ہیں کہ ان کے شوہر سے کبھی ہادی سے ملی ہوا تھا اور ثمارہ بہت ہادی کے علم میں نہیں ہے۔ یہ جان کر انہیں بہت دکھ ہوتا ہے۔ شمیم کو سب اپنی غلطیوں کا ذمہ دار ٹھہرا رہے ہیں۔ جس وہ سب ہادی کو تنہا کرنے کا ہے۔

اب حال ہی میں ثمارہ کو پتا چلتا ہے۔ ثروت کے پہلے شوہر سے نسبت کے بارے میں حالت ثمارہ کی بھلی کو بہت نہیں کرتے۔ ہادی حسن کی ذہنی حالت بہتر ہے اور ثمارہ بتاتے ہے۔ اپنے بیٹے کی تشخیص کرتی ہے اور ثمارہ سے تعارف دیتے ہے۔ ثمارہ ہادی کو اپنا بیٹا سمجھتی ہے اور ثمارہ کی ثمارہ کی ہادی کی ہادی کی ہادی

روک دیا۔

"مجھے اس سے بات کرنے دو شمیم!"

شمیم بیگم کہنا چاہتی تھیں مگر شوق ہادی اور مستقیم بھلی کے پیچھے چل دیا۔

○ ○ ○

"ابا جان کی بات کے بعد مجھے وہی لے گئی تھیں، بلکہ یوں کہنا زیادہ مناسب ہے کہ گاڑی فیاض ماما ہم دونوں کو اپنے ساتھ وہی لے گئے تھے۔ کچھ عرصے وہی میں رہنے کے بعد ہم وہاں سے قطر اور اب آسٹریلیا۔ لیکن اس دوران میں اپنے دل سے پاکستان آنے کا خواب نکال نہیں سکی تھی۔ مجھے بے حد شوق تھا کہ اس ملک میں ملائے گئے پھولوں جیسا بابا جان پیدا ہوئے تھے اور پلے بڑھے تھے۔ مجھے وہاں کی مٹی بہت شوق تھا جہاں انہوں نے تعلیم حاصل کی۔"

ہادی بہت ٹھہر ٹھہر کر اور تھمی سے بول رہی تھی اور مستقیم بھلی کی زیرک نگاہیں بغور اس کا چہرہ دیکھ رہی تھیں۔

"کمی کے دالیں آنا ابا جان کے بعد ہے میں نے یہاں ایڈمیشن لے لیا تھا لیکن جیسے ہی گریجویشن کے بعد میں نے ابا جان کی خواہش کے مطابق آسٹریلیا کا رخ کیا۔ مجھے کمی قطار میں اس شخص کی تلاش اور اضطرابی کیفیت کو دیکھ کر علم ہو جاتا تھا کہ وہ کسی کو تلاش کر رہا ہے۔ میرے بابا جان کی یادوں کی بارش اور اس پہلی کوندہ پھولوں جیسا میرے بابا جان کا چہرہ تھا۔ اس نے مجھ کو اس کا تعارف کروایا تو بابا جان کی آنکھوں سے مستقیم بھلی کا چہرہ دھندلا گیا۔

"آپ سے صرف اتنی درخواست ہے کہ مجھے چند روز یہاں رہنے دیں۔ ابا جان کی خواہش کو پورا کرنے کے بعد میں واپس چلی جاؤں گی۔"

اس نے بہت سوچ سمجھ کر اسکرپٹ تیار کیا تھا۔ فی الحال صرف اتنا ہی کہا تھا جس اسکرپٹ کی ریہرسل کی تھی اس کے پہلے کے حصے کی تھی۔ دیکھنا یہ تھا کہ قسمت کا قلم اس کے آگے کیا لکھتا ہے۔

"آپ کو ریہرسل کرنے کی ضرورت نہیں ہے بیٹے! آپ کا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا کہ اس حویلی میں رہنے والے باقی افراد کا ہے۔ بلکہ میں یہ کہوں کہ اس حویلی پر آپ کا ہم سب سے زیادہ حق ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ ہے نا بھائی صاحب! میرا یہ کہنا غلط نہیں ہوگا۔"

مستقیم بھلی کا رخ مگر میاں نصراللہ بھائی کی آنکھ کے اشارے کو سمجھ کر وہ بول اٹھا تھا۔

"جی۔۔۔ میں بھی یہی کہتا ہوں۔" اس نے کہتے کہتے مستقیم بھلی کی تیکھی سی نگاہ اس پر دیکھ کر کہی بات کا رخ بدلا تھا۔

"اس میں نہ سمجھنے کی تو کوئی بات ہی نہیں ہے بیٹے! یہ حویلی جتنی ہماری ہے اتنی ہی آپ کی بھی ہے۔ لہٰذا آپ کو یہاں قیام کے لیے کسی کی اجازت کی ہرگز ضرورت نہیں ہے۔ آپ جب تک چاہیں، یہاں رہ سکتی ہیں۔"

"او ٹھیک ہے سوہنے مستقیم صاحب!"

"ارے یہ تو بہت ہی خیر سے والا طرز مخاطب ہے۔ آپ کے اور میرے درمیان ایک بہت ہی مؤدب صورت اور قابل احترام رشتہ ہے۔ بچا آپ کے بڑا ہی تو ہوں۔ مجھے اجازت دیں اگر آپ مجھے اسی رشتے کے حوالے سے پکاریں۔"

"جی ضرور۔" ہادی اس بار بھی اپنے ہونٹ نہیں چبا سکی تھی۔ لیکن چونکہ مستقیم بھلی کسی اور ہی دھن میں تھے لہٰذا انہوں نے ہادی کے تاثرات کا بہت خاموشی سے نوٹس لیا۔

"آپ عرفی صاحب کے ساتھ اگر یہ بھی اداسات گزارنے کا موقع نہیں ملا لیکن ان کے حوالے سے کچھ بہت اچھی باتیں ہر حال میرے علم میں موجود ہیں۔ آپ کو بھی ان اچھائیوں کو اپنانا چاہیے۔ ویسے میں بہت خوش ہوں کہ عرفی صاحب کے حوالے سے آپ بھی فخر محسوس کرتی ہیں۔ مجھے امید ہے ہاں بھی آپ سے مل کر بہت خوش ہوں گی۔" ہادی ان کے پرخلوص لہجے پر کھل مسکرا دی تھی۔

"میں ملازم سے کہہ کر آپ کا سامان بیسٹ روم سے ہٹا دیتی ہوں۔ مجھے امید ہے کہ آپ رات کے کھانے پر ہمارے ساتھ ہی ہوں گی۔ آپ کی ملاقات کے بعد ہی آپ کی اس وقت آرام کرنا چاہیں تو بہتر ہوگا۔"

مستقیم بھلی نے اپنی جگہ سے کھڑے ہوتے ہوئے کہا تھا۔ ہادی بھی ان کی دل میں محسوس ہوتے ہوئے احترام کو محسوس کر رہی تھی۔

"کیسا ہے لڑکا۔" مستقیم بھلی دروازے کی طرف جاتے ہوئے رکے۔

"یہ حویلی آپ کی ہے۔ اس حویلی میں رہنے والے افراد بھی آپ کے اپنے ہیں۔ لہٰذا آپ کو کسی بھی قسم کی جھجک محسوس کرنے کی ضرورت ہرگز نہیں ہے۔ جیسی اس حویلی کی باقی بیٹیوں ہیں ویسی ہی آپ بھی ہیں۔"

"یہ بات تو کافی حد تک میرا اندازہ غلط ثابت ہوا ہے۔ میں نے سوچا تھا کہ ملازم ہی ہوگا۔ مگر یہ تو بہت ہی اچھا ہوا۔ میں ملازم کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔"

"میں ملازم کو بھجوا دیتا ہوں تم کمرے تک آپ کی راہنمائی کرے گی۔" مستقیم بھلی بارعب چال چلتے ہوئے مہمان خانے سے باہر نکل گئے۔

ہادی نے ہر قدم کے ساتھ اٹھنے والی کیفیت میں دروازے کی طرف دیکھتی رہی پھر گہرے کے انداز میں سوفے پر بیٹھ گئی۔ شمیم بیگم کا وہ رویہ اس کی توقعات کے بالکل برعکس تھا۔ کہاں تو ان کی طرف سے غیر معمولی التفات اور بیزاری جیسے رویوں کی توقع کر رہی تھی کہ انہوں نے اسے بہت اچھا رویہ اختیار کیا تھا۔ بلکہ بہت تحمل سے اسے خوش آمدید بھی کہا تھا۔ یہ سب ہادی کی امید سے بڑھ کر تھا۔ اس حویلی میں قیام کی اجازت مل گئی تھی اور فی الحال یہ بہت تھا۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ حویلی کے باقی مکین اس کے ساتھ کس طرح کا رویہ اختیار کرتے ہیں اور وہ یہ دیکھنے کے لیے بے چین تھی۔

○ ○ ○

حرم نجومی اور رضا علی سے مل کر آئی تھیں۔ دونوں ہی سے ان کے چہیتے کزنوں کا حوال اور ان کی بھلائی کے اقدامات کی تفصیل۔

"حرم تم اپنا بیان کرو۔ کہ آپ کو امید سوت کرے گا۔" انعمی نے آئس کریم ہاتھ بھیجتے ہوئے بے چینی سے پوچھا تھا۔

"میں تو آئی ہوں سندی کے لیے اس کی الگ عزت ہوگی۔ ساتھ میں دیا ہوا ہوں ابا جان سے آپ سمت داری کیس گی۔"

حرم نجومی ابا جان بولنے کو ترس رہی تھی۔ حرم نے ہنستے ہوئے کہا۔ رشنا اور نجومی نے بیک وقت ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ رشنا نے نجومی کی آنکھوں میں ہوتے ہوئے اپنی آنکھوں میں ہوتے ہوئے سوال کو رفع کر دینے کا اشارہ کیا۔

"حرم سچ کہہ رہی ہے۔ ویسے بھی ہم سب کے ہی بابا جان ہیں۔ فاضل ہوا اس قولی جان کی ہی ہوگی۔" رشنا نے نجومی سے کہا۔

نجومی نے سر ہلا کر گویا اس کی بات سے اتفاق کیا تھا۔

"فضول اس باہر کو سوچ کر اپنا دل کوئی کرنے کی بجائے ہم کس لیے اپنا وقت ضائع کریں۔"

"تم کیوں پریشان ہو رہی ہو؟" عرب نے پوچھا۔

"تمہیں قتل جان بھی منع نہیں کریں گی مگر تمہاری بات وہ مانتی ہی نہیں ہیں۔ تمہیں پتہ ہے یہ گھر اور کاروبار تم ہی سنبھالو گے۔" عرب نے کہا۔

"نہیں عرب! آپ کے لیے آئے ہیں۔ میں ان میں سے کچھ نہیں لوں گی۔" اس نے خود کو سنبھال کر اپنی بات کہی۔ اس کا دل رو رہا تھا۔

"اسلام علیکم!" دروازہ کھولنے کی آواز آئی۔ دروازہ آہستگی سے کھل کر ملازمہ گلوم اندر داخل ہوئی۔

"شاہ جی! آپ کو بڑی بی نے اپنے کمرے میں بلایا ہے اور عرب کی اور خوبی بڑی بی کہہ رہی ہیں کہ آپ لوگ کھانے کے کمرے میں آجائیں۔ آج سب لوگ اکٹھے کھانا کھائیں گے۔" ملازمہ نے پیغام دیا۔

"اوکے آپ کو بھی۔ کھانا بھی جاری ہوگا۔ آج کیا خاص بات ہے کہ سب اکٹھے کھانا کھائیں گے؟" گلوم نے پوچھا۔

"پتہ نہیں بی بی! بڑی بی نے کہا تھا۔" گلوم نے مختصر جواب دیا۔

"اچھا! ٹھیک ہے۔ جاؤ۔"

"مراد کو گلوم نے اپنی خوشبو میں تلی تھی اور بستر پر بیٹھ گئی۔ "آپ کی طبیعت کیسی ہے؟" اس نے پوچھا۔

"میں ٹھیک ہوں۔ بس تھوڑی سی کمزوری ہے۔" مراد نے جواب دیا۔

"اچھا! ٹھیک ہے۔ آرام کریں۔"

"مراد کو گلوم نے اپنی خوشبو میں تلی تھی اور بستر پر بیٹھ گئی۔ "آپ کی طبیعت کیسی ہے؟" اس نے پوچھا۔

"میں ٹھیک ہوں۔ بس تھوڑی سی کمزوری ہے۔" مراد نے جواب دیا۔

"اچھا! ٹھیک ہے۔ آرام کریں۔"

"گلوم نے اپنی خوشبو میں تلی تھی اور بستر پر بیٹھ گئی۔ "آپ کی طبیعت کیسی ہے؟" اس نے پوچھا۔

"میں ٹھیک ہوں۔ بس تھوڑی سی کمزوری ہے۔" مراد نے جواب دیا۔

"اچھا! ٹھیک ہے۔ آرام کریں۔"

"مراد کو

بہت بیگم کا انداز ہونے کی وجہ سے ان سے واقف تھا۔ ان سے بھی واقف تھے۔

"ہادی کا جو سب سے بڑا مسئلہ ہے یہ جیت کرنے کے لیے کہ وہ رب جلالی صاحب کی بیٹی سے شادی کرلی ہے یہ جیتنے کی بات ہے تم ہاروں گے تو بھی طلاق ہو جائے گی اگر ہار جیت ہار جیت ہے۔ ان کی کچھ معاملوں میں بات ہو رہی تھی تو بھی ہار جیت کا فیصلہ کرنے کا اختیار میرے پاس ہے تو میں کہتا ہوں ہادی کو نہ۔" مسیم بھائی کو شمیسہ کا انداز گوارا نہ تھا۔

"آپ میری بات نہیں سمجھ رہے ہیں۔" شمیسہ نے تحمل سے کہا۔

"دراصل میں اس لڑکی کو پہلے سے جانتا ہوں اور مجھے بھی مجھے ابھی نہیں لگی۔ شمیسہ تیسری لڑکی ہے جسے اسی لیے مجھے لگا ہے کہ یہ کہیں آپ کو بے وقوف بنا رہی ہو۔"

"تمہارے کس طرح جانتے ہو؟"

حضور بھائی نے الجھ کر پوچھا۔ شمیسہ نے لمحہ بھر کا توقف کیا اور پھر ابراہیم اور ہادی کی پہلی ملاقات سے آخری ملاقات تک کا حال کہہ سنایا۔ کہیں بھی کسی صفحت کے تحت جعلی کارنامہ گھول کر نہ گئی تھی۔

"کسی کو بار بار کہنے سے اس پر الزام کرنے سے یہ ان کو ناس نہ ہو تو کیا ہے۔" مسیم بھائی نے سمجھایا۔

"شمیسہ شاید ہادی کے لیے نرمی کی کہ کسی نے بھی یہ نہیں سوچا تھا کہ وہ ایسے ہو سکتے ہیں۔ شمیسہ بھابھی ہی تھیں جنہوں نے سب سے پہلے ہادی کی حرکتوں کو محسوس کیا تھا۔ مسیم بھائی اور اسد بھائی کے سامنے بھی ہادی کی حرکتوں کا ذکر کیا تھا۔ مسیم بھائی نے ہادی کو سمجھایا بھی تھا۔ سب کو شمیسہ کی ہی بات یاد آئی تھی۔

"آپ کو شمیسہ بھابھی کی کوئی غلط فہمی نہیں۔" حضور بھائی کو تشویش ہوئی۔

"مسیم بھائی شمیسہ ٹھیک ہی کہہ رہا ہے۔ مجھے بھی ہادی کی چال ہی بے ڈھب سی لگی تھی۔ میں صرف اتنا جانتا ہوں حریم بیٹی کو ہادی نے خود چنا تھا۔ اپنے ہوش و حواس کے ساتھ۔ اگر ہم ہادی کے غصے کو خود سے منسلک اور تم جانتے ہو ہمارا غصہ بہت مختصر سا ہوتا ہے۔"

"میں جانتا ہوں حضور ابا ہمیں غصہ ضرور کرتے ہیں لیکن ہمیشہ اچھائی ہے ہمارے غصے میں سچ چھپے ہیں جھوٹ نہیں۔ ہادی کو غلط فیصلوں کو بھی اہمیت نہیں چاہیے۔" مسیم بھائی نے تحمل سے کہا۔

"ہماری زندگی بہت غلط فیصلے کیے ہیں ہاں نے بھی اور ان کی غلطی میں ہم نے بھی۔ لیکن اب اور نہیں۔ میں اپنے غلط فیصلوں کو سدھارنا چاہتا ہوں حضور الرحمٰن اللہ سبحانہ تعالیٰ نے ہمیں موقع دیا ہے ہمیں صورتحال کا ادراک ہے اور ہادی کی زندگی کو ہم تباہ نہیں ہونے دیں گے۔ میں نہیں چاہتا کہ قبر تک کی یہ چبھن ہمارے ساتھ رہے۔"

مسیم بھائی کی توانائی صرف سمجھنے کے اندر ہی نہیں بولنے میں بھی تھی۔ نگاہ سے بھی تھی اور ان کے چہرے پر بھی اس کے سائے لہرا رہے تھے۔

حضور بھائی نے سر اثبات میں ہلا کر ان کی بات کو سراہا تھا۔

"صحیح کہہ رہے ہو تم۔ ہاں کے غلط فیصلوں کا بھگتان تو سب نے ہی بھگتا ہے۔ لیکن میں اس فیصلے میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

"ہادی کا بھی اس حویلی پر اتنا ہی حق ہے جتنا ہم سب کا ہے۔ اس میں اس کا حق اسے واپس کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے لگتا ہے ہادی کو ہمارے ساتھ کی ضرورت ہے۔ ہمارے ساتھ کی ضرورت ہے۔ ہمارے ساتھ کی ضرورت ہے۔"

حضور بھائی نے اپنی بات کو دہرایا تھا۔ مسیم بھائی نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"ٹھیک ہے حضور ابا جیسا آپ کو ٹھیک لگے۔ ہادی کو ہم سے خوش ہونا بھی کون سا ہے۔ ہادی کو ہم سے خوش ہونا بھی کون سا ہے۔ ہادی کو ہم سے خوش ہونا بھی کون سا ہے۔"

حضور بھائی مستقل تائید میں سر ہلا رہے تھے۔

○ ○ ○

نماز کے بعد تسبیح پوری کرنا تو بھی کے لیے ہو گیا تھا۔ نماز کی جگہ سے اٹھ کر وہ جانماز تہہ کرنے لگی تھی۔ مستقل بیٹھے رہنے کا مطلب تھا کہ ابھی اور نماز پڑھنی ہے۔ ڈاکٹر بھی اس بات کا لحاظ رکھتے تھے کہ جس وقت ان کی ہادی کے متعلق رائے بدلے اس سے پہلے وہ ان کو ہادی سے ملنے کا موقع دیں۔ ہادی کی محبت کا یہ عالم تھا کہ ہادی کے لیے ہی تھی اور حریم کی بھی نماز بھی لمبا ہی ہو گئی تھی۔ ایک تو ہادی آج تکلیف دہ تھا کہ اسے لمبے لمبے سجدوں میں وہ اچھے لگتے تھے۔

ہر حال پچھلی رات کی جب تک نیند باقی تھی یا ڈیوٹی ڈاکٹر آنکھوں کے اندر تک نہ جھانکتی تھی ہادی کو موضوع بحث بنائے رہتے تھے اور ان لوگوں نے تھیں میں بھی یہی کیا تھا کہ صبح اٹھتے ہی پھول ہادی کے حاضری ہوں۔

"اب آپ بھی باتیں نرم کیا آپ کو پتا لگی ہے آج کل پھول ہادی کی نماز پڑھ کر سو جاتی ہیں۔ ہادی کی سر کی کو پھول ہادی کہہ لیں۔" جاوید نماز سے اٹھتے ہوئے ہاں نے ٹوکتے کرکے پوچھا۔

"آپ بھی بال جلی۔ آخر حسیں ابھی جلدی کیوں ہے؟" حریم نے بھی عمل کرکے پوچھا۔ ساتھ ہی جاوید نماز کا فولڈر اٹھا کھڑی ہوئی۔

"پہلے تمہارے ہیں اطلاع دی ہے کہ ہمارے کوئی جدے مرحوم ہمارے ہاں بھی تھے اور خیر سے ہمیں بھی ایک عدد بیٹی ہی ہے۔" حریم نے شرارت سے کہا تھا۔ "آپ کو یہ سب ان کو خوشی نہیں ہوئی ہم کیا ہمارے ہاں ہو جاتے جلد از جلد اصل بات جان لیں کہ اگر کوئی مرحوم ہمارے ہاں تھے بھی تو اب تک ان کا نام و نشان نہ رہا ہوتا۔ کہہ کر یہ بات ہمارے ہاں اس کے پیچھے ضرور کوئی وجہ ہوگی۔"

"ہاں ابھی سنا ہو پھول ہے میں کسی کہانی کے لیے اپنی بچی کو پریشان نہیں کر سکتی۔" عمل نے بے بسی سے کہہ کر گردن جھکا لی۔

"کل رات تو سب نے خواہ مخواہ ہی ہمیں تم سے کسی بات پوچھنے میں عجب خجالت اور بیزاری ہو گئی۔" حریم نے کہا۔

"رات کی بات گئی۔ یہ میں نہیں کہتی بڑے کہتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس لڑکی کے بارے میں جانے کچھ شخص بہتر ہے میں اپنی بچی کے لیے اچھا ہی سوچے گا۔ آپ لوگ خوامخواہ ہی ہمارے لیے سوچ رہے تھے۔" جاوید نے کہا۔

"اس کی جب تک نیند پوری نہیں ہو جاتی اس کا کسی کی بات پر یقین نہیں ہے گی۔"

حریم اور خوشی مسکرا دیں۔ پھول ہادی کا کہ کون سا معاملہ ہو قصہ بھی ہی دستک دی اور اجازت چاہتے ہوئے باہر نکل گئے۔

"السلام علیکم پھول ہادی۔"

خوشی سب سے پہلے ان کے کمرے میں گھسی۔ اس کی پرورش ہی عالیہ کے ہاتھوں ہوئی تھی اور ان کے ساتھ بچوں کے برعکس وہ ان کی ادائی ہی بہت کم لگا۔ ایک طرح سے انہی کا پرتو تھی۔

"وعلیکم السلام۔ آج ہم اتنا صبح صبح کیسے؟" انہوں نے فوراً سے بیشتر جاوید کو پھول نماز کے بعد اٹھنے کا کہہ کر گرم کمبل سے نکلنے کا فرمان بجا لا چکی تھی۔

"ہمیں آپ کی بہت یاد آرہی تھی۔" خوشی نے لاڈ سے کہا۔ حریم ہنس دیں۔

"آپ سکھے نہ لیں۔ ابھی ملی جاتا کی ہوا اپنی بیٹی کہہ۔" خوشی ہنسنے لگی۔ حریم نے کہا۔

"ہمی ہماری کے بارے میں بتا چکا ہوں گے۔"

"جیں۔ آپ کچھ مستقیم بھائی صاحب نا تو چکے ہیں عجیب سے کیا چلا ہماری ہو تم لوگ؟" انہوں نے تعجب سے پوچھا۔

"جی کہ بیٹھے بٹھائے ہماری جی نویلی اور اتنی بڑی کنن کہاں سے آگئی جب کہ اس کا تو کہیں دور دور تک) نہیں تھا۔" آپ کے خوش نے کہا تھا۔

"مجھے پتا تھا شخص کے سارے تم لوگوں کو بیٹھ ہی ایسی لگی ہوگی۔ عمل کیسے پیچھے ہوگی؟" عالیہ نے قرآن پاک غلاف میں لپیٹتے ہوئے پوچھا۔

"اب آپ کی بیٹھ زبان ہماری ہے۔" عزیزہ نے کہا۔

"اچھا اب یہ بتاؤ اس عمل کے بارے میں بتائیں؟" خوشی نے بے چینی سے کہا تھا۔

"بھئی تم یہ باتیں تو نہیں سمجھو گی۔ ہاں میں بھائی صاحب سے بات کرتی ہوں۔ کچھ میں نہیں تو ہمارے اب تم لوگ کیا جانا چاہتی ہو۔" عالیہ نے کہا۔

"سب کچھ جانتے ہیں بھابی۔ لیکن جو باتیں ہمیں اس بارے میں پتا ہیں وہ کہ اگر یہ ہماری ہماری کنن ہے تو ٹھیک ہے ہم اس کے ساتھ اس بارے میں کچھ نہیں کریں گے۔" خوشی نے کہا۔

"بھئی ہمارے بچے ہیں یہ کہ ہمارے سسر اور تمہارے شادیوں کی تھیں۔ ان کی پہلی بیوی سے ہے ایک بیٹا ہے رشید بھائی صاحب اور دوسری ایک بیٹی ہے جس کی شادی ہوئی تھی مجھے اتنی معلومات تو نہیں ہیں بتا تمہارے بچے نے۔" انہوں نے کہا۔

"جی بھابی ہماری بات ہوئی تھی اور ان کی بیوی فوت ہو گئی تھی مجھے اتنی معلومات تھے چھوٹے ہوئے سے پہلے گئے تھے کہ ان کے بارے میں ہے۔ کوئی نہیں جانتا۔ اس کے بعد جب میں بیاہ کر اس موقع میں آئی تو رشید بھائی صاحب اور ان کی بیوی فوت ہو چکی تھیں اور رشید بھائی صاحب کسی بیمار کیا ہوئے کی وجہ سے ایک جگہ کھا بیٹھے تھے۔ اب ایسی (اتنے بڑی) عمر عزاری سے تو تم سب واقف ہی ہو۔ انہیں اپنے شوہر کی بیوی کی اولاد سے پرخاش تھی۔ اسی پر خاش کے باعث انہوں نے رشید بھائی صاحب اور خود بھی پر عورت حیات تنگ کر رکھا تھا۔"

عالیہ بولتے بولتے اس موڑ پر آ رہے پر جا پہنچیں۔ اب اپنی شادی کی پہلی صبح اپنے کمرے سے باہر نکلیں تو میں کچن کے سامان ان کی ساس اپنی بیٹی کو ہوا کہ سونگھ رہی تھیں۔ فرید کو تھا۔ کافی کافی کہاں ہوا جاتا تھا تو یہ تمام کو نہ جانے کیوں گال سکا۔ وہ صرف اتنا جان پائی تھیں کہ ان کی ساس بہت ہی بری عورت ہیں۔ انتہائی بد تمیز اور بدتمیز ہیں۔ بہت کچھ سنا تھا اور کہیں کہیں دل سنگ عالیہ نصیب کر لیا تھا۔ یہ تھا ان کی ساس سے پہلا تعارف۔ اس کے بعد ان کی ساس کا ہر روز ہی کچھ نہ کچھ ایسا ہوتا رہا اور خود ان کے ساتھ بھی کچھ نہ کچھ ایسا ہوتا رہا کہ عالیہ بھابی ساس کی اصلیت سے بخوبی واقف ہو گئی تھیں۔ ساس کی ہر بات پر ہر عمل پر ان کی آنکھیں کھل جاتی تھیں۔ ان کی پہلی بیوی سے ہونے والی اولاد کے ساتھ ان کا رویہ بہت ہی برا تھا۔ ان کی ساس کی ہر بات پر ہر عمل پر ان کی آنکھیں کھل جاتی تھیں۔ ان کی پہلی بیوی سے ہونے والی اولاد کے ساتھ ان کا رویہ بہت ہی برا تھا۔ ان کی ساس کی ہر بات پر ہر عمل پر ان کی آنکھیں کھل جاتی تھیں۔ ان کی پہلی بیوی سے ہونے والی اولاد کے ساتھ ان کا رویہ بہت ہی برا تھا۔

ان کی ساس کی ہر بات پر ہر عمل پر ان کی آنکھیں کھل جاتی تھیں۔ ان کی پہلی بیوی سے ہونے والی اولاد کے ساتھ ان کا رویہ بہت ہی برا تھا۔ ان کی ساس کی ہر بات پر ہر عمل پر ان کی آنکھیں کھل جاتی تھیں۔ ان کی پہلی بیوی سے ہونے والی اولاد کے ساتھ ان کا رویہ بہت ہی برا تھا۔

ان کی ساس کی ہر بات پر ہر عمل پر ان کی آنکھیں کھل جاتی تھیں۔ ان کی پہلی بیوی سے ہونے والی اولاد کے ساتھ ان کا رویہ بہت ہی برا تھا۔ ان کی ساس کی ہر بات پر ہر عمل پر ان کی آنکھیں کھل جاتی تھیں۔ ان کی پہلی بیوی سے ہونے والی اولاد کے ساتھ ان کا رویہ بہت ہی برا تھا۔

ان کی ساس کی ہر بات پر ہر عمل پر ان کی آنکھیں کھل جاتی تھیں۔ ان کی پہلی بیوی سے ہونے والی اولاد کے ساتھ ان کا رویہ بہت ہی برا تھا۔ ان کی ساس کی ہر بات پر ہر عمل پر ان کی آنکھیں کھل جاتی تھیں۔ ان کی پہلی بیوی سے ہونے والی اولاد کے ساتھ ان کا رویہ بہت ہی برا تھا۔

"تمہیں واقعی بتانی نہیں چاہئے کیا تمہارے علاوہ یہاں کوئی اور ہے جس سے میرے رشتے کے لیے کہوں؟"
"عائلہ عرشمین تو تمہاری اپنی ہیں جن سے غائبت ہوتا ہے کہ تمہیں بتانی نہیں چاہئے۔ کل رات بھی تمہارے بابا تمہیں بتا چکے ہیں کہ میرا نام ہادی ہے۔ اب اگلی تمہیں۔" ہادی نے تحمل سے لیکن مدہ توڑنے والے انداز میں کہا تھا۔
"اگلی بار مجھے مخاطب کرنا ہو تو میرے نام سے مخاطب کرنے کی غلطی ہی نہ کرنا۔"
شمیسہ العباس سے اس انداز میں کب کوئی بات کر سکتا تھا۔ خصوصاً ایک لڑکی تو ہرگز نہیں اس کا غصہ عود کر آیا۔
"مجھے بھی تم جیسی جہال اور بدتمیز لڑکی کو مخاطب کرنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تم حویلی کیوں آئی ہو؟ عزائم کیا ہیں تمہارے؟"
"یہ تو مجھے ناکل تعجب ہو رہا ہے۔ میں تو سمجھ رہی تھی کہ تم نے صرف ٹیسٹ کیا ہے۔ اگلی بار سمجھ لینا کہ ایسے بات کرنے کی تمیز نہیں ہے تو تمہیں بات کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟" مستقیم بھائی نے اسے ٹوکا تھا۔
"جب تمہیں ایسی ہی فضول باتیں کرنی ہوں کہ کس سے بات کرنا ہے اور کس سے نہیں۔" تو چل کر دکھاؤ۔"
"بھائی تمہاری بلا وجہ تو بے تکلفی کہ تمیز بھی بھول رہا ہوں کہ کس سے بات کرنا ہے اور کس سے نہیں۔" تو چل کر دکھاؤ۔"
"ہادی نے ہنکارا بھرا تھا۔ وہ بچی نادان تھی تو تمیز سے بات کرنا سیکھ لیتی اور سیکھنے سے بات کرنے کی ہادی کو خواہش تھی۔ مزاج سے بھی۔ الفاظ سے بھی۔ اس لیے لکھے میں نرمی سے غصے کی آگ بجھانے کی کوشش کی تھی۔"
شمیسہ العباس کا پارہ مزید ہائی ہو گیا۔
"ستاؤ شمیسہ العباس کی ہمدرد مہمان ہے اور اگر مجھے پتا چلا کہ میرے مہمان کے ساتھ کسی نے بھی کوئی بدتمیزی کی ہے تو خواہ وہ تم ہی کیوں نہ ہو تو وہ یاد رکھنا میں بہت برے طریقے سے پیش آؤں گی۔ تم پر تمہارے بابا کی بھی نہیں چلے گی۔ زندگی حرام کر دوں گی۔ سمجھ آئی بات؟" مستقیم بھائی نے شمیسہ کو مخاطب کیا تو مخاطب ہونے کا حق ادا کر دیا۔
"یہ تو ہمارے گھر کا معاملہ ہے کہ ہمیں اس معاملے میں بھی بولنا چاہیے یا نہیں۔"
"شمیسہ کے لہجے کی تلخی پر مستقیم بھائی نے ٹوکا تھا۔ شمیسہ کا غصہ عروج پر تھا۔ اس نے ہادی کو ایک نظر دیکھا۔ وہ اس کی طرف متوجہ تھا۔ اس کے چہرے پر ایک فخر یہ مسکراہٹ تھی۔ شمیسہ العباس کا دل چاہا کہ اس کا منہ نوچ لے۔"
"ہادی بھائی! آپ کو اس کی اتنی طرفداری نہیں کرنی چاہیے۔ یہ ہمارے گھر کا معاملہ ہے۔ ہمیں ہی اس سے نمٹنے دیں۔"
"ہادی بھائی کہہ رہے ہو؟" "کیا فرق پڑتا ہے۔" سمجھ گئے۔
"اپنی بات کرو۔ آپ کی قابل احترام مہمان۔" شمیسہ العباس نے سلگ کر کہا تھا۔
"میں لڑکی کو بات کرنے کی بالکل بھی تمیز نہیں ہے۔"
"مستقیم بھائی بھی کہہ رہے تھے اب یہی کہہ رہے ہو اور ابھی تم نے ہی کہا ہے بات کرنے کی تمیز نہیں ہے تو

"لیکن بابا جان شادی سمجھوتے کا نام نہیں ہے۔ شادی کے فیصلے بھی تو کسی نہ کسی اہم فیصلے سے کم نہیں ہوتے۔" عمل نے کہا۔

"کس کی شادی کی بات ہو رہی ہے بھئی؟" عرم نے پوچھا۔

"عرم تم آگئے۔ آؤ بیٹھو۔ اچھے بیٹے کی حیثیت سے تمہارا ہی مشورہ چاہیے۔" یہ اب بھی عمل کی جانب سے ہی کیا گیا تھا۔ عرم کے چہرے پر فوراً ہی فکر مندی کی مسکراہٹ ابھر آئی تھی۔

"آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔"

"شادی آپ کی ہو رہی ہے بابا جان؟" عرم نے پوچھا۔

"جی ہاں۔" شادی مسکرا کر بولی۔

"اوہ۔ تب تو مجھے بہت مزا آئے گا۔" عرم بہت پرجوش ہو کر کہہ رہی تھی۔

"ارے۔ ابھی کوئی کہنے کی بات ہے۔ اس کی عمر ہی شادی ہے۔ شرکت کیوں نہیں کرے گی۔" عالیہ پیچی نے انداز سے ہی محظوظ ہوتے ہوئے کہا تھا۔

شادی کو عرم کی جانب سے تعاون کا یقین دلایا گیا تھا۔ اس نے فوراً ہی عرم جنگ والا اور ان کے بچوں اور شادی کی مگر تیاریوں کے متعلق پوچھنے لگی۔

"بیٹا۔ ابھی لوگ اس کی تیاریوں سے واقف نہیں ہونے چاہئیں۔ سب ہی کو اسے بہت ہی خوش طبعی سے خوش خبری دینا ہے۔ شادی کی تیاریوں کا علم صرف ہمیں ہونا چاہیے۔" شمیسہ بیگم نے شادی کو کرارا جواب دیا تھا۔ اس بات پر شادی کا منہ بن گیا تھا۔ عرم نے اس کی جانب دیکھا تھا۔ شادی کو کرارا جواب دینا کیوں پسند نہیں آیا تھا۔ ان سب کے درمیان کچھ تو ایسا تھا جو ان سب سے الگ تھلگ ہونے کا احساس شادی کو مستقل اپنی طرف متوجہ کر رہا تھا۔

"بابا جان۔ آپ کو عمل اور خوشی کو شمیسہ صاحبہ کے ساتھ شاپنگ پر بھیجنا چاہیے۔" عرم نے کہا۔

"ہیں۔ شمیسہ کو اس وقت کیا ضرورت پڑ گئی۔" عرم نے کہا تھا۔

"ایسا تو ہمارے گھر میں ہوتا ہی رہتا ہے۔" عالیہ پیچی نے اس کے تکدر کو عمل سے جوڑا تھا۔

"بیٹے جانے ہیں اسی شمیسہ کی وجہ سے۔" عرم نے سر جھٹکا تھا۔

"تم کون سی کم ہو۔ عالیہ پیچی کے مزاج کا ایسا حصہ ہو کہ قیامت اٹھا دے گا۔" عالیہ پیچی نے زور سے کہا تھا۔ جبکہ شادی نے صاف محسوس کیا تھا جیسے ان کو ان کی بات بہت ناگوار گزری ہو۔

"جی ہیں۔ شمیسہ بیگم کی وجہ سے ہی ہمارے اختیار میں کمی آتی ہے۔" عرم نے کہا۔

"یہ تیری مت کہ تو عرم۔" عالیہ پیچی نے بڑبڑاتے ہوئے کہا تھا۔ کرسیاں میز سے دور کی جانے لگی تھیں۔

"آئی ایم سوری عرم کے والد کی تصویر دیکھنی ہے۔" شادی نے اچانک سے پوچھا۔ "عرم! آپ کی تیاری ہے تو ہمیں دیکھنا چاہیے نا۔ میں کون سا روز روز آتی ہوں۔ اس کو دیکھنا کیا ہے۔ آپ کو کیا بات کرنا ہے۔" شادی نے کہا تھا۔

"ایسا کچھ نہیں۔ بلکہ میں تمہاری پیچی ہوں۔ اچھا ہو کہ تم مجھے آنی کہنے کے بجائے پیچی کہو۔"

عالیہ پیچی نے وہیں بیٹھے ترکی زبان کے ایک تصویر نکالی۔ اس کی طرف بڑھائی۔ شادی نے اشتیاق سے تصویر پکڑی تھی مگر تصویر دیکھتے ہی اس کے اشتیاق پر غلط اثر پڑا تھا۔

"یہ تصویر کس کی ہے؟" عرم نے پوچھا۔



اسمرا جبیں

سلام محبت

دین محمد علی سے محبت کرنے والا جاتا ہے۔ مرتی کو اپنے خلوص بھرے سوا کچھ نہ دے سکنے کے باعث وہ اس کا مجرم ہے۔ اس کی ہر ادا زندگی محبت سے عبارت ہے۔ وہ اپنے ہر موقع پر صرف کرتا ہے۔ شادی کے چند سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ اپنے گھر سے کوسوں دور وہ اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ رہتا ہے۔ وہ ہر چھٹی پر گھر جاتا ہے۔ ایک مرتبہ پھر اسے ہے۔ دین محمد کا دل اولاد کی قبول خوشی پانے کے لیے تڑپ رہا ہے۔ اس کی بیوی بھی اس کے بچوں کی ماں بننے کے لیے بے چین ہے۔ اس کی ہر ادا میں محبت کے جذبے جھلکتے ہیں۔ اس کے بچوں کی ماں بننے کے لیے بے چین ہے۔ اس کی ہر ادا میں محبت کے جذبے جھلکتے ہیں۔ اس کے بچوں کی ماں بننے کے لیے بے چین ہے۔ اس کی ہر ادا میں محبت کے جذبے جھلکتے ہیں۔

جلال الدین کے روز و شب کو کرن کی آمد نے بدل دیا ہے۔ اس کی ہنسی کے ہر انداز سے محبت کا جذبہ ابھرتا ہے۔ ہر لمحہ اس کی ادا میں

بند کواڑوں کو اندر کے رخ دھکیلنے لگا۔ وہ بلند آواز میں آپا کو پکار رہا تھا۔

"دروازہ کھولیں آپا! میں کب سے باہر کھڑا ہوں' کیا آپ کو دستک کی آواز سنائی نہیں دے رہی۔ دروازہ کھول دیں آپا' آپا۔"

پھر اس نے سوچا کہ غالباً" آپا غسل خانے میں ہوگی۔ تب ہی دروازہ کھلنے میں اتنی تاخیر ہو رہی تھی اور بھلا کیا وجہ ہو سکتی تھی۔ یہ فرض کر کے اس نے دروازہ

گئے۔ آپا کا چہرہ جو انتہائی زرد تھا اور بعض جگہوں پر نیلگوں ہو رہا تھا چھت کی سمت اٹھا ہوا تھا۔

عمر نے اسے آواز دینا چاہی اور گھگھیا کر رہ گیا۔

وہ جانتا تھا کہ ایسی رنگت والے چہروں کو آوازوں سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ جب گاؤں کے بہشتی کے بیٹے کا بازو گھاس کترنے والے ٹوکے میں آکر کٹ گیا تھا تو اس کا چہرہ بھی ایسا ہی دکھائی دیتا تھا۔ اس کی ماں اور بہنیں کھاٹ کے گرد جمع ہو کر کیسے گلے پھاڑ کر اسے پکارتی تھیں۔ ان کی چیخوں سے سننے والوں کے کانوں

چند گھنٹوں قبل عین اسی وقت اس نے آپا کے لیے دعا کرنے کا ارادہ ترک کیا تھا۔ تب مسجد کے گھڑیال میں بالکل یہ ہی وقت تھا۔ اسے لگا وہ خون آپا کے جسم سے نہیں اس کے اپنے جسم سے بہا تھا۔ اس سرد کمرے میں جہاں موسم کی خنکی کے ساتھ موت کی ٹھنڈک بھی تھی' وہ پسینے میں نہایا ہوا تھا۔

یہ تصور کرنا مشکل نہیں تھا کہ ٹائم پیس آپا کا ہاتھ

"نیند نہیں آرہی' تمہارے پاس سلیپنگ پلز ہیں تو مجھے دے دو' کئی راتوں سے مجھے بالکل نیند نہیں آئی۔" صوفیہ نے یوں ہی لیٹے لیٹے کہا۔

"ہرگز نہیں' یہ تمہاری عمر ہے سلیپنگ پلز لینے کی' ایک بار ان خرافات میں پڑ جاؤ تو جان چھڑانا مشکل ہو جاتا ہے۔ میں نے کتنی بار منع کیا ہے کہ سارا سارا دن ٹی وی پر الم غلم پروگرام مت دیکھا کرو' یہ میڈیا

"خوشی سمیت ہم سب پر رعب جماتے رہیں۔ یہ ہماری ہی جان کی دشمن ہوئی ہوئی ہیں۔ ہے کوئی بات ہے خوشی! تمہاری ہمدردی کا بھی یہ ہاتھ ہے کہ شمیم بھائی اپنی من مانی کرتے پھرتے ہیں۔ جس وقت وہ نہیں ہوتے ہیں تو چار گھڑی کمر سیدھی کرلیتی ہوں میں تو خیال نہیں تھی کہ وہ اتنا نہیں سمجھ سکتے۔"

"شمیم بھائی ہمدرد ہیں تو خوشی اور شمیم کے درمیان کیا رشتہ ہے؟" اگر وہ خوشی پر حق جتاتا ہے تو صرف اسی رشتے کی وجہ سے۔ خوشی کیسے اسے بھلا کہہ سکتی ہے؟"

"رشتے کی نوعیت مختلف ہونے کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ انسان جان کو ہی گنوا بیٹھے۔" عمل شکایتی ہوئے قائل ہوئی تھی۔ "اور پھر حق جتانے اور حکم رعب جمانے میں بہت فرق ہوتا ہے۔ حرم آپا! مغلوب ہونے کا مطلب تو نہیں ہوتا کہ انسان کوئی کودے سر سے انسانوں سے کام کرنا چھوڑ دیا جائے۔"

"اچھا اب اس بات کو ختم کرو۔ حرم سے کیا بحث سے ہاتھ دھونے پڑ جائیں۔" حرم نے کہا تھا۔

"میں اس بحث کو ختم نہیں کرسکتی۔ مجھے اتنا غصہ کیا ہے اس آدمی پر۔" عمل کی ہر بات کسی نہ کسی بات پر ہوا کرتی ہے۔ یہ نہیں کہ اسی وقت وہ بیٹھ جائے۔ اگر اب اس کو بھلا کہہ لیا تو بھلا کہہ لیا۔ اور اس پر بھی جان بھر کر نہیں کہ آپ جانتیں اگر وہ نہ ہوتیں تو بھی ہم کیا کرلیتے۔ ہمارے سوال رعب جمانے کے لیے کیا ادارے اب موجود نہیں ہیں جو یہ بات ہمیں شمیم بھائی کی طرف سے ہماری کی جاتی ہے؟" عمل بہت ہی غصے میں تھی۔

"میں کہہ تو رہی ہوں اس کو۔ حرم کو بھی طرح تو دیا۔"

"کیا کہہ رہی ہے ہماری خوشی یہ سے ہی رو رو کر ہلکان ہو رہی ہے۔ اس پر سے تمہاری بک بک ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی۔"

"میری چڑچڑاہٹ اس لیے ختم نہیں ہو رہی کہ شمیم بھائی کے سامنے آپ نے مجھے، بلکہ ہی نہیں ہونے کے ہاتھ ہونا چاہیے۔"

"بھائی ہے نہ ہمارا۔ اگر کسی بات پر کچھ کہہ بھی دیا تو کون سی قیامت آگئی۔ اصول بھی ہوتا ہے۔" حرم جانتی تھی عمل از جلد یہ موضوع ہی ختم جائے گی۔ بھائی کے سامنے بات ختم ہی نہیں۔

"خدا خدا کر کے اصول بھائی۔ چلو خوشی یہ باتیں لگائیں بات کسی حد تک۔ کچھ تو لوگ ہی اور مگیشر کے معاملے میں بڑے ہونے ہیں لیکن ہمیں کیوں صبح کیا کہ بھائی۔ بات جیت نہ کریں۔" حرم نے صرف یہ کہا تھا۔ وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ خوشی کے تاثرات بدل گئے تھے۔

"ہمیں مجھ سے بات کرنے سے صبح کیا ہے۔ لیکن کیوں؟" وہ اب تک ان کی ساری گفتگو سے لاتعلق نظر آنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن اس سے نہ رہا گیا۔

"صرف بات کرنے سے صبح نہیں کیا تمہیں "خود" پڑنے کے آثار دکھائی دیتے ہیں۔" عمل نے جل کر کہا۔

"واقعی؟" خوشی نے تیکھے نقوش کھلائے۔ "یوں جیسے بڑی اچھی بات ہوئی ہو۔"

عمل نے ایک وقت اس کو دیکھا۔ اس میں اتنا جتنے کی کیا بات تھی آخر؟ لیکن خوشی کے تاثرات پر ذرا توجہ نہیں دی۔ حرم سے بحث جھلاتے ہوئے سامنے ہی بیل میں بات کچھ سوچنے میں مصروف ہو گئی۔

"تو بات ہوا شمیم العباس بھی اگر تم کچھ سے خلاف ہو تب ہی تو اپنی گرفت کو مجھ سے دور رکھنے کی کوشش کرتے پھر رہے ہو۔ آپ آگے کا سوچو۔ تمہارا مام شمیم العباس کے بجائے "خود" بھی ہونا چاہیے تھا۔ اب دیکھو میں نے بھی تمہاری بہت ہی نہ ہمت دی تو میرا مام بھائی احسان نہیں۔" حرم سے ارتقاء جاری تھی۔

"اب اس موضوع پر کوئی بات نہیں ہوگی۔ تم تو حد ہی کرتی ہو عمل۔ اور خوشی اللہ کرے تمہارا "خود" محترم رہے تو محترم والی تیا اعتدال بھلائے ہوئے ہو۔"

○ ☆ ○

اس بات کی پروا کیے بغیر کہ شمیم العباس کو کیوں کر اس سے تعلق رکھنے کی تاکید کرتا ہے۔ ہادی تم سے بھی اپنے رویے کے ساتھ کیسی لڑائی رہی۔ پھر جب بھی کوئی کرنے کے خیال سے جاں سے جاتا تو محترم اس کے پیچھے چل پڑتی تھی۔

"ہادی! ہادی!" وہی راہداری عبور کرتی تھی تب اس نے اپنے عقب میں حرم کی آواز سنی۔ ہادی نے گردن موڑ کر دیکھا۔ حرم تیز تیز چلتی اس کی طرف آرہی تھی۔ لیکن ہادی کو دیکھ کر حرم کی چال میں واضح تبدیلی آگئی تھی۔

"ہادی! مجھے تم سے بات کرنی ہے۔" حرم نے قریب پہنچتے ہوئے کہا اور ہادی پھر سے چل پڑا۔

"حرم! سنیے۔" اس کا لہجہ ملتجی اور التجا آمیز تھا۔ ہادی نے ایک تاثر سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہادی!" حرم نے قدرے عجیب سے اپنے ہونٹوں کی طرف دیکھا اور پھر انتہائی سے بے مطلب ہنس دی۔

"حرم سنیے۔ لیکن کچھ نہیں کہا ہوا ہے تو میرے دل میں بھی سے شک سے اب تو اس کی اجازت ہو گئی ہے کہ اگر میں اختیار کرنا چاہوں تو مجھے کچھ کہنے کا۔ دراصل تم نے بھی اور دیکھا ہے تو کیا ہے۔"

اتنی وضاحت کے بعد ہادی کو کچھ بول نہیں سکا۔

"خلاص نہیں کروایا؟"

"شناخت بھیس میں کروایا ہو۔ مجھے ٹھیک سے یاد نہیں۔" حرم نے لاپروائی سے کہا۔

"مجھے صرف یہ کہنا ہے حرم! تم بہت بدل گئی ہو۔" ہادی نے افسردگی سے کہا۔

"ہم کیسی بھی ہوں۔" حرم نے شانے اچکا دیئے۔

"اس عمومی بات میں کوئی نہیں ہوا اس لیے تمہیں کچھ بھی نہیں۔ بہتا سیل جان کی ساری اولادوں کو اللہ نے کسی نہ کسی انداز میں ضرور نوازا ہے۔ خوبصورتی، ذہانت، ذہانت کی ظاہر ہے ضرورت ہوتی ہے۔ پھر بھی ہادی! میں اور میری اولاد کو کسی بیماری کی کوئی شکل نہیں دی۔ ذہانت نہ دینے کی کوئی مناسب وجہ نہیں ہو سکتا۔ پھر ہادی! ہمارے ہاں ذہانت کی کوئی کمی نہیں ہے مجھے بیماری دی ہے۔ ہادی کیا آپ کیا سنو گے۔ ہادی کیا ہے۔ تم جو تو اس بات کو نہیں تم سے صرف اتنا کہنے تھی تھی کہ بلیز! اصل کی باتوں کو بیچ میں مت لیا۔ شمیم نے تمہاری بات کی تھی اس سے بات کرنے کو۔ شمیم دل کا بُرا نہیں ہے۔ یہ نہیں کہ میں جھوٹ میں کہہ رہی ہوں۔ تم پلیز میری بات کی باتوں کو دل پر مت لینا۔" حرم بے چارگی سے التجا گزار ہی تھی۔

"ارے نہیں! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" ہادی بولا۔ "میں ضرور لیتی ہوں اور شمیم العباس سے بھی بولا۔ ضرور لوں گی۔" وہ مسکرا مسکرا کر اس بیل میں اندر اترے جا رہا تھا۔ حرم کھڑی تھی۔

"شمیم العباس بہت ہی جان کے قریب ہے۔ بیل جان اس کی باتوں کو بہت اہمیت دیتی ہیں تو اسی وجہ سے میں بھی اس کی ہر بات کو بہت سنجیدگی سے لیتا ہوں۔ اب تو خیر بات ہی ہو گئی ہے۔ لیکن عمل اسی لیے ہوئی ہے اسی لیے بات ہی اعتراض کرنا شروع کر دیتی ہے۔"

"اور خوشی؟" ہادی نے پوچھا۔ "اس میں اتنی اتنا کیوں ہو رہی تھی؟ کیا اس کے نزدیک شمیم العباس کی بات

دم نہیں ہے۔"

"اس کے لیے تو سب سے اہم ہے۔" عزہ نے ہنس کر کہا۔

"شمیم کی جان کا لالچ ہے اور نحوی بابا جان کی چھوٹی بیٹی کی نشانی۔ اسی لیے دونوں ہی بابا جان کو عزیز ہیں۔ اسی لیے بابا جان نے نحوی کے پیدا ہوتے ہی اسے شمیم سے منسوب کردیا تھا۔ اب میں اور عمل تو شمیم کی کسی بات سے پھر بھی انکار کرسکتے ہیں لیکن نحوی ہرگز نہیں۔"

"اچھا!" ہادی کو تعجب ہوا۔

"کیا منسوب ہونے کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ لڑکی اپنے سارے اختیارات سے محروم ہوجائے؟" اس کے لہجے میں غصہ تھا۔

"ارے نہیں! عزہ بھابی! ایسا نہیں ہوگا۔"

"اور اصل نحوی کچھ خود بھی بزدل ہے۔ اسے اپنا حق لینا نہیں آتا۔ ہمیں ہے اور کچھ شمیم بھی بے چارہ رک رک کر کہنے والا لڑکا ہے پھر نحوی کو بلا بھی میری امی نے ہے اور شمیم بھی کہ کر جیت جاتی تھیں۔ اصل میں امی کے بچپن کے کچھ خوف ہیں جو ہم بہن بھائیوں میں سے کوئی بات سے نکال کے علاوہ کسی نے بھی امی کی عادات نہیں لیں۔ اس نحوی کو ہر سوال کی الجھن ہے۔ ضدی بھی حد تک ہے۔ شمیم کی ہر بھولی بھی من کر نحوی نے بھی اسے سر چڑھایا ہے۔ ورنہ یہ بات ہے شمیم ظل کا پارہ گرتیں ہے۔"

ہادی نے اس بات پر "ہمم" کرنا ہی ضروری سمجھا۔

"اور نحوی کے پر حس!" اس کی کمی کو تو میں نے اب تک نہیں سمجھا۔"

"یہ بھی دلی افسوس کی بات ہے کہ نحوی کی پیدائش کے کچھ عرصہ بعد چچی کا انتقال ہوگیا۔ نحوی کی ہر بھولی نحوی من کر نحوی نے بھی اسے سر چڑھایا ہے۔ ورنہ یہ بات ہے شمیم ظل کا پارہ گرتیں ہے۔"

ہادی نے اس بات پر "ہمم" کرنا ہی ضروری سمجھا۔

"اور نحوی کے پر حس!" اس کی کمی کو تو میں نے اب تک نہیں سمجھا۔"

"یہ بھی دلی افسوس کی بات ہے کہ نحوی کی پیدائش کے کچھ عرصہ بعد چچی کا انتقال ہوگیا۔ نحوی کے

واضح جواب طلبی کی توقع نہیں کر رہا تھا لیکن اگلے ہی لمحے اس کا کل کھلا پن محو کر گیا۔

"تو جہاں سکتا ہوں؟" مستقیم بھلی کا لہجہ حیرت زدہ تھا۔

ہادی اکبل بے حال میں کمر کھڑی ہی ہونے لگی۔

"میں نہیں جانتا کہ مجھ سے زیادتی کوئی بھی انسان اس سے بات کرے۔ اس نے صاف کہا ہے کہ۔ "میں نہیں چاہ

پہلی ذمہ داری میں نہ کبھی ماں کی محبت کا احساس ہوا اور نہ کبھی باپ کی موجودگی کا۔"

"تم بہت حساس ہو۔" شہسوار نے کہا تھا۔

"ہاں یہاں کی فضا میں سے تب تو رخصت ہے پھر تم نے کیوں مجھے انسیں سونپ دیا؟ کیوں نہیں مجھے اپنے جیسا بنایا؟" افسوس تو یہ ہے کہ وہ میں عمل طور پر ہی ہمارے کے قالب میں داخل ہو سکا۔ تب جیسا ہوا ہوں اور نہ اپنی ماں جیسا۔ میری ماں اپنی انیرا کی فطرت کی نہیں ہے پیدا اور تب کچھ سے خدا معلوم کیا کیا تو قعات وابستہ کیے بیٹھے ہیں مجھے تب ہی کبھی سے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ لیکن جیسا کہتے ہیں کہ وہ ایسی کوئی کمی محسوس ضرور کرتے کی دل جان سے زندگی میں بھی بہت سے غلط فیصلے کیے ہوں لیکن ان کے پیچھے آدھے سے یہاں کو کہنے میں کمزور کے انتساب کو واضح کر دیتے ہیں اور یہ اصول ہوتے ہیں کہ خود کمزور ہو کر انتساب ہو بھی ہو سکتا ہے۔

○ ○ ○

لیلیٰ الیاس کو اس طرح کچھ ری تھی جس طرح کوئی خواب کا دہرا اس کے سامنے ہو۔ یہ بھی اور ایسا بھی ہوا تھا۔ اس کے سامنے آئی تھی۔

"کب آپ کب آئے؟" یہ بھی اور ایسا بھی کی خوشی اس کے لیے اور آنکھوں سے چھلکتی تھی۔

لیلیٰ نے مصور کی سے مسکرا دیے اور اس کے معصوم چہرے کو آنکھوں میں جذب کرتے ہوئے پوچھا۔

"آپ نے مجھے سال کر چھے۔"

"جی۔" لیلیٰ نے کہا تھا کہ انہیں دیکھ کر بھی کھو گئی ہو کر ہنس دی۔

"آپ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں آپ؟"

"میں ٹھیک ہوں اور تم؟"

اس نے اپنی اثبات میں سر ہلایا تھا۔ وہ جانتا تھا ان کے چہرے سے نظریں ہٹا نہ سکے۔ اس نے تو سوچا تھا شاید یہ قصہ تمہارے کا مگر یہ لیلیٰ الیاس کو دیکھ کر دل خوشی حاصل ہو رہی تھی وہ یہاں سے باہر تھی۔

"میں ایلیسی کی طرف گیا تھا لیکن وہ وہاں نہیں ہے۔ شاید شہسوار آیا اور ہادی کیس کی اصلی ہیں۔ اسی لیے میں ادھر آیا۔ اگر تمہارے اس ٹاپک پر کچھ ہے۔"

"ہاں۔ شاید۔ آپ نے اچھا کیا ادھر آگئے۔ میں ایلیسی کھو دیتی ہوں۔ شاید۔" پھر ساتھ ہی کچھ خیال آنے پر بولی۔

"آپ کچھ کھائیں گے؟"

"ایسی آیا تھا تو میں ملائمت میں کھا چکا ہوں۔ ابھی تو سوں گا پھر اس کے بعد چائے۔ اس وقت تک شاید شہسوار آیا اور ہادی بھی آ چکی ہوں اور ڈنر پر اصل کھائی۔" لیلیٰ نے کہا۔

"وہ وہاں" لیلیٰ نے کچھ خیال آنے پر بہت سی باتیں مل دیں اور شاید کو کہا کہ ایلیسی سے متعلق ہدایات دے دیتے کی۔

○ ○ ○

ہادی کو جو بھی ہو رہے تھا وہ بیٹھے گزر چکے تھے اور کی تو یہ ہے کہ ان تین ہفتوں میں اس نے بہت انجوائے کیا تھا کہ گو شہسوار اور شراب کے ساتھ بھی اس نے بہت سا وقت گزارا تھا لیکن یہاں کی بات اور تھی ورم تنہائی اور عمل کے ساتھ ساتھ دونوں بھائیوں نے بھی اس کی اچھی پوجا کی تھی۔ وہ سب کے ساتھ مل کر ورم کی تیاریوں میں مصروف رہے تھے۔ ہادی بھی اور ان سب کے درمیان رہتے سے بہت متاثر کرتے تھے۔

عالیہ ورم طبیعت کی صوبی خاتون تھیں۔ سب انکل ہادی کی شخصیت کے ساتھ اس کا خیال رکھتیں لیکن اتنی اچھائی کے باوجود ان کے اندر سے قوی کی مدد تک مادی موجود تھی جو ہی کبھی کبھار ہادی اور خوشی میں کھل پڑتی تھی۔ خوشی نے اپنی بات بھی بہت تکیم کا صرف ہم اور خود ہادی بھی تھی لیکن" وہ اس عورت کے بالکل برعکس تھی۔

محویل میں ہادی دل کی طرح خاموشی بھرے ہوئے تھے اور رات کا زمین کی کھیپ میں ہے وہ کسی نہ کسی طرح تسلیم کا تصور حاصل کرنے میں بھی حد تک کامیاب ہوئی تھی۔ شاید اس میں بھی خاتم تسلیم کا بھی قصہ وہ ہر اسرار سی لڑکی تھی۔ انکل کے ادارے کا" عمل کرایات نہ کرتی تھی لیکن وہ کوئی نہ کوئی ایسی بات ضرور کر جاتی تھی کہ ہادی اور گنگا ہو جاتی۔

شہسوار الیاس نے اس کے بعد وہ یاد میں کے راستے میں آنے کی کوشش نہیں کی تھی البتہ ہادی و "خوشی" اس پر نظر کا خانہ کا یہاں رہا تھا تھی جس سے وہ سنگ کر رہا تھا مگر مطمئن خاموش رہتا۔ چند روز بعد وہ لیلیٰ الیاس اور چلا گیا ان تین ہفتوں کے دوران وہ صرف ایک مرتبہ ایلیسی کے لیے نکلا تھا۔

ہادی شہسوار میں یہ پھلی مفصل تفصیل قیمہ کو نہیں بتائی تھی مگر پھر اس نے یہ سلسلہ محدود کر دیا۔ اب تک جتنا بھی نہ آپ تھیں اس کے بارے میں کافی تفصیل بتا بھی تھی سن کر خوشی خوش ہو گئی تھی۔

ہادی یہاں بہت مگن سے تھا تھی اور اس عورت کے متعلق اتنا کچھ جان لینے کے بعد وہ بھی کسی حد تک گھر اپنے بیدار کا اظہار نہ تھی کیونکہ حال کا سامنا کرنے کے خیال سے اس پر گھبراہٹ طاری ہونے لگتی تھی اور وہ شدید کشمکش کا شکار ہو جاتی تھی۔

ایک صبح سے وہ سب صبح بیدار ہوئی اور ساتھ ہی اپنی ناکامی میں آگئی ہوئی۔ تنخ اسے بیدار ہونے میں تھوڑی تاخیر ہو گئی تھی۔ تنخ تبدیل وہ سب کی کرسی بھی مصروف ہو رہی تھی۔ اسے کچھ خیال آیا کہ وہ ہادی کی بیوی کی دوسری حمل نہ تھا اور یہاں سے ہادی کے مرتبی پھانک کا پتہ تھا۔ مصروف ہو رہی تھی۔ معاً اسے ارادہ کیا کہ وہ ہادی کو بتائے بغیر ہی کچھ گاؤں کھنی دکھائیں۔ ایک گاؤں کے پاس شہسوار الیاس کی کسی عورت سے ملاقات کر رہا تھا۔

ہادی کی پشت تھی جس چہرہ بیدار ہوئی۔ وہ چونک کر سیدھی ہوئی اور اس نے بغور اس عورت کو دیکھا۔ اس کے نقوش قوی دور سے بہت واضح نہیں ہو رہے تھے لیکن اس کا مجموعی تاثر خوبصورتی کا تھا اور اس کی شخصیت سے شائستگی اور وقار جھلکتی تھی۔

"خوبصورت کی حد تک ہے۔" ہادی نے بڑبڑایا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)



اسمرا ناہید





ماہ نور

ہادی کی بات سن کر جلال کا دل چاہا کہ وہ اس کا منہ نوچ لے۔ اس کی ہمت کیسے ہوئی ماہ نور کا نام لینے کی۔ اس کی اتنی اوقات کہ وہ ماہ نور کا نام لے۔ جلال کا دل چاہا کہ وہ اس کا منہ توڑ دے۔ اس کی ہڈی پسلی ایک کر دے۔ اس کا خون پی جائے۔ اس کا گوشت نوچ کھائے۔ اس کا دل چاہا کہ وہ اس کا وجود ہی ختم کر دے۔ اس کا دل چاہا کہ وہ اس کا وجود ہی ختم کر دے۔ اس کا دل چاہا کہ وہ اس کا وجود ہی ختم کر دے۔

جلال

بے تکلف تھی۔ مستقیم الرحمٰن رنگ کھڑے تھے۔

"اوہ تو یہ ہے وہ لڑکی۔" مستقیم الرحمٰن نے کہا۔

"اس سے کہو اپنے کارنامے بیان کرے۔" مستقیم الرحمٰن نے کہا۔

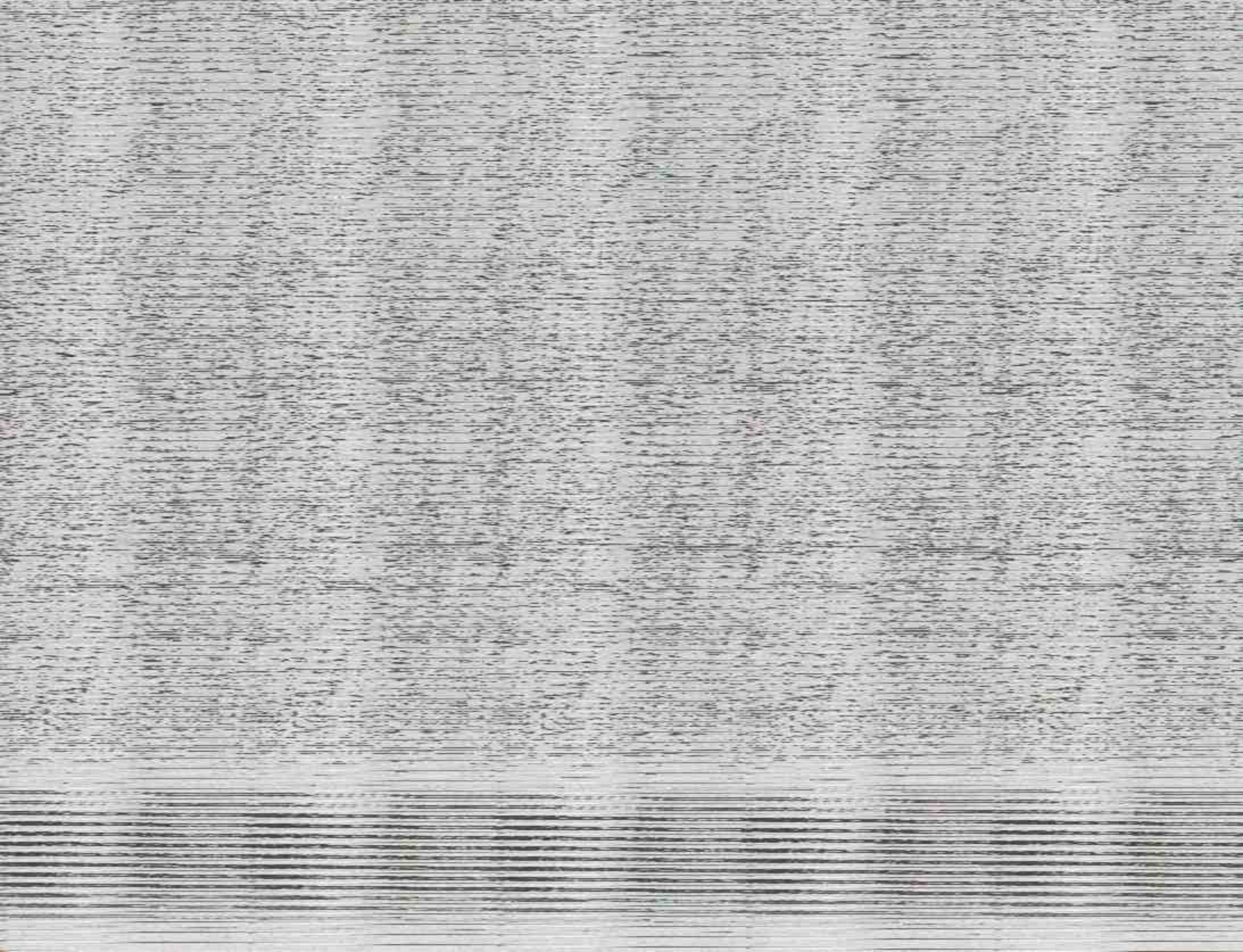
"میں نے کارنامے انجام دیے ہیں تم نے کیا کیا ہ

آپ ہی کا فیصلہ مثبت کریں گی۔"

"جیل بار" صفحہ ۱۰۰ پر شائع ہوا ہے۔ اس لیے اتنا طویل لیٹر نہیں دے سکتے۔ چند سطروں کی بات ہے ٹیک سمجھ آجائے گی۔"

"مگر آپ کا یہ اصل نکتہ تو ہمیں سے ہوا تھا۔ وہ تو ہم نے لکھ دیا تھا۔ اب کچھ اور تبدیلی یا اضافہ ہوا ہے تو اگلی جلدی میں شامل کر لیں گے۔ آپ بھی کوئی بھی اعتراض شائع نہیں۔ میں اس مقصد کے لیے آئی ہوں کہ آپ کا کیا کہنا ہے۔"

"ہمیں کچھ نہیں کہنا۔ ہمیں سے ہوا تھا۔ ہمارا کام ختم ہو گیا۔ اب آپ کی مرضی ہے۔ جو چاہیں کریں



محبت ہوجاتی ہے۔ اگلی بار کہیں اور ٹیلنٹ تلاش کیا جائے گا۔ اصل میں تب کوئی بھی ہمدرد نہیں ہوتا۔ ہمدرد تو تب ہوتے ہیں جب آپ ہمدردی کی بات ہی نہ کریں۔ آپ کو ہمدردی کی ضرورت ہی نہ ہو



آمنہ ریاض

سلام دنیا

دین محمد مٹی سے محبت کرنے والا جفاکش مرد ہے۔ دھرتی کو اپنے خون جگر سے سونا اگلنے کے قابل بنانا اس کا پیشہ ہے۔ اس کی پوری زندگی محنت سے عبارت ہے' جو وہ اپنے چھ مربع زمین پر صرف کرتا ہے۔ شادی کو آٹھ سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ اپنے چھوٹے سے گھر میں دو بیوی زہرہ اور ماں کے ساتھ رہتا ہے۔ زہرہ چھ مردہ بچوں کو جنم دے کر ایک مرتبہ پھر امید سے ہے۔ دین محمد کا رواں رواں اولاد کی خوش خبری پانے کے لیے مجسم دعا بن چکا ہے۔ اس کی دعائیں مستجاب ٹھہرتی ہیں اور اس کے یہاں ایک خوب صورت بچی جنم لیتی ہے۔ اسے وہ اپنی "جنت" کے نام سے مخاطب کرتا ہے۔

جلال الدین کے روز و شب نوکری کی چکی میں پستے گزر رہے ہیں۔ اس نوکری کے دوران اسے آرام کرنے کا موقع بھی کم ملتا ہے۔ اونچے مستقبل کا خواب اسے متحرک رکھتا ہے۔ تنہائی میں کسی کی محبت کا جگنو اس کی دنیا تابدار رکھتا ہے۔ ہر دم "اس" کی یادیں اسے بے چین رکھتی ہیں۔ دن بھر کا تھکا ہارا وہ آرام کرنے لیٹتا ہے تو پولیس اسٹیشن سے اطلاع ملتی ہے کہ جنت بی بی ان کی حراست میں ہے' جس کا دعوا ہے کہ اس نے اپنے شوہر کا قتل کیا ہے۔ جلال الدین اپنے وکیل دوست مسعود کے ساتھ بھاگم بھاگ پولیس اسٹیشن پہنچتا ہے اور ثبوت دیکھتا ہے کہ جنت شیزوفرینیا کی مریض ہے' جس کی شادی بھی ہوئی تک نہیں۔ جنت کی حالت جلال الدین کو اعصابی تھکن کا شکار کرنے لگتی ہے۔ جسے اس نے نوکروں کے سہارے ملیحہ گھر میں رکھ چھوڑا ہے۔

ثمینہ 14 سال بعد اپنی بیٹی ہادی کے ساتھ آسٹریلیا سے پاکستان آئی ہیں تو انہیں توقیر صاحب کے بنائے گئے بنگلے کو سجانے میں بہت وقت لگتا ہے۔ وہ فیض کے دوست توقیر صاحب کے توسط سے دانیال کی ایجنسی میں ملازمت کرتی ہیں۔ ثروت، اجال نثار اور محبتی خاتون ہیں۔ ولی، ولیہ اور ایبا ان کے بچے ہیں۔ ہادی کی پہلی ملاقات میں ایبا سے دوستی ہو جاتی ہے۔

نفیسہ العباس طبیعتاً سخت گیر اور غصہ ور نوجوان ہے' جسے صنف نازک کا غیر ضروری ہنسنا بھی ناگوار گزرتا ہے۔ وہ



پھپھی زاد ہونی سے منسوب ہے۔ ہونی اس کی ہر خو طبیعت سے سخت نالاں ہے۔ شمیم ہونی کو کال چھوڑنے آتا ہے تو مسیلہ ال عبیر اور ہونی کے سر ہو جاتی ہیں۔ یہ جان کر کہ شمیم ہونی کا منگیتر ہے' وہ اس کی قسمت پر رشک کرتی ہیں۔ ہونی دونوں سے گزارش کرتی ہے کہ عوض کو اس بات کا علم نہ ہو۔

شمیم 'ابا جان' ثروت دانیال کی اولاد ہے' جسے انہیں دانیال حسن سے شادی سے پہلے چھوڑنا پڑا۔ بچپن کی محرومی نے اسے بدمزاج اور غصیلا بنا دیا۔ وہ انیبا اور ولید سے بہت ترشی سے پیش آتا ہے۔ وہ ان سے بحیثیت بہن بھائی قلبی تعلقات محسوس نہیں کرتا۔ انیبا اس کی محرومی دل سے محسوس کرتی ہے۔ انیبا پر ہر لی نظر ڈالتے پر وہ بے ذی کے دوست سعدی کو بیٹ ڈالتا ہے۔ صرف بے ذی اس کی کیفیات سمجھتا ہے۔

نیا پرزنے پر بیگم دانیال 'ثمینہ کی اچھی طرح دیکھ بھال کرتی ہیں تو ثمینہ ان کے اخلاق سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتیں۔ انہیں بیگم دانیال کو دیکھ کر لگتا ہے کہ وہ پہلے ان سے مل چکی ہیں۔

بچوں کی ازالی میں جنت کو چوٹ لگتی ہے تو دین محمد اپنی بہن زبیدہ کے بیٹے فاروق کا طبلہ بگاڑ دیتا ہے۔ ساتھ ہی زبیدہ بہن اور رشتہ بھائی سے قطع تعلق کر لیتا ہے۔ زہرہ اس کی جنت سے طوفانی محبت سے خوف زدہ ہے۔ دین محمد 'زہرہ کو بار بار کرواتا ہے کہ وہ جنت کو بیاہ کر دوسرے گھر نہیں بھیجے گا۔ بلکہ اس کے شوہر کو گھر داماد بنائے گا۔

اتفاقاً 'ماوی' کا ٹکراؤ شمیم سے ہوتا ہے۔ جس سے ماوی کا پیر زخمی ہو جاتا ہے۔ اپنی غلطی کے باوجود جھلاہٹ میں شمیم ماوی کو بری طرح سے ڈانٹتا ہے تو ماوی اس کی طبیعت صاف کر دیتی ہے۔ ثمینہ سے وہ اس واقعے کا ذکر نہیں کرتی۔ ثمینہ کا روڈ ایکسیڈنٹ ہوتا ہے تو بے ذی عین موقع پر ان کی مدد کرتا ہے۔ ماوی اور فیضان اس بے بے ذی کے مشکور ہیں' لیکن وہ اپنا تاثر دیے بغیر چلا جاتا ہے۔ جس پر ثمینہ کو بہت افسوس ہوتا ہے۔ اتفاقاً ان کی بے ذی سے دوبارہ ملاقات ہوتی ہے۔ ثمینہ اسے گھر بلاتی ہیں۔ ثمینہ 'ثروت کو بتاتی ہیں کہ ان کے شوہر رجب کا بے ذی سے دور کی سے قتل ہوا تھا اور یہ بات ماوی کے علم میں نہیں ہے۔ یہ جان کر انہیں رنج ہوتا ہے۔ شمیم کو بے ذی کا اپنی ماں اور ثمینہ سے گفتگو کرنا پسند نہیں' جس پر وہ بے ذی کو تنبیہ بھی کرتا ہے۔

انیبا اہل محفل میں فیضان کو چاہتی ہے۔ ثروت کے پہلے شوہر سے نسبت کے باعث دانیال صاحب ثمینہ کی فیملی کو پسند نہیں کرتے۔ ماوی 'ان کی دلچسپی بھانپ لیتی ہے اور فیضان ماما سے رائے لینے کی کوشش کرتی ہے تو فیضان اسے جھڑک دیتے ہیں۔ بھائیوں پر بار نہ پڑے اس لیے ثمینہ 'ماوی کو پاکستان میں مزید پڑھنے کی اجازت دے دیتی ہیں۔ عبیر نمود اور ہونی کو عوض کی غیر اخلاقی اور جرائم پیشہ سرگرمیوں کے متعلق بتاتی ہے تو نمود ناراض ہو جاتی ہے۔ عبیر کو اپنی جلد بازی پر افسوس ہوتا ہے' وہ عوض کے متعلق ثبوت اکٹھا کرنا چاہتی ہے۔

زہرہ کی اچانک موت کو محض جنت کے کہنے پر دین محمد 'بہن زبیدہ کے سر ڈالتا ہے تو سب برادری والے بھی حق دق رہ جاتے ہیں۔ دین محمد کی ماں پڑدون کے کہنے پر جنت کو یوسف صاحب کے پاس لے کر جاتی ہے تو جنت یہ بات برداشت نہ کر پاتی اور دین محمد کو بتاتی ہے۔ وہ ماں کو بہن زبیدہ کے یہاں بھیجنے کے لیے بھیجنے کا فیصلہ سناتا ہے تو ماں رو' رو کر اسے اس فیصلے سے باز رکھنے کی کوشش کرتی ہے۔ بہت مشکل سے دین محمد راضی ہو پاتا ہے۔ دین محمد کے رویے سے جنت کے اندر پنپنے والی منفی شخصیت مد گور ہو رہی ہے۔

دین محمد کی بہن زبیدہ کا بیٹا فاروق گاؤں میں آتا ہے تو جنت اسے پسند کرنے لگتی ہے۔ وہ اسے اپنی طرف راغب کرنے کی کوشش کرتی ہے' لیکن فاروق اسے دھتکار دیتا ہے اور اس کے باپ سے جنت آمیز انداز میں شکایت کرتا ہے۔

دین محمد 'جنت کو اپنی سب سے چھوٹی بیٹی کو مرتے دیکھ لیتا ہے۔ اسے شدت سے احساس ہوتا ہے کہ اس نے جنت کی تربیت میں کوتاہی کی ہے۔

ثروت 'دانیال حسن کے ہر وقت کے ٹنک سے تنگ آ کر میکے چلی جاتی ہیں۔ انیبا اور ولید کو اپنے والدین کے درمیان کھنچاؤ کا کچھ کچھ اندازہ ہے۔ دانیال حسن 'ثروت کو فون کر کے ملجمگی کی بات کرتے ہیں۔ ثروت کی طبیعت خراب ہو گئی اور انہیں اسپتال میں داخل ہونا پڑا۔

ثمینہ 'ماوی کے سامنے ماضی کے اوراق پلٹتی ہیں۔ وہ اسے بتاتی ہیں کہ جلال اور شمیم العباس 'ماوی کے رشتے دار ہیں' اور یہ کہ ماوی کے باپ 'رجب کو جنت بی بی نے قتل کیا تھا۔ ثمینہ 'ماوی پر زور دیتی ہیں کہ وہ حویلی جا کر جنت بی بی سے انتقام لے۔

ثمینہ نے بتایا۔ رجب کے مرنے کے بعد جنت بی بی نے ان کے سامنے رجب کی وصیت رکھ دی۔ جس میں انہوں نے اپنی ساری جائیداد جنت بی بی کی سپرد ستی میں دے دی تھی۔ وہ ساری جائیداد اداخارو برس کی عمر ہونے کے بعد رجب کی بیٹی یعنی ماوی کو منتقل ہونا تھی۔ یہ تو حقیقت تھی کہ وصیت جعلی تھی لیکن ثمینہ کے اس وقت حالات ایسے نہ تھے کہ وہ جنت کو چیلنج کر سکتیں۔ وہ خاموشی سے حویلی چھوڑ کر اپنے بھائی فیاض کے ساتھ گئیں۔

بعد میں ایک دن جنت بی بی ثمینہ سے ملنے آئی اور انہیں مجبور کیا کہ وہ اس کے بڑے بیٹے سے شادی کر لیں۔ جو ذہنی معذور تھا۔ ثمینہ نے انکار کر دیا۔ تب جنت نے بتایا کہ وہ رجب کی ساری جائیداد اپنے نام کرا چکی ہے۔ ساتھ اس نے انکشاف کیا کہ رجب کو اس نے زہر دے کر مارا ہے۔

ثمینہ نے کہا کہ ماوی ہرش جیتل ہے۔ جنت اس کو ہاتھ بھی نہیں لگا سکتی۔ ابھی سی حرکت میں آ جائے گی۔

ثمینہ نے ماوی سے کہا' وہ اس کی شادی جلال سے طے کر چکی ہیں۔ اسے جلال سے نکاح کرنا ہو گا تاکہ حویلی جا سکے۔ انہوں نے کہا اپنا مقصد حاصل ہونے کے بعد ماوی جلال سے خلع لے لے تاکہ شہوز سے شادی کر سکے۔ شہوز کو کچھ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔

ماوی نے انکار کیا تو ثمینہ نے خواب آور گولیاں کھا کر خود کشی کی کوشش کی۔

ماوی بالآخر ثمینہ کی بات مان کر حویلی چلی گئی۔ جنت بیگم گاؤں سے باہر گئی ہوئی تھی۔ مستقیم بھلی اور دیگر لوگوں نے ماوی کا کھلے دل سے استقبال کیا۔ وہ سب رجب اور ثمینہ کے ساتھ ہونے والی زیادتی کی تلافی کرنا چاہتے ہیں۔ وہ رجب کی جائیداد ماوی کے نام کرنا چاہتے ہیں۔ تاہم شمیم العباس کو یہ منظور نہیں۔ وہ جنت بیگم کے آنے تک کوئی فیصلہ کرنے کے خلاف ہے۔ وہ ماوی کا دشمن ہو گیا اور اس نے اپنی تمام کزنز کو ماوی سے بات کرنے سے منع کر دیا۔ ماوی کو یہ پتا چلا تو اس نے مستقیم بھلی سے اس کی شکایت کر دی۔ انہوں نے ماوی کے سامنے شمیم العباس کو ڈانٹا۔

فیضان ملک میں واپس آ گئے۔ وہ سیدھے ثمینہ کی انیکسی پہنچے۔ انہوں نے انیکسی کی چابیاں ان کے حوالے کر دیں۔ مگر ثمینہ کے انیکسی چھوڑ کر چلے جانے کا نہیں بتایا۔

ماوی کو حویلی کے ایک حصے اور ملازمین کے رویے میں عجیب پراسراریت کا احساس ہوا تو اس نے تمام حالات جاننے کے لیے ایک خاص ملازمہ 'شمیم سے دوستی کر لی۔

وہ جنت بیگم کی حویلی میں واپسی کی شدت سے منتظر تھی' جب ہی ایک صبح اسے شمیم کے ساتھ جنت بیگم نظر آئی۔

جنت بیگم کے ساتھ جلال بھی تھا۔ وہ ماوی کو حویلی میں دیکھ کر حیران رہ گیا تاہم اس نے اپنے تاثرات ظاہر نہ ہونے دیے۔ جنت بیگم نے ماوی کو یہاں دیکھ کر مستقیم بھلی پر بے حد غصہ کیا۔ جنت بیگم نے تنہائی میں ماوی سے حویلی آنے کا مقصد پوچھا تو اس نے صاف کہہ دیا کہ وہ اپنے باپ کے قاتل کا سراغ لگانے اور جائیداد میں سے اپنا حصہ لینے آئی ہے۔ جنت بیگم نے اسے دھمکی دی کہ وہ اسے حریم کی شادی کے بعد حویلی سے باہر نکال دے گی۔

فیضان 'ماوی کی پراسرار گمشدگی سے پریشان ہیں۔ ثمینہ ان سے کہتی ہیں کہ ماوی پاکستان میں ہی ہے لیکن انیبا انہیں بتاتی ہے کہ ثمینہ نے اسے بتایا ہے وہ آسٹریلیا واپس جا چکی ہے۔

رات کے وقت جلال 'ماوی سے ملنے اس کے کمرے میں گیا تو شمیم نے اسے وہاں سے نکلتے ہوئے دیکھ لیا۔

۲۴
چوبیسویں قسط

مادی کو دیکھ رہی تھی شبیہہ کا رویہ اس کے ساتھ بدلتا جا رہا تھا وہ نہ صرف اس سے بات چیت کرنے لگا تھا بلکہ اس سے بات کرنے کے بہانے ڈھونڈنے لگا تھا۔ ممکن ہے اس کی غلط فہمی ہو لیکن ہر گزرتے دن کے ساتھ اس کا یقین پختہ ہو رہا تھا کہ دال میں کچھ کالا ضرور ہے۔ شبیہہ کے التفات بے جا نہیں تھے لیکن اس کے پاس ایسا کوئی راستہ بھی نہیں تھا جس کے ذریعہ اپنے شک کی نفی کر سکے یا اسے یقین میں بدل سکے۔ لہٰذا اسے خاموشی سے وقت کے بدلتے ہوئے دھارے کو سمجھنا تھا۔

دوسری جانب وہ خود بڑی مستعدی سے ثبوت تلاش کرنے میں لگی ہوئی تھی۔ شادی کی وجہ سے حویلی میں کام بھی بہت بڑھ گیا تھا۔ تب ہی اسے تسنیم سے بھی بات کرنے کا موقع نہیں مل پا رہا تھا کیونکہ دیگر ملازمین کی طرح وہ بھی بے حد مصروف تھی۔ ناچار مادی کو حالات کے سازگار ہونے کا بھی انتظار کرنا تھا۔

اس روز وہ لان میں تھی۔ بے وجہ ادھر ادھر چکر لگا رہی تھی کہ وقت کٹنے کا کچھ تو سبب بنے۔

"موسم انجوائے کیا جا رہا ہے۔"

مادی نے گردن موڑ کے دیکھا شبیہہ العباس کرسی کی پشت پہ ہتھیلیاں ٹکائے بغور اسے دیکھ رہا تھا۔

مادی بوکھلا کر مسکرائی۔

"یہی سمجھ لیں۔"

گو کہ شبیہہ کی موجودگی اسے ناگوار گزری تھی لیکن یہ جتا کر وہ ایک نئی مصیبت مول لینا نہیں چاہتی تھی۔

"کیا میں کچھ دیر یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟" شبیہہ نے چند لمحے کے توقف کے بعد پوچھا تھا۔

"آپ کی حویلی، آپ کا لان اور آپ کی ہی میز کرسی۔ یہاں بیٹھنے کے لیے آپ کو میری اجازت کی کیا ضرورت ہے۔"

مادی نے کندھے اچکا کر لاپروائی سے کہا۔ شبیہہ کے چہرے پہ مسکراہٹ چھب دکھلا کر غائب ہو گئی۔

"یہی بات اس رات یقیناً جلال سے کہی ہو گی۔"

شبیہہ نے کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے کہا تھا۔ مادی جو ابھی تک اس کے رویہ کے اتار چڑھاؤ کو سمجھنے میں لگی تھی، تڑپ کر پلٹی۔

"کیا مطلب؟ میں سمجھی نہیں۔" اس نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"اس میں نا سمجھی کی کیا بات ہے۔ سادہ سا سوال ہی تو پوچھا ہے۔" شبیہہ نے مسکرا کر کہا لیکن حقیقتاً اس نے مادی کے اعتماد کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ لیکن وہ بھی مادی تھی اپنے نام کی طرح مضبوط اور بلا کی پر اعتماد۔

"کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ تم مجھ سے سیدھے لفظوں میں بات کرو۔"

"ذہین تو تم ہو ہی، میں کیسے مان لوں کہ تمہیں میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔"

"ٹھیک ہے۔ پھر تم یہاں بیٹھ کر موسم انجوائے کرو میں ہی چلی جاتی ہوں۔" مادی نے پلٹتے ہوئے کہا تھا۔

"ضرور جاؤ۔ لیکن جانے سے پہلے میرے چند سوالوں کا جواب دیتی جاؤ گی۔" شبیہہ نے دو ٹوک لہجے میں کہا تھا۔

"میں تمہارے ابا کی ملازمہ نہیں ہوں کہ ہر سوال کا جواب دینے کی پابند رہوں۔" مادی نے تڑخ کر کہا۔

"کسی خوش فہمی میں مت رہو۔ ہم ملازم بھی اپنی پسند کے رکھتے ہیں۔" شبیہہ نے ناگواری سے کہا تھا۔

"پھر مجھ پر اتنا احسان کس خوشی میں جناب شبیہہ العباس بھٹی صاحب؟" اس کا انداز بھی کچھ کم طنزیہ نہیں تھا۔

شبیہہ نے گہری سانس بھری اور گہری ہی نظروں سے اسے دیکھا۔ "تم حویلی کس مقصد سے آئی ہو۔ مجھے اس سے فی الحال کوئی غرض نہیں ہے۔ میں صرف اتنا جاننا چاہتا ہوں کہ تم میرے بھائی کے ساتھ کیا گیم کھیل رہی

ہو؟"

مادی کو ایسے سوال کی توقع ہرگز نہیں تھی۔ وہ ایک پل کے لیے گڑبڑائی۔

"کس قدر احمقانہ سوال ہے۔ میں تمہارے بھائی کے ساتھ کوئی گیم کیوں کھیلوں گی میں اتنی دور سے اس لیے یہاں آئی کہ تمہارے بھائی کے ساتھ گیمز کھیلوں۔" اس نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"ڈونٹ ٹرائی ٹو بی اسمارٹ مادی! ہو شیار بننے کی کوشش مت کرو۔" شبیہہ نے چڑ کے اور کسی قدر طنزیہ انداز میں کہا۔ "تم اچھی طرح جانتی ہو میرے کہنے کا کیا مطلب ہے۔"

"نہیں شبیہہ! میں نہیں جانتی تمہارے کہنے کا کیا مطلب ہے۔"

"ٹھیک ہے اگر تم چاہتی ہو میں صاف لفظوں میں بات کروں تو ایسا ہی سہی۔ مجھے صرف اتنا بتاؤ اس رات جلال کو تم نے اپنے کمرے میں کیوں بلایا تھا۔ آخر ایسا کون سا جھانسا دیا تھا تم نے جلال کو کہ وہ تمہارے کمرے میں آنے پر مجبور ہوا۔"

مادی چند لمحے کچھ بول نہیں سکی۔ تو گویا اس کا خدشہ درست ثابت ہو ہی گیا کہ کوئی جلال کو اس کے کمرے سے نکلتے ہوئے نہ دیکھ لے۔

"اس معاملے سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے شبیہہ! اس لیے بہتر ہو گا کہ تم اس معاملے سے دور ہی رہو۔"

"جس معاملے میں میرا بھائی ملوث ہو اس معاملے سے میرا تعلق ہے۔" شبیہہ نے تیز لہجے میں کہا۔

"تو یہ بہتر نہیں ہو گا کہ تم ساری اکھاڑی اپنے بھائی سے ہی کرو۔" مادی نے اس سے بھی تیز لہجے میں کہا تھا۔ شبیہہ بے ساختہ مٹھیاں بھینچ کر رہ گیا۔ اصل دقت تو یہی تھی کہ جلال منہ سے کچھ اگلنے کو تیار نہیں تھا اور ایسا پہلی بار ہو رہا تھا ورنہ شبیہہ کو اس دو ٹکے کی لڑکی سے بات کرنے کی زحمت گوارا کرنا ہی نہ پڑتی۔

"میرا بھائی بہت معصوم انسان ہے مادی! اگر تم نے اس کی معصومیت سے کوئی فائدہ اٹھانے کی کوشش کی نا۔ تو یاد رکھنا میں بہت برا حشر کروں گا تمہارا۔" شبیہہ نے دانت بھینچ کر کہا۔

"تم پھر مجھے دھمکا رہے ہو حالانکہ اچھی طرح جانتے ہو کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ کروں گی تو میں وہی جو میرا دل چاہے گا۔"

مادی نے بے نیازی سے کہا اور ایک طرف سے نکل کر آگے جانے لگی لیکن شبیہہ نے اس کا راستہ روکا تھا۔

"ایسا سوچنا بھی مت۔"

"میرے راستے سے ہٹو شبیہہ!" مادی نے سرد مہری سے کہا تھا۔

"مجھے اپنے سوال کا جواب چاہیے۔"

"اپنے بھائی سے مانگو۔"

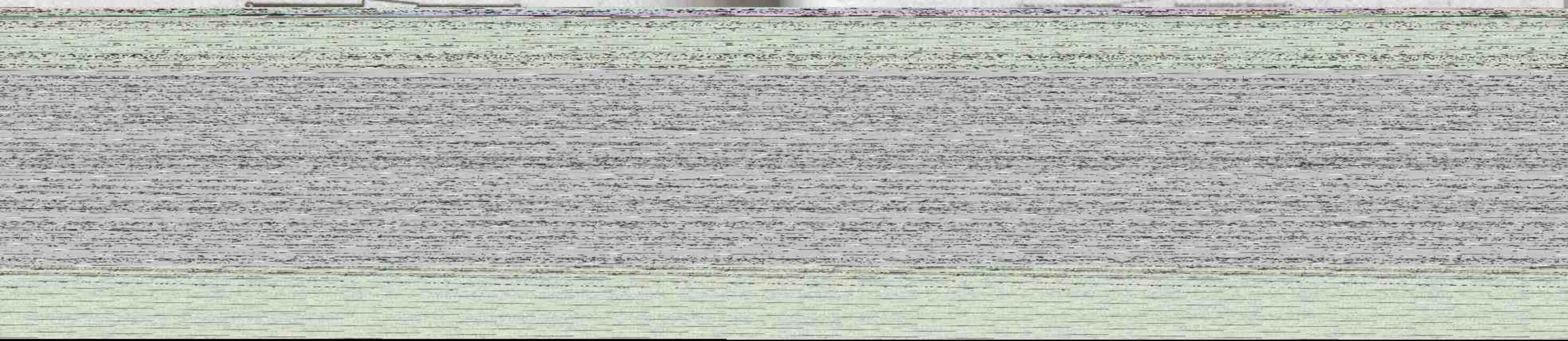
"وہ کیا کرنے آیا تھا تمہارے کمرے میں۔۔۔ یا میں یہ سمجھوں کہ تم ہر کسی کو اپنے کمرے میں آنے کی اجازت دیتی ہو؟"

"شٹ اپ۔" مادی بری طرح چیخی تھی اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ شبیہہ اس طرح کی بات بھی کر سکتا ہے۔

"تم تو میری توقعات سے بھی چھوٹی ذہنیت کے مالک نکلے شبیہہ العباس! افسوس تو مجھے خود کی قسمت پہ ہو رہا ہے۔"

اب کی بار شبیہہ کے لبوں پہ گہری سرد ہنسی تھی۔

"تمہیں خود کی قسمت پر افسوس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"



زیادہ۔

تمام تر پریشانیوں کے باوجود کاروباری معاملات میں دلچسپی لینا ان کی مجبوری تھی۔ سویرے کے نکلے شام چھ بجے واپس آئے تھے۔ خدا معلوم انیہا کو ان کی آمدورفت کے اوقات کار کی خبر کیسے ہو جاتی تھی جب تک وہ فریش ہو کر باہر آئے انیہا ملازمہ کے ہاتھ کافی اور اسنیکس بھجوا چکی تھی۔ فیضان کی بھوک جاگ اٹھی' دل نہ ہونے کے باوجود انہوں نے رغبت سے کھایا پھر جب تھا ہیٹھ کر اوٹ پٹانگ خیال ستانے لگے تو کافی کا مگ لے کر باہر نکل آئے۔

شام کے آسمان پر پرندوں کی قطاریں گزر رہی تھیں۔ پودوں سے ٹکراتی ہوئی ہوا میں نامانوس لیکن بھلی سی خوشبو کا احساس رچا تھا۔

فیضان نے دیکھا انیہا مگن سی اپنے لان میں پانی دے رہی تھی۔ فیضان بے ساختہ یک ٹک اسے دیکھنے لگے۔ ہلکے زرد رنگ کے لباس میں وہ نوخیز کلی سی محسوس ہوئی تھی۔ اپنے کندھوں تک آتے بالوں کو ڈھیلے سے جوڑے میں باندھ رکھا تھا۔ ہوا سے کچھ لٹیں بار بار چہرے کے اطراف میں بکھر جاتیں تو وہ انہیں بیزاری سے کانوں کے پیچھے اڑس لیتی۔

فیضان اسے بے خودی سے دیکھتے رہے' وہ خود ان کے رستے میں آئی تھی۔ کوئی سطحی سی ذہنیت رکھنے والے مرد ہوتے تو فائدہ اٹھانے میں ذرا سا وقت بھی ضائع نہ کرتے۔ لیکن خوش قسمتی سے وہ ایسے ہرگز نہ تھے۔ زندگی نے جب بھی موقع دیا' کئی کترا کر نکلے تھے۔ اب بھی یہی کیا۔ اس سے قبل کہ دل کسی ضد پہ تلا ہوتا انہوں نے نظریں ہی پیچھے کیں مبادا کسی ضدی بچے کی طرح مچلتے دل کو بہلانے کا حوصلہ ہی نہ رہے۔

واپس پلٹنے کا ارادہ کر ہی رہے تھے کہ انیہا کی نظر ان پر پڑ گئی۔ نظریں ملتے ہی وہ خفیف سا مسکرائی اور پانی کا پائپ احتیاط سے کیاری میں رکھ کر ان کی طرف آئی۔

"ماموں کا کچھ پتا چلا؟" اس نے قریب آتے ہوئے پوچھا۔ فیضان نے مایوسی سے نفی میں سر ہلا دیا۔

"اوہ۔" انیہا بھی مایوس ہوئی پھر بولی۔ "میں نے آپ سے کہا تھا' ثمینہ آنٹی سے پوچھیں۔"

"پوچھا ہے لیکن ان کے پاس بھی کوئی جواب نہیں ہے۔ وہ خود پریشان ہیں۔" دل میں بہت سے خدشات ہونے کے باوجود انہیں' ان کی پوزیشن تو کلیئر کرنا ہی تھی سو کہہ دیا۔

"عجیب بات ہے۔" انیہا نے کہا۔ "ثمینہ آنٹی نے تو مجھ سے خود کہا تھا کہ ماموں ڈاہلن جا چکی ہے۔" پھر کچھ سوچ کر بولی۔ "اگر آپ کو برا نہ لگے تو ایک بات کہوں؟"

"ضرور۔ لیکن ایسی کیا بات ہے' جس کے لیے بطور خاص اجازت لینا پڑے۔"

"دراصل میں خود ماموں کے لیے بہت فکرمند ہوں' اسی لیے مجھے یہ خیال آیا کہ معاملہ کچھ اور ہے۔" انیہا نے کہا۔

"آپ خود سوچیں' ایک ہی وقت میں ثمینہ آنٹی مجھے کچھ بتاتی ہیں اور آپ کو کچھ اور۔ کیا یہ حیران کن بات نہیں ہے۔ مجھے تو ایسا لگ رہا ہے جیسے وہ جان بوجھ کر کوئی بات چھپا رہی ہیں۔"

فیضان چند منٹ متفکر سے خاموش رہے۔ یہ بھی حیران کن بات تھی کہ یہی خیال بیک وقت ان کے اور انیہا کے دماغ میں آ رہا تھا۔

"لیکن سوال تو یہ بھی ہے کہ ثمینہ آنٹی کیوں چھپائیں گی۔ آخر ایسی کیا بات ہو گئی ہے جسے چھپانا پڑے۔"

"اب اس بارے میں تو کچھ نہیں کہہ سکتی' آپ کی بہن ہیں وہ۔ اور آپ انہیں' بہرحال مجھ سے زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ میرے دل میں وہم سا آ رہا تھا تو میں نے اظہار کر دیا۔ باقی میں کیا کہہ سکتی ہوں۔" انیہا نے دامن

بچاتے ہوئے کہا تھا۔ دونوں بے دھیانی میں ساتھ ساتھ چلنے لگے تھے' ہوا پہلے کی نسبت تیز ہو گئی تھی اور انیہا کے بال تیزی سے بکھر رہی تھی۔

"آپ فکرمند نہ ہوں۔ ماموں جہاں بھی ہوں گی خیریت سے ہوں گی۔ لیکن میرا خیال ہے' آپ کو اس سلسلے میں پولیس سے بھی رابطہ کرنا چاہیے۔" انیہا نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا تھا۔

"ہاں۔ میں بھی یہی سوچ رہا ہوں کہ ماموں کی گمشدگی کی ایف آئی آر درج کروا دینا چاہیے۔"

دونوں کچھ دیر خاموش رہے پھر انیہا نے کہا۔

"آپ ڈنر میں کیا کھانا چاہیں گے۔ مجھے بتا دیں' میں بنا کر شازیہ کے ہاتھ بھجوا دوں گی۔"

"میرے لیے کسی تکلف کی ضرورت نہیں ہے جو سب کے لیے بنے گا' میں وہی کھا لوں گا۔"

"اور اگر آج سب کے لیے کھانا نہ بنا تو۔"

فیضان ہنس دیے۔

"تب بھی کوئی فکر کی بات نہیں' میں باہر سے جا کر کھا لوں گا۔"

"خیر' اب اتنے بے مروت تو نہیں ہیں ہم کہ چار دن آپ کی مہمان داری بھی نہ کر سکیں۔" انیہا نے شرارت سے ہنس کر کہا تھا۔ فیضان بے ساختہ گردن موڑ کر اسے دیکھنے لگے' آتی دفعہ جس کی خوشی کی خواہش کسی اور کی یاد دلاتی تھی۔ انیہا اپنے ہوا سے چہرے پہ بکھرتے بالوں کو کانوں کے پیچھے اڑس رہی تھی۔ فیضان کا دل چاہا اس کی کانوں کے پیچھے بال لے جاتی انگلیاں تھام کر اسے روک دیں اور اسے بتائیں' وہ اس طرح بکھرے بالوں کے ساتھ کتنی دلکش لگتی ہے۔ لیکن آج تک انہوں نے دل کی کب سنی تھی جو اب اس کی فرمائشوں پہ کان دھرتے۔

"کیا ہوا؟" انیہا نے ان کی نظروں کے ارتکاز پر خفیف سا ہوتے ہوئے پوچھا۔ فیضان نے دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ آہستگی سے نفی میں سر ہلا دیا۔

"بتانا نہیں چاہتے تو اور بات ہے ورنہ میں جانتی ہوں' کچھ تو ہے جو آپ چھپا رہے ہیں۔"

فیضان بے ساختہ ہنس دیے۔

"تمہاری ہنسی نے کسی اور کی یاد دلا دی تھی۔"

انیہا کے دل میں چبھن سے کچھ ٹوٹ گیا۔ پھیکی مسکراہٹ لبوں پر پھیل گئی۔

"ایک بات تو بتائیں۔ کیا بہت خوبصورت تھی وہ؟" اس نے جھک بالائے طاق رکھتے ہوئے پوچھا۔ جب دیر تک کوئی جواب موصول نہ ہوا تو گردن موڑ کر جواب طلب نظروں سے انہیں دیکھنے لگی۔

"پتا نہیں۔ اتنی پرانی بات ہے کہ اب تو مجھے ٹھیک سے یاد بھی نہیں۔"

"یہ تو خیر آپ مجھے ٹال رہے ہیں۔ ورنہ انسان اپنی پہلی محبت کبھی نہیں بھولتا۔"

"تو کیا میں امید رکھوں کہ تم بھی مجھے ہمیشہ یاد رکھو گی؟" فیضان کے لبوں سے بے ساختہ پھسل گیا اگلے ہی لمحے وہ کہہ کر پچھتائے۔ انیہا کے چہرے پر سایہ سا لہرا گیا تھا۔

"آئم سوری انیہا' میرے کہنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ۔" فیضان نے فوراً وضاحتی لہجے میں کہنا چاہا۔

"آپ کے کہنے کا جو بھی مطلب تھا' میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ سچ مچ میں آپ کو کبھی نہیں بھولوں گی۔ اور میں یہ بھی چاہتی ہوں کہ آپ بھی مجھے یاد رکھیں۔ کیا آپ مجھے یاد رکھیں گے؟" اس نے بہت آس سے پوچھا تھا۔

"مجھے کچھ کام ہے انیہا' میں چلتا ہوں۔" فیضان نے اس کا سوال نظرانداز کرتے ہوئے کہا۔ انداز ایسا تھا جیسے بہت جلدی میں ہوں اور اس کی بات سنی ہی نہ ہو۔

"کم سے کم اس بار تو میرے سوال کا جواب دیتے جائیں۔" انیسا نے بغیر پلٹے التجا کی تھی۔
"تم جانتی ہو انیسا! تمہاری اور میری عمروں میں کتنا فرق ہے؟" فیضان نے تیزی سے پوچھا۔
"چند روز سال' چار مہینے' تین دن۔" انیسا نے سرعت سے کہا۔
"نہیں۔ اٹھارہ سال' چار مہینے' تین دن۔" فیضان کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔ "دانیال بھائی سے کچھ ہی سال چھوٹا ہوں گا۔"
"اور آپ کو خود سے اتنی چھوٹی عمر کی لڑکی میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" انیسا نے تیزی سے ان کا جملہ اچک لیا تھا۔ "یہی کہا تھا نا آپ نے ماوی سے؟ کتنی عجیب بات ہے نا۔ میں نے اپنی اور آپ کی عمروں کا حساب اس لیے رکھا کیونکہ میں آپ سے محبت کرتی ہوں لیکن جب آپ کو مجھ سے کوئی دلچسپی ہی نہیں ہے تو آپ اتنا حساب کتاب کس لیے رکھے ہوئے ہیں؟"
فیضان بجا طور پر لاجواب ہوئے تھے۔ یہ تو انہوں نے خود بھی نہیں سوچا تھا۔
"حیران ہو رہے ہیں نا کہ آپ کو یہ خیال کیوں نہیں آیا۔ میں بتاؤں؟ کیونکہ آپ کے دل میں بھی کہیں نہ کہیں میرا خیال موجود ہے جسے آپ جھٹکتے رہتے ہیں اور خود سے بھی اعتراف کرنا نہیں چاہتے۔"
اتنا حقیقت پسندانہ تجزیہ تھا کہ فیضان اس بار بھی کچھ نہ بول سکے۔ دونوں کے درمیان خاموشی کا طویل وقفہ حائل ہوا تھا۔
"کچھ تو کہیں۔ اور کچھ نہیں تو میری غلط فہمی ہی دور کر دیں۔" اس طویل ہوتی خاموشی کو انیسا نے ہی توڑا تھا۔
"یہ وقتی کشش ہے انیسا! اور کچھ نہیں۔" فیضان نے کہا۔
"دانیال بھائی بتا رہے تھے انہوں نے تمہارے لیے کوئی لڑکا دیکھا ہے۔ بہت تعریف کر رہے تھے اس کی۔ میں دعا کروں گا تمہارا لائف پارٹنر تمہیں بہت خوش رکھے۔ جب میں تمہارے سامنے نہیں ہوں گا تو تمہیں یاد بھی نہیں رہوں گا۔ تم بہت آرام سے مجھے بھول جاؤ گی۔" فیضان دوسری سمت میں دیکھتے ہوئے ٹھہر ٹھہر کے بول رہے تھے۔
"کیا آپ زریں کو بھول چکے ہیں؟ اتنے سال گزرنے کے بعد کیا آپ انہیں یاد نہیں کرتے؟ کیا آپ کی ان سے محبت وقتی کشش تھی؟" انیسا نے تیز لہجے میں ان کی بات قطع کی۔
"آپ کہہ رہے ہیں میں آرام سے آپ کو بھول جاؤں گی اور۔۔۔ اور پھر ساری زندگی ایک کم عمر لڑکے کے چہرے میں آپ کا چہرہ تلاش کرتی رہوں گی' ٹھیک ویسے ہی جیسے آپ میرے چہرے میں زریں کا چہرہ تلاش کرتے ہیں۔" انیسا بولتے ہوئے جیسے ہانپنے لگی تھی۔ اس کی آنکھوں میں نمی بھی دکھائی دیتی تھی۔
فیضان اس کے ردعمل پر ہکا بکا رہ گئے تھے۔
"انیسا! میرا وہ مطلب نہیں تھا۔" انہوں نے کہنا چاہا۔
"آپ کا کبھی بھی وہ مطلب نہیں ہوتا جو اتفاق سے آپ کہنا چاہتے ہیں۔" انیسا کے لہجے میں گہرا طنز تھا۔ "لیکن آپ کو کوئی حق نہیں ہے کہ میری انٹلکچوئل کو وقتی کشش قرار دیں۔ آپ کو صرف اپنے بارے میں فیصلہ کرنے کا اختیار ہے' میرے بارے میں نہیں۔ ماوی ٹھیک کہتی تھی' آپ سے محبت کرنا پتھر سے سر پھوڑنے کے برابر ہے۔" اس نے کہا اور آنکھوں میں آنسو لیے تیز قدموں سے اپنے پورشن کی طرف چلی گئی۔ فیضان اپنے لفظوں پر شرمندہ تھے کہ بہرحال اسے دکھ دینا تو ان کا مقصد نہیں تھا وہ اسے روکنا چاہتے تھے لیکن ہر بار کی طرح انہوں نے دیر کر دی تھی۔ کتنی ہی زندگی کے ہر اہم معاملے میں وہ اسی طرح دیر کر دیتے تھے۔

☆ ☆ ☆

"شٹ اپ شبیہہ! تمہیں کوئی حق نہیں ہے کہ میری بیوی کے بارے میں اس طرح کی گھٹیا باتیں کرو۔" جلال نے یک دم خود پر ضبط کھوتے ہوئے کہا تھا۔ شبیہہ کو کہ اس سے کسی بھی قسم کے انکشاف کی توقع کر رہا تھا لیکن اس انکشاف پر ہکا بکا ہو کر اس کی شکل دیکھنے لگا۔
"یہ کیا مذاق ہے جلال!" چند منٹ کے بعد جب بے یقینی کا جھٹکا ذرا ہلکا ہوا تو شبیہہ نے کہا۔
"مذاق نہیں ہے۔ میں سو فیصد سنجیدہ ہوں۔" جلال نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔ جذباتیت میں حقیقت تو اگل گیا تھا لیکن پچھتا بھی رہا تھا کہ اتنی جلدی اس راز میں کسی کو شریک نہیں کرنا چاہیے تھا۔
"میں نے انگلینڈ جانے سے پہلے ماوی سے نکاح کر لیا تھا۔ سوچا تھا مناسب وقت آنے پر سب کو بتا دوں گا۔"
"لیکن یہ سب ہوا کیسے؟۔ تم تو کہتے تھے وہ تمہاری صرف اچھی دوست ہے۔"
"ہاں کہتا تھا۔" جلال نے آہستگی سے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "لیکن یہ دوستی کب محبت میں بدل گئی' مجھے خود بھی پتا نہیں چلا۔"
"اس محبت کے مرض میں صرف تم مبتلا ہوئے ہو یا وہ لڑکی بھی ایسا کوئی دعوا کرتی ہے؟"
"ظاہر ہے۔ ہم دونوں ہی ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں تب ہی تو بات نکاح تک پہنچی ورنہ یک طرفہ محبت میں معاملات اتنا نہیں بڑھتے۔"
"محبت۔" شبیہہ نے زہر خند کیا۔ "یہ لفظ مجھے اس دور کی یاد دلاتا ہے جب ہمارے بزرگوں کے بزرگ بھی ہماری عمروں کے ہوں گے۔ فی زمانہ ایسے کسی جذبے کا کوئی وجود نہیں ہے۔"
"تم نے اس جذبے کی خوبصورتی کو کبھی محسوس نہیں کیا تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ کسی دوسرے کی فیلنگز کو بے کار سمجھو۔ میں ماوی سے اور وہ مجھ سے محبت کرتی ہے۔ میرے لیے اتنا جاننا کافی ہے۔"
"یعنی میرا شک صحیح نکلا۔ اس لڑکی نے حویلی میں آنے کے لیے تمہیں موہ لیا ہے۔" شبیہہ نے نخوت سے کہا۔
"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اس بے چاری کو تو پتا بھی نہیں تھا کہ ہمارے درمیان اتنی قریبی رشتہ داری نکل آئے گی۔"
"ایسی بے تکی باتوں پہ شاید اسے یقین آسکتا ہے جس کی آنکھوں پر نام نہاد محبت کی پٹی بندھی ہو۔ مجھے تو بہرحال اس لڑکی کی کسی بات کا بھروسا نہیں ہے۔" شبیہہ نے سر جھٹکتے ہوئے کہا تھا۔
"اتنی بدگمانی اچھی نہیں ہوتی شبیہہ!"
"اور اتنی خوش گمانی بھی اچھی نہیں ہوتی۔" شبیہہ نے دوبدو کہا۔ "تمہیں اس سے محتاط رہنا چاہیے۔"
"اس کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ مجھے ماوی پر پورا بھروسا ہے۔" اس کے لہجے میں یقین بولتا تھا۔
"تو تم پاگل ہے جلال!"
"نہیں پاگل نہیں ہوں۔ تمہیں کبھی محبت نہیں ہوئی نا' اس لیے تم نہیں سمجھ سکتے۔ جس سے محبت ہو نا شبیہہ! اس کی ہر بات پر یقین کرلینے کو دل چاہتا ہے۔"
"ظاہر ہے۔ عقل جو ساتھ نہیں رہتی۔" شبیہہ نے چڑ کے کہا۔ جلال بے وجہ ہنس دیا۔ شبیہہ کی جان اور جل کر خاک ہوئی۔
"بہرحال میں تو مشورہ ہی دے سکتا ہوں' اس لڑکی سے محتاط رہو۔ مجھے اس لڑکی کے ارادے ٹھیک نہیں لگتے۔"
"میں نے سوچا تھا' ابھی اس بارے میں کسی کو نہیں بتاؤں گا لیکن اب تمہیں پتا چل ہی گیا ہے تو اس بات کو

اپنے تک ہی رکھنا۔ میں نہیں چاہتا کہ حالات سازگار ہونے سے پہلے کسی کو بھی میرے اور ہادی کے متعلق پتا چلے۔" جلال نے تعاون چاہنے والے انداز میں کہا' اس کے بعد شبیہہ نے کیا جواب دیا۔ یہ تو پتا نہیں لیکن یہ ضرور ہوا تھا کہ نیم وا دروازے کے پار کھڑی نتوی کی آنکھوں میں اس نئی اطلاع سے چمک سی دوڑ گئی تھی۔ وہ فی الفور یہ خبر حرم اور نمل کو دینے بھاگی تھی۔

☼ ☼ ☼

"کیا۔!" حرم اور نمل کے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا۔ نمل کی آنکھیں تو با قاعدہ حیرت اور بے یقینی سے پھیلی ہوئی تھیں۔ نتوی نے کانوں پہ ہاتھ رکھ لیا۔

"اوہو۔ آہستہ تو بولیں۔ میرے کان پھاڑیں گی کیا؟" اس نے ناگواری سے کہا۔

"تم نے بات ہی ایسی بتائی ہے کہ ہم اپنا ری ایکشن چھپا ہی نہیں پا رہے۔" نمل نے تعجب کے زیر اثر کہا۔

"تمہیں ضرور غلط فہمی ہوئی ہوگی نتوی!" حرم نے کہا۔ "میرا دل تو یہی بات ہے' یہ بات ہی نہیں مان رہا کہ جلال اور ہادی کا نکاح ہو سکتا ہے۔" وہ مستقل نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

"تو کیا میں جھوٹ بول رہی ہوں؟" نتوی نے آنکھیں پھیلا کر صدمے کی کیفیت میں پوچھا۔ "بھئی۔ میں اپنے کانوں سے شبیہہ اور جلال بھائی کی باتیں سن کر آ رہی ہوں' آپ کانوں سنی تو غلط نہیں ہو سکتی نا۔"

"درست۔ لیکن اس بات کی تصدیق کون کرے گا۔" نمل نے کہا۔ "میرا مطلب ہے شبیہہ بھائی سے پوچھنے کی ہمت کوئی نہیں کر سکتا اور جلال بھائی نے اگر خود شبیہہ بھائی کو تاکید کی ہے کہ ان کے اور ہادی کے رشتے کی سچائی سے کسی کو آگاہ نہ کیا جائے تو بھول ہی جاؤ کہ وہ اپنے منہ سے کچھ اگلیں گے۔" نمل نے ہاتھ جھاڑتے ہوئے کہا۔

"کہتی تو تم ٹھیک ہو۔" حرم پر سوچ انداز میں بولی۔

"ایک آئیڈیا آیا ہے۔" معاً نتوی نے کہا تو وہ دونوں سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگیں۔

"ہم جا کر ہادی سے ہی پوچھ لیتے ہیں کہ کیا واقعی اس نے جلال بھائی سے نکاح کیا ہوا ہے۔" اس نے پرجوش نظروں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"وہ ہمیں کیوں بتائے گی؟" نمل مایوسی سے بولی۔ "میں سمجھی پتا نہیں کیا آئیڈیا دینے لگی ہو۔"

"پھر بھی ہمیں ایک بار کوشش تو کرنا چاہیے۔" نتوی بضد تھی۔ "کیا پتا وہ ہمیں بتا ہی دے۔ آخر اس میں کوئی مضائقہ بھی تو نہیں ہے۔"

"نمل ٹھیک کہہ رہی ہے نتوی! ہادی ہمیں کچھ نہیں بتائے گی۔" حرم نے کہا۔ "اگر جلال شبیہہ کو منع کر سکتا ہے کہ کسی کو کچھ نہ بتایا جائے تو یقیناً اس نے ہادی کو بھی منع کر رکھا ہوگا۔"

اور اگر انہوں نے واقعی نکاح کر رکھا ہے تو آپس میں کچھ نہ کچھ تو طے کر ہی رکھا ہوگا نا۔"

"یعنی ابھی بھی تم لوگوں کو شک ہے کہ میں جھوٹ بول رہی ہوں؟" نتوی جل کر بولی۔

"تم پر کون احمق شک کر رہا ہے پاگل! ہم تو صرف یہ کہہ رہے ہیں کہ حقیقت حال کا پتا کس طرح لگایا جائے۔" حرم نے کہا۔

"تمہیں یاد ہے حرم آپا! ہم سب سوچ رہے تھے کہ اچانک ہادی کو حویلی آنے کا خیال کیسے آ گیا۔" نمل نے چند منٹ بعد کہا۔

"ہو سکتا ہے' وہ اپنے نکاح کو منوانے ہی حویلی آئی ہو یعنی جلال بھائی اور ہادی کی پلاننگ ہو یہ ساری۔"

حرم نے گھور کر اسے دیکھا۔ "تم ہر معاملے میں فلمی باتیں ڈھونڈ لیا کرو۔"

"اس میں فلمی باتیں ڈھونڈنے کی کیا بات ہے۔ تم خود بتاؤ' کیا تمہیں خود ایسا نہیں لگ رہا۔ یہ لوگ ایک دوسرے سے محبت کرنے لگتے ہیں' اچانک انہیں پتا چلتا ہے کہ بزرگ ان کا رشتہ ہونے نہیں دیں گے۔ تب ہے۔"

"بس کرو نمل!" حرم نے چڑ کر اس کے آگے ہاتھ ہی جوڑ دیے تھے۔

"پھر کیا کریں حرم آپا!" نتوی نے بے قراری سے پوچھا۔ اسے سب سے زیادہ جلدی تھی کہ اصل بات جان لے۔ ہادی اسے اچھی لگتی تھی جبکہ جلال اسے سگی بہنوں کی طرح چاہتا تھا گو کہ حویلی کے باقی لڑکے بھی اس کے لیے بھائیوں کی طرح ہی تھے لیکن جو انسیت اپنی اچھی فطرت کی وجہ سے وہ جلال سے محسوس کرتی تھی' وہ بات کسی اور میں نہ تھی۔

"میرا خیال ہے خاموشی سے بلی کے تھیلے سے باہر آنے کا انتظار کرنا چاہیے۔ مناسب وقت آنے پر جلال اور ہادی خود ہی ہر بات دس گلوز کر دیں گے تو ہمیں بھی پتا چل جائے گا۔ ایسا نہ ہو ہماری جلد بازی ان لوگوں کے لیے کوئی مسئلہ کھڑا کر دے۔" حرم ہمیشہ دور اندیشی سے سوچتی تھی۔

"یہ کیا بات ہوئی حرم آپا!" نتوی نے بسور کے کہا۔ "کیا پتا کب تھیلا پھٹتا ہے اور بلی باہر آتی ہے اور خدا ہی جانے تھیلا پھٹتا بھی ہے یا نہیں۔ اتنا لمبا انتظار کون کرے اور آپ کیسی بہن ہیں حرم آپا! آپ کے بھائی نے چپکے سے شادی کر لی اور آپ کو کوئی دلچسپی ہی نہیں ہے۔" اس کا انداز شرم دلانے والا تھا۔ حرم زور سے ہنس دی' یوں بھی ہاؤں کے زرد سنہری جوڑے میں سجی بات بے بات اس کے لبوں پر بکھر رہی تھی۔

"دلچسپی کیوں نہیں ہے' بالکل ہے لیکن میں تمہاری طرح زندگی کے معاملات کو محض جذباتیت سے نمٹانے پر یقین نہیں رکھتی۔ بات صرف اتنی سی ہے۔"

"شاید آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔" نتوی نے بظاہر کہا اور دل میں سوچا۔ "جذباتیت ہے تو یوں ہی سہی لیکن واقعی اتنا لمبا انتظار کون کرے۔ میں جلال بھائی سے نہ پوچھ سکی تو ہادی سے تو ضرور پوچھ لوں گی۔" اس نے مصمم ارادہ کر لیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"تسنیم!" ہادی نے اسے راہداری سے گزرتے دیکھ کر بے ساختہ پکارا۔ وہ بڑے بڑے تھال اٹھائے تیز قدموں سے کہیں بھاگی جا رہی تھی۔ ہادی کی آواز پہ وہ ٹھٹک کر رک گئی اور سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"بڑی جلدی میں لگتی ہو۔ کہیں جانے کی جلدی ہے کیا؟" ہادی نے دوستانہ انداز میں پوچھا۔

"ہم تو ملازم ہیں بی بی! کسی نہ کسی کام کی جلدی ہی رہتی ہے۔" تسنیم کا انداز سادہ سا تھا۔

"تمہیں اپنا وعدہ یاد ہے نا؟"

"کون سا وعدہ؟" خدا جانے وہ انجان تھی یا بن رہی تھی۔

"میری مدد کرنے کا وعدہ۔ حویلی کے رازوں سے پردہ اٹھانے کا وعدہ۔"

"بی بی! آپ ناحق مجھ غریب کے پیچھے پڑی ہیں۔" تسنیم نے بے چارگی سے کہا۔

"یہ لو۔" ہادی نے سر پہ ہاتھ مارا۔ "ابھی تو میں تمہارے پیچھے پڑی نہیں ہوں۔ کبھی پڑ گئی تو جانے تمہارا کیا حشر ہوگا۔ اب نخرے کرنا بند کرو اور سیدھی طرح بتاؤ۔ میری مدد کب کرو گی۔" عجب دھونس جمانا انداز تھا۔

"بی بی! حویلی میں کسی کو بھنک بھی پڑ گئی ناں کہ میں نے آپ کو کچھ بتایا ہے تو آپ کو تو کوئی کچھ نہیں کہے گا۔

میری جان مصیبت میں آجائے گی۔" تسنیم رو نکھی ہو کر بولی تھی۔

"میں تمہیں ایک بات صاف بتادوں تسنیم! میرے بارے میں کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہونا۔ کیونکہ اگر تم نے مجھے کچھ نہ بتایا تو مجھ سے زیادہ تمہاری جان کوئی مصیبت میں نہیں ڈال سکتا۔"

بڑے ہی دوستانہ انداز میں دھمکایا گیا تھا۔ تسنیم جو انہماک سے اس کی بات سن رہی تھی بوکھلا سی بن کر اس کی شکل دیکھنے لگی۔

ماوی ہنس دی۔ "دیکھو میں تمہاری دشمن نہیں ہوں۔ اور میں یہ بھی جانتی ہوں۔ اس حویلی میں تم واحد شخصیت ہو جو میری مدد کر سکتی ہے۔ اس بات کا اندازہ بھی میں نے تمہاری اس روز کی گفتگو سے لگایا۔ جس میں تم اپنے اور میرے بابا کے اچھے تعلقات کا ذکر کر رہی تھیں۔ ایک بات تم اچھی طرح ذہن نشین کر لو جتنی مجھے اپنی خیریت عزیز ہے اتنی ہی تمہاری بھی ہے اس لیے یہ تو بھول ہی جاؤ کہ میں تمہیں کوئی آنچ آنے دوں گی۔ میں اس حویلی میں اپنے بابا کے قاتل کے خلاف ثبوت لینے آئی ہوں اور اگر مجھے خالی ہاتھ واپس جانا پڑا تو یاد رکھنا قیامت کے روز قاتل کے ساتھ ساتھ تمہیں بھی اللہ کے سامنے جواب دہ ہونا پڑے گا۔ کیونکہ خاموش رہ کر تم اس قاتل کا ساتھ ہی دے رہی ہو۔"

"بی بی! آپ غلط سمجھ رہی ہیں۔ میں اتنا کچھ تو نہیں جانتی کہ آپ کی مکمل طور پر مدد کر سکوں۔" تسنیم بے چارگی سے بولی۔

"تھوڑا جانتی ہو یا زیادہ لیکن تمہیں ذمہ داری تو ہے کہ مجھے ان حقائق سے آگاہ کرو۔" ماوی نے کہا۔ "اب فیصلہ کرنا تمہارا کام ہے کہ تم خاموش رہ کر قاتل کا ساتھ دینا چاہتی ہو یا۔" ماوی نے جتاتی نظروں سے اسے دیکھا اور جملہ ادھورا چھوڑ کر واپس مڑ گئی۔

"ماوی بی بی!" معاً تسنیم نے اسے پکار لیا۔ ماوی چند قدم ہی آگے گئی تھی کہ اس کی آواز سن کر پلٹی۔

تسنیم تذبذب سے انگلیاں موڑ رہی تھی۔ چند قدموں کا فاصلہ عبور کر کے ماوی کے قریب آئی اور رازداری سے بولی۔

"کل حرم بی بی کی رسم مہندی ہے۔ رسم کے وقت سب لوگ مصروف ہوں گے۔ آپ موقع دیکھ کر حویلی کے پچھلے حصے میں آجائیے گا۔ مجھے جو کچھ پتا ہے 'وہ آپ کو بتا دوں گی۔ لیکن ایک بات ہے بی بی! مجھ سے زیادہ مدد کی امید نہ رکھیے گا۔ ہو سکتا ہے مجھ سے معلومات لے کر بھی آپ کو کوئی فائدہ نہ ہو۔ میں آپ کا انتظار کروں گی۔"

اس نے جھجکتے ہوئے لیکن بعجلت کہا اور ادھر ادھر دیکھتی جلدی سے آگے بڑھ گئی۔

ماوی چند لمحے بے یقینی سے کھڑی رہی پھر ہنس دی۔ تسنیم اس کی توقع سے جلدی مان گئی تھی لیکن اب اگلا مرحلہ طے کرنا بھی ایک دقت طلب مرحلہ تھا۔

☆ ☆ ☆

"فیاض بھائی! آپ ثمینہ آپا سے صاف صاف بات کریں۔ میں یہ بات مان ہی نہیں سکتا کہ انہیں ماوی کے بارے میں کوئی خبر ہی نہ ہو۔" فیضان نے فون پر فیاض بھائی سے کہا تھا۔

"تم کس طرح کی باتیں کر رہے ہو فیضان!" فیاض نے حیران ہو کر کہا۔ "ثمینہ بھلا ہم سے کیوں چھپائے گی کہ ماوی کہاں ہے۔ وہ تو خود اس کے لیے اتنی پریشان ہے۔"

"آپ کی بات اپنی جگہ درست سہی لیکن معاملہ کچھ گڑبڑ ضرور ہے بھائی!"

فیضان نے انہیں وہ ساری تفصیلات کہہ سنائیں جو انعم نے انہیں بتائی تھیں۔

"تم عجیب بات کر رہے ہو فیضان!" فیاض بھائی نے متعجب ہو کر کہا۔ "مجھے تو ثمینہ کے کسی انداز سے ایسا نہیں لگا کہ وہ غلط بیانی کر رہی ہے اور سوچنے کی بات تو یہ بھی ہے کہ وہ ایسا کرے گی بھی کیوں؟۔ تمہیں ضرور غلط فہمی ہوئی ہے فیضان!"

"یہی تو زیادہ پریشانی کی بات ہے بھائی! کہ آپا ایسا کر کیوں رہی ہیں۔ اور آپ اس بات کو بھی دماغ سے نکال دیں کہ مجھے غلط فہمی ہوئی ہے۔ اس سارے معاملے میں ایسا کچھ ضرور ہے جو آپا ہم سے چھپا رہی ہیں۔" فیضان کی آواز پریشانی میں ڈوبی ہوئی تھی۔

"میری مانیں۔ آپ ثمینہ آپا کو اعتماد میں لے کر سچائی جاننے کی کوشش کریں۔"

"او میرے بھائی! سچائی جاننے کے لیے بھی کسی بنیاد کی ضرورت ہوتی ہے جبکہ تمہیں محض شک ہے۔" فیاض نے کہا تھا۔ "اور ذرا یہ بھی تو سوچو کہ اگر ثمینہ واقعی لاعلم ہوئی تو اس کے دل پر کیا گزرے گی کہ اس کے بھائی کس بنیاد پہ اس پر شک کر رہے تھے۔"

بات معقول تھی۔ فیضان سوچ میں پڑ گئے۔ پھر تھک ہار کر بولے۔

"ٹھیک ہے فیاض بھائی! آپ نہ پوچھیں ثمینہ آپا سے۔ میں خود ہی کسی طرح ماوی کا پتا چلانے کی کوشش کرتا ہوں۔" ان کا لہجہ کسی قدر مایوسی لیے ہوئے تھا۔

☆ ☆ ☆

"دادی جان! کیا سوچ رہی ہیں؟" ماوی نے بڑی بے تکلفی اور چاہ سے پوچھا تھا۔ وہ دونوں بڑی سی ڈائننگ ٹیبل کے آمنے سامنے والی کرسیوں پر بیٹھی تھیں۔ باقی کرسیاں خالی تھیں۔ اسی لیے دونوں کو ایک دوسرے کے بخیے ادھیڑنے کا خوب موقع ملنے والا تھا۔

"میں سوچ رہی ہوں۔ جب میں حویلی سے دھکے دے کر تمہیں نکالوں گی تو تمہارے چہرے پر تاثرات کیسے ہوں گے؟" بخت بیگم نے اس کے سوال پر کوئی بھی ردعمل ظاہر کیے بغیر جواب دیا تھا۔ ماوی اس بات پر ہنسی۔ یوں جیسے کسی بچے کی بات پر ہنسا جاتا ہے۔

"مائی گاڈ! کتنا غرور ہے آپ میں۔ لیکن جب یہ غرور ٹوٹے گا تو آپ کے تاثرات کیا ہوں گے۔"

"کچھ لوگوں پہ غرور سجتا ہے اور میں ان ہی لوگوں میں سے ایک ہوں۔" بخت بیگم نے تیکھی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اوہاہا۔" ماوی بدتمیزی سے ہنسی۔ بخت بیگم نے ناگواری سے اسے دیکھا۔

"تمہیں تھوڑی تمیز سیکھنی چاہیے۔"

"آپ کے پاس آئی ہوں نا۔ سکھا دیجیے۔"

"میں نے تمہیں کانہیں لے رکھا کہ لوگوں کی بگڑی ہوئی اولادیں سدھارتی پھروں۔" بخت بیگم نے نخوت سے ناک چڑھا کر کہا۔

"دادی جان!۔" ماوی نے جتنا اذیت سے پکارا بخت بیگم نے اتنی ہی بری طرح اسے ٹوک دیا تھا۔

"میں تم سے کتنی بار کہہ چکی ہوں' مجھے دادی مت کہا کرو۔ تمہاری دادی تمہارے باپ کے بچپن میں ہی مر گئی تھی۔"

"ظاہر ہے جب ہی تو میرے دادا نے آپ سے شادی کی تھی۔ اس حساب سے آپ میری دادی ہی بنتی ہیں۔" ماوی کا انداز اصرار بھرا تھا۔

ایقان نے بے ساختہ انداز میں اسے گھورا۔ مبادا وہ اس کا راز فاش کردے۔
"حال کی خبر دیجئے۔" علی نے اپنا کان اس کے قریب کیا۔ ایقان نے اس کا دوسرا کان کھینچ کر اسے اپنی جانب کیا۔
"حال کے بچے..... تمہیں کاہے کا تجسس ہے؟ مجھ سے ڈائریکٹ پوچھ لو۔"
"ارے آپ آدھے پونے انچ کی ڈنڈی ضرور ماریں گی۔"
"رائٹ..... رائٹ....." عاشر بھی ہنسنے لگا تھا۔ "ویسے ایقان کا ارادہ ہے کہ تمہاری برأت میں یہ اپنا ویڈنگ ڈریس پہنے گی۔ کیوں ایقان؟"
"آپ کم ہیں ان مسخروں سے۔" وہ جل کر وہاں سے اٹھ ہی گئی۔
"میں ذرا بابا جی سے مل کر آتی ہوں۔" وہ عاشر کو بتا کر جانے لگی۔
اس وقت وہ لوگ سلجوق حسن اور عذرا بیگم کے پورشن میں تھے۔ شفیقہ حیات اپنے چھوٹے بیٹے سلجوق حسن کے ہمراہ رہتی تھیں۔ بڑی بہو سے ان کی کچھ خاص نہ بنتی تھی۔
وہ اپنے دھیان میں درمیانی لان عبور کر رہی تھی۔ سامنے سے آتے اختر میاں کو دیکھ کر وہ ٹھٹک کر رکی۔ اگرچہ اب وہ ایک خود اعتماد عورت تھی پھر بھی برسوں پرانا ایک واقعہ اس کے "اندر" کو چھیڑ گیا۔ وہ نگاہیں چرا کر گزرنے لگی۔
"سلام عرض کرتے ہیں، آپ کی خدمت میں۔"
"جیتے رہیے۔" وہ طنزاً بولی۔
"ایسی بددعا تو نہ دیں ایقان بیگم!"
وہ ذرا کی ذرا رک کر آگے بڑھنے کو تھی کہ یکدم پلٹ کر انہیں دیکھنے لگی۔
"اپنی ہڈ حرامی کا کریڈٹ کیوں خوامخواہ کسی بے قصور کے سر ڈالتے ہیں اختر میاں! کسی دھندے سے لگیے۔ جب تک جی ہی رہے ہیں، تب تک تو جینے کا عملی ثبوت پیش کیجئے۔ وہ کیا کہا ہے شاعر نے۔

خود نمائی تو نہیں شیوۂ ارباب وفا
جن کو جلنا ہو، وہ آرام سے جل جاتے ہیں

کھٹ کھٹ کرتی ہوئی وہ آگے بڑھ گئی تھی۔
"ہائے۔" اختر میاں وہیں گھاس پر دھپ سے بیٹھ گئے۔ "تجھے کیا خبر ظالم! ہم چراغوں کی طرح شام سے جل جاتے ہیں..... ہم چراغوں کی طرح شام سے جل جاتے ہیں۔ ہم چراغوں کی طرح..... ہم چراغوں کی طرح....."
وہ دیوانوں کی مانند سر ہلاتے جا رہے تھے۔

❁ ❁ ❁

ڈبل ڈیوٹی نمٹا کر وہ بے حد تھکی ہوئی لوٹی تھی۔
گاڑی لاک کر کے وہ اندر کی جانب بڑھنے لگی، جب اس کی نگاہ لان میں بیٹھی انیقہ اور اس کی دوست پر پڑی۔ وہ اس سے سلام دعا کرنے کی غرض سے لان میں چلی آئی۔
"کیسی ہو ارم؟"
"ایک دم فرسٹ کلاس۔ آپ سنائیے، بہت تھکی ہوئی لگ رہی ہیں۔"

"فضول بات؟ کون سی بات؟ میں تو حقیقت ہی بتاؤں گا۔"
"اپنی طرف سے افسانہ گھڑ کے حقیقت بتاؤ گے؟"
"اپنی طرف سے کیوں بنانے لگا۔ یہ تو سامنے کی حقیقت ہے۔ موقع ملتے ہی تم ٹیکسی میں چلی جاتی ہو۔ کھانے بنا بنا کر بھجوائے جا رہے ہیں۔ لان میں واک کی جا رہی ہے۔ کچھ نہ کچھ تو بات ہے نا۔" وہ خوب آنکھیں مٹکا مٹکا کر بول رہا تھا۔ لیکن انیا کے منہ میں تو جیسے زبان ہی نہ رہی تھی۔ اس کا تو وہ حال تھا کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔
"اب میری ایک بات کان کھول کر سن لو مس حسن! اگر اگلی بار تم نے میرے کمرے کی تلاشی لینے کی کوشش کی یا میری جاسوسی کرتے ہوئے پائی گئیں تو یاد رکھنا میں تمہارے اور فیضان بھائی کے بارے میں ایک کی چار لگا کر ممی اور ڈیڈی کو بتانے میں ذرا بھی نہیں سوچوں گا۔" اس نے واضح الفاظ میں دھمکی دی تھی۔
"اب اپنی شکل گم کرو میں معصوف ہوں۔"
"اور ہاں۔" انیا جس وقت کمرے سے باہر نکل رہی تھی اس نے ولید کو کہتے سنا۔
"میں جو کہتا ہوں اُسے بھولنا نہیں ہوں۔ یہ بات ضرور یاد رکھنا۔" انیا خاموشی سے باہر نکل گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

فیضان بیڈ پر سیدھے لیٹے ہوئے تھے۔ سر کے نیچے دونوں ہاتھوں کا تکیہ تھا اور آنکھیں چھت سے لگی ہوئی تھیں جبکہ کانوں میں انیا کی آواز گونج رہی تھی۔
"آپ کے کہنے کا جو بھی مطلب تھا۔ میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ سچ مچ میں آپ کو کبھی نہیں بھولوں گی۔ اور میں یہ بھی چاہتی ہوں کہ آپ بھی مجھے یاد رکھیں۔ کیا آپ مجھے یاد رکھیں گے؟"
"کتنی عجیب بات ہے نا۔ میں نے اپنی اور آپ کی عمروں کا حساب اس لیے رکھا کیونکہ میں آپ سے محبت کرتی ہوں لیکن جب آپ کو مجھ سے کوئی دلچسپی ہی نہیں ہے تو آپ اتنا حساب کتاب کس لیے رکھے ہوئے ہیں؟"
"کیونکہ آپ کے دل میں بھی کہیں نہ کہیں میرا خیال موجود ہے جسے آپ جھٹکتے رہتے ہیں اور خود سے بھی اعتراف کرنا نہیں چاہتے۔"
"کیا آپ زرین کو بھول چکے ہیں؟ اتنے سال گزرنے کے بعد کیا آپ انہیں یاد نہیں کرتے؟ کیا آپ کی ان سے محبت فیک کشش تھی؟"
فیضان اٹھے اور کھڑکی میں جا کر کھڑے ہو گئے۔ رات کا آسمان ستاروں سے جھلملا رہا تھا اور ہوا شائیں شائیں کر کے لان میں درختوں کو چھو رہی تھی۔
"آپ کہہ رہے ہیں میں آرام سے آپ کو بھول جاؤں گی۔ اور۔ اور۔ اور پھر ساری زندگی ایک کم عمر لڑکے کے چہرے میں آپ کا چہرہ تلاش کرتی رہوں گی ٹھیک ویسے ہی جیسے آپ میرے چہرے میں زرین کا چہرہ تلاش کرتے ہیں۔" اس نے جیسے فیضان کے سامنے آئینہ لا کر رکھ دیا تھا۔
"آپ کو کوئی حق نہیں ہے کہ میری فیلنگز کو فیک کشش قرار دیں۔ آپ کو صرف اپنے بارے میں فیصلہ کرنے کا اختیار ہے، میرے بارے میں نہیں۔ ماوی ٹھیک کہتی تھی "آپ سے محبت کرنا پتھر سے سر پھوڑنے کے برابر ہے۔"
کتنی بے چارگی تھی اس کے لہجے میں۔ فیضان کو از سر نو شرمندگی نے آن گھیرا۔ انہوں نے بیزاری سے کھڑکی بند کر دی۔ ایک جھٹکے سے ہوا کی تیز آواز کا رابطہ ٹوٹ گیا تھا۔

فیضان نے محض وقت گزاری کے لیے لیپ ٹاپ آن کر لیا۔ ان کے ان باکس میں انیا کی کچھ ای میلز پڑی تھیں۔ سادہ اور معصوم بے ضرر سی باتوں سے بھری ہوئی۔ وہ ایک ایک کر کے تمام ای میلز دیکھتے چلے گئے۔ معاً ذہن میں ایک کوندا سا لپکا تھا۔ انہوں نے فی الفور اپنی آئی ڈی کو سائن آؤٹ کر کے ثمینہ آپا کا میلنگ ایڈریس لگانا شروع کیا۔ کسی وقت میں ثمینہ آپا کا دیا ہوا پاس ورڈ کام آیا تھا اور گو کہ وہ جانتے تھے کہ وہ دست ہی غیر اخلاقی حرکت کے مرتکب ہونے جا رہے ہیں۔ لیکن یہ وہ احد راستہ تھا جس کے ذریعے ماوی کا پتا لگایا جا سکتا تھا۔
تھوڑی سی محنت کے بعد بالآخر وہ اصل پاس ورڈ لگانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ توقع کے عین مطابق ان باکس ماوی کی ای میلز سے بھرا ہوا تھا۔ وہ ایک ایک کر کے تمام میلز چیک کرنے لگے۔ پہلی چار پانچ میلز میں کوئی قابل ذکر بات نہ تھی لیکن چھٹی میل میں انہیں سراغ مل ہی گیا۔
"آپ کی ہدایت کے مطابق میں حویلی پہنچ چکی ہوں لیکن سمجھ یہ نہیں پا رہی کہ میں یہاں آئی کس لیے ہوں۔ اگر بابا جان کے قاتل کے خلاف ثبوت ہی تلاش کرنا تھا تو ہم پولیس کی مدد بھی تو لے سکتے تھے۔ اس کے لیے مجھے حویلی بھیجنے کی کیا ضرورت تھی۔"
فیضان کے دماغ پر جیسے پتھر برسنے لگے تھے۔ اگلی ای میل میں لکھا تھا۔
"بالآخر میری ملاقات جنت بیگم سے ہو ہی گئی۔ آپ نے ٹھیک کہا تھا ممی بہت خوب صورت خاتون ہیں اور اگر زرین آنٹی اپنی ماں جیسی تھیں تو فیضان بھائی نے بلاوجہ دل نہیں ہارا ہو گا۔ بلاشبہ ان میں ضرور ایسا کچھ ہو گا کہ دل ہار دیا جائے۔"
اب تو کسی شک و شبہ کی گنجائش ہی نہ تھی، ساری صورت حال سمجھ میں آتے ہی فیضان سر پکڑ کر بیٹھ گئے تھے۔
"آپ سے اور آپ کی بیٹی سے مجھے عقل مندی کی توقع تو کبھی بھی نہیں رہی۔ لیکن اس بار تو آپ دونوں نے حد ہی کر دی۔"
فیضان نے موبائل فون کان سے لگا رکھا تھا اور بے حد غصے میں تھے۔
"کیسی باتیں کر رہے ہو فیضان!" ثمینہ آپا نے قدرے تعجب سے پوچھا۔
"پہلے آپ مجھے بتائیں ماوی کہاں ہے؟" فیضان نے ان کے گرد گھیرا تنگ کرنا شروع کیا۔
"مجھے پتا ہوتا تو کیا پہلے ہی نہ بتا دیتی۔" ثمینہ عاجز آ کر بولیں۔
"تو پھر آپ کے لیے ایک خبر ہے۔ ماوی حویلی جا چکی ہے تاکہ وہاں سے رحب بھائی کے قاتل کا سراغ لا سکے۔" فیضان نے طنزیہ لہجے میں کہا۔
"کک۔ کیا کہہ رہے ہو فیضان!" ثمینہ خود پر قابو رکھنے کے باوجود ہکلا گئی تھیں۔
"وہی کہہ رہا ہوں جو آپ سن رہی ہیں۔" فیضان نے تیز لہجے میں کہا۔ "اور بہتر ہو گا کہ آپ میرے سامنے مزید انجان بننے کا ڈراما نہ کریں کیونکہ میں اچھی طرح جانتا ہوں ماوی نے آپ کے کہنے پر حویلی جانے کی حماقت کی ہے۔"
"فیضان! میں۔" ثمینہ نے کہنا چاہا لیکن فیضان کچھ بھی سننے کے موڈ میں نہیں تھے اور ثمینہ نے آج سے پہلے بھائی کو کبھی اتنے غصے میں نہیں دیکھا تھا۔ وہ اپنی کیفیت اس شخص کی سی محسوس کر رہی تھیں جس کی چوری پکڑی گئی ہو۔ ناچار انہیں اعتراف کرنا پڑا کہ ماوی ان ہی کے اصرار پر حویلی گئی ہے۔
"ثمینہ آپا! میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ آپ کی عقل مندی کا اعتراف کن الفاظ میں کروں۔" فیضان کا غصے سے برا حال تھا۔ "آپ کو ذرا سا بھی احساس ہے آپ نے کتنی بڑی حماقت کا ثبوت دیا ہے۔ ماوی کو اپنے ہاتھوں سے

مصیبت کے منہ میں دھکیل دیا۔ ایک بار بھی آپ نے سوچا' وہاں اسے کوئی نقصان پہنچا تو آپ کیا کریں گی؟"

"تم اس طرح کی باتیں مت سوچو فیضان! ماوی کو کچھ نہیں ہوگا۔" ثمینہ نے کہا۔

"آپ اپنے خیالوں میں خوش رہیں۔ مجھے ایسی کسی خوش امیدی کی آس نہ دلائیں۔" فیضان نے دوٹوک کہا

"ماوی کا ٹکٹ نمبر دیں مجھے۔ میں اسے مزید اس حویلی میں چھوڑنے کا رسک نہیں لے سکتا۔"

"میرے پاس اس کا نمبر نہیں ہے۔" ثمینہ نے کہا۔

"اب آپ پھر جھوٹ بول رہی ہیں۔" فیضان کو تاؤ آگیا۔

"فیضان!۔۔۔" ثمینہ آپا نے بیزاری سے کہا۔ "تم بتاؤ کھیل بگاڑ دو گے۔ میں نے کن دقتوں سے ماوی کو حویلی جانے پر راضی کیا ہے اپنے مقصد کے اتنا قریب پہنچ کر اگر وہ واپس آگئی تو سب کیے کرائے پر پانی پھر جائے گا۔"

"آپ کو اپنی پلاننگ خراب ہونے کا خدشہ ہے' اس بات کی کوئی فکر نہیں کہ ماوی کو وہ لوگ کوئی نقصان پہنچا سکتے ہیں۔"

"ماوی ان لوگوں کا اپنا خون ہے' وہ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔" ثمینہ نے کمزور سی آواز میں کہا۔

"جی ہاں۔۔۔ ماوی ان کا اپنا خون ہے۔ خون بھی وہ جو کب کا سفید ہو چکا۔" فیضان نے ثمینہ کا جملہ اچکتے ہوئے انہیں آڑے ہاتھوں لیا تھا۔

"ایک طرف آپ نے ماوی کو وہاں رجب بھائی کے قاتل کے خلاف ثبوت لینے بھیج دیا۔ دوسری طرف آپ کہہ رہی ہیں کہ ماوی ان کا اپنا خون ہے' اس لیے محفوظ ہے اگر وہ حویلی رجب بھائی کے لیے محفوظ نہیں تھی تو ماوی کے لیے کس طرح محفوظ ہو سکتی ہے؟ اس بات پر یقیناً" آپ نے غور کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی ہوگی۔۔۔ اب مجھے ایک بھی منٹ ضائع کیے بغیر ماوی کا نمبر دیں ورنہ فیصلے میں میں نہ جانے کیا کر بیٹھوں گا۔"

یہ دھمکی کارگر رہی۔ یوں بھی ثمینہ فیضان کے لہجے سے سمجھ گئی تھیں کہ اب کوئی بھی بہانہ بنانا فضول ہوگا۔ بیزاری کے ساتھ انہوں نے نمبر دے دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"تم معاملے کی نزاکت کو سمجھ ہی نہیں رہی ہو ماوی!" ثمینہ نے جھنجلا کر کہا تھا۔

"ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔" ماوی نے سابقہ انداز میں کہا تھا۔ وہ بڑی سی سنگھار میز کے سامنے کھڑی لپ اسٹک لگا رہی تھی۔ آج حرم کی رسم مہندی تھی۔ سب لڑکیاں بھابھیاں خوشی کے کمرے میں تیار ہونے کے لیے جمع تھیں اس نے کندھے کی مدد سے موبائل فون کان سے لگا رکھا تھا جبکہ لپ لائنر برش کی مدد سے حد نفاست سے لپ اسٹک لگا رہی تھی۔ اس نے بائل گرین کلر کے غرارے کے ساتھ لائٹ گولڈن شرٹ پہن رکھی تھی۔ بائل گرین ہی بڑا سا دوپٹہ جس کے کناروں پر سنہری کام کیا ہوا تھا۔ آگے کی طرف دونوں کندھوں پر بڑے اسٹائلش انداز میں سیٹ کر رکھا تھا۔ سیٹ کیے ہوئے بال کندھوں پر آگے آرہے تھے۔ جن سے کانوں میں ڈالے ہوئے بڑے بڑے جھمکے جھانک رہے تھے۔ اس نے میک اپ بھی بہت نفاست سے کر رکھا تھا اور بلاشبہ خوب صورت بھی بہت لگ رہی تھی۔ لپ اسٹک کو فائنل ٹچ دے کر اس نے شیشے میں خود پر تفصیلی نظر ڈالی پھر اپنی تیاری سے مطمئن ہو کر خود کو اوکے کا سگنل دیا اور پہلی بار پوری سنجیدگی سے ثمینہ کی طرف متوجہ ہوئی۔

"اب بتائیں۔ آپ مجھ سے چاہتی کیا ہیں؟"

"فیضان کی کال آئے تو تم اٹینڈ مت کرنا۔"

"اس سے کیا ہوگا؟"

"فیضان مایوس ہو کر دوبارہ رابطہ نہیں کرے گا۔"

"اور اگر وہ حویلی آگئے تو۔۔۔"

"ایسا نہیں ہوگا۔"

"فیضان ماما آج پیدا ہوئے ہیں یا آپ؟"

"ہیں۔ مطلب؟"

"مطلب یہ کہ فیضان ماما کے بارے میں آپ ایسا دعوا تب کریں جب آپ انہیں جانتی نہ ہوں۔" ماوی نے کہا۔ "آپ اچھی طرح جانتی ہیں۔ میں ان کا فون ریسیو کروں یا نہ کروں اگر انہیں میرے بارے میں علم ہو گیا ہے تو وہ مجھ تک پہنچیں گے ضرور۔"

"تو اب میں کیا کروں؟" ثمینہ نے پریشانی سے کہا۔

"میں نے پہلے بھی کہا تھا۔ آپ کو کیا کرنا ہے اور کیا نہیں۔ یہ سوچنا آپ کا کام ہے۔"

"ماوی! تمہارے پاس بلیو آئی لائنر ہے؟" اچانک پیچھے سے آکر نمل نے پوچھا تھا۔ ماوی نے ذرا سا چونکتے ہوئے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا پھر ڈریسنگ ٹیبل سے آئی لائنر اٹھا کر اس کی طرف بڑھایا اور مزید تو اذ دھیمی کر کے بولی۔

"آپ کو پہلے ہی فیضان ماما کو طریقے سے ہینڈل کرنا چاہیے تھا۔ اب جب کہ تیر کمان سے نکل چکا ہے تو میرا نہیں خیال کہ ہم فیضان ماما کو ان کے ارادے سے باز رکھنے کے لیے کچھ کر سکتے ہیں۔ وہ جو کر رہے ہیں انہیں کرنے دیں۔ ویسے بھی میرا خیال ہے۔ آج رات تک مجھے کچھ نہ کچھ معلومات مل ہی جائیں گی۔"

"واقعی؟" ثمینہ یکدم پرجوش ہو گئی تھیں۔

"جی بالکل۔۔۔ لیکن ابھی میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتی۔ لیکن جیسے ہی کچھ پتا چلا' میں آپ کو بتاؤں گی ضرور۔۔۔ آپ بس دعا کریں فیضان ماما کے مجھ تک پہنچنے سے پہلے مجھے مطلوبہ معلومات مل جائیں۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔" ثمینہ نے صدق دل سے کہا۔ پھر کچھ خیال آنے پر پوچھنے لگیں۔ "جمال کیسا ہے؟"

"ٹھیک ہے۔۔۔ معصوم آدمی۔"

"ماوی! تم فیضان کے سامنے بات سنبھال لو گی ناں؟" ثمینہ نے بڑی آس سے پوچھا تھا۔

ماوی نے بیزاری سے گہری سانس بھری۔

"آپ کی ہر پلاننگ ادھوری کیوں ہوتی ہے ممی! مجھے حویلی بھجواتے ہوئے بھی آپ کی پلاننگ تو یہی تھی۔ باقی معاملات سنبھالنے کے لیے آپ نے مجھے تنہا چھوڑ دیا اور اب فیضان ماما کے معاملے میں بھی آپ کی اسٹوری یہی رہی۔۔۔ کل کو آپ کہیں گی کوئی مشکل آجائے تو بھی اسے تنہا سنبھال لو۔"

"ماوی! تم مجھے ہمیشہ غلط سمجھتی ہو۔ جبکہ میں۔۔۔" ثمینہ نے کہنا چاہا۔

"اوہ فار گاڈ سیک۔۔۔ اب وہی پچھلا چیپٹر کھول کے مت بیٹھیں۔" ماوی نے بیزاری سے کہا۔ "اور فیضان ماما جو کرتے ہیں انہیں کرنے دیں۔ دیکھا جائے گا جو ہوگا اور میں فون بند کر رہی ہوں۔ اب مزید بات نہیں کر سکتی۔

ویسے بھی فنکشن اسٹارٹ ہونے والا ہے تحمل اور تحریمہ بھابھی کی باربار آچکی ہیں۔ ٹیک کیئر آف یور سیلف۔ اللہ حافظ۔"

تسنیم مزید کچھ بات کرنا چاہتی تھیں لیکن ہادی نے فون بند کردیا تھا۔

☆ ☆ ☆

رسم کا اہتمام حویلی کے مرکزی دالان میں کیا گیا تھا' ہادی جان بوجھ کر لڑکیوں سے ذرا پیچھے پیچھے رہی تاکہ کسی کی نظروں میں آئے بغیر تسنیم کے کمرے کے عین مطابق حویلی کے عقبی حصے میں جاسکے۔ لیکن اتنی احتیاط کے باوجود اس کی موجودگی کو بہت سے لوگوں نے نوٹ کرلیا تھا۔

گو کہ سب نے ہی اسے سراہا تھا لیکن تحوی نے بطور خاص اس کی دست تعریف کی تھی۔ اگر اسے باقی سب کی پروانہ ہوتی تو اب تک یقیناً" ہادی اور جلال کو ساتھ ساتھ کھڑا کرکے بھی دیکھ چکی ہوتی کہ ان کی جوڑی کیسی لگتی ہے۔ وہ تو معصومیت زیادہ ہونے کی وجہ سے پوچھ نہیں پارہی تھی ورنہ شوق کا تو وہ عالم تھا کہ بس حد نہیں۔ جنت بیگم نے البتہ اس پر سرسری سی خشمگیں نظریں ہی ڈالی تھیں۔

ہادی کی نظریں مستقل تسنیم کے تعاقب میں لگی ہوئی تھیں۔ تسنیم بھی آتے جاتے اس پر نظر رکھے ہوئے تھی۔ جس وقت حرم کے سسرال والے مٹھائی لے کر آئے مہمانوں کی آمد کی وجہ سے تسنیم کو وہاں سے اٹھنے کا موقع مل گیا۔ اس نے کھسکنے سے پہلے ہادی کو اشارہ کردیا تھا۔ ہادی نے کچھ دیر سب کی نظریں خود سے ہٹنے کا انتظار کیا پھر نظر بچا کر سب کے درمیان سے نکل آئی۔

حویلی کے مرکزی حصے کے برعکس عقبی حصہ تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ عجیب سی دہشت محسوس ہوتی تھی۔ ہادی اپنی آنکھوں کو اس اندھیرے سے مانوس کرنے کی کوشش کرتی اپنے غرارے کو دونوں ہاتھوں سے مگر بڑے باادب طریقے ذرا سا اوپر اٹھائے احتیاط سے آگے بڑھ رہی تھی۔ یہ لباس عالیہ نے اس کے لیے خریدا تھا اور اسے یہ روایتی سا لباس پسند بھی آیا تھا۔ ایسا لباس پہننے کا اس کا پہلا تجربہ تھا اور وہ اس تجربے سے لطف اندوز بھی ہورہی تھی لیکن ان سب باتوں کے باوجود اسے چلنے پھرنے میں بھی اچھی خاصی دقت کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔

اس سے قبل کہ وہ مایوس ہوکر واپس پلٹتی تسنیم وا۔ دروازے سے نکلتی زرد روشنی نے اسے متوجہ کرلیا۔ اندھیرے میں جگنو کے مترادف تھی یہ روشنی۔ وہ تیزی سے اس طرف بڑھی۔ دروازے پر انگلیوں کا ذرا سا دباؤ ڈالتے ہی دروازہ کھلتا چلا گیا تھا۔ ہادی نے اندر داخل ہوکر جلدی سے دروازہ بند کردیا تھا۔

"شکر ہے تسنیم آپی نے لائٹ جلادی ورنہ اتنے اندھیرے میں تو میں کسی دیوار کو ہی ٹکرمارنے لگی تھی۔"

حسب عادت تیز تیز بولتی وہ جوں ہی پلٹی۔ تسنیم کی جگہ خود سے محض چند قدم کے فاصلے پر کھڑے دھانچہ نما وجود کو دیکھ کر بری طرح ڈر گئی اور الٹے قدموں بند دروازے سے جا لگی۔ وہ جو کوئی بھی تھا بے حد ضعیف اور بدشکل تھا' اس کی بڑی بڑی آنکھیں کنوروں جلد سے باہر ابلتی ہوئی محسوس ہورہی تھیں۔ وہ ٹکٹکی باندھے ہادی کو دیکھ رہا تھا۔ اپنی تمام تر طراری کے باوجود ہادی کو اس سے بری طرح خوف محسوس ہورہا تھا۔ اس نے چاہا کہ چیخ کر تسنیم کو آواز دے لیکن قوت گویائی نے اس کا ساتھ دینا بند کردیا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)



اسنہ ریاض

سیاہ شام

دین محمد مٹی سے محبت کرنے والا جفاکش مرد ہے۔ دھرتی کو اپنے خون جگر سے سونا اگلنے کے قابل بنانا اس کا پیشہ ہے۔ اس کی پوری زندگی محنت سے عبارت ہے' جو وہ اپنے چھ مرلے زمین پر صرف کرتا ہے۔ شادی کو آٹھ سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ اپنے چھوٹے سے گھر میں وہ بیوی زہرہ اور ماں کے ساتھ رہتا ہے۔ زہرہ چھ مردہ بچوں کو جنم دے کر ایک مرتبہ پھر امید سے ہے۔ دین محمد کا رواں رواں اولاد کی خوشی خوشی پانے کے لیے مجسم دعا بن چکا ہے۔ اس کی دعائیں مستجاب ٹھہرتی ہیں اور اس کے یہاں ایک خوب صورت بچی جنم لیتی ہے۔ اسے وہ اپنی "جنت" کے نام سے مخاطب کرتا ہے۔

جلال الدین کا دن رات نوکری کی چکی میں پسے گزر رہا ہے۔ اس نوکری کے دوران اسے آرام کرنے کا موقع بھی کم ملتا ہے۔ اچھے مستقبل کا خواب اسے متحرک رکھتا ہے۔ تنہائی میں کسی کی محبت کا جگنو اس کی دنیا تابدار رکھتا۔ ہر دم "اس" کی یادیں اسے بے چین رکھتی ہیں۔ دن بھر کا تھکا ہارا وہ آرام کرنے لیٹتا ہے تو پولیس اسٹیشن سے اطلاع ملتی ہے کہ جنت لی بی ان کی حراست میں ہے' جس کا دعویٰ ہے کہ اس نے اپنے شوہر کا قتل کیا ہے۔ جلال الدین اپنے وکیل دوست مسعود کے ساتھ بھاگم بھاگ پولیس اسٹیشن پہنچتا ہے اور ثبوت دکھاتا ہے کہ جنت مینٹو فرینہ کی مریض ہے۔ جس کی شادی ابھی ہوئی تک نہیں۔ جنت کی حالت جلال الدین کو اعصابی تھکن کا شکار کرنے لگتی ہے۔ تب اس نے نوکروں کے سہارے ملیحہ کو گھر میں رکھ چھوڑا ہے۔

ثمینہ 14 سال بعد اپنی بیٹی ماہی کے ساتھ آسٹریلیا سے پاکستان آتی ہیں تو انہیں توقیر صاحب کے بتائے گئے پتے کو تلاشنے میں بہت دقت لگتا ہے۔ وہ فیض کے دوست توقیر صاحب کے توسط سے دانیال کی ایکسکی میں ٹھہرتی ہیں۔ ثروت دانیال ملنسار اور مذہبی خاتون ہیں۔ دلی' چولید اور ایلیا ان کے بچے ہیں۔ ماہی کی پہلی ملاقات میں ایلیا سے دوستی ہو جاتی ہے۔

شبیہہ العباس طبعتاً سخت گیر اور غصہ ور نوجوان ہے' جسے صنف نازک کا غیر ضروری ہنسنا بھی ناگوار گزرتا ہے۔



"بتاؤ نا۔ لا کر دو گے نا؟"
وہ ضد کر رہی تھی۔ وجدان کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔
چچی جان نے اٹھ کر نگین کو تھام لیا۔
"بس کرو نگین۔ صبر کر جاؤ میری بچی۔ اب اسے کوئی تعویذ کوئی وظیفہ واپس نہیں لا سکتا....."
ان کی آواز رندھ گئی۔
کس قدر تلخ حقیقت تھی یہ۔ کہ جس پر خود ان کا دل بھی یقین کرنے کو تیار نہ تھا۔
نگین نے متوحش نظروں سے انہیں دیکھتے ہوئے ان کا ہاتھ جھٹک دیا۔
"کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ۔ کیوں نہیں آئیں گے وہ۔ وعدہ کر کے گئے ہیں مجھ سے۔"
وہ تیز لب و لہجے میں بولی تو صبا نے آخر سطریں پڑھ کر سیارہ چوم کر بند کیا اور اٹھ کر اس کے پاس چلی

آہستہ آہستہ ان کی آنکھیں سوجوں سے بھر گئیں۔
اس کے احساسات پر جمی برف پگھلنا شروع ہو گئی تھی۔
"صبا..... کیوں کیا اس نے ایسا.....؟ وہ تو میرے بغیر ایک پل نہیں رہ سکتے تھے پھر ساری عمر کے لیے مجھے کیسے تنہا کر گئے۔ انہوں نے میرا نہیں سوچا اپنے بچے کا بھی خیال نہیں کیا۔ کیوں کیا انہوں نے ایسا

کیوں؟"
اور یہ وہ سوالات تھے جن کا جواب فقط کاتب تقدیر کے پاس تھا۔ صبا کے گلے لگ کے وہ ٹوٹ کے روئی تھی۔
مگر دل کا بوجھ تھا کہ کم ہونے کی بجائے بڑھتا ہی چلا جا رہا تھا۔

❁ ❁ ❁

"زندگی اسی کا نام ہے نوفل۔ کبھی خوشی تو کبھی غم، کبھی پانا تو کبھی کھونا۔ مگر ایک ہی پل کے حصار میں تمام عمر گزار ڈالنے کی تمنا رکھنا نری بے وقوفی ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ کسی کے چلے جانے سے زندگی ٹھہر نہیں جاتی۔ اپنی سانسیں آپ جینا پڑتی ہیں۔
ژالے اسے سمجھا رہی تھی۔

"بکواس نہ کرو۔"
نوفل بے حد ناگواری سے اسے ٹوک گیا۔
"اور بھی ہزاروں طریقے تھے اسے متاثر کرنے کے لیے۔"

مادی نے حویلی کی خاص ملازمہ تسنیم کو تیار کرلیا کہ وہ اسے حویلی کے تمام رازوں سے آگاہ کرے گی۔ حرم کی مسندی کی تقریب ہورہی تھی۔ سب لوگ اس میں مصروف تھے جب تسنیم نے مادی کو ملنے کا اشارہ کیا۔ مادی حویلی کے خفیہ حصے میں گئی تو وہاں اسے تسنیم کے بجائے ایک لاغر سا دھانچہ نما شخص کھڑا نظر آیا۔ وہ خوف زدہ ہوگئی۔

۲۵
پچیسویں قسط

وہ جو کوئی بھی تھا بے حد ضعیف اور مدقوق تھا۔ اس کی بڑی بڑی آنکھیں کمزور جلد سے باہر ابلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ وہ ٹکٹکی باندھے مادی کو دیکھ رہا تھا۔ اپنی تمام تر طراری کے باوجود مادی کو اس سے بری طرح خوف محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے چاہا کہ چیخ کر تسنیم کو آواز دے لیکن قوت گویائی نے اس کا ساتھ دینا بند کردیا تھا۔ اس کے حلق سے کچھ عجیب عجیب آوازیں بھی آرہی تھیں جن کا مفہوم سمجھنا مشکل تھا لیکن اس کے دیکھنے کا انداز کہتا تھا کہ وہ عنقریب حملہ کرنے والا ہے۔

تب ہی وہ رینگتا ہوا اس کی طرف بڑھنے لگا۔ مادی کا رہا سہا حوصلہ بھی جواب دے گیا۔ اس نے بند دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے بمشکل تھوک نگلا اور اتنی ہمت جمع کی کہ کسی کو مدد کے لیے پکار سکے لیکن اس سے پہلے کہ وہ حلق کا پورا زور لگا کر چیختی' دروازہ زوردار آواز کے ساتھ کھلا اور تسنیم تیر کی تیزی سے اندر داخل ہو کر اس بڑھاپے کی طرف بڑھی۔

"ادھر آؤ ابا! ان کو کچھ نہیں کہنا۔ یہ رجب چاچا کی بیٹی ہیں۔ تم سے ملنے آئی ہیں۔"

تسنیم پکار پکار کر اسے کونے میں پڑی چارپائی کی طرف لے جارہی تھی اور وہ تھا کہ مادی کی طرف جانے کو بے چین تھا۔ اس عمل کے دوران اس کے حلق سے کچھ عجیب ناقابل فہم آوازیں بھی نکل رہی تھیں' جو کم سے کم مادی کے لیے تو سمجھنا ناممکن تھا لیکن تسنیم نہ صرف ان آوازوں کے مفہوم کو سمجھ رہی تھی بلکہ ان پہ ردعمل بھی ظاہر کررہی تھی۔

بالآخر تھک ہار کے اس نے مادی کی طرف مدد طلب نظروں سے دیکھا۔

"بی بی! آپ ڈریں نہیں۔ ابا آپ کو کچھ نہیں کہے گا۔"

"تمہیں یقین ہے نا تسنیم!" مادی نے سابقہ سہمے ہوئے انداز میں پوچھا تھا۔ "ان کے انداز سے تو ایسا نہیں لگتا کہ یہ کچھ نہیں کہیں گے۔"

"نہیں بی بی! آپ بے فکر رہیں' میرے ابا کتنے بھی بیمار سہی لیکن نقصان کسی کو نہیں پہنچاتے۔" تسنیم نے جیسے اس کی بات کا برا مانتے ہوئے کہا تھا' پھر اس نے اپنے ابا کو مخاطب کرکے پنجابی میں کچھ کہا۔ مادی نہ صرف اس زبان سے نابلد تھی بلکہ خوف کے زیر اثر بھی اس کے پلے خاک بھی اس کے نہ پڑی۔

"بی بی! ابا آپ کے سر پہ پیار دینا چاہتے ہیں۔ ان کی بات مان لیں ورنہ یہ اسی طرح اپنی ضد پہ اڑے رہیں گے اور اپنی جگہ سے ایک انچ نہیں ہلیں گے۔" تسنیم نے اس سے منت بھرے انداز میں کہا۔

"ہیں۔۔۔ میں سر پہ پیار لے کر کیا کروں گی؟" اس نے ہونق پن سے پوچھا۔

"بوں کا پیار تو بڑا نیک شگون ہوتا ہے بی بی۔۔۔ ان کی دعاؤں سے تو بگڑے کام بھی بن جاتے ہیں۔" تسنیم نے جیسے اسے لالچ دیا۔

"اچھا۔۔۔ چلو۔" مادی ابھی بھی تذبذب کا شکار تھی اور الجھن بھری نظروں سے اس بوڑھے اور حواس باختہ

شخص کو دیکھ رہی تھی۔

"جلدی فیصلہ کریں بی بی! ایسا نہ ہو اپنی مرضی پوری کیے بغیر ابا نے یہاں سے ٹلنا نہیں ہے اور اتنی دیر میں آپ کو کوئی ڈھونڈتا ہوا آگیا تو سمجھیں سب کچھ آپ کے ہاتھ سے نکل جائے گا۔" تسنیم نے جلدی جلدی اسے تصویر کا دوسرا رخ بھی دکھایا تھا۔ "پھر مجھے آپ کے پاس تو کیا شاید اس حویلی کے پاس بھی پھٹکنے نہ دیا جائے۔"

بات درست تھی۔ مادی کے دل کو بھی لگی تب ہی ساری ہمت مجتمع کرکے وہ انتہائی مختصر قدم آگے بڑھی۔ یہ پیش رفت اس کی آمادگی کی نشانی تھی۔

تسنیم نے جلدی سے ابا کو آگے کیا تاکہ وہ مادی کے سر پہ ہاتھ پھیر کر اپنا شوق پورا فرما سکیں لیکن اس دوران بھی اس نے ہر گوار کو کندھوں سے دبوچ رکھا تھا۔

بوڑھے آدمی نے اپنا رعشہ زدہ ہاتھ مادی کے سر پہ پھیرا اور نہ سمجھ میں آنے والی زبان میں غالباً اسے دعاؤں سے نوازتا چارپائی کی طرف پلٹ گیا۔

مادی نے جلدی سے ہاتھ پھیر کر اپنا ہیئر اسٹائل درست کیا لیکن نظریں مستقل تسنیم اور اس کے ابا کے تعاقب میں ہی تھیں۔ تسنیم ابا کو لٹا کر مادی کی طرف آئی۔

"میں نے کہا تھا نا! ابا آپ کو کچھ بھی نہیں کہیں گے۔" اس کا انداز جتاتا ہوا تھا۔ مادی اتنی دیر میں پرسکون ہو چکی تھی لیکن اس کی نظریں ابھی تک اس بوڑھے آدمی کی طرف ہی تھیں' جو لیٹنے اور آنکھیں بند ہونے کے باوجود بڑبڑا رہا تھا۔

"ویسے تمہارے ابا نے میری جان نکالنے میں کوئی کثر نہیں چھوڑی تھی۔" مادی نے پرسکون لہجے میں کہا تھا۔

"آپ یہاں آکر بیٹھ جائیں بی بی!" تسنیم نے اس کی بات پر کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا اور کمرے میں موجود واحد کرسی پہ موڑھا بھاڑ پونچھ کر اسے پیش کیا۔

"تمہارے ابا کو کیا بیماری ہے' تسنیم! اور یہ اس ویران جگہ پہ قیدیوں کی طرح کیوں رہ رہے ہیں؟" مادی نے ایک سانس میں دو سوال نمٹا لیے تھے۔

"بڑھاپا تو خود سب سے بڑی بیماری ہے بی بی!" تسنیم نے اس کے بالکل سامنے زمین پہ نشست سنبھالتے ہوئے کہا تھا۔

"ہاں لیکن ایسی بیماری تو نہیں ہے کہ سب سے کاٹ کر انسان کو الگ تھلگ کردیا جائے۔" مادی نے جرح شروع کی۔ تسنیم کے چہرے پر واضح طور پر سایہ لہرایا تھا۔

"آپ مجھ سے اپنے ابا کے متعلق کیا جاننا چاہتی ہیں؟" اس نے موضوع بدلتے ہوئے پوچھا۔

"فی الحال تو میں تم سے تمہارے ابا کے بارے میں پوچھ رہی ہوں۔" مادی نے سنجیدگی سے کہا۔ "اور بہتر ہوگا کہ تم مجھے ٹالنے کے بجائے ساری حقیقت بتادو۔ اپنے ابا کے بارے میں بھی اور میرے ابا کے بارے میں بھی۔" اس کا انداز بے لچک اور دوٹوک تھا۔

"بی بی! میں پہلے بھی آپ کو بتا چکی ہوں کہ میں بہت کچھ نہیں جانتی لیکن جو مجھے پتا ہے' وہ آپ کو ضرور بتادوں گی۔" تسنیم نے کہا۔ "جہاں تک سوال میرے ابا کا ہے تو یہ غلط نہیں ہے کہ بڑھاپا خود سب سے بڑی بیماری ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ حویلیوں کے اپنے اصول ہوتے ہیں۔ کئی دفعہ ایسی غلطیوں کی سزائیں بھی بھگتنا پڑ جاتی ہیں' جو ہم جیسے پیدائشی کیوں نے کی ہی نہیں ہوتیں۔" تسنیم کا سر جھکا ہوا تھا اور زبان ٹھہر ٹھہر کے چلتی تھی۔

"لنچ تک تو فارغ ہو سکتی ہو نا؟"

"بہت مشکل ہے۔" وہ بولی' پھر اضافہ کیا۔ "لیکن اگر تم جیسا بندہ لنچ کی آفر کرے تو ہو سکتا ہے کہ میں اپنی مصروفیات ترک کر دوں۔" اس کی شرارت سمجھتے ہوئے نوفل نے فوراً کہا۔

"او کے..... تو پھر میکڈونلڈز....."

"نو۔ [illegible] تم مہ [illegible] اطر ف آ جاؤ نا' میں اوز مٹنگ کارڈ تو ہے نا تمہارے پاس۔"

☆ ☆ ☆

"مل گئی فرصت؟" جنت بیگم نے رجب کو دیکھتے ہی حسب عادت ناک چڑھا کر کہا تھا۔

"مجھے ابھی رب نواز نے آپ کا پیغام دیا۔" رجب علی نے اپنی ناگواری کو چھپا کر تحمل سے کہا۔ یوں بھی رجب سے وہ بیزار ہوا تھا۔ کسی بھی بات پر معترض ہونا اس نے چھوڑ دیا تھا۔ اسے خود سے زیادہ ثمینہ کی خوشی اور عزت پیاری تھی اور جنت بیگم کی کسی بھی بات پر اعتراض کرنا ہر دل کی بے عزتی کو گلے لگانے کے مترادف تھا۔ اس لیے رجب کو یہی مناسب لگا کہ چپ چاپ اپنی سوتیلی ماں کے سامنے سر جھکائے کھڑا رہے۔

"خیر اب اپنی بڈھ حرامی کو رب نواز کے کھاتے میں تو نہ ڈالو۔ وہ تم سے کہیں زیادہ قابل اور احسان شناس ہے۔" جنت بیگم نے سابقہ انداز میں کہا تھا۔ رجب خاموش رہا۔

"اب میری بات دھیان سے سنو! رب نواز کچھ ملازمین کے ساتھ چوہدری فیاض کے فشی سے ملاقات کے لیے جا رہا ہے۔ وہ لوگ بار بار ہماری زمینوں کا پانی روک دیتے ہیں۔ میں چاہتی ہوں تم وہاں جاؤ اور ذرا طریقے سے بات کرو۔ وہ جاہل لوگ ہیں میں ان کے منہ نہیں لگنا چاہتی۔ معاملات سنبھالنا تمہاری ذمہ داری ہوگی۔"

"جی بہتر۔"

"اور سنو۔ میری بات یاد رکھنا۔ میں تمہیں وہاں معاملات سنبھالنے کے لیے بھیج رہی ہوں۔ ایسا نہ ہو سب بگاڑ کر آجاؤ۔" انداز اب بھی ویسا ہی تھا۔ اس بار رجب کو بری طرح تاؤ آگیا تھا۔

"آپ کو لگتا ہے میں معاملات نہیں سنبھال سکوں گا تو مستقیم یا منصور میں سے کسی کو بھجوا دیں۔ وہ یقیناً بہتر طریقے سے اس سارے معاملے کو سنبھال لیں گے۔" یہ کھلا طنز تھا۔ وہ دونوں ہی بخوبی جانتے تھے کہ منصور میں تو پریشان کن حالات کا سامنا کرنے کی صلاحیت سرے سے ہے ہی نہیں جبکہ مستقیم کو جنت بیگم نے خود زمین جائیداد کے معاملات سے کسی مصلحت کے تحت الگ رکھا ہوا تھا۔

جنت بیگم کا سلگ جانا کچھ ایسا بے جا بھی نہ تھا۔

"اپنی اوقات میں رہو رجب! اور جو کہا جا رہا ہے' صرف وہی کرو۔ مشورے دینے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"میں اپنی اوقات پہچانتا ہوں۔ اچھا ہوگا اگر آپ بھی پہچان لیں۔"

رجب نے اُمت کر کے کہا۔ یوں بھی وہ روز کی چخ چخ سے تنگ آچکا تھا۔ اسے اب دیکھنا تھا کہ حالات کیا رخ لیتے ہیں۔

"مجھے ابا کی جائیداد میں سے اپنا حصہ چاہیے۔ آپ جتنی جلدی ترکہ میرے حوالے کردیں اتنا ہی بہتر ہوگا۔ میں چوہدری فیاض کے آدمیوں سے مل لیتا ہوں' آپ بے فکر رہیں میں معاملات سنبھال لوں گا لیکن اس بارے میں جلد کوئی فیصلہ ہو جائے تو بہتر رہے گا۔"

رجب علی دو ٹوک انداز میں کہتا اپنی ٹانگ گھسیٹتا باہر نکل گیا تھا۔ اس نے پلٹ کر جنت بیگم کے تاثرات بھی نہیں دیکھے۔ یہ اس کی ایک اور غلطی تھی۔

☆ ☆ ☆

رجب علی' رب نواز کے ساتھ چوہدری فیاض کے آدمیوں سے ملنے آتو گیا تھا لیکن اس نے کوئی خاص لائحہ عمل تیار نہ کیا تھا۔ یہ اس کی ایک اور غلطی تھی۔

اس کا خیال تھا سیدھے سبھاؤ سے بات کی جائے گی اور پھر واپسی کی راہ لیں گے لیکن اس کی حیرانی کی انتہا نہ رہی' جب بات کرتے کرتے اچانک رب نواز نے اس کے گن میں ریوالور نکالنے کا خیال ظاہر کیا۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے رب نواز! جب وہ لوگ آرام سے بات کر رہے ہیں تو ہمیں یہ حماقت کرنے کی کیا ضرورت ہے۔" رجب نے درشتی سے کہا تھا۔ مبادا وہ اپنے خیال پر عمل نہ کر بیٹھے۔

"آپ کو نہیں پتا چھوٹے چوہدری جی! یہ سارے کے سارے لاتوں کے بھوت ہیں۔ خالی خولی باتوں سے ان کا کچھ نہیں ہونا۔ بندوق کی شکل دیکھتے ہی سیدھے ہو جائیں گے۔" رب نواز نے اپنا تجربہ جھاڑا تھا۔

"جو بھی ہو لیکن یہ حماقت کرنے کی ہرگز ضرورت نہیں ہے۔" رجب نے ڈپٹ کر کہا تھا۔ "مت بھولو کہ ہم یہاں حالات بہتر کرنے آئے ہیں' بگاڑنے نہیں۔"

"لیکن چھوٹے چوہدری۔۔۔" رب نواز نے اٹکا کر کہا مگر ساتھ ہی رجب کی ہدایت کو نظر انداز کرتے ہوئے اس نے پھرتی سے ریوالور بھی نکال لیا۔ رجب نے جھنجلاتے ہوئے اس سے ریوالور چھیننا چاہا لیکن ان کے ہاتھ میں اسلحہ دیکھتے ہی مخالفین نے اپنے بچاؤ کے لیے ان پر لاٹھیاں برسانا شروع کر دی تھیں۔

عجیب سی صورت ہو گئی تھی۔ رجب کے لیے تو بہت ہی پریشان کن۔ کیونکہ اسے ایسے جھگڑوں کی عادت ہی نہ تھی اور وہ معاملہ اتنا بگڑنے کی توقع بھی نہیں کر رہا تھا۔ اس جھگڑے کو روکنے کا فوری طور پر اسے ایک ہی طریقہ سمجھ میں آیا اور اس نے وہی آزمانے کا سوچتے ہوئے رب نواز کے ہاتھوں سے ریوالور چھیننے کی کوششیں تیز کر دی تھیں۔ اپنی مفلوج ٹانگ کے ساتھ یہ مشقت اسے بہت بھاری پڑ رہی تھی پھر بھی وہ پوری جان سے لگا ہوا تھا۔ عین اس لمحے جب ریوالور اس کے ہاتھ میں آیا' رب نواز کی انگلی ٹریگر دبا چکی تھی اور مخالفین کے ایک آدمی کو لگ بھی چکی تھی۔

فائر کی آواز کے ساتھ چلتی ہوئی لاٹھیاں رک گئی تھیں۔ لیکن درختوں پر بیٹھے ہوئے کوؤں نے اپنی پناہ گاہیں چھوڑ دیں اور ساری کائنات جیسے ان کی کرکہ آوازوں سے بھر گئی تھی۔

چند لمحوں بعد سارے میں سناٹا پھیل گیا تھا۔ وہ سب پھٹی پھٹی نگاہوں سے پکی زمین پر پڑی لاش کو دیکھ رہے تھے۔

"یہ۔۔۔ یہ کیا کر دیا۔"

پتا نہیں کس نے کہا تھا مگر رب نواز وہ پہلا شخص تھا جس کے اعصاب نے پھرتی سے کام کرنا شروع کیا تھا۔ معاملے کی نزاکت کا احساس ہوتے ہی اس نے رجب علی کی طرف دیکھا' جو اب تک بے یقینی سے اس زخمی کو دیکھ رہا تھا۔

"یہ آپ نے کیا کر دیا چھوٹے چوہدری جی۔۔۔! چوہدری فیاض کا خاص بندہ مار دیا۔"

"مم۔۔۔ میں۔۔۔ میں نے نہیں۔۔۔ مجھے نہیں پتا' یہ کیسے چل گئی۔" رجب نے ہڑبڑا کر ریوالور یوں چھوڑ دیا' جیسے اس پر کانٹے اگ آئے ہوں۔

"کوئی چوہدری صاحب کو تو خبر کرو۔" ان میں سے ایک نے چلا کر کہا تھا۔

"نہیں' نکلے چوہدری رجب کو پکڑو۔۔۔ بھاگنے نہ پائے۔" دوسرا چیخا۔ تیسرا تیزی سے اس کی طرف لپکا لیکن اس سے قبل کہ رجب تک رسائی حاصل کرپاتا' رب نواز اس کے سامنے سیسہ پلائی دیوار بن کر تن گیا تھا۔

"کوئی چھوٹے چوہدری جی کو ہاتھ نہیں لگائے گا۔" اس کا انداز جارحانہ تھا۔

"چھوٹے چوہدری جی! آپ نکلیں یہاں سے۔۔۔ ان سب کو میں سنبھال لوں گا۔" اس نے تیز لہجے میں رجب

سے کہا تھا۔
"لیکن رب نواز۔۔۔"
"آپ بھاگ جائیں چوہدری جی! وقت کم ہے۔"
رجب نے ممنون نظروں سے اسے دیکھا اور حتی المقدور تیزی سے مخالف سمت نکل گیا اس بات سے بے خبر کہ وہ کسی جرم سے بچ کر نہیں بھاگ رہا بلکہ اس طرح منہ چھپا کر بھاگنے سے ایک نا کردہ جرم اپنے کھاتے میں لکھوا رہا ہے۔

☆ ☆ ☆

جنت بیگم ہکا بکا ان دونوں کی شکل دیکھ رہی تھی۔
"کیا کہہ رہے ہو تم۔۔۔ رجب نے چوہدری فیاض کا آدمی مار دیا؟"
"یہ۔۔۔ یہ جھوٹ ہے۔" رجب کا پریشانی سے برا حال تھا۔
"میں نہیں جانتا گولی کیسے چلی اور اس آدمی کو لگ گئی۔" وہ تقریباً رو دینے کو تھا۔
"آپ کو غلط فہمی ہے چوہدری جی! آپ کی انگلی ٹریگر پر آئی تب ہی تو گولی چلی ناں۔۔۔"
رب نواز نے زور دیتے ہوئے لیکن مؤدبانہ کہا تھا۔ اس کا سارا زور اسی بات پر تھا کہ کسی طرح بس یہ ثابت ہو جائے کہ جس وقت گولی چلی ریوالور اس کے بجائے رجب کے ہاتھ میں تھا اور اس مقصد کے لیے وہ ایڑی چوٹی کا زور بھی لگا رہا تھا۔
"کس طرح کی باتیں کر رہے ہو رب نواز!" رجب نے اپنے خوف کے زیر اثر چڑ کر کہا تھا۔ "میں تو تمہیں ریوالور نکالنے سے روک رہا تھا۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ میں خود اس پر فائر کروں؟"
"چوہدری جی۔۔۔"
"تم دونوں خاموش ہو جاؤ بلکہ یہاں سے دفع ہی ہو جاؤ۔۔۔ ایک ذرا سا کام نمٹانے بھیجا تھا میرے لیے اور مصیبت کھڑی کر دی۔" جنت بیگم نے غصے سے پیچ و تاب کھاتے ہوئے کہا تھا اور باقاعدہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی تھی۔
رب نواز نا لکن کے مزاج کو بخوبی سمجھتا تھا۔ اسی لیے خاموشی سے باہر نکل گیا۔ یوں بھی وہ ساری صورت حال کو اپنے حق میں اور رجب کے خلاف کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ جنت بیگم کی نظروں میں رجب کی جو حیثیت تھی۔ اس سے تو وہ واقف ہی تھا اس لیے پریشانی کسی قدر کم ہو گئی تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ ہوں سے ہوا تھا اتر گیا ہو۔ گو کہ رجب سے اس کی کوئی دشمنی نہ تھی بلکہ اس کی ہمدردیاں تو ہمیشہ ہی رجب کے ساتھ رہی تھیں لیکن اس وقت مسئلہ یہ تھا کہ اسے اپنا آپ بچانا تھا اور واحد مہرہ رجب ہی ہو سکتا تھا سو اس نے بڑے آرام اور خود غرضی سے اس مہرے کو چل دیا تھا۔
رب نواز کے جانے کے بعد رجب جنت بیگم کو وضاحتیں دینے لگا تھا لیکن جنت بیگم کو اس کی وضاحتوں سے کوئی غرض نہ تھی اس کے نزدیک سب سے اہم سوال یہ تھا کہ بنا کسی اور مشکل کا شکار ہوئے اس صورت حال سے کیسے نمٹا جائے یعنی سانپ بھی مار دیا جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ وہ اسی سوچ کا شکار تھی اور رجب کی آواز اس کے ارتکاز کو بار بار توڑتی تھی۔
"تم بیکار سے دفع کیوں نہیں ہو جاتے۔" اس نے چیخ کر کہا تھا۔ رجب ایک دم چپ ہو گیا۔
"مجھے سوچ لینے دو کہ اب کیا ہو سکتا ہے۔ اچھی خاصی بنی بنائی ساکھ بگڑ کر رہ جائے گی۔ وہ چوہدری فیاض سر

چڑھے گا سو الگ۔۔۔ اور یہ سب تمہاری وجہ سے ہو گا رجب! اس کے لیے معاف نہیں کروں گی میں تمہیں۔ خدا گواہ ہے جب بھی تم اس حویلی میں قدم رکھتے ہو میرے لیے مشکلات کھڑی کرتے ہو۔"
جنت بیگم کا انداز تحکمانہ تھا۔ رجب کے پاس اس کے سوا اب کوئی چارہ نہ تھا کہ چپ چاپ باہر نکل جائے۔

☆ ☆ ☆

"تم جھوٹ کیوں بول رہے ہو رب نواز! تم اچھی طرح جانتے ہو چوہدری فیاض کے آدمی پر گولی میں نے نہیں چلائی۔"
چند روز بعد تھک ہار کر رجب نے پھر رب نواز سے رابطہ کیا تھا۔ وہ اس ساری صورت حال سے بری طرح اکتا چکا تھا اور مشکل یہ تھی کہ اس سب سے بچ نکلنے کی اسے کوئی راہ بھی دکھائی نہ دیتی تھی۔ جنت بیگم ہر گزرتے دن کے ساتھ اس کو ذلیل کرنے کا کوئی نہ کوئی بہانہ ڈھونڈ لیتی تھی اب تو پھر اس کے ہاتھ ایک مستقل بہانہ آیا ہوا تھا۔
تسلی کی بات یہ تھی کہ اس بات سے حویلی میں چند ہی لوگ واقف تھے۔ رجب کے لیے سہولت ہو گئی تھی کہ وہ غیر ضروری لگے ہوئے الزام کو ثبوت سے چھپا سکے۔ لیکن جتنا وہ اس مسئلے کا حل تلاش کرنا اتنا الجھتا تھا۔
"میں آپ کا نوکر ہوں چوہدری جی!" رب نواز نے عاجزی سے کہا تھا۔ "میں غریب بھلا کیوں جھوٹ بولوں گا۔ حقیقت یہی ہے کہ بندوق آپ سے چلی اور گولی اس بندے کو لگ گئی۔"
"ریوالور بھلے ہی میرے ہاتھ میں تھا لیکن گولی کسی اور نے بھی تو چلائی ہو سکتی ہے۔" رجب کا انداز ایسا تھا جیسے اب ہمت ہار کر گرا کہ تب۔
"یہ کیسے ممکن ہے جی! جبکہ بندوق ہی وہاں صرف ایک تھی۔" رب نواز نے چوکنا ہو کر بات سنبھالی تھی۔
"آپ نہیں یا نہیں لیکن گولی آپ ہی سے چلی ہے۔۔۔"
"نہیں رب نواز! مجھے اتنی بڑی غلط فہمی نہیں ہو سکتی۔۔۔" رجب کے انداز میں بے چارگی تھی لیکن اس نے وثوق سے کہا تھا۔
اس کے اتنے اعتماد پر لمحہ بھر کے لیے رب نواز کا اعتماد ڈگمگا گیا جسے اس نے فوراً سنبھالا تھا۔
"غلط فہمی ایک آدمی کو ہو سکتی ہے' دو کو ہو سکتی ہے لیکن اتنے سب سے لوگوں کو تو غلط فہمی نہیں ہو سکتی ناں۔"
"دیکھو رب نواز!۔۔۔"
"چھوٹے چوہدری جی! ہم تو غریب لوگ ہیں۔ ہم نے کیا دیکھنا دکھانا ہے۔ اچھا ہو گا آپ یہ ساری باتیں بڑی چوہدرائن جی کو بتائیں۔" اس نے بظاہر اپنائیت سے لیکن نظریں پھیرتے ہوئے کہا تھا۔
"تمہاری بات درست ہے لیکن صرف تم ہو جو میرے حق میں گواہی دے سکتے ہو۔" رجب نے یکدم کہہ کر رب نواز کے پیروں تلے سے گویا زمین کھینچی تھی۔
"کیا مطلب چوہدری جی!"
"مطلب صاف ظاہر ہے۔" رجب نے لجاجت سے کہا تھا۔ "صرف تم ہو جو حویلی میں سے اس وقت میرے ساتھ تھے۔ صرف تم جانتے ہو کہ میں بے گناہ ہوں۔۔۔ تو میرے حق میں گواہی بھی تم ہی دے سکتے ہو ناں۔"
"بے شک میں آپ کے ساتھ تھا لیکن میں نہیں جانتا کہ آپ بے گناہ ہیں یا نہیں۔" رب نواز نے اب کی بار دو ٹوک کہا تھا۔ بے شک رجب نے اس پر بہت احسانات کیے تھے لیکن وہ یہ سمجھ گیا تھا موت کے اس کھیل میں

بلاشبہ سب سے زیادہ نقصان وہی اٹھائے گا۔ اس لیے یہی بہتر تھا کہ رجب کی ہر آس امید کو توڑ دیا جائے۔

"میں تو خود کہہ رہا ہوں کہ گولی آپ ہی سے چلی تھی ۔۔۔ ہاں یہ ضرور ہو سکتا ہے کہ آپ سے گولی مارنا نہ چاہتے ہوں لیکن وہ آدمی تو اپنی جان سے چلا گیا ناں ۔۔۔ میں اسی لیے آپ سے کہہ رہا ہوں کہ آپ بڑی چوہدرائن سے بات کریں 'صرف وہی ہیں جو آپ کو اس سارے معاملے سے بچا سکتی ہیں 'ورنہ آپ جانتے ہیں چھوٹے چوہدری جی! ہم چھوٹے لوگوں کی کیا اوقات ہے۔"

رجب کی ہر آس پر پانی پھر چکا تھا۔ اس نے اتنی مایوسی کا سامنا زندگی میں شاید اس وقت بھی نہیں کیا ہو گا جب اسے حویلی سے بے یار و مددگار نکلنا پڑا تھا۔

☼ ☼ ☼

یہ درست ہے کہ جس وقت ریوالور سے گولی نکلی اور چوہدری فیاض کے آدمی کو اس نے گھائل کیا' ریوالور رجب کے ہاتھ میں تھا لیکن ٹریگر پر دباؤ ڈالنے والی انگلی رب نواز کی تھی اور یہ بات صرف رب نواز ہی جانتا تھا۔

اس کا خیال تھا' وہ اپنا جرم رجب کے سر ڈال کر مطمئن ہو بیٹھے گا لیکن یہ محض اس کی خام خیالی تھی۔ اگر اسی طرح انسان نے مطمئن ہونا ہوتا تو ضمیر نام کی کسی چیز کا وجود اس دنیا میں نہ ہوتا یا کم سے کم اس کا ذکر نہ ہوتا۔ صرف دو ہفتوں بعد جب طے پا چکا کہ رجب کو پولیس کے یا چوہدری فیاض کے حوالے کر دیا جائے گا تو رب نواز اچھا خاصا مطمئن ہو گیا لیکن اسی رات سے اس کے ضمیر نے اسے جھنجھوڑنا شروع کر دیا تھا۔ پہلے پہل تو وہ اس منحوس ضمیر کی بے تکی آوازوں پر کان ہی نہیں دھر رہا تھا پھر اس نے اسے حتی المقدور ٹالا بھی لیکن نتیجہ وہی صفر کا صفر۔

تھک ہار کر رب نواز نے اپنا گناہ تسلیم کرنے کا سوچا تو کہ یہ فیصلہ کرنا بھی بڑی ہمت کی بات تھی۔ اس کی بیوی کا انتقال ہو چکا تھا اور ایک ہی بیٹی تسنیم تھی۔ کوئی قریبی رشتہ دار بھی نہیں تھا کہ تسنیم کو اس کے حوالے کر جاتا۔ اپنا جرم تسلیم کرنے میں اگر کوئی دقت تھی تو وہ تسنیم کا وجود تھا' جو اس کی راہ میں حائل ہوتا تھا اور حتمی فیصلہ کرنے نہ دیتا تھا۔ وہ ہر رات تہیہ کرتا کہ اگلے روز اسے جنت بیگم کو حقیقت حال سے آگاہ کرنا ہے اور اگلے دن کا سورج طلوع ہوتے ہی اس کے ارادے ڈگمگا جاتے تھے۔

لیکن پھر ایک روز اس نے اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنا ہی دیا اور جنت بیگم کے سامنے جا کر اپنا گناہ قبول کر لیا۔ اس وقت وہ باقاعدہ کانپ رہا تھا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ متوقع سزا کا خیال ہی اس کی تو ہمی جان نکال رہا تھا۔

جنت بیگم الگ ششدر۔ آخر معاملہ کیا ہے۔ کون سچا ہے کون جھوٹا۔

"مجھے معاف کر دیں چوہدرائن جی! بڑی غلطی ہو گئی مجھ سے ہو اپنا جرم چھوٹے چوہدری جی کے سر ڈالا۔" وہ روتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"میں نے پہلے بھی سوچا کہ آپ کو ساری حقیقت بتا دوں لیکن ہر بار شیطان بہکا دیتا تھا اور درست فیصلہ نہ کرنے دیتا تھا۔ مجھے معاف کر دیں جی ۔۔۔ اور مجھے سزا سے بچا لیں۔ میری چھوٹی سی بچی ہے۔ میں اسے کس کے بھروسے چھوڑ کر جاؤں گا چوہدرائن جی ۔۔۔ مجھے بچا لیں جی ۔۔۔!" وہ روتا جا رہا تھا اور کہتا جا رہا تھا۔

جنت بیگم نے چند منٹ سوچنے میں صرف کیے پھر گہری نظروں سے اسے دیکھ کر بولی۔

"اس بات سے کون کون واقف ہے؟"

"جی! میں سمجھا نہیں۔" سوال اس کے سر سے گزر گیا تھا۔

"اس میں نہ سمجھنے کی کیا بات ہے جاہل آدمی!" جنت بیگم حسب معمول غصے سے بولی۔

"میں پوچھ رہی ہوں 'تم نے یہ بات کہ چوہدری فیاض کے آدمی کا قتل رجب سے نہیں بلکہ تم سے ہوا ہے۔ کس کس کو بتائی ہے؟"

"کسی کو نہیں چوہدرائن جی! اتنی ہمت ہی نہیں ہو رہی تھی کہ کسی کو بتا سکتا۔" رب نواز نے لاچاری سے کہا تھا۔

"ہوں۔" جنت بیگم کا انداز اس بار بھی پر سوچ تھا۔ "اب میری بات غور سے سنو رب نواز! بھول جاؤ اس روز جو بھی ہوا تھا۔ بھول جاؤ کہ ریوالور تمہارے ہاتھ میں تھا۔"

"جی!" رب نواز حیران پریشان اس کی شکل دیکھنے لگا۔

"ہاں رب نواز! بھول جاؤ کہ تم سے کوئی قتل ہوا ہے اور اپنی زبان ہمیشہ کے لیے بند کر لو ۔۔۔ یاد رکھنا! جب تک تمہاری زبان بند رہے گی تب تک تم اور تمہاری بیٹی کی حفاظت اور کفالت کی ذمہ داری میری ہو گی لیکن اگر تمہاری زبان کسی کے سامنے بھی کھلی حتی کہ رجب کے سامنے بھی ۔۔۔ اس دن سے میری ذمہ داری ختم ہو جائے گی۔ پھر تم جانو اور تمہارا کام ۔۔۔ تمہیں حویلی میں رہائش دی جائے گی 'روٹی 'کپڑا ہر طرح کی ضروریات زندگی فراہم کی جائے گی ۔۔۔ باقی فیصلہ کرنا تمہارا کام ہے۔ اچھی طرح سوچ لو پھر مجھے بتانا ۔۔۔ یہ کوئی منگا سودا نہیں ہے فائدہ بہرحال تمہارا ہی ہو گا۔"

"لیکن ۔۔۔ چوہدرائن جی! چھوٹے چوہدری جی ۔۔۔ میرا مطلب ہے وہ تو ناحق مارے جائیں گے۔" رب نواز کے آنسو تھم چکے تھے اس سے آگے تعجب اور بے یقینی کی منزل تھی۔

"اس کا معاملہ تم مجھ پر چھوڑ دو۔ تمہارا کام اپنا جرم قبول کرنا تھا سو تم نے کر لیا۔ اب میں جانوں اور میرا کام ۔۔۔ رجب بچتا ہے یا ناحق مارا جاتا ہے 'اس سے تم کو کوئی غرض نہیں ہونا چاہیے ۔۔۔ تم صرف اتنا یاد رکھو تمہیں یہ سودا منظور ہے یا نہیں؟"

اس لمحے جنت بیگم اسے بے حد سفاک لگی تھی لیکن چونکہ سودا واقعی منگا نہیں تھا' سو اس کا سر تسلیم و رضامندی سے اثبات میں ہل گیا تھا۔ خدا جانے کون زیادہ سفاک تھا جنت بیگم یا وہ خود۔

☼ ☼ ☼

رسم مہندی تھی یار لوگوں کا میلہ سا لگ گیا تھا۔

آرائشی قمقموں سے سجی حویلی میں رنگ ہی رنگ بکھرے تھے۔ حرم زرد جوڑے میں سمٹی سمٹائی 'شرمائی گھبرائی سی اتنی پیاری لگ رہی تھی کہ بے ساختہ بلائیں لینے کو دل چاہ رہا تھا۔ باقی لڑکیاں بھی بڑے دل سے تیار ہوئی تھیں سب کی توجہ ایک دوسرے سے بڑھ کر تھی۔

خوشی سب سے منفرد لگ رہی تھی کیونکہ کبھی اس طرح سے بنی سنوری نہ تھی۔ یہ سب نے سراہا۔ جنت بیگم نے اکلوتی نواسی کے سر سے مرچیں وار کر جلانے میں بھی تاخیر نہیں کی۔ خوشی اپنی تعریفوں پر خوش تھی 'جتنی بار شبیہہ سے سامنا ہوا 'توقع کرتی رہی وہ بھی کچھ کہے گا لیکن شبیہہ وہ پتھر تھا' جس کے سینے پر پانی کے قطرے ٹپکتے رہنے کے باوجود ابھی سوراخ ہونے میں وقت لگتا تھا۔

وہ مایوس ہو کر تھک گئی تو وہ تعریفی جملوں کی آس بھی ترک کر دی۔ سوئے اتفاق اسی وقت شبیہہ کی نظر اس پر پڑ

گئی۔
تھا تو سچ مچ پتھر لیکن اس بار چونک سا گیا۔ وہ لگ ہی اتنی منفرد اور خوب صورت رہی تھی کہ لحظہ بھر کو تو یقین ہی نہ آیا کہ یہ وہی بجھی بجھی سی لڑکی ہے، جس کے معمولی معمولی باتوں پر آنسو نکل آتے ہیں۔ جسے کھانے پینے، پہننے اوڑھنے سے زیادہ رغبت صرف رونے اور منہ لٹکا کر رکھنے سے تھی۔
آج خوب چمک رہی تھی۔ شہیمہ کی نظریں اس پر سے ہٹ کر نہ دیں۔
"کیا دیکھ رہے ہو؟" جلال نے بروقت اس کی چوری پکڑی تھی۔ شہیمہ نے سٹپٹا کر نظریں پھیر لیں۔
"کچھ بھی نہیں۔" اس نے صاف مکرتے ہوئے کہا تھا۔ جلال چڑانے والے انداز میں خوب زور سے ہنس دیا۔
"یار اب ہم سے کیا پردہ داری۔"
شہیمہ نے گھور کر اسے دیکھا۔ "مطلب کیا ہے؟"
"آئے ہائے۔۔۔ جیسے تم تو جانتے ہی نہیں۔" جلال چہکا۔
شہیمہ کا موڈ حسب سابق ذرا بھی نہ بدلا۔ یوں بھی بہت سے معاملات میں وہ خود کو لاتعلق ظاہر کرنے کے لیے یوں ہی خود پر غصے کا پردہ ڈالے رکھتا تھا اور یہ عادت کوئی نئی نہ تھی کہ جلال سمجھ ہی نہ پاتا۔ وہ تو اسے بچپن سے جانتا تھا، موڈ ذرا بھی پروا نہ کی۔
"اس میں غصہ کرنے کی تو کوئی بات ہی نہیں ہے۔ اچھی لگ رہی ہے تو بتا دو اسے۔ وہ بے چاری بھی خوش ہو جائے گی۔"
"تم اپنے مشورے اپنے پاس رکھو۔ تمہارے مشوروں پر عمل کرنے لگا تو بس کر چکا عقل مندی کے کام۔"
"ٹھیک ویسے ہی جیسے تم کر چکے ہو۔" اس کا انداز کاٹ دار تھا۔
"محبت میں عقل کا کیا کام میرے بھائی!" جلال آج کچھ زیادہ ہی چہک رہا تھا۔ "ویسے اگر تم کہو تو میں ابی جان سے بات کروں۔ گھر کا لڑکا گھر کی لڑکی۔۔۔ نہ کوئی جھنجھٹ نہ پریشانی۔۔۔ حرم کی رحمتی کے بعد تم لوگوں کی نیا بھی پار لگ جائے گی۔"
وہ اپنی طرف سے بڑا مخلص بنا مشورے دے رہا تھا مگر شہیمہ نے غضب ناک ہو کر گھورا۔
"مجھے ضرورت ہوگی تو اپنی جان سے خود بات کر لوں گا۔ تمہاری طرح کوئی اوٹ پٹانگ کام نہیں کروں گا۔"
"اوٹ پٹانگ کام؟۔۔۔ اچھا۔۔۔ چھا۔۔۔ مثلاً" کون سا اوٹ پٹانگ کام؟" وہ جانتے بوجھتے انجان بنا۔
"آئے ہائے۔۔۔ جیسے تم تو جانتے ہی نہیں۔" شہیمہ نے اسی کا جملہ لوٹا دیا۔ جلال ایک بار پھر زور سے ہنس دیا۔
"تم نے کبھی محبت نہیں کی نا۔ جس روز کرو گے سب سمجھ میں آجائے گا کہ محبت میں کچھ بھی اوٹ پٹانگ نہیں ہوتا۔ صرف عمل ہوتا ہے جو محبوب کو مشکل میں دیکھ کر خود بخود سرزد ہو جاتا ہے۔ دل چاہتا ہے اس کی پریشانیاں سمیٹ لی جائیں۔ اس کی آنکھوں میں آنسو نہ آنے دیے جائیں اور۔۔۔"
جلال نے ایک جذب کے عالم میں بولتے ہوئے شہیمہ کی طرف دیکھا۔ وہ غضب ناک نظروں سے اسے گھور رہا تھا جیسے اس کی کم عقلی پر بھڑک اٹھا ہو۔ جلال ذرا سا تھا جھینپا، پھر ہولے سے ہنسا اور یکایک اس کی ہنسی خوش دلی قہقہے میں بدل گئی تھی۔
شہیمہ کے غصے میں اضافہ ہوا تھا لیکن صاف محسوس ہوتا تھا کہ محبت نے جلال کو بدل کے رکھ دیا ہے۔ وہ سر جھٹکتا دوسری طرف چلا گیا تھا یوں جیسے اب جلال سے کسی عقل مندی کی امید عبث ہو۔
جلال کی تبسم نگاہیں ہادی کو تلاش کرنے لگی تھیں۔ یکایک اسے احساس ہوا کہ وہ بہت دیر سے دکھائی نہیں

دے رہی۔ آخر وہ کہاں غائب ہو گئی تھی۔ جلال کو تشویش نے گھیر لیا۔ اس کی نظریں مزید شدومد سے ہادی کو تلاش کرنے لگی تھیں۔

☆ ☆ ☆

"ڈیڈی! کیا یہ ممکن ہے کہ آپ ممی کو واپس لے آئیں؟"
ڈائننگ ٹیبل پر انیہا نے ولی کے اٹھ جانے کے بعد دانیال حسن سے اچانک پوچھا تھا۔ وہ بڑی دیر سے تذبذب کا شکار تھی آیا کہ اسے ڈیڈی سے بات کرنا بھی چاہیے یا نہیں۔ پھر ولی کی موجودگی بھی معنی رکھتی تھی۔ ولید نے تو خیر ڈائننگ ٹیبل پر آنا ہی چھوڑ رکھا تھا جبکہ ولی بے چارہ دن بہ دن خاموش سے خاموش تر ہوتا جا رہا تھا۔ انیہا کو ڈر تھا کہیں وہ بھی ولید کی طرح کسی غلط سرگرمی میں نہ پڑ جائے۔ لیکن وہ کر بھی کیا سکتی تھی اس کے ہاتھ میں تو کچھ بھی نہیں تھا جن کے ہاتھ میں سب کچھ تھا وہ چپ سادھے بیٹھے تھے۔
ناچار انیہا نے ایک آخری کوشش کرنے کی ٹھانی کو کہ پہلے بھی ایک ایسی ہی کوشش میں منہ کی کھا چکی تھی پھر بھی اس نے ہمت کر کے دانیال حسن سے کہہ ہی دیا۔
دانیال حسن نے صبح کے اخبار سے نظریں ہٹا کر قدرے تعجب سے اسے دیکھا تھا۔
"میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ دوبارہ اس ایشو پر کوئی بات نہیں ہوگی۔" دانیال حسن نے سنجیدہ لہجے میں اس کو یاد دلایا تھا۔
"کیوں ڈیڈی!" وہ رو نکھی ہو کر بولی۔ "اسی ایشو پر بات ہونا سب سے ضروری ہے۔ آخر آپ سمجھتے کیوں نہیں ہیں۔"
"تو پھر اپنی ماں سے کہو۔ کہا ہے تو خود واپس آئے۔ تمہیں سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے۔" دانیال حسن کا لہجہ سخت ہی تھا نہیں ناگواری لیے ہوئے بھی تھا۔ انیہا دم بخود رہ گئی۔
"آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟ ممی نے مجھ سے کچھ نہیں کہا۔"
"میں اچھی طرح جانتا ہوں کس نے کیا کہا کس نے کیا نہیں۔" دانیال حسن نے سلگ کر کہا۔
"لیکن یہ طے ہے کہ میں ثروت کو لینے نہیں جاؤں گا اسے کہا ہے تو خود آئے۔ یہاں سے جانے کا فیصلہ بھی اس کا اپنا تھا واپس آنے کا فیصلہ بھی اسے خود ہی کرنا ہوگا۔ جتا دینا اسے۔" دانیال حسن نے اخبار تہہ لگا کر میز پر پٹخا

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لئے خوبصورت ناول
☆ تتلیاں، پھول اور خوشبو — راحت جبیں — قیمت: 225 روپے
☆ بھول بھلیاں تیری گلیاں — فائزہ افتخار — قیمت: 500 روپے
☆ محبت بیاں نہیں — لبنیٰ جدون — قیمت: 250 روپے
منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37۔ اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

"تو یہ تم ہو' شیطانو!" اس نے باہر جھانک کر کہا۔
وہ تینوں نیچے گھاس پر براجمان موج اڑانے میں مصروف تھے۔
"ناعمہ سے کہیں' چائے یہیں دے دے۔" علی نے اس سے یوں کہا جیسے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو۔
وردہ تو ہنسنے لگی تھی لیکن اس کا آدھا خون جل گیا۔
"میں پوری کیتلی تمہارے سروں پر انڈیل دیتی ہوں۔" اس نے دانت پیسے۔
"تو پر ابلم۔" حمزہ منہ چلاتا ہوا بولا۔ "ہم سر اٹھا کر منہ کھول لیں گے۔"
"بالکل۔" یہ نافع تھا۔ "آپ ان کی صلاحیتوں سے واقف نہیں ہیں محترمہ!"
"ابھی تم نے میری صلاحیتیں کہاں دیکھی ہیں۔" وہ تلملائی تھی۔
"کیوں نہیں' سب کچا چٹھا کھل گیا ہے۔ یہ پکوڑے بنائے ہیں؟ نمک کم' مرچ زیادہ۔ ہرا دھنیا بہت ڈال دیا ہے۔"
"اور یہ پاپڑ؟ آدھے جلے آدھے کچے۔"
"مٹھائی اچھی ہے۔"
"ہاں' حلوائی باصلاحیت تھا۔"
"اب چائے پتا نہیں کیسی ہوگی۔"
"چلو' زہر مار کر لو' بچی کا دل رہ جائے گا۔"
"میں سچ مچ زہر ملا دوں گی۔" ناعمہ غصے سے سرخ ہو گئی۔
"یعنی دودھ ضرور' طے ہوا۔" انہیں اطمینان ہو گیا۔
پھر انہوں نے بھرپور قہقہہ لگایا تھا۔
"چلو ناعمہ!" وردہ ہنستے ہوئے بولی تھی۔ "امی رہ لے چلو چائے' بہت دیر ہو گئی ہے۔" اس کا بس نہ چلتا تھا ان کا خون پی جائے۔
دونوں چائے اور دیگر لوازمات لے کر اندر داخل ہوئیں تو رابعہ بیگم نے اسے گھورا۔
"ڈیڑھ گھنٹہ ہو گیا ہے ناعمہ! بہت نکمی لڑکی ہو۔" وہ خفا ہوئیں۔ "اماں انتظار کر کے بالآخر نماز کے لیے اٹھ گئی ہیں۔"
"امی جی..... وہ....."
"چلو اب جلدی سے سب کو چائے دو۔" انہوں نے اسے بولنے کا موقع ہی نہ دیا۔ "اور یہ کیا چیزیں بنائی ہیں۔ ادھوری سدھوری' حد کر دی تم نے نکمے پن کی۔" انہیں اس پر سخت تاؤ آ رہا تھا۔
"امی جی..... وہ....." اس کا دل پہلے ہی بھرا ہوا تھا۔ بات کرنے سے پہلے ہی وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔
"ہائیں' اب اس میں رونے بہانے کی کیا بات ہے؟"
"لیجیے۔" ایقان بولی۔ "باجی! آپ نے بلاوجہ اسے رلا دیا ہے۔ اتنا کچھ کر کے لائی ہے بے چاری۔"
"دراصل راستے میں ڈاکوؤں نے حملہ کر دیا تھا۔" وردہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "یہ قافلہ تو لٹتا پٹا آپ تک پہنچا ہے۔" اس نے ٹرے کی جانب اشارہ کیا۔
"وہ....." وہ ہنس پڑی۔ "تو کیا ہوا' وہ بھی اپنے ہی ہیں' دھما چوکڑی کہیں کے۔ کون کون تھا؟"
"علی' حمزہ اور نافع۔" ناعمہ نے ناک رگڑی۔ "دیکھ لوں گی میں بھی۔ بدلہ نہ لیا تو ناعمہ علی خان نام نہیں میرا۔"

"صرف اس لیے کہ میرے بھائیوں کو میرا اتنا بھی احساس نہیں تھا کہ وہ میرے لیے کچھ کرتے۔"
ثمینہ نے ایک پل میں ان کی اور فیاض بھائی کی ساری ریاضت خاک میں ملادی۔ فیضان نے اپنے دل میں اشتعال کو ابھرتے محسوس کیا' جسے اگلے ہی پل لیکن بڑی دقتوں سے دبالیا اور استہزا بھرے لہجے میں بولے۔
"مجھے بہت افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے آپا! کہ آپ نے اپنے ذہن میں جو دنیا تخلیق کر رکھی ہے اس میں سب ظالم ہیں سوائے آپ کے۔ عقل پر صرف آپ کی اجارہ داری ہے باقی سب عقل سے پیدل ہیں۔ کاش کہ مجھے کچھ عرصہ پہلے آپ کی ذہنی حالت کا اندازہ ہو گیا ہوتا تو میں آپ کو یوں ہر کسی و ناکسی کو خطرات کے منہ میں نہ دھکیلتے دیتا۔ اب مہربانی فرما کر مجھے فوراً سے پیشتر اس کاروست کلٹشکٹ نمبر دے دیں۔ ورنہ میں اسی وقت حویلی پہنچ جاؤں گا اور پھر جو ہو گا اس کے نتائج آپ کو خود ہی بھگتنا پڑیں گے۔"
ثمینہ کو فیضان کی ساری باتیں بری لگیں لیکن ان کے لہجے میں سنجیدگی تھی اور ثمینہ کو یہ بھی ڈر تھا کہ کہیں وہ سچ مچ حویلی نہ پہنچ جائیں سو مصلحت آمیزی کے ساتھ وضاحتی لہجے میں بولیں۔
"میں جھوٹ نہیں کہہ رہی فیضی! میں نے بالکل درست نمبر تمہیں دیا تھا۔ ممکن ہے ہادی کہیں مصروف ہو؟" انہوں نے خیال ظاہر کیا۔
"اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ نے اسے میرا فون ریسیو کرنے سے منع کر دیا ہو۔"
ثمینہ فوری طور پر کچھ بول نہ سکیں۔
"کیوں ٹھیک کہا ناں میں نے؟"
"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" ثمینہ نے تحمل سے کہا۔ "مجھے یقین ہے ہادی مصروف ہو گی کیونکہ حویلی میں کسی فنکشن کا ذکر کیا تھا اس نے۔ شاید کسی کی شادی ہے۔ تم اس کا نمبر ٹرائی کرتے رہو' وہ جب بھی فارغ ہوئی تم سے بات کر لے گی۔"
"ٹھیک ہے میں ایک بار پھر آپ کی بات کا یقین کر لیتا ہوں لیکن بہتر ہو گا کہ آپ اسے مجھ سے بات کرنے کی تاکید کر دیں۔"
فیضان نے کہہ کر رابطہ منقطع کر دیا تھا۔ ثمینہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی تھیں۔ وہ تو جس مشکل سے نکلنے کی کوشش کرتی تھیں اور زیادہ اس میں پھنستی جا رہی تھیں اور یہ بات ان کے لیے بے حد جھنجلاہٹ کا باعث بن رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

تسنیم نے آہستگی اور احتیاط سے ذرا سا دروازہ کھول کر باہر جھانکا۔ اس کی آنکھوں میں بلی کی سی چمک اور تیزی تھی تب ہی اندھیرے سے مانوس ہونے میں زیادہ وقت نہیں لگا۔ اس نے پہلے دروازے کی جھری بنا کر باہر جھانکا پھر ہادی کو وہیں رکنے کا اشارہ کرتی باہر نکلنے لگی تو ہادی نے سرعت سے اس کا ہاتھ پکڑ کر روک لیا۔
"تم کہاں جا رہی ہو؟"
"آپ یہیں رکیں بی بی! میں باہر اچھی طرح دیکھ کر آتی ہوں' کیا پتا کوئی تاک میں ہو۔" تسنیم نے توازہ کر کہا۔
"لیکن ــــ" ہادی نے خائف نظروں سے رب نواز کی طرف دیکھا جو چارپائی پر لیٹا اس وقت اپنی چندھی آنکھیں کھولے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"ڈریں نہیں بی بی! ابا جتنے بھی بیمار سہی لیکن حملہ نہیں کرتے۔"
"بے وقوف ــــ یہ بات نہیں ہے۔" ہادی بری طرح شرمندہ ہو کر بولی تھی۔
"تو پھر ــــ" تسنیم حیران بھی ہوئی اور آشنائی بھی کہ ہادی مسلسل اسے دیر کروا رہی تھی اور اس دوران اگر واقعی کوئی باہر تھا تو اندر آنے میں اسے کتنی دیر لگ سکتی تھی۔
"پھر ــــ وہ ایک چوہیلی ــــ" ہادی جانے کیوں تذبذب کا شکار تھی۔
"بی بی! مجھ پر بھروسا کریں۔ میں یوں جاؤں گی اور یوں واپس آجاؤں گی۔"
تسنیم یقیناً اس کے خدشات بھانپ گئی تھی تب ہی تسلی دینے والے انداز میں اس کا اپنے کندھے پر رکھا ہاتھ دبا کر بولی۔ ہادی نے لحظہ بھر کو سوچا اور اپنا ہاتھ اس کے بازو سے ہٹا لیا۔ تسنیم پھرتی سے باہر نکل گئی۔ دروازہ البتہ اس نے نیم وا رہنے دیا تھا' یوں کہ ہادی تو باہر جھانک سکے لیکن کسی کی اندر تک نظر نہ پڑ سکے۔
ذرا دیر بعد تسنیم واپس آگئی تھی۔ ہادی نے یہ چند منٹ بڑے صبر اور دقت سے گزارے تھے۔
"بی بی! ذات نے کجا کرا دیا تھا۔" تسنیم نے آتے ہی خوش ہو کر بتایا تھا۔ "لیکن آپ فوراً یہاں سے نکلنے کی کریں۔ ہمیں تو باتیں کرتے ہوئے وقت گزرنے کا اندازہ ہی نہیں ہو سکا اور کچھ نہیں تو کم سے کم دو تین گھنٹے گزر ہی چکے ہیں۔ مجھے یقین ہے اگلی طرف آپ کی تلاش بھی شروع ہو گئی ہو گی۔"
"تسنیم خیر ــــ اتنے لوگوں میں کسی کو میری کمی کیا محسوس ہوئی ہو گی۔" ہادی نے دقت سے کہا لیکن اس کے باوجود اپنا غرارہ اور دوپٹا آگے پیچھے سے سمیٹتے ہوئے دروازے کی طرف چل دی تھی۔
"سنو تسنیم!" دروازے کے قریب پہنچ کر رکی۔ "موقع ملتے ہی تمہیں مجھے باقی بات بتانی ہو گی ــــ"
اس نے آگے تسنیم کا جواب سننے کی بھی زحمت گوارا نہ کی تھی اور تیزی سے باہر نکل گئی تھی۔ تسنیم چند منٹ رک کر احتیاط سے تالا بند کرنے لگی۔
ہادی اونچی ایڑی کے ساتھ احتیاط لیکن پھرتی سے چلتی حویلی کے اندرونی حصے کی طرف جا رہی تھی۔ محتاط انداز میں ارد گرد نظریں ڈالتے ہوئے اس کا ذہن بھی تسنیم کی باتوں میں الجھا ہوا تھا اور اس کا رخ بھی اپنے کمرے کی جانب تھا کہ مبادا کسی کی نظر پڑ بھی جائے یا اس کی غیر موجودگی کو نوٹس کر لیا گیا ہو تو وہ طبیعت خرابی کا بہانہ کر کے کمرے میں جانے کا کہہ سکتی تھی۔
بہت احتیاط سے چلنے کے باوجود اس کی اونچی ایڑی غرارے میں اٹکنے لگی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ لڑکھڑا کر گرتی اس نے غرارے کا کنارہ ہیل سے نکالنے کے لیے سر جھکایا ہی تھا کہ اچانک کسی نے عقب سے اس کا بازو پکڑا اور ہادی کے چونکنے سے بھی پہلے تیزی سے اسے گھسیٹ کر نیم تاریک راہداری میں لے گیا۔
ہادی نے بری طرح ہڑبڑا کر دیکھا اور کچھ بول بھی نہ سکی۔ وہ جلال تھا اور اس نیم تاریک ویران راہداری میں اس کے اتنا قریب تھا کہ ہادی کو اس کی سانسوں کا لمس تک اپنے چہرے پر محسوس ہوتا تھا۔
اس کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

ہنسی آ گئی۔

"میں نے برتن لگا دیئے ہیں جی۔"

نوری نے حسب عادت دانت نکوستے ہوئے آ کر اطلاع دی تو وہ اپنی گفتگو موقوف کر کے ڈائننگ روم کی طرف بڑھ گئیں۔ چائے اور لوازمات سے بھری ٹرالی نگین دھکیل رہی تھی۔

بڑوں کی آپسی گھریلو باتوں وجدان کے چٹکلوں اور نگین سے باتوں کے دوران کئی بار وہ بے ترتیب ہوئی تھی۔

کئی بار ان سب کی طرف سے دھیان ہٹا تھا۔

کئی بار ہنستے ہوئے کانشس ہو کر وہ ہونٹ بھینچ گئی تھی۔

اور اس کی وجہ دائیں طرف قدرے کارنر میں بیٹھا نوفل احمد تھا۔

اس قدر جانچتی پرکھتی نگاہ۔

مضطربانہ انداز میں کئی بار اس نے پہلو بدلا مگر نشست ایسی جگہ پر تھی کہ بہر طور وہ نوفل احمد کی نظروں سے اوجھل نہیں ہو سکتی تھی۔

"بس اب اس سے زیادہ نہیں۔"

وہ چاہے کتنی بھی چھوٹے دل کی مالک اور شرمیلی کیوں نہیں تھی مگر یہ صورت حال تو قابل قبول نہیں تھی۔

یکبارگی اس نے نوفل احمد پر ایک لمحے کو نظر ڈال کر ہٹائی۔

اور اس نگاہ میں اس قدر خفگی اور ناپسندیدگی کا تاثر تھا کہ جل سا ہو کر نہ صرف نوفل اس پر سے نگاہ ہٹا گیا بلکہ اسی وقت اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ وہ صالحہ بیگم کو کچھ بتاتا سب سے معذرت کرتا ڈرائنگ روم سے نکل گیا تو صبا کو اطمینان ہوا۔

"اس قدر ڈیسنٹ سا بندہ پتہ نہیں کیوں؟" لحظہ بھر کو وہ الجھی تھی مگر موقع اور ماحول نے اسے اس مسئلے پر زیادہ دیر تک غور و خوض نہیں کرنے دیا تھا۔

"نگی! جاؤ صبا کو گھر وغیرہ دکھاؤ۔" صالحہ بیگم نے پیار سے کہا تو وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔ صبا نے بھی اس کی تقلید کی بلکہ اس نے ادینہ کو بھی آفر کی تھی۔

"تم دیکھو جا کر میرا تو ہزار بار کا دیکھا ہوا ہے۔"

اس کا اپنا ہی تیکھا سا انداز تھا۔ اس پر مستزاد لبوں کی دھیمی سی مسکراہٹ نہ کوئی برا ماننے اور نہ ہی جواب سن کر خوش ہونے پائے اور صبا تو یوں بھی کسی کی کھوج یا کرید میں نہیں رہتی تھی اس لیے رسمی سا مسکرا کر نگین کے ہمراہ ڈرائنگ روم سے نکل آئی۔

جدید انداز میں ڈیکوریٹ کیا گیا گھر واقعی اپنی خوبصورتی انفرادیت اور نفاست میں اپنی مثال آپ تھا۔ ہر کمرے کی کلر اسکیم فرنیچر اور پردوں کارپٹس سے لے کر ڈیکوریشن پیسز تک میں آرٹسٹک مزاجی کی جھلک موجود تھی۔

"بہت خوب اگر کبھی میں نے گھر بنایا تو اسی شخص کو ہائر کر کے سیٹنگ اور ڈیکوریشن کراؤں گی جس سے تم لوگوں نے کرائی ہے۔

صبا خود نفاست پسند اور آرٹسٹک مزاج تھی۔ سو بے اختیار پرستائش انداز میں بولی تو نگین ہنسنے لگی پھر اس کا ہاتھ تھام کر سیڑھیوں کی طرف بڑھتے ہوئے شرارت سے بولی۔

"اس بندے کو ہائر کر کے نہیں بلکہ "ہائی جیک" کر کے لے جانا پڑے گا۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ کلر اسکیم سے لے کر دیواروں پر لگی ہر پینٹنگ اور چھوٹے سے چھوٹا ڈیکوریشن پیس تک نوفل بھائی کی چوائس ہے۔"

نگین نے بڑے مزے سے بتایا تو وہ ابھی کچھ دیر پہلے کی جانے والی اپنی بات کو یاد کر کے جھینپ گئی۔

"اچھا..... لگتا تو نہیں۔" یونہی بات کا تاثر ختم کرنے کی خاطر وہ بولی تو نگین نے سیڑھیاں طے کرنے کے بعد سامنے کمرے کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔

"تم تو یہی کہو گی کیوں کہ تم انہیں جانتی نہیں ہو۔ ایک ایک چیز کو انہوں نے اتنی محبت سے خریدا ہے کہ کیا بتاؤں۔ بقول ان کے میں ایسی چیز اپنے پاس رکھ ہی نہیں سکتا جس سے مجھے محبت نہ ہو۔"

صبا نے مروت کے مارے یوں سر ہلایا جیسے بہت دلچسپی سے سن رہی ہو۔

"یہ اس گھر کا سب سے خوب صورت کمرہ ہے جسے میں "ڈریم لینڈ" کہتی ہوں۔"

دروازہ کھولتے ہوئے نگین نے بہت ڈرامائی انداز میں کہا۔ اسی وقت نیچے سے ادینہ کے پکارنے کی آواز آئی تھی۔

"یہ شاید مجھے ہی بلا رہی ہے۔" نگین نے اس کی طرف دیکھا تو صبا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"تم اندر چلو میں دو منٹ میں بات سن کر آتی ہوں۔ شاید آنٹی لوگوں نے بلایا ہو۔" وہ اسے تاکید کرتی سیڑھیاں اتر گئی۔ صبا نے بھی اس کے پیچھے اترنے کا قصد کیا مگر نگاہ کمرے کے ادھ کھلے دروازے پر پڑی تو وہ رک گئی۔

"ہوں..... ڈریم لینڈ۔" خفیف سے انداز میں بھنویں اچکاتے ہوئے اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ہم بھی تو دیکھیں خوابوں کے اس جزیرے میں کون بستا ہے۔"

وہ آہستہ سے دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہوئی تو پاؤں نرم و دبیز قالین میں دھنس سے گئے۔

یوں لگا جیسے آپ رواں پر پاؤں رکھ دیئے ہوں۔

کوریڈور سے آتی روشنی کی مدد سے سوئچ بورڈ ڈھونڈ کر اس نے بمشکل ہی سہی مگر ٹیوب لائٹ آن کر ہی لی تھی۔

اور پہلی ہی نظر میں وہ دنگ رہ گئی تھی۔

اسکائی بلیو کلر اسکیم اس قدر خوب صورت لگ سکتی ہے اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ اس نے وہیں اپنے جوتے اتار دیئے۔

"اس ڈریم لینڈ کی کسی بھی شے کو داغدار کرنا سخت بدذوقی اور ناانصافی ہوگی۔"

وال پینٹنگز اس کی خاص توجہ کا مرکز بنیں اور چند پینٹنگز تو اس نے سوچ لیا تھا کہ اگر اللہ نے پیسہ دیا تو وہ بھی اپنے بیڈروم میں ضرور لگائے گی۔ بلیک وڈ فرنیچر کسی بے تاج بادشاہ کے سے کروفر کے ساتھ کمرے کی رونق بڑھا رہا تھا۔ تبھی اس کی نظر کارنر میں رکھے ڈیکوریشن پیس پر پڑی تو خون جیسے اس کی رگوں میں پارے کی طرح دوڑ اٹھا۔

یہ ایک عورت کا پلاسٹر آف پیرس کا اڑھائی تین فٹ کا بے حد خوب صورت مجسمہ تھا مگر جس چیز نے صبا کو مسمرائز کیا تھا وہ اس عورت کے دعا کی صورت بلند ہوتے ہاتھوں میں رکھا کرسٹل کا سرخ گلاب تھا۔

وہ بے اختیار آگے بڑھی تھی۔

کیا کوئی نقل اصل کے اس قدر نزدیک ہو سکتی ہے؟

کرسٹل کے سرخ گلاب میں کوئی سقم کوئی کمی نہیں تھی۔ وہ واقعی کھلتا ہوا اصلی گلاب لگ رہا تھا۔ تبھی تو وہ بے ساختہ جھک کر اسے سونگھنے جیسی بچکانہ حرکت کر بیٹھی تھی۔

"ممی! وہ جھوٹ بول رہا ہے۔" انیبا نے روہانسی ہو کر کہا۔ "میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ مگر اس نے میری بات نہیں سنی۔ الٹا مجھے دھمکانے لگا۔"

"اوہ! پلیز بیٹا! میرے لیے پہلے ہی بہت پرابلمز ہیں۔ انہیں بڑھاؤ مت۔" ثروت نے عاجزی سے کہا۔ "اگر تمہارا ولید سے کوئی جھگڑا ہوا ہے تو اسے آپس میں سلجھاؤ۔ بات کو اتنا بڑھانے کی کیا ضرورت ہے۔"

"ممی۔۔۔!" اس نے کہنا چاہا۔

"ولید نے مجھے بتایا ہے کہ چند روز پہلے تمہارا اور اس کا کوئی جھگڑا ہوا تھا جس کا بدلہ لینے کے لیے تم اس طرح کی باتیں کر رہی ہو۔"

"اور آپ نے اس کی بات پر یقین کر لیا؟" اس نے صدمے کی کیفیت میں پوچھا۔

"یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ بھی تو نہیں ہے۔ میں تم دونوں کو بہت اچھی طرح سے جانتی ہوں۔" ثروت نے بے چارگی سے کہا اور اسے بھائیوں کے ساتھ سلوک سے رہنے کی تاکید کر کے فون بند کر دیا۔ انیبا بہت دیر تک بے جان فون کو ہاتھ میں لیے بیٹھی رہی تھی اور پھر تھک ہار کر اس نے فیصلہ کیا کہ اسے خود کو حالات کے دھارے میں بہنے کے لیے چھوڑ دینا چاہیے۔

☆ ☆ ☆

دوسری جانب معاملے کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے شبیہہ نے نوی کو پچھلی طرف جانے سے روکا تھا۔ وہ اسے جلال کا تعاقب کرتے تو دیکھ ہی چکا تھا اور اسے یقین تھا اگر نوی جلال اور ہادی کو اکٹھے دیکھ لیتی تو اس نے حویلی میں شور مچانے سے ہرگز نہ چوکنا تھا۔ عورتوں کا ہاتھ یوں بھی عقل کی طرف سے تنگ ہوتا ہے اور نوی کے پاس تو عقل نام کی کوئی چیز سرے سے تھی ہی نہیں۔

"کہاں بھاگتی پھر رہی ہو تم؟"

نوی کے تیز تیز اٹھتے بڑتے قدم شبیہہ کی آواز پر ٹھٹک کر رکے تھے۔

"وہ میں۔۔۔ میں تو۔۔۔" منصب عادت وہ گڑبڑا گئی۔

"آپ اس بات کا کیا مطلب ہے؟"

"وہ تسنیم سے کچھ کام کہا تھا' میں نے اسے پچھلی طرف جاتے دیکھا تھا۔ اسی لیے اسے ڈھونڈنے جا رہی تھی۔"

"تم میں عقل نام کی کوئی چیز ہے یا نہیں؟" شبیہہ نے حسب توقع ڈپٹ کر کہا۔

"دن کے وقت بھی بی جان تم لڑکیوں کو پچھلی طرف جانے نہیں دیتیں اور تم منہ اٹھا کر رات کو جا رہی ہو۔"

نوی کا سر جھک گیا۔ یہ طے شدہ بات تھی کہ جب بھی اس کا سامنا شبیہہ سے ہوگا۔ اسے جھاڑ ہی پڑے گی۔

"مجھے تسنیم سے کچھ کام تھا۔" وہ منمنائی۔ اب یہ تو نہیں کہہ سکتی تھی کہ جلال کے پیچھے پیچھے یہاں تک چلی آئی ہے اور بے دھیانی میں بی جان کی تاکید بھی نظر انداز کر دی ہے۔ اس صورت میں اور بھی باتیں سننا پڑتیں اور یہی وہ نہیں چاہتی تھی۔

"ایسا کیا ضروری کام تھا جو دن کی روشنی میں اس سے نہیں کہا جا سکتا۔" شبیہہ نے ڈپٹ کر پوچھا۔

"وہ تھا نا کچھ کام۔ میں آپ کو نہیں بتا سکتی۔" وہ ذرا سا چڑ گئی۔ "اچھی مصیبت ہے بھئی۔ ہر وقت کی اکھاڑی جان ہی نہیں چھوڑتی۔"

شبیہہ یک دم چپ ہو گیا۔ اسے نوی کا انداز و لہجہ کھٹکا تھا۔ غصہ تو خیر بنا وٹی ہی تھا کہ وہ خائف ہو کر وہاں سے کھسک جائے۔ اس نے غور سے اس کے تنے ہوئے خفا خفا سے چہرے کو دیکھا۔ پھر بے سبب ہنس دیا۔ نوی بیٹھ اسے چھوٹی سی بچی لگتی تھی۔ پتا نہیں بی جان نے کیا سوچ کر ان دونوں کے درمیان رشتہ جوڑ دیا تھا۔ ورنہ شبیہہ تو کبھی چاہ کر بھی اپنے اور اس کے مابین اس رشتے کی لطافت کو محسوس بھی نہیں کر سکا تھا۔

نوی نے اس کے ہنسنے پر تعجب سے اسے دیکھا۔

"اچھا اٹھو اب یہاں سے۔ اول تو مجھے یقین ہے اتنی رات گئے تسنیم نے اس طرف جانے کی حماقت نہیں کی ہوگی۔ یقین میں دیکھتا ہوں اگر وہ پچھلی طرف ہوئی تو گھسیٹ دوں گا تمہارا بہت ضروری کام سن لے۔ دوسری بات یہ کہ اگلی بار تم مجھے اس طرف نظر نہ آؤ۔"

شبیہہ نے اسے ٹالتے ہوئے کہا اور نوی جانتی تھی وہ اسے ٹال ہی رہا ہے تب ہی اس کی خفگی میں اضافہ ہوا۔

"میں نے تسنیم کو اس طرف جاتے ہوئے خود دیکھا ہے۔" اس نے زور دیتے ہوئے کہا۔

"بات سنا کرو نوی! وہ اس طرف نہیں گئی۔"

"میں نے دیکھا ہے شبیہہ بھائی! آپ مانتے کیوں نہیں ہیں میری بات۔" وہ روہانسی ہو گئی۔ "مجھے اس سے ذرا سا کام ہے' بات کر لینے دیں۔" شبیہہ ٹھٹک سا گیا۔ اس نے بے ساختہ گردن موڑ کر اس راستے کی طرف دیکھا جو مل کھاتا ہوا حویلی کے پیچھے حصے کی طرف لے جاتا تھا اور جہاں حویلی کے کئی راز دفن تھے۔

"تمہیں یقین ہے' تم نے تسنیم کو اسی طرف جاتے دیکھا ہے؟"

نوی نے زور سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"ٹھیک ہے۔ تم جاؤ میں تسنیم کو ابھی تمہارے پاس بھیج رہا ہوں۔"

"لیکن۔۔۔" نوی کی امیدوں پہ پانی پھر رہا تھا۔ اسے سخت مایوسی ہونے لگی جو اس کے چہرے سے بھی جھلکتی تھی۔

"لیکن ویکن کچھ نہیں۔ جاؤ یہاں سے۔" وہ اتنی زور سے بولا تھا کہ نوی بری طرح خائف ہو کر وہاں سے بھاگی۔

شبیہہ نے حویلی کے پچھواڑے کی طرف رخ کیا تھا۔

☆ ☆ ☆

ہادی جیسے تیسے اپنے کمرے میں پہنچا' پھر فٹافٹ دروازہ بند کیا اور دروازے سے پشت لگا کر گہرے گہرے سانس لینے لگا۔ اس کی پیشانی پر اب تک نمی چمک رہی تھی۔ یقیناً اپنی پوری زندگی میں وہ اس سے زیادہ کبھی نہیں گھبرایا ہوگا۔

وہ ڈرا کر اسے جلال کے انداز یاد آ رہے تھے اور اس کی سراسیمگی میں اضافہ کر رہے تھے۔

"یہ آپ نے مجھے کہاں پھنسا دیا ممی!" اس نے روہانسی ہو کر بلند آواز میں شکوہ کیا تھا۔

"نکاح کرواتے ہوئے کم سے کم آپ کو یہ تو سوچنا چاہیے تھا کہ جلال لاکھ بے ضرر دکھائی دیتا ہو' لیکن اس کے بھی کچھ فطری تقاضے ہوں گے جنہیں پورا کروانے کی آرزو وہ اپنی بیوی سے کرے گا۔ ممی نے نہیں سوچا تو مجھے سوچنا چاہیے تھا۔ یا اللہ! مجھے ہی خیال کیوں نہیں آیا۔"

وہ سخت پریشانی کا شکار تھی۔ یکایک اس کی پریشانی جھنجلاہٹ اور غصے میں بدلنے لگی۔ اس نے کھڑے کھڑے

اپنے بے بائی پلو سے آزاد کروائے۔ الماری سے اپنا سیل فون نکالا اور بیڈ پر جا کر بیٹھ گئی۔ اس کے سیل پر کئی مسڈ کالز اور میسجز آئے ہوئے تھے۔ جنہیں نظر انداز کرتے ہوئے اس نے ثمینہ کا نمبر ملانا شروع کیا۔ لیکن کئی بار کی کوشش کے باوجود بھی ثمینہ اس کی کال ریسیو نہیں کر رہی تھیں۔ ہادی نے چڑ کر سیل ایک طرف پھینک دیا اور سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

صورت حال تھی پریشان کن۔ کہتی تو کس سے 'مدد مانگنے جاتی تو کس کے پاس۔

اسی پل اس کا سیل فون وائبریٹ کرنے لگا۔ ہادی نے جھپٹ کر فون اٹھایا۔ یہ سوچ کر کہ ثمینہ نے ہی کال بیک کی ہوگی۔ لیکن کوئی غیر محفوظ شدہ نمبر تھا۔ پہلا دھیان فیضان کی طرف ہی گیا تھا۔ کیونکہ یہ نمبر تو صرف ثمینہ کے پاس تھا یا جلال کے پاس۔ اگر کسی تیسرے نمبر سے کال آ رہی تھی تو وہ فیضان ہی ہو سکتے تھے۔ وہ کشمکش میں پڑ گئی۔ اب کیا کیا جائے آخر؟

پھر ایک نتیجے پر پہنچی اور کال ریسیو کیے بغیر فون واپس سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔

"اس مسئلے کا صرف یہی حل ہے کہ جلد از جلد ثبوت حاصل کروں اور حویلی سے نکلنے کی کروں۔ جلال نے زیادہ بے تکلف ہونے کی کوشش کی تو میں تو اپنے دفاع میں کچھ بھی نہ کر سکوں گی۔"

انتہائی پریشان کن حالت میں اس نے اپنی کمزوری کا اعتراف کر لیا تھا جو یقیناً عام حالات میں وہ کبھی بھی نہ کرتی۔ لیکن بہرحال تھی تو یہ بھی مایوس کن بات' سو وہ اور بھی دل برداشتہ ہو کر بیڈ پر گرنے کے انداز میں لیٹ گئی اور اس مصیبت سے نکلنے کا کوئی اور حل تلاش کرنے لگی۔

☼ ☼ ☼

یہ محض اتفاق تھا کہ شبیہہ کا پہلا ٹکراؤ جلال سے ہوا تھا۔

"ہو گئی ملاقات؟ مل گیا سکون؟" اس نے حسب عادت طنز سے آغاز کیا تھا۔

"کہاں۔۔۔؟" جلال نے اس کے طنز کو نظر انداز کرتے ہوئے منہ لٹکا کر کہا۔ "ہادی تو میری شکل دیکھتے ہی بھاگ گئی۔ میں تو ڈھنگ سے اسے دیکھ بھی نہیں پایا۔"

"شرم تو نہیں آ رہی ہوگی ایسی بات کرتے؟" شبیہہ دانت پیس کر بولا۔

"اس میں شرم کی کیا بات ہے۔ اپنی منکوحہ سے ملنے گیا تھا' کسی غیر سے نہیں۔" اس نے ہاتھ لہرا کر کہا تھا۔

"منکوحہ سے کسی مہذب وقت میں اور مہذب جگہ پر بھی ملا جا سکتا تھا۔ ابھی تمہارے پیچھے پیچھے تنوی پہنچ جاتی تو ملاقاتوں کا سارا شوق پورا ہو جاتا تھا۔"

"مجھے پتا تھا' وہ اسی طرف آ رہی ہے' اس لیے میں نے ہادی کو کچھ دیر روک لیا تھا۔"

"اگر میں اسے نہ روکتا تو آپ کی تو اچھی درگت بن چکی ہوتی اب تک۔"

"یار! آنی جانے دیتے تنوی کو۔ کم سے کم وہ سب کو بتا تو دیتی۔ میں تو خود تنگ آ چکا ہوں اس بات کو چھپاتے چھپاتے۔ ایسا لگتا ہے' نکاح نہیں کوئی غلطی کر بیٹھا ہوں۔"

"اچھے بھلے بیسٹ ایبل آدمی تھے تم' اس لڑکی کی محبت نے تمہیں کیسا چغد بنا دیا ہے کہ معاملے کی نزاکت کو سمجھ ہی نہیں رہے۔"

"چلو کم سے کم تم نے یہ تو مانا کہ میں بیسٹ ایبل تھا۔ ورنہ اس سے پہلے تو تم یہ ماننے کو بھی تیار نہیں تھے۔" جلال نے پھر اس کی بات ہنسی میں اڑائی تھی۔ شبیہہ کو مزید تپنے لگ گئے۔

"تیرا کچھ نہیں ہو سکتا جلال' اس لڑکی کے ہاتھوں منہ کی کھائے گا۔ تب تجھے عقل آئے گی۔"

"اور ایسا بھی نہیں ہوگا۔ میں جانتا ہوں۔"

عین اس وقت جب شبیہہ دوسری سمت میں جا رہا تھا۔ اس نے جلال کی متبسم آواز اور پر یقین لہجہ سنا تھا۔ شبیہہ ایک گہری سانس بھر کر رہ گیا۔ ہاں لیکن اس نے دل ہی دل میں غیر ارادی طور پر جلال کی بات کے سچ ہونے کی دعا ضرور کی تھی۔ جیسا بھی تھا لیکن جلال کو وہ تنظیف میں بہرحال دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔

تسنیم اسے سامنے آ کر ٹھٹک کر رکی تھی۔ وہ اتنا اچانک سامنے آیا تھا کہ تسنیم اگلے لمحے میں جانے کے لیے متبادل راستہ بھی اختیار نہیں کر سکتی تھی۔

"تم اس وقت یہاں کیا کر رہی ہو؟" شبیہہ نے سخت لہجے میں پوچھا تھا۔

"وہ جی۔۔۔ کھانا پہنچانے آئی تھی۔" اس نے فوراً بات بنائی۔

"ہوں۔۔۔" شبیہہ نے غور سے دیکھا۔ گویا جھوٹ سچ کا اندازہ لگانا چاہ رہا ہو۔

"کھانا پہنچانے کے لیے ہادی بی بی کو ساتھ لانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"جی؟" وہ صاف گڑبڑا گئی۔ "نہیں جی۔۔۔ وہ تو۔۔۔"

"تکلفوں میں باتیں کرنے کی ضرورت نہیں ہے' مجھ سے۔" شبیہہ نے ڈپٹ کر کہا تھا۔ تب ہی ایک اور ملازمہ تسنیم کو تلاش کرتی اس طرف آ نکلی۔

"تمہیں بڑی چوہدرائن جی بلا رہی ہیں۔"

تسنیم نے دل ہی دل میں شکر ادا کرتے ہوئے اجازت طلب نظروں سے شبیہہ کو دیکھا۔ شبیہہ کو جھنجلاہٹ تو ہوئی لیکن اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا کہ انعمائری کو کسی اور وقت پر ٹال کر اسے جانے دیا جائے۔ سو اس نے یہی کیا۔

تسنیم خیر مناتی رخصت ہوئی لیکن شبیہہ کے ذہن میں سوچ کی پرچھائیاں چھوڑ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

ہادی کی پچھلی رات بہت بے چینی میں کٹی تھی' کہیں فجر کے وقت جا کر آنکھ لگی تو بڑی گہری نیند آئی۔ صبح اسے جگانے کے لیے تنوی کو آنا پڑا تھا۔

"میں نے سوچا پوچھ لوں طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔ ورنہ آپ اتنی دیر سوتی تو نہیں ہیں۔" تنوی نے جھجکتے ہوئے انداز میں کہا تھا کیونکہ ہادی کی آنکھیں ادھوری نیند کی غمازی کر رہی تھیں۔

"ہاں' طبیعت تو ٹھیک ہے۔ بس رات تھکاوٹ بہت ہو گئی تھی۔ شاید اسی لیے ٹھیک سے نیند نہیں آئی۔" آنکھیں ملتے ہوئے اس نے بات سنبھالی تھی۔

"اچھا آپ فریش ہو کر آ جائیں' ہم لوگوں نے آپ کے انتظار میں اب تک ناشتا بھی نہیں کیا۔" تنوی نے تسنیم کا پیغام اور وقت پر ٹال کر کہا۔

"ٹھیک ہے۔ تم چلو۔ میں بس دس منٹ میں آ رہی ہوں۔"

اس نے مسکرا کر کہا تو تنوی جواباً مسکراہٹ اچھال کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ ہادی کچھ دیر ایسے ہی سستی سے بیٹھی رہی۔ رات کے تمام واقعات اپنے تمام تر سیاق و سباق کے ساتھ یاد آنے لگے تھے۔ تب اٹھ بیٹھی۔ یوں ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھے رہنے یا پریشان ہونے سے تو کچھ بھی نہ ہو سکتا تھا۔ سو بہتر تھا کہ اٹھ کر ذرا حویلی والوں کی خیر خبر

HarfeDua for OneUrdu.com Scanned By HarfeDua for OneUrdu.com

نخ خ ائق سے آگاہی کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ اب وہ اسے یہ گھر بیچنے کا مشورہ دے رہی ہیں۔ خریدار ان کا بہنوئی عرفان شوکت ہے جو اس کے گھر کی نہایت کم قیمت لگاتا ہے۔ نفیسہ خالہ بھی اس کے خیر خواہوں میں سے ہیں۔

ربیعہ متواتر ایک خواب دیکھ رہی ہے کہ دادی کسی صحرا میں شدید پیاس کے عالم میں اس سے پانی مانگ رہی ہیں۔ اسے دادی کے ٹرنک میں دیگر کاغذات کے ساتھ خطوط اور تصاویر بھی ملتی ہیں۔ ایک تصویر میں اسے اپنی شباہت محسوس ہوتی ہے۔ بوسیدہ خطوط میں جتنے بھی نام اس کی نظر سے گزرتے ہیں وہ ان سے نا آشنا ہوتی ہے ان خطوط سے اسے اندازہ ہوتا ہے کہ بلقیس بانو اس کی پھوپھو ہیں اور ان کا ایڈریس پا کر وہ کسی قدر مطمئن ہو جاتی ہے مگر ان کے انتقال کی خبر والا کا خط پڑھ کر وہ بالکل ہی مایوس ہو جاتی ہے۔

ڈاکٹر شہلا اپنی ماں منیزہ بیگم کے ساتھ رہ رہی ہیں۔ ان کا بیٹا اکثر اپنے باپ کے بارے میں سوال کرتا ہے۔

۷
ساتویں قسط

وہ اس سے قدرے فاصلے پر بیٹھا اطمینان سے اپنے کھیل میں مگن تھا۔ بلاکس کے ڈھیر میں سے وہ اپنے پسندیدہ رنگوں کے بلاکس جمع کر کے کسی کھلونے کا ماڈل بنانے میں مصروف تھا۔

شہلا آرام کرسی پر بیٹھی اسے دیکھے جا رہی تھی۔ دوائیوں سے متعلق کوئی معلوماتی قسم کا میگزین اس کی گود میں ادھ کھلا پڑا ہوا تھا۔ پچھلے آدھے گھنٹے سے وہ میگزین اس کی گود میں یونہی دھرا تھا۔ وہ اس میں سے ایک لفظ بھی نہ پڑھ سکی تھی۔ اس کا ذہن پچھلی زندگی کے اوراق کھنگالنے میں مصروف تھا۔ منیزہ بیگم نے چائے کا کپ اس کے سامنے رکھی میز پر دھیرے سے رکھا تب وہ چونکی۔

"ناحق تکلیف کی امی آپ نے۔" وہ زبردستی مسکرائی "ابھی کچھ دیر پہلے ہی انیقہ نے چائے بنائی تھی۔"

"تمہیں کب اس کی بنائی ہوئی چائے پسند آتی ہے۔ میں کیا جانتی نہیں!" وہ محبت سے بولیں۔

"سارا دن کام میں لگی رہتی ہیں۔" شہلا نے ماں کے ہاتھ تھام لیے "تھکتی نہیں ہیں؟"

منیزہ بیگم مسکرانے لگیں۔

"بوڑھی جان ہو سکتا ہے کبھی تھک بھی جاتی ہو، ماں نہیں تھکتی۔" وہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولیں۔

"ایک بات پوچھوں امی آپ سے۔" شہلا ان کا چہرہ دیکھنے لگی۔

"ہاں پوچھو اجازت لینے کی ضرورت کیوں پڑ گئی۔" وہ مسکرائیں۔

شہلا چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گئی تو منیزہ بیگم اس کے چہرے پر اضطراب دیکھ کر فکر مند سی ہوئیں۔

"کیا بات ہے شہلا؟ کیا کہہ رہی تھیں تم؟"

"بچہ ماں کا ہوتا ہے یا باپ کا؟" اس نے الجھی الجھی نظریں ان کے چہرے پر ٹکا دیں۔ منیزہ بیگم کے چہرے پر سایہ سا لہرایا۔ وہ اس کی بات کا کچھ جواب نہ دے پائیں۔

"بچہ۔۔۔ باپ کا ہوتا ہے کیوں امی؟ جو ماں نو ماہ تک ہر طرح کی تکلیف اکیلی جان پر ہنستے کھیلتے سہہ جاتی ہے اس خوش کن امید پر کہ اس کی گود میں ایک پھول کھل کر اس کے وجود کو گلستان بنا دے گا۔۔۔ جو ماں زچگی کی اذیت ناک ٹیسوں کو ایک کلکاری سننے کی خواہش میں آگ کا دریا سمجھ کر پار کر لیتی ہے۔ جو اپنی راتوں کی میٹھی نیند سے بخوشی دستبردار ہو جاتی ہے محض اس خوف سے کہ ساتھ رکھا جھولا اگر رک گیا تو اس کا لخت جگر اپنی معصوم نیند سے چونک کر ڈر کر رونے لگے گا۔۔۔ وہ ماں ہار جاتی ہے امی؟ وہ ماں ہار جاتی ہے۔۔۔ اس شخص سے۔۔۔ جو محض چند لمحوں کی نشاط آفریں جادوگری سے باپ بننے کی پر غرور مسرت حاصل کر لیتا ہے۔۔۔ ماں ہار جاتی ہے۔۔۔ وہ

شخص جیت جاتا ہے۔"

منیزہ بیگم کے آنسو خاموشی سے ان کا چہرہ بھگونے لگے تھے۔ شہلا کی دکھ میں بھیگی ہوئی آواز ان کا دل چیر رہی تھی۔

"بولیں نا امی۔۔۔!" شہلا نے ان کے ہاتھوں کو جھنجھوڑا "یہ کیسے فیصلے ہیں۔ کوئی حساس، دردمند دل یہ فیصلہ کیسے کر سکتا ہے؟"

"بیٹی۔۔۔ دنیا کے سارے فیصلے بس ایک بار ہی نہیں ہو جاتے۔" منیزہ بیگم نے اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔ "یہ سب فیصلے ایک بار پھر ہوں گے۔ وہاں، جہاں کسی کے ساتھ رتی برابر ظلم نہ ہو گا۔ جہاں پر کوئی اپنی رتی برابر نیکی بھی دیکھ لے گا اور رتی برابر ظلم بھی۔۔۔"

شہلا خاموش ہو گئی۔

"میں نے ابو کا دل دکھایا تھا نا امی؟" وہ پوچھنے لگی۔

"نہیں بیٹے۔۔۔ ایسے نہیں سوچتے!" وہ محبت سے اس کا سر تھپکنے لگیں۔ "آپ کے ابو کی روح آپ کو افسردہ دیکھ کر افسردہ ہو گی۔۔۔ بس یہ سوچ کر خوش رہا کرو۔ انہیں ایصال ثواب کرتی رہا کرو۔۔۔ ویسے ایک بات پوچھوں تم سے؟"

شہلا نے اثبات میں سر ہلایا۔

"میری بیٹی کو کون سی بات پریشان کر رہی ہے؟ میں کچھ دنوں سے تمہیں پریشان دیکھ رہی ہوں لیکن پوچھا نہیں۔ کیونکہ بسا اوقات انسان محض اپنے آپ سے گفتگو کرنے کا متمنی ہوتا ہے۔ ایسے میں کسی دوسرے کی ہمدردی ناگوار گزرتی ہے۔ میں نے سوچا تھا، جب خود سے سب کچھ کہہ سن لو گی تب پوچھوں گی بلکہ تم خود ہی بتا دو گی لیکن آج تمہیں اس قدر افسردہ دیکھ کر میں خود پر قابو نہیں رکھ پا رہی ہوں۔ پھر تم نے مجھ سے جس طرح کا سوال کیا اس سے میں خوفزدہ ہو گئی ہوں۔۔۔ آخر بات کیا ہے بیٹی؟"

شہلا سر جھکا کر کسی مجرم کی طرح بیٹھ گئی۔

"کچھ دنوں سے۔۔۔ ابرار کا فون آ رہا ہے۔۔۔" وہ دھیمی آواز میں بولی۔

"یا اللہ!" منیزہ بیگم دھک سے رہ گئیں "تو وہ ابرار ہی ہے!"

شہلا نے جلدی سے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔ "آپ۔۔۔ آپ۔۔۔ جانتی ہیں؟"

"ہاں، شک سا تو اسی دن مجھے ہو گیا تھا جب عمر کو دو تین مرتبہ فون سنتے پایا۔ پوچھتی تو کہتا انکل ہیں۔ میرے فرینڈ ہیں۔۔۔ میں سوچتی رہ جاتی کہ کون سے انکل ہیں جو اسے ہر دوسرے دن فون کر لیتے ہیں۔ تم سے یوں نہ کہا کہ تم پریشان ہو گی۔۔۔ بس پھر بیل بجتی تو میں ہی فون اٹھاتی۔ دوسری جانب سے لائن ڈس کنکٹ ہو جاتی۔ مگر یہ تو کوئی دس بارہ دن پہلے کی بات ہے۔۔۔"

"اس نے ہاسپٹل فون کیا تھا اور دو ٹوک الفاظ میں کہا ہے کہ وہ عمر سے کانٹیکٹ میں رہے گا۔" شہلا نے تھکے تھکے الفاظ میں بتایا۔

"پھر۔۔۔ تم نے کیا کہا؟" وہ پریشان نظروں سے اس کا ستا ہوا چہرہ دیکھ رہی تھیں۔

"میں۔۔۔" وہ ہولے سے ہنس دی "میں کیا کہتی؟ میں تو ماں ہوں۔۔۔ وہ اس کا باپ ہے۔"

منیزہ بیگم نجانے کہاں کھو گئی تھیں۔

"آج وہ اس سے بات کرنا چاہتا ہے۔۔۔ کل کو ملنے کی خواہش کرے گا۔۔۔" شہلا ان کی کیفیات سے بے خبر بول رہی تھی "پرسوں اسے گھمانے پھرانے کی بات کرے گا۔۔۔ اور پھر۔۔۔ شاید قانونی طور پر اسے ساتھ۔۔۔"

کام کرنا چاہتی ہوں جس کے لیے یہاں آئی ہوں۔ مجھے کوشش کرلینے دیں ماما! ہو سکتا ہے میں کامیاب رہوں۔"

"محض مفروضوں کی بنیاد پر وہاں جمنے رہنا اور بھی بری حماقت ہوگی بیٹا!" فیضان نے نرمی سے سمجھانا چاہا۔

"نہیں! اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔ میرا خیال ہے مجھے کچھ ہی اور دن یہاں رکنا پڑے گا۔ جلد ہی مجھے ثبوت مل جائیں گے۔"

"میں آرہا ہوں اور تمہاری کوئی بات بھی نہیں سنوں گا۔" فیضان نے اس کی ساری باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے فیصلہ کن انداز میں کہا تھا۔

"پلیز ماما! آئی نو انڈر اسٹینڈ۔" وہ جھنجلا کر بولی۔

"زیادہ سے زیادہ بھی میں ایک یا دو دن میں حویلی میں ہوں گا۔ تم اپنا سامان پیک کر کے رکھو۔"

فیضان نے اس کی اگلی بات سنے بغیر ہی فون بند کر دیا۔ سادی نے بے زاری سے سیل فون بیڈ پر اچھال دیا۔ رات بھر میں وہ اسی نتیجہ پر پہنچی تھی کہ اسے جلد از جلد حویلی سے نکلنا چاہیے۔ فیضان سے بات کر کے اس کے ارادے میں پختگی آئی تھی کیونکہ وہ جانتی تھی فیضان نے اگر کہا ہے تو وہ پہنچ ہی جائیں گے اور اس سے پہلے کہ صورت حال بگڑتی یا معاملہ اس کے ہاتھ سے نکلتا اسے ثبوتوں تک رسائی حاصل کرنا تھی۔

☆ ☆ ☆

فیضان نے ابھی فون بند کیا ہی تھا کہ ان کے آفیشل نمبر پر کال آنے لگی۔

"السلام علیکم توقیر بھائی! بڑے دن بعد مجھے یاد کیا۔" انہوں نے حتی المقدور اپنا لہجہ فریش رکھا تھا۔

"وعلیکم السلام۔ یار! میں نے تو پھر بھی تمہیں یاد کیا، تمہیں اتنی بھی توفیق نہ ہوئی۔" انہوں نے جواباً "فوراً" جتا دیا تو فیضان قہقہہ لگا کر ہنس دیے۔

"کیا کروں توقیر بھائی! اس کاروبار نے تو سر اٹھانے کے قابل بھی نہیں چھوڑا اتنی مصروفیت ہے کہ بس۔"

"اچھا سنو۔ دانیال کے ساتھ آج کل تمہارے تعلقات کیسے چل رہے ہیں؟" اچانک توقیر صاحب نے پوچھا۔

فیضان الجھے۔ سوال کچھ عجیب سا تھا۔

"کیا مطلب توقیر بھائی! یہ کیسا سوال کیا ہے میں کچھ سمجھا نہیں۔"

"مطلب یہ کہ تمہارا کوئی جھگڑا وغیرہ تو نہیں ہوا کاروباری معاملات میں سو طرح کے اتار چڑھاؤ آجاتے ہیں، اسی حوالے سے پوچھ رہا ہوں۔"

"نہیں۔ ایسا تو کچھ بھی نہیں ہوا۔" فیضان نے سابقہ الجھن کے ساتھ جواب دیا تھا۔ "بلکہ میرا خیال ہے بطور بزنس پارٹنرز ہمارے تعلقات تو مثالی ہیں۔"

"اگر ایسی بات ہے تو دانیال پارٹنر شپ ختم کرنے کی بات کیوں کر رہا ہے؟" توقیر صاحب نے مزید الجھ کر جیسے خود کلامی کے انداز میں کہا تھا، بلکہ درحقیقت فیضان کے سر پر بم سے مارا تھا۔

"یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟"

"ہاں فیضان! میں نے اسی لیے تمہیں فون کیا ہے، ابھی تھوڑی دیر پہلے میری دانیال سے بات ہوئی ہے اور اس نے مجھ سے کہا کہ وہ تمہارے ساتھ مزید کام نہیں کرنا چاہتا اس لیے پارٹنر شپ کو ختم سمجھا جائے۔ میں تمہیں انفارم کر دوں کہ جلد از جلد اس کی انویسٹی خالی کر دو اور یہ کہ اس کا وکیل ایک دو روز میں تمہیں نوٹس بھی بھجوا دے۔

سے زیادہ بیزار ہے۔
"میں چلتی ہوں بی بی! ایسا نہ ہو کوئی مجھے آپ سے بات کرتا دیکھ لے اور کھٹک جائے۔"
ماوی نے اثبات میں سر ہلا دیا اور وہ دونوں مخالف سمت میں مڑ گئیں۔ ماوی کی ساری توجہ اپنے ہاتھ میں دبے لفافے کی طرف تھی۔ کیسا اسرار پوشیدہ تھا اس لفافے میں کہ وہ چاہ کر بھی اس کی طرف سے دھیان ہٹا نہیں پا رہی تھی۔
وہ اپنی جھونک میں تھی کہ سامنے سے آتے جلال سے ٹکراتے ٹکراتے بچی۔
مرد چاہے کتنا بھی سیدھا یا معصوم کیوں نہ ہو۔ اسے ایسے ٹکراؤ بہت پسند آتے ہیں خصوصاً جب جنس مخالف سے تھوڑی رشتہ بھی ہو تو ایسے ٹکراؤ کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔
"کہاں بھاگتی پھر رہی ہیں آپ محترمہ!" جلال نے خوشگواری سے پوچھا۔
"کہیں بھی تو نہیں۔" ماوی نے ناواقف لفافے والا ہاتھ پیچھے کر لیا تھا۔
"میں بس عمل کو ڈھونڈ رہی تھی اس نے کہا تھا وہ مجھے سب کی پرانی تصویریں دکھائے گی۔" اسے بروقت بہانہ سوجھ گیا۔
"ہوں۔" جلال نے مسکراتے ہوئے سر ہلایا۔ "عمل وغیرہ سے اچھی دوستی ہو گئی ہے تمہاری۔"
"آں ہاں۔" ماوی نے ہونقوں کی طرح مسکرا کر کہا تھا اور کہتی بھی کیا۔
جلال بے سبب ہنس دیا پھر غور اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔
"تمہیں حویلی میں کوئی پریشانی ہو تو مجھے بتانا۔"
"ہاں ضرور۔" ماوی بھی دانستہ مسکرا کر بولی تھی اور ان دونوں نے ہی بیک وقت محسوس کیا تھا کہ بظاہر ان دونوں کے درمیان کل ایک ناٹک سا لمحہ آ کر گزر گیا تھا جس کی کوئی حیثیت بھی نہ تھی لیکن اس ایک لمحے کے نقوش ان دونوں کے ذہنوں میں نہ صرف باقی تھے بلکہ وہ دونوں ہی اپنی اپنی جگہ شرمندہ بھی تھے اسی شرمندگی کے مارے بے سبب گفتگو کیے جا رہے تھے۔
"وہ عمل آ رہی ہے۔ میں چلتا ہوں۔" معاً جلال نے کہا تھا ماوی بری طرح کھٹک گئی تھی۔ اس پر جیسے کسی سوچ کا دورہ ہوا تھا۔
"کل تم نے نحوی کے ڈر سے مجھے چھپا دیا۔ آج عمل کے ڈر سے بھاگ رہے ہو اس کے باوجود کہتے ہو کہ کوئی پریشانی ہو تو تمہیں بتاؤں۔ تم تو مجھے بیچ راستے میں چھوڑنے کی صلاحیت رکھتے ہو جلال!" اس کا لہجہ اچھا خاصا طنزیہ تھا۔ جلال پر ڈھیروں پانی آ گرا ہو جیسے۔ وہ تیزی سے چلا گیا تھا۔
ماوی نے اسی طنزیہ انداز میں سر جھٹکا۔
"اور ممی اس سے امید لگائے بیٹھی ہیں کہ مجھے مسئلہ درپیش ہوا تو یہ میری مدد کرے گا۔ اونہہ۔ بزدل۔"

☆ ☆ ☆

"تمہارا ولید سے کوئی جھگڑا ہوا ہے کیا؟" واپس جاتے ہوئے توقیر صاحب نے فیضان سے پوچھا تھا۔ دانیال حسن نے ان کے سمجھانے کے باوجود فیضان سے ملنے سے انکار کر دیا تھا۔
"مجھے پتا ہے فیضان کو دیکھتے ہی میں اپنا غصہ کنٹرول نہیں کر پاؤں گا اور آفس میں میں کوئی سین کری ایٹ نہیں کرنا چاہتا اس لیے بہتر ہو گا تم فیضان سے کسی الحال یہاں سے چلا جائے۔ سے جو بھی کہنا ہے وہ میں گھر میں سن لوں

گا لیکن آفیسی اسے فارغ کر ہی ہو گی۔ اب اسے اپنے گھر میں میں ہرگز برداشت نہیں کر سکتا۔"
بات سمجھانے کے بعد دانیال حسن کے انداز میں بس اتنی سی لچک آئی تھی البتہ لہجہ ابھی بھی دوٹوک اور غیر مبہم رہا تھا۔
فیضان اس پذیرائی پر الگ غصے میں تھے لیکن چونکہ توقیر صاحب کو انہوں نے ہمیشہ بڑے بھائیوں والا درجہ دیا تھا سو ان کی بات مانتے ہوئے جب چاپ واپس آ گئے تھے۔
دونوں لفٹ سے نکل کر پارکنگ کی طرف جا رہے تھے کہ توقیر صاحب نے پوچھ لیا۔
گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے فیضان بری طرح چونکے۔
"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔ آپ سے کس نے کہا کہ میرا ولید سے جھگڑا ہوا ہے؟ بلکہ میری تو اس سے آخری ملاقات بھی بہت دن پہلے ہوئی تھی۔" فیضان سوچ سوچ کر بول رہے تھے جیسے اس کی اور اپنی آخری ملاقات یاد کرنے کی کوشش کر رہے ہوں۔
"اچھا۔" توقیر صاحب نے مختصر اتنا کہا اور خاموش ہو گئے۔ فیضان نے گاڑی اسٹارٹ کر کے پارکنگ سے نکالی پھر سیدھی سڑک پر ڈال دی۔ اس دوران وہ متفکر رہے کہ توقیر صاحب کچھ کہیں گے لیکن ان کی خاموشی کچھ زیادہ ہی طوالت پکڑ گئی تھی جیسے وہ کسی گہری سوچ میں ہوں۔
"آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا تو قیر بھائی!" فیضان نے ہی خاموشی کو توڑا تھا۔
"یار فیضان! میں سمجھ نہیں پا رہا کہ کس طرح بات کو ایکسپلین کروں۔" توقیر صاحب نے معذوری ظاہر کی فیضان اور بھی الجھ گئے۔
"آپ مجھے کانفیس کر رہے ہیں آخر ایسی کیا بات ہے؟"
"دراصل۔" توقیر صاحب نے تمہید باندھنے کے ارادے سے گہری سانس لے کر بات کا آغاز کیا تھا۔
"ولید نے دانیال سے کہا ہے کہ تم۔ اس کے سارے کاروبار پر قبضہ کرنے کے لیے۔ انیسا کو ٹریپ کر رہے ہو۔"
"کیا۔" گاڑی ایک جھٹکا کھا کر رک گئی کیونکہ فیضان کا پاؤں بے ساختہ بریک پر جا پڑا تھا ورنہ سامنے والی گاڑی سے ٹکراؤ یقینی تھا۔

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لئے خوبصورت ناول
جلد ہونے والے ہیں

☆ تتلیاں، پھول اور خوشبو — راحت جبیں — قیمت: 225 روپے
☆ بھول بھلیاں تیری گلیاں — فائزہ افتخار — قیمت: 500 روپے
☆ محبت بیاں نہیں — لبنیٰ جدون — قیمت: 250 روپے

منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37۔ اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

"سنبھل کر۔" توقیر صاحب نے تیزی سے کہا۔ حادثہ ہوتے ہوتے رہ گیا تھا دونوں کو اس ٹرانس سے نکلنے میں چند منٹ لگے اس دوران پیچھے ٹریفک کی ایک لائن لگ چکی تھی۔

"پارلر شپ ختم کرنے کے لیے اس سے زیادہ گھٹیا بہانہ نہیں بنایا جاسکتا تھا۔" گاڑی دوبارہ اسٹارٹ کرتے ہوئے فیضان نے دانت پیس کر کہا تھا۔

"تمہاری نہو مت ہو فیضان! کوکر میں جانتا ہوں یہ کہنا بھی فضول ہے بات ہی ایسی ہے کہ کسی بھی شریف انسان کی برداشت جواب دے سکتی ہے۔" توقیر صاحب نے انہیں لعنت ملامت کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا تھا۔

"میں ایسی گھٹیا بات سوچ بھی نہیں سکتا۔ آخر دانیال حسن نے ولید نے کیا سوچ کر یہ بات کہی ہے۔ ایسی کون سی کمی نظر آگئی ان لوگوں کو میرے کردار میں۔۔۔؟"

"میں تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں اسی لیے میں نے دانیال سے کہا کہ ولید کی بات سراسر جھوٹ ہے لیکن اس کے ساتھ ہی مجھے تشویش ہوئی کہ آخر ولید نے ایسی فضول بات کی کیوں ہے۔ آخر اس کے پیچھے کوئی نہ کوئی وجہ تو ہوگی۔"

"اب یہ تو وہی بتا سکتا ہے کہ اس کے دماغ میں کیا آیا۔ مجھے تو یہ سارا خاندان ہی پاگل لگتا ہے۔" فیضان نے غصے اور جھنجلاہٹ کے ساتھ کہا۔ توقیر صاحب نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اس کے غصے کو کم کرنے کی کوشش کی تھی۔

"میں نے دانیال کو بھی سمجھایا ہے۔ وہ رات میں تم سے بات کرنے پر تیار ہوا ہے۔"

"مہربانی ان کی۔۔۔ بڑا احسان کیا میرے سر پر۔"

"تمہیں اپنی صفائی میں کچھ بھی کہنا پڑا لگے گا لیکن بعض اوقات انسان کو ناپسندیدہ کام کرنے پڑ جاتے ہیں سو۔۔۔" توقیر صاحب نے گہری سانس بھر کر کہا تھا۔ فیضان کے خون میں جیسے شرارے دوڑ رہے تھے۔ بھلے ہی انہوں نے توقیر صاحب سے کچھ نہ کہا تھا لیکن بہرحال سارا معاملہ تو ان کی سمجھ میں آ ہی چکا تھا کہ انیسا کی مہربانی نے کسی نہ کسی کو ان کی نیک نامی پر انگلی اٹھانے کا موقع فراہم کر ہی دیا تھا اور ان کا بس نہ چلتا تھا کہ انیسا کی گردن ہی دبا دیں۔

☆ ☆ ☆

"میں نے تم سے کہا تھا اپنے کپڑے استری کرنے کے لیے سلیمہ کو دے دو۔"

تمل نے کچھ خیال آنے پر ہادی سے کہا تھا۔ وہ اسے پرانی تصویروں کا البم دکھا رہی تھی اور تصویریں تھیں کہ ختم ہونے کا نام ہی نہ لیتی تھیں۔ ہادی کی جان اس لفافے میں اٹکی تھی جو اس کی الماری کے نچلے خانے میں حفاظت سے رکھا تھا اور جسے کھولنے کا موقع اسے اب تک نہ مل سکا تھا۔ اس نے کئی بار کوشش کی کہ کسی طرح کچھ دیر کمرے میں جا کر بیٹھنے کا موقع مل جائے لیکن ہر بار کوئی نہ کوئی اسے واپس بٹھا لیتا تھا۔ ناچار ہادی کو فرصت ملنے کا انتظار کرنا تھا اور اب وہ بڑے تحمل سے بیٹھی اس وقت کا انتظار کر رہی تھی۔

نتوی نے کئی بار کوشش کی کہ کسی طرح اسے ہادی سے اس کے جلال کے متعلق پوچھنے کا موقع مل جائے۔ ایک آدھ بار جب موقع ہاتھ آیا بھی تو سارے تجسس کے باوجود اسے مناسب لفظ نہ مل سکے تھے۔

"ہادی! تم آج جو سوٹ پہننے والی ہو وہ میں نے اب تک نہیں دیکھا۔" معاً نتوی کو ہادی کو سب کے درمیان سے اٹھانے کا ایک بہانہ سوجھ ہی گیا تھا۔

"آؤ میں تمہیں دکھاتی ہوں۔" ہادی نے اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے جلدی سے کہا۔

"تمہیں یہاں سے جانے کی کیا ضرورت ہے۔ کوثر! جاؤ بی بی کے کمرے سے اس کا سوٹ لے آؤ۔" تحریم بھابھی نے کہا تھا۔

"نہیں بھابھی! اسے پتا نہیں چلے گا کہ سوٹ کہاں ہے۔ میں خود نکال لاتی ہوں۔" اس نے بجلت اٹھتے ہوئے کہا تھا مبادا موقع ہاتھ سے نکل ہی نہ جائے۔

"میں بھی ساتھ آتی ہوں۔" نتوی بھی اس کے پیچھے دوڑی تھی۔

دونوں آگے پیچھے ہادی کے کمرے میں داخل ہوئیں۔

"تم جنجھٹ میں اپنا ڈریس لے کر آتی ہوں۔"

"رہنے دو ہادی! تمہارا ڈریس تو میں نے دیکھ رکھا ہے۔"

"اچھا۔" ہادی بری طرح حیران ہوئی۔ "لیکن تم نے تو کہا تھا کہ۔۔۔" اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ نتوی نے اس کی بات قطع کی تھی۔

"وہ تو میں نے اس لیے کہا تھا کہ تمہارے ساتھ کچھ دیر بیٹھنے کا موقع مل سکے۔ دراصل میں تم سے کچھ پوچھنا چاہ رہی تھی۔" اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"ہاں پوچھو۔"

"نہیں! پہلے تم وعدہ کرو کہ میری کسی بات پر خفا نہیں ہوگی۔"

ہادی ہنس دی۔ "ہاں بھئی۔ میں خفا نہیں ہوں گی۔ تم پوچھو جو پوچھنا ہے۔"

"دراصل۔۔۔" نتوی کو اس کا لہجہ خاصا حوصلہ افزا لگا تھا۔ "میں نے شبیہہ بھائی اور جلال بھائی کو بات کرتے ہوئے سنا تھا۔ وہ لوگ کہہ رہے تھے کہ تم جلال بھائی کی منکوحہ ہو۔"

"من۔۔۔ کو۔۔۔ حہ۔۔۔؟" ہادی نے ناسمجھی سے دہرایا۔

"یعنی تم ان کی بیوی ہو۔ نکاح کیا ہے تم نے ان سے۔ میں یہی جاننا چاہ رہی ہوں کہ کیا یہ درست ہے یا مجھے کوئی غلط فہمی ہوئی ہے؟" اس کے لہجے میں بیقراری سا جوش تھا۔

"جب خود سن ہی لیا ہے تو مجھ سے کیوں پوچھ رہی ہو؟ اپنے بھائیوں کی بات پر یقین نہیں ہے کیا؟"

"یہ بات نہیں ہے۔ تمل اور حرم آپا میری بات پر یقین ہی نہیں کر رہیں وہ اتنے وثوق سے میری بات کو رد کرتی ہیں کہ میں خود کنفیوژ ہو جاتی ہوں کہ جو سنا وہ درست بھی تھا یا میری غلط فہمی تھی۔" اس نے بے چارگی سے کہا۔

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لئے خوبصورت ناول

☆ تتلیاں، پھول اور خوشبو — راحت جبیں — قیمت: 225 روپے
☆ بھول بھلیاں تیری گلیاں — فائزہ افتخار — قیمت: 500 روپے
☆ محبت بیاں نہیں — لعنتی جدون — قیمت: 250 روپے

منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37۔ اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361



امنہ ریاض

ستارہ

دین محمد مٹی سے محبت کرنے والا جفاکش مرد ہے۔ دھرتی کو اپنے خونِ جگر سے سونا اگلنے کے قابل بنانا اس کا پیشہ ہے۔ اس کی پوری زندگی محنت سے عبارت ہے' جو وہ اپنے چھ مربع زمین پر صرف کرتا ہے۔ شادی کو آٹھ سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ اپنے چھوٹے سے گھر میں وہ بیوی زہرہ اور ماں کے ساتھ رہتا ہے۔ زہرہ چھ مردہ بچوں کو جنم دے کر ایک مرتبہ پھر امید سے ہے۔ دین محمد کا رواں رواں اولاد کی خوش خبری پانے کے لیے مجسم دعا بن چکا ہے۔ اس کی دعائیں مستجاب ٹھہرتی ہیں اور اس کے یہاں ایک خوب صورت بچی جنم لیتی ہے۔ اسے وہ اپنی "جنت" کے نام سے مخاطب کرتا ہے۔

جلال الدین کا دن رات نوکری کی چکی میں پسے گزر رہا ہے۔ اس نوکری کے دوران اسے آرام کرنے کا موقع بھی کم ملتا ہے۔ اچھے مستقبل کا خواب اسے متحرک رکھتا ہے۔ تنہائی میں کسی کی محبت کا جگنو اس کی دنیا آباد رکھتا۔ ہر لمحہ اس کی یادیں اسے بے چین رکھتی ہیں۔ دن بھر کا تھکا ہارا وہ آرام کرنے لیٹتا ہے تو پولیس اسٹیشن سے اطلاع ملتی ہے کہ جنت لی بی ان کی حراست میں ہے' جس کا رجحان ہے کہ اس نے اپنے شوہر کا قتل کیا ہے۔ جلال الدین اپنے وکیل دوست مسعود کے ساتھ بھاگم بھاگ پولیس اسٹیشن پہنچتا ہے اور ثبوت دیکھاتا ہے کہ جنت مینو فریب کی مریض ہے۔ جس کی شادی ابھی ہوئی تک نہیں۔ جنت کی حالت جلال الدین کو اعصابی تھکن کا شکار کرنے لگتی ہے۔ جسے اس نے نوکروں کے سہارے حویلی گھر میں رکھ چھوڑا ہے۔

ثمینہ 14 سال بعد اپنی بیٹی مادی کے ساتھ آئرلینڈ سے پاکستان آتی ہیں تو انہیں توقیر صاحب کے بتائے گئے پتے کو تلاشنے میں بہت دقت لگتا ہے۔ وہ فیض کے دوست توقیر صاحب کے توسط سے دانیال کی اینکسی میں ٹھہرتی ہیں۔ ثروت دانیال ملنسار اور مہمان خاتون ہیں۔ ولی' چولید اور ایجیا ان کے بچے ہیں۔ مادی کی پہلی ملاقات میں ایجیا سے دوستی ہو جاتی ہے۔

شمیسہ العباس طبعتاً "سخت گیر اور غصہ ور نوجوان ہے' جسے صنف نازک کا غیر ضروری ہنسنا بھی ناگوار گزرتا ہے۔ وہ



"بھوک نہیں ہے مجھے۔ اور تم کیوں لاؤ گی' کیا میں خود نہیں جا کر کھا سکتی۔" ٹھٹک کر اس نے پوچھا تو وہ اسی محبت سے بولی۔

"اچھا تو پھر ٹینگ تو پیو گی نا ٹھنڈا یخ۔"

"خیریت تو ہے' اس سے پہلے تو تم اتنے خدمت گارانہ موڈ میں کبھی نہیں آئیں۔" ضحیٰ نے جھک کر پیروں کو جوتوں کی قید سے آزاد کرتے ہوئے طنزاً کہا تھا۔

"کیوں کہ'

بابل کا یہ گھر گوری' کچھ دن کا ٹھکانہ ہے
بن کے دلہن ایک دن' تجھے پیا گھر جانا ہے"

وہ گنگنائی تو ضحیٰ نے قدرے دھیان سے اس کے کھلے کھلے انداز کو دیکھا۔ لبوں کے گوشوں میں دبی مسکراہٹ لبوں

پر پوزل کیسے بھیج سکتا ہے۔"

"تمہیں کس نے بتایا ہے؟" وہ بمشکل پوچھ پائی تھی۔

"بتانا کیا..... آج لڑکے کی ماں اور بہن آئی ہوئی تھیں۔ وہ بات کر کے گئی ہیں' انس بھائی کی انگیج منٹ والے روز وہ جو کلف دار کپڑے پہنے ہوئے تھا اور تم نے نہ صرف اس کے ہیئر اسٹائل بلکہ اس کی ہائیٹ کی بھی کافی تعریف کی تھی۔" صبا نے منٹوں میں سارا معاملہ سامنے رکھ دیا تھا۔

"وہ معید بھائی کا کولیگ ہے۔ اب وہ آئیں گے تو ان سے پوچھا جائے گا کہ کیسا بندہ ہے' ویسے اچھا ہی ہوگا بھائی لوگ یونہی تو کبھی کسی کو گھریلو فنکشن میں نہیں لاتے۔"

کسی غائب دماغی کیفیت میں اسے سن رہی تھی۔ "معید کا کولیگ....." اس کے ذہن میں اسپارکنگ سی ہوئی تھی۔

"تو یہ سب معید نے کرایا ہے۔" وہ بے اختیار بولی تو صبا نے کہا۔

"انہوں نے کرایا ہوتا تو پہلے وہ گھر میں کسی سے تذکرہ کرتے۔ یہ اس بندے کی کارستانی ہے جس نے تمہیں دیکھتے ہی "پالیا" کا نعرہ مارا ہوگا۔ تبھی تو دو ہفتوں کی اندر ہی پروپوزل بھجوا دیا۔"

"امی نے کیا کہا ہے ان لوگوں سے؟"

ضحیٰ کا جی گھبرانے لگا۔ آج کا تو دن ہی اسے راس نہیں آ رہا تھا۔

"یہی کہ سوچ کے جواب دیں گے۔ اب تم اتنی بھی بری نہیں کہ پہلی باری میں ہاں کر دی جائے۔"

وہ مزے سے بولی تو ضحیٰ کو غصہ آنے لگا۔

"نہ پہلی' نہ دوسری اور نہ پانچویں بار میں ہاں ہوگی۔"

"ہیں' کتنے چکر لگواؤ گی انہیں؟"

صبا تحیر کا شکار ہوئی تو اس نے قطعیت سے کہا۔

"میں اس پروپوزل کو ریجکٹ کر رہی ہوں۔"

"ہنہ..... اس سے پہلے کون سے فیصلے تمہارے من پسند کے ہو رہے ہیں جو اس فیصلے پر تمہاری حماقت کی مہر ثبت کی جائے گی؟"

صبا نے اس کا تمسخر اڑایا تو وہ غصے سے بولی۔

"یہ میری زندگی ہے اور اسے گزارنے کا حق بھی صرف مجھی کو ہے۔ اور میں یہ فیصلہ کسی کو بھی نہیں کرنے دوں گی۔"

اس کے سرد و لاتعلق انداز نے صبا کو ٹھٹک جانے پر مجبور کر دیا۔

"تمہیں خوشی نہیں ہوئی ضحیٰ؟"

بغور اس کے تاثرات کو دیکھا مگر وہاں خوشی کی ہلکی سی رمق بھی موجود نہ تھی۔

"بالکل نہیں۔ اور تم باقی سب کو بھی بتا دو کہ وہ میری شادی کا خواب دیکھنا چھوڑ دیں' میں ابھی پڑھ رہی ہوں۔"

وہ اسی سختی سے پُر لہجے میں کہتی پلٹ کر الماری میں سے کپڑے نکالنے لگی۔

"سو واٹ..... ایک آدھ ماہ تو رہ گیا ہے فائنل ایگزیمز میں۔ اس کے بعد تو فرصت ہی فرصت ہوگی۔ لگے ہاتھوں شادی ہی کروا لینا۔"

اس کا مسئلہ جان کر صبا ریلیکس ہوئی تو وہ تپ کر اس کی طرف پلٹی تھی۔

"اور تم جو پہلے ہی فرصت میں ہو' تم کیوں نہیں لگے ہاتھوں یہ فریضہ ادا کروا لیتیں؟"

"ہاو..... میں تو دل و جان سے تیار ہوں مگر کیا کیا جائے کہ اطہر کاوانی صاحب کی نگاہ ہی آپ کے حسن جہاں سوز میں اٹکی ہے۔" وہ شرارت سے بولی تھی۔

"فضول باتیں مت کرو صبا۔ میں نے کہہ دیا نا کہ میں ابھی شادی نہیں کروں گی۔ کم از کم پورے پانچ چھ سال تک۔"

اس قدر قطعی حساب کتاب نے صبا کو ششدر کیا تھا۔

"دماغ تو ٹھیک ہے تمہارا۔ چار ماہ بعد پورے بائیس برس کی ہو جاؤ گی تم اور چھ سال کے بعد اٹھائیس برس کی' پھر کون بیاہنے آئے گا تمہیں؟"

صبا کو بھی غصہ آ گیا تھا۔

اس نے پہلے ضحیٰ کی باتوں کو مذاق ہی سمجھا تھا مگر وہ تو جیسے سبھی کچھ طے کیے بیٹھی تھی۔

"یہ تم لوگوں کا نہیں میرا مسئلہ ہے۔"

وہ ایک دم سے بولی پھر چپ ہو گئی۔

صبا نے تاسف سے اسے دیکھا تھا۔

"بہت خوب..... میں پوچھ سکتی ہوں کہ تم نے خود کو "میر ہاؤس" سے الگ کب سے سمجھنا شروع کر دیا ہے؟"

اس کے انداز میں طنز کی کاٹ تھی۔

"بال کی کھال مت اتارو صبا۔ میں نے بائی داوے کی بات ایک ہے۔ بہر حال میں ابھی اس سب کے لیے بالکل بھی تیار نہیں ہوں۔"

وہ تیزی سے سنبھلی تھی۔

"کیا تم..... کیا کوئی اور تمہیں.....؟"

صبا کو اپنے سوال پر یقین نہیں تھا اس لیے جھجک کر پوچھ بھی نہیں پائی تھی۔

"کوئی نہیں ہے۔ کوئی بھی نہیں ہے۔"

وہ اس کی طرف سے رخ موڑ کر ہینگر پر سے قمیص اتارنے لگی۔

ہر بات ہر مسئلہ صبا سے ڈسکس کرنے کی عادی ہونے کے باوجود پتہ نہیں کیسے وہ عمر کا ظلمی کو اس سے مخفی رکھ گئی تھی۔

"تو پھر اس قدر طویل بن باس لینے کا کیا مطلب ہے؟"

صبا برا مان کر بولی۔

"بکواس نہیں کرو صبی۔ میں کوئی بن باس نہیں لے رہی۔ اور تم....." وہ غصے سے کہتے ہوئے لب بھینچ گئی' پھر سختی سے پُر لہجے میں بولی۔

"میں خود امی سے کہہ دوں گی۔"

"ضحیٰ۔ پاگل تو نہیں ہو گئیں؟"

صبا اس کے تیوروں سے پریشان ہو اٹھی۔

"اس میں پاگل پن کی کیا بات ہے۔ بہت سے لوگ تو عمر بھر شادی نہیں کرتے' میں تو پھر بھی پانچ' چھ سال رکنے کی بات کر رہی ہوں۔"

وہ آرام سے بولی تو صبا کا موڈ خراب ہونے لگا۔

"جب تم سے پوچھا جائے تو خود ہی یہ سب کہہ دینا۔ مجھ پہ یہ ذمہ داری مت ڈالو۔"

"میں خود کہہ لوں گی۔ جب میرا ذہن اتنی جلدی ایک بات کو قبول نہیں کرتا تو پھر خواہ مخواہ اس جھنجٹ میں پڑنے سے کیا حاصل۔"

وہ لاپروائی سے کہتی کپڑے لیے باتھ روم میں گھس گئی جب کہ صبا وہیں کھڑی کتنی ہی دیر ضحیٰ کے اس قدر بدلے ہوئے اور عجیب سے رویے پر غور کرتی رہی تھی۔

ضحیٰ منتظر ہی رہی مگر صبا کے علاوہ کسی نے بھی اس کو اس آنے والے پروپوزل کے متعلق بتانا شاید ضروری خیال نہیں کیا تھا۔ اس کا اطمینان پہلے جھنجلاہٹ اور پھر پریشانی میں بدلنے لگا۔ شاید اندر ہی اندر پوچھ گچھ کا مرحلہ جاری

منصور بھٹی کے ہاتھ میں منتقل ہوا تھا۔
شبیہہ کا تو بس نہ چلتا تھا' ماوی کی گردن ہی توڑ ڈالے۔
"یہ لڑکی مجھ پر بے بنیاد الزام لگا رہی ہے۔ اگر اس کے پاس کوئی ثبوت ہے بھی تو اس کا خود کا تیار کیا ہوا ہے۔ میں سچ کہہ رہی ہوں یہ جھوٹ بول رہی ہے۔" جنت بیگم نے تقریباً گھگھیاتے ہوئے اپنی صفائی دینا چاہی۔
"آپ کو کچھ بھی کہنے کی ضرورت نہیں ہے اماں!" مستقیم بھٹی نے کہا۔
"بالکل بی جان! آپ باہر چلیں۔ اس لڑکی سے ہم خود نمٹ لیں گے۔" شبیہہ نے خوں خوار لہجے میں کہا۔
"یہ وقت مناسب نہیں ہے۔ حرم کی پرسنلٹی کا انتظار کرنا چاہیے ہمیں۔" جلال نے آہستگی سے کہا۔
"جلال بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے۔" مستقیم بھٹی نے کہا۔
"چلیے اماں! بارات پہنچ گئی ہوگی۔"
ماوی حیران تھی۔ ان سب کا ردعمل ماوی کی توقعات کے برعکس تھا۔
"تم سے تو بعد میں نمٹتے ہیں۔ کسی پر انگلی اٹھانے سے پہلے کم سے کم ہوم ورک ضرور مکمل کر لینا چاہیے۔" شبیہہ نے خط ماوی کے چہرے کی طرف اچھالتے ہوئے نفرت سے کہا۔ پھر وہ سب جنت بیگم کو لیے باہر نکل گئے۔
ماوی ایک پل بھی پل ضائع کیے بغیر خط کی طرف لپکی تھی۔
"حرمین!
جب تک تمہیں یہ خط ملے گا' میں بہت دور جا چکا ہوں گا۔ میں نے فیصلہ کیا ہے' مجھے اب اس زندگی سے رابطہ ختم کر لینا چاہیے کیونکہ میں جانتا ہوں کہ میں بہت بڑی خود غرضی کا مرتکب ہو رہا ہوں لیکن یہ میری مجبوری ہے اور تم میری اس مجبوری سے واقف ہو۔ مجھ سے اب یہ الزامات اور طعنوں سے بھری زندگی نہیں گزاری جائے گی اس لیے میں خود اپنے ہاتھوں سے اپنی زندگی ختم کر رہا ہوں۔ میں حرام موت کو گلے لگا رہا ہوں۔ وہ بھی صرف اس امید پر کہ اللہ اپنے بندوں کی کوتاہیوں کو معاف کر سکتا ہے انسان نہیں۔ مجھے اس گناہ کی سزا دی جا رہی تھی جو میں نے کیا ہی نہیں ہے اور بغیر غلطی کے سزا بھگتنا دنیا کا مشکل ترین کام ہے۔ جنت بی بی کے طعنے اب میری برداشت سے باہر ہو چکے ہیں۔ کیا ہی اچھا ہو تا کہ وہ عورت مجھے زہر دے دیتی نہ کہ اپنے طعنوں سے میری زندگی عذاب بناتی۔ اپنا اور ماوی کا خیال رکھنا اور ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا۔ تمہیں اس مصائب بھری زندگی کا مقابلہ کرنے کے لیے تنہا چھوڑ کر جانے کا بوجھ ہمیشہ میرے دل پر رہے گا۔
فقط۔۔۔ رجب"
ماوی کے ہاتھ میں وہ کاغذ کا ٹکڑا پھڑ پھڑا رہا تھا اور وہ گم صم تھی جیسے زندگی کا سب سے بڑا صدمہ سہنے کے بعد کوئی بھی انسان ہو سکتا ہے۔ بے یقین' دم بخود اور مایوس۔۔۔

☼ ☼ ☼

انیہا بکا بکا فیضان کی شکل دیکھ رہی تھی۔
"آ۔۔۔ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"
اس نے حیرانی سے نکلنے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔ وہ بے چاری تو کسی کام سے باہر نکلی تھی گیٹ پر فیضان سے مڈبھیڑ ہو گئی اور فیضان اتنے غصے میں تھے کہ ولید کا کارنامہ اس تک پہنچانے میں ایک پل بھی ضائع نہیں کیا۔
"یہ تم مجھ سے نہ پوچھو۔ جا کر اپنے بھائی سے پوچھو کہ اس نے یہ گھٹیا حرکت کس بنیاد پر کی ہے؟" فیضان بری

طرح خار کھائے ہوئے تھے۔
"میں تو اسے سنسیبل سمجھتا تھا لیکن وہ۔۔۔ اور تمہیں کتنی بار منع کیا میں نے کہ اپنی فضول حرکتوں سے باز آجاؤ لیکن تم۔۔۔"
"فضول حرکتیں۔۔۔ کون سی فضول حرکتیں؟" انیہا کی رگوں میں جیسے شرارے سے دوڑنے لگے تھے۔
"آپ سے پسندیدگی کا اظہار کر دینے کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں کہ آپ میری فیلنگز کو اس طرح کے الفاظ دیں۔ میں مانتی ہوں کہ ولید نے غلط کیا ہے' لیکن اس میں میرا کیا قصور ہے۔"
"سارا قصور تمہارا ہی ہے۔" فیضان کا غصہ کسی طور کم نہ ہو رہا تھا۔ "نہ تم بھاگ بھاگ کر انیکسی کی طرف آتیں' نہ ولید کو بات بنانے کا موقع ملتا۔"
"میں بھاگ بھاگ کر صرف اس لیے آتی تھی کیونکہ مجھے آپ کی پروا تھی۔ آپ کو میرا آنا اتنا برا لگتا تھا تو منع کر دیا ہوتا۔" اس نے بھی دوبدو کہا۔
"تم اور تمہارا بھائی دونوں پاگل ہو۔ پتا نہیں میں تم لوگوں کے درمیان کس طرح پھنس گیا۔" فیضان جیسے غصے سے پاگل ہوئے جا رہے تھے۔
"ہاں! ہم پاگل۔ لیکن شکر ہے' آپ کی طرح خود غرض نہیں ہیں۔ جنہیں صرف اپنی نیک نامی اور کاروبار کی فکر ہے۔" انیہا نے توہین سے سر جھٹکتے ہوئے چہرے کے ساتھ کہا۔
"آپ اپنے کاروبار کی فکر میں ہلکان نہ ہوں۔ ڈیڈی کی غلط فہمی میں دور کر دوں گی۔ آپ کو کسی قسم کا نقصان برداشت نہیں کرنا پڑے گا۔ اور ولید اور میری وجہ سے آپ کو جو پریشانی برداشت کرنا پڑی میں اس کے لیے معذرت چاہتی ہوں اور۔۔۔"
اس نے لحظہ بھر کو توقف کیا۔
"اور ماوی ٹھیک کہتی تھی' آپ سے محبت کرنے سے بہتر تھا میں کسی پتھر سے سر پھوڑ لیتی۔ مجھے افسوس ہے میں نے ایک پتھر کو چنا اور یہ افسوس مجھے ساری زندگی رہے گا۔ اب تو مجھے اس بات پر بھی حیرانی نہیں ہے کہ آپ اب تک تنہا کیوں ہیں۔ جنہیں دوسروں کی فیلنگز کی قدر کرنے کی عادت نہ ہو' وہ ساری زندگی تنہا ہی رہتے ہیں۔ آپ اس قابل ہی نہیں تھے کہ کوئی آپ کی زندگی کا ساتھی بنتا۔"
انیہا نے غم و غصے کے ساتھ کہا اور واپسی کے لیے پلٹ گئی۔ اس نے ایک بار بھی پلٹ کر فیضان کے تاثرات دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں کی تھی۔ ہاں لیکن یہ الگ بات تھی کہ مرکزی دروازے تک پہنچنے تک اس کی آنکھوں کے کٹورے آنسوؤں سے لبالب بھر چکے تھے۔

☼ ☼ ☼

اس رات دانیال حسن کی واپسی رات گئے ہوئی تھی۔ انیہا ان کے انتظار میں جانے کب سے بیٹھی ہوئی تھی۔
"ڈیڈی! مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔" وہ فوراً اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی۔
دانیال حسن جلدی میں تھے اور سنجیدہ دکھائی دیتے تھے۔ انیہا کی بات سن کر انہوں نے پل بھر کے لیے اس کی طرف دیکھا تھا۔
"میں بہت تھکا ہوا ہوں۔ ابھی کوئی بات نہیں ہو سکتی۔۔۔ جو بات کرنی ہے' صبح کرنا۔"
"ڈیڈی۔۔۔!" انیہا نے منت بھرے لہجے میں کہا۔ اسے یہ سمجھنے میں ذرا بھی وقت نہیں لگا تھا کہ فیضان کی

باتیں درست ہیں۔ ولید نے ضرور ان کے کان بھرے تھے۔

"ڈیڈی! میں ابھی بات کرنا چاہتی ہوں پلیز۔"

"میں تھکا ہوا ہوں انیسا! ابھی کوئی بات نہیں ہو سکتی۔" دانیال حسن نے سخت لہجے میں کہا۔

"آپ کے پاس ولید کی باتیں سننے اور ان پر یقین کرنے کے لیے وقت ہے' صرف میرے لیے وقت نہیں ہے۔" اس کے لہجے میں ایسا کچھ ضرور تھا کہ دانیال حسن ٹھٹک کر اس کا چہرہ دیکھنے لگے۔

"کہو! کیا کہنا چاہتی ہو؟" انہوں نے سرد مہری سے کہا۔

"ڈیڈی! یوں کھڑے ہو کر بات کرنا ضروری ہے' کیا ہم بیٹھ کر بات نہیں کر سکتے؟"

"تمہیں جو کہنا ہے ہمیں کہو۔ میں زیادہ دیر نہیں رک سکتا۔"

"ولید نے آپ سے کیا کہا ہے۔۔۔ میں یہی جاننا چاہتی ہوں۔" انیسا نے کسی قدر دل ہوتے ہوئے کہا تھا۔

"اور یہ بھی کہ آپ کو اس کی بات پر کتنا بھروسا ہے؟"

"تمہیں کس نے بتایا کہ ولید نے مجھ سے کچھ کہا ہے؟"

"ڈیڈی! ولید جھوٹ بول رہا ہے۔" انیسا نے ان کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے تیزی سے کہا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

دانیال حسن کا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھنے لگا۔ ان کی ساری سخت مزاجی ایک طرف' لیکن بیٹی کی آنکھوں میں آنسو برداشت کرنا مشکل تھا۔

"آپ کو اس کی باتوں پر یقین کرنے سے پہلے کم سے کم ایک بار مجھ سے پوچھنا تو چاہیے تھا۔ کیا میں اتنی ناقابل بھروسا ہوں ڈیڈی؟" اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنا شروع ہو گئے تھے۔

"زیادہ ایموشنل ہونے کی ضرورت نہیں ہے انیسا!" ان کا لہجہ ابھی بھی سخت تھا۔ "ولید کی باتوں میں کتنی سچائی ہے' کتنی نہیں' اس بات کا اندازہ لگانا تو یوں بھی مشکل نہیں ہے کہ تم تک خبر پہنچ چکی ہے۔"

"ڈیڈی۔۔۔!" انیسا نے روہانسی ہوتے ہوئے اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہا' لیکن دانیال حسن نے ہاتھ اٹھا کر فوراً اسے ٹوک دیا۔

"مجھے اس موضوع پر مزید کوئی بات نہیں کرنی۔ بہتر ہو گا تم اب اس بارے میں کوئی بات نہ کرو۔ ولید کی باتوں میں کتنی سچائی ہے' کتنی نہیں' میں اس کا خود پتا لگا لوں گا۔"

دانیال حسن نے سرد مہری سے کہا اور تیز قدموں سے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئے۔ انیسا جو یہ سمجھ رہی تھی کہ باپ کو قائل کر لے گی۔ اپنا سا منہ لے کر رہ گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

"دانیال! بہتر ہو گا' تم ایک بار فیضان کی بات سن لو۔ وہ اس وجہ سے بہت پریشان ہے۔" توقیر صاحب نے فون پر کہا تھا۔

"میں خود کو اس کی بات سننے پر تیار نہیں کر پا رہا توقیر! میرے اعتماد کو بہت ٹھیس پہنچائی ہے اس نے۔ دل چاہتا ہے اب تو اس کی شکل بھی نہ دیکھوں۔" دانیال حسن نے ناراضی سے کہا۔

"یار! فیضان ایسا لڑکا نہیں ہے۔ میں اسے بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"تو تمہارا کیا خیال ہے' ولید نے جھوٹ بولا ہے؟ وہ اپنی بہن کے بارے میں ایسی گھٹیا بات کیوں کرے گا؟"

"تم ایک بار انیسا کو اعتماد میں لے کر بات کرو۔ ممکن ہے وہ واقعی فیضان کے لیے کوئی فیلنگز رکھتی ہو اور اگر

ایسی بات ہوئی تو فیضان سے اس کی شادی میں کوئی برائی بھی نہیں ہے۔ فیضان اچھا لڑکا ہے۔"

"پاگل تو نہیں ہو گئے تم؟ میں ایسی بات سوچ بھی نہیں سکتا۔"

"کیوں' اس میں آخر برائی کیا ہے؟ میں نے کہا ناں' فیضان اچھا لڑکا ہے' انیسا کو خوش رکھے گا۔ جہاں تک ولید کی باتوں کی سچائی کا تعلق ہے' تم اسے اعتماد میں لے کر بات کرو۔ مجھے یقین ہے اسے کچھ غلط فہمی ہوئی ہے۔۔۔ لیکن اس سے بھی پہلے تم انیسا سے پوچھو۔"

"کیسی باتیں کرتے ہو توقیر! بھلا میں بیٹی سے ایسی باتیں کیسے کر سکتا ہوں۔ فرینک نیس اپنی جگہ' لیکن باپ بیٹی میں کوئی لحاظ بھی ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے' تم اتفاق نہ کرو' لیکن میرا ماننا ہے' اس لحاظ کو ختم نہیں ہونا چاہیے۔"

"ٹھیک ہے! پھر تم ثروت۔۔۔ بھابھی سے کہو کہ انیسا سے پوچھیں۔"

توقیر صاحب نے ایک اور راہ دکھائی۔ دانیال حسن چپ سے رہ گئے۔ اس سارے سلسلے میں ثروت کا خیال انہیں ایک بار بھی نہیں آیا تھا۔

"توقیر! وہ میں۔۔۔" اس سے پہلے کہ وہ جملہ مکمل کر پاتے' باہر سے کسی غیر معمولی کھٹکے کی آواز سنائی دی تھی۔ دانیال حسن چونک کر متوجہ ہوئے۔

"توقیر! میں تم سے بعد میں بات کرتا ہوں۔" انہوں نے فون بند کیا اور باہر کی جانب لپکے تھے۔

☆ ☆ ☆

"ہیلو۔۔۔!" ولید نے انیسا کو لاؤنج میں بیٹھے دیکھا تو وہیں چلا آیا۔ انیسا نے اس کی قدر کا کوئی خاص نوٹس نہیں لیا۔ ولید پر ایک خاموش نظر ڈالنے کے بعد وہ دوبارہ اخبار کی طرف متوجہ ہو گئی۔

ولید اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر وہ انیسا کے ہاتھ میں پکڑے اخبار پر نظریں دوڑاتا رہا' پھر اس نے اخبار چھین لیا۔

"اخبار واپس کرو ولید!" اس کا انداز بے حد سرد مہر تھا۔

"کیوں؟" ولید نے اس کے موڈ پر دھیان دیے بنا کہا۔

"کیونکہ مجھے ایسی بدتمیزیاں بالکل پسند نہیں ہیں۔" انیسا نے یکدم اس کے ہاتھ سے اخبار جھپٹتے ہوئے غرا کر کہا۔

"ارے! اس میں اتنا غصہ کرنے کی کیا بات ہے؟" ولید نے حیرانی سے پوچھا۔

"جیسے تم تو نہیں جانتے۔"

ولید نے کندھے اچکا دیے۔

"کیا بکواس کی ہے تم نے ڈیڈی سے؟"

"جی؟ کس بارے میں بات کر رہی ہو؟"

"اتنے انجان مت بنو ولید! جیسے تمہیں تو کچھ پتا ہی نہیں۔" انیسا کا غصے سے برا حال تھا۔ "میرے اور فیضان کے بارے میں تم نے ڈیڈی سے کیا کہا ہے؟"

"تم یہ بتاؤ! کیا میں نے کچھ غلط کہا؟" ولید نے ٹانگ پر ٹانگ رکھتے ہوئے مزے سے پوچھا۔

"تم کس قدر گھٹیا انسان ہو ولید! اپنی سگی بہن کے بارے میں اتنی فضول باتیں کرتے ہوئے تمہیں ذرا سی بھی شرم نہیں آئی؟"

"لیجیے۔ میرا ذکر کیوں نکال بیٹھیں۔ رات گئی بات گئی امی! میں ذرا طفیل کے گھر جا رہا ہوں۔ کچھ دیر ہو جائے گی اچھا اللہ حافظ!" وہ سیٹی کی دھن از سر نو تازہ کرتا باہر نکل گیا۔

"ان لڑکوں کے لیے تو ان کی دوستیاں اہم ہیں۔ گھریلو معاملات اہم نہیں۔" شفیقہ حیات خفا ہوئیں۔

"ہاشم سے اس کی ایسی پکی دوستی ہے' یہ چاہے تو اس سے بات کر سکتا ہے۔"

"نہ اماں! ابھی نہیں مانے گا۔ پھر اچھا بھی نہیں لگتا۔" عذرا بیگم نے فوراً" ان کا خیال مسترد کر دیا۔

"پھر کہو تو میں فردوس بیگم کے کان میں بات ڈالوں۔" انہوں نے بات کا تصفیہ کرنا چاہا۔

"کر دیکھیے۔" وہ دھیرے سے بولی تھیں۔

☼ ☼ ☼

شہلا نے اس کا بی پی چیک کر کے اپریٹس بند کیا۔

"بہت لو بلڈ پریشر ہے۔۔۔ کیا بات ہے؟ کھانا پینا بند ہے کیا؟"

"کچھ حلق سے اترے تو کھاؤں نا۔۔۔" وہ بیزاری سے بولی "جو کھاتی ہوں' اسی وقت حلق سے واپس آجاتا ہے!"

"بری بات ہے ایقان۔۔۔! تم خود کوشش نہیں کرو گی تو آسمان سے فرشتے نہیں اتریں گے من و سلویٰ کے تھال لے کر۔"

"میں بھی تو یہی سمجھاتی ہوں۔" رابعہ خاتون بولیں "یہ کسی کی کب سنتی ہے۔ پچھلے ہفتے سے برابر فون کر کے بلا رہی ہوں۔ ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکالتی رہی۔ کل میں علی کو لے کر ملنے چلی گئی۔ دیکھا تو تقریباً" بے ہوش پڑی تھی۔ بچوں کی الگ حالت خراب تھی۔ ماں ٹھیک نہ ہو تو بچوں کو کون پوچھے گا۔۔۔ اسے اتنا بھی احساس نہیں۔"

"ڈانٹ لیجیے آپ بھی!" وہ ہولے سے مسکرا دی "میری سائیڈ کون لے گا؟"

شہلا نے اسے ملٹی وٹامن کی گولیاں لکھ دی تھیں۔

"میں اب چلتی ہوں۔ مجھے ہاسپٹل بھی جانا ہے۔ تم اپنا خیال رکھو ایقان! تمہارے بچوں کو تمہاری ضرورت ہے۔ جلدی سے ٹھیک ہو کر انہیں توجہ دو۔" اس نے ننھی ایمان کا گال چھوتے ہوئے کہا۔

"عمر کیسا ہے؟" ایقان نے پوچھا۔

"ہوں! اچھا ہے۔" وہ مسکرا دی "آج کل عباد کے آگے پیچھے پھرتا ہے۔"

"ماموں کا تو دیوانہ ہے۔۔۔" رابعہ بیگم نے تبصرہ کیا۔

"ماموں بھی تو ایسے ہیں۔" پیچھے بیٹھی ناعمہ گنگنائی تھی۔ وردہ کو ہنسی آگئی۔

"کس بات پر ہنسا جا رہا ہے؟" شہلا اپنا باکس لیے ان تک چلی آئی تھی۔

"کچھ نہیں شہلا باجی!" وہ گڑبڑا کر رہ گئیں۔

"چلو نہیں بتانا تو نہ سہی۔" وہ مسکرائی "اچھا بھئی' خدا حافظ۔"

"آتی رہنا شہلا!" ایقان ہولے سے بولی رابعہ بیگم شہلا کا لکھا ہوا نسخہ دیکھ رہی تھیں۔

"ابھی رافع سے منگوا لیتی ہوں دوائیاں۔۔۔" وہ بولیں "کیا حال کر لیا ہے اس لڑکی نے اپنا۔"

ایقان نے آنکھیں بند کر کے سر تکیے سے ٹکا لیا تھا۔ آنکھوں میں کسی کی مسکراتی صورت پھرنے لگی تھی۔

"آئی مس یو۔۔۔ آئی مس یو عاشر!" اس کی بند پلکوں میں پانی بھرنے لگا۔

☼ ☼ ☼

"نہیں۔ میں تو بہت سیریو بوائے ہوں۔۔۔ ڈرتا تو نہیں ہوں کسی سے۔" وہ فون کے تار سے کھیل رہا تھا۔ اس کے قریب بیٹھ کر نوٹس بناتی انیقہ کے احساسات کے سب تار جھنجھنا رہے تھے۔ وہ سارے صفحے پر نجانے کیا لکھے جا رہی تھی۔

"خالہ جانی کہتی ہیں' صرف اللہ میاں سے ڈرتے ہیں۔۔۔ بھوت اور چڑیلیں تو ہوتے ہی نہیں ہیں۔۔۔ سب جھوٹ ہے۔۔۔"

منیزہ بیگم بظاہر رسالہ دیکھنے میں مشغول تھیں لیکن ان کا دھیان اس کے لفظ لفظ میں الجھ الجھ کر نکلتا تھا۔

"میرے پاپا؟ وہ تو ہیں ہی نہیں۔۔۔ پتا نہیں کہاں ہیں۔ مما سے پوچھو تو وہ کہتی ہیں' بعد میں بتاؤں گی۔" انیقہ نے جھنجھلا کر قلم پٹخا اور خفگی سے ماں کی طرف دیکھا۔ وہ بے بسی سے سر جھکا کر رہ گئیں۔

"سب بچوں کے پپا آتے ہیں پیرنٹس میٹنگ میں' میری تو صرف مما ہوتی ہیں۔ میرا دوست ہے نا مکی' اس کے پپا نہیں آتے کیونکہ وہ اللہ میاں کے پاس گئے ہوئے ہیں۔۔۔ شاید میرے پپا بھی اللہ میاں کے پاس گئے ہوں۔۔۔"

"عمر۔۔۔ بس بیٹا۔۔۔ اب انکل کو خدا حافظ کہہ دو۔" انیقہ نے آہستگی سے کہا۔ اس نے ریسیور کان سے ہٹا کر خالہ کو دیکھا۔

"میں بات کر رہا ہوں نا انکل سے۔۔۔"

"آپ کھیلنے نہیں جا رہے راجہ کے ساتھ؟"

"نہیں!" اس نے بے نیازی سے جواب دے کر پھر ریسیور کان سے لگا لیا۔

"ہاں' میری خالہ جانی ہیں۔۔۔ یہ ایسے ہی مجھ سے لڑائیاں کرتی رہتی ہیں۔۔۔ مما جیسی؟ نہیں مما تو لڑائیاں نہیں کرتیں۔۔۔ آپ سے کس نے کہا؟"

انیقہ اپنی جگہ سے اٹھی اور اس نے عمر سے ریسیور جھپٹ کر واپس کریڈل پر رکھ دیا۔

"یس آں!" اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ "کافی ہے اتنا۔"

عمر خفگی اور قدرے خوف آنکھوں میں لیے اسے دیکھتا رہا۔

"آپ ناراض کیوں ہو رہی ہیں خالہ جانی؟"

"دماغ خراب ہے میرا اس لیے۔"

"انیقہ!" منیزہ بیگم نے اسے سرزنش کی۔ "بچے سے کیوں الجھ رہی ہو؟"

"میں تو باپ کا دماغ بھی ٹھیک کر دوں مما۔۔۔ لیکن شہلا آپی کی وجہ سے چپ ہوں۔"

"وہ باشعور' سمجھ دار ہے۔ تم ابھی بچی ہو۔ ان باتوں کو نہیں سمجھتیں۔" وہ رسانیت سے بولیں۔

"اتنے اچھے انکل ہیں۔۔۔ اتنی اچھی باتیں کرتے ہیں۔۔۔ آپ باتیں بھی نہیں کرتیں اور فون بھی نہیں کرنے دیتیں۔۔۔ بالکل اچھی خالہ نہیں ہیں آپ!" وہ منہ بسور رہا تھا۔

"اچھا جی۔" انیقہ کا غصہ اس کا منہ دیکھ کر فرد ہو گیا "آپ تو بہت پیارے بھانجے ہو نا میرے۔۔۔ آپ اچھی اچھی باتیں کرو اپنی خالہ سے' گندی خالہ سے۔"

وہ اس کے پاس بیٹھ کر اس کا منہ چومنے لگی۔

"اگلی مرتبہ جب عباد ماموں آئیں گے نا۔۔۔ میں ان کے ساتھ ہی چلا جاؤں گا لاہور۔۔۔ پھر آپ مجھے یاد کیا کریں گی۔"

HarfeDua for OneUrdu.com Scanned By HarfeDua for OneUrdu

کھڑی ہوئی۔ اٹھتے ہی اس کی نظر دور برآمدے کے ستون کے قریب کھڑے جلال پر پڑی۔ وہ بھی اسی طرف دیکھ رہا تھا اور اس کے انداز سے لگتا تھا کافی دیر سے کھڑا ہے۔ ماوی اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر خفیف سی ہو گئی۔

جلال چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر مخالف سمت میں مڑ گیا۔

ماوی جز بز سی ہو گئی۔ تب ہی اس نے اپنے پیچھے تسنیم کی آواز سنی۔

"ماوی بی بی! آپ میرے ساتھ چلیں۔" وہ عجلت میں تھی۔

"کیا بات ہے تسنیم۔۔۔!"

"آپ میرے ساتھ آئیں بی بی۔۔۔ آپ کو ایک بات بتانی ہے۔"

"تسنیم۔۔۔ میں ابھی نہیں آسکتی۔۔۔ مجھے پیکنگ کرنی ہے۔"

"آپ کہیں جا رہی ہیں؟"

"ہاں! میں کل واپس جا رہی ہوں۔"

"لیکن بیوت۔۔۔"

"اب کسی ثبوت کی ضرورت نہیں ہے۔" ماوی نے کہا۔ "تمہارا شکریہ۔ تم نے میری اتنی مدد کی۔"

"ٹھیک ہے بی بی! لیکن آپ آخری بار میرے ساتھ آئیں۔ بابا آپ سے باتیں کر رہے ہیں۔ وہ بار بار آپ کا پوچھ رہے تھے۔ یقیناً وہ آپ کو کچھ بتانا چاہتے ہیں۔ اسی لیے میں آپ سے کہہ رہی ہوں ایک بار میرے ساتھ آئیں۔ ابھی بہت صبح ہے، کسی کو پتا بھی نہیں چلے گا۔" اس نے اصرار سے کہا تھا۔

"تسنیم! میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے، پھر ابھی مجھے پیکنگ بھی کرنی ہے۔۔۔ فرصت ملی تو تمہارے بابا سے ملنے آؤں گی۔" اس نے ٹالتے ہوئے کہا تھا۔

"لیکن ماوی بی بی۔۔۔" تسنیم نے کہنا چاہا مگر ماوی اسے نظر انداز کرتی اندر کی طرف بڑھ گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

"تم گھٹیا انسان۔۔۔!"

"پلیز ڈیڈی! میری بات سنیں۔" ولید نے اپنا بچاؤ کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہنا چاہا لیکن دانیال حسن نے ایک کے بعد ایک اسے کئی تھپڑ رسید کیے تھے۔ ان کا بس نہ چلتا تھا اسے قتل ہی کر ڈالیں۔

"بات سنوں۔۔۔ وہ بھی تمہاری۔۔۔ پہلے ہی تمہاری بات سن کر میں نے نقصان اٹھایا ہے۔ اپنی بیٹی کے کردار پر شک کیا۔ فیضان جیسے شریف النفس شخص پر شک کیا۔۔۔ یہ سب کچھ تمہاری وجہ سے ہوا۔"

"ڈیڈی۔۔۔ ڈیڈی پلیز۔۔۔ ولید کو چھوڑ دیں۔" انیصا روتے ہوئے انہیں روکنے کی کوشش کرنے لگی۔

"تم دور رہو انو! میں اس کا حشر برا کر دوں گا۔ اس کی ہمت کیسے ہوئی کہ اس طرح کا الزام لگائے۔۔۔"

وہ غصے سے بے حال ولید کو بری طرح پیٹ رہے تھے اور اس پر چلا رہے تھے۔ ولید نے دوبارہ ان کو نہیں روکا تھا۔

"ڈیڈی! پلیز ولید کو مت ماریں۔ وہ مر جائے گا۔"

"مر جانے دو۔ اس کا مر جانا ہی ٹھیک ہے۔" دانیال حسن نے اسے پیچھے دھکیلتے ہوئے کہا تھا۔

"ظاہر ہے! میرے مرنے سے آپ کو کوئی فرق بھی تو نہیں پڑے گا۔" معاً ولید نے ان کا خود کو پیٹتا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

"میں تمہیں قتل کر دوں گا ولید!"

"آپ کر سکتے ہیں۔" ولید نے ان کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے کہا۔ اس کا آنسوؤں سے بھیگا ہوا چہرہ بے حد سرخ ہو رہا تھا اور اس کے ہونٹ سے خون بھی رس رہا تھا۔ دانیال حسن نے اسے بہت بری طرح پیٹا تھا۔

"بلکہ اچھا ہو گا آپ مجھے قتل کر ہی دیں۔۔۔ اور صرف مجھے ہی نہیں اپنے دونوں بچوں کو بھی۔ جنہیں اپنی ذات سے بہت زیادہ محبت ہو گا نہیں اولاد کے جھوٹ میں پڑنا ہی نہیں چاہیے۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو؟" دانیال حسن بری طرح غرائے۔

"اپنی غلطیوں پر پردہ ڈالنے کے لیے تم نے ہم پر الزام لگایا اور اب آنکھیں بھی دکھا رہے ہو۔"

"ہاں! تو میں کیوں نہ کرتا یہ۔ آپ نے اور ممی نے بھی تو اپنی کوتاہیوں پر پردہ ڈالنے کے لیے ہم لوگوں کو نظر انداز کیا۔"

ولید یکدم حلق کے بل چلایا تھا۔ دانیال حسن جیسے ایک دم ہی خاموش ہو گئے۔ لاؤنج میں سناٹا سا پھیل گیا۔ وہاں تین افراد موجود تھے لیکن جیسے کوئی بھی نہیں تھا۔

"تم پوچھ رہی تھیں نا انیصا! میں سگریٹ کیوں پیتا ہوں۔ میں تمہیں بتاؤں۔ مجھے سکون ملتا ہے۔ کم سے کم نشہ تو سگریٹ پی کر مجھے یہ خیال نہیں آتا کہ میرے ماں باپ میں ہر وقت ناچاقی کیوں رہتی ہے۔ جب سب کے ماں باپ ہنسی خوشی زندگی بسر کر سکتے ہیں تو ہمارے کیوں نہیں۔ ہمارے ماں باپ کو صرف اپنی پروا کیوں ہے۔۔۔ اور جب انہیں ہماری پروا نہیں ہے تو ہم ان کی عزت کی پروا کیوں کریں۔"

"ولید۔۔۔" دانیال حسن نے صدمے سے کہا۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ولید ان سے اتنا بدگمان ہو گا۔

"بس کریں ڈیڈی! مجھے اب آپ کی کوئی بات نہیں سننی۔ اب جب سب آپ کو پتا چل ہی چکا ہے تو میں بھی کچھ چھپانا نہیں چاہتا۔ میں سگریٹ پیتا ہوں ڈرگز بھی لیتا ہوں لیکن اس پر مجھے کوئی شرمندگی۔۔۔ نہیں ہے۔ یہ میری زندگی ہے۔ میں اس کے ساتھ جو چاہوں کر سکتا ہوں۔ اگر آپ اور ممی ہمارے لیے اپنے اختلافات ختم نہیں کر سکتے تو مجھ سے بھی امید نہ رکھیں کہ میں آپ لوگوں کے لیے کچھ کروں گا۔" وہ باہر کی طرف جاتے ہوئے رکا تھا۔

"سوری انیصا! تم سے میں سچ مچ شرمندہ ہوں۔ لیکن میں یہ بھی اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم فیضان بھائی کو پسند کرتی ہو۔ میرا مشورہ مانو، تم بھی وہ کرو، جس سے تمہارا دل خوش ہو۔ ممی ڈیڈی کے لیے اپنے دل کی خوشی سے دست بردار ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"رکو ولید! تم کہاں جا رہے ہو؟" انیصا نے اس کے مشورے کو نظر انداز کرتے ہوئے تیزی سے کہا تھا مگر ولید تیزی سے باہر نکل گیا تھا۔

"ولید کو روکیں ڈیڈی! اتنی رات کو کہاں جائے گا وہ۔" اس نے دانیال حسن سے کہا لیکن وہ ابھی تک اس کی باتوں کے اثر سے ہی نہ نکل سکے تھے۔

چند منٹ بعد چونک کر سرعت سے باہر کی جانب لپکے لیکن اتنی دیر میں ولید جا چکا تھا۔

☆ ☆ ☆

"اگر اس لڑکی کو حویلی میں رہنے کی اجازت دینے سے پہلے مجھ سے پوچھ لیا ہوتا تو آج یہ دن نہ دیکھنا پڑتا لیکن اس وقت تو سب کو اپنی عقل ثابت کرنے کا جنون چڑھا تھا۔" جنت بیگم نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

مستقیم اور شبیہہ اس وقت جنت بیگم کے کمرے میں موجود تھے۔ خرم کی شادی کا ہنگامہ سر پر پڑ چکا تھا اور اس ہنگامے کے سر پڑتے ہی یہ بلی ہوئی چنگاری بھڑک اٹھی تھی۔

"میں شرمندہ ہوں اماں! مجھے واقعی آپ سے پوچھے بغیر ہادی کو نہیں ٹھہرانا چاہیے تھا۔" مستقیم بھٹی نے کہا۔

"یہی بات پہلے سوچ لیتے تو آج یوں شرمندہ نہ ہونا پڑتا۔" جنت بیگم نے تلخی سے کہا۔

"میں آپ کو الزام نہیں دے رہا۔" منصور بھٹی نے بھی زبان کھولی۔ "لیکن کوئی وجہ تو ہوگی جو ثمینہ بھابھی آپ کے متعلق اتنی بڑی غلط فہمی کا شکار ہوئیں۔"

"تو تمہارا کیا خیال ہے، میں نے سچ مچ رجب کا قتل کیا ہے؟" جنت بیگم نے اپنبھے سے کہا۔ "تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے منصور!"

"میرا یہ مطلب نہیں تھا اماں!"

جنت بیگم نے ناگواری سے سر جھٹکا لیکن ساتھ ہی اسے وہ دن بھی یاد آیا تھا جب وہ اپنے ذہنی طور پر معذور بیٹے کا رشتہ لے کر ثمینہ کے پاس گئی تھی۔ اس میں خود پسندی اتنی زیادہ تھی کہ اسے یقین تھا ثمینہ اس کی بات ہرگز رد نہ کرے گی۔ تب ہی جب ثمینہ نے انکار کیا تو اس کی انا کو بری طرح ٹھیس پہنچی تھی۔ محض اپنی ضد کو پورا کرنے کے لیے اس نے کہہ دیا کہ رجب کو اس نے قتل کیا ہے۔ مقصد صرف یہی تھا کہ ثمینہ کو ذہنی اذیت پہنچا سکے اور ہوا بھی یہی۔ لیکن بات اتنی بڑھ جائے گی، ایسا اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔

"اب اس لڑکی کے حویلی میں رکنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ میں اس سے کہتا ہوں، یہاں سے چلی جائے۔" مستقیم بھٹی نے کہا۔

"نہیں۔ اتنے آرام سے تو میں اسے ہرگز نہیں جانے دوں گی۔" جنت بیگم نے کہا۔

"کیا مطلب؟" شبیہہ چونکا۔

"اس لڑکی نے جو ذہنی اذیت مجھے پہنچائی ہے، جب تک اس کی سزا نہ دے لوں، مجھے سکون نہیں آئے گا۔" جنت بیگم کے تاثرات کچھ عجیب سے تھے۔

وہ تینوں بری طرح چونک گئے۔

"بات بڑھانے کی کیا ضرورت ہے بی جان!" شبیہہ نے کہا تھا۔ "جو ہونا تھا، ہو چکا، اب اس بات کو بھول جائیں اور ہادی کو جانے دیں۔"

"تم لوگوں میں غیرت ختم ہو چکی ہے تو میں کیا کر سکتی ہوں۔ اتنا تو ہو نہ سکا مجھ پر انگلی اٹھانے والے کی انگلی ہی توڑ دوں۔ جو میں کرنا چاہتی ہوں، مجھے کر لینے دو۔ میں ایسے انسان کو معاف نہیں کر سکتی جو مجھ پر الزام تراشی کرے۔" جنت بیگم نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

اب کچھ بھی کہنا فضول تھا سو شبیہہ نے خاموش رہنا ہی مناسب سمجھا۔

☼ ☼ ☼

"کیا بات ہے، منہ کیوں لٹکا رکھا ہے؟" شبیہہ اپنے لیپ ٹاپ پر مصروف تھا۔ جلال کسی کام سے اس کے پاس آیا تھا پھر اسی کے پلنگ پر لیٹ کر چھت کو گھورنے لگا تو شبیہہ نے پوچھا۔

جلال نے چونک کر اس کو دیکھا پھر نفی میں سر ہلا دیا۔

"نہ بتانا چاہو تو دوسری بات ہے، ورنہ تو جو بات ہے، وہ تمہارے چہرے پر لکھی ہے۔" شبیہہ نے جتا کر کہا، جلال چڑ گیا۔

"جب پتا ہے تو پوچھنے کی وجہ؟" وہ جل کر بولا۔

"ہاہاہا۔ اب اس طرح چڑنے کا کیا فائدہ۔ میں نے تو پہلے ہی تمہیں وارن کر دیا تھا کہ اس لڑکی پر بھروسا نہ کرو۔ لیکن تم نے میری ایک نہیں سنی۔"

"یار! یہ بات نہیں ہے۔" جلال نے کہا۔ "ہادی نے کون سا میرے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی ہے۔ میں تو صرف یہ سوچ رہا ہوں کہ اب بی جان میری بات بالکل ہی نہیں مانیں گی۔ وہ پہلے ہی ہادی کو کچھ خاص پسند نہیں کرتی تھیں۔ اس بات کے بعد تو ان کی ناراضی اور بڑھ گئی ہے۔" اس نے پریشانی کی اصل وجہ اگلی۔

"تیری غلط فہمی ہے میرے بھائی! بی جان، ہادی کو "کچھ" نہیں "بالکل بھی" پسند نہیں کرتیں۔ اور یہ غلط فہمی بھی دور کر لو کہ وہ پہلے تمہاری بات نہیں سنیں۔ ہادی کے معاملے میں وہ کبھی تمہاری بات نہ سنتیں۔" وہ صاف اس کا تمسخر اڑا رہا تھا۔

"یار! میں مانتا ہوں ہادی بی جان کے متعلق غلط فہمی کا شکار تھی لیکن اس بات سے ہٹ کر دیکھا جائے تو بری تو نہیں ہے کہ اسے اتنا ناپسند کیا جائے۔ بلکہ اچھی ہے وہ۔"

"ہاں! تمہاری نظر سے دیکھا جائے تو اچھی ہی ہے۔" شبیہہ نے سابقہ انداز میں کہا تھا۔ جلال چڑ گیا۔

"کیوں بھئی کیا برائی ہے اس میں؟" شبیہہ ہنس پڑا۔

"ہاں! واقعی کوئی برائی نہیں ہے۔ بس تھوڑی زیادہ تیز اور بہت بھگڑالو ہے۔ بد زبان ہے۔ جب میں سوچتا ہوں کہ تم اپنی آنے والی زندگی اس کے ساتھ گزارو گے تو مجھے تم پر ترس آتا ہے۔ لیکن خیر! یہ تمہارا ذاتی معاملہ ہے۔" اس کا انداز خاصا شرارتی تھا۔

جلال اور جل بھن گیا۔ اس کی شکل دیکھ کر شبیہہ نے قہقہہ لگایا۔

"مجھے ایسے مت دیکھو۔ میں صرف سچائی بیان کر رہا ہوں۔"

"اللہ خیر کرے ہمیشہ جلے بھنے رہنے والے شبیہہ العباس صاحب کا موڈ بہت خوش گوار لگ رہا ہے آج کل۔"

"جی ہاں! جلنے بھننے کی ڈیوٹی آپ نے جو لے لی ہے۔" وہ پھر خوش گواری سے بولا۔ جلال اور بھی مشکوک نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"یہ مشکوک ادائیں ہیں جناب آپ کی۔ ذرا روشنی ڈالیے کہ وجہ کیا ہے؟"

شبیہہ نے مسکراتے ہوئے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا لی۔ چند لمحے سوچتا رہا پھر اس کی طرف دیکھ کر پوچھنے لگا۔

"تم اپنے اور ہادی کے بارے میں بی جان سے کب بات کرو گے؟" جلال بری طرح چونکا۔

"کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"جنرل نالج میں اضافے کے لیے۔"

"بڑا کھسا پٹا لطیفہ ہے۔" جلال بد مزا ہوا۔

"ہاہاہا۔" شبیہہ دل کھول کر ہنسا تھا۔

"کوئی نہ کوئی بات تو ضرور ہے۔" جلال نے وثوق بھرے انداز میں کہا۔

"میں سوچ رہا تھا کیوں نہ تم اور میں ایک ہی دن شادی کریں۔ کیا کہتے ہو۔" شبیہہ پوری طرح اس کی طرف گھوما۔

"اچھا۔ تو یہ بات ہے۔" جلال نے لطف لیتے ہوئے کہا۔

شبیہہ کھسیانا سا ہو کر ہنس دیا۔
"اب اس میں کیا ہے؟ تم شادی کر سکتے ہو تو کیا میں شادی کا سوچ بھی نہیں سکتا؟"
"سوچیے۔ سوچنے بھلا ہم کون ہوتے ہیں اعتراض کرنے والے۔" جلال پھر سے لیٹ گیا۔
"ویسے آئیڈیا برا نہیں ہے لیکن۔" اس نے مدوطلب نظروں سے شبیہہ کو دیکھا۔
"کیا لیکن؟"
"تم میرے بی باف پربی جان سے بات کرو گے؟"
"ہرگز نہیں۔" شبیہہ نے ایک پل کا تامل کیے بنا کہا۔
"پلیز شبیہہ! میرا بھائی نہیں ہے۔ میرے اندر اتنی ہمت نہیں ہے کہ بی جان سے بات کر سکوں۔"
"جب بات کرنے کی ہمت نہیں تھی تو محبت جیسی بہادری کرنے کی کیا ضرورت تھی؟" شبیہہ نے آرام سے اس کے لتے لے ڈالے۔
"اب ہو گئی غلطی۔ کیا کروں۔" وہ مسکینی سے بولا تھا۔ شبیہہ مذاق اڑانے والے انداز میں ہنسا پھر لیپ ٹاپ کی طرف رخ پھیرتے ہوئے بولا۔
"میری طرف سے اس سلسلے میں بالکل معذرت۔ اپنے معاملات خود نمٹاؤ۔ بی جان کا پتا نہیں ہے۔ ایک منٹ میں مجھے بھی ڈانٹ کر رکھ دیں گی۔"
"اب مدد نہ کرنا چاہو تو اور بات ہے۔ ورنہ کون ہے جو یہ نہیں جانتا کہ تمہی جان کے کتنے لاڈلے ہو اور وہ تمہاری کوئی بات نہیں ٹالتیں۔ اس لیے یہ بہانے بازیاں کسی اور کے سامنے کرنا۔"
"میں بہانے نہیں بنا رہا۔ میں لاکھ بی جان کا لاڈلا سہی لیکن اس وقت وہ اتنے غصے میں ہیں کہ میری بھی کوئی بات نہیں سنیں گی۔" شبیہہ نے کہا۔ "میں نے پہلے ہی انہیں سمجھانے کی کوشش کی کہ ماوی سے ناراضی چھوڑ دیں مگر وہ بضد ہیں کہ جب تک اسے سزا نہیں دے لیتیں، آرام سے نہیں بیٹھیں گی اور تم ان کی ضدی طبیعت سے واقف ہی ہو پھر تم نے لڑکی بھی تو ایسی پسند کی ہے جو ذات خود بہت بڑی مصیبت ہے۔ اب بتاؤ! میں ایسی پچویشن میں کیا کروں؟"
"تم صرف میرا مذاق اڑاؤ اور اپنی شادی کی تیاریاں کرو۔" جلال نے جل کر کہا اور کمرے سے ہی باہر جانے لگا۔
"جیسے تمہاری خوشی۔ ویسے میں آج کسی کام سے لاہور جا رہا ہوں۔ کچھ منگوانا ہو تو بتا دینا۔" شبیہہ نے چڑانے والے انداز میں کہا اور مسکراتے ہوئے اپنا کام کرتا رہا۔

☆ ☆ ☆

اگلے روز شام تک ماوی اپنی پیکنگ مکمل کر چکی تھی۔ وہ بار بار دروازے تک جا کر پلٹ آتی تھی۔ یہ طے کرنا اس کے لیے بہت مشکل ہو رہا تھا کہ اسے جانے سے قبل کسی کو آگاہ کرنا چاہیے یا چپ چاپ نکل جانا چاہیے۔ گو کہ ایسا کرنا بھی ناممکن تھا کیونکہ اتنے ملازمین کی نظروں سے بچ کر نکلنا محال تھا۔
بڑی دیر کی سوچ بچار کے بعد اس نتیجے پر پہنچی کہ جانے سے قبل کسی اور سے نہیں تو اسے جنت بیگم سے ضرور معذرت کر لینا چاہیے۔ حالانکہ یہ بھی ایک دقت طلب کام تھا مگر اخلاق کا تقاضا یہی تھا کہ وہ اپنی ذات سے پہنچنے والی پریشانیوں پر معذرت کر لے۔ لیکن وہ کیوں معذرت کرے؟ بلاواسطہ ہی سہی لیکن جنت بیگم اس کے بابا کے قتل کی ذمہ دار تو ضرور تھی۔
گومگوں کی کیفیت میں وہ جنت بیگم کے کمرے کی طرف آ گئی۔ دروازے پر دستک دینے سے قبل بھی وہ تذبذب

کا شکار تھی۔ پھر اس نے ابھی دستک کے لیے ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ اچانک دروازہ کھل گیا۔ باہر آنے والی تسنیم تھی۔
"بی بی آپ!"
"ہاں! مجھے جنت بیگم سے کچھ بات کرنی ہے۔" ماوی نے کہا۔
"آپ نے کہا تھا آپ آئیں گی۔" تسنیم نے اسے یاد دلایا۔
"میں آج ہی واپس جا رہی ہوں تسنیم! ویسے بھی تمہارے بابا کے پاس اب ایسا کچھ نہیں ہے جو میرے کام آ سکے۔"
"آپ ایک بار آ جائیں بی بی! آپ کے لیے بہتر ہو گا۔" تسنیم بہت اصرار کر رہی تھی۔ ماوی کو ماننا ہی پڑا۔
"اچھا! ٹھیک ہے۔ میں جنت بیگم سے مل کر تمہارے پاس آؤں گی۔"
تسنیم اس کے وعدے پر بھروسا کر کے چلی گئی۔ تب ماوی اندر جانے کے بجائے لڑکیوں کے کمرے کی طرف چل دی۔ بہت کوشش کے باوجود وہ خود کو جنت بیگم سے بات کرنے پر آمادہ نہیں کر پا رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

"کیا میں اندر آ سکتی ہوں؟" ماوی نے کمرے میں جھانک کر پوچھا۔
"اس میں پوچھنے کی کیا بات ہے۔ آؤ ناں!" نمل نے کہا۔
ماوی اندر آ گئی۔
"اچھے وقت پر آئی ہو۔ میں اور نتوی چائے پینے کا سوچ رہے تھے۔ تم پیو گی؟" نمل نے پوچھا۔ ماوی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔
"ہاں! ضرور۔ لیکن صرف آدھا کپ۔"
"اچھا! میں کہہ کر آتی ہوں۔" نمل باہر نکل گئی۔
"کیا کر رہی ہو نتوی؟"
"کچھ نہیں! بس یہ میگزین دیکھ رہی تھی۔" وہ میگزین پہلے ہی بند کر چکی تھی۔
"تم کالج کیوں نہیں جاتیں؟" ماوی کو اتنے دن بعد خیال آیا تھا۔
"پہلے جاتی تھی پھر شبیہہ..... نے منع کر دیا۔"
"کیوں؟ اس نے کیوں منع کیا؟"
"بس! وہ نہیں چاہتے تھے کہ میں مزید پڑھوں۔" وہ اصل بات گول کر گئی۔ "تو بی جان نے کہا جیسا شبیہہ کہتا ہے ویسا ہی کرو۔ زندگی بھی تو اسی کے ساتھ گزارنی ہے۔"
"ہوں۔" ماوی نے کوئی خاص تبصرہ نہیں کیا کہ یہاں کے قوانین سمجھ ہی چکی تھی۔
"میں آج واپس جا رہی ہوں نتوی! تم لوگوں کو اللہ حافظ کہنے آئی تھی۔"
"ارے! اس طرح اچانک۔؟"
"ہاں! بس بہت رہ لیا۔ میں نے سوچا اب واپس جانا چاہیے۔"
"جلال بھائی سے پوچھ لیا؟" نتوی نے قدرے شرارت سے پوچھا۔
"اس سے کیوں پوچھوں؟" وہ حیران ہوئی پھر اس کی شرارت فوراً سمجھ گئی۔

"نہیں! میں نے تمہیں پوچھا۔ نہ ہی اسے بتایا ہے۔ جاتے ہوئے بتاؤں گی۔" پھر کچھ خیال آنے پر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں چلتی ہوں تنوی!"

"ارے! بیٹھو ناں۔ مہل دیر لگا رہی ہے تو وہ خود چائے بنا رہی ہوگی اور وہ بہت اچھی چائے بناتی ہے۔"

"اب چائے کا موڈ نہیں رہا۔ تم لوگوں سے ملنا تھا مل لیا۔ اب ذرا تسنیم سے بھی مل لوں۔ اسے کوئی کام تھا مجھ سے۔"

وہ بڑھ کر تنوی کے گلے لگی۔

"میں تمہیں مس کروں گی۔"

"میں بھی۔" تنوی مسکرائی۔ "جلال بھائی تو تمہارے جانے سے بہت خوش ہوں گے۔ کیونکہ تم جتنی جلدی جاؤ گی اتنی جلدی ہی تو وہ تمہیں واپس لانے تمہارے پیچھے آئیں گے۔ اور وہ بھی ہمیشہ کے لیے۔"

ماوی اس کی بات پر بے ساختہ ہنس دی۔

"خدا حافظ تنوی!" وہ کمرے سے باہر آگئی۔ اب وہ تسنیم کی تلاش میں تھی۔

☼ ☼ ☼

رات سے صبح ہو گئی لیکن ولید کی کوئی خیر خبر نہ تھی۔ دانیال حسن اس کی تلاش میں مارے مارے پھرتے رہے۔ انہوں نے ہر اس جگہ اسے تلاش کیا جہاں اس کی موجودگی متوقع ہو سکتی تھی لیکن سب بے سود رہا۔

دانیال حسن گھر واپس آئے تو ان کے کندھے تھکن اور مایوسی سے جھکے ہوئے تھے۔

"ڈیڈی! ولید کا کچھ پتا چلا؟" انیبا انہیں دیکھ کر لپک کر آئی تھی لیکن ان کا چہرہ اور جھکے ہوئے کندھے اس کے ہر سوال کا جواب تھے۔ انیبا صابن کے جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔

"تم نے اس کے فرینڈز سے پتا کیا؟" دانیال حسن نے صوفے پر گرنے کے انداز میں بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"جنید کو فون کیا تھا۔ اسی نے باقی سب دوستوں سے پتا کیا ہے لیکن ولید کے بارے میں کسی کو بھی نہیں پتا۔" وہ کارپٹ پر ان کے پیروں کے قریب بیٹھ گئی۔

"ممی کہاں ہے؟"

"زبردستی کھانا کھلا کر تھوڑی دیر پہلے سلایا ہے۔ بہت رو رہا تھا۔ آپ کے لیے کھانا لاؤں؟"

دانیال حسن نے نفی میں سر ہلا دیا۔ تھکن ان کے سارے وجود سے مترشح تھی۔ انیبا کا دل بھر آیا۔ آنسوؤں کو اس نے مہارت سے چھپا لیا تھا۔

"تم نے کھانا کھایا؟" — اب کی بار انیبا نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"تم تو کھا لیتیں بیٹا! ولید کا پتا چل جائے گا۔" انہوں نے انیبا کا سر آہستگی سے تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ اتنی سی بات کرتے ہوئے ان کی آواز بری طرح بھرا گئی۔

"ڈیڈی! پلیز۔" انیبا تڑپ کر ان کی طرف لپکی۔

"ولید جہاں بھی ہوگا خیریت سے ہوگا۔ وہ گھر آجائے گا۔ آپ پریشان مت ہوں۔"

"تم جاؤ! کھانا لاؤ۔ بلکہ ایسا کرو ہمیں لے آؤ۔ ہم دونوں مل کر کھائیں گے۔" گو کہ ان کا ہرگز دل نہیں چاہ رہا تھا لیکن محض انیبا کی خاطر انہوں نے کہا۔ انیبا بھی ان کے خیال سے اٹھ گئی۔

"ڈیڈی!" معاً انیبا کو خیال آیا۔ "ولید نے ممی کو بھی کال کر کے ولید کے بارے میں بتا دیا ہے۔" وہ ڈری ہوئی

لے گا۔" توقیر صاحب نے کہا۔

"معاف کیجئے گا توقیر بھائی! لیکن میں اب وہاں رک کر اپنی مزید بے عزتی نہیں کروا سکتا۔" فیضان نے دو ٹوک کہا۔

"تم جذباتی ہو رہے ہو۔ جس طرح دانیال نے اصل حقائق کا علم ہوئے بغیر محض جذباتیت سے کام لیا تھا۔"

"آپ بھی مجھے ہی قصوروار ٹھہرا رہے ہیں؟"

"نہیں! میں تمہیں قصوروار نہیں ٹھہرا رہا۔ میں صرف تم دونوں کا موازنہ کر رہا ہوں' جو خود کو بڑا عقل کل سمجھتے ہو لیکن حقیقتاً "جذباتیت کے مارے ہوئے ہو۔ دانیال کو ایک بات پتا چلی تو اس نے بنا سوچے سمجھے ری ایکٹ کرنا شروع کر دیا۔ تم نے تھوڑی بہت مصالحت کی کوشش کی۔ جب کوئی حل نہ نکلا تو بچوں کی طرح جذباتی ہو گئے۔ میں مانتا ہوں تم دونوں حق پر تھے' لیکن کبھی کبھار حق پر ہونے کے باوجود انسان کو دوسروں کی مجبوریوں کے متعلق سوچ لینا چاہیے۔ اور پتا نہیں! میں تمہیں یہ سب کیوں سمجھا رہا ہوں۔ تم کون سا دانیال سے کچھ کم ہو کہ عقل والی کوئی بات سمجھ سکو۔ بہرحال ولید اسپتال میں ہے اور دانیال اسی سلسلے میں مصروف ہے۔ جیسے ہی وہ فارغ ہو گا۔ میں اسے تمہارا پیغام دے دوں گا۔ میں نے تو عہد کر لیا ہے کہ آئندہ کبھی کسی کے ساتھ بھلائی نہیں کروں گا۔ تم دونوں کو بزنس پارٹنر بنانے کی بڑی غلطی ہوئی مجھ سے۔" توقیر صاحب نے رکھائی سے کہا۔ فیضان کو زبردست جھٹکا لگا۔

"ولید اسپتال میں ہے؟"

"ہاں! میری ابھی کچھ دیر پہلے انیہا سے بات ہوئی ہے۔ اسی نے بتایا ہے۔" توقیر صاحب نے اتنا بتا کر فون بند کر دیا۔

فیضان شش و پنج میں پڑ گئے۔ جس وقت وہ اپنے اپارٹمنٹ کے لیے نکل رہے تھے' انہوں نے انیہا کو برآمدے کی سیڑھیوں پر روتے دیکھا تھا اور دانیال حسن پھرتی سے گاڑی نکال رہے تھے' لیکن ان کے وہم و گمان میں بھی ایسا خیال نہیں آیا تھا کہ وہ اسپتال جا رہے ہوں گے۔ فیضان کو یکدم اپنی جذباتیت پر غصہ آیا۔ کاش! وہ رک کر ایک بار انیہا سے اس کے رونے کی وجہ پوچھ لیتے تو کچھ نہ کچھ ضرور ان کی مدد کر پاتے' لیکن جب انہیں انیہا کے رونے کی وجہ معلوم تھی تب انہوں نے کیا کر لیا تھا' جو اب ایسا سوچ رہے تھے۔ انہیں شرمساری نے گھیر لیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"بظاہر چھوٹے چوہدری کی موت میں بڑی چوہدرائن کا کوئی ہاتھ نہیں تھا لیکن اگر میں یہ کہوں کہ وہی چوہدری کی موت کی ذمہ دار ہیں تو ہرگز غلط نہ ہو گا۔"

تسنیم کا باپ بہت ٹھہر ٹھہر کر اور دھیمی آواز میں بول رہا تھا۔ اس کا بیمار وجود گو کہ اسے اتنا بولنے کی اجازت نہیں دیتا تھا' مگر پھر بھی وہ اپنی ساری ہمت صرف کر کے بول رہا تھا۔ مادی کو اس کی بات سمجھنے میں خاصی دقت کا سامنا تھا۔

"مجھے تو چوہدرائن نے اس سارے معاملے سے بچانے کا لالچ دے کر خاموش کروایا تھا' لیکن چھوٹے چوہدری کو وہ اکھنے بیٹھتے طعنے دیا کرتی تھیں۔ پھر جب میں نے ضمیر کی آوازوں سے پریشان ہو کر سچائی ظاہر کرنے کی ٹھانی تو چوہدرائن نے تسنیم کو اپنے پاس رکھ کر مجھے اس کو ٹھڑی میں ڈلوا دیا۔ میرے پاس ایسا کوئی راستہ نہیں تھا کہ

کسی طرح یہاں سے باہر نکل سکوں۔ ہاں! کبھی کبھار کسی ملازم کے ساتھ باہر نکلنے کا موقع مل جاتا تھا۔ ایسے ہی ایک بار میری ملاقات چھوٹے چوہدری سے ہو گئی۔ اس وقت اتفاق سے ملازم بھی موجود نہیں تھا۔ میں نے ہمت کر کے ساری حقیقت چھوٹے چوہدری کو بتا دی۔ لیکن سارے حقائق سے واقف ہونے کے باوجود وہ کچھ نہیں کر سکتے تھے' کیونکہ انہیں خون کا رشتہ نہ ہونے کے باوجود تسنیم کی فکر تھی۔ مجھے اعتراف ہے' وہ بہت عظیم انسان تھے اور میں نے اپنی خود غرضی کے ہاتھوں انہیں پھنسوا دیا۔ پھر چوہدرائن تو ہمیشہ سے ان کے خلاف تھیں۔ چوہدری صاحب خود کو بے قصور ثابت کرنے کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے۔ کئی مہینوں کے بعد ایسے ہی میری ملاقات چوہدری جی سے ہوئی تب انہوں نے مجھے وہ خط دیا جو تسنیم نے پہلے آپ کی والدہ کو دینے کی کوشش کی تھی اور پھر آپ تک پہنچا۔ مجھے معاف کر دیں۔ چھوٹی بی بی! میں صرف چوہدری جی کا ہی نہیں' آپ کا بھی گنہگار ہوں۔"

مادی کیا کہہ سکتی تھی۔ اس کے پاس تو اب کچھ بھی نہ بچا تھا۔

تسنیم کا باپ یکدم ہچکیاں لے کر رونے لگا۔

مادی باپ تک کھڑی ہوئی تھی۔ وہ چند قدم آگے بڑھی اور بوڑھے آدمی کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"آپ مت روئیں۔ ان کی قسمت میں یہی تھا۔" وہ آہستگی سے بولی۔ "میں چلتی ہوں۔"

"تسنیم نے بتایا' آپ واپس جا رہی ہیں۔ بیٹی! مجھے اس قید سے چھٹکارا دلوا دو۔ قانون کی سزا خدا کے عذاب سے تو کم ہو گی۔"

وہ بوڑھا شخص آس بھری نظروں سے مادی کو دیکھ رہا تھا۔

"میں اکیلی کچھ نہیں کر سکتی۔ ہاں! واپس جا کر کوشش کروں گی کہ پولیس کو آپ کی اس جبری قید کے بارے میں اطلاع دے سکوں۔"

اس نے دھیمی آواز میں کہا اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ اس کے قدموں میں تھکن ہی تھکن محسوس ہوتی تھی۔

یہ جانتے ہوئے بھی کہ جنت بیگم اس کے باپ کی موت کی ذمہ دار ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ اس شخص کو قید کر کے سچ کو چھپا کر قانون کی مجرم بھی بن رہی ہے۔ وہ اس کے خلاف کچھ بھی کرنے سے قاصر تھی۔ یہ خیال ہر دوسرے خیال سے زیادہ مایوس کن تھا۔

اسی مایوسی کے زیر سایہ اس نے دروازے پر ہاتھ رکھا۔ دو تین بار دروازے کو دھکیلا اور یکدم اس پر انکشاف ہوا کہ دروازہ باہر سے مقفل کیا جا چکا تھا۔

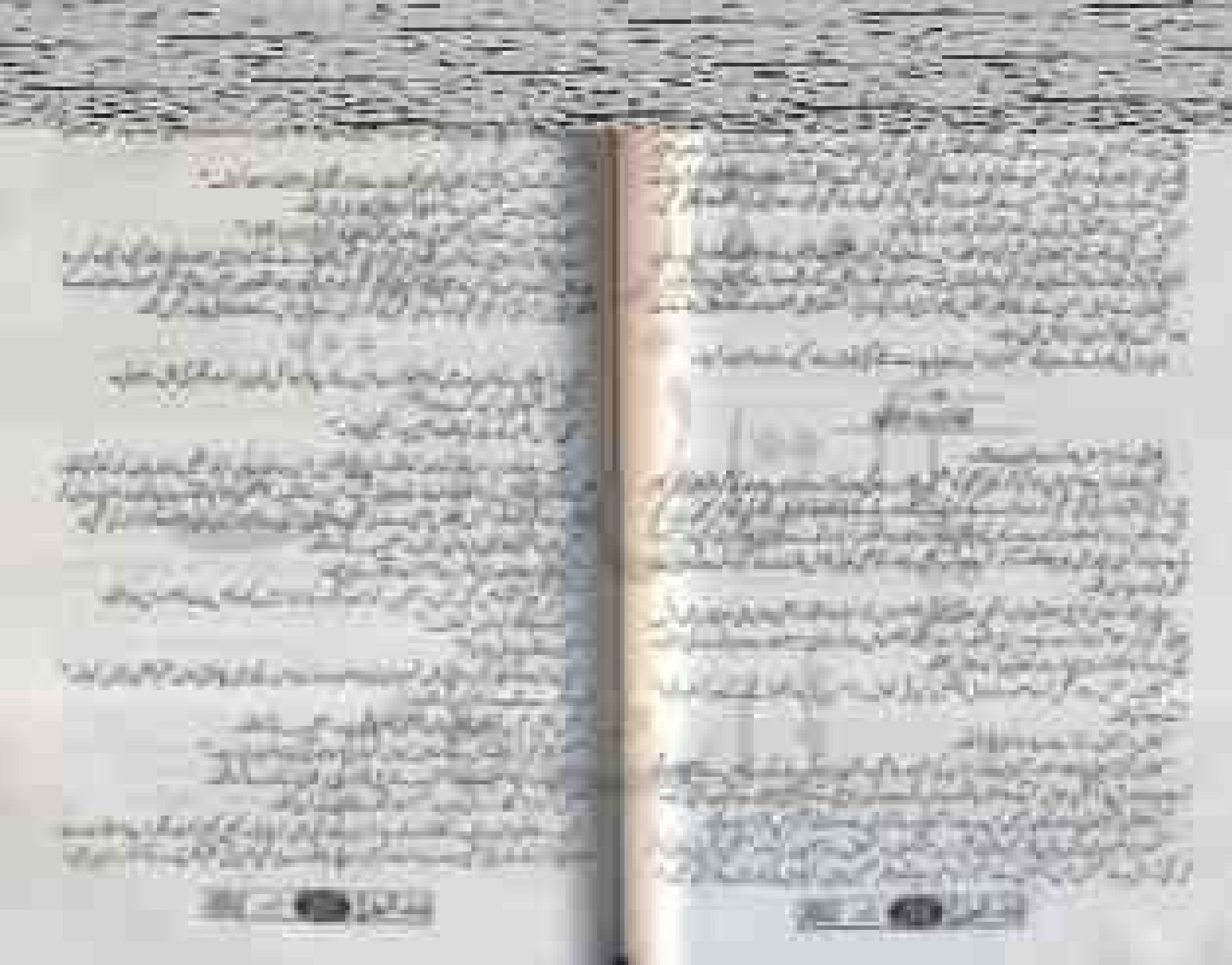
مادی نے ہراساں ہو کر دروازہ پیٹ ڈالا۔

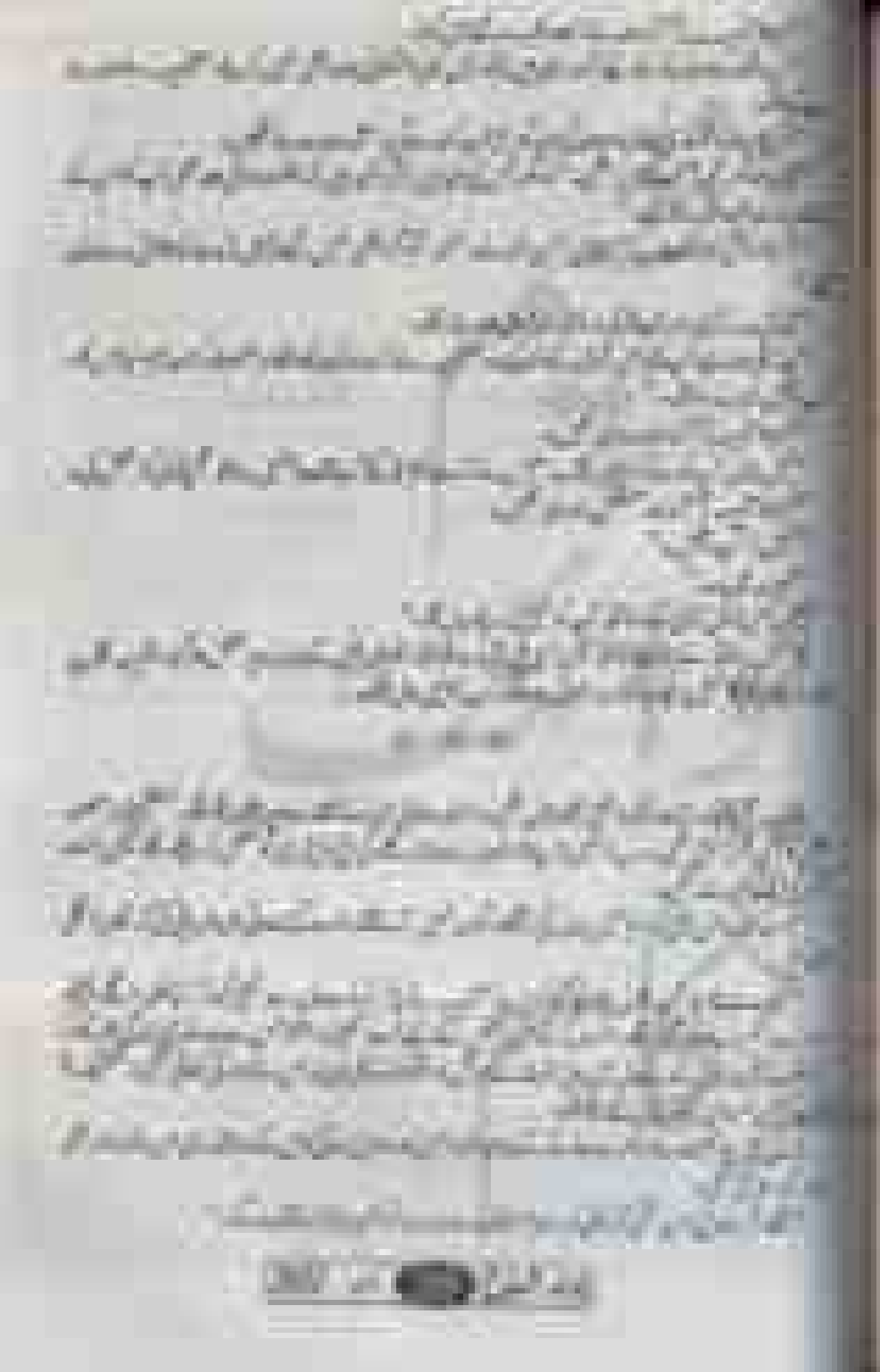
(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)



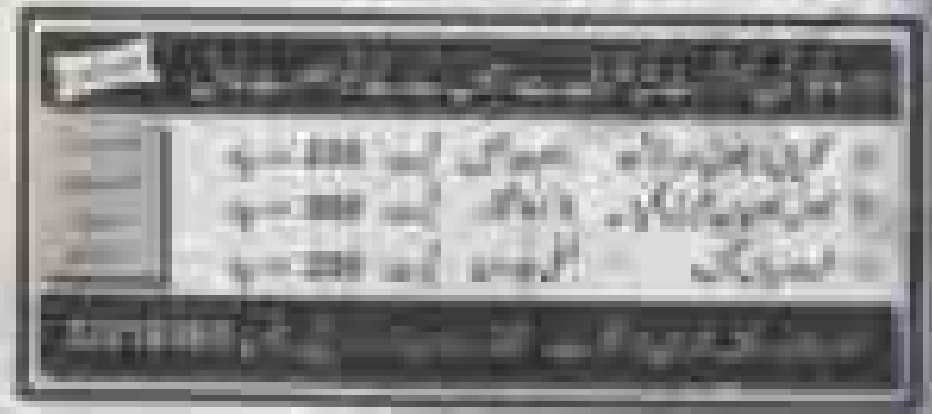












''اگر یہی بات تنہائی میں پوچھتے تو بہت اچھے سے جواب دیتی۔''

''رئیش.....''

وہ جھینپ سا گیا تھا۔

''اچھا..... اب جلدی سے مجھے شادی کی تیاری کرانا شروع کرو۔ میں ہر چیز تمہاری پسند سے لینا چاہتی ہوں۔'' ژالے نے بہت لاڈ سے کہا تو شموئیل نے سر جھکا دیا۔

''اچھے لگتے ہو یوں محبت کے آگے سر جھکاتے۔ ورنہ تو میں نے تمہیں محبت سے بھاگتے ہی دیکھا ہے۔''

وہ اسے چھیڑ رہی تھی۔

مگر اب شموئیل خان کے انداز میں وہ سمٹنا' وہ کترانا نہیں رہا تھا' بلکہ ایک محسوس کن بے تکلفی اور اعتماد آ گیا تھا جو ژالے کو بہت اچھا لگ رہا تھا۔

''چلو تمہیں شادی کی پہلی شاپنگ آج ہی کراتا ہوں۔'' وہ شرارت سے مسکرا رہا تھا۔

''اوکے.....''

ژالے طمانیت سے ہنس دی۔

⌘❖⌘

وہ اپنے خیال میں ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی' اسے خبر نہ تھی کہ اندر عماد آیا بیٹھا ہے۔ وہ ٹھٹک سی گئی۔

جبکہ وہ اسے دیکھتے ہی احتراماً اٹھ کھڑا ہوا۔

''السلام علیکم.....''

''وعلیکم السلام.....''

صالحہ بیگم کے ساتھ ساتھ اسے چائے سرو کرتی صبا کا بھی لحاظ تھا جو جواب دے دیا ورنہ تو وہ عماد کے نام سے بھی بدکنے لگی تھی۔

''آجاؤ نگی' چائے پی لو۔''

صالحہ بیگم کے کہنے پر اسے بیٹھنا ہی پڑا۔

''کیسی طبیعت ہے آپ کی؟''

عماد اسی سے مخاطب تھا۔

''ٹھیک ہوں۔''

وہ مختصراً کہتی صالحہ بیگم کی طرف متوجہ ہو گئی۔ جبکہ عماد اس کا کترانا محسوس کر کے کڑھ کر رہ گیا۔

''واپسی کب تک ہو رہی ہے آپ کی۔ وہاں سب ہی کو آپ کی کمی محسوس ہو رہی ہے۔''

وہ اس کے اپنے مابین رشتے کو یوں غلط فہمی سے ختم نہیں ہونے دینا چاہتا تھا۔

نگین نے ایک سلگتی نگاہ اس پر ڈالی۔ جس کی تپش عماد کو اپنے دل میں اترتی بہت اچھی طرح محسوس



لبادہ چڑھا چکی تھی تب معید حسن اس کے زخم کریدنے آموجود ہوا۔
نیم تاریک کمرے میں وہ تکیے سے ٹیک لگائے اپنے بستر پر نیم دراز گم صم سی تھی۔
معید حسن کی موجودگی کو محسوس کرنے کے باوجود وہ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوئی تھی البتہ جب اس نے آگے بڑھ کر لائٹ آن کی تب اس نے ناگواری سے ضرور دیکھا تھا۔
"کیسی طبیعت ہے اب تمہاری؟"
وہ یونہی بے تاثر انداز میں اسے دیکھتی رہی تو وہ کرسی گھسیٹ کر اس کے بستر کے پاس رکھتے ہوئے بیٹھ گیا۔
"ڈاکٹر کا خیال ہے کہ اب تم بالکل ٹھیک ہو پھر تم نے کیوں بستر سنبھال رکھا ہے؟"
ایک سرسری نگاہ ہی میں اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ چند دنوں کی بیماری اس کی ساری دلکشی و شادابی نچوڑ لے گئی تھی۔
"کس بات کی ٹینشن لے رہی ہو تم۔ اطہر کا دوائی کا پروپوزل تو ریجکٹ ہو چکا ہے۔" اس نے اپنی بات کہہ کر اس کا ردعمل دیکھنا چاہا مگر وہ ہنوز جامد و ساکت بیٹھی تھی۔
"تمہاری وجہ سے سارا گھر ڈسٹرب ہے' مگر تمہیں کسی کی کوئی پروا نہیں ہے۔ گھر میں تمہیں کسی بھی مسئلے کا سامنا نہیں ہے پھر تم اپنے مسئلے سے ان سب کو کیوں پریشان کر رہی ہو؟"
اب کی بار اس نے قدرے سختی سے پوچھا تو وہ جیسے پھٹ پڑی۔
"تم ہر بار مجھی پر کیوں اپنی وکالت کی صلاحیت استعمال کرنے آ جاتے ہو۔"
"کیوں کہ تم خود ہی ٹھیک ہونا نہیں چاہتیں اور یہ بھی کہ تمہیں صرف اپنی پروا ہے' نہ کسی کی پریشانی کی اور نہ ہی ڈسٹربنس کی۔" وہ رسان سے کہہ رہا تھا۔
"میں نے کسی کو ڈسٹرب ہونے کو نہیں کہا ہے۔ اور تم..... خدا کے لیے معید' مجھے اکیلا چھوڑ دو۔" وہ جیسے دنیا بھر سے اکتا کر بولی تھی۔
"یہی تو میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ تمہارے دل میں اکیلا رہنے کی خواہش کیوں پیدا ہونے لگی ہے؟"
وہ اب بھی بہت نرم لہجے میں پوچھ رہا تھا مگر اس سوال کے جواب میں ضحیٰ کے لیے خود پر قابو پانا مشکل ہونے لگا تھا۔
"معید حسن! یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔" سیدھی ہو کر بیٹھتے ہوئے وہ بہت تلخی سے بولی تو انداز یہی تھا جیسے اسے رنج ہو جانے کو کہہ رہی ہو مگر اس کی آواز میں اتری نمی معید سے مخفی نہیں رہ سکی تھی۔
"ایک ہی چھت تلے رہتے ہوئے ایسی باتیں مضحکہ خیز لگتی ہیں ضحیٰ میر۔" وہ جیسے اس کی بچکانہ بات سے لطف لیتے ہوئے مسکرایا تھا۔ پھر اسے یاد دلانے والے انداز میں بولا۔
"اور پھر تم نے خود ہی تو مجھ سے مدد طلب کی تھی کبھی۔"
"مجھے نہ تو کسی مدد کی ضرورت ہے اور نہ ہی کوئی توقع ہے کسی مدد کی۔" وہ چیخ اٹھی تھی مگر وہ اس کے غصے کی پروا کیے بغیر اطمینان سے بولا۔
"کیا بات ہوئی ہے تمہاری عمر سے؟"
اس کے دل کی تاروں پر بہت اوچھا ہاتھ پڑا تھا۔
یہ نامہ یہ سوال.....
کتنے ہی دن لگے تھے اسے اس ٹینشن سے آزاد ہونے میں۔ اور جب بدقت تمام وہ اپنے کرچی کرچی وجود کو

سمیٹ کر زندگی کی طرف لوٹنے لگی تھی تو یہ سوال پھر اپنی پوری سفاکی کے ساتھ اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔
اشتعال کی شدید لہر پر ایک پل ہی میں بے چارگی اور بے بسی حاوی ہو گئی تھی۔
"کچھ نہیں کہا اس نے' کچھ بھی نہیں۔"
اس نے شکستہ انداز میں کہتے ہوئے گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹ لیے۔
اس کی آنکھوں میں چمکتی نمی اور لب و لہجے کی آزردگی معید کے لیے بہت چونکا دینے والی بات تھی۔
"میری پریشانی' میرا دردِ سر ہے۔ مجھے تم سے کسی بھی قسم کی مدد نہیں چاہیے۔ میں اپنے مسئلے خود حل کر سکتی ہوں۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں کہہ رہی تھی۔
معید نے جانچتی نظروں سے اس کی سپید پڑتی رنگت دیکھتے ہوئے کہا۔
"تم جس مسئلے میں الجھی ہو وہ صرف تم پر چھوڑ دینے والا نہیں ہے اور نہ ہی میں تمہیں کوئی بے وقوفانہ فیصلہ کرنے کی اجازت دے سکتا ہوں۔" اس کا انداز سراسر سمجھانے والا تھا مگر جانے کس لفظ نے اس کے دل پر اتنا شدید اثر کیا تھا کہ وہ اس پر الٹ پڑی۔
"ہر کوئی اپنے مسئلے کو اپنی پسند اور مرضی سے حل کرتا ہے' تم مردوں کے پاس عقل کی پاور آف اٹارنی نہیں ہے کہ عقل مندانہ فیصلے صرف تمہی کر سکتے ہو۔ کیا لڑکیوں کا اپنی زندگی پر اتنا بھی حق نہیں ہوتا کہ وہ خود سے متعلق ایک بھی فیصلہ کر سکیں' تم لوگ' تم لوگ فیصلہ کرتے ہوئے صرف اور صرف اپنی ذات کو مدنظر رکھتے ہو۔ اپنی پسند' اپنی مرضی' اپنی ترجیحات۔ باقی ہر شے' ہر جذبہ' ہر انسان' بے وقعت ہے تم لوگوں کے لیے۔ تم لوگوں کا فیصلہ کسی کی زندگی پر کیا اثر ڈالتا ہے' اس سے تمہیں کچھ غرض نہیں ہوتی' مگر میری نظر میں تم لوگ بزدل ہو' بزدل۔" اس کا غصہ بڑھتے ہوئے اشتعال کی حدود کو چھونے لگا تو ہسٹریائی کیفیت کا شکار ہوتے ہوئے وہ یکلخت ہی چیخنے لگی۔ ہاتھ مار کر اس نے سائیڈ ٹیبل پر دھرا پانی سے بھرا جگ بھی زمین پر گرا دیا تھا۔
اس کے اس قدر غیر متوقع مگر شدید ردعمل پر مضبوط اعصاب کا مالک معید حسن بھی گڑبڑا گیا تھا۔ اس پر مستزاد دروازہ کھول کر جانے کون کون اندر آ گیا تو وہ اپنی پوزیشن اکورڈ محسوس کرتا اٹھ کھڑا ہوا۔ معید کے اندر اشتعال کی شدید لہر اٹھی تھی جس کے زیر اثر اس نے کسی کی بھی پروا نہ کرتے ہوئے جھک کر اس کا بازو ہاتھ میں جکڑا اور ایک بھرپور تھپڑ اس کے منہ پر دے مارا۔
معید کا ردعمل اس قدر غیر متوقع تھا کہ سبھی نفوس بے یقینی کے عالم میں کھڑے رہ گئے تھے۔
"یہ..... کیا ہو رہا ہے معید؟"
تائی جان کو سب سے پہلے ہوش آیا تو انہوں نے تڑپ کر آگے بڑھتے ہوئے ضحیٰ کو سینے سے لگا لیا جو ہسٹریائی کیفیت سے نکلنے کے بعد اب رونے لگی تھی۔
"آئی ایم سوری' مگر یہ بالکل پاگل ہو رہی تھی۔ اور اسے حواس میں لانے کا یہ واحد حل تھا۔"
وہ فوراً ہی اپنے آپ کو سنبھال گیا تھا۔ اس قدر پرسکون انداز میں اپنی غلط حرکت کی توجیہ پیش کی کہ سبھی کے خدشات رفع ہو گئے۔
"جانے کیا ہو گیا ہے میری بچی کو۔" چچی جان بھی رونے لگی تھیں۔
"ٹھیک ہو جائے گی یہ۔ لڑکیوں کی عادت ہوتی ہے ذرا ذرا سی بات کو ٹینشن بنا کر یونہی بستر سے لگ جاتی ہیں۔"
سلگتی نگاہ تائی جان کے سینے میں منہ چھپائے بیٹھی ضحیٰ پر ڈالتے ہوئے وہ صبا کی طرف پلٹا تھا۔

ہو جاتی ہے۔

شبیہہ العباس طبعاً "سخت گیر اور غصہ ور نوجوان ہے" جسے صنف نازک کا غیر ضروری ڈسپلن بھی ناگوار گزرتا ہے۔ وہ پھپھی زاد نحوی سے منسوب ہے۔ نحوی اس کی ند خو طبیعت سے سخت نالاں ہے۔ شبیہہ 'نحوی کو کالج چھوڑنے آتا ہے تو سہیلیاں عبیر اور نمرہ نحوی کے سر ہو جاتی ہیں۔ یہ جان کر کہ شبیہہ 'نحوی کا منگیتر ہے' وہ اس کی قسمت پر رشک کرتی ہیں۔ نحوی دونوں سے گزارش کرتی ہے کہ عوش کو اس بات کا علم نہ ہو۔

دین محمد کی بہن زبیدہ کا پینا فاروق گاؤں میں آتا ہے تو جنت اسے پسند کرنے لگتی ہے۔ وہ اسے اپنی طرف راغب کرنے کی کوشش کرتی ہے' لیکن فاروق اسے دھتکار دیتا ہے اور اس کے باپ سے ہتک آمیز انداز میں شکایت کرتا ہے۔

دین محمد 'جنت کو اپنی سب سے چھوٹی بیٹی کو مارتے دیکھ لیتا ہے۔ اسے شدت سے احساس ہوتا ہے کہ اس نے جنت کی تربیت میں کوتاہی کی۔

ثروت 'دانیال حسن کے ہروقت کے شک سے تنگ آکر میکے چلی جاتی ہیں۔ انیہا اور ولید کو اپنے والدین کے درمیان کھنچاؤ کا کچھ کچھ اندازہ ہے۔ دانیال حسن 'ثروت کو فون کر کے ملیحہ کی بات کرتے ہیں۔ ثروت کی طبیعت خراب ہو گئی اور انہیں اسپتال میں داخل ہونا پڑا۔

ثمینہ 'ماوی کے سامنے ماضی کے اوراق پلٹتی ہیں۔ وہ اسے بتاتی ہیں کہ جلال اور شبیہہ العباس 'ماوی کے رشتے دار ہی اور یہ کہ ماوی کے باپ 'رجب کو جنت بی بی نے قتل کیا تھا۔ ثمینہ 'ماوی پر زور دیتی ہیں کہ وہ حویلی جا کر جنت بی بی سے انتقام لے۔

شبیہہ ماوی کو بری طرح سے ڈانٹتا ہے تو ماوی اس کی طبیعت صاف کر دیتی ہے۔ ثمینہ سے وہ اس واقعے کا ذکر نہیں کرتی۔ ثمینہ کا روڈ ایکسیڈنٹ ہوتا ہے تو ہاڈی عین موقع پر ان کی مدد کرتا ہے۔ ماوی اور فیضان اس پر ہاڈی کے مشکور ہیں' لیکن وہ اپنا پتا دیے بغیر چلا جاتا ہے' جس پر ثمینہ کو بہت افسوس ہوتا ہے۔ اتفاقاً ان کی ہاڈی سے دوبارہ ملاقات ہوتی ہے۔ ثمینہ اسے گھر بلاتی ہیں۔ ثمینہ 'ثروت کو بتاتی ہیں کہ ان کے شوہر رجب کا بے دردی سے قتل ہوا تھا اور یہ بات ماوی کے علم میں نہیں ہے۔ یہ جان کر انہیں رنج ہوتا ہے۔ شبیہہ کو جب ڈی اپنی ماں اور ثمینہ سے گفتگو کرتا پسند نہیں' جس پر وہ جب ڈی کو تنبیہہ بھی کرتا ہے۔

انیہا دل ہی دل میں فیضان کو چاہتی ہے۔ ثروت کے پہلے شوہر سے نسبت کے باعث دانیال صاحب ثمینہ کی فیملی کو پسند نہیں کرتے۔ ماوی 'ان کی دلچسپی بھانپ لیتی ہے اور فیضان ماما سے رائے لینے کی کوشش کرتی ہے تو فیضان اسے جھڑک دیتے ہیں۔ بھائیوں پر بار نہ پڑے اس لیے ثمینہ 'ماوی کو پاکستان میں مزید پڑھنے کی اجازت دے دیتی ہیں۔ عبیر' نمرہ اور نحوی کو عوش کی غیر اخلاقی اور جرائم پیشہ سرگرمیوں کے متعلق بتاتی ہے تو نمرہ ناراض ہو جاتی ہے۔ عبیر کو اپنی جلد بازی پر افسوس ہوتا ہے' وہ عوش کے متعلق ثبوت اکٹھا کرنا چاہتی ہے۔

زبیدہ کی اچانک موت کو محض جنت کے کہنے پر دین محمد 'بہن زبیدہ کے سر ڈالتا ہے تو سب برادری والے بھی حق دق رہ جاتے ہیں۔ دین محمد کی ماں' پوتوں کے کہنے پر جنت کو بیر صاحب کے پاس لے کر جاتی ہے تو جنت یہ بات برجستہ کہہ کر دین محمد کو بتاتی ہے۔ وہ ماں کو بہن زبیدہ کے یہاں ہمیشہ کے لیے بھیجنے کا فیصلہ سناتا ہے' تو ماں روتے ہوئے اس فیصلے سے باز رکھنے کی کوشش کرتی ہے۔ بہت مشکل سے دین محمد راضی ہوتا ہے۔ دین محمد کے رویے سے جنت کے اندر پنپنے والی منفی شخصیت تڈ توڑ ہو رہی ہے۔

ثمینہ نے بتایا۔ رجب کے مرنے کے بعد جنت بی بی نے ان کے سامنے رجب کی وصیت رکھ دی۔ جس میں انہوں نے اپنی ساری جائیداد جنت بی بی کی سپرد کی میں دے دی تھی۔ وہ ساری جائیداد اٹھارہ برس کی عمر ہونے کے بعد رجب کی بیٹی یعنی ماوی کو منتقل ہونا تھی۔ یہ حقیقت تھی کہ وصیت جعلی تھی لیکن ثمینہ کے اس وقت حالات ایسے نہ تھے کہ وہ جنت کو چیلنج کر سکتیں۔ وہ خاموشی سے حویلی چھوڑ کر اپنے بھائی فیاض کے ساتھ گئیں۔

بعد میں ایک دن جنت بی بی ثمینہ سے ملنے آئی اور انہیں مجبور کیا کہ وہ اس کے بڑے بیٹے سے شادی کر لیں۔ ہونے

مجبور تھا۔ ثمینہ نے انکار کر دیا۔ تب جنت نے بتایا کہ وہ رجب کی ساری جائیداد اپنے نام کرا چکی ہے۔ ساتھ اس نے انکشاف کیا کہ رجب کو اس نے زہر دے کر مارا ہے۔

ثمینہ نے کہا کہ ماوی آرٹس جینئس ہے۔ جنت اس کو ہاتھ بھی نہیں لگا سکتی۔ ایسے ہی حرکت میں آجائے گی۔

ثمینہ نے ماوی سے کہا' وہ اس کی شادی جلال سے طے کر چکی ہیں۔ اسے جلال سے نکاح کرنا ہو گا تاکہ حویلی جا سکے۔ انہوں نے کہا اپنا مقصد حاصل ہونے کے بعد ماوی جلال سے خلع لے لے تاکہ شہوز سے شادی کر سکے۔ شہوز کو کچھ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔

ماوی نے انکار کیا تو ثمینہ نے خواب آور گولیاں کھا کر خودکشی کی کوشش کی۔

ماوی بالآخر ثمینہ کی بات مان کر حویلی چلی گئی۔ جنت بیگم گاؤں سے باہر گئی ہوئی تھی۔ مستقیم بھٹی اور دیگر لوگوں نے ماوی کا کھلے دل سے استقبال کیا۔ وہ سب رجب اور ثمینہ کے ساتھ ہونے والی زیادتی کی تلافی کرنا چاہتے ہیں۔ وہ رجب کی جائیداد ماوی کے نام کرنا چاہتے ہیں۔ تاہم شبیہہ العباس کو یہ منظور نہیں۔ وہ جنت بیگم کے آنے تک کوئی فیصلہ کرنے کے خلاف ہے۔ وہ ماوی کا دشمن ہو گیا اور اس نے اپنی تمام کزنز کو ماوی سے بات کرنے سے منع کر دیا۔ ماوی کو یہ پتا چلا تو اس نے مستقیم بھٹی سے اس کی شکایت کر دی۔ انہوں نے ماوی کے سامنے شبیہہ العباس کو ڈانٹا۔

فیضان ملک میں واپس آگئے۔ وہ سیدھے ثمینہ کی انکیسی پہنچے۔ انیہا نے انکیسی کی چابیاں ان کے حوالے کر دیں۔ مگر ثمینہ کے انکیسی چھوڑ کر چلے جانے کا نہیں بتایا۔

ماوی کو حویلی کے ایک حصے اور ملازمین کے رویے میں عجیب پر اسرار تبدیلی کا احساس ہوا تو اس نے تمام حالات جاننے کے لیے ایک خاص ملازمہ 'تسنیم سے دوستی کر لی۔

وہ جنت بیگم کی حویلی میں واپسی کی شدت سے منتظر تھی' جب ہی ایک صبح اسے شبیہہ کے ساتھ جنت بیگم نظر آئی۔

جنت بیگم کے ساتھ جلال بھی تھا۔ وہ ماوی کو حویلی میں دیکھ کر حیران رہ گیا' تاہم اس نے اپنے تاثرات ظاہر نہ ہونے دیے۔ جنت بیگم نے ماوی کو یہاں دیکھ کر مستقیم بھٹی پر بے حد غصہ کیا۔ جنت بیگم نے تھانے میں ماوی سے حویلی آنے کا مقصد پوچھا تو اس نے صاف کہہ دیا کہ وہ اپنے باپ کے قاتل کا سراغ لگانے اور جائیداد میں سے اپنا حصہ لینے آئی ہے۔ جنت بیگم نے اسے دھمکی دی کہ وہ اسے حریم کی شادی کے بعد حویلی سے باہر نکال دے گی۔

فیضان 'ماوی کی پراسرار گمشدگی سے پریشان ہیں۔ ثمینہ ان سے کہتی ہیں کہ ماوی پاکستان میں ہی ہے لیکن انیہا انہیں بتاتی ہے کہ ثمینہ نے اسے بتایا ہے وہ آسٹریلیا واپس چلی گئی۔

رات کے وقت جلال 'ماوی سے ملنے اس کے کمرے میں گیا تو شبیہہ نے اسے وہاں سے نکلتے ہوئے دیکھ لیا۔

شبیہہ نے جلال سے باز پرس کی تو جلال نے اسے بتایا کہ وہ ماوی سے نکاح کر چکا ہے۔ جب وہ شبیہہ کو یہ بات بتا رہا تھا تو نحوی نے سب کچھ سن لیا۔ اس نے حرم اور عمل کو بھی بتایا مگر انہیں یقین نہیں آیا۔ فیضان کو پتا چل گیا کہ ماوی حویلی میں ہے۔ فیضان 'ثمینہ پر بے حد ناراض ہوئے۔

ماوی نے حویلی کی قابل ملازمہ 'تسنیم کو تیار کر لیا کہ وہ اسے حویلی کے تمام رازوں سے آگاہ کرے گی۔ حرم کی مہندی کی تقریب ہو رہی تھی۔ سب لوگ اس میں مصروف تھے جب تسنیم نے ماوی کو ملنے کا اشارہ کیا۔ ماوی حویلی کے خفیہ حصے میں گیا تو وہاں اسے تسنیم کے بجائے ایک لاغر سا دھانچہ نما شخص کھڑا نظر آیا۔ وہ خوف زدہ ہو گئی۔

وہ تسنیم کا باپ ہوتا ہے۔ تسنیم بتاتی ہے کہ جنت بی بی نے کئی سالوں سے اسے اس کال کوٹھڑی میں بند کر رکھا ہے۔

برابر والے گاؤں کے چوہدری فیاض نے جنت بی بی کی زمینوں کا پانی بند کر دیا۔ یہ قضیہ نمٹانے کے لیے جنت بی بی رجب علی اور رب نواز کو بھیجتی ہے۔ وہاں جھگڑے میں آگر رب نواز پستول نکال لیتا ہے۔ رجب علی منع کرتا ہے اور اس سے پستول چھیننا ہے۔ اس چھینا جھپٹی میں گولی چل جاتی ہے اور چوہدری فیاض کا آدمی ہلاک ہو جاتا ہے۔ رب نواز

"میری ضد میں آپ یہ بات ہمیشہ بھول جاتے ہیں کہ اس گھر میں آپ کے بھی کچھ رشتے بستے ہیں سب سے بڑھ کر آپ کی بہن۔"

وہ کچھ جز بز سا ہو کر خاموش رہ گیا تھا۔

صبا کو اس کی خاموشی نے بہت تسکین دی تھی۔

کہیں تو وہ اسے بھی لاجواب کر سکتی تھی۔ وہ اسی چپ میں کمرے سے نکل گیا۔ اسی خوشی میں صبا نے اپنا پسندیدہ ترین لباس نکال کر پہنا اور ہمیشہ کی طرح سادگی میں اٹھ کر چل دینے کی بجائے بڑی رو میں آ کر ہلکا سا میک اپ کر ڈالا۔ کانوں میں میچنگ زرقون' جڑے بندے اور نیکلس جس نے اس کی صراحی دار گردن کی خوب صورتی کو کچھ اور بڑھا دیا تھا۔ ایک کلائی میں طلائی چوڑیاں اور دوسری میں نوفل کے دیئے ہوئے کنگن۔ لانبے سیاہ بالوں کو گردن پر سمیٹ کر خوب صورت سے کلپ میں جکڑتے ہوئے یونہی پشت پر ڈال دیا اور جھک کر سینڈلز میں پاؤں ڈالنے لی۔ سیاہ بالوں کا آبشار پھسل کر اس کے شانے سے آ گیا تھا۔

اندر آتے نوفل پر بجلیاں سی گریں۔ سینڈلز پہن کر وہ اسٹول پر سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

جلووں نے اہل ہوش کو کیسے شکست فاش دی
آئے تھے ان کو ڈھونڈنے' خود سے بھی بے خبر گئے

بنا دوپٹے کے خود سے لاپروا متناسب سراپا اور خرد سے بے گانہ کر دینے والا جلوہ۔ وہ ایسا دل پھینک یا بے اختیار بندہ نہیں تھا کہ کسی بھی حسن کو دیکھ کر ٹھٹک جاتا۔ مشکل یہ تھی کہ اس لڑکی سے اس نے محبت کی تھی۔ اس کی نظر کے ارتکاز کی "گہرائی" کو سمجھے بغیر صبا اسے دیکھتے ہی اپنے دوپٹے کی طرف لپکی تھی۔ ایک سحر تھا جس کی گرفت سے آزاد ہوا تھا۔ خود کو سرزنش کرتا وارڈ روب کی طرف بڑھا اور اپنے کپڑے نکالنے لگا۔ مگر ایک جھلاہٹ نامحسوس کن طریقے سے اس کے دل و ذہن کا حصار کر چکی تھی۔ وہ اپنے دل کی "طلب" کو اچھی طرح سمجھ رہا تھا اور یہ جھلاہٹ اسی طلب کو بے دردی سے دبانے کا نتیجہ تھی۔

وہ شاور لینے کے بعد کپڑے چینج کر کے باہر نکلا تو وہ کمرے ہی میں موجود تھی۔ سنگل صوفے میں دھنسی ویسی میگزین میں محو وہ جیسے نوفل کی موجودگی سے بالکل بے خبر تھی یا پھر شاید نظر انداز کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ مزید سلگا تھا۔ بال بناتے' پرفیوم چھڑکتے اس کی نگاہ آئینے میں بھٹک بھٹک کر اس کے شعاعیں بکھیرتے رُوپ نے چرائی تھی۔ اس نے پرفیوم کی شیشی ڈریسنگ ٹیبل پر پٹخی تو وہ چونک گئی۔

"چلیئے۔"

سرد مہری سے کہتا وہ کی چین اور موبائل اٹھاتا اس سے پہلے کمرے سے نکل گیا تھا۔

[redacted]

این..... مبارک ہو کس بات کی؟ نوفل چونکا تھا۔

"بتایا نہیں صبا نے تمہیں؟" صالحہ بیگم نے باری باری ان دونوں کے چہروں پر نظر ڈالتے ہوئے پوچھا تو وہ ہنس پڑی۔

"مجھے تو کسی نے کچھ نہیں بتایا' کوئی خوش خبری ہے کیا؟" نوفل کہہ رہا تھا۔ صالحہ بیگم کچھ کہنے کی بجائے صبا کی طرف

"ہاں! میں نہیں جانتی تھی کہ وہ بے وقوف لڑکا اتنا ناکارہ ثابت ہوگا۔"

"آئی ایم سوری ٹو سے ممی! لیکن آپ کو جلال کے لیے اتنے فضول الفاظ استعمال کرنے کا کوئی حق نہیں ہے' جسے آپ ناکارہ کہہ رہی ہیں بے وقوف کہہ رہی ہیں' اسی سے جھوٹ بول کر آپ نے مجھے بھی اسے دھوکا دینے پر مجبور کیا۔ آپ جانتی تھیں میں اس سے محبت نہیں کرتی۔ لیکن آپ نے اس سے جھوٹ بولا کہ میں اس کے عشق میں پاگل ہوں۔ یہ سوچے سمجھے بغیر کہ جلال جیسا شخص کبھی میرے معیار پر پورا نہیں اتر سکتا۔ آپ نے اسے مجھے حویلی تک پہنچنے کا مصدر بنایا جبکہ۔۔۔"

معاً اسے اپنے عقب میں کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تھا۔ وہ لاشعوری طور پر پلٹی اور ٹھٹک گئی۔ دروازے کے قریب جلال کھڑا تھا اور دکھ اور بے یقینی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے عقب میں شبیہہ تھا اور وہ خوں خوار نظروں سے ہادی کو گھور رہا تھا۔

"جلال!۔۔۔" ہادی کے حلق سے بمشکل آواز نکلی تھی۔ جلال تیزی سے پلٹ گیا۔

"تم عورتیں۔۔۔" شبیہہ نے نفرت سے زمین پر تھوک دیا تھا۔ ہادی کو اس کی پروا نہیں تھی جس کی پروا تھی وہ جا چکا تھا اور ہادی کے پاس صرف پچھتاوے رہ گئے تھے فون پر ثمینہ کی آواز مسلسل سنائی دے رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

"انیبا! تم نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا؟" ثروت نے اس سے اگلے دن پوچھا تھا۔

"کس بارے میں ممی؟" انیبا سمجھ تو گئی تھی لیکن اس نے بن کر پوچھا۔

"فیضان کے پروپوزل کے بارے میں پوچھ رہی ہوں۔"

"اوہ اچھا۔۔۔ آپ انہیں انکار کردیں ممی! میں فیضان سے شادی نہیں کروں گی۔" اس نے جتنے آرام سے جواب دیا تھا ثروت کے لیے اس کا جواب اتنا ہی غیر متوقع تھا۔

"کیا کہہ رہی ہو انیبا! تم نے اچھی طرح سے سوچا بھی ہے؟"

"میں نے بہت سوچ سمجھ کر جواب دیا ہے ممی! آپ ڈیڈی کو بھی بتادیں' میرا ابھی شادی کا کوئی ارادہ نہیں ہے میں مزید پڑھنا چاہتی ہوں اور اگلے پانچ چھ سال تک آپ لوگ میری شادی کے متعلق سوچیے گا بھی نہیں۔ ہاں! آپ ڈیڈی سے علیحدگی چاہتی ہیں تو اس فیصلے میں میں آپ کے ساتھ ہوں۔ صرف میں ہی نہیں ولید اور ولی بھی آپ کا ساتھ دیں گے۔ ویسے بھی اس روز اسپتال میں ڈیڈی آپ کو چھوڑنے کا فیصلہ تو حالاً دھورا ہی سہی لیکن سنا چکے ہیں۔ آپ نے ہماری خاطر بہت لمبا تمام گزارا ہے۔ اب آپ کا وقت ہے۔ اپنی زندگی گزار لیں۔ میں آپ سے متفق ہوں۔ آپ کو خود کو مزید ڈی گریڈ نہیں کروانا چاہیے۔"

اس نے اطمینان سے کہا اور سیڑھیاں چڑھ گئی۔ رک کر یہ دیکھنے کی زحمت بھی نہ کی کہ ثروت کے تاثرات کیا ہیں۔

☆ ☆ ☆

رات کی تاریکی میں وہ سر جھکائے چلا جارہا تھا۔ مایوس نا امید۔ اس جواری کی طرح جو نہ صرف زندگی کی بازی ہار گیا ہو' بلکہ اس کی زندگی کا کل اثاثہ بھی چھین لیا گیا ہو۔

اس نے وہاں سے دھوکا کھایا تھا' جہاں سے ہرگز امید نہ تھی۔ اپنے کانوں سے نہ سنا ہوتا تو کبھی یقین نہ کرتا لیکن اب کیا کرتا۔

تھک ہار کر فٹ پاتھ پر گر گیا۔ اس کے دماغ میں جیسے طوفان سا مچا ہوا تھا۔ دکھ یہ نہیں تھا کہ محبت نہیں ملی دکھ یہ تھا کہ اسے اتنا ارزاں سمجھا گیا کہ اس کے جذبات سے کھیلتے ہوئے بھی ایک لمحہ نہ سوچا۔ کیا وہ اتنا بے کار تھا کہ اس سے محبت نہ کی جائے؟ اسے صرف استعمال کیا جائے؟

وہ فاتر العقل نہیں تھا' بے وقوف بھی نہیں تھا۔ صرف سادہ دل تھا سادہ مزاج تھا اور یہی سادگی اس کے لیے عذاب بن گئی تھی۔ ایک وحشی جانور بن کر اس کی ہر خوشی کو کچل گئی تھی۔

سڑک پر ایک گاڑی زن سے گزری۔ اس کا ملبوس پھڑپھڑانے لگا۔

ہادی کی محبت نے اس کی پرسکون زندگی میں بھی ایسے ہی ہلچل مچادی تھی۔ اسے وہ نئی نئی خوشی اچھی لگتی تھی۔ اپنا آپ معتبر لگنے لگا تھا لیکن اب یوں لگ رہا تھا' جیسے زندگی ہی ختم ہوگئی ہو۔

ذلت کے احساس سے آنکھوں میں مرچیں سی چبھنے لگی تھیں۔ معاً اس کا سارا وجود کسی گاڑی کی ہیڈ لائٹ کی روشنی میں نہا گیا۔ آنکھیں بری طرح چندھیا گئیں۔ اس نے سرعت سے آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔ رگ جاں کو کاٹتی اور آنکھوں میں تیرتی نمی آستین میں جذب ہوگئی۔

گاڑی کے ٹائر اس سے کچھ فاصلے پر چرچرا کے رکے تھے۔

"جلال۔۔۔" اس نے شبیہہ کی پریشانی میں ڈوبی آواز سنی تھی۔ پھر بوکھلائے ہوئے قدم اس کی طرف بڑھتے چلے آئے۔

"میں تمہیں کب سے ڈھونڈ رہا ہوں۔۔۔ کچھ احساس بھی ہے میں کتنا پریشان ہوگیا تھا۔"

وہ اس کا بھائی تھا۔ اس کے لیے فکر مند تھا۔ جلال خاموش رہا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو نہیں تھے لیکن ایسی ویرانی تھی جیسے وہ بہت دیر تک رو تا رہا ہو۔

"جلال! کچھ بولو پلیز۔" شبیہہ نے اس کی حالت کے پیش نظر گھبرا کر کہا۔

"کیا بولوں۔۔۔؟ کچھ نہیں ہے بولنے کو۔" جلال نے آہستگی سے کہا۔

"تو کیا اس گھٹیا لڑکی کے لیے۔۔۔" شبیہہ نے غصے سے کہنا چاہا لیکن جلال نے تیزی سے اسے ٹوک دیا۔

"ہادی کے لیے اس طرح کے الفاظ استعمال مت کرو۔"

"میرا دل چاہ رہا ہے' میں اس سے بھی زیادہ برے لفظ استعمال کروں۔"

"نہیں! ہرگز نہیں۔۔۔" جلال کے لہجے میں تڑپ تھی۔ شبیہہ کا دل چاہا اکیسویں صدی کے اس مجنوں کو ایک زوردار تھپڑ رسید کرے۔

"اچھا! اٹھو گھر چلتے ہیں۔" اس نے ہاتھ پکڑ کر جلال کو اٹھانا چاہا لیکن جلال ٹس سے مس نہ ہوا۔

"تم جاؤ شبیہہ! میں ابھی یہیں بیٹھنا چاہتا ہوں۔"

"پاگل مت بنو جلال! آخر کب تک اس لڑکی کے لیے اس طرح سڑکوں پر پھرو گے؟ محبت تو وہ تم سے پھر بھی نہیں کرے گی۔" شبیہہ نے ڈپٹ کر کہا تھا۔

"نہ کرے۔ محبت چاہیے بھی نہیں۔ دکھ تو اس بات کا ہے کہ اس نے میری ذات سے اعتماد بھی چھین لیا۔" اس کا لہجہ اس کے غم کا غماز تھا۔

"پھر بھی تم اس کے لیے یہاں بیٹھے ٹسوے بہا رہے ہو؟ تف ہے تم پر۔" شبیہہ کو زیادہ دیر کسی کا دکھ بانٹنا نہیں آتا تھا۔

"ہاں! تف ہے مجھ پر۔" جلال نے سادگی سے کہا اور حتمی انداز میں اٹھ کھڑا ہوا۔

"چلو! گھر چلتے ہیں۔" وہ گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔ شبیہہ نے دیکھا' دھوکا کھانے کے بعد وہ غم سے نڈھال تھا۔

اس کے طیش میں اضافہ ہوا تھا۔
"عورت ہوتی ہی ناقابل بھروسا ہے۔ چاہے وہ بی جان ہو' میری ماں ہو' ہادی ہو یا ۔۔۔ یا تنوی ہو۔" وہ بھی اسی نتیجے پر پہنچ کر الٹھ کھڑا ہوا تھا۔

☆ ☆ ☆

"تم نے مجھ سے شادی سے انکار کیوں کیا؟"
فیضان نے اسے راستے میں جالیا تھا۔ انیسا جتنا بھی حیران ہوتی کم تھا۔ یہ فیضان کی شخصیت کا کون سا رنگ تھا' وہ قطعی ناواقف تھی۔
"تھی کوئی وجہ۔ اور وہ وجہ میں آپ کو بتانا ضروری نہیں سمجھتی۔"
فیضان اس جواب کی توقع نہیں کررہے تھے۔ ذرا سا حیران ہوئے۔
"تمہیں کوئی حق نہیں ہے کہ میری فیلنگز کے ساتھ کھیلو۔"
"فیلنگز ۔۔۔ کون سی فیلنگز؟" وہ چڑ کر بولی۔ "وہ فیلنگز جن کا اظہار کرکے میں نے آپ سے تھپڑ کھایا تھا۔ یا وہ فیلنگز جن کا احساس دلانے پر آپ نے ہادی سے جھگڑا کیا تھا۔ جب تک میں آپ کے پیچھے بھاگتی رہی۔ آپ کو میری ذرا پروا نہیں تھی اور اب آپ کو اچانک میرا خیال آگیا۔" وہ آج بغیر کسی لحاظ کے اگلے پچھلے حساب برابر کرنے پر تلی بیٹھی تھی۔
"غلط بات ۔۔۔ مجھے پہلے بھی تمہارا خیال تھا۔ اسی لیے کبھی تمہاری حوصلہ افزائی نہیں کرسکا۔ مرد کے لیے کبھی مشکل نہیں ہوتا کہ وہ عورت کے جذبات سے کھیلے۔"
"بہت شکریہ آپ کا' آپ نے نہیں کھیلا لیکن جو کیا' وہ بھی بہت برا تھا۔"
"تو اب تمہارا کیا بدلہ لوگی؟" فیضان نے ہنس کر پوچھا۔ انہیں اس کا رویہ بچپنا لگ رہا تھا۔
انیسا نے کسی قدر خفگی سے انہیں دیکھا اور ناراضی سے بولی۔
"آپ جو بھی سمجھیں۔"
"سمجھنا مجھے نہیں' آپ کو ہے۔" فیضان کے لہجے میں ایسا کچھ خاص تھا کہ انیسا کا دل تیزی سے دھڑکا۔
"میں اپنے ہر رویے کے لیے شرمندہ ہوں انیسا! تم سے نہیں میں دراصل اپنے دل سے بھاگ رہا تھا۔ اس دل کی خوشی سے بھاگ رہا تھا۔ تم مجھے کب اچھی لگیں۔ یہ تو پتا نہیں۔ صرف اتنا جانتا ہوں کہ ایک بار اچھی لگنے کے بعد تم مجھے بری نہیں لگیں۔ مجھے ڈر تھا' ایک بار تمہاری حوصلہ افزائی کردی تو کہیں تم راستے سے بھٹک نہ جاؤ۔ زریں میری پہلی پسند ضرور تھی محبت نہیں' لیکن اسے پسند کرکے بھی میں نے الزام سہا تھا۔ ڈرتا تھا' تم سے محبت کا اعتراف تم کو کسی مشکل میں نہ ڈال دے۔ جنہوں نے ساری زندگی کسی الزام کے بوجھ تلے گھٹ گھٹ کر سانس لیتے گزاری ہو' وہ غیر ضروری حد تک پھونک کر قدم رکھنا سیکھ لیتے ہیں اور نقصان اٹھاتے ہیں جیسے میں اٹھانے والا تھا۔ کیا تم مجھے معاف نہیں کرسکتیں ۔۔۔ کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ ہم دونوں ایک اچھی زندگی گزاریں؟"
انہوں نے لاشعوری طور پر انیسا کی طرف دیکھا۔ وہ رو رہی تھی۔
وہ حق دق رہ گئے۔
"کیا ہوگیا بھئی ۔۔۔ میں نے کوئی غلط بات تو نہیں کردی ۔۔۔ میں تو تمہیں ۔۔۔"
"آپ نے غلط بات نہیں کی ۔۔۔ لیکن اتنا وقت کیوں لگایا؟" اس نے روتے ہوئے چڑ کر کہا۔ فیضان ایک لمحے کو ٹھٹکے پھر ہنس دیے۔

"اچھا! غلطی ہوگئی۔ اس بار معاف کردو۔ اگلی بار کے لیے وعدہ ہے' سچ بات ہمیشہ سچ وقت پر کروں گا اور میرا خیال ہے تم سے یہ کہنے کا اس سے مناسب وقت اور کوئی نہ ہوگا کہ میں تم سے محبت کرنے لگا ہوں۔"
انیسا کے چہرے پر دھنک پھیل گئی۔ محبوب کا اظہار اسے ہوا میں اڑانے کے لیے کافی تھا۔

☆ ☆ ☆

جنت بیگم نے تنوی کو اپنی خاص ملازمہ سلیمہ کے ساتھ قریبی شہر جانے کی اجازت دی تھی' تاکہ وہ اپنی پسند کی خریداری کرسکے۔ ایسا موقع حویلی کی لڑکیوں کو کبھی کبھار ہی نصیب ہوتا تھا' کیونکہ جنت بیگم کو لڑکیوں کا بازاروں میں گھومنا پھرنا کچھ خاص پسند نہ تھا۔ تنوی کو کوئی خاص ضرورت تو نہیں تھی' لیکن جنت بیگم کے اصرار پر جانے کے لیے راضی ہوگئی۔
"کومل کو بھی ساتھ لے جاتے ہیں بی جان! مجھے اکیلے اتنا مزہ نہیں آئے گا۔" اس نے کہا تو جنت بیگم نے کچھ دیر سوچا' پھر کومل کو بھی اجازت دے دی۔
"سلیمہ! دھیان رکھنا۔ میں تنوی کو صرف اس لیے گھومنے پھرنے کی اجازت دے رہی ہوں' تاکہ اس کا ذہن بٹا رہے اور وہ شمیمہ کے بارے میں زیادہ نہ سوچ سکے۔ اور ہاں! کومل اور تنوی کو تنہا نہیں چھوڑنا۔"
جنت بیگم نے بطور خاص سلیمہ کو تاکید کی تھی۔
خدا معلوم' اس کے کون سے خدشات تھے' جو اسے اس طرح کی احتیاط برتنے کے لیے مجبور کررہے تھے۔
تنوی اور کومل کو لطف آرہا تھا۔ یوں ہی ادھر ادھر گھومتے ہوئے انہوں نے ڈھیروں باتیں کرڈالی تھیں۔ تب ہی تنوی کو عبیو نظر آگئی۔
اتنے دن بعد یوں اتفاقاً ملاقات ہورہی تھی۔ تنوی کو بڑا اچھا لگا۔ ایسا محسوس ہوا جیسے اسے اسی مقصد کے لیے بی جان نے بھیجا ہو۔
عبیو نے اسے خوب دیر تک گلے لگائے رکھا۔
"تمہارے بغیر تو کالج میں مزہ ہی نہیں آتا۔ میں تمہیں بہت مس کرتی ہوں۔"
"نمو کیا کررہی ہے آج کل؟" تنوی نے کچھ خیال آنے پر پوچھا تھا۔
"وہی جو پڑھائی سے دل چرانے والی لڑکیاں عموماً کیا کرتی ہیں۔ یعنی گھرداری۔" عبیو نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔
"کیا مطلب؟"
"توبہ ہے بھئی ۔۔۔ تم تو اب تک ویسے کی ویسی ہو ۔۔۔ یعنی نالائق۔" عبیو نے اپنے مخصوص انداز میں کہا۔
"بھئی! اس کی شادی ہوچکی ہے' سو آج کل وہ اپنی کچی پکی ساس کو چاروں شانے چت کرنے کے لیے نت نئے طریقے سوچتی ہے اور شوہر کے کندھے پاؤں دھو دھو کر پیتی ہے۔ بتاؤ! یہ بھی کوئی پینے کی چیز ہے؟"
"ارے! واقعی نمو کی شادی ہوگئی کیا؟ وہ خوش تو ہے؟" تنوی نے خوشگوار حیرت سے پوچھا۔
"خوش کیوں نہیں ہوگی ۔۔۔ ماشاءاللہ اتنی اچھی سسرال ملی ہے کہ بس ۔۔۔ اور شوہر تو اتنا گڈ لکنگ ہے کہ نمو کو ہر وقت نظر کی دعائیں پڑھ کر پھونکنے کی فکر رہتی ہے۔"
"چلو! اچھی بات ہے ۔۔۔ لیکن عبیو! وہ عروش ۔۔۔"
"بھئی! وہ تو پاگل پن تھا۔ اسے بھول ہی جاؤ ۔۔۔"
"لیکن نمو تو کہتی تھی ۔۔۔"

اسے یاد آیا۔ نوفل نے اسے چھوا تھا تو یوں لگا تھا جیسے وہ کوئی نازک [illegible]
ٹوٹ جانے کا ڈر ہو۔
اس کی وارفتگی میں بھی ایک احتیاط تھی۔
اور بے خودی میں بھی ایک دھیان کی سی کیفیت۔
صبا کے ہونٹوں کی مسکراہٹ شرم آگیں تصور سے گہری ہوگئی۔ اس کا جی چاہا' آگے بڑھے اور نوفل کے گھنے بکھرے بالوں میں انگلیاں پھیر کر انہیں اور منتشر کردے اسے محبت سے جگائے' اور دیکھے کہ اب اس کی

ہونا کوئی مشکل بات نہیں۔"

وہ شادی شدہ تھی' ایسی ہی ٹپس دے سکتی تھی مگر ضحیٰ کا تو معید حسن کے بارے میں سوچ کر ہی دل خراب ہونے لگا۔

"ایک بار معید حسن کو اپنی محبت میں گرفتار ہونے دو پھر دیکھنا تمام عمر اس شکنجے سے نہیں نکل سکیں گے۔"

اسے گئی "گر" بتانے کے بعد رائمہ مسرت بھرے لہجے میں بولی۔ تب تک وہ تپتے چہرے کے ساتھ فون بند کرنے کا سوچ رہی تھی۔

"ایسی باتوں سے مردوں کو قابو کیا جاتا ہے؟"

"اپنے مرد کو ایسے قابو میں کیا جاتا ہے۔ ذرا سی ناز و ادا دکھانے میں کیا جاتا ہے۔ دنوں میں وہ گرفتار محبت ہوں گے۔" رائمہ پر یقین تھی۔

اور ادھر وہ تذبذب کا شکار۔

وہ کون سا معید حسن کے عشق میں ڈوبی تھی جو اس کو پانے کے اتنے جتن کرتی۔ وہ تو بس ویرا کی طرح اس کی نظر میں آنا چاہتی تھی۔

اسے اپنے ہونے کا احساس دلانا چاہتی تھی۔

اور بس

اس کا مقصد پورا ہو جاتا۔

فون بند کرنے کے بعد وہ آئینے کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

یہ کھلتی ہوئی رنگت' دلکش کٹیلے نقش' شانوں سے قدرے نیچے تک تراشیدہ سلکی بال۔

اس نے اپنا جائزہ لیتے ہوئے اپنے سیاہ بالوں میں ہاتھ پھیرا۔ پہلے تو انہیں کچھ لمبا کرنے کا جتن کرنا چاہئے۔

وہ جانتی تھی کہ معید حسن کو لڑکیوں کا بالوں کی کٹنگ کرانا بالکل بھی پسند نہیں ہے۔

اب دیکھتی ہوں معید حسن مجھ سے بچ کے کہاں جاؤ گے۔

وہ اپنے جائزے سے سو فیصد مطمئن تھی۔

ویرا تو پانی بھرتی ہے میرے آگے۔

معید حسن تم میری جانب ایک بار' صرف ایک بار لپکو' پھر دیکھنا کیسے تمہیں منہ کے بل گراتی ہوں۔

وہ بے حد تنفر سے سوچ رہی تھی۔

مگر وہ بے وقوف یہ نہیں جانتی تھی کہ محبت فاتح عالم ہے۔ اور اگر وہ اس سحر کا شکار معید حسن سے پہلے ہو گئی تو کیا ہو گا؟

تب وہ بچاؤ کے لئے کون سا در کھٹکھٹائے گی؟

✿✿✿

"ژالے آفریدی شرم کرو! کیوں اپنے روپ کی دشمن ہو رہی ہو۔ بہت بری لگو گی دلہن بن کے۔"

وہ اس کی فون کال پاتے ہی بھڑک اٹھا تو دوسری جانب ژالے نے ہنسنا شروع کر دیا۔

"کیا ہے خان' ابھی سے اتنی رومانٹک گفتگو شروع کر دی۔ پہلے بات تو سن لو۔"

"پھر سے شاپنگ کے لئے جانا ہو گا تو میری طرف سے مکمل انکار ہے۔ شادی کو دن ہی کتنے رہ گئے ہیں۔ کچھ تو اپنے میرے درمیان چارم رہنے دو۔"

وہ تو جیسے بھرا بیٹھا تھا۔

"اوئے ہوئے....." وہ طنزیہ انداز میں بولی۔ "پتہ نہیں جناب کن خوش فہمیوں کا شکار بنے بیٹھے ہیں۔ ایک ذرا سی فون کال کیا ملائی' موصوف ساتویں آسمان پہ جا بیٹھے ہیں۔ خبردار جو میرا شوہر بننے کی کوشش کی تو۔"

آخر میں اس کا انداز ڈانٹنے والا تھا۔

وہ اپنا غصہ بھول کے ہنس دیا۔

"اب جو منصب مل رہا ہے اسی کا رول ادا کروں گا۔"

"اب آئے ہو نا لائن پر۔"

"اب شاپنگ کے لئے مت کہنا۔ میں واقعی شادی کے دن تک تم سے نہیں ملنا چاہتا۔"

وہ سنجیدہ تھا۔

"اف' شموئیل خان' میں تو تمہیں بہت بدھو سمجھتی تھی مگر اندر سے تم بھی "پورے" ہو۔"

وہ ہلکی سی ہنسی کے ساتھ اسے چھیڑتے ہوئے بولی تو شموئیل اس خطاب پر بدک اٹھا۔

"شٹ اپ۔"

"ارے ڈانٹنا بھی آتا ہے تمہیں؟" وہ اسے چھیڑ رہی تھی۔

"ایک بار تم مل لو مجھے پھر بتاؤں گا کہ کیا کیا آتا ہے مجھے۔" شموئیل نے دفعتاً دانت پیس کر کہا تو ژالے کا کھنکھناتا ہوا قہقہہ اس کی سماعتوں میں رس گھول گیا۔

"اب تو بہت جلد تم سے ملنا پڑے گا شموئیل خاناں۔" وہ مدھم لہجے میں کہتی شموئیل خان کو عجیب سے احساسات کا شکار کر گئی۔

اپنی اسی مغلوب سی کیفیت نے اسے خشک مزاجی دکھانے پر مجبور کر دیا۔

"اب اگلے آدھے منٹ میں فون کرنے کا مقصد بتا دو ورنہ میں لائن ڈسکنیکٹ کر دوں گا۔"

"فضول آدمی۔ ڈیڈی جہیز کا سامان بھجوانے سے متعلق پوچھ رہے ہیں کہ کہاں بھجوائیں۔ حویلی یا کہیں اور؟"

ژالے نے فوراً اصل مقصد بیان کیا تو وہ اطمینان سے بولا۔

"جہیز تم نہیں لاؤ گی بلکہ مجھے بابا نے جہیز میں ویل فرنشڈ کوٹھی دی ہے۔ جس میں تم رخصت ہو کے جاؤ گی۔"

"پھر بھی شموئیل تمہارے گھر والے۔"

وہ اسے سمجھانے والے انداز میں کہنے لگی تھی کہ شموئیل اس کی بات کاٹ گیا۔

لے جانے کا کہیں تو میں ریوالور نکال لوں۔ میں ڈر گئی تھی جلال بھائی! لیکن میں قسم کھا کر کہتی ہوں مجھے نہیں پتا ریوالور کیسے چل گیا مجھے چلانا نہیں آتا۔ میں تو صرف ان کو ڈرانا چاہتی تھی۔ پتا نہیں کس نے ریوالور کا کچھ ہٹا دیا تھا۔" وہ روتے ہوئے بتا رہی تھی۔

جلال نے دیکھا اس کے چہرے پر مار پیٹ کے نشان تھے۔ بلاشبہ جنت بیگم نے اسے بری طرح زدوکوب کیا تھا۔

"لیکن تم نے ریوالور نکالا ہی کیوں؟ کیا تم جانتی نہیں تھیں شبیہہ کو۔ وہ لاکھ غصہ میں سہی لیکن تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا۔"

نحوی اور شدت سے رونے لگی۔

"میرے ساتھ تو بی جان نے بھی کبھی برا نہیں کیا تھا۔ تو پھر اب۔۔۔ میں کس پہ بھروسا کرتی۔ مجھے تو دونوں عزیز ہیں۔ لیکن میں نے بی جان کی باتوں میں آکر شبیہہ کو مار دیا انہیں۔" وہ اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔ جلال اس انکشاف پہ سکتے میں آگیا تھا۔ اس کے تاسف میں اضافہ ہوا۔

"شبیہہ ٹھیک ہے نحوی! اور تم گھبراؤ نہیں۔ میں سب سنبھال لوں گا۔ اٹھ کر منہ ہاتھ دھو۔ اپنا حلیہ درست کرو اور جو سامان سمیٹنا ہے سمیٹ لو۔ ہمیں ابھی یہاں سے نکلنا ہے۔" جلال نے پیار سے کہا۔

"جلال بھائی۔۔۔"

"میں اسے کہیں نہیں جانے دوں گی جلال!" جنت بیگم چیل بن کر نحوی پر جھپٹی تھی۔ "قتل کر دیا اس نے میرے شبیہہ کو۔ میں مار ڈالوں گی اسے۔"

جلال نے بمشکل جنت بیگم کو نحوی سے الگ کیا۔ نحوی بے دم ہو کر زمین پر گر گئی تھی۔

"آخر آپ سمجھتی کیوں نہیں ہیں؟" جلال نے انہیں جھنجھلا دیا۔ "اپنی ضد کے ہاتھوں آپ نے سب برباد کر دیا۔ کتنی زندگیاں ہیں جو آپ نے تباہ کیں۔ ہم سب کو ایک ابنارمل زندگی گزارنے پر مجبور کرتی رہیں۔ انسان تھیں لیکن خدا بن کر اپنے اردگرد رہنے والوں کی زندگیوں کا فیصلہ کرتی رہیں۔ آپ کیوں بھول گئیں بی جان! کہ آسمان پر ایک معبود بھی رہتا ہے۔ آپ کو ڈر نہیں لگا کبھی اس سے۔؟ ہمیں ہمارے ماں باپ کو ایک بڑی سی سزا دی آپ نے۔ اور سب کو چھوڑ دیں۔ شبیہہ اور نحوی کے ساتھ کیا کیا آپ نے؟ شبیہہ کو اس کی ماں کے اتنا خلاف کر دیا کہ وہ ان کی عزت نہیں کیا تا۔ اپنی ماں کو بدکردار سمجھتا رہا کہ انہوں نے نہ صرف بھاگ کر شادی کی بلکہ نکاح پر نکاح کرنے کا گناہ بھی سرزد کیا۔ ثروت آنٹی کے شوہر کو غلط سلط باتیں بتا کر ان کی شادی شدہ زندگی برباد کی۔ ان کے شوہر سمجھتے رہے کہ وہ اب بھی مستقیم بھٹی سے ملتی ہیں۔ نحوی کا کیا حشر کیا آپ نے؟ ہوری سی بے کار شخصیت بنا دیا اسے۔ ہادی نے بے شک آپ پر غلط الزام لگایا لیکن اس الزام کے پیچھے بھی آپ کا ہاتھ تھا۔ آپ نے اس کے باپ کو اپنے طعنوں سے اتنا چھلنی کر دیا تھا کہ وہ خودکشی پر مجبور ہو گئے۔ پھر آپ نے سچ کو بھی چھپایا۔ آپ نے کبھی کیوں نہیں سوچا کہ آپ کو ذہنی معذور اولاد دے کر اللہ سدھرنے کا موقع۔۔۔ دیا ہے۔ آپ غلطیوں پر غلطیاں کرتی رہیں۔ کبھی یہ نہیں سوچا کہ اللہ کو کیا منہ دکھائیں گی۔ اپنی محبت میں مبتلا ہو کر آپ کیوں بھول گئیں کہ آپ کو جو اختیارات ملے ہیں وہ اللہ کے اختیارات سے زیادہ ہرگز نہیں ہیں۔"

جنت بیگم کو کسی نے پہلی بار آئینہ دکھایا تھا۔ وہ خاموشی سن رہی تھی۔

جلال نے خود بھی بے دم ہو کر سر پکڑ لیا تھا۔ معاً اس کی نگاہ نحوی پر پڑی۔ وہ ہوش و خرد سے بے گانہ فرش پر پڑی ہوئی تھی۔ جلال تیزی سے اس کی طرف لپکا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)



دولت کسی کے ساتھ ہے، طاقت کسی کے ساتھ
تیرے ہیں جو، انہیں نہیں نسبت کسی کے ساتھ

کہنے کو سب کے ایک سے نقش و نگار ہیں
ملتی نہیں کسی کی بھی صورت کسی کے ساتھ

سورج کا راستہ نہیں رکتا کسی سے بھی
کب تک چلے گی رات کی ظلمت کسی کے ساتھ

ہوتی ہے اس کے دل کو کسی اور کی طلب
دکھتی ہے عمر بھر اسے قسمت کسی کے ساتھ

اہلِ نظر کے بخت میں کس نے یہ لکھ دیا
رہنا کسی کے ساتھ، محبت کسی کے ساتھ

شاہد ہے روز و شب کے صحیفے کا ہر ورق
رہتی نہیں ہے مانگے کی عزت کسی کے ساتھ

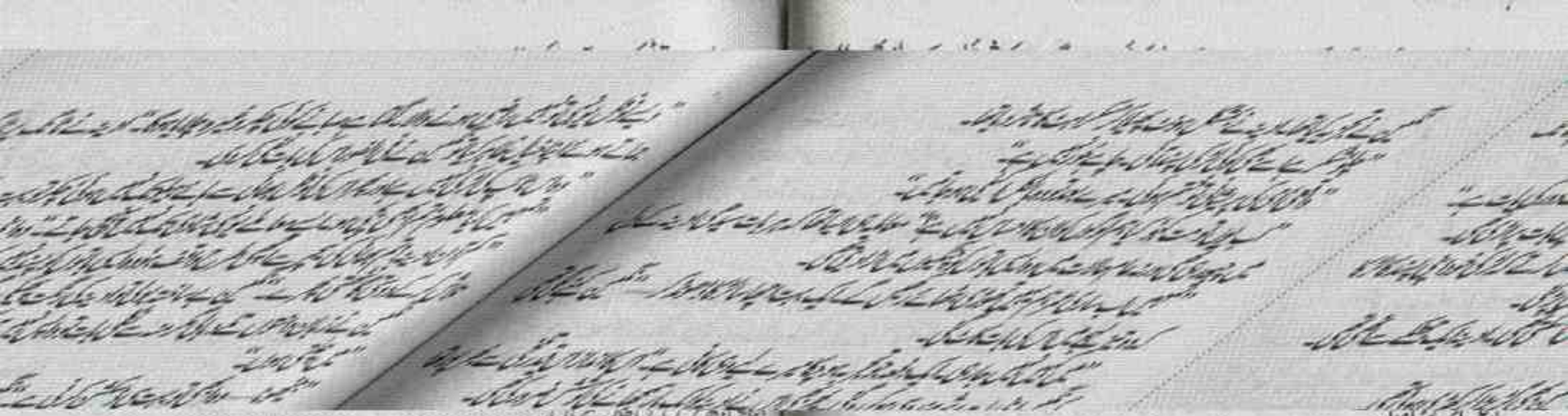
ہر شے ہے ایک دوجے سے امجد جڑی ہوئی
پھر بھی نہیں، کسی کو بھی نسبت کسی کے ساتھ

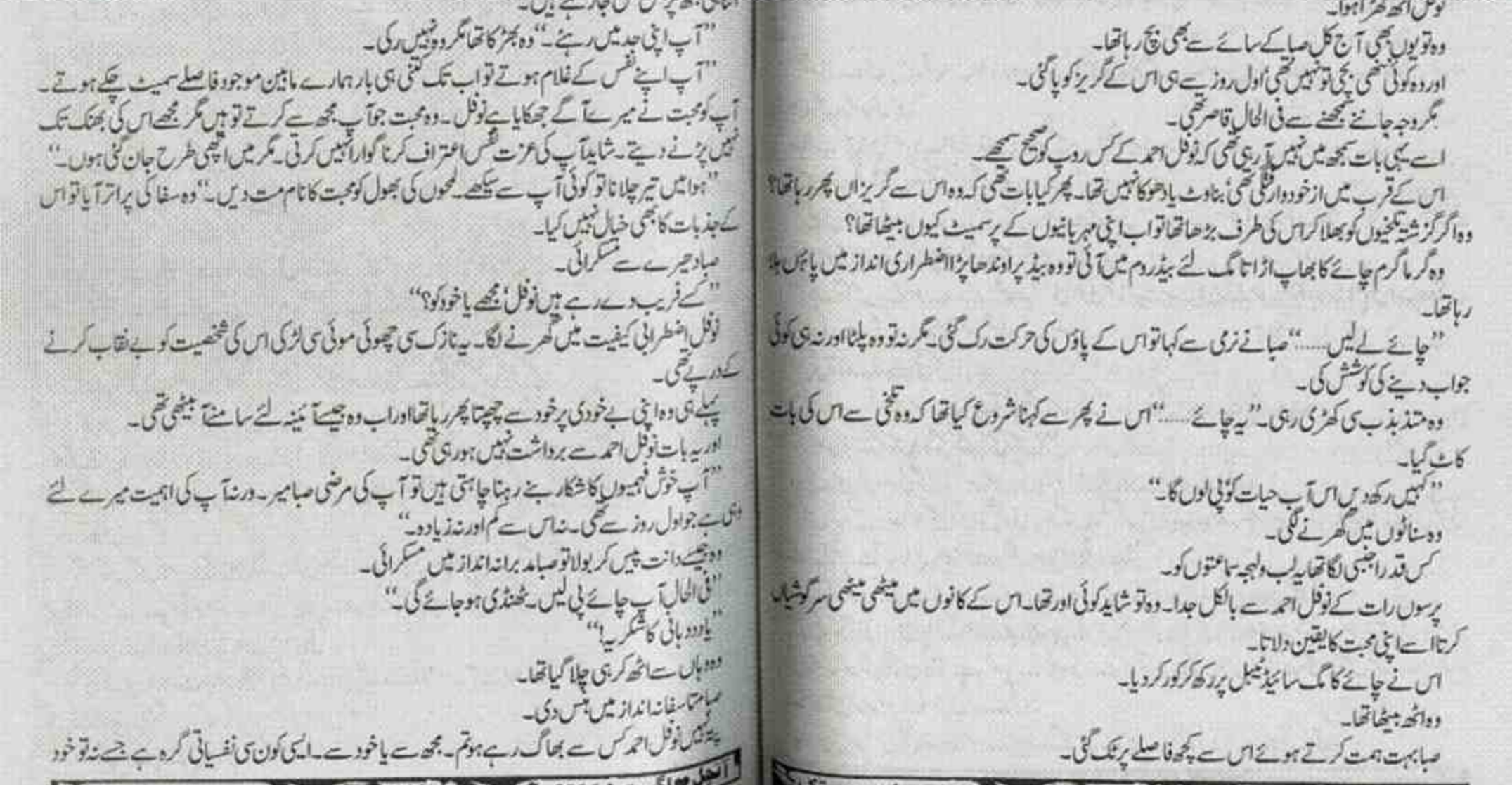
امجد اسلام امجد

سالِ نو،

نئی صبحیں، نئی شامیں، نئے لمحے، نئے ساتھی
مگر اک میں
کہ جو ویسے کا ویسا ہوں
فراتِ وقت پہ بکھرے
گزشتہ سال کی ساری
ادھوری خواہشوں کے
اَن گنت ٹکڑوں کو چنتا ہوں
انہیں اک ایک کر کے جوڑتا ہوں
شکل دیتا ہوں
میں پھر اک خواب بنتا ہوں ۔۔۔!!!

امجد بخاری





URDU PIOTO

"اپنے کمرے میں ہے۔" وہ آہستگی سے بولیں۔
یکدم اسے کسی غیر معمولی پن کا احساس ہوا۔ اس نے ماں کا چہرہ غور سے دیکھا۔
"امی!"
انہوں نے نگاہیں چرائیں۔
"امی....!" شہلا نے کپ میز پر رکھ دیا۔ "ادھر دیکھیں میری طرف۔"
"شہلا.... بیٹا وہ.... ذرا غور سے میری بات سنو۔" وہ بے بسی سے بالآخر گویا ہوئیں۔
"امی.... عمر کہاں ہے؟" اس نے ان کے ہاتھ تھام لیے۔
"بیٹا وہ.... آج دوپہر اس کے اسکول سے پرنسپل کا فون آیا تھا۔"
شہلا کا چہرہ پتے کی طرح سفید پڑ گیا۔ منیزہ بیگم کے ہاتھوں پر اس کے ہاتھوں کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی تھی۔
"عمر۔" اس کے لب کانپے تھے "کہاں ہے وہ؟"
"اس کا باپ اسے لے جانا چاہتا تھا.... اس کی پرنسپل نے یہی کنفرم کرنے کے لیے یہاں فون کیا تھا کہ آیا...."

اس کے ذہن کے پردے پر تصویریں بن اور بگڑ رہی تھیں۔
وہ بند آنکھوں کے پیچھے آباد ایک جہان سے گزر رہی تھی۔
کتنی ہی لاتعداد بے شمار تصاویر تھیں۔ متحرک تصاویر مربوط اور غیر مربوط۔
اس کا چھوٹا سا صحن تھا جس میں ہار سنگھار کا درخت تھا۔ اس کے پھول ربیعہ کے اوپر گر رہے تھے۔ ربیعہ ہنس رہی تھی۔ صحن میں بچھی چارپائی پر دادی اور نفیسہ خالہ بیٹھی تھیں۔ وہ بھی ربیعہ کی خوشی میں خوش نظر آ رہی تھیں۔

سمیعہ نے دیوار پر چڑھ کر اسے اشارے کرنے شروع کر دیے۔ ربیعہ اس کے اشارے سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ یکایک دروازے پر عرفان شوکت نمودار ہوا تھا۔ اس کے ساتھ حاکم چچا تھے۔ ان دونوں کے چہرے سخت اور آنکھیں لال تھیں۔ ربیعہ کو ان کے ارادے ٹھیک معلوم نہ ہوتے تھے۔ وہ ڈر کر بھاگی تھی۔ ٹرین کے پہیے بہت بڑے بڑے تھے۔ ربیعہ کو ان آہنی پنجوں سے خوف محسوس ہوا۔ دفعتاً ریل گاڑی چنگھاڑی۔ ربیعہ کی آنکھ یک لخت کھل گئی۔ اس کا حلق خشک ہو رہا تھا۔ ماتھے پر پسینے کا احساس تھا۔ اسے کچھ سرگوشیاں سنائی دیں۔ کوئی کمرے

"یوم سیاہ مبارک ہو بھئی۔" وہ بہت خوش دلی سے کہتا اسے حیران کر گیا۔
"وہ تو انتیس اکتوبر کو منایا جاتا ہے وہ بھی کشمیر میں۔"
"پپی برتھ ڈے گڈ گرل۔" وہ اب جیسے اس کی ناسمجھی سے لطف اٹھا رہا تھا۔ صبا کے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔ حسب عادت وہ اس بار بھی اپنا برتھ ڈے بھول گئی تھی۔
مگر یہ عماد..... اس کا ذہن تو جیسے کمپیوٹر تھا خاص طور پر سب کی سالگرہوں کے حوالے سے۔
ہمیشہ سب کے برتھ ڈے پر "میرے ہاؤس" میں عماد ہی کی "وشنگ بیل" سب سے پہلے گونجتی تھی۔ اس کے موبائل میں سب خاص مواقع کی تاریخیں فیڈ تھیں۔
"اور کسی نے تو ابھی وش نہیں کیا نا؟" وہ متفکرانہ انداز میں پوچھ رہا تھا۔ صبا کو ہنسی آ گئی۔
"بے فکر رہیں آپ ابھی تک ریکارڈ ہولڈر ہیں۔ آپ کا یہ ریکارڈ کوئی بھی نہیں توڑ پایا ہے۔"
"چہ..... چہ....." عماد کو جیسے تاسف ہوا تھا۔
"یعنی کہ نوفل احمد کا شمار بھی "بے خبر" بندوں میں ہوتا ہے۔"
"اب ہر کوئی آپ کی طرح فارغ و فالتو تو نہیں بیٹھا ہوتا نا۔" وہ ہنسی دباتے ہوئے کہہ رہی تھی۔
وہ ثانیہ بھر کو چپ رہ گیا پھر جیسے بڑی خفگی سے بولا۔
"یہ فارغ تک تو ٹھیک تھا میں برداشت بھی کر لیتا۔ مگر یہ فالتو کا طعنہ سیدھا میرے دل پہ آ کے لگا ہے۔"
صبا نے بے ساختہ بلکا سا قہقہہ لگایا تھا مگر پھر ساتھ ہی اپنی صلح جو یانہ فطرت کے تحت دوستانہ انداز میں بولی۔
"سوری عماد بھائی دراصل مریم پھوپو سے آپ کے متعلق اتنا کچھ سنا ہے کہ بعض اوقات وہی زبان پر آ جاتا ہے۔"
"شاباش بہت اچھا انداز معذرت ہے۔" عماد نے گہری سانس بھری تھی۔
"[illegible] کے جذبات کا بھی [illegible]
"صرف شکریہ کہنے سے کام نہیں چلے گا۔ کوئی پارٹی وارٹی دو سیلیبریشن ہونی چاہئے بھئی۔" وہ دھونس جماتے ہوئے کہہ رہا تھا۔
اور ایک عماد ہی پہ کیا موقوف یہ بھی لڑکے ایسے تھے۔ ذرا ذرا سی خوشی کو کھلے دل سے منانے والے بلے بلے کے شوقین۔ مگر صبا ہر بار کی طرح پہلو بچانے لگی۔
"آپ کو اچھی طرح پتہ ہے کہ میں ان فضولیات میں نہیں پڑتی۔"
"بہت خوب یعنی شادی کے بعد محترمہ صبا میر صاحبہ بہت توپ چیز ہو گئی ہیں اور ہم اور ہمارے شوق فضولیات۔"
عماد تو جیسے تڑپ ہی اٹھا تھا۔ صبا سٹپٹا گئی۔
"یہ تو نہیں کہہ رہی میں۔"
"خیر تمہارا انداز تو یہی تھا۔"
"اوفوہ بھئی میرا مطلب تھا کہ آپ جانتے ہیں مجھے بچوں کی طرح برتھ ڈے منانے کا کوئی شوق نہیں۔ یہ تو کسی کا شوق ہے۔" اس نے عماد کو راضی کرنے کی کوشش کی تھی۔
"صرف کسی کا نہیں بلکہ سب انسانوں کا ہوتا ہے سوائے تمہارے۔" اس نے صبا پر حملہ کیا تھا۔ اس کے روٹھے انداز سے محظوظ ہوتے ہوئے وہ جیسے ہار کر بولی۔
"اچھا اب سیدھی بات کریں چاہتے کیا ہیں؟"

"تم صرف اچھی سی سیلیبریشن کا اہتمام کرو۔ پارٹی میرے ذمہ ہے۔" وہ بڑے فراخدلانہ انداز میں کہہ رہا تھا۔
"مائینڈ یو عماد بھائی۔ اب میں ایک عدد شوہر کی مالکن ہوں۔" وہ مسکرا کر بولی تو عماد نے فوراً پوچھا۔
"کیا نوفل کی طرف سے پارٹی کی آفر موجود ہے؟"
اب کی بار وہ گڑبڑائی تھی۔ بھلا نوفل کو اس کے پیدا ہونے یا نہ ہونے سے کیا فرق.....
"وہ بھی میری طرح یہ "شغل" نہیں رکھتے۔" وہ مزاح میں بات ٹال گئی تھی۔
"تو پھر ہم بھائیوں کی طرف سے سہی۔ باقی سب پوسٹی کہاں ہیں؟" وہ اطمینان سے پوچھ رہا تھا۔
"ابھی تو ساڑھے آٹھ بجے ہیں۔ چھٹی کا فائدہ اٹھا کر سبھی سو رہے ہیں سوائے معید بھائی کے۔" صبا نے بتایا تو وہ جیسے چڑ کر بولا۔
"یہ جو بندہ ہے جامعہ حسن [illegible] ہی بنا رکھی ہے۔ اب دیکھو خود بھوکا [illegible] کمپنیشن بات بات پر معید کی مثال موجود۔"
"جیلس ہو رہے ہیں اس بھائی کی طرح؟" صبا نے لطف اندوز ہوتے ہوئے پوچھا تھا۔
"بالکل ہو رہا ہوں۔" وہ فوراً بولا تھا۔ "اب یہی دیکھو میں تو صرف تمہیں برتھ ڈے وش کرنے کے لئے جلدی اٹھ گیا وہ بھی موبائل پر لگے الارم کی وجہ سے اور پھر سو جاؤں گا مگر یہ بندہ تو جیسے سورج کے ساتھ شرط باندھ کے سوتا جاگتا

میڈیکل سائنس کہتی ہے کہ ہیپاٹائٹس بی اور سی کا علاج نہیں
حدیث پاک میں ہے کہ [illegible]

ہیپاٹائٹس بی اور سی
کا علاج ہم بھی کرتے ہیں
15 سے 90 دن کے دوران ہیپاٹائٹس بی اور سی کی ناکام ve- ہونے والی رپورٹس ملک کی نامور لیبارٹریوں سے ملاحظہ کی جا سکتی ہیں

ہیپاٹائٹس
ایک خطرناک، خاموش اور مہلک بیماری ہے
اس کے علاج میں لاپرواہی نہ کریں

کیا آپ کے ساتھ کوئی دل کا معاملہ ہے؟
آرٹریز کی بلاک دل کے اندر کا ایک حصہ
دل کا حصہ جاں دل کا تیز دھار کنارہ
ہیپاٹائٹس بی اور سی کا علاج ممکن ہے

ہو سکتا ہے ہومیو ادویات کے استعمال سے دل کے بائی پاس کی ضرورت ہی نہ رہے

مزید تفصیلات کیلئے (ہومیو پروفیسر ڈاکٹر آر اے امتیاز ایم اے۔ ڈی ایچ ایم ایس)
گولڈ میڈلسٹ
811 بلاک (نزد گلشن اقبال پارک پٹرول پمپ) اقبال ٹاؤن لاہور
ماہر امراض دل و جگر (ہیپاٹائٹس)
فون: 042-7831011, 042-7830994 موبائل 0300-4212350
Web: www.imtiazmedicalcomplex.com E.mail: doctorraimtiaz@yahoo.com
فون 051-4560212 0320-4656758 0300-4212350
[illegible] 4thB

ہے اب کوئی پوچھے کہ چھٹی والے دن اتنی صبح جاگنے سے کیا حاصل؟"

"آپ نے پڑھا سنا نہیں عماد بھائی۔ صبح سویرے اٹھنے والے پرندوں ہی کو رزق ملتا ہے۔" وہ مدبرانہ انداز میں بولی تو عماد نے اطمینان سے کہا۔

"میری تھیوری تم سے ذرا مختلف ہے۔ جو کیڑے مکوڑے بے چارے جلدی اٹھتے ہیں ان کا کیا قصور۔ ان کا حال دیکھو اور جلدی اٹھنے پر۔ کسی نہ کسی پرندے کا رزق بن جاتے ہیں۔"

صبا کو بڑے زور کی ہنسی آئی تھی۔

"آپ بھی نا عماد بھائی حرفوں کے بنے ہوئے ہیں۔"

"چلو پھر شام کو ملاقات ہوتی ہے۔ چھ بجے میں وہاں موجود ہوں گا۔ تم سب کو انفارم کر دینا۔" وہ اب فون رکھنے کو تھا۔

[redacted]

"ابھی لان میں بیٹھا یہی کام کر رہا تھا۔"

"صبح صبح لان میں؟ اب تو اتنی ٹھنڈ ہوتی ہے معید بھائی۔" اس نے اخبار کی چیدہ چیدہ سرخیوں پر نظر دوڑاتے ہوئے کہا تو وہ ریلیکس ہو کر صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"مگر سانس لینے کا مزہ اسی فریش ایئر میں آتا ہے۔"

صبا کو کچھ یاد کر کے ہنسی آئی تھی۔

وہ متوجب سا اسے دیکھنے لگا۔ صبا نے اخبار لپیٹ کر سینٹر ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔

"ابھی چند منٹ پہلے عماد بھائی کا فون آیا تھا۔"

"ڈونٹ ٹیل می وہ کب اٹھتا ہے اتنی جلدی وہ بھی چھٹی والے روز۔" معید نے مسکرا کر کہا تھا۔

"یہ ان کی سحر خیزی کی عادت نہیں بلکہ ان کی شوقین طبیعت کا کمال ہے۔ مجھے برتھ ڈے وش کرنے کے لئے جناب نے اپنی قیمتی نیند کی قربانی دی تھی۔" صبا نے محظوظ ہوتے ہوئے بتایا۔

"اوہ۔" معید کو جیسے خوشی کے ساتھ ساتھ تاسف نے بھی گھیرا تھا۔

"آئم سوری صبا۔ پچھلے سال میں نے سوچا تھا کہ میں تمہیں سب سے پہلے وش کروں گا۔"

"یہ کون سا میرا تھن ریس ہے جس میں فرسٹ آنا انتہائی ضروری ہے۔" وہ ہنس دی تھی۔

"اٹس اوے۔ یہی برتھ ڈے۔ اور تحفہ تمہاری پسند کا۔" وہ بہت کھلے دل سے بولا تو جانے کیا سوچ کر اس کا دل بھر آیا۔ کاش کہ نوفل احمد یہاں ہوتا اور دیکھتا ان محبتوں کو جن کی وہ عادی رہی تھی۔ ان چاہتوں کو جو بنا کسی شعوری کوشش کے اس کا نصیب تھیں۔

"بس آپ کی دعائیں چاہئیں معید بھائی۔ بہنوں کے لئے اس سے بڑھ کر اور کوئی تحفہ نہیں ہوتا۔" بہت ضبط کرتے ہوئے اس کی پلکیں نم ہونے لگی تھیں۔

"پھر بھی گڑیا۔" معید نے بصد اصرار کہنا چاہا پھر کچھ سوچ کر بولا۔

"آج ہم سب کسی ہوٹل میں اچھا سا ڈنر رکھ لیتے ہیں میری طرف سے۔"

"پھر کمپنی گیسٹن....." صبا کو بے ساختہ ہنسی آ گئی۔ عماد کی بات نے اس کے غمزدہ تاثرات کو دھوئیں کی طرح اڑا دیا تھا۔ وہ معید کو ساری بات بتانے لگی۔ وہ بھی ہنسنے لگا تھا۔

"اب آپ ڈنر کا اہتمام کریں گے تو ان کی پارٹی کا کیا ہوگا جس میں وہ بہت بڑا گلہ کرنا چاہتے ہیں۔ یہ تو آپ پھر کمپنسیشن کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں ناں۔" صبا مزاح کے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

وہ سب معید ہی سے نہیں بلکہ آپس میں ایک دوسرے سے بہت سچی محبت اور کھرے جذبات رکھتے تھے چاہے ایک دوسرے کے متعلق سنجیدہ منٹس ہوتے یا مذاق کی بات ہوتی سبھی اس کی پازیٹو سائیڈ دیکھتے تھے اور یہی مثبت سوچ ان کے باہمی تعلقات میں مضبوطی اور محبت کا باعث تھی۔ ابھی بھی عماد کی باتوں کو معید نے بہت انجوائے کیا تھا۔

اور پھر فوزیہ شامی کی آمد کی خبر سے [redacted]

[redacted]

اس کا صرف ایک ہی کس ہے کہ ان کے پرس میں کی تمام تحریریں صاف کر دی جائیں۔ حمزہ فون ہی چھپے رہ جانے کا غم ستا رہا تھا۔

"اس کا کیا ہے وہ کیلنڈر پر نشان لگانا شروع کر دے گا۔" انس نے لقمہ دیا تھا۔

"اچھا ہے نا۔ کچھ تو یاد رکھتے ہیں ناں۔ اور پھر ویسے بھی خود سے زیادہ دوسروں کی خوشی یاد رکھنے اور سیلیبریٹ کرنے والے انسان بہت مخلص ہوتے ہیں۔"

نگین نے کہا تو انس تڑپ اٹھا جیسے اس کی بات پر۔

"دیکھا ہمیشہ کمزور جگہ پر ہی وار کرتی ہو۔ جانتی ہو نا مجھے ڈیٹ یاد نہیں رہتی۔"

"بالکل۔ بھابی اس بات کے گواہ تو ہم سب بھی ہیں۔" حمزہ نے فوراً بڑے بھائی کی سائیڈ لی تو نگین بھولپن سے کہا۔

"واقعی۔ کئی بار تو ان کو "ڈیٹ" پر جانا ہوتا تھا مگر وہ ڈیٹ ہی انہیں یاد نہیں رہتی تھی۔"

"یہ تو جب بھی بولتی ہے چھپر پھاڑ کے ہی بولتی ہے۔ سمجھا لو اسے معید۔" انس نے اسے خونخوار نظروں سے دیکھتے ہوئے یکلخت ہی معید کو بیچ میں گھسیٹ لیا تھا جو ہنسی کو سخت ناگوار گزرا۔

"میں کیوں بھئی.....؟" معید نے استعجابیہ انداز میں جھٹکوں کو جنبش دیتے ہوئے پوچھا تھا۔

"اوہ....." انس جیسے چہک کر بولا تھا۔

"اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا
پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے؟"

اس کے یوں شعروں کا قلع قمع کرنے پر بے ساختہ سب کی ہنسی اُبھری تھی جبکہ معید خفیف سا اسے گھورنے لگا۔

"کیا بکواس ہے۔" اندازہ یہی تھا کہ بس اب چپ ہو جاؤ مگر بڑوں کی غیر موجودگی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے انس ان دونوں کو رگیدنے کے موڈ میں تھا۔

"بھئی "انتہائی مستقبل قریب" میں ہم ان محترمہ کی باگ ڈور تمہارے ہاتھ میں تھمانے والے ہیں۔ نصف بہتر تلاش کر دے ہیں باقی کی نصف تم بہتر بنا لینا۔ مگر شروعات ابھی سے کر لو۔"

دیکھے گی وہ ٹھیک ہو جائے گی۔ اب تک تو وہ یہی سمجھ رہی ہے کہ اس نے شبیہہ کو قتل کر دیا ہے۔"

"اور اگر شبیہہ کو ہوش نہ آیا تو۔۔۔" سعدی نے کہا تھا اور جلال چپ کا چپ رہ گیا۔ یہ وہ اپنے سر پر سنسناتا ہوا پہلو تھا جس پر اس نے تو کیا کسی نے بھی نہیں سوچا تھا۔

"ایسا مت کہو۔"

"اچھا تو گھر چلتے ہیں۔" ایک لمبی چوڑی بحث کے بعد مسعود عرف سعدی نے کہا تھا۔ جلال نے اس بار اس کی بات مان لی تھی لیکن اس کی آنکھیں جل رہی تھیں' اس نے بنا کچھ کہے گاڑی بڑھا دی تھی اور بے مقصد بار بار سے بھیگی سڑکوں پر دوڑاتا رہا۔ اسے بار بار رحمت اللہ کا کہنی لہجہ یاد آ رہا تھا۔

"میری زندگی کی غلطی ہے صاحب! بچوں کی لڑائی میں خود کود پڑی۔ پڑوسیوں نے غصے میں آکر پولیس کو اطلاع دے دی کہ فلیٹ نمبر بارہ میں کوئی عورت چیختی رہتی ہے۔ پولیس آئی تو بی بی صاحب نے انہیں سب سچ بتا دیا۔ معاف کر دو صاحب! ہم سے آپ کا نقصان ہوا مگر آپ تو مالی باپ ہو۔ آپ نے ہی سر سے ہاتھ اٹھا لیا تو کسی عورت کو گھر میں چھپا کر رکھنے کے الزام میں ہم غریب دھر لیے جائیں گے۔"

وہ روتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا۔ جلال نے زور زور سے آنکھیں جھپک کر آنسوؤں کو چھلکنا چاہا مگر سینے میں کرب کے بھنور چلنے لگے تھے۔ حلق میں سسکیاں اودھم مچا رہی تھیں۔ آنکھوں میں کرچیوں کی چبھن بڑھنے لگی تھی۔

شبیہہ اور نتوی دونوں ہی اسے بہت عزیز تھے۔ خدانخواستہ شبیہہ کو کچھ ہو جاتا تو نتوی کا بچنا مشکل تھا' وہ بھی اس صورت میں جبکہ وہ اقبال جرم کر چکی تھی۔ یہ کچھ معینہ چشم دید شبیہہ کو گولی لگی تو ان سب کے منع کرنے کے باوجود جنت بیگم نے پولیس کو اطلاع دے دی تھی۔ اس وقت سے اب تک وہ سب نتوی کو چھپاتے پھر رہے تھے کیونکہ اس کی ذہنی حالت ایسی تھی کہ وہ ہر ایک کے سامنے اپنے جرم کا اعتراف کرنے بیٹھ جاتی تھی۔ اس نے شبیہہ کو خون میں لت پت زمین پر پڑا دیکھا تھا اور یہ تصور کر لیا تھا کہ وہ مر چکا ہے۔ سارے فساد کی جڑ بس یہی ایک خیال تھا۔

☼ ☼ ☼

جس وقت اس کی آنکھ کھلی' کمرے کے چھوٹے سے روشن دان سے اندر آتی مٹھی بھر روشنی اپنی چمک بتدریج کھو رہی تھی اور آسمان کا وہ ٹکڑا جو اس روشن دان سے دن بھر بنا کسی وقت کے دکھائی دیتا رہتا تھا' سیاہ پڑنے لگا تھا۔

یکایک اسے احساس ہوا۔ آنکھیں پوری کھلی ہونے کے باوجود سامنے کا منظر واضح نہیں ہے۔ وہ ٹھیک سے دیکھ نہیں پا رہی۔ سامنے رکھا ہوائی وی' میز پر دھرا گل دان۔ دیوار پر لگی اس کے شوہر کی تصویر' کھڑکی کے پردے۔۔۔ ہر منظر۔۔۔ ہر منظر دھندلا تھا۔

اسے کچھ بھی واضح طور پر نظر نہیں آ رہا تھا۔ شاید۔۔۔ شاید وہ اندھی ہو رہی تھی۔ یہ خیال آتے ہی اس کے دل میں دہشت پیدا ہوئی اس نے پوری طاقت کے ساتھ اپنی آنکھوں کو جھپکا تھا۔

بصارت لوٹ آئی دھند چھٹ گئی۔ تصویر کے نقوش ٹی وی اسکرین اس کے بٹن' گل دان میں لگے پھولوں کا رنگ' پردوں کا پرنٹ۔۔۔ اب اسے سب کچھ صاف صاف دکھائی دینے لگا تھا۔ جنت نے اپنے دل میں سکون اطمینان کی لہر اترتی محسوس کی۔ وہ چند لمحے اسی طرح لیٹی چھت کو دیکھتی رہی' پھر اس کا حلق خشک ہونے لگا۔ پانی کے گلاس کی تلاش میں اس نے دائیں طرف دیکھا جہاں گلاس اور جگ کی موجودگی کا اسے واثق یقین تھا تب ایک اور تکلیف دہ حقیقت کا انکشاف ہوا۔ اس کا ہاتھ بری طرح لرز رہا تھا۔

اپنے بدن کی پوری طاقت لگا کر اس نے اس لرزش پر قابو پانے کی کوشش کی مگر اس کی کوشش کامیاب نہیں ہوئی۔ اس کا ہاتھ بدستور لرزتا رہا۔ پھر اس نے اپنا دوسرا ہاتھ آنکھوں کے سامنے کیا۔ اس ہاتھ کی حالت بھی پہلے سے مختلف نہیں تھی۔

معاً اسے یاد آیا۔ پچھلے کچھ روز سے اس کا سارا جسم رعشہ زدہ ہو رہا ہے۔

وہ چلتی تھی تو اس کی ٹانگیں کانپنے لگتی تھیں۔ پلنگ سے اٹھ کر باتھ روم جانے تک اسے کئی منٹ لگ جاتے تھے۔

اپنی حالت کا احساس ہوتے ہی اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

کیا وہ اسی طرح تنہائی میں مر جائے گی؟

کیا کوئی اس کا حال پوچھنے نہیں آئے گا؟

وہ جو ایک بھرے پرے گھر میں رہتی تھی۔۔۔ سب اس سے کتنی محبت کرتے تھے۔۔۔ وہ سب لوگ کہاں چلے گئے؟

کوئی اس کا حال نہیں پوچھتا۔ کوئی اس کے پاس نہیں آتا؟ وہ کتنی تنہا ہے۔

"تم اکیلی نہیں ہو جنت۔۔۔ میں تمہارے پاس ہوں۔"

ایک مردانہ آواز اسے چونکا گئی تھی۔ اس نے سرعت سے گردن موڑی۔ اس کا شوہر پلنگ کے داہنی جانب پڑی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ جنت خوف و دہشت سے کانپتی اٹھ بیٹھی۔

دیوار پر لگی تصویر خالی ہو چکی تھی۔ کرسی آباد تھی۔

جنت خوف زدہ نہ ہوتی تو کیا کرتی۔

"تت۔۔۔ تم۔۔۔ تم کیسے آ گئے؟"

"میں تو یہیں تھا جنت!" وہ اس کی معصومیت پر مسکرانے لگا۔ "میں تو کبھی گیا ہی نہیں۔۔۔ بھلا میں تمہیں چھوڑ کر کیسے جا سکتا تھا جنت!"

"پھر تم یہیں کیوں تھے۔۔۔ واپس تو میں آئی ہوں۔" باریک سی آواز تھی' جو بائیں طرف سے آئی تھی۔

جنت کو یاد آیا۔ وہ اس بچی کو دیکھ چکی ہے مگر کہاں؟۔۔۔ اسے یاد نہیں آیا۔

"آپ نے میرے بھائی کو مار دیا۔۔۔ مجھے مار دیا۔۔۔ آپ نے ایسا کیوں کیا؟" اس کے بال لمبے تھے اور بکھرے ہوئے تھے۔ اس کی آنکھیں بڑی بڑی تھیں۔

جنت کو یاد آیا۔ وہ اس بچی کو دیکھ چکی ہے۔ یہ یاد آتے ہی وہ ایک بار پھر خوف زدہ ہو گئی تھی۔

"تم۔۔۔ میں نے کسی کو نہیں مارا۔۔۔ تم جھوٹ بول رہی ہو۔" جنت نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

"میں جھوٹ نہیں بول رہی۔۔۔ تم نے ہمیں قتل کیا ہے۔" اس کی بڑی بڑی آنکھوں سے لہو ٹپکنے لگا تھا۔

"نہیں۔۔۔ نہیں۔" جنت نے کہنا چاہا لیکن کمرے کی دیواروں سے کالی ساری آنکھیں جھانکنے لگی تھیں۔ جنت نے دیکھا سفید لباس میں ملبوس کئی وجود اس کی طرف بڑھ رہے تھے۔

جنت خوف سے کانپتی پلنگ پر ڈھنے لگی۔

"میں نے کسی کو نہیں مارا۔۔۔ میں نے کسی کو قتل نہیں کیا۔" معاً وہ حلق کے بل چلائی۔ ساتھ ہی اپنی طرف بڑھتے ہاتھوں سے بچنے کی کوشش کرتی نیچے گر گئی۔ اس کا سر سینگ کی پٹی سے ٹکرایا۔ اور سر سے خون کا فوارہ سا بھوٹ نکلا۔

"میرے ساتھ چلو جنت!" جنت کا شوہر اس پر جھکا کہہ رہا تھا۔

"میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔ تم میرے ساتھ چلو۔"
"نہیں۔" وہ ادھر ادھر سر مارنے لگی۔ تکلیف اور خوف نے اسے نڈھال کر کے رکھ دیا تھا۔
"میرے ساتھ چلو جنت!"
"تم نے قتل کیا ہے۔ تم نے ہمیں مار دیا۔"
"یہ دنیا ہمارے لیے اچھی نہیں ہے۔ ہم یہاں سے چلے جائیں گے۔"
"نن۔ نہیں۔"
"آؤ جنت! میرے ساتھ آؤ۔"
"تم نے قتل کیا۔"
"نن۔ نہیں۔"
اس کا شوہر وہ پہلا شخص تھا جس نے اس کی گردن دبوچ لی تھی۔ اگر جنت ہوش میں ہوتی تو ضرور اس کی آنکھوں سے جھانکتی نفرت کو دیکھ لیتی مگر اسے سانس لینے میں دقت ہو رہی تھی۔ وہ سانس کھینچنے کے لیے پوری طاقت لگا رہی تھی۔ اسے اپنی گردن بھی آزاد کروانی تھی۔ اپنی زندگی کی بقا کے لیے اسے شدید جدوجہد کرنا پڑ رہی تھی۔
لیکن اتنی مزاحمت ناکافی تھی۔ گردن پر بڑھتے دباؤ کے ساتھ اس کے حواس اس کا ساتھ چھوڑ رہے تھے۔ اس کی آنکھیں باہر کی طرف ابل رہی تھیں۔ شور بڑھ گیا تھا۔ الزامات کی سنگ باری شدید ہو رہی تھی پھر اچانک ہر طرف سناٹا چھا گیا۔
اور جس وقت دروازہ توڑا گیا جنت کے جسم سے روح کو آزاد ہوئے دو دن گزر چکے تھے اور اس کے دونوں ہاتھ اس کی اپنی گردن میں گڑے ہوئے تھے۔

☼ ☼ ☼

"ماوی! ثمینہ آپا بہت دیر سے تمہارا پوچھ رہی ہیں؟" وہ گھر میں داخل ہوئی تو ممانی نے اس سے کہا۔
"میں پیکنگ مکمل کرلوں تو دیکھتی ہوں۔" اس کے انداز میں تھکن تھی۔
"بہتر ہوگا کہ پہلے مل لو۔ انہوں نے بہت دیر سے شور مچا رکھا ہے کہ ماوی کو لاؤ۔ وہ مجھے چھوڑ کر پاکستان چلی گئی ہے۔ میں بھی اس کے ساتھ جاؤں گی۔" ممانی بے زاری سے بتا رہی تھیں۔ وہ لاکھ اچھی سہی لیکن تھیں تو انسان اور اکتاہٹ بھی انسانی فطرت کا حصہ ہے۔
ماوی نے آہستگی سے سر اثبات میں ہلایا اور ثمینہ کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ اسی وقت سیڑھیوں کے قریب رکھا فون بجا تھا ماوی قریب تھی تو اس نے بڑھ کر ریسیور اٹھا لیا۔
"ہیلو۔" دوسری طرف سے جو خبر دی گئی اسے سن کر ایک پل کے لیے ماوی نے آنکھیں بھینچ لی تھیں۔
"اچھا۔ کب؟"
اس کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ ممانی ٹھہر کر اس کی بات سننے لگیں۔
"کیا بات ہے ماوی! سب خیریت تو ہے ناں؟"
"پاکستان سے فون تھا۔" ماوی نے آہستگی سے کہا۔ ممانی کو پاکستان سے آئے ہوئے کسی فون کال میں کچھ خاص دلچسپی نہ تھی۔
وہ سرسری سا اثبات میں سر ہلا کر اپنی طرف چلی گئیں۔

ماوی ثمینہ کے کمرے میں آگئی۔ ثمینہ بیڈ پر بیٹھی اپنے الجھے بالوں سے کھیل رہی تھیں۔ ان کا لباس بری طرح سلوٹوں کا شکار ہوا تھا۔ ماوی کو افسوس سا ہوا۔ اس کی ماں ہمیشہ اپ ٹو ڈیٹ حلیے میں رہتی تھی۔ کھڑکی سے آنے والی بارش کی روشنی ان کے وجود کو گھیرے ہوئے تھی۔
"ممی!" ماوی نے آہستگی سے پکارا۔
ثمینہ نے فوراً گردن موڑ کر اسے دیکھا۔
"ماوی! تم آگئیں۔" ان کی آنکھوں میں روشنی سی کوندی تھی۔ "مجھے پتا تھا تم مجھے چھوڑ کر پاکستان نہیں جا سکتیں۔"
"ممی! میں پاکستان جا رہی ہوں۔" اس نے ان کے پاس بیٹھتے ہوئے آہستگی اور نرمی سے کہا۔
"ہاں ہم دونوں پاکستان جا رہے ہیں۔" ثمینہ نے سرعت سے کہا تھا۔
"ہم دونوں نہیں ممی! صرف میں جا رہی ہوں۔ آپ یہیں رہیں گی۔" اس نے نرمی سے کہا۔
"نہیں ماوی! ہم دونوں جا رہے ہیں۔ میں نے تو اپنا سامان بھی پیک کرلیا ہے۔" ثمینہ بضد تھیں۔ "ہم دونوں جائیں گے اور جنت بیگم کو سزا دلوائیں گے۔"
"ممی! اب یہ ممکن نہیں ہے۔ ابھی پاکستان سے کال آئی تھی۔ پرسوں رات جنت بیگم کا انتقال ہو گیا ہے۔"
ثمینہ چپ ہو کر کچھ دیر اس کی شکل دیکھتی رہیں جیسے اس کے لفظوں کو تول رہی ہوں پھر انہوں نے کہا۔
"کیسے؟"
"ہارٹ فیل۔۔۔ آپ کو پتا ہے ناں ان کے بچوں نے ان سے قطع تعلقی اختیار کرلی تھی۔ حویلی میں اگرچہ وہ تنہا نہیں رہتی تھیں لیکن انہوں نے خود کو ایک ہی کمرے تک محدود کرلیا تھا۔ ملازم کہتے ہیں۔ اکثر کمرے میں ہی بند رہتی تھیں۔ کسی ملازم کو بھی آنے کی اجازت نہ تھی' ہاں ضرورت کے وقت ملازم کو بیل بجا کر بلا لیتی تھیں۔ دو روز تک کسی کو نہیں بلایا تو ملازمین نے اندر جا کر دیکھا۔ وہ زندہ نہیں رہی تھیں بلکہ ڈاکٹرز کا کہنا ہے' وہ دو روز پہلے ہی فوت ہو چکی تھیں۔"
"یہ بھی اس عورت کا کوئی ڈراما ہے ماوی! تم انوینا نہ مانو۔" اس کے خاموش ہوتے ہی ثمینہ نے تیزی سے کہا۔
"ایسے سخت دل لوگ اتنی آسانی سے نہیں مرتے۔ تم نے دیکھا نہیں جنت بیگم کی عمر کتنی لمبی ہے' کئی سالوں سے گاما رہے جیسے چلی جا رہی ہے۔" ماوی ان کی طرف دیکھ کر رہ گئی۔
"تم میری بات مانو۔ وہ ابھی بھی زندہ ہے' اس نے خود اپنی موت کا جھوٹ بولا ہے تاکہ سزا سے بچ سکے۔ میں سچ کہہ رہی ہوں وہ عورت بہت چالاک ہے۔ تم اس کی چالاکیاں نہیں سمجھ سکتیں۔ میں اسے اچھی طرح جانتی ہوں۔"
ثمینہ کا اصرار تھا کہ ختم ہونے کا نام ہی نہ لیتا تھا' ماوی نے گہری سانس بھر کر تاسف سے ماں کو دیکھا۔ ایک نہ ایک دن انسان کو مر ہی جانا ہوتا ہے۔ دوسروں کی زندگیوں کے فیصلے کرتے ہوئے پتا نہیں وہ یہ بات سوچتا کیوں نہیں ہے۔ کاش جنت بیگم نے بھی تو سوچا ہوتا کہ کتنی زندگیاں اس کی سفاکیوں کی نذر ہو رہی ہیں۔ اگر وہ ایسا سوچتی تو بہت بڑے بڑے نقصان ہونے سے بچائے جا سکتے تھے۔
اور خود ماوی کی بھی وہ کتنی بڑی مجرم بن گئی تھی۔ اس کے باپ نے جنت بیگم کی وجہ سے خودکشی کی تھی اور اس کی ماں جنت بیگم کی وجہ سے اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھی تھی۔ نقصان بڑا تھا اور افسوس کی بات یہ کہ اس نقصان کا ازالہ بھی ممکن نہ رہا تھا۔
ماوی خاموشی سے اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئی' اس کے سوا کر بھی کیا سکتی تھی۔

☼ ☼ ☼

یہ ایک چلچلاتی روشن صبح تھی' جب ماوی لاہور پہنچی۔ اس کے ساتھ مختصر سا سامان تھا۔ فیضان اسے لینے ایرپورٹ آئے تھے۔

"بہت کمزور ہوگئی ہو۔ طبیعت تو ٹھیک ہے ناں۔" فیضان نے فکرمندی سے اس کا سر تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ ان تک جنت بیگم کی وفات کی خبر پہلے ہی پہنچ چکی تھی۔

"میں تو خیر ٹھیک ہوں اور آپ کی خیریت نیک مطلوب ہے ..... خیر سے منگنی کروا کے تو آپ پر روپ آ گیا ہے۔" اس کی طبیعت کی شوخی ابھی بھی ماند نہ پڑی تھی یا وہ دانستہ خود کو فریش ظاہر کرنے کی کوشش میں تھی بہرحال فیضان قہقہہ لگا کر ہنس دیے۔

"تم نہیں سدھر سکتیں ماوی!" وہ اس کا سامان گاڑی میں رکھنے لگے تھے۔

"انیہا کیسی ہے؟"

"ویسی ہی ..... خوب صورت۔" فیضان نے مسکراہٹ دبائی۔

"ہاں ..... ہاں ..... اسے کہتے ہیں دل آئے گدھی پر تو پری کیا چیز ہے۔" ماوی نے آہ بھر کر بظاہر تاسف سے کہا تھا' فیضان ایک بار پھر ہنس دیے۔

"تم چلو' میں بتاتا ہوں انیہا کو۔"

"ہاں میں کوئی ڈرتی ہوں اس سے۔" اس نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے خوش گوار حیرت سے کہا تھا۔

چند منٹ خاموشی سے گزرے' فیضان گاڑی کو پارکنگ سے نکال کر مین روڈ پر لے آئے تھے۔

"ہم کہاں جائیں گے؟ میرا مطلب ہے آپ کے گھر یا انیہا کی طرف؟"

"جیسے تم مناسب سمجھو ..... میں تو کہتا ہوں گھر چلتے ہیں' تم کھانا کھا کر کچھ دیر آرام کر لینا پھر گاؤں کے لیے روانہ ہوں گے۔ ثروت آپا اور دانیال بھائی کا ارادہ بھی ہے جنت بیگم کے جنازے میں شریک ہونے کا۔" فیضان انیہا سے منگنی کے باوجود ثروت کو آپا اور دانیال کو بھائی کہہ کر ہی مخاطب کرتے تھے۔

"نہیں' کھانا تو میں نے پلین میں کھا لیا تھا اور آرام کرنے کی ایسی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے۔ میرا خیال ہے ہمیں گاؤں کے لیے روانہ ہونا چاہیے۔" ماوی نے کہا۔

فیضان نے محض اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

"ثمینہ آپا کی طبیعت اب کیسی ہے؟"

"ویسی ہی ہے جیسا آپ چھوڑ کر آئے تھے' کوئی خاص امپروومنٹ نہیں ہے۔" ماوی نے مایوسی سے کہا تھا۔

"ان ایکٹ دن بدن حالت بگڑ رہی ہے۔ میں نے انہیں جنت بیگم کی وفات کا بتایا تو کہنے لگیں' یہ بھی اس عورت کا کوئی نیا ڈراما ہے۔ وہ اتنی جلدی نہیں مر سکتی۔"

"آپا نے اصل میں اس سب کا بہت اثر لیا ہے۔ ہم میں سے کوئی بھی سمجھ ہی نہیں سکا کہ وہ کس ذہنی حالت سے گزر رہی ہیں۔ سب کا خیال تھا جب بھائی کے بعد وہ سنبھل چکی ہیں لیکن ایسا نہیں تھا۔ ان کے دل میں کچھ اور ہی چلتا رہا اور ہم بے خبر رہے۔"

ماوی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ کھڑکی سے باہر دیکھتی رہی۔ اسے وہ دن یاد آ رہا تھا جب وہ پہلی بار پاکستان آئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"یہ سچ ہے کہ جنت بی بی نے ہم سب کی زندگیاں برباد کیں۔" ثروت نے بسکٹ کی پلیٹ اٹھا کر ماوی کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

وہ دونوں لان میں بیٹھی تھیں۔ دھوپ ڈھل چکی تھی اور اچھی خاصی خنکی محسوس ہو رہی تھی۔ فیضان کو کچھ کام تھا۔ وہ اسے وہاں چھوڑ کر کچھ دیر کے لیے کہیں باہر گئے تھے۔

"شمیسہ کی طبیعت اب کیسی ہے؟" ماوی نے دانستہ موضوع تبدیل کرتے ہوئے پوچھا تھا۔ وہ اس موضوع سے حتی القدور دامن بچانا چاہتی تھی اور یہ بھی جانتی تھی کہ ایسا ہرگز ممکن نہ ہوگا۔ اس کے سوال کے جواب میں ثروت کے چہرے پر افسردہ' متاسف سی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

"کوئی خاص امپروومنٹ نہیں ہے اور ڈاکٹرز کوئی بہت حوصلہ افزا جواب بھی نہیں دیتے۔ کبھی کبھی مجھے ایسا لگتا ہے اتنے سالوں کے بعد جو مجھے اپنے بیٹے کو واپس حاصل کرنے کی امید بندھی تھی' وہ ٹوٹ جائے گی۔" ان کی آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے۔ ماوی اپنے مگ سے اٹھتی بھاپ کو دیکھ رہی تھی۔ اس کا بوجھل دل اور بھی بوجھل ہو گیا۔

"آپ اتنا مایوس نہ ہوں۔ اللہ آپ کے بیٹے کو تندرست کر دے گا۔" اس نے ایک گہری سانس اپنے اندر اتارتے ہوئے کہا۔ اس کے مگ میں ایک آخری گھونٹ باقی تھا اور ماوی سوچ رہی تھی' اب مگ واپس رکھ دینا چاہیے۔

"میں کیسے مایوس نہ ہوں۔ جنت بیگم نے سب برا کیا ہم سب کے ساتھ۔" ثروت ایک دم رونے لگی تھیں۔

"وہ انسانیت سے عاری عورت تھی۔ جلال نے مجھے بتایا کہ اس نے نہ صرف دانیال کے کان بھرے تھے بلکہ شمیسہ کو مجھ سے متنفر کرنے کے لیے ایسی ایسی باتیں اس کے ذہن میں ڈال رکھی تھیں کہ میں سوچتی ہوں تو مجھے خود سے شرم آنے لگتی ہے۔ وہ میرے سامنے زندہ ہو کر آئے تو میں اس عورت کو بتاؤں میں اس سے کتنی نفرت کرتی ہوں۔"

"آپ یہ سوچ کر مایوس نہ ہوں کہ کائنات میں جنت بیگم سے بڑی بھی ایک ذات ہے' جو ہم سب کے حساب لینے پر قادر ہے۔" ماوی نے یکدم ان کی بات کاٹ کر کہا۔

"بے شک جنت بیگم نے شمیسہ کو آپ سے متنفر کرنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن صرف اللہ تھا جس نے شمیسہ کو آپ سے نفرت کرنے نہیں دیا۔ کیا جلال نے آپ کو یہ نہیں بتایا کہ ہر طرح کی لاتعلقی برتنے کے باوجود وہ آپ سے لاتعلق نہیں رہتا تھا' اسے آپ کی فکر رہتی تھی۔ نہ صرف آپ کی بلکہ اسے آپ کی پوری فیملی کی فکر رہتی تھی۔ ولید کو اسپتال لے کر جانا اس بات کی سب سے بڑی نشانی ہے اور ایک مرتبہ تو اس نے جلال کے ایک دوست کو انیہا کو گھورنے پر بری طرح پیٹ ڈالا تھا۔"

"ہاں یہ بھی جلال نے مجھے بتایا تھا۔" ثروت نے ہاتھ میں پکڑے مگ کو دیکھتے ہوئے اور دوسرے ہاتھ سے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا تھا۔

"تو یہ سب کس کی مہربانی سے تھا' اللہ کی مہربانی سے ناں؟" ماوی نے اگلا سوال داغا۔

ثروت نے قدرے تامل سے اسے دیکھا پھر سوچتے سمجھتے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"تو جب اللہ آپ پر اتنی مہربانی کرتا رہا ہے' کیا اس کے لیے آپ جنت بیگم کی زیادتیوں کو بھول نہیں سکتیں۔" ماوی نے تحمل سے کہا تھا۔ ثروت کے لیے اس کی بات حیران کن تھی۔ ان کا چہرہ تاثرات کو چھپا نہیں سکا۔

"دیکھے بغیر مت لینا صبا۔" نگین نے اسے تنبیہ کی۔
"ہوسکتا ہے کوئی کا کروچ ہو یا پھر چوہیا۔" ضحی نے حفظ ماتقدم کے طور پر کھسکتے ہوئے مناسب فاصلے پر جا کر خاصا خطرناک خیال ظاہر کیا تھا۔
"لاحول ولا..... کیوں دل خراب کررہی ہو آپی۔" وجدان نے اسے گھورا تھا۔
"سب کو دکھا کے دینا تو طے نہیں ہوا تھا۔" نوفل اطمینان سے کہہ رہا تھا۔ اس کے انداز سے صبا اور بھی محتاط ہوگئی۔ ضحی کا کہنا درست بھی ہوسکتا تھا۔
"لے لو صبا۔ آخر کا کروچ کے بھی کچھ جذبات ہوتے ہیں یار۔" انس نے اسے پچکارا تو وہ نفی میں سر ہلاتی دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔
"یہ گفٹ آپ ہی کو مبارک ہو۔"
"دیکھ لیں، گھاٹے کا سودا کررہی ہیں۔" نوفل کے مسکرا کے کہنے پر وہ جیسے شکایتی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔
"اب کیا زندگی داؤ پر لگادوں؟"
"اوہو بچی کافی سیریس ہوگئی ہے۔ نوفل اب تو دکھا ہی دو یار۔" عماد نے در پردہ صبا کو چھیڑا تھا۔
نوفل نے اچٹتی نگاہ اس پر ڈالتے ہوئے قدرے توقف کے بعد بہت بشاشت سے کہا۔
"نہ صرف دکھاؤں گا بلکہ پہناؤں گا بھی۔"
وہ چٹکی سے تھامتے ہوئے سونے کا نہایت ہی نفیس چھوٹے چھوٹے زرقون جڑا بریسلیٹ دکھاتے ہوئے مسکرایا تھا۔
نگین نے صبا کا ہاتھ کھینچ کر اسے نوفل کے پاس بٹھادیا۔
"دیکھو تو کتنا خوب صورت ہے۔"
وہ بریسلیٹ سب کے ہاتھوں سے ہوتا ہوا خوب صورتی کی سند پاکر دوبارہ نوفل کے ہاتھ میں آیا تھا۔ وہ اس کی کلائی میں بریسلیٹ ڈال کر ہک لگا رہا تھا۔
صبا حد درجہ تحیر میں مبتلا تھی۔

سرپرائز پارٹی کہہ کر انوائیٹ کیا تھا تو پھر یہ۔
"تھینک یو۔" اس نے مدھم لہجے میں کہا تو وہ خوش گوار انداز میں بولا۔
"یو آر ویلکم۔"
"یار یہ ڈائیلاگ بیوی سے بولنا ممنوع نہیں ہوتا کیا؟" عماد بڑے تفکر سے پوچھ رہا تھا۔
"تو پھر آدمی جائے کہاں۔ محبوبہ رکھنے کی بھی ممانعت ہوتی ہے۔ بیوی سے بھی ڈائیلاگ نہ بولیں تو کیا کریں؟" انس نے فی الفور جواب دیا تھا۔
"شرم کریں۔ سب لوگ سن رہے ہیں بلکہ تایا جان کی طرف اگر آپ اس وقت دیکھ لیں تو سب ڈائیلاگز بھول جائیں گے۔" ضحی نے بروقت انٹری دے کر انس کی جذباتیت ہرن کردی تھی۔ وہ سب ہنسنے لگے تو انس اسے گھور کر رہ

گیا۔ کھانے سے فارغ ہوتے ہی مریم پھپھو اور عماد جانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔
"چائے تو پی لیں۔ میں تو کہہ رہی تھی کہ آج رک جاتیں۔" نگین نے انہیں روکنا چاہا تھا۔
"بس اب گھر جاکے ہی گے اور روز روز یوں خالی گھر چھوڑ کے آنا بھی اچھا نہیں ہوتا۔ حالات ویسے ہی خراب ہورہے ہیں۔"
"یہ صرف اکیلی رہ رہ کے اس قدر وہمی ہوگئی ہیں، تبھی تو میں کہتا ہوں بھولے آئیں کم از کم دوسرا ہٹ تو ملے گی۔" عماد نے بڑی ہمدردی دکھائی تھی۔ وہ گہری سانس لے کے رہ گئیں۔
"آئی، اس کا بینڈ بجوا ہی دیں اب۔" معید نے مریم پھپھو کو مشورہ دیا تو اس کے انداز پر عماد نے اسے گھورتے ہوئے بدلہ چکایا۔
"بینڈ تو بچو جی آپ کا بجنے والا ہے۔ وہ بھی بہت تھوڑے ہی دنوں میں۔ صرف چھوٹی عید ہی آزادی کی گزرے گی، بڑی تک آپ بھی قربان ہوچکے ہوں گے۔"
سب کی بے ساختہ ہنسی نے معید کو جھینپنے پر مجبور کردیا جبکہ ضحی دانت پیستی کسی اور موقع پر عماد کی کھنچائی کرنے کا سوچ رہی تھی۔
صبا چائے لے کر آئی تو تقریباً سبھی اپنے اپنے کمروں میں جاچکے تھے صرف انس اور نگین ٹی وی آن کئے اپنی بحث میں مصروف تھے۔
"نوفل چلے گئے.....؟" اس نے بے اختیار پوچھا تو نگین نے چائے کا مگ انس کو تھماتے ہوئے مسکرا کر کہا۔
"تمہیں بتائے بغیر تھوڑی چلے جائیں گے۔ ٹیرس پر گئے ہیں ان کی چائے وہیں لے جانا۔"
"ابھی تو سب کو چائے دینی ہے۔" صبا نے کہنا چاہا تو وہ اس کی بات کاٹ کر بولی۔
"تم ان کے لئے لے جاؤ باقی سب کو میں سرو کردیتی ہوں۔"
"اب اتنی سردی میں ٹیرس پہ جانے کا کیا مطلب ہے؟" صبا نے قدرے جھنجلا کر کہتے ہوئے چائے کا مگ اٹھالیا تھا۔ معید کے لئے چائے کا مگ اٹھا کر ساتھ چلتی نگین نے شرارت سے سرگوشی کی۔
"لگ رہا ہے آج بہت رومینٹک موڈ میں ہیں تبھی تو موسم کی ٹھنڈک اثر نہیں کررہی۔" صبا بدقت مسکرا پائی۔
اس قدر یخ بستہ آدمی پر بھلا موسم کی سردی کیا اثر کرے گی۔

بمشکل وہ سامنے ریلنگ کے ساتھ کھڑا لان میں جھانکتا دکھائی دیا تھا۔
"آپ کی چائے۔" صبا نے آہستگی سے کہا تو وہ پورے کا پورا اس کی طرف گھوم گیا۔
"تھینک یو۔" چائے کا مگ تھامتے ہوئے اس نے بہت خوش گوار انداز میں کہا تھا۔ صبا کی حیرت حد سے سوا ہونے لگی۔ یہ نوفل احمد کا کون سا روپ تھا؟ وہ تو بہت کھلا کھیلنے کا عادی تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اول روز سے لے کر اب تک کا ہر روپ صبا کا پرکھا ہوا تھا۔
اور ان کے مابین کل جو کچھ ہوا تھا، جیسے وہ اسے گیٹ کے باہر ڈراپ کر کے گیا تھا اس کو مدنظر رکھتے ہوئے تو صبا کو یہ سب خواب ہی لگ رہا تھا۔ اب چاہے جو بھی ہو مگر صبا کو فطری تجسس نے گھیرے میں لے رکھا تھا۔
"اتنی ٹھنڈ میں کیوں کھڑے ہیں؟" نا چاہتے ہوئے بھی وہ اسے ٹوک گئی تھی۔

وہ اتنی مطمئن لگ رہی تھی کہ ثروت اسے دیکھتی رہیں۔ اس کے خیالات نے جیسے سوچ کا کوئی در کھول دیا تھا۔

"مجھے اچھا لگ رہا ہے تمہارے خیالات جان کر۔" ثروت نے پیار سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ ان کے لیے ایسا ہی تھی۔

"اتنی چھوٹی عمر میں اتنی اعلا ظرفی کا مظاہرہ ہر کوئی نہیں کر سکتا۔ جلال خوش قسمت ہے کہ اسے تم جیسی اچھی بیوی مل رہی ہے۔"

ثروت کی بات کے جواب میں ہادی کو یکدم شرم سی محسوس ہوئی تھی۔

"میرا خیال ہے میں زیادہ خوش قسمت ہوں کہ مجھے جلال جیسا اچھا انسان مل رہا ہے۔" اس نے دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ کہا تھا۔ ثروت ہنس دیں۔

"اسے کہتے ہیں پرفیکٹ میچ۔۔۔ ایک روز ہاسپٹل میں میری جلال سے بات ہوئی تو اس نے تمہارے متعلق بھی یہی کہا تھا کہ وہ خود کو زیادہ خوش قسمت سمجھتا ہے کہ خدا نے تمہیں اس کی قسمت بنایا۔"

ہادی کے لیے یہ ایک خوش گوار احساس تھا کہ جلال نے ناراضی کے باوجود اس کا ان الفاظ میں ذکر کیا۔ وہ بھرپور طریقے سے مسکرا دی۔ چلو شکر کہیں نہ کہیں تو گنجائش کا احساس ہوا۔

"میں ذرا انیصا کے پاس بیٹھی ہوں۔"

"اعلا ظرفی بھی کیسی بڑی نعمت ہے خدا کی۔" ثروت نے گرم چادر کو اپنے گرد اچھی طرح لپیٹتے ہوئے ہادی کو بے حد مطمئن انداز میں اندر کی طرف جاتا دیکھ کر رشک سے سوچا تھا۔

خنک شام رات کے پردے میں بدلنے لگی تھی اور آسمان پر تھکے ہارے پرندے اڑان بھر رہے تھے۔

"پھر کیا۔۔۔؟" انیصا نے شرمیلی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "فیضان نے میرا ہاتھ پکڑا اور بولے تمہارے بغیر تو اب زندہ رہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

اس کے چہرے پر رنگ چھوٹ رہے تھے۔ ہادی نے دلچسپی سے اسے دیکھا پھر چڑانے کو بولی۔

"جھوٹ۔۔۔ سراسر جھوٹ۔۔۔ میں مان ہی نہیں سکتی فیضان ماما نے ایسا کہا ہو۔ کہاں ان جیسا خشک مزاج' بورنگ ٹوپی اور کہاں اتنی رومانٹک بات۔"

"ارے! تمہیں کیا پتا اپنے ماما کا۔ ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ۔" انیصا نے خود اپنی ہی بات کا مزا لیتے ہوئے کہا تھا۔

ہادی مسکراتی رہی۔ انیصا کی واقعی خوشیوں کے لیے اس کے دل سے دعائیں نکل رہی تھیں۔

"میں ٹھیک سے وضاحت نہیں کر سکتی ہادی! مگر میں کتنی خوش ہوں۔ جو چاہتی تھی زندگی میں مل رہا ہے۔ ممی ڈیڈی کے ایشوز ریزولو ہو گئے۔ ولید ٹھیک ہو گیا اور۔۔۔ اور فیضان کی محبت بھی مجھے مل رہی ہے۔۔۔ اب تو کبھی کبھی خوف آنے لگتا ہے کہ کہیں یہ سب کوئی خواب تو نہیں۔"

"اللہ نہ کرے کہ یہ خواب ہو۔۔۔ اللہ تمہیں اتنی خوشیاں دے کہ تم بھول ہی جاؤ غم کیا ہوتا ہے۔" ہادی نے کہا۔

"اور تم خود کیسی چھپی رستم نکلی ہو۔ ہوا تک نہیں لگنے دی کہ جلال بھائی کے ساتھ کیا معاملہ چل رہا ہے۔ ہاؤ اینڈ اسٹینڈنگ ڈویلپ ہوئی۔ نکاح تک ہو گیا اور ہمیں کان و کان خبر تک نہ ہو سکی۔ بھئی واہ۔۔۔"

ہادی کے پاس اس سوال کے جواب میں ایک مسکراہٹ کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔

"اب خالی خولی مسکرانے سے بات نہیں بنے گی۔ مجھے اول سے آخر ساری بات بتاؤ۔"

کوئی بات ہے ہی نہیں۔ کیا بتاؤں۔" ہادی نے سستی سے نیم دراز ہوتے ہوئے گویا بات رفع دفع کرنی چاہی۔

"ارے بھئی کچھ تو ہو گا بتانے والا۔۔۔ کوئی خوب صورت سی فلرٹنگ۔۔۔ کوئی دھکی چھپی ملاقات۔۔۔" انیصا نے ہمت نہیں ہاری تھی۔

ہادی خوب ہنسی۔ اپنی الجھن چھپانے کی ایک لاشعوری کوشش پھر کپڑے جھاڑتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ارے جا کہاں رہی ہو میری بات کا جواب تو دینا ہی پڑے گا۔"

"کوئی بات ہی نہیں ہے انیصا! تو کیا جواب دوں؟" اس نے سرسری انداز میں کہا تھا۔

"ایسے کیسے ممکن ہے۔۔۔ آخر کچھ نہ کچھ تو ایسا ہو گا جو معاملہ نکاح تک پہنچا۔" انیصا کو جیسے اس کی بات کا یقین ہی نہیں آیا تھا۔

"کاش واقعی کچھ ایسا ہوتا۔" ہادی نے سوچا اس کے دل پر بوجھ سا آن رکا تھا۔

اعلا ظرفی بھی کیسی بڑی نعمت ہے خدا کی۔" ثروت نے گرم چادر کو اپنے گرد اچھی طرح لپیٹتے ہوئے ہادی کو بے حد مطمئن انداز میں اندر کی طرف جاتا دیکھ کر رشک سے سوچا تھا۔

خنک شام رات کے پردے میں بدلنے لگی تھی اور آسمان پر تھکے ہارے پرندے اڑان بھر رہے تھے۔

"پھر کیا۔۔۔؟" انیصا نے شرمیلی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "فیضان نے میرا ہاتھ پکڑا اور بولے تمہارے بغیر تو اب زندہ رہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

اس کے چہرے پر رنگ چھوٹ رہے تھے۔ ہادی نے دلچسپی سے اسے دیکھا پھر چڑانے کو بولی۔

"جھوٹ۔۔۔ سراسر جھوٹ۔۔۔ میں مان ہی نہیں سکتی فیضان ماما نے ایسا کہا ہو۔ کہاں ان جیسا خشک مزاج' بورنگ ٹوپی اور کہاں اتنی رومانٹک بات۔"

"ارے! تمہیں کیا پتا اپنے ماما کا۔ ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ۔" انیصا نے خود اپنی ہی بات کا مزا لیتے ہوئے کہا تھا۔

ہادی مسکراتی رہی۔ انیصا کی واقعی خوشیوں کے لیے اس کے دل سے دعائیں نکل رہی تھیں۔

"میں ٹھیک سے وضاحت نہیں کر سکتی ہادی! مگر میں کتنی خوش ہوں۔ جو چاہتی تھی زندگی میں مل رہا ہے۔ ممی ڈیڈی کے ایشوز ریزولو ہو گئے۔ ولید ٹھیک ہو گیا اور۔۔۔ اور فیضان کی محبت بھی مجھے مل رہی ہے۔۔۔ اب تو کبھی کبھی خوف آنے لگتا ہے کہ کہیں یہ سب کوئی خواب تو نہیں۔"

"اللہ نہ کرے کہ یہ خواب ہو۔۔۔ اللہ تمہیں اتنی خوشیاں دے کہ تم بھول ہی جاؤ غم کیا ہوتا ہے۔" ہادی نے کہا۔

"اور تم خود کیسی چھپی رستم نکلی ہو۔ ہوا تک نہیں لگنے دی کہ جلال بھائی کے ساتھ کیا معاملہ چل رہا ہے۔ ہاؤ اینڈ اسٹینڈنگ ڈویلپ ہوئی۔ نکاح تک ہو گیا اور ہمیں کان و کان خبر تک نہ ہو سکی۔ بھئی واہ۔۔۔"

ہادی کے پاس اس سوال کے جواب میں ایک مسکراہٹ کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔

"اب خالی خولی مسکرانے سے بات نہیں بنے گی۔ مجھے اول سے آخر ساری بات بتاؤ۔"

"انسان خدا نہیں ہوتا کہ دوسروں کی زندگیوں کے فیصلے کرتا چلا جائے۔"

جنت بیگم کی بے حس و حرکت میت کو دیکھتے ہوئے مادی سوچ رہی تھی۔ انسان تھی سینے میں دل تھا سو موت کے فطری احساس سے آنکھوں میں آنسو بھی آگئے تھے۔

انسان پیدا ہوتا ہے اور مرجاتا ہے۔ پیدائش اور موت کے اس درمیانی عرصے میں وہ کیا کیا غلطیاں کرتا ہے اگر ایک بار مرنے کا احساس کرلے تو دنیا ہی نہیں اس کی آخرت بھی بدل سکتی ہے۔ موت اور صرف موت۔۔۔ زندگی کی سب سے اٹل حقیقت ہے پھر بھی نا سمجھ انسان سبق نہیں سیکھتا اور دوسروں پر عرصہ حیات تنگ کرتا چلا جاتا ہے جیسے جنت بیگم نے پوری تین نسلوں کے سکون کو اپنی خود پسندی کی بھینٹ چڑھا دیا تھا۔

"آپ جن لوگوں کو اپنے پیچھے چھوڑ کر جارہی ہیں ان کے کندھوں پر آپ کی زیادتیوں کا بہت بوجھ ہے۔ جب تک یہ بوجھ کم نہیں ہوگا ان کے دل سے آپ کے لیے دعا نہیں نکلے گی اور جب تک وہ دعا نہیں دیں گے آپ کے حساب کتاب کو ہلکا نہیں کرے گا۔ میں کوشش کروں گی آپ سے خفا لوگوں کو آپ کے لیے راضی کر سکوں۔ مجھے یقین ہے اسی نیکی کے بدلے اللہ میری ممی کو بھی ٹھیک کردے گا اور مجھے جلال سے بھی معافی دلادے گا۔"

مادی دل ہی دل میں جنت بیگم سے مخاطب تھی۔

☆ ☆ ☆

دو روز حویلی میں گزار کر آج ان سب نے واپسی کا ارادہ کرلیا تھا۔ حویلی اسی طرح سوگوار تھی۔ مادی جانے سے پہلے جلال سے بات کرنا چاہتی تھی لیکن وہ تھا کہ ایسا کوئی موقع دے ہی نہیں رہا تھا۔ پھر نکلنے سے کچھ دیر قبل اسے موقع مل ہی گیا۔ حرم نے بتایا وہ پچھلی طرف گیا ہے۔

مادی ایک بھی پل ضائع کیے بغیر اس طرف آگئی۔ وہ سیڑھیوں پر سر جھکائے بیٹھا تھا۔ شام کے چہرے پر اداسی کا عکس نمایاں ہورہا تھا اور خزاں کی خنک ہوا درختوں کے سوکھے پتے اڑا رہی تھی۔ مادی متذبذب کھڑی تھی۔ اسے جلال کو کس طرح مخاطب کرنا چاہیے۔

اپنے عقب میں کسی کی موجودگی کا احساس کرکے جلال نے ذرا سی گردن موڑی تھی۔ اسے دیکھ کر خفیف سا حیران ہوا۔

"تم لوگ ابھی تک گئے نہیں؟" اس کی دھیمی آواز تھی۔ مادی خفیف سی ہوگئی۔ وہ اس بات کی توقع نہیں کررہی تھی۔

"جلال! میں تم سے ایک بار ایکسکیوز کرنا چاہتی ہوں۔" اس نے جلدی سے اور لجاجت سے کہا تھا۔

"میں خفا نہیں ہوں مادی! پھر تم کس لیے معذرت کروگی؟" اس نے پھیکے سے انداز میں کہا۔

"مجھے اپنی پوزیشن کلیئر کرنے کا ایک موقع تو دو جلال! میں جانتی ہوں میں نے تمہارے ساتھ بہت برا کیا ہے۔"

"تم نے برا نہیں کیا میری قسمت نے برا کیا۔" جلال نے ایک دم بے زاری سے کہا تھا۔

"تم سے وہ سب غیشہ آپی نے کروایا تھا۔ تمہاری تو کوئی غلطی نہیں۔ ٹھیک ویسے ہی جیسے تمہیں مجھ میں کوئی انٹرسٹ نہیں۔۔۔ تم جب کہو گی میں تمہیں طلاق۔۔۔" اس کی زبان واضح لڑکھڑائی تھی۔ "طلاق دے دوں گا۔"

مادی چپ سی رہ گئی اس نے تو فوراً فیصلہ سنا ڈالا تھا۔

"اور اگر میں کہوں کہ مجھے طلاق نہیں چاہیے تو۔۔۔؟" وہ تیزی سے سیڑھیاں اتر کر اس کے سامنے آئی تھی۔

جلال نے تعجب سے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

"طلاق نہیں چاہیے تو پھر؟ اس طرح تو گزارا نہیں ہوسکے گا۔ تمہیں کہیں نہ کہیں تو شادی کرنی ہی ہے اور ایک بیوقوف میں تمہیں نکاح نہیں کرسکتیں۔۔۔ مغربی معاشرے میں پلی ہو میرا خیال ہے یہ بات کسی نے بھی نہیں بتائی تمہیں۔" جلال نے سنجیدگی سے چوٹ کی۔

"میں مغربی معاشرے میں پلی ہوں لیکن تربیت میری اسلامی اصولوں کے مطابق ہوئی ہے۔ میرے ویسٹرن کپڑوں سے تم میرے اپ ٹو ڈیٹ (اخلاقیات) کا انتہائی غلط اندازہ لگایا ہے۔" وہ چڑچڑے پن سے بولی۔

"میں اچھی مسلمان ہوں الحمدللہ اور مشرقی بھی۔ اسی لیے تم سے یہ نہیں کہہ پارہی کہ میں اپنی ساری زندگی تمہارے ساتھ گزارنا چاہتی ہوں۔"

جنت تو بھی گیا وہ اپنی ماں کی خوشی کے لیے کیا۔ اپنی غلطی کا اتنا بڑا کفارہ مت کرو۔" چند منٹ بعد جلال نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"تم میرے ساتھ خوش نہیں رہ سکو گی مادی! کیونکہ تمہیں مجھ سے محبت تھی ہی نہیں۔ اب بھی اگر تم میرے ساتھ رہنا چاہتی ہو تو صرف اس لیے تاکہ اپنی غلطی سدھار سکو۔" وہ کچھ زیادہ ہی حقیقت پسند ہورہا تھا۔

"بالکل صحیح کہہ رہے ہو مجھے تمہاری کسی بات سے اختلاف نہیں ہے سوائے اس کے کہ میں تمہارے ساتھ خوش نہیں رہ سکوں گی۔ یہ کس کتاب میں لکھا ہے کہ شادی سے پہلے محبت کی جائے تب ہی انسان خوش رہ سکتا ہے۔ میں ایسے کئی لوگوں کو جانتی ہوں جنہوں نے پہلے محبت کی پھر شادی۔۔۔ اور ان کی شادی کامیاب نہ رہی اور میں ایسے لوگوں سے بھی ملی ہوں جنہوں نے شادی کے بعد محبت کی اور۔۔۔ میں تمہیں پسند کرتی ہوں۔ محبت شادی کے بعد کرلوں گی۔ البتہ تمہیں مجھ سے پہلے بھی محبت کرنا ہوگی اور بعد میں بھی۔۔۔ محبت لڑکیوں کا پیدائشی حق ہوتی ہے اور تم مجھ سے میرا یہ حق نہیں چھین سکتے۔"

جلال کا انداز حواس بھرا تھا۔ جلال حیران ہوا پھر ہنس دیا۔ اس ہنسی میں اقرار تھا۔

مادی ہلکے پھلکے دل اور بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ اس کے قریب آئی۔ اس کے بازو میں ہاتھ ڈالا اور اپنا سر بچگانہ سے اس کے شانے پر ٹکا دیا۔

"میری ایک بات مانو جلال! ماضی میں جو ہوا اسے بھول جاؤ زندگی آسان ہوجائے گی۔" مادی کہہ رہی تھی اور اس سے قبل کہ جلال کوئی جواب دیتا اس کی جیب میں رکھا سیل فون بجنے لگا تھا۔

جلال نے فون کان سے لگایا چند منٹ بات کی پھر مادی کی طرف دیکھا۔ وہ کچھ خوش تھا کچھ بے یقین۔

"اسپتال سے فون تھا۔۔۔ شبیہہ کو ہوش آگیا ہے۔"

"کیا۔۔۔" مادی خوش ہوئی۔ "یہ تو بہت خوشی کی خبر ہے۔۔۔ میں نے کہا تھا ناں جلال! اللہ خوش ہو تو نواز تا ضرور ہے۔"

جلال نے شکر گزار مسکراہٹ کے ساتھ آسمان کی جانب دیکھا۔ تنوی کی رہائی کا وار اور شبیہہ کے ہوش میں آنے پر وہ مطمئن تھا کہ اب سب ٹھیک ہوجائے گا۔

اس نے مادی کا اپنے بازو پر رکھا ہاتھ تھپتھپایا اور اپنا سر اس کے سر سے لگا دیا۔

ڈھلتی ہوئی شام کا ستارہ آسمان کے کنارے روشن ہوچکا تھا۔ یہ شام کا ستارہ نہیں امید کا ستارہ تھا اور ان دونوں کو دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

☆